UNIVERSAL
LIBRARY
OU_222661
UNIVERSAL
LIBRARY

222 661

جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ ہیں

إِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِكْمَةً وَإِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا

ہزار ہزار شکر اُس ناظمِ کون و مکان کا کہ زبان اُردو کے شعرائے
ماضی و حال کا یہ مکمل تذکرہ موسوم بہ

جس کا تاریخی نام مصحفی

خمخانۂ جاوید

قرار پایا ہے اور جو

لالہ سری رام ایم۔ آے منصف دہلوی خلف الصدق عالیجناب آنریبل رائے بہادر
صاحب سیر سر رشتہ داری ریئس و لاہور کی لگاتار محنت تلاش اور کوشش کا نتیجہ ہے
مطبع منشی نول کشور واقع لاہور میں چھپکر شایع ہوا

ورق پر باہتمام شیخ محمد اکرام مخزن پریس دہلی میں چھپا

نذیر خان پریس

مارا وا[illegible] قیمت [illegible] علاوہ محصول

تذکرہ ہزار داستان

معروف بہ

خمخانۂ جاوید

۱۳۲۵ھ

مؤلفہ

لالہ سری رام ایم۔ اے منصف دہلوی خلف الصدق عالیجناب
آنریبل رائے بہادر [illegible] سرگباشی

مطبوعہ مخزن پریس دہلی

٣٦٧
٨٩١٥٤٣١٠٩
س خ
٥١٣ف



بحضور اقدس اعلیحضرت قدر قدرت بندگان عالی متعالی مظفر الممالک نظام الملک نظام الدولہ محبوب علیخاں بہادر

فتح جنگ آصف جاہ سادس جی سی ایس آئی جی سی بی شاہ دکن خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ

ہندوستان میں زبان اردو کی تصنیف یا تالیف کیلئے اس سے بڑی کوئی عزت نہیں ہوسکتی کہ شاہ دکن

اعلیحضرت میر محبوب علیخان جی سی ایس آئی جی سی بی اپنے نام پر کا ڈیڈیکیشن مسلوز فرماویں تھا

جو آج وہ عنایات شاہانہ سے میری تالیف کو حاصل ہوتا ہے کہ اردو کے سب سے بڑے سرپرست نے جو علاوہ

سریر آرائے سلطنت ہونے کے خود قلیم سخن کا بھی تاجدار ہے۔ اس ناچیز نذر کو خلعت قبول عطا

فرمایا ہے میرے لئے ہمیشہ سرمایہ ناز رہیگا۔ حرفوں کی محنت کا صلہ بندگان عالی کی اس ذرہ نوازی کو ملگیا

غبار راہ گشتم سرگشتم تو تیا گشتم
بہ چندیں رنگ گشتم تا بہ خدمت آشنا گشتم

میں نہایت ادب کے ساتھ یہ تذکرہ نخبہ جاوید کو حضور کے نام نامی سے معنون کرتا ہوں

اور امید کرتا ہوں کہ اس مبارک نام کی بدولت یہ تذکرہ بھی حیات جاوید پائے گا۔

گذرانیدہ خادم انام سریرام

دیباچہ

کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ
شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

حضرات ناظرین! جب میں ابتدائی تعلیم کے پنجے سے چھوٹا اور کالج میں داخل ہوا تو ادھر مذاقِ سخن دامنگیر ہوا۔ اُدھر تعلیم کی مشکلیں گلوگیر۔ غرض ایک طرف کلام اور اہل کلام کی واقفیت کا عشق تام تھا۔ دوسری جانب دنیوی دھندوں اور خاندانی حصول علم کا تقاضا صبح و شام۔ نہ اسے چھوڑے بنتی تھی اور نہ اس سے مُنہ موڑے سرتی تھی۔ یہ از خود رفتہ جنوں یہاں تک بڑھا کہ گھر کے مطالعہ کو طاق پر اور اوقات کالج کو زبردستی سر پر رکھا۔ اساتذۂ سلف و حال کی خوش کلامی کو مونس اور اُن کے حالات کو اپنا وظیفہ قرار دیا۔ اور دل میں ٹھیرا لیا کہ جملہ اساتذہ و دل دادگان سخن کی ایک مجلس منعقد ہو۔ اور اُن کے کلام کا لُبِ لباب یکجائی صورت میں مہیا کیا جائے۔

اس خیال سے مختلف تذکروں کی فراہمی اور مطالعہ شروع کیا۔ مگر افسوس اُن میں سے کوئی بھی دل میں نہ کُھبا۔ **آبِ حیات** جو تلاش و تحقیقات کی انتہا۔ تنقید حسنہ کا قابل تقلید نمونہ اور اُردو ادب و زبان کی خدمت میں ایثار کے ساتھ فصاحت و بلاغت اور اعلےٰ انشا پردازی کا ایک بے مثال مرقع ہے۔ اس کی نسبت شروع سے میرا یہ خیال تھا کہ یہ تذکرہ محققانِ زبان و مشاقانِ عروض اور خاصکر مشاقانِ انشا پردازی کے حق میں خضر راہ ہوگا۔ اور آبِ حیواں کا کام دیگا۔ مگر جب مجھ تشنہ لب سخن کی ان اوسوں سے پیاس نہ بجھی تو کسی دوسرے سرچشمہ کی تلاش ہوئی۔ کیونکہ اس کے جامع نے اول تو اس میں خاص الخاص چند مشاہیر شعراء کے

حال اور برائے نام کلام کے سوا دیگر مشتاقان سخن سے غرض نہیں رکھی۔ دوسرے کلام بھی لیا تو بطور نمونہ ہی لیا۔ انتخاب کا خط نہ آنے دیا۔ گو انہوں نے مجبوراً یہ امر امر اختیار کیا۔ ورنہ چار دور کیا۔ وہ ایک دور کے شاعر بھی نہ لکھ سکتے۔ مگر اس سے وہ بات نہ ہوئی جس سے اپنی طبیعت کھلتی۔ اور اُن اہل دور کا میلان طبع معلوم ہوتا۔ خدا جھوٹ نہ بلائے تو جدید و قدیم بیسوں تذکرے دیکھ ڈالے۔ سینکڑوں بیاضیں وقف نظر کر دیں۔ لیکن افسوس صد افسوس جملہ تذکروں کو عام اور ہمہ گیر پایا۔ اُن مدوّنوں نے رطب و یابس۔ عام و خاص۔ بلکہ عوام الناس میں بھی کچھ تمیز نہ رکھی۔ یہاں تک کہ بعض تذکرے تو عامیانہ درجے پر پہنچ گئے۔ بھرتی کے شاعروں اور اُن کے کلام کی وہ بھرمار دیکھی کہ ان سے طبیعت پھر گئی۔ اس طوفان بے تمیزی میں تو لنگڑے لُولے ہر قسم کے سوار بھرتی تھے۔ جنہیں قافیہ کی خبر۔ نہ ردیف کی سُدھ۔ کوئی مضمون سے بحث نہ موزونیت سے لینا +

ہاں گلستانِ سخن۔ گلشن بیخار اس سے مستثنےٰ ہیں۔ یہ دونوں تذکرے مجھے پسند آئے اور دل سے پسند آئے۔ ارکان تذکرہ نویسی سے مالا مال۔ محققانہ پابندی سے اپنے مدوّنوں کا کمال دکھا رہے تھے۔ لیکن گلستانِ سخن کے جس کی تدوین مولانا امام بخش صہبائی نے کی۔ اور مرزا قادر بخش صابر نے اپنے نام سے چھپوایا۔ دہلی سے آگے قدم بڑھانے کو عار سمجھا۔ لفظ صابر کی رعایت سے اس نے شاہجہانی شہر پناہ کے اندر کی زمین کو زمین اور اُس کے اوپر کے آسمان کو آسمان جانا۔ صرف سرو قدانِ دہلی سے کام رکھا۔ باہر کے لہلہاتے ہوئے شمشادوں کو وہیں کھڑا رہنے دیا۔ البتہ دوسرے گلشن سدا بہار نے خاص خاص رنگ کے پھول چُنے اور ان کے گلدستے بنائے مگر پھر بھی چمنستان سخن کے صدہا خوشنما پھول گلچین کی مہربانی یا تغافل (جو چاہو اس کا نام رکھ لو) کی بدولت اپنی شاخوں پر پژمردہ ہو کر رہ گئے +

متاخرین میں سخن شعرا کا پایہ بڑھ جاتا۔ اگر وہ غلط بیانی اور ذاتی تعریف پر نہ جھک پڑتا +

غرض اِدھر تو کوئی دلپسند مجموعۂ کلام دستیاب نہ ہُوا۔ اور اُدھر اپنا شوق پورا کرنے کے واسطے مختلف شعراء کا کلام جمع کرنا پڑا۔ پس یہی اس کی تدوین اور ترتیب کا باعث ہُوا۔ اور یہاں تک ذخیرہ بڑھا کہ اس تذکرۂ ہزار داستان کو پانچ جلدوں میں تقسیم کئے بغیر کوئی اور صورت نظر نہ آئی +

اس تذکرہ کی پہلی جلد پیش نظر ہے۔ اس وقت کو جب میں نے دھڑکتے ہوئے دل اور کانپتے ہوئے ہاتھ سے اس کا اوّل جزو لکھا تھا آج پورے سترہ برس ہو گئے۔ گو سترہ برس کہنے میں دو لفظ اور سُننے میں ایک بات ہے۔ مگر اس برق رفتار زمانے میں کسی کام کو انجام تک پہنچانا درحقیقت نہایت دشوار کام ہے۔ تعلیم کی تکمیل۔ امتحانات کی تیاری۔ ملازمت کی پابندی۔ خاندانی سانحات تفکرات و مکروہات اور دائمی مریض رہنے کے باعث یہ تذکرہ اس عرصہ تک تعویق اور التوائے اشاعت میں پڑا رہا۔ مگر پھر بھی اس کا کچھ نہ کچھ کام ہوتا ہی رہا۔ میرے دل کی کیسی ہی حالت کیوں نہ ہوئی۔ ناپسند واقعات زندگی نے کتنا ہی مجبور کیوں نہ کیا۔ مجھے مختلف بیماریوں نے کیسا ہی کیوں نہ گھیرا۔ گرم و سرد زمانہ نے کتنا ہی جی سرد اور دماغ بیکار کیوں نہ کیا۔ اس تذکرے کی تکمیل کا چن میرے سر سے نہ اُترا۔ اور اس کی اشاعت کی دُھن عاشقانہ دُھن بن کر میرے دل و دماغ کو اُبھارے گئی +

جس دوست یا بزرگ کی خدمت میں باریابی ہوئی۔ شعراء کے حالات اور کلام کا ذکر میرا مشغلہ اور مکالمہ ٹھیرا۔ بات کوئی ہوتی۔ مگر میری زبان سے اُس کے جواب میں کسی شاعر کا کلام یا اُس کا ذکر نکل جاتا +

بارے خدا خدا کر کے جناب باری کے فضل و کرم سے آج یہ دن نصیب ہُوا کہ

ارباب مذاق کے حضور میں یہ دل شگفتہ کرنے والا گلدستہ جو چمن چمن کے پھولوں گلشن گلشن کی پتیوں۔ ڈال ڈال اور پات پات کی کلیوں سے چُن چُن کر موزون ہُوا ہے پیشکش کرنے سے اُن کے دل کی شگفتگی اور قبولیت کا فخر حاصل کروں جس طرح گلدستہ کی تہ جمانے کے واسطے طرح طرح کی پتیاں اور اس کے دلاویز بنانے کے لئے رنگ برنگ کے پھول قرینے سے لگائے جاتے ہیں۔ اسی طرح آپ اس مجموعۂ کلام و مجمعِ اہلِ کلام میں مختلف مذاق۔ مختلف خیال۔ مختلف انداز پائینگے۔ کہیں طرزِ جدید۔ کہیں طرزِ قدیم کے سخن سنجوں سے ملاقات فرمائینگے۔ یہ وہ محفل ہے کہ اس میں سلطان ابن السلطان۔ خاقان ابن الخاقان۔ امیر سے امیر اور غریب سے غریب موزون طبع۔ فصیح الکلام کا پہلو دباتے نظر آئینگے۔ اگرچہ میں اس بات کو دل سے مانتا اور انصاف سے جانتا ہوں کہ تاریخ نویسی کی نسبت تذکرہ نگاری ایک بڑے دماغ۔ بڑی تلاش۔ طبع نقاد اور ذہن وقاد کا کام ہے۔ جملہ شعرائے ماضی و حال کا بتمامہٖ حال لکھنا۔ کیا بقید ولدیت و سکونت۔ کیا بہ تخصیص اُستادیا و لاوت و ممات سخت دشوار امر ہے اور خاصکر زمانۂ حال کی شاعری کہ طوائف الملوکی سے کم درجہ نہیں رکھتی اور ہر شخص بہ زعم خود اُستاد ہے۔ ایسی صورت میں شعرائے حال کا حصر محالات سے تھا۔ اساتذہ نے مہت سے تذکرے لکھے اور لکھینگے۔ لیکن ہر شخص کا مذاق جدا کوئی بال کی کھال کھینچنی پسند کرتا۔ کوئی نکتہ چینی کو اپنا فرض جانتا ہے۔ کوئی بالغ نظری پر گرا ہُوا ہے۔ کوئی معاملہ بندی پر جھکا ہُوا ہے۔ کوئی محاورہ بندی کا دلدادہ ہے۔ کوئی روزمرہ پر فریفتہ۔ کسی کو سادگی پسند ہے۔ کسی کو لفّاظی۔ کوئی مراعات و مناسبات لفظی کا پابند ہے۔ کوئی تمثیل و نظائر کا دلبستہ۔ کوئی بلاغت پسند ہے۔ کوئی فصاحت طلب مگر میں اور ہی باتوں کا دیکھنے والا ہوں۔ میرے نزدیک جس کلام سے دل پر چوٹ لگے۔ جس بات سے سوتا ہُوا چونک پڑے۔ جو نصیحت دل میں گھر کرے۔ جو ذکر نمونہ

بننے کا سبق دے کا سبق دے ۔ جو حکایات شکایت سے بچائے ۔ وہی غذائے روح اور حظِ نفس ہے ۔ لیکن ہمیں پھر بھی اس تذکرہ کی خوش اسلوبیوں پر ناز زیبا نہیں جس طرح ہر گل کے ساتھ خار لازم اور ہر پنکھڑی کے ساتھ کچھ نہ کچھ خلش مستلزم ہے ۔ پس ممکن ہے کہ اس مجموعہ میں بعض مندرجات نقادانِ سخن اور مبصرانِ کلام جدید وکہن کی نظروں میں کھٹکیں ۔ مگر ان کی ذات بابرکات سے امید ہے کہ وہ میری اُس حالت پر جس کا ذکر اوپر آچکا ہے ۔ منصفانہ نظر ڈال کر ان لغزشوں اور کوتاہیوں کو راقم کی کم مائگی پر محمول فرما کر طبع ثانی کے موقع تک اُن نقائص سے آگاہ فرمائینگے تاکہ اس کا دوسرا اڈیشن حسب دلخواہ ہو سکے ۔ کیونکہ میں نے اس تذکرہ کے لکھنے میں بہم رسانیٔ حالات ۔ فراہمیٔ کلام گم شدہ از یاد رفتہ سے ہی سترہ برس تک سروکار نہیں رکھا ۔ بلکہ جہاں تک بنا ہے ۔ اُن ڈانواں ڈول طبیعتوں کو ابھار دیا جو موجودہ زمانے کی تیز رفتاری سے ٹھوکریں کھا کھا کر گر رہی تھیں ۔ اُن افسردہ اور ٹھٹھرے ہوئے دلوں کو گرمایا جو زمانہ کی سرد مہری اور ناگزیر صدموں سے ٹوٹ ٹوٹ کر گرے جاتے تھے ۔ یہی وجہ تھی کہ دم واپسین سے کشمکش کرنے والوں ۔ بستر مرگ پر دم توڑنے والوں کے سرہانے جاجا کر بیٹھا ۔ تذکرہ کا ذکر چھیڑ کر اپنی طرف مخاطب کیا ۔ جن جوہر نایاب کے اُن کے ساتھ دفن ہو جانے میں ذرا شبہ نہ تھا ۔ دم دلاسا دیکر اُن کے سینوں کے گنجینوں سے اکثر ایسے بے بہا لعل اور دُرِ شاہوار ۔ جن کی چمک کے آگے چاند ماند اور آفتاب بے آب و تاب تھا ۔ نکال کر لایا ۔ اکثر سخن سنجوں کو یہ سمجھایا کہ اس سے تمہاری زندگی ہمیشہ قائم رہیگی ۔ لوگ گھروں میں رہتے ہیں ۔ تم دلوں میں رہو گے ۔ سخن فہم تمہارے اشعار سے حظ اُٹھائینگے اور ہمیشہ دعائے خیر سے یاد رکھینگے ۔ گو زمانے کی ناموافقت نے انہیں خاک میں ملا رکھا تھا ۔ اور اُنہوں نے مجبوراً ان جگر گوشوں کو سات پردوں میں چھپا رکھا تھا ۔ لیکن اس خوشہ چین ارباب سخن نے بہم پہنچا کر آنکھوں سے دھویا ۔

پلکوں سے برش کیا اور رمبصران سخن کو دکھایا۔ جنہوں نے اس تلاش وجستجو کی داد دی اور سچی قدردانی سے حوصلہ بڑھایا +

میں اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ مجھ اکیلے کا انتخاب۔ ذاتی پسند۔ شخصی مذاق اس قابل ہو کر ہر رنگ میں اپنا رنگ پیدا کر دے اور سب کو اپنا سا بنا لے۔ لہذا اس کے انتخاب اور اقتباس میں یہ التزام رکھا کہ متقدمین کا کلام ہو یا متاخرین کا۔ طرز قدیم کے وابستہ ہوں یا طرز جدید کے ہو اخواہ۔ ان کی طبیعتوں کی اصلی میلان۔ ان کے دلوں کا رجحان۔ بلند پروازیوں کا رنگ جوں کا توں قائم ہے +

نہ تو میں شاعر کہ شعراء کے کسی زمرہ میں شامل ہو کر دھڑے بندی یا طرفداری سے کام رکھوں۔ یا حریفانہ دل آزاری سے اپنا دل ٹھنڈا کروں۔ نہ میں کسی خاص ٹکسالی شہر کی محبت کا گرفتار کہ ہر طرح سے اسی کو ترجیح دئے جاؤں۔ مجھے اپنے وطن اور غیر وطن کی تخصیص منظور نہیں۔ فرخ آبادی روپیہ ہو یا نہ ہو۔ سچے کھرے روپے سے کام ہے وہ جے پوری ہو اخواہ جودھپور کا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ کن استادوں کے نام لیوا ہیں اور کن شہروں کے بسیا۔ میں ایک ادنے سا خوش کلاموں کے کلام کا جامع اور اُن کی مختلف طبائع کا مداح ہوں۔ حسد میرے پاس نہ میں حسد کا روشناس۔ جو لوگ کچھ بھی شاعر کہلانے کا استحقاق رکھتے تھے۔ اُنہیں کو ہزار داستان کے مشاعرہ میں جگہ دی۔ اور اُنہیں کے آگے شمع مشاعرہ لئے پھرا۔ تک بندوں سے ملا اور نہ اُن کے کلام سے اس مجلس مشاعرہ کو بھرا۔ کس لئے کہ تک بندی کا نام شاعری نہیں۔ اور ہمارے تذکرے کو دو مصرعی شاعروں سے واسطہ نہیں۔ بہت سے اصحاب صرف تذکرہ کے شاعر ہیں۔ مگر اشعار کہنے کے شاغل نہیں۔ ہمیں فہرست کو طوالت دینا مقصود نہیں۔ اس انتخاب کی حالت میں بھی جو ساتھ سو صفحوں کی اوّل جلد ناظرین باتمکین کی پیش نظر ہے۔ گویا اس خمخانۂ جاوید کے پانچ دوروں میں سے ایک دور۔ یا

پانچ کتبوں میں سے ایک ساغر ہے۔ اسی سے صاحب نظر معلوم کر سکتے ہیں کہ اس کے مدوّن نے نازک مزاجی یا استخراج و تخریج سے واسطہ نہیں رکھا۔ ہاں بعض جگہ معمولی شعراء کے بعض اشعار کی خوبی نے جو ہمارے نزدیک کسی حالت میں بھی مسلم الثبوت استادوں کے کلام سے گرے ہوئے نہ تھے۔ ہمارے قلم کو نہیں روکا +

اس تذکرہ میں صرف مروّجہ یا اب تک شائع شدہ تذکروں ہی سے مدد نہیں لی بلکہ چند غیر مطبوعہ قلمی تذکرے بھی ایسے بہم پہنچے جو اُن تذکرہ نگاروں کے وارثوں اور شوقینوں کے کتب خانوں میں محفوظ تھے +

جن جن تذکروں سے ہم نے مدد لی۔ اُن کے نام نامی ذیل میں درج ہیں :-
گلستان سخن۔ گلشن بیخار۔ نغمۂ عندلیب۔ انتخاب یادگار۔ سخن شعراء۔ سراپا سخن۔ آبحیات شمیم سخن۔ تذکرہ شعرائے دکن۔ طبقات الشعرائے شوق۔ تذکرہ قاسم۔ تذکرہ مصحفی۔ تذکرہ منولال۔ شمع سخن۔ مجموعۂ یوسفی۔ ریاض فردوس۔ تذکرہ نواب کلب حسین نادر۔ طور کلیم۔ طراز عشق۔ غنچۂ ارم۔ تذکرہ شبستان عالمگیری۔ آثار الشعراء۔ چمنستان کشمیر مجموعہ سخن۔ تذکرہ شعرائے پٹنہ۔ تذکرہ لطف۔ جلوہ خضر۔ نکات الشعراء۔ فرح بخش۔ طبقات الشعراء جسے ڈاکٹر فیلن صاحب نے فرنچ زبان سے گارسن ڈی ٹیسی کے تذکرہ سے اردو میں ترجمہ کرایا اور مولوی کریم الدین نے اس میں اپنے وقت کے شعراء کو بڑھا کر قبل از غدر چھاپا۔ تذکرہ شعرائے ہنود۔ تذکرہ شعرائے بدایون۔ بریلی تذکرہ شعرائے ٹونک۔ تذکرہ ضیغم۔ تذکرہ مولوی مظہر الحق۔ غرض ؎

تمتع نہ ہر گوشۂ یافتم
زہر خرمنے خوشۂ یافتم

ان کے علاوہ سینکڑوں قلمی بیاضوں۔ کچکولوں۔ اگلے پچھلے گلدستوں۔ رسالوں قلمی و مطبوعہ دیوانوں۔ نامی اخباروں۔ غیر مشہور قلمی دیوانوں سے بھی بہت کچھ سامان

حاصل کیا۔ اور اپنے وقت کے موجودہ شعراء میں خاص خاص شعراء سے خط و کتابت کر کے اُن کا کلام اور اُن کے حالات منگوائے۔ بعض مرحوموں کے دیوان اپنے صرف سے چھپوائے۔ صدہا اصحاب سے وعدے لئے کہ ہم اپنا اور اپنے بزرگوں کا کلام تذکرہ کے لئے دینگے۔ لیکن ۹۵ فیصدی صورتوں میں وہ "کل" کے وعدے آج پورے ہوتے ہیں۔ فقط کلام اور حالات کے فراہم کرنے اور بہم پہنچانے پر ہی جس کی اکثر تذکروں میں کمی ہے زور نہیں دیا بلکہ جہاں تک ممکن ہُوا۔ بقید سن و سال درج تذکرہ کیا تاکہ ہر زمانے کے شعراء کی زبان اُن کے خیالات کا فرق۔ زبان کی ترقی و تنزل کا بخوبی پتہ لگ جائے +

اگرچہ آجکل کے لوگوں کا دماغ اور ہی خیالات اور مصروفیت کا رخ لئے ہوئے ہے۔ تو تغزل اور شاعری کے بالکل برخلاف ہے اور ایک نہ ایک زمانے میں یہ رنگ بالکل بدل جائیگا۔ مگر ایسی صورت میں بھی ہمارا تذکرہ گراموفون کا کام دیگا۔ جو زبان۔ جو آوازیں۔ جو راگ۔ جو لہجے ان صندوقچوں میں محفوظ ملینگے وہ ہمیشہ اپنے اپنے وقت کا راگ گائینگے۔ اور مصلحان کو پکار پکار کر رستہ بتائینگے۔ اس برق رفتار تبدیلی کے زمانے میں اور نئی روشنی کے شور و شغب کے سامنے ممکن ہے کہ بعض لوگوں کے نزدیک یہ گراموفون جس میں گلشن سخن کے نواسنجوں کے رنگا رنگ ترانے بھرے ہوئے ہیں ایک آواز بے ہنگام ٹھیرے۔ لیکن یہ خیال ہے کہ عین اس وقت جبکہ ہماری تہذیب اور تمدّن کا ہر صیغہ معرض تغیر میں ہے تو اُن کے ساتھ ساتھ زبان اور فن شاعری بھی ہلچل میں ہے۔ موقع ہے کہ پرانی آوازوں کو جنہیں زمانہ عنقریب بھلا دیگا۔ ایک مجموعی اور یادگاری حیثیت میں ہمیشہ کے لئے محفوظ کر لیا جائے۔ پس یہ نخلہ جاوید جو سرستان ازل کا اکھاڑا ہے۔ ابد تک زبان داہل زبان کو اپنی مستانہ آواز سناتا اور غفلت کے ماتوں کو جگاتا رہیگا +

ہم نے کسی شاعر پر چوٹ کرنا خود چوٹ کھانے سے کم نہ سمجھا۔ ہر شخص کو اپنے اپنے رنگ اور اپنی اپنی حالت میں اچھا جانا ہے جس طرح کوئی مخلوق بیکار نہیں اسی طرح کوئی تصور کوئی مضمون خالی از اسرار نہیں بقول غالب ؎

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں
غالب صریرِ خامہ نوائے سروش ہے

ہم نے ساتھ ہی اس بات کا بھی خیال رکھا ہے کہ جن کے دیوان ابھی تک نہیں چھپے ان کا کلام زیادہ لیا ہے۔ تاکہ اُن کو اپنی جوہر نمائی کا موقع از سرِ نو مل جائے اور تلافی مافات ہو سکے +

استادان دہلی میں اکثر کے کلام نہ تو اُن کے خاندان والوں نے جمع کرائے۔ اور نہ جن لوگوں کے ہاتھ دستبردِ زمانہ سے لگے۔ اُنہیں یہ بات گوارا تھی۔ مگر میری نظر سے وہ گزرے اُن کا انتخاب کیا اور بہت سا کلام ایسے لوگوں کے عزیزوں سے سُن سُن کر لکھا۔ جب مختلف لوگوں سے بھی اُس کی تصدیق ہو گئی تو درج تذکرہ کیا۔ مشہور و مستند شعراء کے شاگردوں اور رشید تلمیذوں کے حالات سے بھی پہلوتہی نہیں کی۔ بلکہ کوئی تاریخی واقعہ اُن سے متعلق ہُوا تو اُسے بھی بخوشی تذکرہ میں جگہ دی + زمانہ جس عاشقانہ روش پر چل رہا ہے اُس سے کوئی بے خبر نہیں۔ بچے بچے کے دل میں عشق و محبت کا بیج بوتا چلا جاتا ہے۔ موزونیٔ طبع اور رنگ بندی گھٹی میں پڑ گئی ہے۔ سریلی آواز ہو یا نہ ہو مگر تھیٹروں کی نے آدھا گویا بنا دیا ہے۔ جو گاتے گاتے ایک دن کلاونت ضرور ہو جائیگا۔ پس ان ہونا اُمنگوں کا توڑنا اور اُنہیں مایوس کر دینا۔ میری طبیعت نے گوارا نہ کیا۔ جس طرح مجھے اپنے ذاتی مذاقِ سخن کا خیال رہا۔ اسی طرح میں نے پابندی کے ساتھ اس امر کا بھی لحاظ رکھا کہ شعرائے قدیم و جدید کے نتائج افکار جنہیں اُنہوں نے خونِ جگر کھا کر پبلک کی تفریح و دلبستگی کیواسطے تیار کیا تھا۔ بقائے نام و یادگار دوام کے واسطے قائم و برقرار رکھوں +

گو کسی تذکرہ نویس نے اس فن کو شاخ تاریخ قرار نہیں دیا۔ بطور بیاض یا کچکولی جس طرح چاہا۔ اُن کے حالات اور کلام کو لکھ لیا۔ لیکن اس وقت کہ زبانِ اردو منجھ دھار میں غوطے کھا رہی ہے۔ یہ بھی بسا غنیمت ہوا کہ پچھلے حالات کی جستجو کے لئے بنیاد پڑ گئی۔ اور آئندہ کے لئے اساس اٹھانے کی آس بندھی۔ ہمارا تذکرہ اس حالت میں بھی ایسے لوگوں کا ممنونِ اور اُن کا خوشہ چین ہے۔ گو اُنہوں نے بپاس حسد یا بلحاظ رشک سچے حالات لکھنے سے گریز کی۔ یا اپنے کمال کے آگے اَوروں کے کمال کی حقیقت نہ سمجھی۔ البتہ عبارت آرائی میں آسمان زمین کے قلابے ملا دئے۔ کالے کوسوں کے رہنے والے۔ فرانس کے باشندے گاری سن ڈی ٹیسی نے فرانس میں بیٹھے ہوئے انہیں تذکروں اور اپنے ایجنٹوں کی تحقیقات سے فرنچ زبان میں ایسا با اصول تذکرہ لکھا کہ ہر ایک ملک والے کو پسند آیا اور کئی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہوا +

مجھے افسوس ہے تو اس کا کہ ہم لوگ اپنے ملک میں رہ کر وہ کام نہیں کر سکتے۔ جو ہزاروں کوس کے رہنے والے ہم سے بہتر اور صحیح کر گزرتے ہیں۔ میں اس تذکرہ کو آئندہ نسلوں کے واسطے ایک ذخیرہ سمجھ کر اب ناظرین کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اور بشرط حیات مستعار آئندہ بھی اضافہ کے ساتھ طبع کراتا رہونگا +

یہ مثل سچ ہے کہ خدا تعالےٰ کسی کی محنت رائگاں نہیں کرتا۔ پس میری محنت بھی ٹھکانے لگی۔ اور ایسی صورت سے ٹھکانے لگی کہ اس کا فخر مجھ کو۔ میرے خاندان کو۔ میرے احباب کو بلکہ ہزار داستان کے تمام موجودہ و از جہان رفتہ ندیموں۔ جلیسوں ہمنشینوں کو تا قیام تذکرہ وہ شرف و افتخار حاصل رہیگا جس کی تمنا میں لوگ عمریں گنوا دیتے ہیں اور میسر نہیں ہوتا۔ بھلا وہ کونسا فخر ہے وہ بھی فخر ہے کہ ہمارے ہندوستان کی شاہی زبان کے حامی۔ اُردو کے پورے پورے سرپرست۔ اہل سخن کے قدردان۔ سخن سنج۔ سخن گو سخن شناس۔ سخن فہم۔ اعلےٰ حضرت۔ والا شوکت بندگان عالی متعالی سپہ سالار مظفر الممالک

فتح جنگ ہزہائینس میر محبوب علی خان بہادر نظام الملک۔ آصف جاہ سادس جی۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ جی۔ سی۔ بی شاہ دکن خلد اللہ ملکہٗ وسلطنتہ نے اپنی کمال قدردانی و جوہرشناسی سے اپنے نام نامی کے ساتھ اس کا معنون ہونا منظور فرمایا۔ نہیں نہیں بلکہ دیگر ہواخواہانِ اُردو کا دل بڑھایا +

آخر میں میں اُن دوستوں کا شکریہ ادا کئے بغیر نہیں رہ سکتا جنہوں نے ترتیب تذکرہ میں شعرا کے حالات اور کلام کی فراہمی سے امداد کی۔ ان میں سب سے اول نمبر پر اردو زبان کے فدائی اور اس کے استقلال وقیام پر اپنی عمر کا بڑا حصہ صرف کرنے والے منشی سید احمد دہلوی مؤلف فرہنگ آصفیہ وظیفہ خوار نظام قابل تذکرہ ہیں منشی صاحب ممدوح نے جلد اوّل کے ابتدائی اجزا کی نظر ثانی کی اور ضروری مشوروں سے امداد دی +

ان کے بعد صاحب عالم مرزا مجاہد الدین شاہی گورگانی جنہیں اب مرحوم اور مغفور کہتے سخت افسوس ہوتا ہے۔ آپ نے اکثر حضرات خاندان شاہی دہلی کے حالات اور بالخصوص مرزا ارشد کے سوانحات زندگی بہ تصریح ارقام فرمائے۔ اور ہمیشہ اس کام سے دلچسپی ظاہر کرتے رہے۔ آپ نے ایک چند روزہ علالت کے بعد عین ہنگام اشاعت تذکرہ میں انتقال کیا۔ صاحب عالم مغفور آخری تاجدار ہند بہادر شاہ کے نبیرہ اور مرزا مغل مرحوم کے فرزند تھے +

مشفقی ومکرمی شیخ عبدالقادر صاحب بیرسٹرایٹ لا کو بھی ہمیشہ اس علمی خدمت سے خاص دلبستگی رہی اور اس کی اشاعت کے متعلق وقتاً فوقتاً ضروری مشوروں سے راقم کی امداد کرتے رہے +

اسی طرح میرے محب بے ریا مخلص باوفا سیٹھ کیخسرو سوراب جی جو پارسی نژاد ہونے کے باوصف ہماری مادری زبان سے ایک خاص مذاق رکھتے ہیں۔ میرے

دلی شکریہ کے مستحق ہیں۔ انہوں نے اس تذکرہ کی تالیف و ترتیب میں غیر معمولی دلچسپی ظاہر کی۔ اُن کی اس عنایت کا نہ صرف مجھے بلکہ تمام ہوا خواہان اُردو کو شکر گزار ہونا چاہئے۔

مجتبیٰ پنڈت برج موہن و تاتریہ کیفی دہلوی بھی ہمیشہ تذکرہ کی عام ترتیب اور انتظام اشاعت میں معقول امداد دیتے رہے۔

آخر میں اپنے محب صادق اور مخلص گرامی نواب ذوالفقار علی خاں صاحب رئیس مالیر کوٹلہ کا خاص طور پر ممنون ہوں جنہوں نے دوران اشاعت تذکرہ میں انتہا درجے کے خلوص اور نوازش کا اظہار فرمایا۔ اور اس علمی کام کی نسبت اظہار پسندیدگی سے راقم کا حوصلہ بڑھایا۔ فقط

لاہور۔ ۱۵۔ مارچ ۱۹۰۸ء { خادم انام گمنام **سریرام** دہلوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تذکرۂ ہزار داستاں

معروف بہ

خمخانۂ جاوید

آباد۔ مرزا مہدی حسن خاں خلف مرزا غلام جعفر خاں لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ شیخ ناسخ کے نامی شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں ۱۲۲۸ھ ہجری میں بمقام لکھنؤ پیدا ہوئے۔ اُن کے بزرگ لکھنؤ کے عمائدین میں سمجھے جاتے تھے۔ نواب فرخ آباد کے قریبی رشتہ دار تھے۔ تمام عمر لکھنؤ میں رہے اور اپنی عمر فراغ بالی سے بسر کی۔ اگلے لوگوں کی طرح وضعداری کے پابند اور مجالسِ مشاعرہ کے ازبس دل دادہ تھے۔ وضعداری جو پُرانے لوگوں کا عام شیوہ تھا ان کا خاص شعار تھا۔ چنانچہ آجتک مشہور ہے۔ کہ آپ مشاعروں میں نہایت پابندی سے شریک ہوتے۔ اور حتی الامکان کوئی جلسہ غزل خوانی سے ناغہ نہ ہونے دیتے تھے۔ ان کی پُرگوئی بھی شہرت رکھتی ہے۔ چنانچہ ایک تذکرہ نویس نے تو یہانتک غلو کو کام فرمایا ہے

کہ عروض کے ہر ایک بحر میں ان کا ایک ایک دیوان ہے بہر حال دو اور بقول بعض اس سے زیادہ دیوان اور ایک مثنوی - تین واسوخت ان کی یادگار ہیں - جن میں سے ایک دیوان موسوم بہ نگارستانِ عشق ۱۲۶۲ ہجری میں لکھنؤ کے مرتضوی مطبع میں شایع ہوا تھا - اب یہ بھی کمیاب ہے - مگران کی مستقل یادگار بہارستان سخن سے قایم ہوئی جس میں ناسخ آتش کے بالمقابل ہم طرح غزلیں درج ہیں - یہ مجموعہ بیشک ملتا ہے - حق یہ ہے کہ گو ان کا کلام اُن دونوں اُستادوں کے پایہ کو نہیں پہنچتا مگر تاہم بجائے خود قادر الکلامی کا پتہ دیتا ہے - اگرچہ ان کی طبیعت بھی استعارہ پسندی سے (جو اس زمانہ میں عام رواج تھا) خالی نہیں مگر اس کے سوا کہیں کہیں اخلاقی اشعار بھی لطافت طبع کی جھلک دکھا رہے ہیں - چھوٹی بحروں میں اکثر زور فکر لائق تحسین ہے - واسوخت بھی اپنے رنگ میں بہت مقبول اور معاملہ بندی کا پہلو نکلتے ہوئے ہے - مگر محاورات سے اس نے بھی پہلو تہی کی ہے - نمونۂ کلام بطور انتخاب ذیل میں درج ہے :—

واللہ کیا ہے حُسن بتوں کے غرور کا	بندوں کو شک ہُوا ہے خدا کے ظہور کا
شعبدے دکھلائے حسن یار نے ہر دم نئے	سامنے آنکھوں کے یہاں کیا کیا تماشا ہو گیا
کوئی ثروت میں بھی ایذائے غربت دل سے جاتی ہے	نہ بھولا تخت پر یوسف کو صدمہ چاہِ کنعاں کا
پائے گا اک دن کمالِ سربلندی شکلِ بدر	ماہِ نو کی طرح جو بہرِ تواضع خم ہُوا
فوراً تڑپ کے حرف سے ہر حرف ہو جُدا	لکھ دوں جو خط میں حال کبھی اضطراب کا
سیلابِ اشک سے نہ فقط ہر مکاں گرا	کُرّوبیوں میں غُل ہے کہ اب آسماں گرا
بلبل ہُوں ایسے گلشنِ نازک بہار کا	موجِ شمیم گل سے میرا آشیاں گرا
اتنا بھی نہ رہ محفلِ ہستی میں تو بدمست	دُور آنکھوں سے کر شہ مئے بے خبری کا
جذبِ دل نے آج کوئے یار میں پہنچا دیا	جیتے جی میں گلشنِ جنت میں داخل ہو گیا
تیری آنکھوں کی فسوں کاری جو دیکھی اے پری	کچھ نہ بولا سامری پر دل میں قائل ہو گیا

وا رہیں لعد فنا قبر میں آنکھیں آباد
حشر تک حسرتِ دیدار نے سونے نہ دیا

ہجر میں اے رشکِ شیریں جان شیریں تلخ ہے
کام نالے کر رہے ہیں تیشۂ فرہاد کا

روشنی پائی سخاوت سے جہاں میں نام ہے
ہر درم گویا چراغِ مرقدِ حاتم ہوا

بگڑ گیا جو نکلتے ہی روح کا نقشہ
طلسم تھا کوئی یا اپنا خانۂ تن تھا

جب ہوئے برباد اے آباد تب پایا پتا
بے نشاں ہو کر ملا ہم کو نشانِ کوئے دوست

ترے غم میں گریباں گیر ایسی ناتوانی ہے
کہ گر پڑتا ہوں ساتھ اشکوں کے میں بھی اپنے دامن کے

ہاتھ کیا اُس نے اُٹھایا سینکڑوں بسمل ہوئے
دے رہا ہے عاشقوں کو موت کا پیغام قبض

ممکن نہیں کسی کا رہے برقرار رنگ
ہے مثلِ گل جہان کا ناپائدار رنگ

اے گل ذرا شبابِ دو روزہ کی قدر کر
کس پھول کا ہمیشہ رہا برقرار رنگ

فقط امید ہے بخشش کی تیری رحمت سے
وگرنہ عفو کے قابل مرے گناہ نہیں

جو تم کو اُنس ہے آباد کو محبت ہے
تمہیں نہیں تو اُسے بھی تمہاری چاہ نہیں

مثالِ چرخ گردوں جنکے لاکھوں قصرِ عالی تھے
اب اُن کی خاک اُڑتی پھرتی ہے دشت و بیاباں میں

قیامِ زندگی بحرِ فنا میں غیر ممکن ہے
یہ کشتی تیر کی صورت چلی جاتی ہے طوفاں میں

ہے رنگ کب گلوں میں جو ہے روئے یار میں
اک عندلیب کیا ہے میں کہدوں ہزار میں

کوئے صنم سے دیکھئے آتی ہے پھر کے کب
اپنی نظر کے آپ ہیں ہم انتظار میں

محوِ جمالِ یار نہیں مجھ سا دوسرا
جھپکی نہ تا بہ زیست پلک انتظار میں

خوں گرفتہ نہ کوئی عشق میں ہمسا ہوگا
دمبدم منتِ جلاد کیا کرتے ہیں

پس از مردن بھی مجھ سے دشمنی ہے شوخ بدظن کو
مرے مرقد سے جاتا ہے اُٹھائے اپنے دامن کو

جہانتک ہو سکا اپنی زباں سے اس سے کہ گذرے
جتائی بات ہم نے دوستی کی اپنے دشمن کو

دل لگانے میں تو ہے جور اُٹھانے کا مزہ
لطف کیا ہے کہ جو معشوق ستمگار نہ ہو

لطف جینے کا یہ ہے جان کسی پر نکلے
نہ جیئے وہ جسے مرنے سے سروکار نہ ہو

تجھ کو جو دیکھے خراماں وہ نہ آئے آپ میں
دل کو وارفتہ کرے وہ طور ہیں رفتار کے

کب دیکھیں چھڑاتا ہے خدا قیدِ الم سے
او لجھے ہوئے ہیں سلسلۂ زلفِ صنم سے

کچھ پوچھ نہ حال خرد و صبر کو اے عشق
مُدت ہوئی ان دونو کو چھوٹے ہوئے ہم سے

دل کرے گا نہ خیالِ رخِ جاناں خالی
کبھی اس گھر کو نہ چھوڑے گا یہ مہماں خالی

ہے تماشہ کی جگہ عالمِ اسباب مجھے
نخت بیدار دکھاتا ہے نئے خواب مجھے

اب بھی منظورِ نظر ہونے کے قابل کیا نہیں
پس کے دل سرمہ ہُوا طرزِ خرامِ یار سے

ابرِ غم میں گھر گئے آباد زلفیں دیکھکر
بجلیاں دل پر گریں برقِ نگاہِ یار سے

بھلا دیکھیں گے کیونکر غیر اُس کو
مری آنکھوں کے پردے میں نہاں ہے

سینکڑوں ہی کُشتۂ رفتارِ جاناں ہو گئے
پاؤں رکھا جس جگہ گنجِ شہیداں ہو گئے

اُمید قطع ہوئی پُرزے ہو گئے دل کے
پیامبر کا سر آیا جواب کے بدلے

آباد (آباد) شیخ علی باقر ساکن عظیم آباد سنہ ۱۲۰۰ ہجری میں ان کا دیوان بھی چھپ گیا ہے چند سال ہوئے کہ انتقال فرمایا ۔ خان بہادر سید علی محمد صاحب شاد عظیم آبادی کے شاگرد تھے ۔ شعر خاصا کہتے تھے ۔ کلام مُغلق الفاظ سے پاک سیدھا سادا اور دل گداز ہے ۔ بطور یادگار چند اشعار درج تذکرہ کئے جاتے ہیں :۔

قتل کرتا ہے شوق ہی دل کا
مفت میں نام بد ہے قاتل کا

صاف کہتا ہے حالِ دشمن و دوست
دل ہے آئینہ حق و باطل کا

میری آنکھوں سے دیکھ اے مجنوں
پردہ اُٹھا ہُوا ہے محمل کا

ترے فراق میں جینا بشر کا کام نہیں
ہزار شکر کہ اس عمر کو دوام نہیں

گُلوں کو کہتی ہے چونکا کے یوں نسیمِ سحر
چلے چلو کہ ٹھہرنے کا یہ مقام نہیں

خدا کی یاد میں حوروں کی یاد ہے واعظ
نگاہ غیر پہ کرنا ۔ یہ کیا حرام نہیں

گلے پہ چلنے دو رُک رُک کے تیغِ قاتل کو
مقامِ صبر ہے عجلت کا یہ مقام نہیں

قیامت آئے اُٹھے روئے یار سے پردہ		خدا وہ صبح دکھائے کہ جسکی شام نہیں	
سمندِ عمر کو آباد روکے کیونکر		زیادہ اس سے کوئی خرشِ تیرِ گام نہیں	

آباد

(**آباد**) ان کا نام یعقوب علی تھا - اور والد کا اسحاق خاں - دہلی شاہ جہاں آباد کے قدیم باشندے تھے - نہایت خوبصورت اور وجیہ آدمی تھے - مگر افسوس ہے کہ اِس حُسن صورت پر حُسن سیرت کا شفاف آئینہ زنگ آلود تھا - گو طبیعت کی اس ناہمواری نے پڑھنے لکھنے پر اچھی طرح دل نہ جمنے دیا مگر موزونی طبع نے درس گاہ سخن میں ضرور داخل کر دیا جس کی بدولت سلک نظم میں کہیں کہیں ان کے اشعار کے موتی اپنی چمک دکھا رہے ہیں - عمر کا ٹھیک حال معلوم نہیں لیکن یہ سنتے ہیں کہ ۱۸۵۷ء کے غدر میں جوان تھے - اگرچہ ان کے چند اشعار سے پُورا پُورا طبیعت کا حال معلوم نہیں ہو سکتا مگر صاف گوئی میں شبہہ نہیں - چنانچہ اس شعر میں اپنی بدصحبتوں کا خود متاسفانہ اقرار کرتے ہیں ؎

ان خرابا تیوں کی صحبت نے		تجھ کو آباد کیا خراب کیا	

اشعار ذیل ان کی زندہ یادگار ہیں :-

اُس کے قامت کی یاد میں ہم نے		مصرعِ سرو انتخاب کیا	
تو نے دریا میں اک نگاہ کے ساتھ		قطرۂ آب کو شراب کیا	
اِن خرابا تیوں کی صحبت نے		تجھ کو آباد کیا خراب کیا	

آباد

(**آباد**) منشی سید تہذیب حسین - بریلی کالج میں تعلیم پائی ہے - ایام طالب علمی کی کلام سے چند شعر انتخاب ہو کر درج تذکرہ ہوتے ہیں :-

عاجز ہم آ گئے فلکِ بدشعار سے		جائیں گے اب وہاں کہ جہاں آسماں نہ ہو	
یہ تھی آرزو وقتِ رحلت ہماری		بنے اس کے کوچے میں تربت ہماری	
ترے ہجر میں نیم جاں ہو رہے ہیں		تاسّف کے قابل ہے حالت ہماری	

حسینوں پہ آباد مائل نہ ہونا	یہ تم یاد رکھنا نصیحت ہماری

آبرو

(آبرو) شاہ نجم الدین عرف شاہ مبارک - ان کا نسبی سلسلہ ایک مشہور بزرگ شاہ محمد غوث گوالیاری سے ملتا ہے - آپ عالم شباب میں دہلی چلے آئے اور یہیں رہ کر مشق سخن سے اپنے ریختے کی بنیاد کو مستحکم کیا یہانتک کہ مسلم الثبوت اُستاد مانے گئے طبقہ اول کے نامی شعرا میں آبرو کو نہایت آبرو کی نظر سے دیکھا جاتا ہے - باوجود مشاقی **خانِ آرزو** اکبرآبادی کو اپنا کلام دکھا لیا کرتے تھے - اگرچہ اس کہنہ مشق شاعر نے اپنی یادگار ایک بہت بڑا دیوان چھوڑا مگر خدرکی دست بُرد نے اس مرتبہ پر پہونچایا کہ اب وہ عنقا سے کم نہیں - ہاں راقم نے اپنے ایک دوست کے پاس ایک مختصر دیوان دیکھا تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی طبع رسا کو تشبیہات وصنعت ایہام کا زیادہ شوق تھا گو ان صنعتوں کا الجھاؤ معاملہ سلجھانے میں ہارج تھا لیکن ساتھ ہی اس کے محاورہ کی گرد بھی لگاتے جاتے ہیں طبیعت رسا اور فکر معنی یاب تھی - محمد شاہی عہد کے شاعروں میں تھے - اُسی کس مپرسی کے زمانہ میں زندگانی کا شیریں عیش تلخی سے مبدل ہوگیا تھا +

مرزا جان جاناں **مظہر** - **ناجی** - **مضمون** کے معاصرین میں تھے - مرزا صاحب سے کبھی کبھی نوک جھوک بھی ہوجاتی تھی - آپ سب کو ایک آنکھ دیکھتے تھے +

حضرت کو شاہ کمال بخاری کے بیٹے **پیر مکھن** متخلص بہ **پاکباز** سے کمال اُنس تھا اپنے مرغوب الطبع دوست پیر مکھن کے نام کا سجع بھی کہا ہے گویا دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ کرکے دکھایا ہے - وہ سجع یہ ہے :-

عالم ہمہ دروغ ست و محمد مکھن

اگلے زمانے کے شرفا کی علمی تحقیقات تحصیل حاصل ہے کیونکہ اس زمانہ میں تعلیم عام نہ تھی ایسی حالت میں اگر خواص بھی جاہل رہتے تو صفحۂ عالم پر عبادت گاہوں کی طرح درس گاہوں میں بھی اللہ ہی نظر آتا پس یہ کہنا بیجا نہیں کہ شاہ مبارک آبرو - کم از کم دینی علوم وفنون

سے ہرگز بے بہرہ نہ تھے۔ اپنی خوش خلقی اور نیکدلی سے دلوں کو تسخیر کر رکھا تھا۔ اپنے زمانہ کے لوگوں میں ہر دلعزیز تھے۔ اگرچہ اُن کے کلام میں پُرانے محاورے اور اس وقت کے متروک الفاظ بکثرت ہیں۔ مگر جن اشعار کو اس وقت کی ہوا نہیں لگی وہ بالکل اس زمانہ کے موافق ہیں اور ہُو بہُو آج کل کے روزمرہ کا لطف دے رہے ہیں لہذا ناظرین تذکرہ کو دونو چاشنیوں کا لطف چکھایا جاتا ہے ؛

چھوڑ مت دام زلف سے دل کو
بال باندھا غلام ہے تیرا

آیا ہے صبح نیند سے اُٹھ رسما ہُوا
جامہ گلے میں رات کا پھولوں بسا ہُوا

انداز سے زیادہ نپٹ ناز خوش نہیں
جو خال اپنی حد سے بڑھا سو مسا ہُوا

جدائی کے زمانے کی سجن کیا زیادتی کہئے
کہ اس ظالم کی جو ہم پر گھڑی گذری سو جگ بیتا

لگا دل یار میں تب اس کو کیا کام آبرو ہم سے
کہ زخمی عشق کا پھر مانگ کر پانی نہیں پیتا

نین سے نین جب ملائے گیا
دل کے اندر مرے سمائے گیا

یہ رسم ظالمی کی دستور ہے کہاں کا
دل چھین کر ہمارا دشمن ہُوا ہے جاں کا

بوسہ لباں کا دینے کہا کہ کے پھر گیا
پیالا بھرا شراب کا افسوس گر گیا

قول آبرو کا تھا کہ نہ جاؤں گا اُس گلی
ہو کر کے بے قرار دیکھو آج پھر گیا

گرچہ قائل ہوں سجن تیری کمر معدوم کا
لیک مشکل ہے بیاں اس رمز نا معلوم کا

رو رو کے بے وفا کو کیا آشنا کیا ہے
دیکھو تو آبرو نے کس گھاٹ لا اوتارا

بوالہوس کو ہُوا ہے تب سے دماغ
جب سے تم نے اُسے بلا بھیجا

دل تو دیکھو آدم بے باک کا
عشق سے بھرتا ہے پُتلا خاک کا

کیوں چھپا ظلمت میں گر اس لب سے شرمندہ تھا
جان کچھ پانی مرے ہے چشمۂ حیواں کے بیچ

آبرو کے قتل کو حاضر ہوئے کس کر کمر
خون کرنے کو چلے عاشق پہ تہمت باندھکر

نہیں تارے بھرے ہیں شب کے نقط
کس قدر نسخۂ فلک سے غلط

نکلے تم آصبا کی طرح جب چمن میں پھول
گلشن کے دیکھ تجھکو گئے ہاتھ پاؤں پھول

دھمکاؤتے ہیں ہم کو کمر بند باندھ کر
کھولیں ابھی تو جائے میاں کا نکل بھرم

دُور خاموش بیٹھ رہتا ہوں
اس طرح حال دل کا کہتا ہوں

سر سے لگا کے پاؤں تلک دل ہُوا ہوں میں
یا نانک تو فنِ عشق میں کامل ہُوا ہوں میں

مت قہر سیتی ہاتھ میں لے دل ہمارے کون*
جل جائیگا پکڑتا ہے ظالم انگارے کون*

ٹک باغ میں شتاب چلو اے بہارِ حُسن
گل چشم ہو رہا ہے تمہارے نظارے کون

پھر پھر کے دیکھ ہم کو کیوں مسکراؤتے ہو
مدت میں آپڑا ہے یہ اتفاق حسنہ

زلف کو کہنا پریشاں عقل سے دوری ہے یہ
تار تار اسکی میں دل ہے گانٹھ کی پوری ہے یہ

وہ نخجتہ کارکب لکھتا ہے نامہ
نہیں کچھ جو لیوے ہاتھ خامہ

نہ دیوے لے کے دل وہ جد مشکیں
اگر باور نہیں تو مانگ دیکھو

پھرتے تھے دشت دشت دیوانے کدھر گئے
وہ عاشقی کے ہائے زمانے کدھر گئے

شور ہے اُس کی اشک باری کا
آبرو چشم تر قیامت ہے

رستم تیری آنکھوں کے ہوئے اگر مقابل
آنکھوں کو دیکھ تیری تلوار بھول جاوے

کیا شیخ و کیا برہمن جب عاشقی میں آوے
تسبیح کرے فراموش زنار بھول جاوے

اب دین ہُوا زمانہ سازی
آفاق تمام دھریا ہے

تم نے بجادے کو جب ہاتھ بیچ نے لی
مجنون ہو گئے سب یہ اس طرح کی نے لی

تمہارے لوگ کہتے ہیں کمر ہے
کہاں ہے کس طرح کی ہے کدھر ہے

تمہارا دل اگر ہم سے پھرا ہے
تو بہتر ہے ہمارا بھی خدا ہے

دل کب آوارگی کو بھولا ہے
خاک اگر ہو گیا بگولا (بگولہ) ہے

لباس پُونبی بن کیونکہ گذرے موسم سرما
قیامت ہے تری یہ سرد مہری تجھ پہ بے روئی

آغوش میں بھواں کی کرتی ہیں قتل انکھیاں
کوئی پوچھتا نہیں ہے مسجد میں قتل ہوئے

نوٹ * اس زمانہ میں بجائے کو کے مستعمل تھا۔

تم اپنی بات کے راجا ہو پیارے | کہے سے ضد تمہیں ہووے سوائی
اب تلک کھینچ کھینچ جور و جفا | ہر طرح دوستی نباہی ہے
طور کیا پوچھتے ہو کافر کا ✣ | شوخ ہے بانکا ہے سپاہی ہے
آبرو کیوں نہ ہو رہے خاموش | درد کہنے کی یہاں منائی ہے
ملو جا آبرو سے خود بخود تم | کہ اُس کو تو پیار سے بیخودی ہے

آبرو

(آبرو) سید اصغر علی ساکن علی گنج داقع ٹونک ۱۸۹۷ء میں دربار ٹونک (راجپوتانہ) کے دفتر الانشاء میں ملازم تھے۔ اعتبار الملک سید افتخار حسین صاحب مضطر خیر آبادی کے شاگرد ہیں طبیعت رواں ہے۔ اپنے اُستاد کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ بندش بھی چُست ہے۔ کلام میں صفائی ہے زبان ستھری ہے۔ جو کلام ہماری نظر سے گزرا اُس سے طبیعت کی مشاقی معلوم ہوتی ہے ✣

صدقے ہزار جان سے تجھ پر بہار گل | قربان لاکھ دل سے تری بانکپن کے پھول
پہلو میں خار بن گیا دل واہ ری خلش | غربت میں یاد آئے جو ہم کو وطن کے پھول
کھائیں گے کبک ٹھوکریں رفتار یار سے | جائیں گے آنکھیں دیکھ کے پاؤں ہرن کے پھول
وہ بیماروں سے بدتر کیوں نہ جس سے نہ تم بولو | وہ اچھا کیوں نہ ہو بیمار غم جس کی دوا تم ہو

آتش

(آتش) ان کا نام خواجہ حیدر علی اور باپ کا نام خواجہ علی بخش تھا۔ خواجہ زادوں کے خاندان سے تھے جن میں پیری مریدی کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ خواجہ صاحب کے تاریخی حالات اور تذکروں میں بالاجمال اور تذکرہ آب حیات میں بالتفصیل موجود ہیں پس ہم اختصار پر اکتفا کرتے ہیں ✣

خواجہ صاحب اور شیخ ناسخ چونکہ دونوں اُستاد ہمعصر تھے اور ایک ہی جگہ ہونے سے گویا ایک بن میں دو شیر تھے اس باعث سے اکثر باہم چھیڑ چھاڑ رہا کرتی تھی چنانچہ ایک مرتبہ معتمد الدولہ نواب آغا میر کے ہاں محفل مشاعرہ منعقد ہوئی۔ یہ وہی مشاعرہ ہے جس کی نسبت مشہور ہے کہ نواب صاحب نے آتش کے مقابلہ میں شیخ صاحب کو خلعت دینے کا ارادہ کیا تھا۔ دونو

اُستاد اپنی اپنی غزلیں لکھ کر لے گئے۔ پہلے شیخ صاحب نے غزل پڑھی جسکا مطلع یہ تھا ؎

مسی مالیدہ لب پر رنگِ پاں ہے	تماشا ہے تہِ آتش دُھواں ہے

خواجہ آتش بھی پرکالۂ آتش تھے آتش کا لفظ سنتے ہی آگ بگولا ہو کر بھڑک اُٹھے جب شمع سامنے آئی تو یہ مطلع پڑھا ؎

یہ کس رشکِ مسیحا کا مکاں ہے	زمیں جسکی چھارم آسماں ہے

حسن اتفاق سے یہ مطلع حسب حال ہوگیا کیونکہ چوتھے منزلہ مکان کی چھت پر مشاعرہ ہو رہا تھا (یہ مکان اب تک موجود اور آغا میر کی ڈیوڑھی کے نام سے مشہور ہے) نواب صاحب نے دونو استادوں کو خلعت سے مفتخر فرمایا ٭

دونو کے معتقد اپنی اپنی عقیدت کے جوش میں ایک دوسرے کو جو چاہیں سو کہیں مگر دراصل آتش و ناسخ اپنی اپنی روش و رنگ میں کامل تھے۔ اگر شیخ صاحب موزونی و صحت الفاظ و تلاش مضامین عالی میں بڑھے ہوئے تھے تو خواجہ صاحب بھی لطف محاورہ فصاحت۔ نفاستِ بندش۔ خوش اسلوبی طرز بیان میں اُن سے کم نہ تھے۔ اسی وجہ سے پڑھنے والے کے دل پر ان کے کلام کا بالمقابل زیادہ اثر ہوتا ہے۔ اگر دونوں میں باہم کچھ مخالفت تھی تو صرف اتنی کہ ہر ایک اصناف سخن میں فوق لیجانا چاہتا تھا نہ کہ دلوں میں عداوت و مخاصمت جمی ہوئی تھی اُس زمانہ کے شرفا۔ وضعداری۔ انصاف پسندی اور حق گوئی پر زیادہ عمل کرتے تھے۔ اُن کی طبیعت میں حسد و نفسانیت کو بہت کم دخل تھا چنانچہ باوجودیکہ شیخ ناسخ نے خواجہ صاحب سے نو برس پہلے انتقال کیا مگر خواجہ صاحب نے یہ وضعداری برتی کہ اُس وقت سے شعر کہنا ہی چھوڑ دیا جس سے ظاہر ہے کہ خواجہ صاحب کی نظر میں ناسخ کے بعد کلام کی داد دینے والا کوئی نہ تھا۔ ہم اس جگہ اُن کے مذہب اور اُن کے والد کی اصلی مقام سکونت کو زائد از بحث سمجھکر قلمانداز کرتے ہیں ٭

چونکہ خواجہ صاحب کو شعر گوئی کا شوق ابتدائے سن شعور ہی سے دامنگیر ہوگیا تھا اس وجہ

میری ایذا کے لئے مُردے میں جاں آتی ہے
کاٹنے دوڑتی ہے ماہیِ بے آب مجھے

ظاہر ہے یہ اے یار تیری کم سخنی سے
لب بند ہوئے جاتے ہیں شیرینِ دہنی سے

بیخود ہے یا رو دولتِ حسنِ شباب سے
سچ ہے زیادہ نشۂ زر ہے شراب سے

یہ کس رشکِ مسیحا کا مکاں ہے
زمیں جس کی چہارم آسماں ہے

ایڑیوں تک تری چوٹی کی رسائی ہوتی
کل جو آنی تھی بلا آج ہی آئی ہوتی ؛

شگفتہ رہتی ہے خاطر ہمیشہ
قناعت بھی بہارِ بے خزاں ہے

جو چلن چاہے چلیں آتش بتانِ بیوفا
حُسن جب پیدا ہُوا سب عیب پنہاں ہو گئے

کچھ نظر آیا نہ پھر جب تو نظر آیا مجھے
جس طرف دیکھا مقام ہُو نظر آیا مجھے

دل کو رکھ دیتے ہیں یہ کہکر کماندروں میں ہم
اس نشانے کو اُڑا دے جو وہ تیر انداز ہے

(آتم) شاہ عنایت اللہ نام تھا مگر شاہ آتم مشہور تھے - شاہ خادم صفی کے مرید اور مولوی محمد حسن بلگرامی کے شاگرد تھے - ان کا ایک مختصر دیوان مطبع دریاے لطافت کانپور میں چھپا تھا - انکے کلام میں کچھ معرفت کا رنگ بھی جھلکتا ہے ؛

بیخودی میں عجب مزا دیکھا
سرِ مخفی کو برملا دیکھا

اس دل میں اگر جلوۂ دیدار نہ ہوتا
زنہار یہ دل مظہرِ اسرار نہ ہوتا

ہے دل وہاں پہ فضل خدا سے بنا ہوا
وہم فرشتہ بھی نہ جہاں پر رسا ہُوا

شکل جانانہ جا بجا ہیں ہم
کہیں ناز اور کہیں ادا ہیں ہم

عاشقِ زار ہوں جز عشق مجھے کام نہیں
طالبِ کفر نہیں تابعِ اسلام نہیں

عجب تو نے جلوہ دکھایا مجھے
کہ عالم میں پھر کچھ نہ بھایا مجھے

اسلام اور کفر ہمارا ہی نام ہے
کعبہ کنشت میں اپنا مقام ہے

(آتم) مرزا والا بخت گورگانی مقیم بنارس - مرزا قیصر بخت بہادر فروغ مرحوم کے خلف اکبر و شاگرد رشید تھے علوم مروّجہ میں خاصی دستگاہ رکھتے تھے - وجیہ - خوش خُلق - ذی مروّت - شریف نواز

حکّام رس۔ صاحبِ رسوخ تھے۔ عنفوانِ شباب میں جب شاعری کی طرف طبیعت مائل ہوئی تو چند شعر کہہ ڈالے جب اتفاق سے وہ صاحبِ عالم مرزا فورمع کی نظر پڑ گئے۔ اپنے نورِ نظر کے اس کلام موزون سے متبسم ہوئے۔ ہونہار سمجھکر اصلاح دینے لگے۔ یہ بھی ذہن کی رسائی۔ طبیعت کی شوخی۔ فکرِ بلیغ سے چند ہی روز میں اچھے مشّاق ہو گئے۔ ابھی جوانی کی حد سے آگے نہ بڑھے تھے کہ ۱۸۔ جون سنہ ۱۹۰۰ء کو ۳۱ برس کی عمر میں دنیا سے دوں کو خیرباد کہکر عالمِ جاودانی میں گھر جا بسایا۔ ترتیب تذکرہ کے موقع پر جس قدر ان کے چھوٹے بھائی صاحب نے ان کا کلام بھیجا وہ ہی درج تذکرہ ہوا ✣

ملونہ غیروں سے عزت پر حرف آئیگا		کہ آب جا کے پھر آتی نہیں ہے گوہر پر	
اجل نے آنکھیں نکالی ہیں مجھ پہ غصے کی		نہیں ہے حلقہ جوہر تمہارے خنجر پر	
ساغر میں ہے ضیا جو رخِ شعلہ تاب کی		ہر بوند آفتاب ہے ساقی شراب کی	

آثم (آثم) حافظ حضور احمد خاں صاحب بریلی کے رہنے والے اور امیر مینائی کے شاگرد تھے گو ابتدا میں حکیم نیاز احمد خاں صاحب ہوش کو بھی اپنا کلام دکھایا تھا۔ تذکرہ منظور حق ان کی یادگار ہے ۱۸۹۱ء میں کلکتہ جا کر تجارت کا سلسلہ بھی شروع کر دیا تھا ان کے چند شعر درج تذکرہ ہوتے ہیں ؎

یوں محبت پہ مری ناز ہے اسکو اے چرخ		شاد تھی جیسی دلِ قیس کو لیلا لے کر	
حسینانِ جہاں دیکھیں جو اسکے رو روشن کو		یہ حسرت ہو ملا دیں خاک میں سب اپنے جوبن کو	
جو ہیں اہلِ کرم شرمندہ ہوتے ہیں وہ سائل سے		جھکاتا ہے سرِ ساغر پہ شیشہ اپنی گردن کو	

آرام (آرام) منشی لچھمن لعل صاحب کایستھ دہلی کے رہنے والے تھے۔ میر انشاء اللہ خاں انشا کے شاگردوں میں خیال کئے جاتے ہیں انکے صرف یہ دو شعر دستیاب ہوئے۔ جن سے کلام کی فصاحت اور محاورہ کی لطافت ٹپکتی ہے ؎

ہمدمو مجھسے یہ کہتے ہو نہ تو یار سے مل		اسکو سمجھاؤ ذرا یہ کہ نہ اغیار سے مل	

کسیکے حال کی تجھکو نہیں خبر مطلق
تڑپ رہا ہے پڑا ایک نیم جاں کیسا

کرے ہے پند ہمیں پند گو خدا کی شان
کہاں کا آج ہمارا یہ غمگسار آیا

رو رو کے خون اُس نے بھی حسرت نکال لی
عاشق کا تو نے خوں نہ بہایا تو کیا ہُوا

آزادگاں کو مانع وحشت نہیں ہے قید
زلفوں میں تم نے دل کو پھنسایا تو کیا ہُوا

ہے وہی غفلت اور وہی بے نیازیاں
احوال دل گر اُس کو سنایا تو کیا ہُوا

یہاں بیخودی ہے مانع نظارہ ہم نفس
اُسنے جمال اپنا دکھایا تو کیا ہُوا

آرزو مے کی مجھے کیا ہے کہ ساقی ہر دم
ان نگاہوں سے ہی سرشار رہا جاتا ہوں

نگاہوں کے ملاتے ہی نہ تھا گویا کہ سینہ میں
عجب ہی دل کے لینے کا ہے ڈھب اُس شوخ پُرفن کو

آخر اُس آہوئے رم خوردہ کو لایا ہی نہ کھینچ
میرے اس جذبۂ الفت کے اثر کو دیکھو

زاہد نہ توڑ بت کو کہ اس کا ہی ہے ظہور
کرتا ہے کیا معاملہ ناداں خدا کے ساتھ

رہتا ہے غم سدا ترے اِس مبتلا کے ساتھ
گویا کہ آشنا کو ہے ربط آشنا کے ساتھ

اس پر بھی بد دماغ وہ ہوتے ہیں یا نصیب
ہر چند بات کہتے ہیں ہم التجا کے ساتھ

وہاں بے نیازیوں سے نہیں کچھ خیال بھی
ہم لب کو کس امید پہ کھولیں دعا کے ساتھ

اس کو لڑائیوں کا کہاں ضعف سے دماغ
کیجے نہ جنگ آرزوئے مبتلا کے ساتھ

احباب جو کچھ حال کہیں میرا تو کہو سے
لے بیٹھے ہو تم ذکر کہاں کا مرے آگے

ہے ایک بوسہ پہ سودا ہمارے دل کا کہ ہم
لحاظِ نفع و خیالِ ضرر نہیں رکھتے

روزیوں ہی وصل میں لازم ہے تکو گفت کو
شوق بڑھتا ہے زیادہ آپ کی تکرار سے

آرزو کو بھی نہ افسوس قضا نے چھوڑا
عاشقوں میں تیرے اک یہ ہی رہا تھا باقی

فارغ البال ہوئے تم مجھے دے کر بوسہ
ابھی سو طرح کا ہے آپ سے دعویٰ باقی

بعد مرنے کے بھی اُسکی ہے تمنا باقی
سر تو باقی نہیں اور ہے وہی سودا باقی

(آرزو) منشی سید بندہ رضا خلف حکیم مولوی سید حسن رضا خاں بلگرامی وزیر شاہ اودھ ۔ انکا

سلسلۂ نسب حضرت زید شہید سے ملتا ہے ۱۲۷۸ھ ہجری میں بمقام لکھنؤ پیدا ہوئے - عربی کی صرف و نحو منطق اور طب کی کتابیں علمائے لکھنؤ سے دیکھیں - جب طبیعت نے شعر و سخن کی طرف میلان کیا تو منشی محمد زکی صاحب زکی بلگرامی اور شیخ امداد علی صاحب بحر لکھنوی کو اپنے کلام کا مشیر بنایا - مرثیہ گوئی میں میر انیس کے شاگرد ہوئے اکثر مجالس عزا میں لکھنؤ سے باہر جانے کا بھی اتفاق ہوتا رہا - کتب دینیات کی تصنیف کے علاوہ تین دواوین اور ایک دیوان غیر مطبوعہ موجود ہے - ترتیب تذکرہ کے ایام میں جو کلام براہ راست حضرت موصوف سے دستیاب ہوا شکریہ کے ساتھ درج تذکرہ کیا جاتا ہے طبیعت میں جودت اور کلام میں بلند پروازی پائی جاتی ہے ۵

ہوئی ایذا میں راحت یہ ہے احساں دشمن جاں کا	لب زخم جگر پر لی جو چٹکی لگ گیا ٹانکا
زلیخا نے تو رسوائی میں کچھ باقی نہ رکھا تھا	خدا پردہ نہ رکھ لیتا اگر یوسف کے داماں کا
کیا ہم سے تمکو کام ہے غیروں کی لو خبر	ناخوش ہیں یا کہ خوش ہیں تمہاری بلا سے ہم
بتوں کے دور میں اچھی بڑی توقیر تیری کی	جدھر دیکھو ادھر پجنے لگی تصویر تیری کی
نہ منہ سے بولتے ہو کچھ نہ سر سے کھیلتے ہو کچھ	اجی کیوں آدمی سے بن گئے تصویر تیری کی
نہ دیکھا اک نظر مڑ کر ادھر سے بارہا نکلے	بڑے نا آشنا نکلے بڑے تم بیوفا نکلے
یہ کیا جب آؤ تو ہنستے ہوؤں کو تم رلا جاؤ	کرو وہ بات دل سے ایک عالم کی دعا نکلے
دوبارہ جان بخشی آرزو کو ایک بوسے میں	دیکھا یا معجزہ عیسیٰ کا تم معجز نما نکلے

آرزو (آرزو) نواب جعفر علی خاں رئیس کرنول علاقہ ریاست حیدر آباد دکن - جناب محفوظ شاگرد حضرت داغ مرحوم سے مشورہ کرتے ہیں زیادہ حال معلوم نہیں - گو حضرت محفوظ کے شاگرد ہیں مگر کلام میں جناب فصیح الملک داغ کی جھلک پائی جاتی ہے - کہتے ہیں اور خوب کہتے ہیں ۵

شوق تھا تیغ آزمائی کا	کیجیے کیا حال ہے کلائی کا
بخدا ان بتوں کے ہاتھوں سے	تنگ ہے قافیہ خدائی کا

بن ٹھن کے پیش دار محشر چلے تو ہو
ہو جائے سامنا نہ کہیں دادخواہ کا

ہوئی جاتی ہیں وہ ترچھی نگاہیں بار سینوں کے
دلِ خوں گشتہ پر تیروں کی یہ بوچھار کیسی ہے

عشق میں ایسے ہو گئے بیخود
دل کے جانے کی بھی خبر نہ ہوئی

آرزو

(آرزو) منشی ممتاز احمد صاحب خلف دوم امیر الشعرا حضرت امیر مینائی مرحوم قریباً ۴۰ سال کی عمر ہے شعر بہت اچھا کہتے ہیں - کیوں نہ کہیں کس باپ کے بیٹے ہیں - طبّاعی - ذہانت - قابلیت اِن کا خاندانی ورثہ ہے - بیان میں صفائی - کلام میں فرہ - خیال پاکیزہ ہے - زبان اچھی ہے مطلب سلیقے سے ادا کرتے ہیں - اشعار ذیل انکی موروثی طبیعت کا نتیجہ ہیں ۵

پہلے سنگھا کے زلف مجھے لاؤ ہوش میں
پھر مجھسے پوچھنا مرے بیمار کیا ہوا

ہو کے برباد کسی کا قدِ بالا دیکھا
خاک میں مل کے قیامت کا تماشا دیکھا

یہ ہچکیاں نہیں کشتوں کی زیرِ خنجرِ ناز
دعائیں مانگتے ہیں اپنے قدرداں کے لئے

وہ حور ہے مرے گھر میں رقیب جلتے ہیں
تڑپ رہے ہیں پڑے دوزخی جناں کے لئے

ذرا سا دل ہے وہ کیا مجھکو آزمائیں گے
کلیجا چاہیے عاشق کے امتحاں کے لئے

گئے وہ قہر بھری انکھڑیاں دکھا کے مجھے
پیالے زہر کے تھے چلد لئے پلا کے مجھے

کسی کا نقشِ قدم لے کے راہ میں بیٹھوں
کہ لوگ سجدہ کریں ہر طرف سے آ کے مجھے

سنگھائیں آپ اگر بوسے گیسوئے مشکیں
اٹھائے غش سے اُسیوقت ہوش آ کے مجھے

دہائی داورِ محشر کی ہو مرا انصاف
بتوں نے لوٹ لیا ہے غریب پا کے مجھے

بے وفائی کے گلے پر ناز سے کہنے لگے
بیوفا کو کیوں دیا دل تم سے نادانی ہوئی

(آرزو) صاحبزادہ محمد یونس خاں عرف چھٹن صاحب - آپ صاحبزادۂ محمد اسفندیار خاں مرحوم عزیز والیٔ ٹونک کے فرزند ارجمند ہیں اور اعتبار الملک منشی سید افتخار حسین صاحب مضطر خیرآبادی کے شاگرد رشید - عمر میں نوجوان - صورت شکل میں نہایت وجیہ - خوش وضع - خوش فکر - رئیس زادے ہیں - شکار کا بہت شوق ہے گھوڑے پر خوب سوار ہوتے ہیں - ایک لاکھ روپے کے قریب

سالانہ جاگیر ہے - ان کا ہر ایک شعر جولانی طبع کا نمونہ ہے جب عالم نوعشقی میں یہ کیفیت ہے تو آیندہ ترقی کرنے کی کیوں نہ امید ہو چند اشعار ذیل ہدیہ ناظرین ہیں ؎

تاریکیٔ لحد کا ہو کیا آرزو خطر
ہے داغِ دل چراغ ہمارے مزار کا

میں جھوٹا ہوں تو مجھ جھوٹے سے پردہ کی ضرورت کیا
جو سچے ہو تو چھپتے مجھ سے کیوں روز جزا تم ہو

تمہاری آرزو تو مینے کی ہے مجھ سے تم بگڑو
خطائے آرزو کیا آرزو سے کیوں خفا تم ہو

آرزو (آرزو) منشی سید انوار حسین لکھنوی خلف اصغر میرزا کرحسین - یاس شاگرد جناب جلال لکھنوی پہلے ان کا تخلص - امید تھا - اب آرزو ہے - بیس بتیس برس کی عمر ہے طبیعت میں روانی ہے - صاف صاف اور سیدھا سیدھا مزیدار کلام ہے زبان بھی اچھی ہے - روزانہ مشق آیندہ ترقی کی گواہی دیتی ہے اشعار ذیل زیب تذکرہ ہیں ؎

کوئی امید نہیں اور جان دیتے ہیں
یہ دل ہے ہجر کے صدمے اُٹھانیوالوں کا

وہ باتیں کرتی ہو تم کم نہیں جو نشتر سے
یہی علاج ہے میرے جگر کے چھالوں کا

یہ بلائیں اگر آئیں تو مجھی پر آئیں +
اُن کی زلفیں ہوں پریشاں تو مرے شانوں پر

کلمہ پڑھ کر ہوئے جاتے ہیں بتوں کے بندے
فخر ٹوٹا ہے خدا کا یہ مسلمانوں پر

دل کا آنا دے رہا ہے جان جانے کی خبر
انتہا پہچان لی ہے ابتدا کو دیکھ کر

اثر آفت کا ہے سوز نہاں میں
کہ دل میں آگ ہے چھالے زباں میں

ترا دل نرم کر سکتے نہیں صفر
وگرنہ لاکھ تاثیریں فغاں میں

بچے کیا غیر کی کاوش سے دامن بزم جاناں میں
بہت اُبھرا ہے یہ کانٹا جگہ پا کے گلستاں میں

ترقی چاہیئے اب اے زلیخا سوز پنہاں میں
کہ سنتے ہیں اندھیرا ہے بہت یوسف کے زنداں میں

کیا ترک تعلق گل سے نگہت نے گلستاں میں
نکل چل تو بھی تن کو چھوڑ کر اے روح زنداں میں

یہ ہیبت جسکی آمد میں ہے جلوہ اُسکا کیا ہوگا
کہ تیرہ ہو گیا دن بھی خیال شام ہجراں میں

اِن حسینوں نے نہ چھوڑا کوئی پہلوئے ستم
کہ جفا دوست کو ایذا بھی یہ کم دیتے ہیں

شکوۂ جور جو کرتا ہوں تو فرماتے ہیں
ڈھونڈ کر کوئی حسیں اور لگا لے دل کو

آرزوئے عشق میں تنگ آئے ہیں ایسے اس سے
خود کئے دیتے ہیں دشمن کے حوالے دل کو

رکھے دیتے ہیں اسے مجمعِ خوباں میں ہم آج
مستحق جو کہ ہو اس کا وہ اٹھا لے دل کو

حال اور وہ بیوفا پوچھے مگر مطلب یہ تھا
شکر ہو جائے شکایت تا زباں آتے ہوئے

ادھر ہوش آیا اُدھر تیری یاد
یہ پھر کھائی ٹھوکر سنبھلتے ہوئے

درد فرقت اسی باعث سے ہوا ہوتا ہے
تیر اخنجر جو گلے مل کے جدا ہوتا ہے

در پہ اک بت کے جبیں سا ہیں مسلماں ہو کر
جو مقدر کا لکھا ہے وہ ادا ہوتا ہے

بیخود عشق ہوں میں مست ہیں حسن وہ ہیں
ہوش دونوں کو نہیں دیکھئے کیا ہوتا ہے

ہزار جاں سے اس روٹھنے کے میں صدقے
کہ دل لبھانے کی جس میں ادا نکلتی ہے

پسند آئی ہے اس درجہ کوسنے کی ادا
کہ مرنے والے کے دل سے دعا نکلتی ہے

نشانہ دل کا اڑا دے کوئی تو ہم جانیں
سنا ہے آپ کے ناوک خطا نہیں کرتے

آپ مٹ جائیں ہم مگر دل سے
داغ الفت نہیں مٹانے کے

جیسے ہم صورت آشنا ہی نہیں
صدقے اس منہ چھپا کے جانے کے

زبانوں پر لگا دی ضبط جنکے مُہر خاموشی
کہیں اُن دردمندوں سے شکایت ہو نیوالی ہے

نکلنے کے لئے بیتاب ہے وہ مہر پردے سے
سنبھل جا دیکھنے والے قیامت ہونیوالی ہے

گرا ہے پاؤں پر سر کٹ کے ٹھکرانے کو ہے قاتل
جبیں پر ثبت اک مُہر شہادت ہونیوالی ہے

یہ کہتا ہے ترا گردن جھکا کر حال دل سُننا
کہ شکوہ کرنے والے کو ندامت ہونیوالی ہے

فرقت میں ساتھ چھوڑ دیا کیوں جناب دل
خود ہو گئے الگ ہمیں آفت میں ڈال کے

زباں جسکی نہو جز صبر وہ فریاد کیا جانے
دہانِ زخم اُو بیداد گر فریاد کیا جانے

دعا جھولے سے بھی لب تک نہیں آئی جدائی میں
جو مرتا ہو بتوں پر وہ خدا کی یاد کیا جانے

(آرزو) حافظ محمد احمد صاحب ۔ غالباً امیر مینائی کے شاگردوں میں ہمعصر شس کلام چلبلی طبیعت کے

آدمی ہیں-اِنکے کلام سے طبیعت کی جودت اور مضمون آفرینی ٹپکتی ہے ؎

دل بچنے کی اب کیا کوئی تدبیر نکالے	سینے پہ چڑھے بیٹھے ہیں دل چھیننے والے
ہم ہاتھ ملیں خونِ دل آنکھوں سے بہا کر	صیہات کہ بوسے ترے ہاتھوں کے حنا لے
اے آزہ نہ بیدل ہو غمِ عشق بتاں میں	کھاتے ہیں یونہی ٹھوکریں سب چاہنے والے

آزاد (**آزاد**) میر فقیر اللہ دکنی- طبقہ اول کے شعرا میں گذرے ہیں- شاہ ولی الدین- ولی کے ہمعصر اور اپنے وقت کے مسلم الثبوت اُستاد تھے- درویشانہ اوقات بسر کرتے تھے- افسوس کہ اب ان کا کلام نہیں ملتا صرف ایک شعر دستیاب ہُوا جو لکھا جاتا ہے ؎

سب صنعتیں جہاں کی آزاد ہم کو آئیں	پر جس سے یار ملتا ایسا ہنر نہ آیا

آزاد (**آزاد**) منشی رام سنگھ دہوی- گو بعد تحصیل علم نابینا ہو گئے تھے مگر دل کی آنکھیں کھُلی ہوئی تھیں شعر گوئی میں ایسا ملکہ پیدا کیا تھا کہ بڑے بڑے شاعر انکے سامنے غزل پڑھتے چکراتے تھے- نواب مہدی علیخاں **عاشق**- صاحب تذکرہ کے مشاعروں میں اکثر شریک ہوتے تھے- اپنے عہد کے جرأت مانے جاتے تھے- افسوس کہ اِن کا کلام تلف ہو گیا صرف ایک شعر ہاتھ لگا جو تبیناً درج کیا جاتا ہے ؎

ان دنوں پیارے تری طرزِ تکلم اور ہے	طور چشمک اور ہے طرحِ تبسم اور ہے

آزاد (**آزاد**) حسان الہند مولانا سید غلام علی واسطی بلگرامی- میر عبدالجلیل بلگرامی کے نواسے تھے- انہوں نے ہندوستان کے عربی گو شعرا کا تذکرہ موسوم بہ **سبحۃ المرجان** عربی زبان میں لکھا ہے جو بمبئی کے علاوہ مصر میں بھی شایع ہُوا ہے- عربی-فارسی کے زبردست عالم- ادیب اور ایک قادر الکلام سخنور تھے- فارسی گو شعرا کے بھی دو تذکرے لکھے ہیں ایک کا نام **سرو آزاد** اور دوسرے کا **خزانۂ عامرہ** ہے یہ چھپے ہوئے ملتے ہیں- خزانۂ عامرہ میں صرف اُن شعرا کو لیا ہے جنہیں اپنے کلام کے صلہ میں امرا کی سرکاروں سے انعام یا خلعت ملا- ایک تذکرہ موسوم بہ **مآثر الکلام فی التاریخ بلگرام** بھی انہیں کی تالیف ہے اسمیں خاص بلگرام کے علما و صلحا و شعرا کے حالات درج ہیں- ایک

تذکرہ موسوم بہ شجرہ طیبہ اپنے خاندان کا لکھا ہے - آخر الذکر دونوں کتابیں غیر مطبوعہ ہیں - اُردو زبان میں بھی ایک مجموعہ ہے بلی نامہ رقم کیا ہے - سید صاحب ۲۵ صفر ۱۱۱۶ھ ہجری کو بلگرام میں پیدا ہوئے اور اپنی عمر کا اخیر حصہ اورنگ آباد دکن میں بسر کیا - یہاں انکی زرخرید جاٗداد اب تک موجود ہے - قصیدہ گوئی اور تاریخ میں ید طولیٰ حاصل تھا بعض کا خیال ہے کہ اُردو زبان میں حکیم قایم چاندپوری سے مشورہ لیتے تھے - ۲۱ - ذیقعدہ ۱۲۰۰ھ ہجری میں انتقال فرمایا ان کی ایک غزل دستیاب ہوئی جو ذیل میں درج کی جاتی ہے ؎

کیا دھواں دھار اس مسی سے اسکی ہے تحریر لب	دل جلوں کا ہے یہ دُود آہِ دامن گیر لب
جسکی ٹھوکر سے مسیحائی ہوا سکے لب کو میں	گر لبِ عیسیٰ سے دوں تشبیہ تو ہے تحقیر لب
دانہ خالِ لب سے اسنے دام میں باتوں کے آہ	کل دکھا کر مرغِ دل میرا کیا تسخیر لب
تیری تحریرِ مسی نے قتل اِک عالم کیا	ہے بجا اسکو میاں کہیے اگر شمشیر لب
باد کی تحریک سے ہلتے جو دیکھا برگِ گل	پھر گئی اس بت بنے کی آنکھوں میں تصویرِ لب
کیا مسی یہ رنگ پاں ہے زلفِ مشکیں کی قسم	پھر یہ کس سودائی کا ہے خوں گریباں گیر لب
اس بتِ پُرفن کی میٹھی باتوں کے افسوں ہیں	وحشی وطیر و انس و جن مور و ملخ تسخیر لب
اسکی باتوں سے کلیجا چھن کے چھلنی ہو گیا	آہ یہ باتیں نہیں ہیں بلکہ ہیں یہ تیرِ لب
لب ہلانا روبرو قایم کے ہے ترکِ ادب	عذر کر آزاد تا ہو عفو یہ تقصیرِ لب

ایک دو مصرعی تاریخ ہندی میں بھی کہی تھی وہ یہ ہے ؎

بھلی تاریکھ ہندی موں بکھانی	رہے آنند سوں یہ پتر گیانی
	۱۱۴۱

آزاد

(آزاد) کپتان الگزینڈر رہیدرلی - مسٹر جیمس ہیدرلی فرانسیسی کے چھوٹے بیٹے ایک مسلمان شریف زادی کے بطن سے تھے - ان کے والد اُن چند یورپین سے تھے جنہیں ہندوستان جنت نشان کی آب وہوا خصوصاً دارالسلطنت شاہجہاں آباد کی دلچسپیوں نے اپنا گرویدہ بنا لیا تھا چنانچہ ہندوستانی عورتوں سے شادی کر لینے کے باعث اُنھیں کی طرز معاشرت بھی اختیار

کرلی تھی - الگزینڈر ہیدرلی کی تربیت و پرورش دہلی کے شرفائے اہل اسلام کی مانند ہوئی اور یہیں کی صحبتوں نے اِن میں شعر و سخن کا مذاق پیدا کردیا - اٹھارہ برس کی عمر میں شعر کہنے لگے - طبیعت کی شوخی اور چلبلے پن نے اپنا ظاہری رنگ بھی اُن پر چڑھا دیا جسکے سبب سے بہت جلد ان کا نام بذلہ سنج احباب کی زبانوں پر چڑھ گیا ہیدرلی کی زندہ دلی اور رنگین مزاجی نے اخیر دم تک انکی صحبت کو مرجع ارباب مذاق بنائے رکھا - آغاز شباب میں آگرہ چلے گئے تھے مشاعرہ سخن نواب زین العابدین خاں عارف سے لیتے تھے جنکی تعریف میں ایک قصیدہ بہاریہ اور ماتم میں ایک مرثیہ مع تاریخ وفات اِن کے دیوان میں موجود ہے - فن طب میں بھی اچھی دستگاہ بہم پہنچائی تھی - مریضوں کا صرف علاج ہی نہیں کرتے بلکہ دوا بھی اپنے پاس سے مفت دیتے تھے - اس طریق عمل سے شہرت بڑھتی اور دولت گھٹتی گئی مجبوراً ملازمت اختیار کی جو انکی شان کے لایق ریاست الور میں مل گئی - انکی وجاہت و لیاقت سے امید تھی کہ توپ خانہ کی کپتانی سے جلد ترقی کرکے کسی اعلیٰ منصب پر پہنچیں گے مگر تفنگ اجل نشانہ لگائے بیٹھا تھا اسنے اتنی مہلت نہ دی اور ۷ - جولائی ۱۸۶۱ء میں بتیس ۳۲ برس کی عمر پاکر ملک جاودان کو سدھارے - اِن کے بڑے بھائی طامس ہیدرلی نے جو ریاست بھرت پور میں ڈیٹی تھے اپنے بھائی کے دوست میر شوکت علی فتحپوری کی مدد سے اِن کا متفرق کلام جابجا سے جمع کرکے ترتیب دیا اور ۱۸۶۳ء میں مطبع احمدی آگرہ میں شایع کرایا - دیوان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ طبیعت میں رنگینی اور مضمون آفرینی کا خاصا مادہ تھا - زبان بھی سلیس پائی تھی - سنگ لاخ زمینوں میں صفائی زبان رسائی خیال کا لطف دکھایا ہے - قطعات میں بھی کہیں کہیں اچھوتے خیال - پاکیزہ بول چال کا پتہ لگتا ہے - اخیر میں ناسخ و غالب کی دو غزلیں تضمین کی ہیں اِن خمسوں سے کپتان آزاد کی سخن فہمی و نکتہ سنجی صاف ظاہر ہے - خلاصۂ کلام یہ ہے ؎

واعظوں سے جو سنا کرتے تھے جنت کا نشاں	جبکہ تحقیق کیا کوچۂ جاناں نکلا
کیا کہوں اُسکا شبِ ماہ میں عالم آزاد	وہ فلک ہے یہ زمیں پر مہِ تاباں نکلا

مے پی کے تجھے دیکھئے تو لطف ہے دونا
دیکھیں تری آنکھیں تو نشا اور بھی چمکا

وہ گرم رو راہ معاصی ہوں جہاں میں
گرمی سے رہا نام نہ دامن میں تری کا

کچھ پاؤں میں طاقت ہو تو کر دشت نوردی
ہاتھوں سے مزا دیکھ ذرا جیب دری کا

گھلتی ہی محبت ہے تری اور نہ عداوت
ہے سب سے نیا ڈھنگ تری عشوہ گری کا

تیروں کی جراحت جو میرے سینہ میں کم ہے
باعث ہے ستمگر یہ تری کم نظری کا

چھلکو عیادت کے لئے وہ مری آئے
آزاد ٹھکانا بھی ہے اس بے خبری کا

ہم نے دکھا دکھا تری تصویر جا بجا
ہر اک کو اپنی جان کا دشمن بنا لیا

دیکھا وہ جہاں میں جو نہ دیکھا تھا ولیکن
دریائے محبت کا نہ ساحل نظر آیا

جب کعبہ سے بتخانہ میں آیا میں تو آزاد
جلوے مجھے واللہ نظر آئے ہیں کیا کیا

جب مصیبت آپڑی جز صبر بن آتا نہیں
نوگرفتار قفس پھڑکا پھڑک کر رہ گیا

غموں سے گھل کے نہ کچھ تیرے خستہ تن میں رہا
رہا تو کچھ یونہیں دھوکا سا پیرہن میں رہا

زہر قاتل ہے دوا درد محبت کے لئے
تھا مرا فیصلہ اک دم میں جو درماں ہوتا

کیا کریں تم نے گر چرائی آنکھ
آپ سے کچھ لڑا نہیں جاتا

سن چکے حال بس ترا آزاد
ہم سے آگے سنا نہیں جاتا

ہو گیا کچھ کشش دل میں اثر آپ سے آپ
آ گئے کل وہ یکایک مرے گھر آپ سے آپ

کوئی باعث نہ کوئی وجہ نہ موجب نہ سبب
کھنچ گیا ہم سے بت رشک قمر آپ سے آپ

سوکھنا غم سے میرے حق میں ہوا ہے مرہم
ہو گئے خشک مرے زخم جگر آپ سے آپ

کاہش تن اور ضعف سے آزاد عشق میں یا تک پہنچ ہی گئے ہو
کوہ ہوا ہے رائی ہمکو کن کی بدولت انکی بدولت

ترک عادت بھی تو ہیجا ہے چھٹے کیونکہ شراب
ہو جو ہے آمد ماہ رمضاں اے واعظ

چمن کو چھوڑ جاناں کا خریدار ہوں میں
مفت بھی دے تو نہ لوں باغ جناں اے واعظ

ہم وہ آزاد زمانہ ہیں کہ اکثر اوقات
ذکر بت کرتے ہیں مسجد میں بھی ہاں اے واعظ

سارے عالم میں نہ کیونکر ہو مرا غم روشن
چرخ فانوس ہے اور آہ ہے فانوس میں شمع

تیرہ روزی میں کیوں آہ غنیمت ہووے
ہے یہ ظلمت کدۂ عاشقِ مایوس میں شمع

پاس آئے تو جلے دور ہو بیتاب رہے
سر دُھنا کرتی ہے پروانہ کے افسوس میں شمع

جب سے پایا دشمنوں نے پاؤں کا میرے سُراغ
سر کے بل چلتا ہوں تب سے کوے جاناں کی طرف

کھوئے گئے ہم ایسے کہ ڈھونڈا کئے مگر
آزاد ہمکو اپنا نہ پایا نشاں تلک

وہ اُس سے بلا میں ہے تو ہم اس سے غضب میں
آنکھوں سے گلا دل کرے اور دل سے گلا ہم

ہے سجدہ ادھر فرض جدھر رُخ ہے ہمارا
کاشانہ تیرا قبلہ ہے اور قبلہ نما ہم

ہنگامِ سحر بادہ گساری کا مزا ہے
اوقات کریں اپنی تلف بہرِ دعا ہم

ہیں شمع صفت انجمنِ دیر میں آزاد
سرگرم رہِ وادیِ اقلیم فنا ہم

جیتا نہ ایک دم بھی رہوں ہجرِ یار میں
مجبور ہوں کہ موت نہیں اختیار میں

پردہ ہمارا خاک اُڑانے میں رہ گیا
آئے نظر کسیکو نہ گردِ و غبار میں

اولٹا جہاں میں گر ہمیں کہوں کہا کریں
سر کے ہی بل چلیں گے سدا کوے یار میں

تنگی ہے میکشی کی بدولت جنوں نہیں
کپڑے گلے کے بک گئے فصلِ بہار میں

ہے مجکو وہم ہمرہی غیر راہ سے
چھوٹے بڑے ہیں نقشِ قدم رہگزار میں

بھولے نہیں ہیں تنگیِ کاشانہ یاد ہے
کرتے ہیں شکر لیٹے کے کُنجِ مزار میں

کیا گھر میں تمھارے در و دیوار کو دیکھوں
تم اپنی جو صورت مجھے دکھلاؤ تو آؤں

گر کوئی بُلاتا ہے تو کہتے ہیں یہ ضد سے
آزاد کو محفل میں نہ بلواؤ تو آؤں

سبک جو کر کے مجھے تم نے کر دیا ہلکا
تو پھول ہو کے تمہارے گلے کا ہار ہوں میں

سب پا لیا بدن کے چُرانے کو دیکھکر
ہیں شوخیاں غضب تری شرم و حیا کے ساتھ

نہ پڑ و جان کے پیچھے مرا پیچھا چھوڑ و
لے کے دل دیں بھی لو پر مجھے جیتا چھوڑ و

بجھا ہا پھُکے نہ جن سے مرہم جلے نہ جن سے
اُن میں جلن ہو گی وہ داغ غم ہونگے

اُس شرمگیں کی شرم کا اُٹھنا محال ہے — نازک بہت ہے کیونکہ وہ توڑے حجاب کو
جاں تم اپنی بچاؤ گے کہاں تک آزاد — یا مرو عشق میں یا عشق کا دعوے چھوڑو
کب سے ہیں زنداں میں ہم دیکھو تو قفس مگس کرتا م — طوق آدھا رہ گیا زنجیر آدھی رہ گئی
قانع ہوں اُس سے عشق میں جو خشک و تر ملے — کھانے کو داغ پینے کو خونِ جگر ملے
کی فقیروں کی بھی اغیار نے بندی آزاد — اب درِ یار پہ کیا خاک رسائی ہوگی
اندیشۂ فراق نے قصہ کیا تمام — کہتے تھے روز مر بھی کہیں لو جی مر چکے
اہل جنت کے لئے ہیں نہ وہ رضواں کیلئے — جو مزے آج ہیں حاصل ترے درباں کیلئے
سر کو وحشت میں پہاڑوں سے بچا کر لایا — در و دیوار سر کوچۂ جاناں کے لئے

آزاد

(آزاد) میرزا اعظم شاہ - معروف زلفوں والے نبیرۂ مرزا سلیمان شکوہ برادر اکبر شاہ ثانی بادشاہ دہلی - ذکی الطبع وجیہہ - قوی الجثہ - رند مشرب - آزاد وضع تھے - حافظ قطب الدین مشیر سے بھی مشورۂ سخن کیا ہے - لکھنؤ میں نشو و نما پائی تھی - ان کے والد مرزا عادل شکوہ کو سرکار انگریزی سے گزارے کے لائق وظیفہ ملتا تھا مرزا اعظم شاہ انکے بڑے بیٹے تھے انکے والد صاحب اگرچہ سلوک ہوتے رہتے تھے مگر مذہبی مخالفت کی وجہ سے کہ وہ شیعہ تھے اور یہ سنی باہم کشیدگی رہتی تھی ۱۳۰۰ ہجری تک زندہ تھے اجمیر اور دکن بھی گئے تھے آخر عمر میں دہلی میں سکونت اختیار کر لی تھی ستر برس سے زیادہ عمر میں انتقال کیا ۵

ہم یہ سمجھے تھے چھپائے گا گنہگاروں کو — پر بہت تنگ ہی محشر ترا داماں دیکھا
گھبرائے گا کیا جی مرا تنگیٔ قفس سے — سو بار بھی کیا ہو کے گرفتار نہ آیا
وہ اور ہیں جنکی شبِ ہجراں کو سحر ہے — یاں شام ہوئی حشر کی اور یار نہ آیا
آزاد کو مت پوچھو کیا اُس کا ٹھکانا ہے — جس کوچہ میں دن گذرا وہاں شب بھی رہا ہوگا
آزاد چپکا رہنا آٹھوں پہر بُرا ہے — پھٹ جائے گا کلیجہ کچھ بات بھی کیا کر
عجب اعجاز ان آنکھوں نے دکھایا چشم قاتل میں — کہ اک تیرِ نگہ اور آ کے بیٹھے لاکھ کے دل میں

تمھارا جذبۂ الفت جو لیجائے تو لیجائے		وگرنہ کام کیا ہم بیخودوں کا روزِ محشر میں
آزاد تیرے پاس نہ زر ہے نہ زور ہے	،	تجھسے کوئی ملے تو کس امید پر ملے
یہ تو کہیئے کہ ملے گا مجھے مرقد میں چین		یا وہاں بھی ہے کوئی فتنہ اُٹھانا باقی

آزاد

آزاد شمس العلما مولوی محمد حسین صاحب دہلوی - جنھوں نے تذکرۂ آبِ حیات لکھکر اپنے نام کو زندۂ جاوید بنادیا - مولوی باقر علی مرحوم دہلوی کے خلف الرشید ہیں - حضرت آزاد کے والد خاقانی ہند شیخ ابراہیم ذوق کے دلی دوست اور شمالی ہندوستان میں اُردو اخبار نویسی کے موجد تھے - حضرت آزاد نے اُستاد ذوق کے سایۂ عاطفت میں ابتدائی تعلیم حاصل کی - اور نکات عروض وفن سخن - انہیں کے فیض سے حاصل کئے - علوم مروجہ میں کامل دستگاہ رکھتے ہیں پرانے دہلی کالج کے مشہور ترین یادگاروں میں سے ہیں - اس حُسن عقیدت اور خلوص لحاظ سے جو انہیں اپنے اُستاد حضرت ذوق سے آج کے دن تک قائم ہے فی الواقع انکے شاگرد رشید بلکہ زندہ یادگار کہلانے کے صرف یہی مستحق ہیں اپنے اُستاد کی بدولت کثرتِ عامی گرامی اشخاص سے ملتے جلتے رہے اور معرکہ کے مشاعروں میں شریک ہوئے ہیں - اسمیں شک نہیں کہ انہوں نے جو کچھ کمال حاصل کیا اسمیں زیادہ حصہ اُستاد کی فیض صحبت کا ہے - حضرت ذوق کی وفات کے بعد بڑی سرگرمی و تن دہی سے انکے کلام کی ترتیب کے اہم کام میں مصروف ہوئے مگر افسوس ہے کہ ہنگامہ غدر نے کئی سال کے علی الاتصال محنتوں اور مشقتوں کا یک قلم نشان مٹا دیا یعنی وہ تمام مجموعہ دہلی کی تباہی کے وقت برباد و تاراج ہوگیا اور حضرت خاقانی ہند کے صلبی فرزند کے ساتھ روحانی اخلاف بھی واصل رحمت الٰہی ہوئے - حضرت آزاد نے اُستاد ذوق کی وفات کے بعد حکیم آغا جان صاحب عیش سے بھی جو دربار شاہی میں بزمرہ اطبا منسلک تھے استفادہ کیا ہے جناب آزاد کی تصانیف میں سے کوئی مجموعہ نظم ۱۲۶۴ھ سے پہلے کا دستیاب نہوا چند غزلیں جو کلام آزاد میں طبع ہوئی ہیں وہ غدر کے بہت بعد کی کمائی ہے - غالباً پُرانا ذاتی سرمایہ بھی غدر میں ہی تلف ہوگیا - آزاد اپنے والد بزرگوار کی شہادت کے بعد ۱۲۷۵ھ کے اخیر میں عیال و اقربا کے ہمراہ

لکھنؤ پہنچے وہاں کے مشاہیر سے ملے اور کچھ عرصہ تک اطراف و جوانب میں سفر کرتے پھرے ۱۸۶۴ء میں تقدیر راہ پر آئی لاہور آکر سرکاری ملازمت میں داخل ہو گئے ۔ حضرت آزاد کی بابرکت زندگی کا بڑا حصہ لاہور ہی میں گذرا ہے انجمن پنجاب کے جلسوں کا بانی اگر آپ کو کہا جائے تو بیجا نہیں ۔ انہیں کی کوششوں سے حکام بالا کی عموماً اور افسران تعلیم کی خصوصاً زبان اُردو کی نشوونما اور ترقی کی طرف خاص توجہ مبذول ہوئی یہ بھی آپ ہی کی کوشش کا نتیجہ تھا کہ نواب لفٹنٹ گورنر پنجاب کے قدوم میمنت لزوم سے انجمن پنجاب میں مشاعرہ کی بنیاد پڑی ۔ حضرت آزاد کچھ عرصہ تک اسسٹنٹ سکرٹری رہے اور یونیورسٹی کالج کے صیغہ علوم مشرقی میں بعہدہ پروفیسری مدتوں کام کیا ۔ اسی اثنا میں تعلیمی کاموں کے علاوہ ملکی خدمات بھی وقتاً فوقتاً کمال لیاقت کے ساتھ انجام دیتے رہے ۔ ۱۸۶۵ء میں بکارسرکار کلکتہ کا سفر کیا اور کچھ دنوں بعد پنڈت من پھول صاحب میر منشی گورنمنٹ پنجاب کے ہمراہ کابل و بخارا کا سفر کیا ۔ ۱۸۸۳ء میں دوبارہ ایران گئے ۔ کرنل ہالرائڈ صاحب ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم پنجاب نے جناب آزاد سے قصص ہند کا دوسرا حصہ لکھوایا جو مصنف کی اعلیٰ زباندانی و لیاقت کی شہادت دے رہا ہے ۔ اُردو زبان کی ترقی کے واسطے جس شخص نے کہنہ طرز سخن کو بدل کر فن شاعری کو سہل کیا اور ایشیائی تعشقانہ خیالات کو قدرتی مضامین کی طرف سب سے پہلے ڈھالا وہ کس کی لیاقت کا نتیجہ ہے سچ پوچھو تو انہیں حضرت آزاد کی آزادانہ طبیعت کا ظہور ہے اس طرز کے رواج دینے کو آپنے پہلے بطور نمونہ چند چھوٹی چھوٹی مثنویاں لکھیں ۔ یہ طرز ایسی مقبول خلائق ہوئی کہ وہ پُرانے اور نامی ایشیائی شاعر جنکی طبیعتوں پر پُرانی روش اپنا سکہ جما چکی تھی یک قلم بھول گئے اور بمصداق کل جدید لذیذ اس نئی مفید طرز پر ایسے فریفتہ و دلدادہ ہوئے کہ کیہ و مہ نے یہی رستہ اختیار کر لیا ۔ شمس العلما مولوی حالی صاحب کی جدید شاعری اور جزر و مد اسلام کا رہنما حضرت آزاد ہی کا روشن خیال ہے ۔ جناب آزاد نے اپنے نیرنگ خیال کے دو حصے ۱۸۸۰ء میں تالیف کئے ۔ اسمیں زیادہ تر انگریزی روش کا پرتو ہے جس میں مضمون نویسی کی

جدید طرز کا چربہ اُتارا ہے ۔ تذکرۂ آب حیات جو مشاہیر شعرائے اُردو کا مُنہ سے بولتا تذکرہ ہے اسی روشن دماغ کی قابل قدر تالیف ہے ۔ یہ کتاب طرز بیان ۔ سلاست زبان ۔ شستگی الفاظ ۔ برجستگی ۔ بیساختگی ۔ روشن خیالی کا اعلیٰ نمونہ ہے اس نادر تالیف کی جسقدر تعریف و توصیف کی جاے کم ہے ۔ یہ تذکرہ تمام تذکروں سے ہر طرح فایق و ممتاز ہے اسلئے کہ محققانہ طریقے سے ہر ایک شاعر کا حال قلمبند کیا ہے اور ہر پہلو پر انصافاً نظر ڈالی ہے حق یہ ہے کہ پروفیسر آزاد کا رنگ تحریر ایسا موثر اور شوق انگیز ہے کہ اُسکی نظیر اسوقت تک نہیں دیکھی گئی سیدھے سیدھے صاف اور سادے بیان میں جا بجا رنگینی طبع کی ایسی جدولیں کھنچی ہیں کہ کہیں بھی بھونڈا پن جھلکنے نہیں دیا ۔ سیدھی بات کو پیچدار الفاظ میں بیان کر جاتے ہیں مگر کیا مقدور کہ پڑھنے والے کو مطلب سمجھنے میں ذرا بھی دقت یا رکاوٹ ہو ۔ انکی ایک پُرانی تالیف موسوم بہ دربار اکبری ۔ جسے خود ترتیب و نظر ثانی کر کے نہ چھپوا سکے حال میں شایع ہوئی ہے مگر اس صورت میں بھی یہ کتاب عبارت کی رنگینی کے اعتبار سے اُنکی بہترین تصنیفات میں ہے ۔ کچھ عرصے سے پیرانہ سالی اور بعض امراض کی وجہ سے دماغ کی حالت خراب ہو گئی ہے یہی وجہ ہے کہ اپنی اس دلاویز تصنیف کو خود نہ چھاپ سکے مگر اس بگڑی ہوئی حالت پر بھی جب کبھی قلم دوات کے نصیب کھلجاتے ہیں تو عجیب عجیب گُل افشانیاں کرتے ہیں کہ اب کوئی ذی ہوش بھی ایسی گلکاریاں نہیں دکھا سکتا ۔ اس زمانہ کی دو ایک تالیفیں جنہیں پروفیسر صاحب الہامی باتیں کہتے ہیں مولوی ممتاز علی صاحب نے چھپوا دی ہیں جن میں سے ایک رسالہ کا نام سپاک و نماک رکھا ہے اس جنون کی ابتدا ۱۸۹۰ء سے ہوئی ہے مکرمی و معظمی جناب عموی رائے بہادر ماسٹر پیارے لال صاحب فرماتے ہیں کہ جنون کے شروع میں ایک دن آزاد مجھسے ملنے آئے اور تقریباً دو ڈھائی گھنٹے باتیں کرتے رہے مگر ان الفاظ کے بجز اور کچھ زبان پر نہیں لائے (رائے صاحب آپ اس شعر کو پڑھا کیجئے اور اسکے معنی آپ جو چاہیں سمجھ لیں شعر

پردہ در کعبہ سے اُٹھا دینا ہے آساں	پر پردۂ رخسارِ صنم اُٹھ نہیں سکتا

جناب ماسٹر صاحب ممدوح وہ شخص ہیں جنہوں نے جناب آزاد کی از ابتدا تا انتہا بہت تحقیقیں دیکھی ہیں اور وقتاً فوقتاً بہت سے کاموں میں انکو مدد دیتے رہے ہیں - ماسٹر صاحب فرماتے ہیں کہ جب ۱۸۶۴ء میں حضرت آزاد پنجاب میں وارد ہوئے تو اول اول مولوی رجب علی صاحب کے پاس جگرانواں میں مقیم رہے پھر مولوی صاحب کے ذریعہ سے پنڈت من پھول صاحب لفٹنٹ گورنر صاحب کے مینشی کے پاس آئے اور میر منشی صاحب کی سفارش سے لاہور میں ڈائرکٹر سررشتۂ تعلیم کے دفتر میں پندرہ روپے ماہوار کے ملازم ہوئے - ادنی عہدہ کی وجہ سے نہیں ایسا موقع ملتا تھا کہ اپنی لیاقت و استعداد کو اعلیٰ افسروں پر ظاہر کریں - اسکے علاوہ میجر فلر صاحب ڈائرکٹر اگرچہ عربی فارسی کا مذاق رکھتے تھے - علم دوست تھے مگر اجنبی کے لئے انکا ظاہری رعب داب اُن تک پہنچنے میں سدِ راہ تھا - اتفاق سے اسی زمانہ میں جناب قبلہ ماسٹر صاحب موصوف کسی سرکاری کمیٹی میں شریک ہونے کی غرض سے لاہور تشریف لائے چونکہ فلر صاحب ماسٹر صاحب سے ازحد مانوس تھے - اس موقع پر حضرت آزاد نے ماسٹر صاحب سے کہا کہ ہم کو میجر صاحب سے نہیں ملا دیتے؟ ماسٹر صاحب نے ان سے وعدہ کر لیا اور موقع کے منتظر رہے - کمیٹی سے فارغ ہو کر میجر صاحب سے جو ملے تو صاحب نے ایک تحریر ماسٹر صاحب کو دکھائی اسمیں صاحب بہادر نے لفظ (ایجاد) کو مونث لکھا تھا - ماسٹر صاحب نے دیکھکر اعتراض کیا کہ یہ لفظ مذکر بولا جاتا ہے - صاحب نے جواب میں فرمایا مولوی کریم الدین صاحب سررشتہ دار کو یہ تحریر دکھائی ہے وہ اس عبارت کی صحت کے ذمہ دار ہیں - مولوی صاحب بُلائے گئے - میجر صاحب نے ماسٹر صاحب کا اعتراض بیان کیا - مولوی صاحب نے جواب میں سند چاہی - عالی جناب ماسٹر صاحب نے حضرت آزاد کے لئے یہ موقع مناسب خیال کر کے میجر صاحب سے کہا کہ آپ کے دفتر میں ایک شخص محمد حسین آزاد دہلی کے رہنے والے ہیں انہیں مثال کے ہزاروں شعر یاد ہیں - یہ سنتے ہی آزاد صاحب طلب کئے گئے اور فلر صاحب بہادر نے اُن سے دریافت کیا کہ لفظ ایجاد مذکر ہے یا مونث؟ پروفیسر صاحب نے جواب میں عرض کیا کہ مذکر

صاحب نے سند مانگی انہوں نے برجستہ سودا کا یہ شعر پڑھ دیا **شعر**

ہاے کس بھڑوے کا یہ ایجاد ہے	نسخے میں معجون زر ابناد ہے

اسوقت سے فلر صاحب کی خدمت میں حضرت آزاد کی رسائی ہوگئی اور کچھ ترقی بھی ہوئی اُنکے بعد کرنل ہالرائیڈ صاحب نے اُن کی قدردانی فرماکر پچھتر روپے پر کرکے سب اڈیٹر مقرر کردیا - جس اخبار کے یہ سب اڈیٹر ہوئے اسکے اڈیٹر راے بہادر جناب ماسٹر پیارے لال صاحب آشوب تھے اخبار کا نام اتالیق پنجاب تھا - یہ اخبار سرکاری تھا - سالانہ قیمت پبلک کے اخباروں سے نسبتاً کم تھی - کچھ تو اس وجہ سے کہ سرکاری تھا اور زیادہ تر اس باعث سے کہ اڈیٹر و مددگار دونوں نہایت قابل و یگانۂ روزگار تھے یہانتک مقبول خاص و عام ہوا کہ اپنے ہمعصر اخباروں سے بدرجہا بڑھ گیا اسکے مضامین کی خوبی - عبارت کی برجستگی و خوش اسلوبی نے ہر دلعزیز بنا دیا یہ کیفیت دیکھکر ہندوستانی اخباروں نے گورنمنٹ سے درخواست کی کہ گورنمنٹ کا رعایا کے مقابلے میں اخبار شایع کرنا در پردہ ملکی لوگوں کو نقصان پہنچانا ہے - گورنمنٹ کی عادلانہ پالسی نے یہ معقول عذر تسلیم کرکے اخبار مذکور کی جگہ ایک رسالہ پنجاب میگزین کے نام سے جاری کردیا - حضرت آزاد کے بعد خواجہ حالی نے بھی کچھ دنوں اتالیق پنجاب کی سب اڈیٹری کا کام انجام دیا - چونکہ آزاد طبع حضرت آزاد کے مزاج میں کچھ تعلی و خود بینی کا مادہ بھی موجود تھا اس وجہ سے اکثر اپنے معاصرین سے علمی نوک جھوک اور مخالفت رہا کرتی تھی - پروفیسر صاحب کا خاندانی مذہب امامیہ ہے مگر بعض بعض باتوں میں اپنی ذاتی راے خاندانی مذہب سے الگ رکھتے ہیں انکی گفتگو اور بعض مضامین سے پایا جاتا ہے کہ آپ آواگون کے قائل ہیں بلکہ اس خیال کی تائید میں اکثر اوقات فرمایا ہے کہ ہمارے اُستاد ذوق بھی تناسخ کی صحت کے قائل تھے - اسوقت جگت اُستاد حضرت آزاد کو خدمات ماضیہ کے صلے میں گورنمنٹ سے پچھتر روپے ماہوار پنشن ملتی ہے - حضرت موصوف نے اپنی تصانیف اور کفایت شعاری سے خاصا سرمایہ جمع کرلیا ہے - یہ قابل زیارت پروفیسر لاہور موچی دروازہ میں رہتے ہیں - اور اب

نوٹ :- ۱۸۸۷ء کی جوبلی پر آپ کو شمس العلما کا خطاب ملا۔

پچھتر سال کے قریب عمر ہے اگرچہ دماغی عارضہ کے سبب اب عدم وجود برابر ہے تاہم علم دوست طبیعتوں - قدرداں نگاہوں کے لئے اِن کا شربت دیدار مسرت افزا ہے - چنانچہ اس موقع پر یہ شعر حسب حال ہے ؎

تیری دانائی کے قائل تھے سب افلاطوں منش	شاعری نے کر دیا اے داغ سودائی تجھے

حضرت ممدوح نے اپنی ذاتی تالیفات و تصنیفات کے علاوہ اپنے استاد ذوق کا حق شاگردی بھی کماینبغی ادا فرمایا ہے یعنی اُستاد ذوق کا ایک دیوان خاص اپنے اہتمام سے مرتب کیا ہے جسمیں انکی سوانح عمری اور اوائل عمر سے بالترتیب کلام جمع کر کے دکھایا ہے کہ فلاں غزل فلاں قطعہ فلاں محل اور موقعہ پر کہا تھا - یہ دیوان چھپ گیا ہے - بعض لوگوں کا اسکی نسبت خیال ہے کہ آپ نے اسمیں جابجا تصرف کیا ہے بہرحال مجموعی حیثیت سے یہ امتیاز ضرور ہے کہ سابقہ مرتب دیوان سے اسکا کلام زیادہ تر صحیح ہے - حضرت کی تالیفات و تصنیفات مطبوعہ ذیل ہیں - تذکرہ آب حیات - نیرنگ خیال (دو حصہ) - زبانِ دان فارس - دربار اکبری - مجموعہ نظم اُردو - قصص ہند کا دوسرا حصہ - ابتدائی درسی کتب اُردو - جامع القواعد فارسی - قواعد اُردو اِن کے سوا بہت سی مختلف نظمیں اور مضامین - جنون کے زمانہ کی سیاک و نمناک مزید آں ہیں - اُردو نظم کا انتخاب یہ ہے : - ؎

بلا سے دشمنِ جانی مرا سارا جہاں ہوتا	کسی صورت سے ایجانِ جہاں تو جانِ جاں ہوتا
جو کوئی چوٹ دل کے ساتھ تیشے کے نہ کرتی	تو جاے آب ہر شیشہ سے شیریں خوں رواں ہوتا
صنم ہے گردش عالم نگاہِ مہر سے تیری	اگر تو مہرباں ہوتا تو عالم مہرباں ہوتا
خدا کے واسطے آزاد رو کو نالۂ دل کو	کہ کوئی آن میں کون و مکاں ہی لامکاں ہوتا
ہاتھ چومیں گے مرے گبر و مسلماں دونوں	ایک میں دست صنم ایک میں قرآں ہوگا
سر اپنا کاٹ کے پہنچ آیا کوے قاتل میں	یہ بوجھ تھا مری گردن پہ سو اُتار آیا
جوان معرکۂ حسن و عشق تھا آزاد	چلا نہ دل پہ جو تا بو تو جان ہار آیا

ہم اُن سے دُور بظاہر ہزار بیٹھے ہیں
پہ لاکھ جان سے دل میں نثار بیٹھے ہیں

اِدھر بھی چشمِ عنایات ہو ذرا ساقی
کہ مست دیر سے امیدوار بیٹھے ہیں

چمن میں اولجھے ہوئے ہیں جو دامنِ گل سے
وہ دل میں بلبلِ شیدا کے خار بیٹھے ہیں

جلا کے ہجر میں تم نے جو خاک کر دیا دل
ہم اُس کا داغ لئے یادگار بیٹھے ہیں

کمالِ عشق تو یہ ہے کہ جو بظاہر حال
بگاڑ بیٹھے ہیں یاں وہ سنوار بیٹھے ہیں

نگاہِ ناز کا ساقی کے ایک ہے یہ کمال
کہ بزم ہو گئی مدہوش و یار بیٹھے ہیں

کمانِ ابروئے جاناں کے دل سے ہوں ترباں
کہ جتنے تیر ہیں سینے کے پار بیٹھے ہیں

وہ صاف ہوں گے کیا اپنے خاکساروں سے
کہ آپ دِل پہ یہ بن کر غبار بیٹھے ہیں

تمہارے زلف کو تھے باندھتے پریشاں ہم
سو دامن آج لئے تار تار بیٹھے ہیں

نظر اُٹھا کے نہیں دیکھتا وہ صید افگن
دلوں کو ہاتھوں پہ رکھے شکار بیٹھے ہیں

گئے وہ غیر کے گھر اُٹھ کھڑے ہو حضرتِ دل
اب آپ کس کا کئے انتظار بیٹھے ہیں

عمامہ شیخ کا چھوڑیں گے کیا بھلا وہ رند
جو اپنی پگڑی کو پہلے اُتار بیٹھے ہیں

قمارِ عشق میں اب کیا لگائیں گے آزاد
کہ نقد دل کو تو پہلے ہی ہار بیٹھے ہیں

دلوں میں کرتے جو الفت سے ہیں جہانداری
جہاں کو ایک نظر میں غلام کرتے ہیں

اس دلِ پُرداغ سا گلشن میں اک لالہ تو ہو
پر یہ گل جیسا ہے کوئی دیکھنے والا تو ہو

آفریں ہمت کو اُس کی دل کی جینے عشق میں
جاں تلک پیاری نکی ایسا جگر والا تو ہو

ایک ہی ساغر میں کچھ ایسا پلا دے ساقیا
بے خبر دنیا و دیں سے تیرا متوالا تو ہو

ہاتھ خالی مردم دیدہ بتوں سے کیا ملیں
موتیوں کی پنجۂ مژگاں میں اک مالا تو ہو

ناخنِ خارا کے خود عقدہ ترا کر دے گا وا
پہلے پائے شوق میں پیدا کوئی چھالا تو ہو

کچھ نہ کچھ آزاد کو بھی چاہیے دل بستگی
گر نہ ہو مے خانہ بھیں سیر بنگالہ تو ہو

پوچھتا حالت ہے کیا میرے دلِ ناشاد کی
آہ کی ہمت نہیں طاقت نہیں فریاد کی

تیری الفت نے کیا جینے سے بیزار مجھے
جان سے کھوتا ہے پیارے یہ ترا پیار مجھے

دیتے کیا کیا ہیں دلاسے شبِ فرقت میں ہم
دلِ بیمار کو میں اور دلِ بیمار مجھے

دیکھنا قید تعلق میں نہ آنا آزاد
دام آتے ہیں نظر سبحہ و زنار مجھے

دُنیا ہے جب فنا تو فنا ہی سمجھ اُسے
پی جامِ مرگ آبِ بقا ہی سمجھ اُسے

جو کچھ فلک کے نیچے ہے سب گرد باد ہے
پھر جو ہوس ہو دل میں ہوا ہی سمجھ اُسے

سنئے گا دیکھنا رو رو کے آواز اک جہاں میری
تمہارے عشق کی ہے داستاں اور ہے زباں میری

سناؤں داستانِ عشق سب قلقل کے پردے میں
صراحی کے دہن میں کاٹ کر لکھ دو زباں میری

تقاضا ہے گریباں کا کہ مجھ کو چاک کر ڈالو
تمنا ہے یہ دامن کی اُڑا دو دھجیاں میری

ہوا لیلیٰ پہ مجنوں کو ہمن شیریں پہ سودائی
محبت دل کا اک سودا ہے جس کی جس سے بن آئی

انتخاب از مثنوی موسم زمستان

ہے جواں لیتا اسی شب میں جوانی کا مزا
اور جو بڈھا ہے تو لیتا ہے کہانی کا مزا

بزمِ احباب کی صحبت کا مزا ہے تجھ سے
سازِ عشرت کے لئے برگ و نوا ہے تجھ سے

شبِ سرما ہی میں ہے گانے بجانے کا مزا
پان کھانے کا گلوری کے چبانے کا مزا

ہند کو کابل و کشمیر بنا دیتا ہے
ملک تاتار کی تصویر بنا دیتا ہے

ابر و باراں تو تہِ چرخِ بریں دیکھا تھا
یہ برستا ہوا کافور نہیں دیکھا تھا

جب کہ ہوتا ہے گزر جانبِ کہسار ترا
فن صنعت ہے وہاں اور کچھ اے یار ترا

بت تراشی میں ہے تو غیرتِ فرہاد وہاں
قصرِ شیریں کی ہے تو ڈالتا بنیاد وہاں

اِک طلسمات کا عالم ہے دکھاتا جاتا
صورتیں برف سی کیا کیا ہے بناتا جاتا

پتے پتے کا ہے تصویر میں انداز درست
اور ہر اک میوہ ہے قدرت سے خدا ساز درست

تھرتھراتے ہیں کھڑے سارے جوانانِ چمن
مُنہ چھپاتے ہیں گل و سنبل و ریحانِ چمن

ہیں شجر سر پہ کھڑے خاک اڑاتے سارے
گل و گلزار ہیں ویراں نظر آتے سارے

تو نہ تھا جب تو نہ تھا جان کو جینے کا مزا
تھا نہ کھانے کا مزا اور نہ پینے کا مزا

اب عمل ہیں ترے آرام سے سب جیتے ہیں
گرم کھاتے ہیں غذا آبِ خنک پیتے ہیں

خطاب بہ قلم

آ قلم آ کہ سرِ نامہ لکھوں نامِ خدا
جو کہ لے نامِ خدا اُس پہ ہے انعامِ خدا

تو جوانی میں مری تیغ شرر بار رہا
کرتا اعدائے بداندیش کو فی النار رہا

پر اب ایام ضعیفی نظر آتے ہیں قریب
فضل اپنے سے جو اللہ کرے عمر نصیب

اے مرے دوست نہ تو مجھ سے جدا ہو جانا
اپنے آزاد کی پیری کا عصا ہو جانا

مناجات

عالم ہے اپنے بسترِ راحت پہ خواب میں
آزاد سر جھکا کے خدا کی جناب میں

پھیلائے ہاتھ صورتِ امیدوار ہے
اور کرتا صدق دل سے دعا بار بار ہے

مجھکو تو ملک سے ہے نہ ہے مال سے غرض
رکھتا نہیں زمانہ کے جنجال سے غرض

یارب یہ التجا ہے کرم تو اگر کرے
وہ بات دے زباں کو کہ دل پہ اثر کرے

انتخاب از مثنوی شب قدر

قطعہ

اے رات سنتا ہوں کہ ترے سر پہ تاج ہے
ہر گوہر اُس میں ملک حبش کا خراج ہے

ہر چند مہر حسن ہیں کیا کیا پھبن نہیں
پردہ وہ تک سے تجھ میں کہ جس میں کرن نہیں

روشن تجھی سے رُو ئے زمیں پر چراغ ہیں
اور کھلتے آسماں پہ ستاروں کے باغ ہیں

بجلی ہنسی تو اُسکی تجھی سے بہار ہے
شبنم سے تیرا فیض کرم آشکار ہے

اے رات سلطنت کا ترے دیکھکر حشم
کھاتا فلک ہے تاروں بھری رات کی قسم

زاہد مراقبہ کا ہے دم سب کو دے رہا
اور آپ مارے نیند کے جھوکے ہے لے رہا

سونے کو مہر بھی ہے بخواب عدم گیا
دریا بھی اب تو چلنے سے شاید ہو تھم گیا

اے رات تیرے وصف کہاں تک رقم کروں
اور اتنی روشنائی کہاں سے بہم کروں

وہ آفتاب تھا جو چمکتا جہان پر
بیٹھا تھا جس کا سکہ زمیں آسمان پر

کھولے ہوئے شفق کا نشاں زرق برق سے
رکھ کر کرن کا تاج نکلتا تھا شرق سے

اسکے عمل کو توڑنا تیرا ہی کام ہے
سکہ ہے اب ستاروں پہ اور تیرا نام ہے

محنت ثمر تھا اُس کا تو راحت ہے پھل ترا
چاندی تھا اُس کا حکم تو سونا عمل ترا

مزدور تھے جو دن کو مصیبت اُٹھا رہے
قطعہ
اور پاؤں تک سروں کے پسینے بہا رہے

سو سو طرح کے بار دلوں پر اُٹھائے ہیں
جب چار پیسہ شام کو لے گھر میں آئے ہیں

ناکشرا میر ہیں کہ یہاں بے نظیر ہیں
قطعہ
دولت کے آسمان پہ بدر منیر ہیں

اُن کو خدا کی یاد نہ بندوں کی شرم ہے
دن ہو کہ رات عیش کا بازار گرم ہے

اور وہ جو لکھپتی ہے مہاجن جہان میں
قطعہ
آدھی ڈھلی ہے پر وہ ابھی بے دُکان میں

گنتی میں دام دام کے ہے دم دئے ہوئے
بیٹھا ہے آگے سب بہی کھاتا لئے ہوئے

ہے سارے لین دین کی میزاں تمام کی
پر سوئے کیا کہ بند نہیں ملتی چھدام کی

انتخاب از مثنوی ابر کرم

مُنہ پر زمیں کے دیکھو تو ہے خاک اُڑ رہی
اور گرد چار سو تہ افلاک اُڑ رہی

دنیا میں بوند بوند کو خلقت ترس رہی
پانی کی جا ئے آگ فلک سے برس رہی

شہروں میں سوکھ سوکھ کے جنگل چمن ہوئے
اور جنگلوں میں دھوپ سے کالے ہرن ہوئے

طفل نبات پیاس کے مارے بلک رہے
خلق خدا کے نالے بہت دور تک گئے

سیماب ہو کے سینے سے ہر دل نکل چلا
اور آفتاب شمع کی صورت پگل چلا

دل تشنگی کے مارے یہ بیتاب ہو گئے
انساں تڑپ کے ماہی بے آب ہو گئے

پر آب ہے دور دورۂ برشگال کا
چھایا فلک پہ ابر ہے جاہ و جلال کا

آنے سے تیرے آگیا آنکھوں میں نور ہے
دیوار و در سے آج برستا سرور ہے

تیرے ہی دم قدم کی یہ سب لہر بہر ہے
سیراب کوہ و دشت تو شاداب شہر ہے

اے ابر سب یہ ساز و نوا تیرے دم سے ہیں
یہ لطفِ عیش و لطفِ ہوا تیرے دم سے ہیں

غنچوں کے مارے پیاس کے تھے منہ کھلے ہوئے
گلشن کے نونہالوں کے پتے ڈھلے ہوئے

یوں پھوٹ کر جو ہیں گل و ریحاں نکل پڑے
کیا جانے کن دلوں کے ہیں ارماں نکل پڑے

اے ابر تو تو چھایا ہوا ہے جہان پر
چھایا ہوا سماں ہے زمیں آسمان پر

چلنا وہ بادلوں کا زمیں چوم چوم کر
اور اُٹھنا آسماں کی طرف جھوم جھوم کر

بجلی کو دیکھو آتی ہے کیا کوندتی ہوئی
سبزہ کو ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا روندتی ہوئی

آتی اِدھر صبا ہے اُدھر ہے نسیم بھی
اور اُن کے ساتھ ساتھ ہے آتی شمیم بھی

مستی میں جھومنا وہ جوانانِ باغ کا
جھک جھک کے لینا ہاتھ سے گل کے ایاغ کا

سبزہ کے عکس سے در و دیوار سبز سبز
سیراب باغ و دشت تو کہسار سبز سبز

جھولوں میں نوجواں ہیں پینگیں چڑھا رہے
اور بچے آم کے ہیں پپیے بجا رہے

ساون کے گیت اُٹھا ہے طوفاں دو نہیں ہیں
پردیسیوں کی یاد سے ارماں دلوں میں ہیں

ہر تان میں ملہار کے مستی کا شور ہے
بادل گرج کے پردی میں دیتا مکور ہے

اے ابر تیری رات کی تعریف گر کروں
لازم ہے پہلے میں رہ ظلمات سر کروں

کیا کیا بیاں کروں میں تری رات کا مزا
گر رات کا مزا ہے تو برسات کا مزا

سنسان رات اور وہ آئی ہوئی گھٹا
چاروں طرف جہان میں چھائی ہوئی گھٹا

بجلی کبھی کبھی نگہ فتنہ ساز سے
کرتی نقاب ابر میں چمک کے ناز سے

زیادہ معلوم نہیں مگر یہ سب جانتے ہیں کہ شعر و سخن کا ایک رسالہ موسوم بہ گلدستہ شعرا انکے اہتمام سے شہر لکھنؤ میں جاری تھا - مولوی عبدالغفور خاں نساخ نے انہیں ربیلی کا باشندہ لکھا ہے -
ان کا کلام یہ ہے ؎

کچھ غم نہیں مٹا جو نشاں میری قبر کا
کافی ہے یہ نشان کہ میں بے نشاں گیا

غفلت میں آپکی میں گیا اپنی جان سے
فرمایئے تو آپ کا کیا مہرباں گیا

سختیٔ نزع کا تو بتائے علاج کچھ
بالیں سے میری اُٹھ کے مسیحا کہاں گیا

مہمان ہم بھی ہیں کوئی دم کے جہان میں
کیا غم جو وہ رقیب کے گھر میہماں گیا

پیش نظر تھی موت فراقِ حبیب میں
گزرا ہے مجھ پہ نزع کا عالم تمام شب

جی چاہتا ہے بس یہی بے اختیار آج
دریا پہ کھیلئے بطمے کا شکار آج

وہی ہیں ہم کہ ہیں اب خار دشت غربت کے
شگفتہ رکھتی تھی دل کو کبھی وطن کی بہار

فرقت میں جان دینے کا ہر دم تھا خیال
ڈھونڈی کہیں چھری کہیں تلوار کی تلاش

کیا سُناتا ہے صدائے لن ترانی وقت نزع
چاہیئے مشتاق کو صورت دکھانی وقت نزع

وصل و ہجر نہ اسی کروڑوں تدبیریں کیں
سچ کہا ہے کہ ہر اک کام ہے تقدیر کے ہاتھ

آزاد

(آزاد) منشی محمد امجد علی ولد محمد امداد علی صاحب - قصبۂ گوپامؤ ضلع ہردوئی کے رہنے والے ہیں ۱۲۶۳ ہجری میں پیدا ہوئے ریاست بھوپال میں محکمۂ نظامت کے سررشتہ دار ہیں -
فارسی - اُردو دونو زبانوں میں شعر کہتے ہیں انکا اُردو کلام یہ ہے ؎

جلا کے خاک کیا جس کو اک نظر دیکھا
بھری ہے کیسی الٰہی نگاہِ یار میں آگ

لیا جو بوسہ شبِ وصل بولے جھنجلا کر
چلو ہٹو لگے ایسے تمہارے پیار میں آگ

شفق یہ پھولی ہے کب آہ آتشیں سے مری
لگی ہے دامنِ چرخِ ستم شعار میں آگ

آزاد

(آزاد) خواجہ ضیاء الدین دہلوی انکی طبیعت کی موزونی خداداد تھی - اصلاح کسی سے نہیں لیتے تھے صرف طبیعت کی رسائی سے شعر کہتے تھے - زندہ دل اور خلیق آدمی تھے -

انکا کلام ہدیۃ درج ذیل ہے ؎

کہتے ہیں نقش پر تری آیا بچائے گا	لو خاک میں بھی ہم کو ملایا بچائے گا
جز دید اُن سے اور تمنا نہ کیجئے	لے بڑھ گئی تو شوق گھٹایا بچائے گا
اُس روئے آتشیں کا نہ دل میں خیال لا	شعلہ بھڑک اُٹھا تو بجھایا بچا نہ گا
دعوئے آب و تاب اور اُس شکر مہر سے	مُنہ بھی تو آئینہ سے دکھایا بچائے گا
اعجاز گو تمام کریں حضرت مسیح	مارا ہُوا بتوں کا جلایا بچائے گا

آزاد (آزاد) حکیم غلام حسین خاں ولد حکیم غلام رسول خاں کشمیری - کچھ عرصہ سے انکے آباو اجداد نے رام پور کو اپنا وطن بنا لیا تھا - نواب احمد علیخاں والی رام پور کے عہد میں نیابت کے عہدہ پر مامور تھے شعر و سخن کے شغل سے بھی دلچسپی تھی - انکی دیانت داری و نیک کرداری کی ایک روایت مشہور ہے جو تذکرۂ انتخاب یادگار میں حضرت امیر مینائی مرحوم نے اسطرح لکھی ہے کہ "جب زیارت حرمین شریفین کو چلے تو لاکھ روپے انکے پاس تھے - سب اموال کی فرد بنا کر نواب صاحب کے حضور میں پیش کی - حکم ہُوا کہ مال تمہارا ہے سرکار کو اس سے کچھ علاقہ نہیں" انکے انتقال کے بعد بھی انکے اقارب سرکار رام پور کے دامن دولت سے وابستہ رہے ان کے دو شعر انتخاب یادگار میں درج تھے وہی نقل کئے جاتے ہیں اشعار

جا بجا کرتے ہیں چرچا تری بد وضعی کا	دو کہیں چار کہیں پانچ کہیں سات کہیں
فہم پر تیری ہنسی آتی ہے مجکو آزاد	پھُوٹی تھی ہی نہیں کہتا ہے مری بات کہیں

آزاد (آزاد) مولوی ابوالحمید - اصل وطن انکا غازی پور زمانیہ ہے - ریاست حیدرآباد دکن میں صدارت عالیہ کے سررشتہ دار و وکیلوں میں ہیں - نواب فصیح الملک مرحوم داغ دہلوی کے ممتاز شاگردوں میں ہیں - انکے اسلاف شاہی زمانہ میں اچھے اچھے منصبوں پر ممتاز تھے اُنہوں نے السنہ مشرقیہ میں معقول استعداد پیدا کی اور قانون کو اکتساب معاش کا ذریعہ قرار دیکر دکن میں اقامت اختیار کرلی - انکا سن پچاس برس سے کم نہیں ہے مگر کلام سے شباب کی شوخی اور اُستاد کے

فیض کی جھلک ٹپک رہی ہے - آپ اُن خوش نصیب اشخاص میں سے ہیں جنہوں نے داغ مرحوم کے زمانہ قیام دکن میں پورا فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی - جسوقت سے حضرت داغ دکن میں پہنچے اُسوقت سے لے اپنے شفیق اُستاد کے انتقال تک روزانہ حاضر باشی میں فرق نہ آنے دیا - اُستاد بھی انہیں خاص لوگوں میں سمجھتے تھے اور اپنے عزیزوں کا سا انکے ساتھ برتاؤ کرتے رہے - چھوٹی موٹی کوئی تقریب غیر معمولی بات آزاد صاحب کی شرکت بغیر نہیں ہوتی تھی حضرت داغ کا تیسرا دیوان مہتاب داغ انہیں کے اہتمام سے چھپا ہے - جناب آزاد نہایت شریفانہ خیال کے آدمی ہیں - دکن کے اکثر گلدستے انکے گل سخن سے زینت پاتے ہیں - انکے تازہ کلام کا گلدستہ نذر ناظرین ہے ؎

ہچکی آتے ہی لیا اُس بت نے نام آزاد کا
مُسکرا کر بھر کہا قائل ہوں میں اس یاد کا

وہ کن انکھیوں سے کسی کا دیکھ لینا بزم میں
وہ تڑپ کر ہائے رہ جانا کسی ناشاد کا

اس دُھٹائی کے تصدق اس جسارت کے نثار
داد رحم سے دعویٰ ہے مری فریاد کا

اور یہ دو دم ہیں مجھکو تو عمر اچھی کٹے
اِک تری شمشیر کا اک خنجرِ فولاد کا

تم نئے ہو تو فسانہ بھی نرالا ہی سُنو
ہو گیا قصّہ پُرانا قیس کا فرہاد کا

تغافل ہائے بیجا دیکھتا ہوں
گلہ آتا نہیں لیکن زباں پر

تامّل کار الفت سوچنا کیا
نظر کیا کیجئے سود و زیاں پر

ہے اقتضائے رشکِ عدو مانعِ قیام
کہتا ہے ضعف بیٹھ بھی جا کوئے یار میں

پہلو میں آج میرے دلِ ناتواں نہیں
کیا جانے یہ غریب کہاں ہے کہاں نہیں

جب تک فغاں تھی لب پہ میرے یا تر یہ تھا
وقتِ اثر ہوا تو مجالِ فغاں نہیں

مزا اُسوقت آئے جب کسی کا کوئی شیدا ہو
مجھے رُسوا کیا جس نے الٰہی وہ بھی رُسوا ہو

یہ کیا تو نے کہا دل مجھکو دے ڈالو تو اچھا ہو
تجھے اسواسطے دیدوں کہ تُو لے اور جلتا ہو

ڈرائیں تو اُسے جو کوئی بدنامی سے ڈرتا ہو
جو خود مختار ہو خود سر ہو اُسکو خوف کس کا ہو

یہی ہے رسم الفت کی یہی شیوہ محبت کا
جو تمکو چاہتا ہے چاہیے تم بھی اُسے چاہو

مجھے دعویٰ نہیں میں باز آیا داد خواہی سے
جو ہونی ہو وہ مجھپر ہو الٰہی وہ نہ رسوا ہو

دیکھنا فرطِ نزاکت سے نہ اُٹھا عکس یار
رہ گیا حیراں مصوّر اور ششدر آئینہ

میرے دل کا آئینہ ہو آپ کی تصویر پر
ہاتھ آنے کا نہیں پھر اس سے بہتر آئینہ

وقت تزئیں تو میری حیرت کا باعث کچھ نہ پوچھ
دیکھتا ہوں دیکھتا ہے تجھکو کیونکر آئینہ

اے زہے قسمت ہُوا میں انکا جو محوِ جمال
دیکھتے ہیں میری صورت وہ سمجھکر آئینہ

بے وفا میں ہوں کہ دشمن باوفا تم ہو کہ میں
اب ہُوا جاتا ہے اسکا حال سب پر آئینہ

واں شبِ اقرار صرفِ زیب و زینت ہو گئی
یاں غضب آیا ستم ٹوٹا قیامت ہو گئی

جھوٹے وعدوں نے کسی کے کر دیا خانہ خراب
منزلِ دل رہگذرِ یاس و حسرت ہو گئی

جب تلاشِ شاہدِ مقصود میں رکھا قدم
رہنمائی کے لئے آگے مصیبت ہو گئی

جفا میں لطف - کرم میں جفا نکلتی ہے
ادا ادا میں تمہاری ادا نکلتی ہے

مرے نکالے نہ نکلے گی یہ شبِ فرقت
جو تم نکالو ابھی یہ بلا نکلتی ہے ٭ ٭

عشق کر بیٹھے مگر کس کو خبر
سہل کیا اس میں ہے کیا دشوار ہے

کیا چیز ہے کیا سینۂ بسمل میں نہیں ہے
دل تیر میں یا تیر ترا دل میں نہیں ہے

کیوں سمجھے نہ کوئی ترے اقرار کو انکار
ہاں تیری زباں پر ہے ترے دل میں نہیں ہے

آزاد (آزاد) مولوی سید محمود صاحب ابن سید اسد الدین حیدر - جہانگیر نگر ڈھاکہ کے قدیم باشندے آغا احمد علی احمدؔ کے شاگرد ہیں ٭ - فارسی - اُردو دونو زبانوں میں فکر سخن کرتے ہیں - فارسی کی استعداد بہت اچھی ہے - چند قصیدے نہایت پُرزور لکھے ہیں - اخبار اودھ پنچ لکھنؤ میں عرصہ تک انکی قلم سے ظرافت کے مضمون نکلتے رہے ہیں قابل دید نوابی دربار آپ ہی لکھا کرتے تھے دیوان آزاد اور خیالات آزاد یہ دونو کتابیں چھپ گئی ہیں اُردو انشا پردازی کے بے جان قالب میں انکی تحریروں نے ایک نئی روح پھونکدی ہے - جدت پسندی اور ظرافت انکی طبیعت کا

٭ اب آپ کی ۶۰ برس کی عمر ہے -

خلقی جوہر ہیں نواب دُھاکہ کی سرکار سے انہیں کچھ وظیفہ بھی ملتا ہے - شاہزادہ ویلز کی تشریف آوری کے موقعہ پر کلکتہ کے جلسہ میں ان کا قصیدہ پیش کش شاہزادہ ہوا تھا - یہ اُردو کلام کا لب لباب ہے ؎

بیخودی شوق کی اور عرضِ تمنا اُن سے	نہیں معلوم کہ مُنہ سے مرے کیا کیا نکلا
لاکھ نیرنگوں کا رکھتا ہے اثر جلوہ ترا	لاکھ امیدوں کی دیتا ہے خبر جلوہ ترا
اے وفا تیرا بُرا ہو کہ بنا نغمۂ شکر	لب پہ بھولے سے بھی گر شکوۂ بیداد آیا
اے اضطرابِ دل وُہ نہیں میرا حال کب	دیتا ہے فرصت اِن کو عدو کا خیال کب
واقف تو ہوں ذرا مرے دردِ جگر سے آپ	اے کاش دیکھیں اپنے کو میری نظر سے آپ
آزاد نظم رنجیت کچھ میرا فن نہیں	واقف ہیں فارسی کے مرے شعر تر سے آپ
ہم اور اخفائے غم عشق بایں بیتابی	آپ اور پردہ دری سینہ میں نہاں ہو کر
نئی روش ہے ترے ظلم جانستاں کے لئے	ستم ہے ہمپہ رقیبوں کے امتحاں کیلئے

آزاد

(آزاد) حافظ سید فضل حق صاحب رئیس عظیم آباد - بانکے پور کے مشہور نامی گرامی شاعر عربی گذشتہ زمانہ میں اخبار الینبع بانکے پور میں انکا کلام اکثر چھپا کرتا تھا - اُردو شاعری کے علاوہ فارسی میں بھی فصاحت و بلاغت کے ساتھ فکر سخن کرتے ہیں - عربی میں اعلیٰ دستگاہ حاصل ہے آج کل رسالہ مخزن لاہور اور اُردوئے معلی علیگڈھ میں ان کا کلام اکثر شایع ہوا کرتا ہے - معمولی فرسودہ خیالات سے آپکی جدت پسند طبیعت متنفر ہے - آپکی نظم میں اچھوتے نیچرل خیالات اکثر پائے جاتے ہیں - اگرچہ کہیں کہیں بوجہ علوی معلومات و تبحر علمی شوکت الفاظ زیادہ ہوتی ہے مگر نہ ایسی جو قابل گرفت ہو - آپکی ذات مجمع کمالات - ظاہری و باطنی ہے آپ کی کوئی نظم لطف سے خالی نہیں پائی بلکہ جدتِ خیال اور سلاست بیان اس پر مستزاد ہے - اگر حضرت کی مشتہرہ نظموں کا انتخاب ہی درج تذکرہ کیا جاے تو صدہا صفحے درکار ہوں اور اصول تذکرہ نویسی کے خلاف اسلئے صرف عاشقانہ غزلوں کا کچھ انتخاب لکھا جاتا ہے ؎

شراب حسن سے آنکھوں کو خوب مست کیا	ہمارے قتل کا قاتل نے بندوبست کیا

نگاہِ ناز نے کیا خوب بندوبست کیا
کہ ایک جام سے ساقی نے سب کو مست کیا

ابھی اُس نونہال پر عالم
باغباں ہے نکلتی کونپل کا +

چشم بدور آنکھ ساقی کا +
اُس میں ڈورا سیاہ کاجل کا

نظر آتی ہے نظر بند پری شیشے میں
آج ساقی نے مئے مرغ بھری شیشے میں

حور پردے میں ہے چوتھی کی دُلہن چلمن میں
مئے گلرنگ سے یا لال پری شیشے میں

سنبل و نیا میں لگا ساغرِ گلرنگ کا پھل
اب نہیں وہ اثرِ بے ثمری شیشے میں

نگہِ ناز کوئی چشم فسوں ساز میں ہے
یا بھری ہے یہ مئے بے خبری شیشے میں

ہوں سخن مسخر تو عجب کیا آزاد
انہیں باتوں سے اُڑتی ہے پری شیشے میں

بجلیاں گرتی ہیں دل پر ساز کی +
اُس میں پھر شرکت تری آواز کی

جس کو دیکھا اُس کو بسمل کر دیا
پھیر دیں پھُریاں نگاہِ ناز کی

جا چکی گلشن سے جب فصلِ بہار
آہ کب رخصت ملی پرواز کی

زلف سے دونی ہے عارض کی بہار
شب کو کھلتی ہے گرہ آواز کی

اُسکی آنکھوں کے کرشمے دیکھئے
سحر کی کہئے نہ کچھ اعجاز کی

جام مے سرشار ساقی مہرباں
لب تک آجائیں نہ باتیں راز کی

رنگ میں آزاد یہ اُردو غزل
ہے بھری بوتل مئے شیراز کی

موت سے لو لگائے بیٹھے ہیں
یہ بھی تیری نظر نہ ہو جائے

گھر جن میں بنا لیا تھا تُو نے
اے دوست ہیں وہ مقام سُونے

لالہ کو کہاں نصیب وہ داغ
جو دل کو دیے ہیں آرزو نے

خنجر ہوا سرخرو لہو سے
لالی رکھ لی رگِ گلو نے

جاری ہو وہ لین دین ساقی
ساغر نے لیا دیا سُبو نے

جینا دشوار کر دیا ہے
اے شوقِ وصالِ یار تو نے

لوگ آبرو کو بیچ کے لیں جان دے کے لیں
کسب کمال علم و ہنر سے شرف یہ ہے

ٹکڑا ملے جو علم و ہنر کی جناب سے
انسان ورنہ کم نہیں ہرگز دوا سے

آزاد

(آزاد) منشی صدیق حسن انصاری - سہارنپور کے باشندے اور ریاست بھوپال میں ملازم ہیں انکے چند شعر ایک گلدستہ میں نظر سے گزرے وہی درج کئے جاتے ہیں ؎

جب یار نہ ہو پاس تو پھر جینے سے حاصل
مختار ہیں اب آپ جلائیں کہ کریں قتل
ہیں عشق حقیقی کے مزے جنکے دلوں میں
آزاد کا دل بھر خدا کیجیے آزاد

مر جاؤں کہ ہو نام ہی اربابِ وفا میں
گردن ہے مری خم رہِ تسلیم و رضا میں
حاصل ہے حیاتِ ابدی ان کو فنا میں
کیوں قید کیا تم نے اُسے زلف دوتا میں

آزاد

(آزاد) بابو کالی چرن ایک موزوں طبیعت کے آدمی ہیں - کلام سیدھا سادا اور صنائع شعری سے آزاد ہے ؎

دام کاکل سے کیوں کیا آزاد
ہے بجا بدشکل دنیا میں کریں جتنا حجاب
جب کہا مینے کہ مرتا ہوں تو بولا وہ صنم

اب کہاں جائے تیرا زار افسوس
اچھی صورت تو نہیں صاحب چھپانے کیلئے
ہم نے کب تم سے کہا تھا دل لگانے کے لئے

آزاد

(آزاد) منشی الطاف احمد سہارنپور کے رہنے والے مولانا بیدل سہارنپوری کے شاگرد ہیں ان کا صحیح پتا نہیں معلوم ہوا اس وجہ سے زیادہ حالات درج تذکرہ نہو سکے دستیاب شدہ کلام حاضر ہے ؎

تجھسے اے نورِ مجسم ہر مکاں پُر نور ہے
بدزبانی کی بھی کوئی حد ہے آخر نا کجا
ہو چکے آزاد دن آرام کے ✣
ہم تو صبح شام ہی کے ہو لئے
کب تک آخر وقفِ ناکامی رہیں

ہر کلیسا کعبہ ہے ہر کوہ کوہِ طور ہے
ہر کہ ننگ آمد بہ جنگ آمد مثل مشہور ہے
آدمی بن جاؤ بس اب کام کے
گر یہی وعدے ہیں صبح شام کے
کام آجاؤ کسی ناکام کے ✣

کر دیئے اے نا امیدی تو نے پست	حوصلے سارے دلِ ناکام کے

آزاد

(آزاد) منشی سید افتخار عالم خلف سید مقبول عالم نبیرہ حضرت صاحب عالم المتخلص بہ صاحب سجادہ نشین درگاہ مارہرہ ضلع ایٹہ ممالک متحدہ - آپ کی ولادت ۱۲۸۶ھ ہجری میں ہوئی - اُردو فارسی کے علاوہ انگریزی بھی معمولی کارروائی کے لایق جانتے ہیں - ۱۸۹۶ء میں انگریزی زبان میں مثل عربی فارسی اُردو بحساب جمل تاریخ نکالنے کا قاعدہ قائم کیا اور انگریزی حروف کے اعداد مقرر کیے - کئی تاریخیں بھی لکھیں مگر غیر ضروری ہونے کے باعث یہ ایجاد مقبول نہ ہُوا - انہوں نے ایک تذکرۃ النخواتین کا ترجمہ کیا اسکا نام حورِ مقصورات رکھا - دوسری محمڈن کالج کی ہسٹری تالیف کی - ۱۹۰۴ء میں چند مہینے اخبار مفید عام آگرہ کی اڈیٹری کو بھی زینت دی کبھی کبھی اپنا تخلص بجاے آزاد عالم بھی لکھتے ہیں - حیدرآباد جاکر سال ڈیڑھ سال کے قریب حضرت داغ کے پاس رہے اور انکے فیض صحبت سے مستفید ہوئے یہ خلاصۂ کلام ہے ؎

یوں سنور کر بیٹھنا اچھا نہیں	موت کس کی آئی دیکھا چاہیئے
جذب دل خود کھینچ لے گا اسکو آپ	دل کسی پر میرا آنا چاہیئے
ازل سے سبحہ و زنار میں رشتہ ہے جب قائم	تو پھر تم میں لڑائی کافر و دیندار کیسی ہے
اگر خاکِ شفا مجھکو نہیں ملتی تو کیا پروا	مریضِ ہجر کو خاکِ درِ دلدار کیسی ہے

آزاد

(آزاد) مولوی احمد ابو محمد صاحب غازی پوری - دوڑتی ہوئی طبیعت اور تلاش مضامین کے مائل پائے جاتے ہیں - کلام خاصہ ہے اور اُسی سے یہ اندازہ ہے ؎

کیوں پریشاں ہے طبیعت جاں کیوں مشکل میں ہے	میں نہیں ہوں اُسکے دل میں وہ تو تیرے دل میں ہے
اِک قدم بڑھتا ہے تو بڑھتی ہے منزل دو قدم	کسکے بختِ نارسا کا کارواں منزل میں ہے
میرے قاتل جان سے پہلے نکلجاتی کہیں	دید کی حسرت جو اسدم دیدۂ بسمل میں ہے
گھبراتے کیوں ہو کشمکش دادخواہ سے	فتنے ہی کیوں اُٹھیں جو چلو راہ سے
آؤ تو دل لو جانے لگو تم تو جان لو	باز آیا میں حضور کی اِس رسم و راہ سے

آزاد

(آزاد) منشی سید محمد نذیر احمد صاحب ملازم دفتر جسٹری سیتاپور - جدت پسند - ظرافت خیز ولولہ انگیز طبیعت پائی ہے - روزمرہ قابل داد اور کلام صاف صاف عام فہم ہے ؎

آپ بیتی کبھی اک ہم بھی کہانی کہتے
کیا کہیں شوق نہیں آپ کو افسانے سے

غم نہیں اسکا جو ہم جان سے اے جان گئے
خیر عاشق تو ہمیں آپ کا سب جان گئے

بادہ خواروں سے یہ چھپ چھپ کے شرابیں پینا
شیخ جی آج تو سب آپ کو پہچان گئے

کیا کہوں سینہ میں تھا جو دل بیتاب کا حال
جس گھڑی کہہ کے وہ "اللہ نگہبان" گئے

لاکھ پردے میں چھپیں آپ تو کیا ہوتا ہے
کہیں چھپتی ہی چھپائے سے بھی صورت اچھی

نقد دل دیتا ہوں انکار عبث کرتے ہو
دے بھی دو بوسہ رخ ملتی ہے قیمت اچھی

آزاد

(آزاد) مولوی نعیم الحق شیخپوری علمی استعداد معقول اور حضرت امیر مینائی کے خرمن فیض سے بہرہ اندوز اور نکات شاعری سے باخبر معلوم ہوتے ہیں انکا کلام رسالہ فتنہ میں اکثر نظر سے گزرتا ہے انتخاباً چند شعر درج تذکرہ ہیں ؎

دل مضطرب کو تو کاکل میں باندھا
اب آنچل میں کیا جانے کیا باندھتے ہیں

قیامت بپا ہو گی اٹھے گا فتنہ
وہ جو ٹرانیں اک بلا باندھتے ہیں

ہم نقش پا بھی بن کے نہیں پاتے بیٹھنے
باد صبا اٹھاتی ہے کوئے حبیب سے

شکوہ کسی سے ہے نہ شکایت ہے غیر کی
جو کچھ شکایتیں ہیں وہ اپنے نصیب سے

پیری میں دل سے پوچھ نہ حالت شباب کی
ذکر چمن خزاں میں نہ کر عندلیب سے

آزاد

(آزاد) تخلص ہے کسی خوش فکر باشندہ مچھلی شہر کا ـــــ رسالہ فتنہ میں کچھ شعر نظر سے گزرے پیش کش ناظرین کئے جاتے ہیں ؎

دشت دل کاٹھکانا چاہئے
چارہ گر اور ایک صحرا چاہئے

زندگی کا کچھ سہارا چاہئے
مر رہے ہیں ایک بوسا چاہئے

اور سب کو چھوڑ دینا چاہئے
فضل پر مولا کے تکیا چاہئے

آزر (آزرؔ) نواب ذوالفقار علیخاں نبیرہ معتمد الدولہ نواب احمد علیخاں جو احمد شاہ ابدالی کے وزیر اور شاہ ولی خاں کے بھتیجے تھے دلّی کے رہنے والے - بادشاہ کی طرف سے شاہجہاں آباد کے قلعہ دار تھے - نواب اسد اللہ خاں غالب سے تلمذ تھا خوبصورت وجیہ - جامہ زیب نوجوان تھے - کلام میں جدّت اور طبیعت میں جودت پائی جاتی ہے ؎

شکر پرواں زبان کٹتی ہے ✣	شکوہ کرنے کی کیا مجال ہمیں
میرے ستانے نے کام اس سے اِک جہاں کیلئے	جو میں نہوں تو نہ گردش آسماں کے لئے
ہونے ناخوش تپاں دیکھا جو مجکو	خدنگِ غمزہ نے گویا خطا کی ✣

آزر (آزرؔ) پنڈت جوالا پرشاد خلف بشن چند پارمو - انکا اصل وطن کشمیر تھا مگر لکھنؤ میں رہتے تھے - اوائل عمر میں اپنے بڑے بھائی گنگا پرشاد - رند کے پاس بریلی اور اکبرآباد میں رہے پھر متقریب ملازمت محکمہ پولیس مظفر نگر - شاہدرہ - اور متھرا میں متعین رہے انجام کار پنشن لے کر باقی زندگی متھرا میں بسر کی - فن شعر میں اپنے بڑے بھائی رند سے مشورہ لیتے تھے - ۲۱ - دسمبر ۱۸۶۲ء میں پینسٹھ برس کی عمر پاکر انتقال کیا - کلام میں روانی اور طبیعت میں رجحان فقیری پایا جاتا ہے - اشعار ذیل اُنکی یادگار ہیں ؎

شوق نیں کھائے ہیں اک چہرۂ گل گون کے گل		کیوں نہ نرگس ہوں مرے گلشن مضموں کے گل
نہ ہمیں رنج کا کچھ رنج نہ راحت کی خوشی		اسکا جی چاہے سو یہ گردش افلاک کرے
دن کہیں رات کہیں صبح کہیں شام کہیں		ایسے ہرجائی سے الفت کوئی کیا خاک کرے
دنیا میں غم عبودیت سے چھوٹے	رباعی	عقبےٰ میں حساب معصیت سے چھوٹے
ہر چار طرف کے سٹ گئے وہم و خیال		ہم عشق میں کُل شش جہت سے چھوٹے

✣ اس لفظ کی کتابت میں بعض لوگوں کی بے پروائی سے بجائے زائے معجمہ ذال معجمہ داخل ہوگئی ہے حالانکہ کسی لغت سے ذال کا ہونا ثابت نہیں ہوتا - صاحب غیاث اللغات لکھتے ہیں - آزر بفتح زائے معجمہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے چچا کا نام تھا چونکہ انہوں نے ابراہیم کو پالا تھا اور اہل عرب چچا کو بھی باپ کہتے ہیں اسی سبب سے قرآن میں بھی باپ سے تعبیر کیا گیا الخ ✣

(آزر) منشی لچھمن پرشاد عرف لچھمن نرائن کایستھ۔ اِنکے والد منشی ہرسکھ راے صاحب نواب ٹونک کی سرکار میں ملازم تھے دربار قیصری کے موقع پر دلّی بھی آئے تھے۔ یارباش وخلیق آدمی ہیں۔ منشی دیبی پرشاد کے مشورہ سے شعر کہتے ہیں۔ کلام پُرلطف اور سیدھا سادا ہے ملاحظہ ہو ؎

کیا کروں تصویر کھنچوا کر تری اے غنچہ لب	میں تو ہوں مشتاق تیرے خندۂ گفتار کا
ہے محبت میں عبث ہندو مسلماں کا خیال	عشق میں رہتا نہیں ہے دین و ایماں کا خیال
کہیں بیٹھ جائے نہ بنسیا دگردوں	کہ اشکوں سے طوفاں اُٹھا چاہتا ہے

آزردہ

(آزردہ) وحید العصر یکتاے دہر افضل العلما مولوی مفتی صدر الدین خاں صاحب خلف الرشید مولوی لطف اللہ کشمیری شاگرد رشید مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی و مولوی فضل امام و الد مولوی فضل حق منطقی خیرآبادی قبل از غدر حکام وقت کی طرف سے عہدۂ صدر الصدور پر ممتاز تھے یہ عہدہ اہل ہند کے لئے اُس زمانہ میں اعلیٰ ترین عہدہ سمجھا جاتا تھا۔ باوجود مشاغل ملازمت فکر سخن کا بھی شوق رکھتے تھے۔ بعض تذکروں میں مرقوم ہے کہ اوائل میں چند غزلیں شاہ نصیر صاحب کو دکھائیں اور کچھ دنوں میاں مجرم اکبرآبادی سے بھی مشورہ لیا انجام کار میر ممنون کے شاگرد ہو کر اِس فن میں کمال حاصل کیا۔ اِنکی تاریخ ولادت لفظ چراغ ۱۲۰۴ اور تاریخ وفات چراغ ۱۲۸۵ امم سے نکلتی ہے۔ عربی۔ فارسی۔ رختہ تینوں زبانوں پر قادر تھے ہر ایک زبان میں نہایت فصاحت و بلاغت سے داد سخن دی ہے۔ جناب آزردہ مرحوم ان چند اشخاص میں تھے جنھوں نے اعلیٰ درجے کی جامع قابلیت و فضیلت کے باوجود ملک سخن میں بھی اپنی اعلیٰ استعداد کا سکہ بٹھایا ہے۔ آپ اپنے زمانہ کے مشاہیر سے تھے اور نہایت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ منصب اعلیٰ پر ممتاز و حکام رس ہونے کے باوصف آپکی طبیعت ظاہری نمایش سے کوسوں دور تھی۔ دنیوی آسایش کے تمام سامان بہم پہنچائے مگر خود سیدھی سادی وضع سے بسر کرتے رہے۔ عدالتی کاروبار سے فرصت کے وقت طلبا کا حلقہ آپکے گرد رہتا تھا طالب علموں

کو بڑے شوق سے پڑھاتے تھے - علمی فیض کے علاوہ ضرورتمند کے ساتھ نقد و جنس سے بھی سلوک ہوتے تھے - نہایت منصف مزاج - خوش مزاج - نیک نفس - نفاست پسند تھے - چنانچہ آپکی نفاست پسندی کی اکثر حکایتیں مشہور ہیں - اِن اوصاف کے ماسوا - زندہ دل خلق مجسم کہنا مبالغہ نہیں ہے - انکے شاگردوں میں کئی شاگرد صاحب کمال اور نامور گزرے ہیں - آپ کے انتقال سے برسوں پہلے یہ بات زبان زدِ خاص و عام تھی کہ جسنے آپ سے فیض پایا اور مورد عنایات رہا وہ ضرور اعلےٰ مدارج پر پہنچا - نواب یوسف علیخاں ناظم - والی ریاست رامپور نے بھی اپنی ولیعہدی کے زمانہ میں اِن سے پڑھا تھا - نواب صدیق حسن خاں مرحوم شوہر رئیسہ بھوپال - آنریبل ڈاکٹر سرسید احمد خاں بہادر بانی محمڈن کالج علی گڈھ جیسے فرد زمانہ اصحاب کے نام آپ کے سلسلۂ تلامذہ میں منسلک ہیں - سرسید کے حال پر تو آپ کی خاص نظر عنایت تھی - آپ کاملین کے نہایت قدردان تھے - انہیں کے اجلاس میں حضرت غالب مرحوم نے یہ شعر بطور جواب دعویٰ پڑھا تھا شعر

قرض کی پیتے تھے مے اور یہ سمجھتے تھے کہ ہاں — رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایکدن

مفتی صاحب نے یہ شعر سنکر اِنکے وظیفہ کا روپیہ اپنے پاس سے ادا کر دیا - غدر ۱۸۵۷ء کے بعد آپ بھی مختلف مصائب اور دقتوں میں پھنس گئے تھے اس موقع کا ایک علمی لطیفہ زبان زد خاص و عام ہے یعنی مفسدوں نے آپ سے جواز جہاد کے فتوے پر زبردستی مہر کرانی چاہی تو آپ نے مہر کے ساتھ یہ الفاظ بھی لکھدیے (فتوئے بالجبر) مفسدوں نے اس لفظ کو بالخیر سمجھکر پیچھا چھوڑ دیا - مگر جب بعد از فتح دہلی دفتر سے وہ کاغذ برآمد ہوا تو سرکار نے پکڑا اور جواب طلب کیا آپنے فتوے بالجبر ثابت کرکے رہائی پائی - اسی رستخیز بے جا کے زمانہ میں تمام جائداد بھی ضبط ہوگئی تھی - جب کوئی جرم عاید نہ ہوا تو لاٹ صاحب کے رحم نے نصف جائداد واگزاشت کردی - اسی ہنگامہ دار و گیر میں کچھ روز حوالات میں نظر بند رہے - وہاں بیٹھے بیٹھے ایک ترکیب بند لکھ ڈالا جسکا ایک شعر یہ ہے ؎

آپ پھنسے بیڈھب الٰہی دیکھئے کیسی بنے	مرہے ہیں سب الٰہی دیکھئے کیسی بنے

ذوق - مومن - غالب - صہبائی - شیفتہ - تیر - رخشاں سے دلی اتحاد تھا - ۱۲۸۵ ہجری مطابق ۱۹ - جولائی ۱۸۶۸ء میں اکیاسی برس کی عمر پاکر انتقال فرمایا - اور درگاہ چراغ دہلی میں دفن ہوئے ایک تذکرہ شعرائے ریختہ انکی یادگار ہے مگر نایاب ہے - دیوان مرتب ہونے نہ پایا بلکہ متفرق کلام کا بھی بڑا حصہ تلف ہوگیا - باوجود شوق - طبع زادگان سخن کی غور پرداخت پر زیادہ توجہ نہ تھی کبھی کبھی دوستوں کے اصرار یا تفنن طبع کے لحاظ سے شعر کہہ لیا کرتے تھے - ایک مرتبہ آپ کے اس شعر پر ؎

اُس شوخ سے مربوط بہت سہل سے ہوتے	گر ہم بھی سبک حرکت ناہل سے ہوتے

کسی نے اعتراض کیا کہ حرکت بفتحتین چاہئے اس پر آپ نے اساتذہ فارس کے بیسیوں شعر راے مہملہ کے سکون کی سند میں پیش کرکے مخالف کو ساکت کرکے چھوڑا - آپ کے اشعار ہر قسم کے اغلاق و تناخر سے پاک ہوتے تھے جو عربی کے جید عالم فاضل کے لئے کچھ آسان بات نہیں ہے - شوخیٔ طبع - سلاست زبان دیکھکر بھی تعجب ہوتا ہے کہ آپ کسطرح استعداد عربی کے زبردست اثر کو غالب نہیں آنے دیتے تھے - غدر کے بعد آپ کی شاعری بھی طبیعت کی طرح سرد پڑگئی اگر کبھی کچھ کہتے بھی تو حضرت شیفتہ یا حضرت غالب کے اصرار سے کہتے - آپ دہلی میں مجالس علمیہ کے رکن رکین تھے آپ کی وفات سے شعر و سخن کی دنیا کو بڑا صدمہ پہنچا آپ کی یہ وضعداری بھی مشہور ہے کہ ایک دفعہ قلعہ کے تر پولئے میں حضرت بہادر شاہ کی سواری قریب سے گزر گئی نہیں معلوم آپ اسوقت کس دُھن میں تھے سلام نکر سکے جب صاحب رزیڈنٹ بہادر کو یہ خبر ہوئی تو اُنہوں نے بُلاکر دو روپے جرمانہ کیا - آپ نے اُس دن سے مرتے دم تک کسی کے ساتھ بھی سلام کرنے میں سبقت نہیں کی گویا خود سلام کرنے کی عادت ہی اُڑادی - لطیفہ - ایک روز مکرمی منشی بہاری لال مشتاق اپنے دوست لالہ رامچند قمر کے ساتھ جناب مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شعر شاعری کا ذکر چلا - قمر نے غالب کی نکتہ سنجی اور نازک خیالی کی بہت

تعریف کی - مولانا نے جبیں بجبیں ہو کر فرمایا کہ نہایت مشکل کہتا ہے اور پھر زانو پر ہاتھ مار کر گنگنا جبیں ہوئے اور فرمایا کہ ہائے اچھا کہتا ہے تو ایسا کہتا ہے ؎

گدا سمجھ کے وہ چپ تھا مری جو شامت آئے | اُٹھا اور اُٹھ کے قدم میں نے پاسباں کیلئے

مفتی صاحب کے صلبی اولاد نہ تھی اس وجہ سے اپنی بیوی کے حقیقی بھانجے مولوی عنایت الرحمٰن خاں صاحب سابق ڈپٹی کمشنر محکمہ دریافت اتفاقات گورنمنٹ نظام دکن کو متبنے کر لیا تھا - آپ کے اشعار آبدار کا انتخاب ہدیۂ الوالا لباب ہے ؎

مر کر بھی ہمارا دلِ بیتاب نہ ٹھہرا | کُشتہ بھی ہُوا تو بھی یہ سیماب نہ ٹھہرا

اس دردِ جدائی سے کہیں جان نکلجائے | آزردہ میرے حق میں ذرا تو بھی دعا کر

ہو نہ دامنگیر کوئی جانکر قاتل تجھے | تو بھی رونا چل جنازے کو ہمارے دیکھکر

برگشتہ بخت جذبۂ دل تم کو آفریں | آکر وہ پھر گیا مرے بیت الحزن کے پاس

آمد آمد ہوئی پھر موسمِ گُل کی شاید | اِن دنوں چاک کو پانی میں گریبان سے اُنس

ہوئے ہیں وہ ناقابلوں میں شمار اب | جنہیں مانتے تھے زمانے کے قابل

کروں چاک سینہ تو سو بار لیکن | نہیں داغِ دل یہ دکھانے کے قابل

یہ کہہ کے رخنہ ڈالئے اُن کی نقاب میں | اچھے بُرے کا حال کھُلے کیا نقاب میں

کیا جانو کیا اثر ہے دلِ شعلہ تاب میں | یہ وہ ہے برق آگ لگا دے نقاب میں

قسمت تو دیکھ کھولی گرہ کچھ تو رہ گئی | ناخن ہمارے ٹوٹکے بندِ نقاب میں

یارب وہ خواب حق میں مرے خوابِ مرگ ہو | آوے وہ مستِ خواب اگر میرے خواب میں

حال اس نگہ کا اسکے سراپا میں کیا کہوں | مورِ ضعیف پھنس گئی جا شہدِ ناب میں

یارب یہ کس نے چہرہ سے اُٹھا نقاب ہے | سورخنے اب نکلنے لگے آفتاب میں

خورشید زار ہووے زمیں دے جھٹک ذرا | سو آفتاب ہیں ترے گردِ نقاب میں

کیا عقل محتسب کی کہ لایا ہے کھینچکر | سو وازدوں کو محکمۂ احتساب میں

اُٹھنے میں صبح کے یہ کہاں سرگرانیاں — زاہد نے مے کا جلوہ یہ دیکھا ہے خواب میں
تحقیق ہو تو جانو کہ میں کیا ہوں قیس کیا — لکھا ہُوا ہے یوں تو سبھی کچھ کتاب میں
ہر ہر رُوئیں سے خرقہ کے میرے ہے خونچکاں — غوطے تو سو دئے اِسے زم زم کے آب میں
ہیں اور ذوقِ بادہ کشی لے گئیں مجھے — یہ کم نگاہیاں تری بزمِ شراب میں
امداد چشم کیا ہو لگی دل کو آگ جو — جلنے کے بعد خوں نہیں رہتا کباب میں
ہیں دونو مثل شیشہ یہ سامانِ صد شکست — جیسا ہے میرے دل میں نہیں ہے حباب میں
یہ عمر اور عشق ہے آزردہ جائے شرم — حضرت یہ باتیں پھبتی ہیں عہدِ شباب میں
پلا ساقیا مے خنک آب میں — کہ تھمتی نہیں تو بہ مہتاب میں
گیا دین کیسا حضورِ نماز — وہ یاد آئے ابرو جو محراب میں
ملے کچھ تو زخمِ جگر کا مزہ — بجھا کر رکھا تیغ زہر آب میں
الٰہی فلک جس سے پھٹ جائے وے — وہ تاثیر آہِ جگر تاب میں
بلند آشیانوں پہ بجلی گری ✤ — جو نیچے تھے ڈوبے وہ سیلاب میں
وہ عریاں ہیں سرما میں تھی جنکی شب — گزرتی سمور اور سنجاب میں
نہ آئے ہوں آزردہ لینا خبر — پڑی دھوم یہ سارے پنجاب میں
کاش مقبول ہو دعائے عدو — کیا کروں وہ بھی مستجاب نہیں
اب تو اِس چشمِ تر کا چرچا ہے — ذکر دریا نہیں سحاب نہیں
جمع طوفان و چشم تر سرف — اب مصارف کا کچھ حساب نہیں
دھو دیا سب کو دیدۂ تر نے — وہ نہیں درس وہ کتاب نہیں
عشق بازی کا منہ چڑاتا ہے — اب وہ موسم نہیں شباب نہیں
تیری آنکھوں کے دور میں کیا کیا — سحر و سُوا نہیں خراب نہیں
مختصر حالِ چشم و دل یہ ہے — اِسکو آرام اُس کو خواب نہیں

جُوں سراپائے یار آزردہ ✣ تیرے دیواں کا انتخاب نہیں

یہ چھیڑ دیکھو مجھے شبِ وصل میں کہے تُو اجنبی ہے بندِ قبا کیونکر اکردں

ہزار شیوہ ہیں پنہاں کہ جی ہی جانے ہے تری نگہ کا تغافل ہی اک جواب نہیں

شبِ جوشِ گریہ تھا مجھے یادِ شراب میں تھا غرق میں تصورِ آتش سے آب میں

نالوں سے میرے کب تہ و بالا جہاں نہیں کب آسماں زمین و زمیں آسماں نہیں

قاتل کی چشم تر تھی یہ ضبطِ آہ دیکھ ✣ جوں شمع سر کٹے پہ اُٹھا یاں دُھواں نہیں

آنکھوں سے دیکھکر تجھے سب ماننا پڑا کہتے جو تھے ہمیشہ چنیں ہے چناں نہیں

افسردہ دل ہنود رِ رحمت نہیں ہے بند کس دن کھُلا ہُوا درِ پیرِ مغاں نہیں

لب بند ہوں تو روزنِ سینہ کو کیا کروں تھمتا تو مجھسے نالۂ آتش عناں نہیں

ملنا تیرا غیر سے ہو بہرِ مصلحت ہم کو تو سادگی سے تری یہ گماں نہیں

شب اُسکو حالِ دل نے جتایا کچھ اسطرح ہیں لب تو کیا نگہ بھی ہوئی ترجماں نہیں

بے وقت آئے دیر میں کیا شورشیں کریں ہم پیر و پیرِ میکدہ بھی تو جواں نہیں

اس بزم میں نہیں کوئی آگاہ ورنہ کب واں خندہ زیرِ لب اِدھر اشکِ نہاں نہیں

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں اک جاں کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

نازونگہ روش سبھی لاگو ہیں جان کے ہے کون ادا وہ تیری کہ جو جانستاں نہیں

آزردہ ہونٹ تک نہ ہلے اس کے رُوبرُو مانا کہ آپ سا کوئی جادو بیاں نہیں

آزردہ نے پڑھی غزل اِک میکدہ میں کل وہ صاف تر کہ سینۂ پیرِ مغاں نہیں

نکلتا ہُوا دل سے دشوار کیوں یہ اِک آہ ہے اُس کا پیکاں نہیں

یہ ہاتھ اُس کے دامن تلک پہونچے کب رسائی جسے تا گریباں نہیں

فلک نے بھی سیکھے ہیں تیرے سے طور کہ اپنے کئے سے پشیماں نہیں

مرا نامۂ شوق تلووں تلے ✣ نہ ملئے یہ خونِ شہیداں نہیں

اُسی کی سی کہنے لگے اہلِ حشر
کہیں پرسشِ داد خواہاں نہیں

ناصح یہاں یہ فکر ہے سینہ بھی چاک ہو
ہے فکرِ نیمہ تجھکو گریباں کے چاک ہیں

دلِ پُرخنہ ہی کو آگ لگا دی ہم نے
چار و جز شعلہ پئے خانۂ زنبور نہیں

محتسب کو کیا بیکار تری آنکھوں نے
ایک میخانہ بھی اس دور میں معمور نہیں

مژدہ اے چرخ کہ اب میری طرح سے رکھتا
طاقت اُٹھنے کی ذرا نالۂ بیخور نہیں

ہے بنا قاعدہ یاں ذبح کا قاتل کی طرف
دیکھنا پھر کے کن انکھیوں سے بھی دستور نہیں

دامن اُسکا تو بھلا دور ہے اے دستِ جنوں
کیوں ہے بیکار گریباں تو مرا دور نہیں

کون سا دن ہے کہ خورشید جہانتاب سحر
خاکِ در سے ترے دریوزہ گرِ نور نہیں

ترکِ روئی خوش آزردہ محالات سے ہے
یوں خدا کی تو خدائی سے ہے کچھ دور نہیں

گیا کون سا صید افگن ادھر سے
کہ خالی پڑے آشیانے بہت ہیں

گھر سے گھبرا کے کھلے بالوں ہر اک مکھڑے پر
کیوں نکل آتے ہو دھوکے میں جو مہتاب نہیں

اے بلبلانِ شعلہ دم اک نالہ اور بھی
گم کردہ راہ باغ ہوں یا آشیاں نہیں

اچھا ہوا نکل گئی آہ حزیں کے ساتھ
اِک قہر تھی بلا تھی قیامت تھی جاں نہیں

کٹتی کسی طرح سے نہیں یہ شبِ فراق
شاید کہ گردش آج تجھے آسماں نہیں

گو اسیری میں ہوں پر مثلِ اسیرِ تصویر
نہ غمِ قید نہ پروائے رہائی مجھکو

ترے مجروح کے سینے میں کچھ گرمی سی باقی تھی
وہیں بس ہو گیا ٹھنڈا جو کھینچا تیر سے پیکاں کو

اُلجھنے کو بلا ہیں آپ بھی کچھ خیر ہے صاحب
لگایا ہاتھ کس نے آپ کی زلفِ پریشاں کو

اُس شوخ سے مربوط بہت سہل سے ہوتے
گر ہم بھی سبک حرکت و ناہل سے ہوتے

عالم خراب ہے نہ نکلنے سے آپ کے
نکلو تو دیکھو خاک میں کیا گھر کے گھر ملے

پروانہ وار ہے حدِ پرواز شعلہ تک
جلنے ہی کے لئے مجھے یہ بال و پر ملے

باہم ملاپ تھا پہ ترے دورِ حسن میں
یہ رسم اُٹھ گئی کہ بشر سے بشر ملے

دل نے ملا دیں خاک میں سب وضعداریاں
جوں جوں رُکے وہ ملنے سے ہم بیشتر ملے

اُسکی گلی میں لے گئے آزردہ کو اُسے
دی تھی دعا یہ کس نے کہ جنت میں گھر ملے

آنکھ اُٹھائی نہیں وہ سامنے سو بار ہوئے
ہجر میں ایسے فرامشگرِ دیدار ہوئے

کامل اس خرقۂ زہد میں اُٹھا نہ کوئی
کچھ ہوئے تو یہ ہی رندانِ قدح یار ہوئے

نہ اُٹھی بیٹھ کے خاک اپنی ترے کوچے میں
ہم نہ یاں دوش ہوا کے بھی کبھی بار ہوئے

صبح لے آئینہ اُس بت کو دکھایا ہم نے
رات اغیار سے ملنے کے جو انکار ہوئے

کچھ تعجب نہیں گر اب کے فلک ٹوٹ پڑا
آج نالے جو کوئی اور بھی دو چار ہوئے

مصر میں آج تجھے دیکھ کے بیچتے ہیں
سادہ لوحی سے جو یوسف کے خریدار ہوئے

مبتذل میں ہی تو ہوں آپ جو کہئے سچ ہے
رات جھگڑے تو مجھی پر سرِ بازار ہوئے

یہ ہیں آزردہ جو کہتے ہوئے شیئاً للہ
آج دریوزہ گرِ خانۂ خمار ہوئے

مبتذل دوست بنایا نہ اُسے کیوں اول
جس نے اُس شوخ کی نظروں میں کیا خوار مجھے

بکھرا وہ غضب زلفِ سیہ فام پہ کافر
کیا خاک جیئے کوئی شب ایسی سحر ایسی

نقشے تو بہت صانعِ قدرت نے بنائے
پر بن نہ سکا پھر وہ بن ایسا کمر ایسی

بالیں پہ کھڑا روتا ہے راتوں کو مسیحا
کچھ آن بنی ہے ترے بیمار پر ایسی

انتخاب مُسدّس مرثیہ دہلی

جنکو دنیا میں کسی سے بھی سروکار نہ تھا
اہل نا اہل سے خلط جنہیں زنہار نہ تھا

اِنکی خلوت سے کوئی واقف اسرار نہ تھا
آدمی کیا ہے فرشتہ کا بھی وہاں بار نہ تھا

وہ گلی کوچوں میں پھرتے ہیں پریشاں دردر
خاک بھی انکو نہیں ملتی کہ ڈالیں سر پر

زیور الماس کا سب جن سے نہ پہنا جاتا
بھاری جھومر بھی کبھی سر پہ نہ رکھا جاتا

گاج کا جن سے ڈوپٹہ نہ سنبھالا جاتا | لاکھ حکمت سے اُڑاتے نہ اُڑایا جاتا

سر پہ وہ بوجھ لئے چار طرف پھرتے ہیں
دو قدم چلتے ہیں مشکل سے تو گر پڑتے ہیں

طبع جو گنے سے پھولوں کے اذیت پاتی | منہدی ہاتھوں میں لگا سوتی تو کیا گھبراتی
شام سے صبح تلک نیند نہ جن کو آتی | ایک سلوٹ بھی بچھونے میں اگر پڑ جاتی

اُنکو تکیہ کے بھی قابل نہ خدا نے رکھا
سنگ پہلو سے اُٹھایا تو سرہانے رکھا

روز وحشت مجھے صحرا کی طرف لاتی ہے | سر سے اور جوش جنوں سنگ سے اوچھاتی ہے
ٹکڑے ہوتا ہے جگر جان پہ بن جاتی ہے | مصطفےٰ خاں کی ملاقات جو یاد آتی ہے

کیوں نہ آزردہ نکالے نہ سودائی ہو
قتل اس طرح سے بے جرم جو صہبائی ہو

آس

(آس) تلن میاں کے نام سے مشہور ہیں۔ قصبہ نارہ ضلع الہ آباد میں رہتے ہیں۔ ۲۵-۲۶ برس کی عمر ہے۔ سید ظہیر الدین صاحب ظہیر دہلوی کے شاگرد اور طبیعت فن شاعری سے بہت مناسبت رکھتی ہے۔ مزاج میں مزاح و ظرافت بہت ہے۔ فارسی کی قابلیت خاصی ہے۔ کچھ عربی سے بھی بہرہ یاب ہیں اور انگریزی سے بھی ماہر۔ اگرچہ مشق سخن کو بہت زمانہ نہیں گزرا مگر طبیعت کی جودت نے اچھا ملکہ حاصل کیا ہے۔ اپنے طرز بیاں کو فصیح بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور اسمیں کامیاب بھی ہو جاتے ہیں۔ اُستاد ظہیر انکو بہت چاہتے اور اکثر انکی غزلوں کی تعریف فرماتے ہیں۔ تھوڑا سا کلام انتخاباً درج ہے ؎

نہ ملو کھل کے تو چوری کی ملاقات رہے | آیا جایا کرو تم رات گئے رات رہے
چال رفتار میں گفتار میں کچھ گھات رہے | لطف تو جب ہے کہ ہر بات میں اک بات رہے
حسرت دید نہ ارمان ملاقات رہے | آس پھر جائیں مرے دن جو وہ اک رات رہے

وصل کی شام کی اللہ کرے صبح نہو
ایک شب کو جو وہ آئے تو کئی رات رہے

چھین لوں گا تمہیں اغیار سے میں لڑ بھڑ کر
تو سہی حشر کا میدان میرے ہات رہے

وہ چلے جائینگے پہلو سے مرے پچھلے پہر
صبح ہو جائیگی افسوس یہاں رات رہے

نہ وہ رونق نہ وہ رنگت نہ وہ جوبن نہ وہ روپ
کچھ بتائیں تو سہی آپ کہاں رات رہے

کھینچتا ہوں جو تصوّر میں کسی کی تصویر
مدعا ہے کہ وہ آگے مرے دن رات رہے

مانگتا ہے کوئی ساغر کو تو دیتا ہے وہ خم
شاد آباد مرا پیرِ خرابات رہے

سچ اگر پوچھو تو انصاف کے یہ معنی ہیں
ہے جہاں غیر سے مجھ سے بھی ملاقات رہے

میری آنکھوں کی اگر اشک فشانی دیکھے
پانی پانی عرقِ شرم سے برسات رہے

جو کیا آس نے الفت میں کرے گا نہ کوئی
یاد یہ آپ کو سو بات کی اک بات رہے

آسان (آسان) منشی سید محمد جعفر کانپوری ابن مولوی میر محب علی صاحب سلیس مرحوم مرثیہ گو متوطن کانپور۔ خواجہ مرتضےٰ خاں بقا معروف بہ مستند الشعرا کے شاگرد رشید اور نواب سید بنیاد حسین صاحب جاہ رئیس اعظم کانپور کے صاحبزادے کے آتالیق ہیں۔ رنگینیٔ طبع خوش فکری ہر شعر سے ظاہر ہے۔ تشبیہیں اور استعارے نہایت لطافت سے باندھے ہیں۔ روزمرہ صاف ہے سن شریف پچاس سال کے قریب ہے ہنگام ترتیب تذکرہ کچھ کلام موصول ہوا اس کا انتخاب درج ذیل ہے ؎

شگفتہ ہو گیا دل دیکھکر ہر ایک بسمل کا
کھلا ہے باغ کیسا جوہرِ شمشیر قاتل کا

ہلالِ آسماں بھی صورتِ ماہی نظر آئے
جو دریا آئے طغیانی پہ آبِ تیغ قاتل کا

پسِ مُردن بھی میرا نام روشن ہے زمانے میں
بنا ہے غیرتِ خورشید ہر کاسہ مری گل کا

برستے ہیں سرِ عشاق مقتل میں تماشہ ہے
اُٹھا ہے ابر کیسا جوہرِ شمشیر قاتل کا

خدا محفوظ رکھے نازو اندازِ حسیناں سے
وہ دشمن جان کا میری یہ دشمن ہے مرے دل کا

ہوا ہے جلوۂ وحدت سے یکتا یہ صفائی میں
ذرا دیکھیں تو آکر آپ آئینہ مرے دل کا

ہزاروں داغ کھائے جو ہمارے مثل اے آسان
جگر ایسا ہے قمری کا نہ دل ایسا عنادل کا

فروغِ حسن جہاں میں جو تجھکو ہے منظور
زبانِ شمع کی مانند رکھ زباں خاموش

خفا ہو کس سے کہو تو یہ رنج کس سے ہے
بتاؤ بیٹھے ہو کیوں آج مہرباں خاموش

ہے فزوں تر گلِ تر سے بھی بہارِ عارض
کس طرح بلبلِ دل ہو نہ نثارِ عارض

میری تربت پہ وہ دو پھول چڑھانے آئے
یوں سمجھ کر کہ یہ تھا عاشقِ زارِ عارض

کثرتِ تارِ نظر سے نہ رہائی دیجے
پھینک کر دامِ نگہ کیجے شکارِ عارض

کہکشاں مانگ ہے اُنکی شبِ یلدا زلفیں
خال رخ پر ہیں ستارے مہِ انورِ عارض

دام میں طائرِ دل کو نہ پھنسائیں اپنے
دانۂ خال کو زلفوں میں دکھا کر عارض

آنسو مرا آنسو نہیں اے اہلِ نظر ہے
دریا ہے روانی میں صفائی میں گہر ہے

جاتا ہے اُدھر رخ ترے عاشق کا جدھر ہے
قرباں ہیں اس تیر کے کیا تیرِ نظر ہے

یہ چشم ہے یا ہے صدفِ قلزمِ الفت
یہ اشک ہے یا بحرِ محبت کا گہر ہے

تعریف کروں اور میں کیا اس سے زیادہ
تارِ نظرِ دیدۂ عشاق وہ کمر ہے

ہوتی نہیں آخر کسی صورت یہ خدایا
کیا صبح قیامت شبِ فرقت کی سحر ہے

پاتا ہے جو قاتل تری تلوار کا پانی ✣
اب رنگ میں مثلِ گلِ زخمِ جگر ہے

ہے موتیوں کے ہار میں اک لعلِ بدخشاں
اشکوں میں ہمارے یہ نہیں لختِ جگر ہے

اب ہوش میں آ خوابِ تغافل سے ہو بیدار
پھر ہی نہ سمجھ شامِ جوانی کی سحر ہے

مشکل نہیں فردوس تجھے حشر میں پانا
آسان غمِ شبیرِ تیرے دل میں اگر ہے

عشق میں حسن دکھائے جو طبیعت میری
صاف آئینہ حسینوں کا ہو حیرت میری

آسماں عیش کے پردے میں ستم کرتا ہے
لفظِ عسرت سے بدل دیتا ہے عشرت میری

فرقت کی شب ہے، درد مرا کچھ نہ پوچھئے
ہر حال میں ہے شکرِ خدا کچھ نہ پوچھئے

کس شوخ نے کیا مجھے بسمل میں کیا کہوں
تڑپا گئی ہے کس کی ادا کچھ نہ پوچھئے

جسنے گلے لگا لیا اس کو ہوا شہید | حال عروسِ تیغ ادا کچھ نہ پوچھ
اچھا تپِ فرقت سے بھلا کیوں نہیں کرتے | ہو رشکِ مسیحا تو دوا کیوں نہیں کرتے
کیا اہلِ جہاں کرتے ہیں ظاہر کی صفائی | آئینۂ باطن کو جِلا کیوں نہیں کرتے
جز ذاتِ خدا اور بقا کس کو ہے آسان | فانی ہے جہاں یادِ خدا کیوں نہیں کرتے
گنجِ قفس ملا عوض بوستاں مجھے | افسوس لے گئی مری قسمت کہاں مجھے
بولے وہ گرد مجمعِ عشاق دیکھ کر | یوسفؑ سمجھ کے گھیرے ہے یہ کارواں مجھے
پستی میں اوج اوج میں پستی رہی مدام | ہے آسماں زمیں تو زمیں آسماں مجھے
مشتاق میں اشارۂ ابرو کا رہ گیا | خنجر تمہارا چھوڑ گیا نیمجاں مجھے
اہلِ عدم نے مڑ کے نہ دیکھا جو میرا حال | سمجھے تھے کیا غبارِ پسِ کارواں مجھے
باطن میں پاس یار کے رہتا ہوں راتدن | ظاہر میں دیکھتے ہو تم آسان یہاں مجھے

آسی - مولانا شاہ عبدالعلیم صاحب سکندرپوری آج کل غازی پور میں مقیم ہیں ایک نہایت لائق - برگزیدہ اخلاق - ستودہ صفات - صوفی مشرب - عالم باعمل - ادیب کامل - مانے جاتے ہیں - صدہا طالبین باصدق وصفا نے آپ سے فیض پایا ہے - آپ کو عربی وفارسی میں وہی قدرت حاصل ہے جو اپنی مادری اُردو زبان میں دسترس ہے - فنِ شاعری میں بھی ید طولےٰ رکھتے ہیں - علوم صوری کے درجے طے فرما کر علوم معنوی میں روز افزوں ترقی کر رہے ہیں اسوقت سن شریف بہتّر برس کے قریب ہے مگر طبیعت ہنوز جوان اور عالم شباب کی طرح بدستور زوروں پر ہے - اعلیٰ درجے کے مستغنی المزاج - اکابرین سلف کی زندہ یادگار ہیں ایام طالب علمی سے شعر وسخن کی طرف بھی طبع مائل رہی ہے - اِس فن میں ناسخ مرحوم کے خاندان سے مشورہ لیا ہے - ناسخ اور میر علی اوسط - رشک - نے جو روش اختیار کی ہے اُسی کی تقلید کرتے ہیں - ایک زمانہ میں آپ کا کلام بالکل عالمانہ ومشکل پسند رنگ لئے ہوئے تھا - لیکن جب سے آپ کی توجہ تصوف کی طرف مائل ہوئی وہ رنگ ہی بدل گیا عشق مجازی سے

آسی

عشق حقیقی میں مستغرق ہو گئے - آپ کے کلام سے آپکی شوخیِ طبع - بلند پروازی - بندشِ مضمون - تلاشِ الفاظ - ایمائیں و موزوں - برجستگی کلام - شستگیِ زبان کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے - غرض اصناف علوم پر پورے پورے قادر اور ہر علم و فن سے بخوبی واقف و ماہر ہیں مگر افسوس ہے کہ تدوینِ کلام کی مطلق اجازت نہیں دیتے جو کچھ متبرک کلام مختلف ذرایع سے بہم پہنچا ہے وہی نورافزائے ناظرینِ تذکرہ کیا جاتا ہے ۔ ہو ہذا

اتنا تو جانتے ہیں کہ عاشق فنا ہوا
اور اس سے آگے بڑھ کے خدا جانے کیا ہوا

میں اور کوئے عشق مرے اور نصیب
ذوقِ فنا خضر کی طرح رہنما ہوا

پہچانتا وہ اب نہیں دشمن کو دوست سے
کس قید سے اسیرِ محبت رہا ہوا

پھر بادۂ تند غصہ پیا ہو گا
رباعی
پھر ٹکڑے جگر کے ساتھ سینا ہو گا

جینے نے یہاں کے مار ڈالا آسی
سنتے ہیں کہ پھر حشر میں جینا ہو گا

یا مجھکو ترا حسن نہ بھایا ہوتا
رباعی
یا ہر رگ و پے میں تو سمایا ہوتا

یا دل ہی میں جلوہ گر اگر ہونا تھا
ہر جزو بدن کو دل بنایا ہوتا

وہ کون حسرت تھی دل کے اندر کہ وقف صد پیچ و تاب کر دے
جب آنکھوں تک جوش کھا کے آئی تو یک بیک خوفناک کر دے

ہزاروں کی جان لے چکا ہے یہ چوبِ زیرِ نقاب ہو کر
مگر قیامت کرو گے برپا جو کھلو گے بے حجاب ہو کر

نعیم کیسی رحیم کیسی کریم کیسے سارے یہ حسن کے ہیں
کسیکو لوٹا ثواب ہو کر کسی کو مارا عذاب ہو کر

وہ ہیں سوارِ سمندِ خوبی ہلال شوال کی یہ شوخی
گلے لگا اُنکے ہو کے کنتھا قدم لئے ہیں رکاب ہو کر

بلندی اُنکی اُسیکی پستی ہر ایک شے میں اُسیکی ہستی
عروج اُسی کا رسول ہو کر نزول اُسی کا کتاب ہو کر

وہ حسن جسپر نظر نہ ٹھیرے ہمارا اسکی دکھا رہی ہے
کہیں صباحت نقاب ہو کر کہیں ملاحت حجاب ہو کر

خبر جو محشر میں پھیر کی ہے وہ حسرتوں کا ہجوم ہو گا
وہ داغ ہو گا کسیکے دل کا جو چمکے گا آفتاب ہو کر

نشانِ اُسکی ہو سہل کیونکر کہ جب نہ تب بھیس ایک بنا ہے
وہ دن کو خورشید ہو کے نکلے تو رات کو ماہتاب ہو کر

میں دل سے اُس شیخ کا ہوں قائل کہ میکدہ میں پڑھے مصلا
لگائے مسجد میں نعرے ہو حق کے محوِ دورِ شراب ہو کر

فراق میں اس قدر تردد ابھی تمہیں کچھ خبر نہیں ہے
بڑھے گی کچھ اور بیقراری وصال میں کامیاب ہو کر

نہ کر تو اتنی مذمت اسکی بہشت کی چیز ہے یہ واعظ
یہ بلکہ ہے جوشِ بحرِ رحمت اگرچہ آیا شراب ہو کر

وہ تھا بدن یا کوئی گلِ تر بھرا اُسکی خوشبو وہ روح پرور
جدھر سے گذرے بسا وہ رستہ بہا پسینہ گلاب ہو کر

نگاہیں جھپی نہیں ہیں انکی کہ غمزہ انکا نہیں ہے خنجر
کرینگے اوّل خونِ عاشق کبھی تو وہ لاجواب ہو کر

جنابِ ناسخ کی یہ ہدایت ہے یاد رکھنا تم اسکو آسی
غزل میں ایسے ہوں شعر جن میں کمی نہ انتخاب ہو کر

نا بلکے حسرتِ وصل و غمِ فرقت مجھکو
اپنی ہستی سے کسی طرح ہو غفلت مجھکو

ہوں گنہگار مگر حسرتِ دیدار بھی ہے
جلوہ تیرا ہو تو دوزخ بھی ہے جنت مجھکو

میں بھی باطل میری ہستی بھی سراسر باطل
یہ سمجھائی ہے انا الحق کی حقیقت مجھکو

نورِ خورشید ستاروں کو مٹا دیتا ہے
تم ہو پہلو میں تو محفل بھی ہو خلوت مجھکو

بے حجابی کبھی ممکن نہیں جب تک میں ہوں
جلل انداز ہوں کر دیجئے رخصت مجھکو

اب تو دیدار دکھا دیجئے تقصیر معاف
ہو گیا وعدۂ فردا بھی قیامت مجھکو

میں کہاں میں تو ہوں معدوم مگر ہے کوئی
کہدیں کچھ صاف تو ہو تے ہو خفا کیا کہئے

قطرہ وہ ہے کہ روکش دریا کہیں جسے
یعنی وہ میں ہی کیوں نہوں تشنہ کہیں جسے

بیمارِ غم کی چارہ گری کچھ ضرور ہے
وہ دردِ دل میں دے کہ دعا کہیں جسے

یہ بخشش اپنے بندۂ ناچیز کے لئے
تھوڑی سی چیز ایسی کہ دنیا کہیں جسے

آسی جو گل سے گال کسیکے ہوئے تو کیا
معشوق وہ کہ سب سے نرالا کہیں جسے

عہدِ شباب عہدِ وفائے نگار ہے
کتنا ہی پائیدار ہو ناپائدار ہے

کیوں تجکو اسقدر غمِ روزِ شمار ہے
اے محتسب شراب بڑی غمگسار ہے

صیاد و عندلیب میں کیا واقعہ ہوا
گل دلفگار سنبل تر سوگوار ہے

خونریز تو یہ زہد شکن اتفاق گداز
رات آپکے شباب کی صبح بہار ہے

کیا چیز تیری نذر کریں اے رسولِ یار
اپنی تو زندگی بھی یہاں مستعار ہے

ہستی ہے عین موجۂ دریائے نیستی
درکار قوتِ نگۂ اعتبار ہے

بنیادِ روزگار کی نامحکمی نہ پوچھ		گنبد حباب کا تو بہت استوار ہے
واعظ مرا معاملہ میرے خدا کو سونپ		میں ہوں گناہگار وہ آمرزگار ہے
مستی میں کوئی راز جو آسی سے فاش ہو		معذور ہے ابھی کہ نیا بادہ خوار ہے

آشفتہ

(آشفتہ) شاعرِ باکمال عنبر شاہ خاں - باشندۂ رام پور شاگرد قائم چاندپوری - جوانِ وجیہ تھے - شگفتگی طبع - خوش روئی - لطیفہ گوئی - بذلہ سنجی میں مشہور تھے - ۶۷ برس کی عمر پائی - فنِ انشاپردازی سے بخوبی واقف و ماہر اور نظم و نثر دونوں میں دستگاہِ کامل حاصل تھی - اُردو فارسی دونو زبانوں میں شعر کہتے تھے - فارسی میں قدرت اللہ **شوق** سے اصلاح لیتے تھے ۱۲۳۷ ہجری تک زندہ تھے مزاج میں ظرافت حد سے زیادہ تھی - قدرت اللہ شوق اپنے تذکرے میں انہیں حافظ بڈھا کا شاگرد لکھتے ہیں - فارسی کا زیادہ شوق تھا - ریختہ کی طرف کم توجہ تھی - کبھی کبھی مشاعروں میں دوستوں کے اصرار سے غزل پڑھ دیا کرتے تھے - انکا اکثر کلام نظر سے گزرا - محاورات کہنہ اور زبانِ قدیم کا بہت استعمال کیا ہے کبھی کبھی صاحبقراں کے رنگ میں ریختی بھی کہہ لیا کرتے تھے - رنگین عبارت لکھنے میں فرد تھے - بہت سی کتابیں انہوں نے تالیف و تصنیف کیں منشآت میں **گلشنِ فیض** - جوشش ہوش - گلزارِ عنبر - اشراق الخیال - سودائے عنبر - اور فارسی قواعد میں - جوہرِ عنبر - ایذان الادران - نوادر المصادر - اور مصطلحات میں **مرأۃ الاصطلاحات** اور ذکر شعرائے ہند و عجم میں ایک بیاض **ریاضِ عنبر** اور اردو **دیوان** انکی یادگار ہیں - اُردو دیوان کا نام **تدقیق الخیال** اور فارسی دیوان کا نام **تشریق الخیال** ہے - فارسی میں اپنا تخلص **عنبر** رکھتے تھے - مرادآباد میں انتقال کیا اور وہیں سید خاں کے گھر میں دفن ہوئے - کلام کا انتخاب درج ذیل ہے ؎

زندہ مانند شمع پھر نہ اُٹھا		اس کی محفل میں جا کے جو بیٹھا
نہ پھرا شرم نارسائی سے		خط مرا نامہ بر کو کھو بیٹھا
کسلئے کرتے ہو تم یہ نظر ہوش رُبا		بس ہے عشاق کو اسکا اثرِ ہوش ربا
قتلِ عشاق کی خاطر نہ نکالو خنجر		ہمکو کافی ہے تمہاری نظرِ ہوش رُبا

دل ہے واماندہ اور اُس زلف کی ہے راہ دراز
سخت پیش آئی ہے اُسکو سفر ہوش ربا

زباں سے اُسنے نگاہِ بتاں کا کام لیا
حضورِ قلب سے جسنے خدا کا نام لیا

سُبک رواں نہیں منت پذیرِ اہلِ کرم
تہی حباب نے دریا سے اپنا جام لیا

رہائی دل کی ہے مشکل کہ قید کو اسکے
مژہ نے اُسکے قفس گیسوؤں نے دام لیا

کہی نہ بات بھی ہنگام دلستانی کی
دیا دل اُسکو اور اُسنے بھی لا کلام لیا

رہائی اُسکے رخ و زلف سے ہے بس دشوار
دل اپنا یار نے آشفتہ صبح و شام لیا

نکال مُنہ سے نہ آشفتہ نام قامتِ یار
جہاں میں شورِ قیامت کو تو نکر بر پا

ہر باغ میں ہے شورش آوازِ عندلیب
فصلِ بہار پھر ہوئی دمسازِ عندلیب

خوباں بغیر کون ہے عاشق کا رازداں
گل کے سوا نہیں کوئی ہمرازِ عندلیب

ہے ہجوم داغ سوزاں اور دل مایوس ایک
ہر طرف جلوہ چراغاں کا ہے اور فانوس ایک

دل جگر تاب و تواں فرقت میں اُسکے چل بسے
رہ گئی زندانِ تن میں جان غم مایوس ایک

وصل کی شب خوف سے اُسکی رہی اُس سے جدا
روزِ ہجراں دل میں ہے اپنے بھی افسوس ایک

عشق گلرویاں میں بلبل اور ہم یکرنگ ہیں
جسکو ہم سر پر چڑھا دیں وہ گلے کا ہار ہو

آفتابِ حشر تارک پر ترے روشن ہُوا
اب تو اے آشفتہ مستی سے ذرا ہشیار ہو

مثلِ حباب بحرِ جہاں میں الم کے ساتھ
وابستہ اپنی زندگی ہے ایک دم کے ساتھ

گوہر یہ آبلہ ہے صدف ساں یہ مثلِ بحر
اہلِ سخا کو کام ہے ہر دم کرم کے ساتھ

پاسِ نفس سے راہِ رواں جوں حباب و بحر
اک دم میں آشنا ہے وجود و عدم کے ساتھ

آشفتہ نام عشق نہ لے پھر تمام عمر
دیکھے جو کوئی میرے دلِ زار کی شبیہ

قاصد مرے نامہ میں عبارت نہیں رنگیں
ملفوف ہیں دل میں دلِ مہجور کے ٹکڑے

اپنا دل لُوں ہے وہ غنچہ اے نسیم
گلشن میں جو کھلا نہ بادِ بہار سے

کشورِ عشق میں ہے اپنا مکان ہر سو راہ
جو غم و درد ہے سو آکے یہاں رہتا ہے

برنگِ نقشِ پا دایم ہوا فتادہ کہ آشفتہ
بھبوت اُس حُسن سینا سی پسر کا زیب پر وہے
حذر تر دامنوں سے صاف دل کے حق میں بہتر ہے
آیا نہ کچھ نظر ہمیں بیداری میں مگر
بگولے کی طرح نت سر کشو نکے خاک بر سر ہے
رخ آئینہ خاکستر سے پیوستہ منوّر ہے
کہ چشمِ آئینہ پانی کی صحبت سے مکدر ہے
شب خواب میں تھی اُسکی کمر دست کے تلے

آشفتہ

(آشفتہ) حکیم مرزا رضا علی بیگ خلف حکیم محمد شفیع اکبر آبادی - آگرے میں پیدا ہوئے مگر جب عہدِ شباب آیا تو لکھنؤ چلے گئے - وہاں میر سوز کی شاگردی اختیار کر کے شعرا کے دربار میں داخل ہو گئے قیام لکھنؤ کے زمانے میں خود بھی بزم شاعرہ منعقد کرتے رہے - زبان پاکیزہ - صاف اور درد مندانہ طبیعت اس فن کے مناسب حال پائی تھی - شعر گوئی اور شعر خوانی میں اپنے اُستاد کا بہت تتبع کرتے تھے علم طب کی فضیلت کی شہرت بلادِ مشرقیہ تک پہنچی تھی - چنانچہ حسب الطلب نواب مبارک الدولہ ناظم بنگالہ کے معالجے کے لئے مرشد آباد گئے گو وہ جاں بر نہوئے - مگر اُنکے قدر داں خلف نواب ناصر الملک بہادر ان سے بہت اچھی طرح مسلوک ہوئے کامل سات برس تک اپنے پاس رکھا - آشفتہ بدرجہ غایت بے پروا - وارستہ مزاج اور فراخ دست آدمی تھے - اسلئے اکثر مقروض رہا کرتے تھے - آخر کار ۱۲۱۱ ہجری میں کلکتے چلے گئے وہاں بھی اُنکی بڑی تعظیم و تکریم ہوئی - مرزا علی لطف اور مصحفی دونوں نے اپنے تذکروں میں ان کا حال لکھا ہے - فن موسیقی میں درجہ کمال حاصل تھا - اور شعر گوئی میں مہارت تام رکھتے تھے - شعر صاف اور درد انگیز کہتے تھے شوق کے تذکرے میں بھی ان کا کلام ہے -

لڑتے تو اُس سے رات میں غصہ میں لڑ لیا
پھر جب وہ اُٹھ چلا تو کلیجہ پکڑ لیا
جی تھا آنکھوں میں یار تھا دل میں
یاں تلک انتظار تھا دل میں
مر گئے پھر بھی ہم کو خاک نہ دی +
آج تک یہ غبار تھا دل میں
فقط نہ اپنی ہی تم آن دیکھتے جاؤ
اِدھر اُدھر بھی مری جان دیکھتے جاؤ
بجائے اشک نکلتے ہیں پارہ ہائے جگر
تمہارے جی میں تھا ارمان دیکھتے جاؤ

اگرچہ ہووے گی تصدیع لیکن آشفتہ — کوئی گھڑی کا ہے مہمان دیکھتے جاؤ
چہرہ کچھ ان دنوں غم پنہاں سے زرد ہے — ظاہر میں کچھ مرض نہیں پر دل میں درد ہے
ہمیشہ آگ نکلتی ہے میرے سینے سے — الٰہی موت دے گر رہا میں ایسے جینے سے
اپنے کے ہوتے بیگانوں کو قصد قتل کر — ہم بھی جی رکھتے ہیں پیارے ترے قربان گئے
چلا ہے کیسے کو آشفتہ پارسا بنکر — خدا جو بیٹھے بٹھائے اُسے خراب کرے

آشفتہ (آشفتہ) عظیم الدین خاں عرف بھورے خاں دہلوی قوم کے افغان ایک وارستہ مزاج اور میر محمدی مائل کے شاگردوں میں تھے - فارسی میں فرزند علی مضمون سے مشورہ سخن کرتے تھے - مشہور ہے کہ معروف نے سو روپے دے کر ان سے فقط ایک لفظ ہری چُگ خریدا تھا یہ ۱۱۹۳ھ میں کچھ عرصے تک لکھنؤ میں بھی رہے ۱۲۱۱ھ ہجری میں وفات پائی - اخیر عمر میں دنیوی تعلقات قطعی ترک کر دئے تھے اور کسب باطن کی طرف متوجہ ہو کر مولانا فخر الدین کے مریدوں میں شامل ہو گئے تھے بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ دنیا کے ساتھ فکر سخن سے بھی دست بردار ہو گئے تھے یہ مقطع میں اکثر زلف کا مضمون لاتے تھے - فارسی اور ریختہ دونو زبانوں میں دیوان موجود ہیں - انتخاباً اُردو کے چند اشعار لکھے جاتے ہیں ؎

ناخواندہ مرے خط کو الٰہی پھر لایا — قاصد کا گلہ کیا ہے قسمت کا لکھا لایا
ہوتا ہے تازہ آہ سے جوں گل ایاغ دل — کھلتا ہے اس نسیم سے اپنا تو باغ دل
جام گدائی ہاتھ میں لے نت شام سویرے پھرتے ہیں — شمس و قمر ہیں دونو بھکاری حسن کے تیرے پھرتے ہیں
پنڈت پڑھے ہاتھ دکھاؤ فال کھلاؤ کوئی پر — بخت جو ہوں برگشتہ اپنے کسکے پھیرے ہیں
عقل ہوئی اب سلب ہماری آہ جنوں ہے واہ جنوں — کوچہ بکوچہ اب تو ہکوڑے کے گھیرے پھرتے ہیں
یوں کاندھے پر زلفیں اُسکے بل کھاتی ہیں دفعت خرام — مارسیہ کو ڈال گلے میں جیسے سپیرے پھرتے ہیں
جوگ لیا آشفتہ نہ دیکھا تا لب اُن زلفوں کی — گلیوں گلیوں حال پریشاں بال کھیرے پھرتے ہیں
دیوانگی ہماری ہے لحظہ یاں سے تازہ — شیدا ہیں اُس پری پر ہم گرچہ مدتوں سے

پاؤں کو توڑ جو بیٹھے ترے در کے آگے	سر دیا یار پہ اک گام نہ سرکے آگے

آشفتہ

(آشفتہ) منشی گلاب سنگھ دہلوی - قوم کے کھتری اور نہایت وجیہ طرحدار جوان تھے - عین آغاز شباب میں یہ تو امی ایک خانگی پر عاشق و فریفتہ ہو گئے - اور وہ بھی ہزار جان سے انکی شیدا و والہ تھی - کچھ ایام تو نہایت عیش و عشرت سے ایک جگہ بسر کئے - مگر زمانہ کے انقلاب نے آخر کار عاشق و معشوق میں جدائی کرادی - دو فریق شوق و اضطراب سے بے بس ہو کر جب دوسرے پر کچھ بس نہ چلا تو خنجر آبدار سے اپنا ہی کام تمام کر ڈالا - انکی چوٹ کھائی ہوئی طبیعت سے جو وہ مضامین نکلتے تھے جنہیں سُن سُن کر عاشقانِ دلریش بے اختیار کلیجہ پکڑ لیتے ہیں - آشفتہ کے فیض صحبت سے وہ نازنین بھی فکرِ سخن کرنے لگی تھی - بعہد اکبر شاہ ثانی غازی الدین خاں کے مدرسے میں جب مجلسِ مشاعرہ منعقد ہوا کرتی تھی تو یہ بھی کبھی کبھی اُس مشاعرے میں شریک ہو کر دادِ سخن لیا کرتے تھے - غدر سے پچیس برس پہلے انتقال کیا - مگر کلام اب تک زندہ ہے انتخاب ملاحظہ ہو

پوچھتے کیا ہو کہ شب آشفتہ کیونکر مر گیا	اُسمیں کیا باقی رہا تھا بندہ پرور مر گیا
جان دی عاشق نے تیرے شکوۂ اک نالہ کے ساتھ	آدمی تھا آخر اِس صدمہ اُٹھا کر مر گیا
ہے بدائی میں زبس آشفتہ جینے سے پتنگ	سُن ہی لوگے اک نہ اک دن پھوڑ کر سر مر گیا
تیرا شکوہ کبھو لب پر نہ آیا +	یہ تجھکو رحم اے کافر نہ آیا
نہ سوئے ہم شبِ وعدہ سحر تک	نہ آیا تو ہی ظالم پر نہ آیا +
اسی غم نے رُلایا ہم کو [illegible]	کہ تجھکو بولنا ہنسکر نہ آیا
نہ کر [illegible] ستہ اتنا شکوہ ہمدم	نہ آوے وہ جفا جو کر نہ آیا +
گو دعا کے ہی لئے ہو ہے خدا کا لو خیال	کیا بنے گی گر کبھی وہ بدگماں پا جائے گا
ہائے یہ غیروں سے کہنا اسکا رُک رُک کر کباب	مجھکو مت چھیڑو کہیں آشفتہ یاں آجائیگا
زلفوں سے بھی زیادہ کیا رُخ نے دل پہ جور	کافر جو تھے سو تھے یہ مسلماں کو کیا کہوں
درد و دکھ جو جہاں میں آتے ہیں	وہ میری ایک جاں پہ آتے ہیں

اک نہ آنے سے تیرے اے ظالم
رکھا سر پاؤں پر اُس کے تو بولا
دم کا مہماں ہے اور آشفتہ

شکوے سو سو زباں پہ آتے ہیں
کہ تو بھی بے سر و پا کتنا ہے
بے خبر تجھکو کچھ خبر بھی ہے

آشفتہ کی معشوقہ بنوا انکے انتقال کے بعد کسی سے ملتفت نہوئی۔ اور اپنے عاشق صادق کے فراق میں برابر چھ مہینے تپ محرقہ میں مگل مگل کر اپنے عاشق جاں باز سے جا ملی بطور یادگار اُسکے بھی چند شعر لکھے جاتے ہیں جو درد مفارقت کے اثر سے درد انگیز اور حسرت خیز ہیں ؎

چھوڑ کر تجھکو کہاں اے بت گمراہ چلا
چھٹ گیا غم سے میرا کشتۂ ابرو مر کر
میں تپ غم سے جلوں اور یہ کریں دق کا علاج
نہ تو موت آتی ہے نے زیست کا یار مجھکو
موت پر بس نہیں چلتا ہے کروں کیا ورنہ
اب کسے چین کہاں عیش کدہ ہر بستر خواب
کیا ہوئی ہائے فغاں کی تیرے شور انگیزی
ہے غضب وہ تو مرے اور جیوں میں بنو
نعش آشفتہ کو بیرحموں نے پھونکا آگ سے

تو چلا کیا کہ یہ دل بھی ترے ہمراہ چلا
اک چھری میرے گلے پر بھی میری آہ چلا
ہو سمجھ الٰہی طبیبوں کی تو کیا اسکا علاج
ہائے آشفتہ تیرے مرنے نے مارا مجھکو
تو نہیں ہے تو نہیں زیست گوارا مجھکو
نہیں مخمل بھی کم از بستر خارا مجھکو
لے چلے تجھکو تو تو نے نہ پکارا مجھکو
موت آجائے تو ہو عمر دوبارا مجھکو
آتش غم بھی جو انا مرگ کی کچھ کم نہ تھی

آشفتہ (آشفتہ) حکیم منور علی خاں خلف سید علی نواز مقیم شاہ جہاں آباد۔ فن طب میں حکیم غلام حیدر خاں کے شاگرد۔ اور فن شعر میں حکیم مومن خاں اور نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ مرحوم سے مستفید تھے۔ مزاج میں خلقی بے باکی تھی۔ کچھ دنوں میرٹھ کی عدالت میں ڈگری نویس رہے۔ نہایت ذکی و فہیم تھے۔ اور فن سخن سے فطرتی مناسبت رکھتے تھے۔ ۱۸۴۸ء میں چالیس سال کے قریب عمر تھی ؎

اجل تو نے کیا کیسا مجھے شرمندۂ قاتل سے
تماشہ تھا اُسے میرے تڑپنے کی اذیت کا

کانٹا سا ہو گیا تھا میسرا سوکھ کر بدن
لاشہ اُلجھ کے دامنِ قاتل میں رہ گیا

بت روئے تو اپنی جان کھوئی
کسیکا ہم نے بتلاؤ لیا کیا

ہم وحشیوں کا گھر ہے کہ لڑکوں کا کھیل ہے
دن میں ہزار بار بنا اور بگڑ گیا

غیر اچھا ہے یا بُرے ہیں ہم
آپ ہی دل سے پوچھئے صاحب

سر پر اور آنکھوں پہ ہے ناصح نصیحت آپکی
پر کروں کیا دل پہ میرا کچھ نہیں ہے اختیار

آشفتہ تیری گور میں پڑنے سے سابق خلق
ہے بیقرار آمدِ محشر کو جان کر

تم غیر سے ملے میں کسی سے ملا نہیں
سچ ہے کہ بے وفا ہوں میں تم بیوفا نہیں

عاشق کو لطف سے ہے فزوں لطفِ جور میں
یہ غیر کی سزا ہے ہماری سزا نہیں

نے قتل کا خیال اُنہیں اور نہ موت کا
قسمت میں کیا خدا میرے مرنا لکھا نہیں

جو نامہ بر گیا وہ گیا جان سے وہاں
اب جی میں ہے رقیب کو ہم نامہ بر کریں

ہے وصل میں بھی فراق کا غم
ظاہر میں ہوں پاس پر جدا ہوں

آوارہ ہوں آپ پر جہاں کو
میں خضر کی طرح رہنما ہوں

اللہ رے یاوری طالع
ٹھکرا کے چلے وہ میرے سر کو

دیکھیں آشفتہ ہمیں مر کے بھی راحت ہوگی
یار ہے گا یہ غم و رنج والم جان کے ساتھ

غش ہونگے ہم آشفتہ تابِ رُخِ جاناں سے
پوچھے گا قیامت میں بیہوشوں سے کیا کوئی

میرا ہی کیا قصور ہے بیتاب و بیقرار
جز غیر اور کون نہیں تیرے واسطے

ابھی دلربائی کو کیا جانتا ہے
ستم کو وہ بدخو ادا جانتا ہے

ہے جلاد کی سادگی میں بھی شوخی
میرے خوں کو رنگِ حنا جانتا ہے

سُنا تھا ہم نے آشفتہ کہ کوئی دم کا ہے مہماں
کئی دن ہو گئے اُسکو نہ مرتا ہے نہ جیتا ہے

آشفتہ ہجرالدولہ ضیغم الملک ہادی علی خاں بہادر فائم جنگ خلف نواب حسید علی خاں بہادر نواب محسن الدولہ بہادر کے سی ایس آئی کے علاتی بھائی اور لکھنؤ کے نوابزادوں میں تھے شیخ امان علی سحر کے شاگرد تھے اُنکا بھی ایک شعر ہے

خون سے میرے حنا بندی کسے منظور ہے	چشمِ ناخن سے جو کرتے ہیں اشارے ہاتھ پاؤں

آشفتہ (آشفتہ) شاعرِ بے نظیر پنڈت امرناتھ کشمیری دہلوی - شاگرد رشید خدا بخش خانِ تنویر دہلوی آپ صوبہ پنجاب میں عہدۂ منصفی پر ممتاز تھے - دہلی میں پیدا ہوئے - اور یہیں تربیت پائی فکر رسا کی عادت اور طبیعت کی مشاقی نے استادی کے رتبہ پر پہنچا دیا تھا - اِن کی اکثر غزلیں اربابِ نشاط کے مُنہ سے نکلکر موسیقی کی تاثیر کو دوبالا کرتی اور عاشق مزاجوں کو بن مچھری ذبح کر دیتی ہیں شعر پڑھنے کا انداز بھی نہایت دل پسند اور مرغوب تھا - سبزہ رنگ - کشیدہ قامت - خوبی البتہ آدمی تھے - خلق و مروت اور اہلیت میں یگانۂ عصر تھے - سنہ ۱۳۰۰ ہجری میں اگرچہ آپ کا سن پچاس برس سے گزر چکا تھا اور علی پور واقع ملتان جیسے دور و دراز اور ریگستانی مقام میں متعین تھے مگر شغلِ سخن کے لوازم ساتھ رہے - دیوان مرتب کر لیا تھا مگر شایع نہونے پایا - کلام کی سادگی میں شوخی کے نشتر برابر چبھا کرتے تھے - فکر رسا نے سلیس زباں میں بعض لطیف اور پیچیدہ مضمون ادا کئے ہیں - خاندانی اساتذہ کا رنگ طبیعت پر اس قدر غالب نہ تھا جتنی صفائیٔ زبان پر نظر تھی - اسی وجہ سے اُن کی زندگی ہی میں کلام کو خاصی شہرت حاصل ہوگئی تھی - سنہ ۱۸۸۵ء کے قریب انتقال فرمایا - کلام کا خلاصہ درج ذیل ہے ؎

غیر ممکن ہے کہ چھوٹے اُس سے آشفتہ کا دل	حلقۂ دامِ بلا حلقہ ہے زلفِ یار کا
نزع میں دیدارِ جاناں کا میسر ہو گیا	اپنا مرنا مجھکو جینے کے برابر ہو گیا
تن پہ جب پنجۂ وحشت نے بچھوڑا اک تار	تو دیا دشتِ جنوں نے مجھے داماں اپنا
اِن دنوں تم جو ہو آشفتہ پریشاں خاطر	کس پہ ہوش آپنے کھوئے ہیں کہاں دل آیا
اپنا کیا عاشقِ بیمار نے درماں سمجھا	لب کو عتابِ سیہ خال کو ریحاں سمجھا
مرہمِ داغِ جگر تیر کا پیکاں سمجھا	زیست کو موت میں اور موت کو درماں سمجھا
جس نے خارِ کفِ مذہب کو دیا دل زاہد	عشق کو دینِ محبت کو ہے ایماں سمجھا
روزنِ زخم کئے بندِ سناں سے اُسنے	وہ عیادت کو میسری غیر کے شامل آیا

آشفتہ بزمِ یار میں ساقی بنا ہے غیر
کیونکر پیوں کہ کرتی ہے ٹکڑے جگر شراب

کی ہوگی اُس نے بادہ کشی بزمِ غیر میں
تلخی رہی جو میری زباں پر تمام رات

یاد آگئی وہ جنبشِ ابرو تو کیا کہوں
رکھ لی گلے پہ رات کو بے اختیار تیغ

بھیجد و خاک پر شہیدوں کے
پھینکتے کیوں ہو فرشِ خواب کے پھول

درماں نہیں مریضِ محبت کا اے طبیب
اچھے نہ حشر تک کبھی ہونگے دوا سے ہم

میرا بھی دل ہے زلف کو آہستہ کھولئے
زلفوں کی طرح دل بھی بنجائے بکھریں

دیکھکر ہووے گا اس آفتِ جاں کو کیا حال
جس کے بن دیکھے ہی بیتاب ہوا جاتا ہوں

جنکے باعث سب کی نظروں سے گرے
اُنکے کچھ بھی ہم نہ آئے دھیان میں

لگا بیٹھا خاوعدہ کی شبِ جاناں کف پا کو
جلاتی آتشِ غم ہے مرے دل کی تمنا کو

حسرتیں دل کی سب مٹیں آکے ملے جو ماہ رو
بوسہ بہ بوسہ لب بہ لب دیدہ بدیدہ رو برو

یاد میں تیرے اشکِ غم آنکھوں سے یوں بہا کئے
لجہ بہ لجہ نم بہ نم چشمہ بچشمہ جُو بہ جُو

اُلجھا ہے بیطرح یہ دل کاکلِ پرشکن میں ہائے
دام بدام خم بہ خم حلقہ بہ حلقہ مُو بمُو

تیرا مریضِ دلربا ہوگیا غم میں تیس سا
خال بہ خال خط بہ خط چہرہ بچہرہ ہُو بہ ہُو

تیرے اسیر فتنہ گر کرتے ہیں شغل رات بھر
شور بشور غل بہ غل نعرہ بہ نعرہ ہُو بہ ہُو

باغِ جہاں میں ڈھونڈھتی کسکو پھرے ہے اے صبا
برگ بہ برگ گل بہ گل رنگ برنگ بُو بہ بُو

کوئے جاناں دو قدم ہے ناتوانی دل نچھوڑ
گو قدم اُٹھتا نہیں پر کچھ تو ہمت چاہئے

دل میں آشفتہ ہے بتوں کا خیال
لب پہ باتیں ہیں پارسائی کی

میں تو شکوہ نہیں کرتا ہوں غمِ فرقت کا
تم ہی کرتے ہو گلے مجھسے مرے جاں اُلٹے

ہمارا کام چشمِ فتنہ زا سے ہائے کیا نکلے
کہ جو خود مدعی ہو اُس سے کیونکر مدعا نکلے

یہ وقتِ واپسیں ہے یا خدا اب بھی وہ آنکلے
دیا جلدی کہیں سینے سے جانِ مبتلا نکلے

کیا ہے دل کا خوں شاید کسی پائے نگاریں نے
کہ جو آنسو میری آنکھوں سے ہمرنگِ حنا نکلے

اجی اب بیٹھے صاحب حضرتِ غم تمکو پہچانا
کرم فرمائے من تم تو بڑے نے آشنا نکلے

سمجھ کر ہمکو دیوانہ پکارے ہے پری پیکر
جنون میں ہم تو مجنوں سے بھی ہیں بڑھ کر سوا نکلے

لگاؤں اس طرح خنجر کہیں قربان ہو جاؤں
دہانِ زخم سے قاتل ترے حق میں دعا نکلے

مجھے مارا ہے بیدردی سے ہے ہے جس مسیحا نے
اُسی سے میرے یہ ہمدرد بھی لینے دوا نکلے

کروں گر فتنہ پردازوں کی تم سے زباں بندی
نہ تقدیر ہی میں پھر تو کیونکر مدعا نکلے

ہمیں جس زلف کافر کیش سے ڈر تھا بلاؤں کا
اُنھی زلفوں کے اے آشفتہ تم بھی مبتلا نکلے

بھی

ترچھی نگاہ یار نے کیا کام کر گئی
دنیا اُلٹ نظر میں ادھر کی اُدھر گئی

دل سے جو اُسکی یاد ہمارے اُتر گئی
کیا ہائے موت تو بھی زمانہ سے مر گئی

تیغِ نگاہ اُسکی غضب کاٹ کر گئی
سینہ سے دل میں دل سے جگر میں اُتر گئی

معشوق کی نگاہ میں بھی سو بناؤ ہیں
جتنے وہ بگڑے اُتنی ہی رنگت سنور گئی

وہ چور ہے صبا بھی کہ آتی ہے باغ میں
دامن قبائے غنچہ و گل کا کتر گئی

گویا نگاہِ شوق کترنی سے ہے سوا
چاکِ نقابِ عارضِ زیبا کر گئی

گھبرا رہا تھا پہلے ہی دل انتظار میں
بیتابیوں سے اور بھی بَن جان پر گئی

جب یہ سُنا کہ یار نے عزمِ سفر کیا
قالب سے پا تراب مری روح کر گئی

عُریانیِ حباب کا کھٹکا نہ کچھ خیال
مقراضِ موج دامنِ دریا کتر گئی

ٹکڑے اِدھر جگر ہے اُدھر چاک چاک دل
مقراضِ چشمِ یار کی گل سا کتر گئی

یاد آئی بکھری بکھری جو آشفتہ اُسکی زلف
دل کی طرح سے جان پریشان کر گئی

آشفتہ (آشفتہ) حاجی عبداللہ۔ ولد عبدالحمید۔ سہلٹ کے رہنے والے ہیں۔ حافظ ضیغم بنگالی کے شاگرد ہیں۔ زیادہ حال معلوم نہیں ۱۲۹۱ ہجری تک زندہ تھے۔ انکے چند شعر لکھے جاتے ہیں ؎

ہوا نہ حور میں انداز گر بشر کا سا
تو رنج خلد میں ہوگا ہمیں سقر کا سا

قطعہ

وہی عالم اچھا تھا آشفتہ جس میں
وجودِ عدم کا نہ رنج و محن تھا

نہ ہستی کا نام و نشاں تھا ذرا کچھ — نہ ہم تھے نہ دل تھا نہ غم جان و تن تھا
نہ خوفِ قیامت نہ تشویشِ دنیا — نہ مرگ اور نہ سودائے گور و کفن تھا
نہ سر تھا نہ شورِ جنوں کی یہ شورش — نہ دل تھا نہ اُس کا یہ دیوانہ پن تھا
کھُلی آنکھ خوابِ عدم سے تو دیکھا — اجل سر پہ اور رُوبرُو گور کن تھا

آشفتہ

(آشفتہ) مولوی شیخ نصیر الدین خلف الرشید شیخ محمد ظہیر الدین ظہیر جہاں آبادی - منشی مہاراجہ صاحب اجے گڈھ ملک بندھیل کھنڈ - نہایت ذی علم اور با استعداد ہیں - اُردو اشعار میں نواب شیر بہادر اخگر سے مشورہ لیا کرتے ہیں - انکے اُستاد جناب اخگر نے کچھ غزلیں عنایت کی تھیں جنکا انتخاب ذیل میں درج کیا جاتا ہے ؎

دشتِ وحشت میں تپکتے ہیں پھپولے پاؤں کے — دو قدم چلنا ہمیں اب سخت مشکل ہو گیا
عشق میں تیرے ہوا آشفتہ ایسا ناتواں — آہ کیسی سانس لینا بھی تو مشکل ہو گیا
جب یہ سمجھ لیا کہ محبت میں ہم نہیں — لاکھوں پھر انقلابِ فلک ہوں تو غم نہیں
ابرو کا بوسہ لے ہی کے اب ٹلیں گے ہم — ہٹ جائیں معرکہ سے اجی ایسے ہم نہیں
دیکھا کسی کو شاد نہ دنیا میں آج تک — آشفتہ کون ہے جسے رنج و الم نہیں

آشفتہ

(آشفتہ) خواجہ محی الدین نام - حیدر آباد دکن کے رسالوں میں انکا کلام نظر سے گزرا چند شعر انتخاب ہوئے ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہیں ؎

اب کہاں شکوہ بیوفائی کا — بھا گیا طرزِ دلربائی کا
زاہد اُس بت کو دیکھ لے جو کبھی — پھر نہ لے نام پارسائی کا
لوٹنے لگتے ہیں کالے سے مری چھاتی پہ — یاد آتی ہیں جو وہ کاکلِ پیچاں اب تک
تیغ کھینچے ہوئے ہیں ابرو پُرخم کب سے — نیزہ تانے ہوئے ہے غمزۂ مژگاں اب تک
تیغ ابرو ہے نگہ تیر مژہ ہے خنجر — پھر بھی کہتے ہو نہیں قتل کا ساماں اب تک
خال و خط زلفِ سیہ گیسوئے مشکیں کا کل — حُسن کے تیر نگہبان ہیں سارے پیارے

آشنا (آشنا) مرزا محمد اکرم ولد مرزا محمد اسلم - ریاست رام پور کے متوسلوں میں تھے - مردِ متین اور زمین تھے - متانت کے ساتھ ظرافت بھی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی - اِنکا کلام لطیف ہوتا تھا - پچھتر برس کی عمر پاکر ۱۲۲۹ ہجری میں انتقال کیا - تذکرۂ انتخاب یادگار میں دو شعر درج تھے وہ ہی یہاں نقل کئے جاتے ہیں ؎

آئنہ اُس کے ہاتھ سے اک بار گر پڑا	آنکھوں کی اپنی جب اُسے سستی نظر پڑی
آشنا کو نہ اُٹھا بزم سے اپنی ظالم	ایسے ملنے کے نہیں ناز اُٹھانے والے

آشنا (آشنا) میر زین العابدین عرف میر وجاب - اول میں گجرات کے رہنے والے تھے مگر بعد میں دہلی کو اپنا وطن بنالیا تھا - انکے باپ کا نام حکیم اصلح الدین تھا - خانِ آرزو کے ہم عصر تھے ؎

ہم سے بندوں پہ ظلم کرتے ہیں	اِن بتوں کا کوئی خدا بھی ہے

آشنا (آشنا) منا سنگھ نام تھا - قوم کے کھتری تھے - محمد شاہ کا زمانہ پایا تھا - طبقۂ اول کے شعرا میں شمار کئے جاتے ہیں - فارسی شعر بھی کہتے تھے - یہاں ایک اُردو کا شعر لکھا جاتا ہے ؎

تری برگشتہ مژگاں جب سے میں دیکھی ہیں اے ظالم	وہی آن اب تلک جی میں مرے ہر دم کھٹکتی ہے

آشنا (آشنا) حکیم میر علی سہارنپوری مرحوم - قوم سادات سے تھے - مدت تک نجیب الدولہ بہادر کی سرکار میں ملازم رہے - فن طب میں ید طولےٰ رکھتے تھے - نجیب الدولہ بہادر کے بعد نجف قلیخاں مرحوم کے طبیبوں میں داخل ہوئے - اُردو اور فارسی دونو زبانوں میں شعر کہتے تھے چنانچہ فرماتے ہیں ؎

گرد باد کے مانند دم کا آشنا تھا دل	اُڑ گیا خدا جانے کون سے بیاباں کو

آشنا (آشنا) مرزا جگن - قاضی رحمت اللہ کے خلف الرشید تھے - جوان صالح - نیک خو - خوش طبع اور کشادہ رو اور بحرِ سخن کے آشنا تھے - یہ انہیں کی فکر سخن کا خلاصہ ہے ؎

نام خدا جوان ہو شوخی کو چھوڑ دو	مہندی لگا کے چپکے رہو تو لگی رہے
کر ذبح مجھ کو کہنے لگا آشنا ہے تو	گردن جدا تو کیا کروں اِک جو لگی ہے

آشنا

(آشنا) میر امیر علی[۲] نام - میر سبز مرشد آبادی کے فرزند اور مرزا غلام حسین آتش کے شاگرد تھے - سنہ ۱۲۱۵ ہجری میں انتقال کیا - زیادہ حال معلوم نہیں ہوا - انکے دو شعر درج ذیل ہیں ؎

وہ حسن جلوہ گر ہے وہ رُخ بے نقاب ہے	لیکن کچھ اپنی آنکھوں کا پردہ حجاب ہے
مجھ کو تو بات کل کی نہیں یاد آشنا	کہتے ہیں روزِ حشر کو دنیا حساب ہے

آشنا

(آشنا) سید محمد نام تھا - حافظ سید وارث علی[۳] مرحوم لکھنوی کے بیٹے اور شیخ ناسخ کے شاگرد تھے - مگر اُستاد کے رنگ کی ہوا تک نہ لگی سیدھے سیدھے شعر کہہ لیتے تھے چنانچہ نمونۃً دو شعر ہدیۂ ناظرین ہیں ؎

کیونکر نہ رگڑوں آنکھیں میں ہر بار پانوں میں	اے دل لگی ہے خاکِ درِ یار پانوں میں
زنجیر سے باندھے دستِ گناہ گار	چوکھٹ کا کاٹ ڈال دے دلدار پانوں میں

آشنا

(آشنا) مولوی عبد الکریم خاں - فورٹ ولیم کالج کلکتہ کے منشی تھے - کشن نگر ان کا وطن تھا - کلکتے میں رہتے تھے - اگرچہ شعر کم کہتے تھے مگر جو کچھ کہتے تھے اچھا کہتے تھے سنہ ۱۲۸۶ یا ۱۲۸۳ ہجری میں انتقال کیا ؎

جو قطرہ خوں کا مرے دل کے داغ سے ٹپکا	تو گویا شعلۂ تر اک چراغ سے ٹپکا
چھاتی اُٹھی تری دل خلق کا خرسند ہوا	شکرِ لہ شجرِ حسن برومند ہوا
ضبطِ نالہ باعث چاکِ گریباں ہو گیا	کام یوں دستِ جنوں کا اپنے آساں ہو گیا

آشوب

(آشوب) میر امداد علی[۴] خاں خلف میر روشن علی فروغ - شاگرد میر نظام الدین ممنون - ساکن شاہجہاں آباد - سادات عظام بارہ سے تھے - خوش خلقی اور روشن ضمیری کے سبب ہمعصروں میں ہر دل عزیز تھے اپنے اُستاد کی طرز پر اس طرح سخن طرازی کرتے تھے - کہ بعض لوگ انکو اُستاد کے کلام کا دھوکا کرتا تھا - سنہ ۱۸۳۶ء میں عالمِ شباب تھا - بعد کی خبر نہیں - یہ انکا کلام ہے ؎

گنہ کے بوجھ سے محشر تلک نہ پہنچ سکے	اسی میں پردہ رہا ہم گناہ گاروں کا
نہ آؤ میری بالیں پہ تماشہ جذبۂ دل کا	دکھا دوں گا تجھے گر آپ میں میں بھی کبھو آیا

پوچھا جو مینے یار سے انجام سوزِ عشق
شوخی سے اِک چراغ کو اُس نے بجھا دیا

کوئی دمِ خاک میں ہم خاک کے آسودونکو
اُسکے ہنگامۂ رفتار نے سونے نہ دیا

ناوکِ غم سے چھنا یاں تک تن اس ناکام کا
استخواں پر ہے گماں میرے ہما کو دام کا

دل کو سمجھے تھے کہ اس بزم سے لے آئینگے
ہائے اپنا بھی ہُوا واں سے پھر آنا مشکل

پاس آلودگیٔ دامنِ قاتل نہ کیا
کسقدر ذوقِ تپیدن سے پشیماں ہوں میں

دل کہیں دیدہ کہیں صبر کہیں تاب کہیں
ہائے کتنا شبِ ہجراں میں پریشاں ہوں میں

یہ دیدہ و دل اس پر مائل میرے دونو ہیں
دشمن میرے دونو ہیں قاتل میرے دونو ہیں

آشوب

(آشوب) قبلہ و کعبہ معظمی و محترمی عالی جناب رائے بہادر ماسٹر پیارے لال صاحب - راقم تذکرہ کے عمر نامدار ہیں سنہ ۱۸۳۵ء میں بمقام دہلی جو تین سو برس سے بزرگوں کا مسکن ہے پیدا ہوئے ان کے جدامجد رائے بال مکند و رائے سیتا رام مرہٹوں کے عہد میں عمدہ ہائے جلیلہ پر ممتاز رہے - خاندانی نسبی سلسلہ شہنشاہ اکبر کے مشہور وزیر راجہ ٹوڈرمل تک پہنچتا ہے - جنکے آئین و قوانین دربارہ مال گزاری آج تک دستور العمل چلے آتے ہیں - پُرانے دہلی کالج کے برگزیدہ متعلموں سے ہیں - آپ ٹنڈن فرقہ کے کتری اور آنگرش گوتر سے ہیں ؛

ریاضی کے مشہور پروفیسر ماسٹر رام چندر اور مولانا صہبائی آپکو بہت عزیز رکھتے تھے - کسب علم اور حصول کمال کے شوق نے مرزا غالب کی خدمت میں بھی پہنچایا تھا رائے بہادر ماسٹر صاحب مرزا غالب مرحوم کی پہلی ملاقات کا تذکرہ اس طرح فرماتے ہیں کہ جب ہم گورگانوے میں ہیڈ ماسٹر تھے تو وہاں کے اسسٹنٹ کمشنر مسٹر کووان صاحب بہادر کی تبدیلی کا موقع پیش آیا صاحب موصوف ہمارے حال پر خاص نظر عنایت رکھتے تھے انکی مفارقت کے متعلق جو جلسہ قرار پایا اُس میں لوگوں کی رائے ہوئی کہ صاحب ممدوح کو کوئی چیز بطور یادگار نذر دینی چاہیے چنانچہ کمیٹی کی رائے سے چاندی کا ایک قلمدان تجویز ہوا - اور اُس قلمدان پر کوئی شعر بھی کندہ کرا دینا قرار پایا - رائے صاحب فرماتے ہیں کہ اسوقت تک مرزا صاحب سے ہمیں خاص تعارف نہ تھا - ہم اس شعر کے واسطے

اپنے ایک دوست کے ساتھ مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسی وقت سے روز افزوں تعارف کی بنیاد پڑی - مرزا صاحب نے قلمدان کے واسطے جو قطعہ موزوں فرمایا وہ یہ ہے ؎

گوڑ گانویں کی ہے جتنی رعیت وہ یک قلم	عاشق ہے اپنے حاکم عادل کے نام کی
سو یہ نگر فروز قلمدان تدر ہے	مسٹر کوآن صاحب عالی مقام کی

مرزا صاحب کو جو محبت راے صاحب سے تھی اُسکی شہادت اُردو ے معلیٰ کے چند رقعوں سے ملتی ہے - ایک مرتبہ ۱۸۶۶ء میں سیک لاؤڈ صاحب لفٹنٹ گورنر پنجاب نے دہلی میں دربار کیا - اور حسب معمول مرزا صاحب بھی اُس دربار میں شریک ہوئے - مرزا صاحب بوجہ ضعیفی کسی سہارے کے بغیر چل پھر نہیں سکتے تھے - راے صاحب بھی اس دربار میں شریک تھے ایسے موقع پر مرزا صاحب کو سہارا دینے کے لئے راے صاحب ہمراہ ہو گئے - سیک لاؤڈ صاحب لفٹنٹ گورنر نے مرزا صاحب سے پوچھا کیا یہ تمھارا بیٹا ہے - مرزا صاحب نے جواب میں کہا نہیں مگر بیٹے سے زیادہ عزیز ہے - راے صاحب جب دہلی میں ہوتے تھے تو کوئی ہفتہ ملاقات سے خالی نہ جاتا تھا - کبھی اتفاق سے جانے میں دیر ہو جاتی تو بار ہا مرزا صاحب ایک نہ ایک شعر لکھکر راے صاحب کے پاس بھیجدیتے جس کا مضمون حسن طلب ہوتا - چنانچہ ایک شعر جناب کو اب تک یاد ہے شعر

آج یکشنبہ کا دن ہے آؤ گے		یا فقط رستہ ہمیں بتلاؤ گے

دہلی کالج کے نام درجے طے کر کے ۱۸۵۷ء میں تکمیل علم کے لئے آگرہ کالج میں تشریف لے گئے - وہاں سے سند حاصل کرنے کے بعد ۱۸۵۹ء میں بریلی جاکر سرکاری ملازمت اختیار کی - مگر ایک سال کے بعد پنجاب چلے آئے تھوڑے عرصے تک گوڑ گانویں اور دہلی میں ہیڈ ماسٹر رہے ۱۸۶۶ء میں دہلی سے تبدیلی کے وقت جو سپاس نامہ اہل شہر کی طرف سے آپ کی خدمت میں پیش ہوا اس سے اُس خلوص و عقیدت کا بخوبی اظہار ہوتا ہے جو ہر طبقہ کے لوگوں کو آپ کی ذات خاص

کے ساتھ تھی ۔ حضرت غالب مرحوم نے جو فقرہ اُس کاغذ پر اپنے دستخط کے نیچے لکھا تھا وہ قابلِ ذکر ہے آپ لکھتے ہیں " بابو پیارے لال کی مفارقت کا جو رنج مجھے ہوا ہے وہ میرا ہی جی جانتا ہے بس اب میں نے جانا کہ دہلی میں میرا کوئی نہیں رہا" ٭

آپنے لاہور میں آکر شعبۂ تعلیم کی کیوریٹر کے نازک عہدے کے فرائض کو ۱۵-۱۶- برس تک نہایت بیدار مغزی - ہوشیاری - لیاقت اور دیانت سے انجام دیا - اُنہیں خدمات کے صلے میں جب ہندوستانیوں کو عہدۂ انسپکٹری مدارس ملنے کی تجویز سرکار سے منظور ہوئی تو آپ ہی سب سے اول اُس عہدۂ گرامی کے واسطے منتخب ہوئے - چنانچہ ۱۸۸۴ء سے ۱۸۹۵ء تک کامل بارہ برس دہلی اور جالندھر میں اس عہدہ کا کام انجام دیا ۱۸۶۴ء میں آپ ہی نے دہلی لٹریری سوسائٹی کی بنیاد ڈالی اور ایک عرصے تک اُس کے سکرٹری رہے - اور متعدد لکچر علمی اور تاریخی مضامین پر دئے - قیام لاہور کے زمانہ میں کئی برس تک سرکاری اخبار کے اڈیٹر رہے - حکام وقت کی نگاہوں میں اپنی اعلیٰ قابلیت اور حسن خدمت کے لحاظ سے ہمیشہ موقر و ممتاز رہے خاصکر میجر فلر صاحب اور سائم صاحب ڈائرکٹر شعبۂ تعلیم پنجاب تو آپ سے نہایت مانوس تھے ٭

میجر فلر صاحب عربی فارسی اُردو کے خوب ماہر تھے - کلکتہ یونیورسٹی سے جو سررشتہ تعلیم کے متعلق سالانہ سوالات آیا کرتے تھے اُن کے جواب میجر فلر صاحب خود لکھا کرتے اور اُن میں اکثر رائے بہادر صاحب سے مدد لیتے تھے - ایک مرتبہ کلکتہ یونیورسٹی سے یہ سوال آیا کہ مسجع و مقفیٰ عبارت میں کیا فرق ہے مع مثال بیان کرو - حسب معمول یہ سوال بھی رائے صاحب کے پاس بھیجا - رائے صاحب نے یہ سوال بجنسہٖ مرزا غالب کے پاس بھیجدیا اور اُنہوں نے اسکا جواب مع امثال نظم میں لکھکر دیا جسکا اخیر شعر یہ تھا

تحریر ہے یہ غالب یزداں پرست کی	تاریخ اِس کی آج نویں ہے اگست کی

شمس العلماء پروفیسر مولوی محمد حسین آزاد اور شمس العلماء خواجہ الطاف حسین حالی آپ کی وجہ سے اپنے ابتدائی زمانے میں بہت کچھ فروغ پا چکے ہیں - بلکہ سُنا ہے کہ مولانا حالی کو نیچرل شاعری کا شوق اور خیال

آپ ہی کی صحبت میں رہا اور آپ ہی کی مدد سے بہت کچھ کامیابی حاصل کی +

معظمی و محترمی جناب عموی رائے صاحب بہادر نے اگرچہ نظم و نثر دونوں میں بہت کچھ لکھا ہے مگر افسوس ہے کہ اپنے کلام کی ترتیب و تدوین نہیں فرمائی - اِس کی وجہ اہم مشاغل سرکاری کے علاوہ یہ بھی ہے کہ آپ نے مدت ہوئی کہ اپنے دل سے اس قسم کے خیالات قصداً محو کر دئے ہیں - اور جب کبھی اس طرف توجہ تھی اُسوقت بھی محض تفنناً نہ کہ شاعر بننے کی غرض سے کچھ کہہ لیا کرتے تھے - شاعری کی ابتدا مکتب ہی سے ہوگئی تھی انکے ہم مکتب و ہم عمر متخلص بہ طرب ایک مرتبہ ایک غزل لکھکر لائے اُس میں خاکے کا ایک قافیہ سبز کیا دعویٰ تھا کہ ایسا کوئی کہے تو جانیں - رائے صاحب کی خلقی طبّاعی اور ذہانت میں اسوقت ایک خاص حرکت ہوئی آپنے اُسی وقت چند شعر اسی ایک قافئے میں کہہ ڈالے اِسکے فیصلہ کے واسطے حضرت صہبائی کے چھوٹے بیٹے عبدالکریم سوز کے پاس وہ شعر لے گئے اُنہوں نے بہت داد دی بلکہ اپنی طرف سے کچھ اور شعر بڑہا کر رائے صاحب کی غزل پوری کر دی کہا کہ اب مشاعرے میں جاکر بیدھڑک پڑہ دو - آپ ہی نے تخلص بھی آشوب رکھ دیا - اب تو اپنے اُستاد کی شفقت اور خداداد جودت طبع کی بدولت دو بروز مشق بڑہتی گئی - افسوس ہے کہ بندہ کے ازحد اصرار پر بھی جناب رائے بہادر نے اپنے اشعار گہربار سے اس تذکرے کو افتخار نہ بخشا - نہ وہ بیاض ہی ملی جس میں کبھی کبھی کچھ اشعار لکھ دیا کرتے تھے - آپکی تصانیف اور ترجمہ کی ہوئی کتابوں میں سے چند کتابوں کے نام اِس جگہ لکھے جاتے ہیں +

رسوم ہند کے پہلے تین باب - قصص ہند حصہ اول و سوم - اُردو کی تیسری کتاب ترجمہ تاریخ انگلستان کلاں رسالہ اتالیق پنجاب کے اکثر مضامین - ترجمہ دربار قیصری ۱۸۷۷ء مولفہ مسٹر وٹلر اس شستہ و بامحاورہ بلکہ جستہ و دل آویز ترجمہ کے صلہ میں جناب نواب گورنر جنرل بہادر کیطرف سے ایک تمغہ اور ایک جلد مطلا و مذہب مرحمت ہوئی - ۱۸۹۲ء سے پنجاب یونیورسٹی کے فیلو ہیں - ۹۲ء میں رائے بہادری کا خطاب سرکار سے ملا - ۱۸۹۵ء میں کامل ۳۴ سال کی ملازمت کے

بعد پنشن لیکر گاہے لاہور گاہے دہلی رہے مگر اب مدت سے اپنے وطن مالوفہ میں سکونت پذیر ہیں† آپکے حسن اخلاق دہلی میں ضرب المثل ہیں - جب بات کرتے ہیں تو اسطرح خندہ پیشانی اور خوش بیانی سے تکلم ہوتے ہیں کہ دشمن کا دل بھی موہ لیتے ہیں - ہر ایک کار خیر میں جھک پڑنا آپ کا وتیرہ ہے - اور ہر شخص کی مصیبت میں ہمدردی فرمانا آپ کا قدیمی شیوہ - ہندو آپ کو دیوتا اور مسلمان ولی کامل کے لفظ سے خطاب کرتے ہیں - اگر کوئی دشمن بھی صلاح مانگتا ہے تو گو اُنکے حق میں وہ خود مضر ہو مگر یہ کبھی بُری صلاح نہیں دیتے - دہلی میں رفاہ عام اور خاصکر تعلیمی انتظام کے بہت سے کام اپنے ذمہ لے رکھے ہیں - ہندو کالج دہلی کے ٹرسٹی اور منتظم ہیں - سینکڑوں بے روزگاروں کو روزگار سے لگا دینا - بیکاروں کو مناسب حیلہ وکام بتا دینا آپ کی ہمدردی کا ایک ادنی نمونہ ہے - ہماری دعا ہے کہ اِس فیض رسانی اور انسانی دردمندی کے ساتھ خدا تعالی ہمیشہ اُن کو زندہ وسلامت رکھے - آمین یارب العالمین تبرکاً چند شعر تذکرہ کئے جاتے ہیں ؎

گر شیخ پاکدامن طالب بنوریا کا	رندوں کی محفلوں میں اُسکا اُڑے نہ خاکا
مجنون کو ہمنے اپنے مانند خاک دیکھا	گویا کہ وہ ہماری تصویر کا ہے خاکا
پتھر پر شکل شیریں فرہاد نے بنائی	اور ہمنے اپنے دل پر کھینچا ہے تیر اُنکا
اپنا تو سر جھکے ہے دونو طرف کہ اُسکی	تصویر سیکدے میں اور ہے حرم میں خاکا
آشوب خستہ جاں کو پھر ہے ہوس وہیں کی	کل ہی تو اُڑ چکا ہے اُس کی گلی میں خاکا
زاہد چھوئے جو دامن رندان بادہ کش	تو چاہئے کہ مئے سے اُسے شست وشو کریں

آصف (آصف) وزیر الممالک نواب بھیمی خاں عرف میرزا امانی معروف بہ آصف الدولہ بہادر فرماں روا سے لکھنؤ - وزیر حضرت شاہ عالم ثانی بادشاہ دہلی - نواب شجاع الدولہ صوبہ لکھنؤ کے فرزند رشید اور جانشین تھے - ستائیس برس کی عمر میں بمقام فیض آباد ۱۱۸۸ ہجری میں مسند نشین ہوئے کسی نے اسطرح تاریخ جلوس موزوں کی ؎

گشت از پائے آصف الدولہ	رونق مسند وزارت ہند

† اِس مصرع میں پانچ کا تعیہ ہے چونکہ سنہ آصف الدولہ کی ہاے ہوز سے کیا گیا ہے ۱۲

نواب آصف الدولہ فن سخن اور جملہ علوم و فنون کے قدردان تھے - اِن کا مولد فیض آباد اور مسکن و مدفن لکھنؤ ہے - ملک الشعرا مرزا رفیع السودا اور خدائے سخن جناب میر اور میر سوز - انکی سرکار دولت مدار کے مداح و وظیفہ خوار تھے - میر سوز صرف مداح ہی نہیں انکے اُستاد بھی تھے - آصف الدولہ کے زمانۂ حکومت میں لکھنؤ نے ہر قسم کی ترقی کی - امن و اماں اور قدر کمال کی شہرت سُن سُن کر اکثر امرا - شرفا و کملائے دہلی وہاں چلے گئے - نواب ممدوح کو تیر اندازی میں کمال حاصل تھا اور شکار کے بڑے شوقین تھے سچ ہے ؎

شہاں را ضرور است مشق شکار		کہ آید پئے صید دلہا بکار	

ان کی سخاوت ہندوستان میں ضرب المثل ہے - چنانچہ مشہور ہے "جسے نہ دے مولا اُسے دے آصف الدولہ" یہ مثل آج تک زبان زد خاص و عام ہے - انکی فیاضی کی عجیب و غریب حکایتیں مشہور ہیں - ایک مرتبہ آپ نے لاکھ کے دانوں کی تسبیح بھولے بن کر ایک بڑھیا سے لاکھ روپے میں خرید لی - کسی اور موقع پر ایک ضعیفہ کو اُسکے اُس گمان پر کہ وہ پکے لوہے کی تلوار کو پارس سمجھتی تھی اُس تلوار کے ہموزن سونا دلا دیا - غربا کی پرورش اور اہل کمال کی قدر افزائی کی نئی نئی تجویزیں نکالا کرتے تھے - داد و دہش کو بمنزلۂ ضروریات زندگی سمجھتے تھے - اِن کا اُردو زبان پر بڑا احسان ہے کہ اُس کے منشا و مرکز (دہلی) پر تباہی آنے کے وقت اہل کمال کی دستگیری فرمائی - اور فکر معاش سے آزاد کر کے زور طبع دکھانے کا موقع دیا - میر مغفور کی بے اعتنائیوں کا بُرا ماننا اور ارکان ریاست سے زیادہ اُن کی توقیر کرتے رہنا خاص سرداری اور سچی قدردانی کی شان تھی فیض آباد کی سکونت ترک کر کے لکھنؤ کو دارالامارۃ بنایا اور اُسے بہت کچھ رونق دی - لکھنؤ کا بڑا امام باڑہ جو فن تعمیر کا اعلیٰ نمونہ ہے قحط کے امدادی کام کی پہلی مثال ہے - انکی فیاضی اور دریا دلی کا یہ عالم تھا کہ جو باکمال لکھنؤ پہنچ کر باریاب ہو جاتا تھا پھر اُسکا جی وہاں سے نکلنے کو نہ چاہتا تھا - انکے کلام میں اپنے اُستاد میر سوز کی سی سادگی و دردمندیاں ہے - خیال ستھرا ہے زبان پاکیزہ لکھنؤ کے شاہی کتب خانہ میں اِن کا دیوان موجود تھا سنہ ۱۲۱۲ ہجری مطابق ۱۷۹۷ء میں اکیاون برس

تک فیاضی ونیک نامی کا چشمہ جاری رکھکر حوض کوثر کی سیر کو سدھارے۔ فیاضی میں حاتم سے بڑھکر اور سخاوت وہنر پروری میں اسلاف سے زیادہ نام پایا نواب وزیر علی خاں انکے بیٹے جو ایک حرم کے بطن سے تھے جانشین ہوئے مگر چند ماہ بعد انہیں اپنے چچا نواب سعادت علیخاں کے لئے مسند خالی کرنی پڑی۔

بڑی شکوہ سے جاتا ہے قافلہ دل کا — چلے گا رُو برُو کس کس کے معاملہ دل کا
یا ڈر مجھے تیرا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا — یا حوصلہ میرا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
کہتا ہے بہت کچھ وہ مجھے چپکے ہی چپکے — ظاہر میں یہ کہتا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
موا ہے تیرے لئے تیرا عاشقِ غم کش — ق — ذرا تو فاتحہ پڑھ چل کے تا کجا دسواس
وہ قبر سے نہ نکل آئے گا میرا ذمہ — ٹک اُسکی روح تو خوش ہو نہ دل میں لاؤ واس
جب مرنے لگی بلبل شوریدہ قفس میں — ق — آصف یہ ہی کہتے تھے بہ تکرار دم نزع
صیاد تجھے بخش دیا خون میں اپنا — ٹک جا کے دکھالا مجھے گلزار دم نزع
کل ہنس کے بولا نالۂ بلبل پہ یوں پتنگ — ق — کم ظرف دیکھ ہم بھی تو آخر ہیں نارِ شمع
رو رو کے یہ جواب دیا عندلیب نے — انصاف دل میں کیجیو اے دل نگارِ شمع
ہے شمع کے بھی دل میں محبت پتنگ کی — گر ہے پتنگ سوختہ جاں بیقرارِ شمع
پروانہ کو جلا کے ہوئی شمع بھی تمام — جینا بغیر یار کے ہے ننگ و عارِ شمع
فریاد و آہ و نالہ بھلا کس کئے کرے — جیتے موئے پتنگ رہا ہم کنارِ شمع
گل مہرباں سنا ہے کبھی عندلیب پر — تُو شکر کر کہ مہر و وفا ہے شعارِ شمع
میں آہ و نالہ نہ کھینچوں تو کیا کروں — جلتی ہیں غم سے میری رگیں مثل تارِ شمع
جہاں تیغ اُس کی علم دیکھتے ہیں — وہاں اپنا ہم سر قلم دیکھتے ہیں
جو جلوہ صنم تجھ میں ہم دیکھتے ہیں — خدا کی خدائی میں کم دیکھتے ہیں
گزرتے ہیں سو سو خیال اپنے دل میں — کسی کا جو نقشِ قدم دیکھتے ہیں

بتوں کی گلی میں شب و روز آصف		تماشہ خدائی کا ہم دیکھتے ہیں
ایک دن یار سے یہ مینے کہا	ق	اب تو ہم طاقت و تواں سے گئے
ہنس کے کہنے لگا کہ اے آصف		یہی کہہ کہہ کے لاکھوں جاں سے گئے
تُو اپنے شیوۂ جور و جفا سے کیوں گزرے		تری بلا سے میرا دم رہے رہے نہ رہے
قمر کو ہوتا ہے ہر ماہ میں کمال زوال		ترے بھی حسن کا عالم رہے رہے نہ رہے
ملنے نہ ملنے کا تو وہ مختار آپ ہے		پر ہم کو چاہئے کہ تگ و دو لگی رہے

آصف

(**آصف**) اعلیٰ حضرت بندگان عالی کیواں خدم دارا حشم نوشیرواں معدلت سکندر شوکت حاتم سخا خورشید عطا مہر سپہر اقبال زیبندۂ تخت اجلال حضور پُر نور رستم دوراں افلاطون زماں فلک بارگاہ سپہ سالار مظفر الملک فتح جنگ ہز ہائینس نواب میر محبوب علی خاں بہادر نظام الملک آصف جاہ سادس جی۔سی۔ایس۔آئی وجی۔سی۔بی شاہِ دکن خلد اللہ ملکہٗ وسلطنتہٗ ؛

آپ ۱۸۔اگست ۱۸۶۶ء کو عالمِ وجود میں جلوہ افروز۔ اور ۲۶۔فروری ۱۸۶۹ء کو کچھ کم تین برس کی عمر میں مسند آرائے سلطنت ہوئے۔ آپ نواب قمر الدین خاں آصف جاہ اول کے وارث اور جانشین ہیں جو اولاً شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی افواج میں ایک بہت ہی بڑے ممتاز اور سربرآوردہ افسر تھے اُن کا نسبی سلسلہ خلیفۂ اول حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے نواب قمر الدین خاں آصف جاہ ۱۷۲۳ء میں محمد شاہ شہنشاہ دہلی کی طرف سے صوبہ داری دکن کے منصب جلیلہ پر ماموا در نظام الملک کے خطاب سے ممتاز ہوئے تھے ۱۷۴۸ء میں حضرت ممدوح رہگرائے عالمِ بقا ہوئے۔ اُس وقت چونکہ اُنکے خلف اکبر نواب غازی الدین خاں دربار دہلی میں وزارت کے عہدے پر مشرف تھے اس وجہ سے آصف جاہ کے دوسرے فرزند ناصر جنگ مسند آرائے ریاست ہوئے۔ نواب غازی الدین خان کے بعد گو اُنکے بھتیجے نواب مظفر جنگ نے دربار نے مسٹر ڈوپلے فرانسیسی گورنر کی حمایت سے صوبہ داری دکن کا دعوی کیا۔ مگر اپنی مراد کو نہ پہنچے اور نواب ناصر جنگ انگریزوں کی مدد سے صوبہ دار ہو گئے۔ لیکن جب دو ہی برس نواب

تا مرجنگ کو باغی بھتیجوں نے قتل کر ڈالا تو نواب مظفر جنگ فرانسیسیوں کی اعانت سے حیدرآباد دکن کے بے کھٹکے صوبیدار ہو گئے انہوں نے پانڈی چری کے قریب فرانسیسی گورنر کو ایک قطعہ ملک اور شہر اور ضلع مچھلی پٹن عطا فرمایا۔ نواب مظفر جنگ ایک فوجی بغاوت میں شہید ہوئے۔ چونکہ انکا اکلوتا بیٹا نابالغ تھا اس سبب سے نواب صلابت جنگ جو آصف جاہ کے تیسرے فرزند تھے فرانسیسی اثر کی وجہ سے مسند نشین ہوئے انہوں نے فرانسیسیوں کی امدادی فوج کی تنخواہ وغیرہ کے نام سے شمالی سرکار کے کئی اضلاع انکے نام لکھدئے۔ اور اسکے علاوہ انکے ساتھ بہت کچھ مراعات کیں۔ ۱۷۵۶ء میں جب انگریزوں اور فرانسیسیوں میں جنگ شروع ہوئی تو انگریزی فوج نے فرانسیسیوں کو شمالی سرکار سے نکال دیا۔ نواب صلابت جنگ اولاً انگریزوں کی مخالفت پر آمادہ ہوئے مگر ۱۷۵۹ء میں ایک معاہدے کے رو سے انہوں نے انگریزوں کو مچھلی پٹن اور دیگر اضلاع جن کا رقبہ سات سو مربع میل تھا بطور انعام کے مرحمت کر دیا اور اپنے ملک سے فرانسیسیوں کے نکال دینے کا وعدہ کیا۔ نواب صلابت جنگ کے بعد انکے بھائی نواب نظام علی وارث مسند ریاست ہوئے انکے اور انگریزوں کے مابین ایک عہدنامہ ہوا جس کی رو سے بعض اضلاع کے عوض برٹش گورنمنٹ نے نظام سے عند الضرورت فوجی اعانت کا وعدہ کیا۔ اور نظام نے بھی انگریزوں کو اسی قسم کی مدد دینی منظور فرمائی۔ بعد میں کچھ ایسے واقعات پیش آئے کہ عہدنامہ منسوخ ہو گیا۔ سر جان شور صاحب کے زمانے میں جب نظام کو مرہٹوں کے خلاف فوجی کمک کی ضرورت ہوئی اور گورنمنٹ ہند نے اُس سے انکار کیا تو نواب نظام نے فرانسیسی افسروں کی سرگردہی میں ایک فوج قائم کی اور انگریزی فوج کو برخاست کر دیا۔ مگر جب نواب نظام علی کے بیٹے عالی جاہ نے بغاوت کی تو انہوں نے گورنمنٹ انگلشیہ سے پھر معاون فوج کی واپسی کی درخواست کی ۱۷۹۸ء کے عہدنامے کی رو سے امدادی فوج مستقل طور سے قائم ہو گئی۔ ٹیپو سلطان کے مقابلے میں نظام نے سرکار کمپنی کی فوج اور روپیہ سے امداد کی اور فتوحات میں سے ایک تہائی حصہ پایا۔ ۱۸۰۳ء میں نظام علی نے انتقال کیا اور انکے بیٹے سکندر جاہ مسند حکومت پر متمکن ہوئے چھبیس ۲۶ سال کی حکومت کے بعد یہ بھی رگھرا سے عالم جاودانی ہوئے اور ۱۸۲۹ء میں انکے بیٹے نواب

ناصر الدولہ نے مسند ریاست کو زینت دی - انکے زمانے میں معاون فوج کے مصارف کی بابت انگریزوں کو برار کے اضلاع دھارالیو اور ایچور دوآب سپرد کئے گئے - نواب اصر الدولہ نے ۱۸۵۷ء میں رحلت کی اور اُنکے خلف اکبر نواب افضل الدولہ مسند نشین ہوئے - اس زمانہ میں نواب سرسالار جنگ اول مدار المہام ریاست تھے - بلوائیوں نے رزیڈنسی پر حملہ کیا - مگر سرسالار جنگ کی بیدار مغزی اور عالی دماغی کام آئی - اور اس نازک وقت میں انہوں نے ہر طرح سے سرکار انگریزی کی اعانت کی اور امن و امان قائم رکھا - نظام افضل الدولہ نے جن کو گورنمنٹ نے جی سی ایس آئی - کا خطاب دیا تھا - ۲۶ - فروری ۱۸۶۹ء کو چند روزہ علالت کے بعد انتقال فرمایا - اور حضور پُر نور نواب میر محبوب علیخاں بہادر آصف جاہ سادس اُنکے اکلوتے فرزند وسادہ آرائے ریاست ہوئے - چونکہ اُسوقت ہز ہائینس کی عمر تین برس سے زیادہ نہ تھی اسلئے ایک ریجنسی کے قیام کی ضرورت ہوئی - انتظام ریاست کے فرائض سرسالار جنگ اول و امیر کبیر شمس الامرا بہادر کے سپرد ہوئے لیکن فی الحقیقت عنان حکومت سرسالار جنگ ہی کے ہاتھ میں رہی - نو عمر نظام کی تعلیم و تربیت کی نسبت ابتداہی سے بے انتہا کوشش ہوئی - چنانچہ سرسالار جنگ کی رائے کے اتفاق سے اول کپتان جان کلارک صاحب جن کو سابق میں انگریزی شاہزادوں کی تعلیمی خدمت سپرد تھی اور پھر اُنکے بھائی کپتان کلاڈ کلارک صاحب سی - آئی - ای - ہز ہائینس کی تعلیم کی نگرانی پر مامور ہوئے - انکے علاوہ انگریزی عربی فارسی - اُردو میں تربیت کے لئے برگزیدہ اتالیق اور لائق معلم مقرر ہوئے - شہسواری تیر اندازی - نشانہ بازی - کرکیٹ اور دیگر مردانہ کھیلوں میں ہز ہائینس کو باقاعدہ مشق کرائی - چنانچہ ہز ہائینس نے عربی - فارسی - اُردو - انگریزی میں کافی دست گاہ بہم پہنچائی - فوٹوگرافی میں بھی مہارت حاصل ہے آپ نے اپنے والد ماجد نواب افضل الدولہ بہادر کے انتقال کے بعد اپنی دادی دلاور النسا بیگم صاحبہ کے زیر سایہ پرورش پائی یہ بیگم صاحبہ نواب ناصر الدولہ بہادر کی زوجہ اور نواب افضل الدولہ کی والدہ تھیں - ہز ہائی نس کو امور سیاسی میں سرسالار جنگ مغفور سے تعلیم ملی ہے - ۸ - فروری ۱۸۸۳ء کو سرسالار جنگ اول نے دنیائے فانی سے رحلت

کی اور مہاراجہ نرندر پرشاد صاحب بجائے مدارالمہام کونسل آف ریجنسی کا کام انجام دیتے رہے ہز ہائینس کو لارڈ رپن نے ۵۔ فروری ۱۸۸۲ء کو کامل اختیارات ریاست عطا کئے۔ نیز اسی دربار میں آپ نے نواب لائق علیخاں صاحب سر سالار جنگ ثانی کو عہدۂ وزارت سے ممتاز فرمایا۔ فروری ۱۸۸۳ء میں اعلیحضرت قیصرہ ہند کے حضور سے جی۔ سی۔ ایس۔ آئی کا خطاب مرحمت ہوا +

ہز ہائی نس کے عہد معدلت مہد میں بہت سی ترقیاں اور اصلاحیں عمل میں آئیں۔ حیدرآباد۔ گلبرگہ۔ اورنگ آباد میں مختلف قسم کے کارخانے جاری ہوئے۔ تمام ریاست میں پہلے کی نسبت بہت کچھ ترقی ہوئی۔ آب پاشی کے کاموں میں بھی کافی اصلاحیں ہوئیں۔ جن سے ریاست کے محاصل میں ترقی اور معقول اضافہ ہوگیا۔ چونکہ ہز ہائینس تعلیم کے بہت بڑے حامی و مددگار ہیں اس سبب سے تمام ریاست میں جابجا مختلف مدارس اور کالج قائم ہوگئے ہیں۔ اعلیٰ رؤسا و عہدہ داران ریاست کی اولاد کیلئے خاص مدرسے اور تکمیل علمی کے لئے ولایت جانے کو وظائف کا انتظام کیا گیا۔ عورتوں کی طبی تعلیم اور شفاخانوں کے قیام سے ایک اشد ضرورت اور کمی نہایت فراخ حوصلگی سے پوری کی ہے۔ ہز ہائینس نے وقتاً فوقتاً اپنی خیر سگالی اور وفاداری کے نمایاں ثبوت دئے ہیں۔ جس نے ہمیشہ سے انکے خاندان والا دودمان کو دولت برطانیہ کے ساتھ وابستہ کیا ہے ۱۸۸۵ء میں حضور نظام نے مہم مصر کے لئے گورنمنٹ ہند سے اپنی امدادی فوج دینے کی خواہش ظاہر کی۔ اور اسی قسم کی درخواست آپ نے اُس زمانے میں بھی کی تھی جب کہ روس افغانستان پر حملہ کی دھمکی دے رہا تھا۔ اسوقت مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر یمین السلطنۃ آپ کے وزیر اور مدارالمہام ہیں جو مہاراجہ چندولال سابق مدارالمہام کی نسل میں ہیں۔ حضور نظام کو شکار کا بہت شوق ہے۔ آپ کا فیاضانہ اور مہمانہ برتاؤ مشہور انام ہے۔ آپ کے عہد میں صدہا مفید انام بلکہ باعث قیام نام کتابیں تصنیف و تالیف ہوئیں جنمیں سے فرہنگ آصفیہ مولفہ مکرمی منشی سید احمد دہلوی کی دستگیری نے تمام ہندوستان میں حضور نظام کی قدردانی کی دھوم مچادی۔ اگر یہ لغات نہ چھپتی تو اُردو زبان

بلا مبالغہ نامکمل اور ادھوری خیال کی جاتی - بلکہ قدیم محاورے تو دنیا سے نابود ہی ہو جاتی حضور ممدوح نے صرف خریداری اور انعام سے ہی اعانت نہیں فرمائی بلکہ مصنف کا پچاس روپیہ کا وظیفہ تاحیات مقرر کر دیا - اسکے علاوہ تمدن عرب - سوانح عمری نواب سر سالار جنگ - تاریخ دکن - وغیرہ بہت سی قابل قدر کتابیں شائع ہوئیں حضور ہی کی قدردانی کی بدولت حیدر آباد جملہ علوم و فنون اور بالخصوص شاعری کا مرجع بن رہا ہے ؛

حضور نظام اوصاف مذکور الصدر کے علاوہ شعر و سخن سے بھی خاص لگاؤ رکھتے ہیں - اُردو زبان میں آپ کا کلام کیا بلحاظ فصاحت کیا بلحاظ بلاغت و مضمون آفرینی اعلیٰ درجہ کا ہوتا ہے - آپکی شاعرانہ قابلیت ایک بادشاہ کثیر الاشغال ہونے کی حیثیت سے ضرور قابل داد ہے - آپ آصف تخلص فرماتے ہیں - نواب فصیح الملک نواب مرزا خاں داغ دہلوی مرحوم کو آپ کی اُستادی کا شرف حاصل تھا زبان کے لحاظ سے حضور کے کلام میں مرزا داغ کے کلام سے کچھ فرق نہیں معلوم ہوتا - آپ اپنے اُستاد سے اکثر مشورہ کلام اصلاح لیا کرتے تھے کہ اپنے دست و قلم سے غزل لکھ کر ایک لفافہ میں بند کر کے خاص چوبدار کی معرفت اُستاد کے پاس بھیجدیتے تھے - جناب داغ کی عالمگیر شہرت کے ساتھ ساتھ حضرت آصف کی اُستاد نوازی مشہور انام ہے - ہزار روپیہ ماہوار مشاہرہ کے علاوہ سات سو روپیہ ماہوار کا منصب اُستاد کی صاحبزادی اور نواسے کا مقرر فرمایا جو ابتک بدستور جاری ہے - اس قدردانی کی مثال اب مفقود ہے اسیطرح مولانا شبلی نعمانی - ملک الشعرا شمس العلما خواجہ الطاف حسین حالی - مولوی عبدالحق صاحب مولف تفسیر حقانی - مولانا غلام قادر گرامی مولانا ظہیر دہلوی - مولانا قدر بلگرامی حضرت اسیر میناٹی - وغیرہ صدہا باکمال عالم و مصنفین نے اس دربار و دربار سے وہ فیض پایا ہے اور پا رہے ہیں کہ ماموں رشید اور ہاروں رشید کی علمی قدردانیوں کو پرے بٹھا دیا - ہمارے تذکرہ میں اس قدر گنجایش نہیں کہ ہم اس جلیل القدر علمی قدردان رئیس کا ایک شمہ حال بھی حسب خواہ لکھ سکیں ؛

ہز ہائی نس ہی کے بابرکت عہد میں ریاست میں متعدد ریلیں جاری ہونے سے سفر میں سہولتیں پیدا ہو گئی ہیں - حضور نظام کی آمدنی کل ممالک محروسہ ہند کی ریاستوں سے زیادہ ہے - جاگیرداران اور

صرف خاص کے علاوہ تقریباً چار کروڑ سالانہ محاصل ہے۔ اور اقطاع مفوضہ برار کے علاوہ ریاست دکن کا رقبہ بیاسی ہزار چھ سو ستانوے میل مربع ہے اور آبادی ایک کروڑ پندرہ لاکھ۔ نظام حیدرآباد کی سلامی ۲۱ ضرب توپ ہے۔ ہز ہائینس کے صاحبزادے اور ولی عہد کا نام میر عثمان علیخان ہے جو ۲۱۔ مئی ۱۸۸۶ء کو تولد ہوئے۔ آپ نے اطراف ہند کی خوب سیر فرمائی ہے دربار قیصری ۱۸۷۷ء میں اور جشن تاجپوشی ملک معظم منعقدہ ۱۹۰۲ء میں بھی بمقام دہلی رونق افروز ہوئے تھے۔ اب انتخاب کلام ملاحظہ ہو ؎

انصاف اپنا اے بتِ عیار ہو چکا
جب تُو ہُوا عدو تو خدا یار ہو چکا

بس انتظار وعدۂ دیدار ہو چکا
وہ آئے یا نہ آئے یہ بیمار ہو چکا

کرتا ہوں آہ تیغِ نگہ کھا کے سے سنبھل
اب میرا وار روک ترا وار ہو چکا

میں بھی تو آزمائش مہر و وفا کروں
میرا تو امتحان کئی بار ہو چکا

پوچھا یہ میرے مردہ پہ اُس بدگمان نے
کچھ اس میں جان ہے کہ یہ بیمار ہو چکا

جلوۂ یار کیا کہوں کیا تھا
اُس کی قدرت کا اک تماشہ تھا

اب یہ جانا کہ ہم کو دھوکا تھا
دل ہمارا نہ تھا تمہارا تھا

لوٹتا تھا کوئی تڑپتا تھا
کُوئے قاتل میں اک تماشہ تھا

حشر میں بھی کہیں گے تجھ سے ہم
تجھ پہ دعویٰ ہے تجھ پہ دعویٰ تھا

کہتے ہیں وہ کہے سنے پہ نہ جاؤ
غیر کے پاس تم نے دیکھا تھا

اللہ بچائے کہ یہ کہتا ہے وہ کافر
میں ساری خدائی کو گنہ گار کروں گا

دیکھا یہ شعبدہ تری چشمِ سیاہ کا
محفل میں ہو گیا ہے تماشا نگاہ کا

بجلی بنی کبھی کبھی تلوار بن گئی
دیکھا عجیب شعبدہ اُس کی نگاہ کا

برسوں میں اُس نے ملنے کا وعدہ کیا ہے آج
اِس شرط پر کہ حرف نہ آئے نباہ کا

کس کو سنو گے کون سا قصہ پسند ہے
یوسف کی چاہ کا کہ زلیخا کی چاہ کا

یہ اسکے دل سے پوچھ یہ اُسکے جگر سے پوچھ
کیسا مزہ ہے چاہنے والے کو چاہ کا

یہ ہاتھ سے چُرائے تو وہ آنکھ سے چُرائے
دزدِ حنا سے چور ہے بڑھ کر نگاہ کا +

آصف سے یہ چُھٹا ہے نہ ہرگز کبھی چھٹے
پکا ہے اس کو دید کا چسکا ہے چاہ کا

واہ رے شانِ کریمی ترے صدقے قرباں
جس گناہگار کو دیکھا وہ گنہگار نہ تھا

عاشق و معشوق کی دل کی لگی میں ہے یہ فرق
شمع گھلتی ہی گھلی پروانہ پل میں خاک تھا

اتنی راہوں پر نہ نکلی حسرتِ بسمل ذرا
سینہ تیروں سے ہے چھلنی تیغ سے دل چاک تھا

فیضِ پیرِ میکدہ سے یہ گیا دریائے مے
کیوں نہ پیتے پارسا بھی آبِ دریا پاک تھا

گو بظاہر وہ نہ زاہد تھا نہ وہ تھا متقی
عاشقِ صادق تھا آصف عشق اسکا پاک تھا

اے کماندار تجھے شست کی حاجت کیا تھی
مرغِ دل آپ ترے تیر پہ قرباں ہوتا

میں سنبھلتا نہ رہِ عشق میں کیا اے ناصح
تو نہ ہوتا میرا اللہ نگہباں ہوتا

بے تمنا بھی کہیں عشق میں ہوتی ہے بسر
ایک مٹتا تو مجھے دوسرا ارماں ہوتا

مار رکھنے کے یہ انداز نکالے تم نے
آن سے تیغ کمینی نازسے خنجر نکلا

وہ تشنہ کام پھرے لبِ کوثر پہ کیا کرے
جس کو مزا ہو یار کی جھوٹی شراب کا

پوچھتی ہے وہ نرگسِ مخمور
کس کو دعوے ہے پارسائی کا

کھیل ہے دل لگی ہے کیا ناصح
چھوٹ جانا لگی لگائی کا +

ذکرِ محشر عبث ہے اے واعظ
اس خدائی میں اُس خدائی کا

وہ نقشِ پائے غیر مٹاتے ہوئے چلے
نقشِ قدم پہ اور بھی نقشِ قدم ہُوا

ایسا گمان تجھ پہ نہ تھا اے وفا شعار
دھوکا بڑا مجھے ترے سر کی قسم ہُوا

فریاد بے سبب تو نہیں داد خواہ کی
تو نے ستم کیا تو کسی پر ستم ہُوا

ہوتا چلا ہے رنگ گلابی نقاب کا
چُھپتا ہے کب چھپانے سے چہرہ عتاب کا

جس بات کی دُھن بندھ گئی وہ کر رہی کے چھوڑی
سُنتا ہے کہا کب دلِ دیوانہ کسی کا

اللہ رے سجاہل تجھے اب تک نہیں معلوم
عالم کی زبانوں پہ ہے افسانہ کسی کا

دعوے ہے غلط شیخ و برہمن یہ تمہارا
مسجد نہ کسی کی ہے نہ بتخانہ کسی کا

آصف کا یہ ہے قول سنیے صاحبِ غیرت
احساں نہ لے ہمت مردانہ کسی کا

میں اگر غم کہوں جدائی کا
شورِ محشر میں ہو دُھائی کا

نالہ کیا لب تک آکے رہ جاتا
پاس ہے عرش کبریائی کا

وہ بھی کیا دن تھے ہمیں غم سے سروکار نہ تھا
دل کو ارمان نہ تھا جان کو آزار نہ تھا

جان دیتا نہ تڑپ کر یہ وہ بیمار نہ تھا
دل پہ جب ہاتھ رکھا تم نے تو آزار نہ تھا

ایلچی کو بھی کوئی قتل کیا کرتا ہے
میں خطاوار تھا قاصد تو خطاوار نہ تھا

منصفی شرط ہے شایانِ کرم غیر ہی تھی
میں ترے جور و ستم کے بھی سزاوار نہ تھا

کیا عیادت کی توقع ہو ستمگر تجھ سے
بچ گیا کوئی تو کہتا ہے یہ بیمار نہ تھا

عرصۂ حشر کی مانند تھی نفسی نفسی
اُس کو محفل میں کسی کا بھی کوئی یار نہ تھا

مجکو کیا کوئی پھنسائے کا ازل سے ابتک
دل تو آزاد رہا میرا گرفتار نہ تھا

جنسِ دل واہ کے ہم اپنی بغل میں لے آئے
جا کے بازار کو دیکھا تو خریدار نہ تھا

نرگسِ جادو دکھا کے کوئی جادو کر گیا
دو ستو لینا خبر میرا دلِ مضطر گیا

گھلتے گھلتے عاشقِ بیمار تیرا مر گیا
دل میں زہرِ عشق آخر کام اپنا کر گیا

آئے تھے میرے دل کے خریدار بنکے وہ
دل دیکھتے ہی اُن کا خریدار ہو گیا

ہم کہے دیتے ہیں اے دل عشق ہے خانہ خراب
اِسنے جب رکھا قدم پھر لاکھ کا گھر خاک تھا

خوبرویوں کی بھی حالت ایک سی رہتی نہیں
اب مسیحا اُس کو دیکھا جو کبھی سفّاک تھا

انقلابِ دہر کی نیرنگ دیکھو تو سہی
لہلہاتا سبزہ ہے جس جا خس و خاشاک تھا

جلانے والوں کو اللہ یوں جلاتا ہے
رقیب پر ہے وہ پروانہ شمع رو ہو کر

تمکین میں شرارت تری دیتی ہے مزہ اور
شوخی میں ترا حُسن بڑھاتی ہے حیا اور

دزدیدہ نگہ دل کو چُرا کے ہوئی بدنام
برواہ نہیں کچھ اِس کی نہیں دے گا خدا اَور

مَیخانہ میں کیا لطف ہے کیا مانگ سے ساقی
آواز چلی آتی ہے لا اَور پلا اَور

جب دل دیا کسیکو تقدیر یہ بگڑ رہی ہے
درد و الم ہو فتح رنج و محن مبارک

کشتے کو اپنے قاتل دے ہاتھ سے جو اپنے
خلعت سے ہو زیادہ اُس کو کفن مبارک

کہتے ہیں ناز سے وہ ہے ملک حُسن اپنا
آصف تمہیں تمہارا ملکِ دکن مبارک

کیا ہے پوشیدہ وہ غارتگرِ ایماں اب تک
کھیے جاتے ہیں ہزاروں جو مسلماں اب تک

گُھل کے پانی بھی ہُوا بن کے وہ آنسو بھی بہا
کیا مرے دل میں دھرا ہے ترا پیکاں اب تک

خراب و خستہ ہو کر خوب سنبھلا
محبت میں بگڑ کر بن گیا دل

ایسے لوگوں میں نہیں ہم جو کہیں اور نہ کریں
مرد جو کہتے ہیں وہ کر کے دکھا دیتے ہیں

اِن حسینوں سے کوئی خون کا دعویٰ نکرے
خوں بہا دیتے نہیں خون بہا دیتے ہیں

لبِ جاناں کو چکھائیں گے مزہ وصل کی شب
ہوتی آئی ہے کہ چھوٹے کو سزا دیتے ہیں

قطعہ

دل نہ دیتا اگر تو کیوں سُنتا
سُن رہا ہوں ہزار کی باتیں

بے وفا ایک تیری خاطر سے
سہار کے طعنے چار کی باتیں

کہا جب مینے رنجیدہ عدو ہُو
وہ بُولے سنتے ہی وہ کیوں ہو تُو ہو

اِدھر میں ہُوں اُدھر محشر میں تُو ہو
جو ہونی ہو خدا کے روبرو ہو

تجھے دل میں تو رکھوں میں یہ ہے شرک
اُسی میں جان ہو اُسیں ہی تو ہو

گدازِ عشق نے چھوڑا بھی کیا ہے
مژہ سے ٹپکے گر دل میں لہو ہو

شبِ وصل یوں ہی بسر ہو گئی
نہیں کہتے کہتے سحر ہو گئی

تمہاری نرگسِ بیمار بھی بیمار کیسی ہے
کہ یہ بیمار ہو کر بھی غریب آزار کیسی ہے

نامہ بر دیکھ لے خطِ لفظ ہیں سارے پیارے
مینے لکھے اُسے مضمون بھی پیارے پیارے

تیرے صدقے ترے قرباں یہ ضد خوب نہیں
مان لے مان لے کہنے کو ہمارے پیارے

سچ ہے پیاروں کی ہر اک بات ہے پیاری ہوتی
لطف کیا جور بھی ہم کو ہیں تمہارے پیارے

جاں لو جان ہماری بھی گئی ساتھ کے ساتھ
اپنے گھر تم جو خفا ہو کے سدھارے پیارے

پیار تو اخلاص کی باتوں میں یہ بخشش کیسی
شرط جو پیار کی تھی تم اُسے ہارے پیارے

تا تواں قلب ہوا ہجر میں تیرے ایسا
دم بھی آتا ہے تو لے لیکے سہارے پیارے

کیوں نو عشق حسینوں کا ثواب اے واعظ
جو ہیں اللہ کے پیارے وہ ہمارے پیارے

سہل ہے بات جو بگڑی کو بگاڑے کوئی
کام اُسکا ہے جو بگڑی کو سنوارے پیارے

ابھی کمسن ہو نہ کہتے ہیں کسی کے آنا
نہ اُبھرنا جو کوئی تم کو اُبھارے پیارے

کھُل گیا راز عدو اُس سے یہ کہدو آصف
ہم تمہارے ہیں نہ تم اب سے ہمارے پیارے

یہ دل آشنا اور نا آشنا ہے
بھلوں سے بھلا اور بُروں سے بُرا ہے

نہیں ہے اگر تُو ہمارا تو کیا ہے
زمانے میں کوئی کسی کا ہوا ہے

پیو بھی پلاؤ بھی اس کا مزا ہے
یہ شیشہ بھرا ہے یہ ساغر دھرا ہے

مزا ہے یہی بات میں بات نکلے
ادا سے ادا جب ملو پھر تو کیا ہے

نشانہ بنے دیکھئے کونسا دل
یہ تیرِ دعا ہے وہ تیرِ ادا ہے

کریں بتکدہ سے عبث قصدِ کعبہ
یہاں بھی خدا ہے وہاں بھی خدا ہے

کہاں جائے انسان اُنسے نکل کر
زمیں فتنہ گر ہے فلک فتنہ زا ہے

شبِ وصل کس طرح طے ہو یہ جھگڑا
نہ تم مانتے ہو نہ دل مانتا ہے

کہو پھر تو گھبرا کے ذکرِ عدو پر
نہیں ہم تو واقف خدا جانتا ہے

یہ کافر حسیں ایک جا جمع ہونگے
جہنم میں بھی اک طرح کا مزا ہے

بہت دور ہے منزلِ وصل دل سے
جو یہ طے ہوئی پھر خدا ہی خدا ہے

کوئی بے وفاؤں کے دم میں نہ آئے
محبت جو کی تھی یہ اُسکی سزا ہے

ہمارے بھی ہے امتحاں میں یہ آصف
لگانا ہی دل کا سراسر خطا ہے

رات تڑپتے کٹی جبیں نہیں دن کو بھی ✣ دل کو مرے اضطراب دیکھئے کب تک رہے

ازل کے روز سے اِک لاگ حسن و عشق میں ہے ۔ نہ ہے قصور ہمارا نہ ہے خطا اُس کی ✣

نہ اِن کا قول ہے میری بلا سلے تجھ سے ۔ بلائیں اُس کی بھی لوں گر ملے بلا اُنکی

نیا ہو ناز ہر اک ناز میں نزاکت ہو ۔ ادا ادا سے ادا ہو ادا ادا اُن کی

تجھکو دل دے کے اپنی رسوائی ۔ وہ ہوئی اب جو عمر بھر نہ ہوئی

پھر کہاں جائیں گے الٰہی ہم ✣ ۔ خلد میں بھی اگر بسر نہ ہوئی

بت کدے میں جو دیکھی ہے صورت ۔ وہ بھلے کو خدا کے گھر نہ ہوئی

عمر بھر جتنی جفا ہو سب اُٹھانی چاہئے ۔ چاہئے جسکو اُسے تازہ گانی چاہئے

تشنہ مے ہوں شرابِ ارغوانی چاہئے ۔ ایسے پیاسے کے لئے ایسا ہی پانی چاہئے

داغ فرقت دے گئے وہ اپنے چھلّے کے عوض ۔ عاشقِ مہجور کو کچھ تو نشانی چاہئے

رفتہ رفتہ دن مصیبت کے گزر ہی جائینگے ۔ اِن بتوں کی کیا خدا کی مہربانی چاہئے

تیسوں روزے ہو چکے رخصت ہوا ماہِ صیام ۔ عید کے دن بھی نہ کیا پینی پلانی چاہئے

صدمے بیاں کیا ہوں شبِ انتظار کے ۔ سو بار چپ ہوا ہوں اجل کو پکار کے

دل میں ہمارے ایک صنم پردہ دار ہے ۔ آئے خیال غیر تو پردہ پکار کے

بیتاب دل کے ہاتھ سے ہی میری لاش بھی ۔ اندر مزار کے کبھی باہر مزار کے

یہ عرصہ گاہ حشر ہی محفل نہیں تری ۔ اغیار لے تو جائیں تجھے اب اُبھار کے

آجکل ہمنے زمانے کی یہ حالت دیکھی ۔ ایک کے دل میں مروّت نہ محبت دیکھی

غم کو نین بھی کھا کر نہیں سیری اے دل ۔ دیکھی دیکھی ارے بھوکے تری نیت دیکھی

ایک ہی جام پلا کر جو کرے اپنا سا ۔ ہمنے یہ پیرِ مغاں ہی میں کرامت دیکھی

رخصت کے وقت ہائے اس انداز کے نثار ۔ انگڑائی لے کے اُسنے کہا دیکھنا مجھے

مزاجداں ہو تمہیں جب تمہیں سے کچھ نہ ہوا ۔ مریضِ عشق کو اس آنگی دوا کس کی

ہزار رنگ سے نیرنگ ہیں ہم زمانے میں		ہوئی ہے شعبدہ گر چشم فتنہ زا کسی

آصف **(آصف)** حکیم سید محمد آصف۔ حضرت جلال لکھنوی کی شاگردی سے نامور ہیں۔ موجودہ رسالوں میں اکثر کلام شائع ہوتا رہتا ہے اُس سے انکی استعداد علمی خاص معلوم ہوتی ہے طبیعت موزوں اور زباں صاف ہے۔ انتخاب کلام ملاحظہ ہو ؎

ناصحوں کے کہنے میں آتا نہیں		ایسوں کو میں دھیان میں لاتا نہیں
ہے عجب دلکش مقامِ کوئے دوست		جو وہاں جاتا ہے پھر آتا نہیں ✣
دینا اُسے پیامبر عاشقِ چشم کا پیام		آنکھیں سفید ہوگئیں آپکے انتظار میں
نہ پوچھ اے شیخ بت ہے یا خدا وہ		اسے بندہ بھلا کیا جانے کیا ہے
تری بددعا ہی دعا ہوگئی		کہ ہمیارِ غم کو شفا ہوگئی

آصفی **(آصفی)** مرزا عبدالرحمن بیگ نام ہے حیدرآباد دکن میں قیام ہے۔ اور علاقہ مہاراجہ یمین السلطنت مہاراجہ کشن پرشاد کے شفاخانے میں منشی ہیں۔ یہ انکا کلام ہے ؎

یہ نہ کل کو لے کے دل میرا		اور ہو جائیں یار کی باتیں
یہ بھی اچھا ہوا کہ اپنی دعا		کبھی شرمندۂ اثر نہ ہوئی
وعدہ کرتے تو ہو قیامت کا		وہ بھی تقدیر سے اگر نہ ہوئی
اُسنے چھوڑا تو سب نے چھوڑ دیا		موت بھی اپنی چارہ گر نہ ہوئی
کیوں جی الفت اسی کو کہتے ہیں		مر گئے ہم تمہیں خبر نہ ہوئی
نہ مرتا ہے عاشق نہ ہوتی شفا ہے		الٰہی عجب یہ مرض لادوا ہے

آغا **(آغا)** مرزا آغا جان عرف آغا صاحب۔ دہلی کے باشندے تھے۔ اصل میں عیسائی تھے مگر اپنے اُستاد سید محمد امیر پنجہ کش کی ہدایت و تلقین سے مسلمان ہوگئے تھے۔ خوشنویسی میں ایسی مشق بہم پہونچائی تھی کہ سید محمد امیر پنجہ کش کے شاگردوں میں ان سے بہتر کوئی نہ تھا۔ اخیر دم تک ریاستِ الور میں ملازم رہے ۱۲۷۴ھ کے ایام غدر میں یہ دونوں اُستاد شاگرد گوروں کے ہاتھ

سے گولیاں کھا کر راہیٔ ملکِ بقا ہوئے - کچھ عرصہ ریاست جھجّر میں بھی ملازم رہے تھے وہاں نواب صاحب نے ایک لاکھ روپیہ کے صرف سے ایک نہایت بیش بہا اور قابل قدر گلستاں اِن سے لکھوائی - پھر الور میں ملازم ہو کر ویسی ہی دوسری گلستاں لکھی - یہ دونو نسخے خوشخطی اور خوبیٔ نقش و نگار کے باعث عدیم النظیر ہیں - جھجّر والی گلستاں مہاراجہ منگل سنگہ مرحوم والی الور نے خرید کر دوران سیاحت پنجاب میں ۱۸۳۸ء میں مہاراجہ راجندر سنگہ مغفور رائی پٹیالہ کو بطور ہدیہ دیدی تھی - دوسرا نسخہ اب تک الور کے کتب خانے کی زینت ہے اسپر متعدد نمایشوں میں تمغہ بھی ملا ہے - آغا صاحب گاہے گاہے فکرِ سخن بھی کرتے تھے - دو شعر ملے بطور یادگار درج تذکرہ کئے جاتے ہیں ؎

کوئی دارا کوئی جم اور کوئی اسکندر رہُوا
داغ سر اپنا ہیں نام خط افسر رہُوا

سرخ ہے مو باف قاتل آج دیکھا چاہئے
قصد اس قاتل کا اب ہے کس کے شبخوں پر رہُوا

آغا

(آغا) سخنور شیریں بیاں میرزا آغا حسینؒ مرحوم اکبرآبادی خلف میرزا علی اعظم - میرزا آغا حسین میر علی حسین قیصر مغفور کے حقیقی بھائی تھے اور فنِ سخن میں میرزا حاتم علی بیگ مہر لکھنوی - راجہ بلوان سنگہ راجہ - مرزا عنایت علی ماہ وغیرہم کے ہم صحبت و ہم مشق رہے - شعر خوب کہتے تھے - دیوان ریختہ چھپ گیا ہے - ۱۲۹۶ ہجری میں انتقال کیا - کلام صاف - بامزہ اور پر لطف ؎

شوق زوروں پہ ہے ضعفِ دلِ بیمار گھٹا
آؤ میخانے چلیں آئی دھواں دھار گھٹا

للہ الحمد کہ پانچوں ہیں مُسیر آغا
مئے و معشوق پریوش - گل و گلزار - گھٹا

کوچۂ یار کو دعوے ہے کہ جنت میں ہوں
خلد کہتے ہیں کسے روضۂ رضواں کیسا

دل کے آئینہ میں تصویرِ صنم رکھتا ہے
نہیں معلوم کہ آغا ہے مسلماں کیسا

گلبدن سے دوستی تھی موافق زمانہ تھا
اپنا بھی اس چمن میں کبھی آشیانہ تھا

وحشت نے یہ دھجیاں اُڑائیں
باقی نہیں تار پیرہن کا ؎

بے سبب زاہد نہیں خالق سے جنت مانگتا
زہد کے بدلے میں ہے مزدور اُجرت مانگتا

تیرہ بختی نے نچھوڑا ایک دم پیچھا مرا ۔ رنج آگے سے مرے ٹلتا تو راحت مانگتا
جب تک رہی بہار زر گل لٹا کیا ۔ کیا جانے اسکے پاس کہاں کا خزانہ تھا
بجائے اشک مژگاں پر اگر لخت جگر ہوگا ۔ ترا احسان میرے حال پر اے چشم تر ہوگا
کتر یوں کو نہ اے باغی ستم صیاد ۔ قفس کو توڑ کے اڑ جائیں گے نہ ہم صیاد
کرے گا قتل مجھکو یا رکیونکر ✣ ۔ اُٹھے گی ہاتھ سے تلوار کیونکر
گھٹا آئی ہے بوندیں پڑ رہی ہیں ۔ نہ ٹوٹے توبۂ میخوار کیونکر ✣
اپنے کئے کی آپ سزا کیون نہ پائے شمع ۔ خود کیوں جلے اگر نہ کسیکو جلائے شمع
مرنے کی مانگتے ہیں دعائیں خدا سے ہم ۔ تنگ آگئی ہے ہم سے دوا اور دوا سے ہم
نگاہوں میں اقرار سارے ہوئے ہیں ۔ ہم اُن کے ہوئے وہ ہمارے ہوئے ہیں
سچ ہے کہ بُرے وقت نہیں کوئی کسیکا ۔ لب خشک ہیں اور دیدۂ تر دیکھ رہے ہیں
کیا قید سے جنکو آزاد تم نے ۔ وہ حسرت سے طوق و رسن دیکھتے ہیں
ابھی منہ موڑ کر نہ جا قاتل ۔ جان باقی ہے تیرے بسمل میں
ہر کوئی پھرتا ہے اپنے قتل کی تدبیر میں ۔ یہ نئے جوہر ہیں اے قاتل تری شمشیر میں
کاٹ بڑھکر تیغ سے ہے ابرو خمدار میں ۔ سینکڑوں بیدم ہوں یہ جوہر کہاں تلوار میں
بوسہ کا نیل عارض جاناں سے دُور ہو ۔ دھبا خدا کرے مہ تاباں سے دُور ہو
کیوں دل جلوں کے لب پہ ہمیشہ فغاں نہو ۔ ممکن نہیں کہ آگ لگے اور دھواں نہو
قتل کا حکم نہ بے جُرم و خطا دے مجھکو ۔ میرے قاتل کوئی الزام لگا دے مجھکو
جیتے جی کے آشنا ہیں پھر کسی کا کون ہے ۔ نام کے اپنے ہوا کرتے ہیں اپنا کون ہے
جانِ جاں تیرے سوا رشک مسیحا کون ہے ۔ مار کر ٹھوکر جلا دے مجھکو ایسا کون ہے
وہ آئے سب اسیروں کو آزاد کر گئے ۔ مجھپر جو مہربان ہوئے پر کتر گئے
تیغ نگاہ ناز کلیجے پہ چل گئی ✣ ۔ جانِ قتیل حسرت قاتل نکل گئی

اجھی صورت پہ جسینو تمہیں نخوت کیا ہے	چار دن کی ہے فقط حسن کی دولت کیا ہے

آغا

(آغا) میرزا آغا حسن لکھنوی - شاگرد میر وزیر علی صبا مرحوم لکھنوی سنہ ۱۳۰۰ ہجری تک مرزا سلیماں قدر بہادر کے ہاں داروغہ تھے - شعر خاصا کہتے تھے - عیوب ظاہری سے ان کا کلام پاک و صاف ہے مگر اُسی پُرانی ڈگر پر چلتے ہیں جو ابتدا سے ایشیائی شعرا نے اختیار کر رکھی ہے - زبان - بندش ترکیب بیان کے لحاظ سے کلام میں کوئی نقص نہیں ہے - مولوی عبدالغفور نساخ اپنے تذکرے میں اس نام اور تخلص کا ذکر اسطرح کرتے ہیں کہ آغا حسن ولد مرزا میر لکھنوی شاگرد صبا سنہ ۱۲۸۰ ہجری میں بمقام کلکتہ تجارت کرتے تھے - شاید یہی آغا حسن ہوں بلکہ ظنِ غالب ہے کہ یہی ہوں گے - کیونکہ جس غزل کے اشعار ہمنے آخر میں درج کئے ہیں اُنکا مقطع تذکرہ نساخ سے لیا ہے ؎

لُوٹ لی میری دولتِ ایماں کعبۂ دل کو تو نے ڈھا کے	ہاں ذرا بھی اُدبتِ کافر تجھ کو خدا کا خوف نہ آیا
ہٹا دو انکو بالیں سے مری وہ خوف کھا تے تنگے	سُنا ہے دم نکلتا ہے بڑی مشکل سے عاشق کا
وصل کی شب یہی کرتا ہوں دعا اے آغا	حشر تک اب نظر آئے نہ سحر کی صورت
تمہارے بعد تمہیں یاد کرتے سب آغا ہ	کوئی تو زیست میں ایسی بھی بات کر جاتے
نکلنا سخت مشکل ہو نہ کیونکر کوئے قاتل سے	تڑپتے ہوں جہاں عاشق ہزاروں مرغ بسمل سے
ترے کوچہ میں اُو ظالم نہ میں آتا نہ میں آتا	مگر مجبور ہوں کچھ بس نہیں بیتابیٔ دل سے
تپ فرقت سے ایسا بڑھ گیا ہے ضعف اے آغا	کہاں کروٹ بدلنا سانس بھی لیتا ہوں مشکل سے

آغا

(آغا) مرزا عبدالقادر خاں عرف میرزا آغا جان - رئیس سونگھڑہ (مالوہ) شاگرد حضرت داغ دہلوی - انکے والد میرزا جان کابلی الاصل اور مدار المہام ریاست سونگھڑہ ہیں - انتخابِ کلام ہدیۂ ناظرین ہے آپکی فارسی قابلیت بہت اچھی ہے ؎

خاک میں چاہنے والوں کو ملا دیتے ہیں	فتنۂ حشر وہ اُٹھتے ہی اُٹھا دیتے ہیں
آدمی سُن نہیں سکتا ہے کسی کے طعنے	دل میں شمشیر سے یہ زخم سوا کرتے ہیں
ادا ہے کون سی حوروں میں جسپر دم نکلتا ہے	کسی کافر میں بھی زاہد وہی عالم نکلتا ہے

تری نظروں میں بھی تیرِ قضا کا رنگ ہے ظالم
جسے تو دیکھ لیتا ہے اُسی کا دم نکلتا ہے

بوسہ دینے میں جو پوچھا کہ بگڑتا کیا ہے
بولے لینے میں کہو آپ کو ملتا کیا ہے

ہم بھی ہاں مانتے ہیں رشکِ مسیحا تم ہو
مگر اس جاں بلبِ غم کا مداوا کیا ہے

ہاتھ آیا تجھے کیا میرے ستانے والے
کیا ملا تجھکو میرے جی کے جلانے والے

سُن کے شہرے تمہاری قامت کے
ہوش جاتے رہے قیامت کے

میرے زخموں پہ وہ چھڑک کے نمک
کہتے ہیں یہ مزے ہیں چاہت کے

جگر تک آئی یہ برچھی کدھر سے
کوئی یہ پوچھ دے ترچھی نظر سے

آغا (آغا) منشی عبدالاحد خاں - باشندۂ رام پور (روہیلکھنڈ) شاگرد حضرت امیر مینائی مرحوم - تخمیناً ۵۰ برس کی عمر ہوگی - سرکارِ رام پور میں ملازم ہیں - کلام مزیدار ہے طبیعت میں متانت ہے اور بیان میں صفائی پائی جاتی ہے کیوں نہ آخر ہیں کس اُستاد کے خوشہ چینوں میں - کلام حاضر ہے ؎

دل لے کے پوچھنا کہ دلِ زار کیا ہوا
خیر اُو ستم شعار فسوں کار کیا ہوا

تم جاگتے میں آتے تو آنے کا لطف تھا
طالع ہوا جو خواب میں بیدار کیا ہوا

رکھوں اسے کلیجے میں گر اختیار ہو
کیا پیاری پیاری شکل مرے دلربا کی ہے

دامن سے چھوٹنے کا نہیں لاکھ دھوئیے
قاتل ہمارے خون میں رنگت وفا کی ہے

دل کیا ہے کروں جان بھی میں اُسکے حوالے
لینے کو جو پردے سے کوئی ہاتھ نکالے

جانباز جو لاکھوں ہیں تھکا جاتا ہے قاتل
اے موت کھڑی کیا ہے ذرا ہاتھ بٹالے

آئے تھے جو سننے کو فسانہ مرے غم کا
وہ جاتے ہیں ہاتھوں سے کلیجے کو سنبھالے

آغاز (آغاز) منشی امداد حسین خاں کانپوری - شاگرد حضرت عزم مرحوم - یہ ہمارے زمانے کے شاعر ہیں کلام خاصا اور اچھا ہے - ملاحظہ ہو ؎

نہیں ہر وقت کی ضد اچھی
کبھی کہنا بھی مان لیتے ہیں

ہم تو مرتے ہیں کسی صفاک پر
چارہ اس کا ابن مریم کیا کریں

ہم کو غم کھانے کا دعویٰ تھا مگر — خود ہمیں کھانے لگا غم کیا کریں
صورت ہی سے سوال کو پہچان جائیے — دل میں ہمارے جو ہے صنم جان جائیے
یہ تو خوشی ہے آپ کی میری خوشی نہیں — میں کس طرح کہوں کہ مری جان جائیے

آفاق

(آفاق) میر فرید الدین خلف سید بہاؤالدین شاہ سلیمان متخلص بہ اولیا باشندۂ دہلی کے قرابت داروں میں تھے اصل میں انکا وطن کشمیر تھا - حکیم ثناء اللہ خاں **فراق** سے تلمذ رکھتے تھے قدرت اللہ **شوق** کے تذکرے کی ترتیب کے وقت دکن بھی گئے تھے اور وہاں نواب مشیر الملک کی سرکار میں بعزت و آبرو بسر کرتے تھے خلاصہ کلام یہ ہے ؎

تسکین ہوئی دل کو آرام ہوا جی کو — وہ راحتِ جاں میرے پہلو میں جو آ بیٹھا
اُس گل سے مل کے پیوں گے جام شراب ہم — لالہ کا دل جلا کے کریں گے کباب ہم
بیخانۂ دنیا میں ہر اک مست ہے غافل — ہے مرد وہی جو رہے ہشیار نشہ میں
ہاتھ کا اُس کے خط لکھا لایا — تیرے قاصد میں ہاتھ کے صدقے

آفاق

(آفاق) منشی غلام حسین خان - باشندۂ بنارس شعر خاصا کہتے ہیں اور موزوں طبع شاعر ہیں سُنا ہے کہ اب **جلیل** کے شاگرد ہو گئے ہیں کلام درج تذکرہ ہے ؎

کہتے ہیں کہ ہم غیر سے بولیں گے نہ ہنسیں گے — تم بزم سے اُٹھ جاؤ جو دیکھا نہیں جاتا
آنکھوں میں پھرا کرتی ہے وہ شوخ نگاہیں — نظروں سے وہ جادو کا تماشا نہیں جاتا
ٹھہر کے دیکھ لے بسمل کا تڑپنا قاتل — شہیدِ ناز یہی خوں بہا سمجھتے ہیں
جو پوچھا مینے کہ تم کو وفا نہیں آتی — بگڑ کے بولے کہ کہہ تو دیا نہیں آتی
یا خدا کیا ہے جو ہوتی ہے کھٹک سی بار بار — پھانس ہے دل میں چبھی یا وہ نگاہِ ناز ہے
گردن میں میری طوقِ محبت پنہا دیا — باہیں گلے میں اُسنے شبِ وصل ڈال کے
وہاں محتسب سر پٹکتا رہا ؎ — یہاں خوب رندوں نے ڈٹکی رہی

آفت

(آفت) میرزا منیر بیگ ابن مرزا وزیر بیگ ۱۸۵۷ء میں بمقام قصبہ پٹن ضلع اورنگ آباد دکن

پیدا ہوئے ہائی اسکول اورنگ آباد میں جماعت انٹرنس تک عربی فارسی انگریزی میں تعلیم پاکر ۱۸۹۲ء میں رشتۂ تعلیم میں ملازم ہو گئے آجکل خاص اپنے وطن کے مدرسہ میں مدرس انگریزی ہیں - ملازمت اختیار کرنے کے بعد شاعری کا شوق ہوا تھوڑے عرصہ بعد اُستاد کی ضرورت محسوس ہوئی تو حکیم میر ضامن علی صاحب جلال لکھنوی سے استفادہ کیا - اب اُنکے شاگردوں میں آپ کا نام عزت سے لیا جاتا ہے - مذاق سخن اچھا ہے - زبان اور خیالات بھی پاکیزہ ہیں ہنگام اشاعت تذکرہ کچھ کلام موصول ہوا اُسمیں سے جسقدر اشعار پسند آئے درج تذکرہ کئے جاتے ہیں ؎

کسقدر رازِ محبت جلد افشا ہو گیا
دل اِدھر آیا اُدھر دنیا میں چرچا ہو گیا

رو کنے پر بولے صبح وصل "جانے دیجئے"
دیکھئے اب آپکا کہنا بھی پورا ہو گیا"

دل کو لے لیتے تم تو اچھا تھا
کیا یہ اِک بوسہ کو بھی مہنگا تھا

ہجر کا حال پوچھتے کیا ہو
سو بلاؤں میں دل اکیلا تھا

میرے ہی دل کا وہ دھواں نکلا
جس کو میں آسمان سمجھا تھا

ابتدائے شباب اے **آفت**
ہائے وہ بھی عجب زمانہ تھا

اہل ظاہر کہتے ہیں جس عشق کو آزارِ جاں
فی الحقیقت ہے وہی آرامِ جانِ اہلِ درد

بٹھلا دیا در پر اُسکے آخر
تقدیر نے در بدر پھر اکر

اب نکلی کدورت انکے دل کی
خوشش ہیں ہمیں خاک میں ملا کر

سمجھتے ہیں وہ اب کیا قید سے میری چھوٹ جائیگا
جبھی دیوانۂ گیسو کو بے زنجیر رکھتے ہیں

بتاؤ وعدہ کی شب انتظار ہو کہ نہو
جو تم نہ آؤ تو دل بیقرار ہو کہ نہو

جو تیغ ہاتھ میں لی ہے تو سوچنا کیسا
لگا بھی دو کوئی تقصیر وار ہو کہ نہو

دشمنوں کی دشمنی سے دوست کی ہوتی ہے قدر
چاہئے بہدرد دوا نے تو بیگانے بھی دو

جب میں کہتا ہوں کہ تیرِ جان جاتی ہے مری
ہنس کے وہ فرماتے ہیں اچھا تو ہے جانے بھی دو

دل لگانے کا لگا کر جرم وہ لیتے ہیں جاں
دل کا دل دو اور پھر دل دیکے جرمانے بھی دو

خدایا بڑھے دردِ الفت زیادہ ۔۔۔ ہے اِس رنج میں مجھکو راحت زیادہ
ہمیں سے ہے تمکو عداوت زیادہ ۔۔۔ تمہیں سے ہے ہمکو محبت زیادہ
محبت دبانے سے دبتی نہیں ہے ۔۔۔ چھُپانے سے ہوتی ہے شہرت زیادہ
وہ کم کرتے ہیں جس قدر مجھسے مِلنا ۔۔۔ مجھے اُن سے ہوتی ہے الفت زیادہ
غضب اُس ستمگر کی محشر خرامی ۔۔۔ قیامت سے ہے یہ قیامت زیادہ
دل اِک بوسہ پر دیدو آفت خوشی سے ۔۔۔ نہ آئے گی اب اِس سے قیمت زیادہ
بلائیں بھی وہیں آتی ہیں جس جانگسستی ہے ۔۔۔ یہ زنجیر مصیبت بیکسوں کو خوب کستی ہے
یہ کیا کم ہے اگر ہے میرے دل کی قیمت اِک کبو ۔۔۔ محبت اُس صنم کی جان دیکر بھی تو سستی ہے
مِنے دل دینے میں تکرار جو کی بولے وہ ۔۔۔ جائیے جائیے بس آپ کی الفت یہی ہے
دشنام میں ملا ہیں بوسہ سے بڑھکے لطف ۔۔۔ ہاں گالیاں سنائیے دو چار اور بھی
آنکھ اور ہو گئی ہے پڑکر نگاہ تجھپر ۔۔۔ دل اور ہو گیا ہے جب سے کہ دل میں تُو ہے
ملجاؤں ذات میں پھر جی جاؤں خاک ہوکر ۔۔۔ وہ جان کی ہے خواہش یہ دل کی آرزو ہے
آبار کی محفل میں دکھادیں تجھے زاہد ۔۔۔ اک حور اُتر آئی ہے گلزارِ ارم سے
وعدہ میں نہیں شبہ کچھ اے قول کے پورے ۔۔۔ شک دل میں جو آتا ہے تو بس تیری قسم سے
تھا عشق سے پہلے ہمیں عزت کا بہت پاس ۔۔۔ یہ بات بھی الفت کی بدولت گئی ہم سے

آفتاب حضرت فردوس منزل ابوالمظفر عالی گوہر شاہ عالم ثانی بادشاہ غازی - خلف الرشید عرش منزل عزیز الدین عالمگیر ثانی - ۱۱۳۱ھ ہجری قلعہ معلی دہلی میں پیدا ہوئے - اور ۱۴ جمادی الاول ۱۱۷۳ھ ہجری مطابق ۱۷۵۹ء میں بمقام مکھتولی نواح پٹنہ تخت شاہی پر جلوس فرمایا اپنے والد ماجد کی وفات کے وقت میرزا عالی گوہر شجاع الدولہ صوبہ اودہ کے ساتھ ملک بنگال پر قبضہ کرنے کی نیت سے عظیم آباد کا محاصرہ کئے پڑے تھے - والد ماجد کی خبر وفات سُنکر شاہ عالم کے لقب سے تخت سلطنت پر جلوس فرمایا اور اپنے خلف اکبر میرزا جہاندار شاہ عرف میرزا جواں بخت کو ولیعہد آفتاب

قرار دیکر دار الخلافہ میں بجائے خود نائب مقرر فرمایا - اور قلمدان وزارت نواب شجاع الدولہ کو مرحمت کیا ۱۷۶۵ء مطابق سنہ ۶ سال جلوس میں ملک بنگالے - بہار - اور اوڑیسہ - کی دیوانی چھبیس لاکھ روپے سالانہ کے بالعوض تاجرانِ فرنگ کی کمپنی کو عطا فرمائے - دس سال یعنی ۱۷۸۲ء تک الہ آباد میں مقیم رہے - پھر مہاراجہ مادھوجی سیندھیا کی ترغیب سے دہلی آ گئے اور انتظام مہام سلطنت مرہٹوں کے ہاتھ میں آگیا ۱۷۸۹ء میں کورنمک غلام قادر روہیلے نے اس واجب التعظیم بادشاہ کی دہلی کے دیوانِ خاص میں چھاتی پر چڑھکر آنکھیں نکال لیں - اور خاندان شاہی پر بڑی بڑی سختیاں اور زیادتیاں کیں - چونکہ ظلم سرسبز نہیں ہوتا مہاراجہ پٹیل مادھوجی سیندھیا نے بہت جلد اس نابکار کو اپنے کیفر کے پاس بٹھایا اور بادشاہ کو پھر تخت نشین کر دیا ۱۸۰۳ء میں لارڈ لیک کا دہلی میں تسلط ہوگیا اور ذاتی املاک کے علاوہ ایک لاکھ روپیہ ماہوار کا وظیفہ اخراجات خاصہ کے نام سے مقرر ہوگیا - ۷ - رمضان ۱۲۲۱ھ مطابق ۱۸۰۶ء میں نوے برس کی عمر پاکر راہیِ ملکِ بقا ہوئے آستانۂ حضرت قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس اللہ سرہٗ العزیز کے غرب میں دفن ہوئے - انتقال کی تاریخ میر نظام الدین ممنون معروف بہ فخر الشعرا نے برعایت تخلص یہ فرمائی ہے ؎

شور بس روے زمیں سے یہ اُٹھا		ہے کسوفِ آفتابِ سلطنت

مگر مزار پر یہ تاریخ کندہ ہے ؎

وی آفتابِ روے زمیں بود پیش ازل		شد آفتاب زیر زمیں آہ و آہماں

"فردوس مکان شاہ عالم بادشاہ" سے بھی تاریخ وفات نکلتی ہے فنِ شعر سے کمال اُنس تھا - آفتاب تخلص فرماتے تھے - سودا - میر - نصیر - انشا - اعظم - زار - ممنون - احسان - قاسم - فراق - سب ان کی سرکار کے دعاگو تھے - چار دیوان بھی مرتب کئے تھے مگر اب کمیاب ہیں شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد کے قول کے بموجب ایک ضخیم قصۂ نثر بھی نہایت شستہ و دلچسپ عبارت میں حضرت کی یادگار ہے - اُردو کلام کے بعد وہ مرثیہ نثر آشوب لکھا جاتا ہے جو

سلطنت دہلی کی تباہی کے وقت حضرت شاہ عالم نے فارسی زبان میں فرمایا تھا ۵

خوب ہی سیدھا بنے گا دیکھ لے سرو چمن
اسکی رعنائی سے تو ست اپنی رعنائی ملا

بعد مجنوں کیوں نہ ہوں میں کارفرمائے جنوں
عشق کی سرکار سے ملبوس رسوائی ملا

کیجئے ہمدم بھلا کیونکر نہ شکوہ یار کا
ہم تو بندے اُسکے ہوں وہ یار ہو غیار کا

خانۂ دل کو جلایا اک نگہ سے اُسنے آہ
ہو جیو یا رب بھلا اس چشم آتشبار کا

دیکھکر کل نبض میری یوں لگا کہنے طبیب
کوئی بھی جانبر ہوا بیمار اس آزار کا

صرف کعبہ میں نہ کر اوقات کو ضائع تو شیخ
ڈھونڈ جا کر ہر طرف نقش قدم دلدار کا

اس قدر افسردہ دل کیوں اندنوں ہے آفتاب
دیکھکر ہوتا ہے تجکو تنگ دل گلزار کا

چھیڑنے کا تو مزا یہ ہے کہو اور سُنو
بات میں تم تو خفا ہو گئے لو اور سُنو

آئے جو خواب میں بھی وہ یوسف لقا تو پھر
اے آفتاب دولت دیدار سمجھئے

قطعہ

صبح تو جام سے گزرتی ہے
شب دل آرام سے گزرتی ہے

عاقبت کی خبر خدا جانے
اب تو آرام سے گذرتی ہے

حرص حادثہ برخواست کہ خوارئ ما
داد برباد سر و برگ جہانداری ما

آفتاب فلک رفعت شاہی بودیم
بُرد در شام زوال آہ سیہ کاری ما

چشم ما کندہ شد از جور فلک بہتر شد
کہ نہ بینیم کہ کند غیر جہانداری ما

واد افغاں بچہ شوکت شاہی برباد
کیست جزوات منزہ کہ کند یاری ما

کردہ بودیم گناہے کہ سزا اینش بود
ہست امید کہ بخشند گنہ کاری ما

کرد سی سال نظارت[1] کہ مراد ادبیاد
زود تر یافت تلافئ ستمگاری ما

ناز نینان پریچہرہ کہ ہم دم بودند
نیست جز محل مبارک بہ پرستاری ما

حق طفلان کہ زسی سال فراہم کردند
کرد تاراج نمودند سبکساری ما

عہد و پیماں بمیاں دادہ نمودند وفا
محلباں خوب نمودند وفاداری ما

[1] ناظر مراد از منصر علی خاں ۱۲

قوم افغان[۵۱] و مغلیہ ہمہ بانی دادند — بسکہ گشتند مجوز بہ گرفتاری ما
آن گدا زادۂ ہمداں کہ بدوزخ برود — بانی جور و ستم شد بدل افگاری ما
گل محمد کہ ز مردان بشرارت کم نیست — چہ قدر کرد وکالت بگرفتاری ما
ہم اللہ یار و سلیماں و بدل بیگ یعنی — ہر سہ بستند کمر بہر دل آزاری ما
شاہ تیمور[۵۲] کہ دارد سر نسبت باہن — زود باشد کہ بیاید بمددگاری ما
مادھو جی سیندھیا و ز ندجگر بندبن است — ہست مصروف تلافی ستمگاری ما
راجہ وراؤ ز میندار و امیر و چہ فقیر — حیف باشد کہ نسازند بغم خواری ما
حال ما گشتہ بتر ہمچو اماماں زیزید — کرد تقدیر ازل روزی ما خواری ما
بود جاں کاہ ز وبال جہاں ہمچو مرض — دفع از فضل الٰہی شدہ بیماری ما
آصف الدولہ و انگریز کہ دستور من اند — چہ عجب گر بنمایند مددگاری ما
آفتاب از فلک امروز تباہی دیدی — باز فردا دہد ایزد بہ سر و سرداری ما

آزیں (آفریں) شیخ قلندر بخش ساکن سہارنپور۔ انکا سلسلہ نسب حضرت امام ابوحنیفہ سے ملتا ہے۔ اوائل انیسویں صدی میں پیدا ہوئے تھے۔ عروض و صنائع بدائع شعر سے خوب باخبر تھے چنانچہ ایک رسالہ موسوم بہ تحفۃ الصناعۃ مرتب کیا تھا۔ جملہ اصناف سخن مثل قصیدہ۔ مثنوی۔ غزل پر قادر تھے۔ ۱۸۴۰ء میں جوانی کا عالم تھا۔ کلام کا خلاصہ بھی درج ذیل ہے ؎

نجا چمن میں تو اب آفریں کہ جوں غنچہ — لبوں میں اُسکے نہاں ہے ہمار خندۂ گل
بہت ہیں گرچہ تمہیں اور ناز کرنے کو — بُرے تو ہم بھی نہیں دل نیاز کرنے کو

آگاہ (آگاہ) میر حسن علی نام۔ دہلی کے رہنے والے اور بادشاہی قصہ خواں تھے۔ ان کی جودت طبع اور جدت ذہن مشہور تھی۔ قصہ خوانی کے علاوہ چند اور فنون میں بھی درک رکھتے تھے۔ قصہ خوانی

۵۱ افغان مراد از غلام قادر روہیلہ نمک حرام ۱۲

۵۲ تیمور مراد از تیمور شاہ والی کابل پسر احمد شاہ ابدالی کہ خواہر شاہ عالم در نکاح او بود و زمان شاہ خواہر زادہ۔ شاہ ہند بود ۱۲

میں میر احمد مشہور قصّہ خواں کے شاگرد تھے اس کے ساتھ ساتھ شعر گوئی کا بھی شوق تھا۔ میر ضیاؔ والد ضیاؔ کے شاگرد تھے۔ اپنے زمانے کے خوش رو جوانوں میں شمار ہوتے تھے ۱۸۰۳ء تک زندہ موجود تھے۔ افسوس کہ اُنکا یہ ایک ہی شعر دستیاب ہُوا ؎

ہاں تیغ کھینچ اے بتِ نازک مزاج تُو		مرنے پہ آج یہ بھی گنہ گار گرم ہے

(آگاہ) نور خاں نامی۔ قوم کے افغان اور قصہ خوانی کیا کرتے تھے۔ ضیا کے شاگردوں میں تھے زیادہ حال نہیں معلوم ہُوا یہ دو شعر اُنکی طبیعت کا نمونہ ہیں ؎ آگاہ

حلقۂ چشم میں کیوں آج ہے دم بار کاب		ہے کہاں کا ہمیں در پیش سفر دیکھیں تو
مُنہ دیکھیو اپنا سیکھو ابھی رسم چاہ کی	.	باتیں بنا بنا کے نہ کیجے نباہ کی ؎

(آگاہ) پنڈت جوالا ناتھ خلف پنڈت داتا رام برہمن۔ فارسی شعر بھی کہتے تھے تذکرہ سخن الشعرا مولفہ نساخ کی ترتیب کے وقت آپ کلکتے میں قیام پذیر تھے جسے سنہ ۱۲۹۰ ہجری کا زمانہ سمجھنا چاہیے اس سے زیادہ حال معلوم نہیں ہُوا یہ دو شعر جو اُس تذکرے میں درج تھے وہی نقل کئے جاتے ہیں جن سے طبیعت کی شوخی اور درد ظاہر ہوتا ہے ؎ آگاہ

جان جاتی ہے تڑپتا ہُوں پڑا		دیکھتے کیا ہو تماشا کیا ہے
تیرا دیدار میسر ہو دے		اِس سوا اور تمنا کیا ہے

(آگاہ) نواب سید محمد رضا دہلوی معروف بہ احمد میرزا خاں خلف الصدق سید امیر میرزا ابن نواب معظم الدولہ محمد علی خاں مغفور شاگرد نواب اسد اللہ خاں غالب۔ آپ ۱۸۳۹ء مطابق ۱۲۵۵ ہجری میں بمقام دہلی پیدا ہوئے آپکے جد امجد نواب روشن الدولہ سید مظفر مرحوم محمد شاہ کے دوران سلطنت میں بخشی گری کے عہدے پر ممتاز تھے۔ ایام غدر تک دو موضع صدر پور و رئیس پور ضلع میرٹھ جمعی سات ہزار سالانہ آپکی دادی کی جاگیر میں تھی بعد غدر ضبط سرکار ہوئی

پریشانیٔ غدر میں شدہ شدہ جے پور میں پہونچے اور بسر پرستی مہاراجہ سوائی رام سنگھ کچھواہا جے پور میں سکونت پذیر اور سرکار مہاراجہ سوائی جے پور میں بصیغہ روزینہ داران منسلک ہوئے تا حال اُسی

سرکار فیضرسان کے دعاگو ہیں - گوسن شریف ۰ سال کے قریب ہے، مگر طبیعت اب بھی جوانی کی آن بان دکھائے جاتی ہے - مزاج کی سادگی اور وضع کی پابندی نے شغل سخن کو ذریعہ شہرت بنانے کی انہیں اجازت نہ دی - آپ نے اپنے واجب الاحترام اُستاد سے فارسی کی وہ پیچیدہ بندشیں اور نغز گفتاری حاصل کرنے کے بجائے خیال کی بلند پروازی اور نشست الفاظ کا سلیقہ بہم پہنچایا اور اُس طرز کو پورا پورا نبھایا ہے ✤

جناب محمد سلیم خاں صاحب خستہ حضرت ظہیر اور سید امراؤ مرزا انور کے ہم صحبت و ہم مشرب رہے ہیں ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ غدر سے پہلے شہزادہ مرزا خضر سلطان بہادر خلف ظل سبحانی حضرت ابو ظفر کے مصاحب تھے ✤

حضرت آگاہ سے اُس نواح کے لوگوں کو بہت کچھ فیض پہنچا ہے جسکی وجہ سے علاقہ جے پور میں آپ کا دم غنیمت سمجھا جاتا ہے - دیوان مرتب ہو چکا ہے مگر اشاعت کا خیال نہیں آیا - انتخاب کلام ہدیۂ ناظرین ہے ۵

جھوٹی شراب اُسکی ہوئی قسمت رقیب — اب زہر ہے علاج ہمارے خمار کا
گھر غیر کا ہو راہ میں یہ بھی مری قسمت — لایا تو اُسے جذبۂ محبت کا ہیں تھا
اسی کی یاد میں سب عمر رہنے کاٹی ہائے — جسے خیال ہمارا نہ ایک بار آیا

یہ کس کی چشم مست کا ساقی اثر ہے آج — جو ہے وہ میکدہ میں ترے بیخبر ہے آج
ابر آئے نواے بادہ کشوں توبہ ہے کسکی — توڑو اُسے قفل درِ میخانہ سمجھکر
جلوہ ہر جائی جب اُسکا ہے دوئی بیچ کیسی — کھینچو ایک جگہ دیر و حرم کی تصویر
کاٹیں گے کس امید پہ فرقت کا ہم پہاڑ — شیریں نے جب کئے نہ کبھی کوہکن کے پھول
الفت عجیب شے ہے کہ جب کیجئے خیال — آتے نظر ہیں خار بھی اپنے وطن کے پھول
ایک دم میں فلق ہجر مٹا دیتے ہیں — لب سے جب وہ لب جاں بخش ملا دیتے ہیں
خوگر جور ہیں اتنے کہ دم مشق جفا — جو نہ سوجھے اُسے ہم اور سوجھا دیتے ہیں
جو نگاہیں اُٹھ نہ سکتی تھیں خدا یا شرم سے — بے محابانہ وہ کیونکر دل میں پیکاں ہو گئیں
تکموا اس انداز سے خنجر کف آتا نہ تھا — کیا کہیں کس کس کی جانیں مفت قرباں ہو گئیں

شکر ہو کس سے ادا قاتل کی تیغ تیز کا
موت کی دشواریاں دم بھر میں آساں ہو گئیں

غیر تو انجمن ناز سے ٹلتا ہی نہیں
یہ بھی کیا دم ہے ہمارا کہ نکلتا ہی نہیں

ایک ہم ہیں کہ گھلے جاتے ہیں یوں شمع صفت
اور اک دل ہے تمہارا کہ پگلتا ہی نہیں

تم ہمیں دل سے بھلا دو لاکھ بار
ہم نہ بھولیں گے تمہاری یاد کو

اب کہاں آگاہ غالب سا شفیق
روئیے دل کھول کر اُستاد کو

قہر میں لطف کے آثار خدا خیر کرے
مہرباں وصل میں ہے یا رخدا خیر کرے

غیر سے آنکھ ملتی تو اثر بھی ہوتا
اب تمہاری نگہِ ناز میں رکھا کیا ہے

یہ بھی اک رنگ ہے محبت کا
روئیں ہم اور ہنسا کرے کوئی

(آہ) نام معلوم نہیں۔ خواجہ میر درد علیہ الرحمۃ کے شاگردوں میں تھے یہ تین شعر اُنکے دستیاب ہوئے ہیں آہ

آہ اور نالے کو ہے درد و اثر سے نسبت
جس طرح چشم کو ہوتی ہے بصر سے نسبت

قصد کرتا ہوں جو اُس جا سے کہیں جانے کا
دل یہ کہتا ہے کہ تو جا میں نہیں جانے کا

نہ وہ در کھولتا ہے اور نہ ہم چوکھٹ سے ٹلتے ہیں
یہ راز و ناز کا جھگڑا ہے دیکھو کیونکہ ملتے ہیں

(آہ) شیخ فرید الزماں خاں۔ شیخ وحید الزماں خاں مرحوم کے خلف اکبر ان کا اصل وطن قصبہ بجنور مگر یہ باعث ملازمت دار الریاست رام پور میں قیام پذیر رہے۔ آغاز جوانی میں بطور تفنن طبع شعر و سخن سے مذاق رہا۔ آدمی ذہین اور ذکی تھے۔ فارسی کلام میں قاضی محمد خاں اختر سے اور اُردو میں مولوی ہادی علی اشک سے مشورہ لیتے تھے۔ غدر ۱۸۵۷ء میں سب کلام تلف ہو گیا۔ تذکرہ انتخاب یادگار مرتبہ جناب امیر مینائی کی ترتیب کے وقت ان کی عمر پچاس برس کی تھی۔ اُردو کے دو شعر ان کی یادگار ہیں ؎ آہ

خوب پرزے اُڑائے قاصد کے
میرے نامے کا یہ جواب آیا

بعد مُردن بھی ہُوا رنج کا باعث میں آہ
ذبح کے بعد مرے روتا ہے صیاد مجھے

(آہ) منشی میر اکبر علی خاں لکھنوی ولد سید ولایت علی خاں بن محمد حسین خاں مخاطب بہ مرصع رقم خاں آہ

صاحب دیوان گزرے ہیں - اپنے رنگ میں اچھا کہتے تھے - تذکرۂ سخن الشعرا کی ترتیب کے وقت زندہ تھے یہ اُنہیں کا شعر ہے شعر

اس قدر رویا ہوں خوں میں یاد چشمِ مست میں	ہیں حنائی پنجۂ مژگانِ ترکی انگلیاں

آہ (آہ) مولوی محمد عبدالعزیز ملازم محکمۂ بندوبست ریاست بھوپال - امیر مینائی کے شاگرد ہیں - کلام درج ذیل ہے ؎

ابرو کی طرح کاٹ مزہ کر نہیں سکتی	تلوار کا دے کام سناں ہو نہیں سکتا
یہ کہہ رہی ہیں وصل میں آنکھوں کی شوخیاں	کیسا لحاظ اب نگہِ شرمسار کا ؂
ڈر تھا کہ وصل میں کوئی جوبن نہ لوٹ لے	پہرہ بٹھا دیا نگہِ شرمسار کا

خون سے میرے کبھی اُسکی پیاس	تیغ قاتل پہ ہے احساں میرا
مجھکو غش آیا تو ہنس کر بولے	اور دیکھو رخِ تاباں میرا

آہ (آہ) منشی ممتاز علی ولد منشی سخاوت علی رئیس قصبۂ ایٹھی - فی الحال ڈونگر گڑھ میں بعہدۂ تحصیلداری ممتاز ہیں - ۴۰ - ۴۵ سال کے قریب عمر ہے - انکی تعلیم و تربیت ارباب ثروت کی طرح بہت اچھی ہوئی - مذاق سخن بزرگوں سے ورثے میں ملا - طبیعت رسا واقع ہوئی آغاز مشق ہی میں چبھتے ہوئے شعر کہنے لگے - جب سے امیر مینائی کی شاگردی اختیار کی سونے میں سُہاگہ ہو گیا - اُستاد سے فیض حاصل کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا - رام پور میں عرصہ تک دفتر امیر اللغات کے سکرٹری بھی رہے پہلی جلد پوری اور دوسری جلد کا ایک حصہ انہیں کے اہتمام سے شائع ہوا - اسوقت امیر مینائی کے مشہور شاگردوں میں ان کو بھی امتیازی نمبر حاصل ہے - ترتیب دیوان کا ابھی تک خیال نہیں آیا مگر متفرق غزلیں اور منتخب اشعار لوگوں کی زبان پر چڑھے ہوئے ہیں - اشعار انتخاباً یہاں بھی درج کئے جاتے ہیں ؎

جلانا مارنا کیا مجھ حزیں کا	کرشمہ ہے تمہاری ہاں نہیں کا
اُڑائی خاک دشت میں بیانک	بنایا آسماں ہمنے زمیں کا
معرفت سے قصۂ غم مختصر ہو جائے گا	جو خبر پائے گا اُسکی بیخبر ہو جائے گا

بحرِ ہستی میں مری ہستی ہے مانندِ حباب
جب کھلے گی آنکھ دنیا سے سفر ہو جائیگا

بھرتا ہوں دم انہیں کا کچھ اپنا نہیں خیال
وہ دل کو کیا مجھے بھی ملائے ہوئے سے ہیں

خدا ان کی جدائی کا نہ دے داغ
میں زخموں کو لگائے ہوں جگر سے

شانِ رحمت دیکھ کر زاہد کو پچھتانا پڑا
کیا مزا ہے پینے پر اسکو پشیمانی ہوئی

تیری تصویر کی شوخی ہے کہتی
کہ مجھ میں جانِ عاشق کی پڑی ہے

یہ زاہد جیتے جی ہی مر گئے ہیں
کہ ان کی جان جنت میں پڑی ہے

بلبے دعویٰ لیکے دل اُٹھتا ہے جو اُس بزم سے
چٹونیں کہتی ہیں پھر آؤ گے پچھتاتے ہوئے

قطعہ

خدایا رقیب اب کسے میں کہوں
اُنہیں آپ اپنی ادا بھا گئی

جفا پر ان سے کوئی لاکھ روٹھے
مگر جب وہ منانے کی نظر سے

گلے میں مسکرا کر ڈالدیں ہاتھ
بھلا پھر ضبط کیونکر ہو بشر سے

کہتی ہے شوخی نظر گہری پڑی عشاق پر
شرم سکھلاتی ہے چتون اور شرمائی ہوئی

تو اور اُس در پہ مری خاک بھلا رہنے دے
کیوں اُڑاتی ہے مجھے بادِ صبا رہنے دے

لوٹا ہے اُس نگاہ نے ملکر نگاہ سے
چوری گیا ہے دل انہیں آنکھوں کی راہ سے

آنکھوں میں رکھ لیا تجھے دل میں بٹھا لیا
ہم تجھ کو لے کے اُٹھے تری جلوہ گاہ سے

غل ہو گیا کہ ایسا گنہ گار بچ گیا
رحمت کی دھوم ہو گئی میرے گناہ سے

ہٹ گیا آنچل تو غمزے نے کہا چل دور ہو
تو نے کی اور تجھ سے جوبن کی نگہبانی ہوئی

رباعی

سرکار سے جو تجھے ملا دیتا ہے
نادان اپنی گرہ سے کیا دیتا ہے

ملتی ہے تجھے مفت میں دولت یعنی
لیتا ہے دعائیں تو خدا دیتا ہے

گر پڑی تیغ دستِ قاتل سے
لڑ گئی آنکھ چشمِ بسمل سے

کوئی جیسے پناہ لے آکر
تیر لپٹا ہوا ہے یوں دل سے

ملیں آنکھیں ترا زد ہو گیا تیرِ نظر اُس کا
کوئی جیسے بتا دیتا ہے ظالم کو کہ یہ دل ہے

نگاہ یاس کے ہاتھوں دگرگوں ہوگئی حالت		جو سبل تھا وہ قاتل ہے جو قاتل تھا وہ سبل ہے
کیا ہے کیسا کیسا پیار مجھ پر بھی جی نہیں بھرتا	\	وہ بھولی بھولی صورت دل میں کھب لینے کے قابل ہے
سلامت چاہنے والے رہیں پھر پاؤں کیوں رکھے		اِدھر زیر قدم دل ہے اُدھر زیر قدم دل ہے
یہ تم کیا جانو کیوں راتوں کو نالے آہ کرتے ہیں	.	تمہارے سینہ میں پتھر ہمارے سینہ میں دل ہے

آہ

(آہ) منشی غلام یٰسین نام ہے اور ابو نصر کنیت - اصل وطن دہلی ہے - مگر عرصے سے کلکتے میں مقیم ہیں - جوانی کے ساتھ طبیعت میں بھی نہایت شوخی اور رنگینی پائی جاتی ہے - عربی فارسی میں اچھی قابلیت ہے چنانچہ فنون مختلفہ میں انکے اکثر مضامین رسالہ زمانہ وغیرہ میں شایع ہوتے رہتے ہیں جن سے اِن کی قابلیت کا اندازہ ہوسکتا ہے - اِس وقت اخباری دنیا میں خاصی شہرت ہے - کلکتے سے ایک رسالہ بھی الصدق نامی شائع کیا تھا - ایک مرتبہ حیدرآباد دکن بھی گئے تھے - مگر بے نیل مرام واپس آئے - نثر کے علاوہ نظم میں بھی خاصی دستگاہ ہے - جدت شوخی اور طرز بیاں قابل تعریف ہے - فن سخن میں حضرت داغ دہلوی مرحوم سے اصلاح لی ہے - انتخاب کلام حاضر ہے ؎

کیا کہوں خنجر اُٹھایا اسنے کس انداز سے		مرنے والا قتل سے پہلے ہی بسمل ہو گیا
تپ عشق کی آگ بھڑکی ہوئی ہے		مجھے بھی جلا بیگی دل کو جلا کر
اب نہ وہ جوش جوانی ہے نہ داغوں کی بہار		صبح پیری آئی بجھتے ہیں چراغ شام عشق
چارہ گر چپکے سے کیا پڑھ کے دوا دیتے ہیں		کوستے ہیں مجھے ظالم کہ دعا دیتے ہیں
ہم فقیروں کو بھی کچھ حسن کی خیرات ملے	.	جن کو دیتا ہے خدا راہ خدا دیتے ہیں
کیوں کروں میں خلش خار تمنا کا علاج		یہ کھٹکتے ہوئے کانٹے تو مزا دیتے ہیں
رو برو کی چوٹ ہے وہ بھی بڑا بیباک ہے		دیکھئے صاحب دم تزئیں سنبھل کر آئینہ
موج زن اِک نور کا دریا نظر آیا مجھے		آگیا جس وقت اس رُخ کے برابر آئینہ

اسراف کی دُھوم ہر کہیں ہے	قطعہ	پابندی رسم دلنشیں ہے

اور اِسکا نہیں خیال دل میں		اب گھر میں ہمارے کچھ نہیں ہے	
اب تو سیدھی کیجئے ترچھی نگاہ		سینکڑوں ٹکڑے جگر کے ہو چکے	
سر قبر ٹھوکر لگاتے ہوئے		چلو سوتی قسمت جگاتے ہوئے	
کبھی وہ جان کا دشمن وہ قاتل یاد آتا ہے		کبھی پہلوئے خالی دیکھکر دل یاد آتا ہے	
کبھی جس دل کو ظالم دمبدم تو یاد آتا تھا		اب اپنا ہمکو وہ آیا ہوا دل یاد آتا ہے	
ہماری بیگناہی پوچھتی رہتی ہے قاتل سے		کبھی تمکو کوئی ناکام بسمل یاد آتا ہے	
اثر کیونکر رہے کچھ دیر ناصح کی نصیحت کا		مزاج اپنا ہے رندانہ طبیعت لاابالی ہے	
یہ کس نے اپنے پیارے نخوں سے چٹکیاں لی ہیں		کہ دل میں جو نشانِ زخم باقی ہے ہلالی ہے	

(آہ) لالہ رام کشن باشندہ لکھنؤ۔ منشی جے نرائن اثر لکھنوی کے شاگرد اور عزیز ہیں چند سال ہوئے کہ عین عالمِ شباب میں رہگرائے عالمِ بقا ہوئے ؎ آہ

دل مرا لے کر ادا سے یار بولی ناز سے		بیوفا تھا کھو گیا جاتا رہا جانے بھی دو +	
سانس بسمل میں بھی تو باقی نہیں کیا فکر ہے		دم اگر تلوار کا جاتا رہا جانے بھی دو	
بناہ الفت کا ان دو نازکوں میں سخت مشکل ہے		ادھر نازک مزاجِ یار اُدھر نازک مرا دل ہے	
وہ کہتا ہے میں توڑوں گا میں کہتا ہوں کہ مت توڑ		وہ کہتا ہے کہ ہونہہ ہے میں کہتا ہوں مرا دل ہے	
ہمارے وصل کا وعدہ پڑا ہے سخت جھگڑے میں		جوانی کہتی ہے آساں حیا کہتی ہے مشکل ہے	

(آہ) منشی سید یعقوب علی لکھنوی۔ شاگرد مولوی سید محمد اصطفےٰ خورشید مالک رسالہ انتخاب لکھنؤ۔ اسی رسالے کے دفتر میں ملازمت بھی کر چکے ہیں۔ کلام کا خلاصہ حاضر ہے ؎ آہ

شکوۂ بیداد بھی کرتا نہیں ہوں اب تو میں		کچھ تو ان باتوں سے وہ بت مہرباں ہو جائیگا	
جان و دل حاضر ہیں لیجے بوسے دیتے جائیے		دل ہی دل میں کچھ حسابِ دوستاں ہو جائیگا	
نہ چین آیا نہ تم آئے اور نہ موت آئی		شبِ فراق نے کس کس کا انتظار کیا	
حالِ طولِ شبِ فراق نہ پوچھ		مر گئے ہم مگر سحر نہ ہوئی	

جب اُن سے دل کا حال بیاں ہی نہ کر سکیں
بیکار پھر زبان ہمارے دہن میں ہے

حشر میں تم ملو سوا اس کے
اور مرنے کا مدعا کیا ہے

آہی

(آہی) - میر عبدالرحمٰن خلف ارشد ناظم پرگنہ میرٹھ تلسکین - شاگرد دوبرادر زادۂ حکیم مومن خاں مومن درسیہ کتابیں مولوی امام بخش صہبائی سے دیکھی تھیں - مبتدی کے فن میں مہارت کامل رکھتے اور سرکار رام پور سے وظیفہ پاتے تھے - عربی و فارسی کی تحصیل عالمانہ درجے تک پہنچی ہوئی تھی - صاحب مذاق سلیم سخن فہم بے نظیر - بڑے طباع - خلیق - ملنسار اور زندہ دل لوگوں میں تھے - مومن مرحوم نے انہیں متبنیٰ کر لیا تھا - عزیز آبادی بیگم کی حویلی میں جو مشاعرے قدر بعد ہوئے تھے اُن میں آپ میر مشاعرہ تھے - وہیں یہ مصرع طرح ہوا تھا مصرعہ

گر شوق بڑھ گیا تو گھٹایا نہ جائے گا

یہ امر خاص کر قابل ذکر ہے کہ اکثر سخن سنجان گرامی کے زعم میں ان جیسا سخن فہم کوئی کم ہوا ہوگا ۱۸۵۷ء کے قریب انتقال فرمایا انتخاب کلام درج ذیل ہے ؎

دیکھا تھا اگر اسکو ہم بزم رقیبوں سے
تو چاہیے تھا قاصد جیتا نہ پھرا ہوتا

ہے غلط وہ جو مرکہ نکلا تھا وہ گھر سے باہر
شہر میں چاک کسی کا تو گریباں ہوتا

تمہارے حسن میں گرمی کہاں سے ہے
اگر ہو وے تو وابستہ قبا ہو

مژدہ اے شوق تپیدن خلق میں ہے آج دھوم
زہر میں خنجر کو وہ اپنے بجھا کر لے گئے

اُٹھ کہیں ہے آمد آمد اس ستمگر کی واں
اہل محشر مجھکو یہ مژدہ سُنا کر لے گئے

واعظ خلد سے لا خانۂ خمار میں رکھ
قدرواں مے کی ہے جس جا کوئی میخوار ہے

سب کو خبر ہوئی مرے حال تباہ کی
اُٹھ جائے گی جہان سے اب رسم چاہ کی +

شکوہ کہاں کا کیسا گلہ جی مچل گیا
شرما کے یار نے جو ہیں نیچی نگاہ کی +

کچھ تمہیں بھی خبر ہے آہی کی +
لوگ کہتے ہیں مر گئے کب کے

کھل گیا دروازۂ جنت بھی اپنی گور میں
پر دل وحشی یہ کہتا ہے بیاباں چاہیے

دل لئے جاتی ہیں حوریں نزع میں لے بھلو	سامنے رکھنی مرے تصویر جاناں چاہئے

آہی

(آہی) آنریبل ڈاکٹر سید احمد خاں بہادر المخاطب بہ جواد الدولہ عارف جنگ - کے - سی ایس - آئی - ایل ایل ڈی - بانی محمڈن اینگلو اورینٹل کالج علیگڈھ - عزیز الدین عالمگیر ثانی کے دربار سے انکے دادا میر ہادی کو منصب ہزاری ذات پانسو سوار اور خطاب جواد الدولہ جواد علی خاں مرحمت ہوا اور اُنکے بعد بھی یہی خطاب انکے والد سید محمد تقی خاں کو بحال رہا - انکے نانا خواجہ فرید الدین احمد خاں بہادر دبیر الدولہ امین الملک مصلح جنگ پہلے سرکار کمپنی سے شایستہ توسل رکھتے اور شاہ ایران کی سفارت پر مامور ہوئے تھے - اُنھوں نے اپنے حسن تدبیر سے بڑی بڑی مہمیں سر کی تھیں - ایک مدت کے بعد دہلی میں آکر اکبر شاہ ثانی کے وزیر ہوئے - اوپر کا حال تذکرۂ گلستان سخن مولفہ مرزا صابر سے لیا گیا ہے اور یہی امر اس بیان کی تصدیق کے واسطے کافی ہے گو مخالف کچھ ہی کہا کریں ٭

سید احمد خاں ۱۷ - اکتوبر ۱۸۱۷ء کو دہلی میں پیدا ہوئے - علوم رسمیہ کی تحصیل کے بعد سرکار انگلشیہ کی ملازمت اختیار کی - اور سررشتہ داری سے ترقی کرکے اپنے وطن ہی میں ایک مدت تک منصفی کے عہدے پر ممتاز دادگستری و انصاف کی وجہ سے خاص و عام میں نیک نام رہے - دہلی کے بعد کچھ دنوں فتح پور سیکری میں اسی عہدے پر کام کیا - غدر ۱۸۵۷ء کے زمانے میں سید بجنور کے منصف تھے - ۱۸۵۹ء میں دوران قیام مراد آباد میں ایک رسالہ "اسباب بغاوت ہند" چھپوایا - جس میں اُنھوں نے غدر ۱۸۵۷ء کی بغاوت کے صحیح وجوہ دکھائے تھے - غازی پور - بنارس اور دیگر مقامات میں بھی وقتاً فوقتاً سب ججی کے عہدۂ جلیلہ کے فرائض کو انجام دیتے رہے یکم اپریل ۱۸۶۹ء کو بنارس سے ولایت روانہ ہوئے - اور اپنے دونو صاحبزادوں سید حامد اور سید محمود کو بغرض تکمیل تعلیم وہاں چھوڑ کر اکتوبر ۱۸۷۰ء میں ہندوستان واپس آگئے - ولایت سے واپسی کے بعد ۲ مئی ۱۸۷۵ء کو علی گڈھ میں مدرسۃ العلوم کی بنیاد ڈالی ۱۸۷۶ء میں پنشن لے کر اپنی زندگی کو اپنی قوم کے لئے وقف کر دیا - آج علمی دنیا میں سید کے کارناموں سے

ہر فرد بشر واقف ہے - مسلمانوں میں نئی تہذیب اور مغربی علوم کا پھیلانے والا اگر کوئی شخص ہو سکتا ہے تو وہ سرسید ہی ہے - انکی مفصل اور مکمل لائف شمس العلما مولنا حالی نے لکھی ہے اور وہ چھپ گئی ہے یہاں صرف مختصر حالات قلمبند کر دئے ہیں +

تذکرۃ الشعرا میں سرسید کا ذکر کرنا لوگوں کو تعجب میں ڈالنا ہے - مگر بات یہ ہے کہ اُنکے ابتدائی زمانے میں عموماً تمام ملک کے شرفا اور خصوصاً دلّی کا بچہ بچہ مذاقِ سخن سے لذت یاب تھا - اُس زمانے کا یہ ایک عام مشغلہ تھا کہ ضروری تعلیم کی تکمیل کے بعد اکثر تفنّنِ طبع کے لئے اس مشغلہ کو اختیار کر لیتے تھے جنکا کلام اچھا ہوتا تھا وہ قلعہ تک پہنچکر شاہی رسوخ حاصل کرتے تھے - سرسید کے ابتدائی زمانے میں - جناب صہبائی - غالب - ذوق - مومن - شیفتہ - آزردہ - جیسے باکمال اساتذہ موجود تھے - مہینے میں دو ایک مرتبہ مشاعرے بھی ہوتے رہتے تھے - ایسی حالت میں اور خاص کر ان لوگوں کی صحبت میں رہ کر کیوں نہ شعر گوئی کا شوق ہوتا بہرحال سرسید نے اُسی زمانے میں کبھی کبھی اس مشغلے سے اپنا جی بہلایا ہے - مگر چونکہ بہت جلد سرکاری ملازمت کی وجہ سے دہلی کو خیرباد کہنا اور ملکی مشاغل میں منہمک رہنا پڑا اس سبب سے اس لایعنی - مشغلے سے نجات پائی - انکے اشعار کی ٹھیک تعداد نہیں معلوم ہو سکتی - جسکی وجہ یہ ہے کہ سرسید نے جو کچھ لکھا نہ تو اُسے جمع کیا اور نہ اُسکے چھپوانے کا شوق ہوا - ہم نے اس تذکرے میں جتنے شاعروں کے زمرہ میں انکا ذکر کر دیا ہے ورنہ وہ تو اس شعر کے مصداق ہیں ؎

حاشا کہ فخر از ہنر شاعری کنیم		مقصود فضل ماست کمالِ ہنروری	

سرسید کی تصانیف سے سلسلۃ الملوک - آثار الصنادید - اسباب بغاوت ہند - خطبات احمدیہ تفسیر القرآن - اور سینکڑوں مضامین مفید یادگار ہیں - سرسید نے اپنی یادگار میں صرف اُس عالیشان کالج ہی کو نہیں چھوڑا جس کی اُنہوں نے بنیاد ڈالی بلکہ ایک قومی کالج کی زندہ اور زندہ کن طاقت، اُس کے تعلیم یافتہ گروہ کی اعلیٰ تربیت حب الوطنی اور سب سے بڑھ کر اُن کی اخلاقی حالت اُس ریفارمر کی زندہ جاوید یادگار ہے - آپکے بڑے صاحبزادے سید حامد صاحب ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ

پولیس کا آپ کی حیات ہی میں انتقال ہو گیا تھا - دوسرے صاحبزادے آنریبل جسٹس سید محمود بڑے نامور بیرسٹر اور الہ آباد ہائی کورٹ کے جج تھے ۔

سید ۲۴ - مارچ ۱۸۹۸ء کو بعارضہ اصتباسِ بول علیل ہوئے اور آخر اسی عارضے میں ۲۷ - مارچ ۱۸۹۸ء بمقام علی گڈھ - ۸۱ برس کی عمر میں انتقال فرمایا - اور اپنے قائم کئے ہوئے کالج کی مسجد کے بیرونی حصے میں دفن ہوئے - ایک شعر انگار دستیاب ہوا وہ ہدیۂ ناظرین ہے ؎

ہزار حیف کہ عمر اپنی مفت صرف ہوئی	نہ کچھ خدا کی عبادت کی نے بتوں کی چاہ

آہی

(آہی) مرزا محمد داؤد خاں نام - اور نواب سید محمد زکریا خاں صاحب زکی کے تلمیذ باتمیز ہیں جو نواب اسد اللہ خاں غالب کے شاگرد رشید تھے - آپ نواب مولوی عطاؤ اللہ خاں بہادر مستقیم جنگ رئیس دہلی کے پوتے ہیں سلسلۂ نسب نواب شرف الدین محمد خاں بہادر بخشی الملک اور نواب حسام الدولہ حسام الدین خاں بہادر وزیر شاہ عالم بادشاہ سے ملتا ہے جو دہلی میں ایک موقر خاندان مانا جاتا ہے طبیعت میں روانی ہے - کلام میں صفائی اور دلچسپی - صاحب دیوان اور فی الحال وارد حیدر آباد دکن ہیں - کلام ہدیۂ ناظرین ہے ؎

سجدے کل پاؤں پر اُس بت کے دم رخصت تھے	آج آہی تمہیں دعوے ہے مسلمانی کا
اُس کا کہیں جو خواب میں دیدار ہو گیا	یوسف متاعِ جاں سے خریدار ہو گیا

مسیحائی نہیں کرتے ترے لب	ترا بیمار مر جائے تو اچھا
وہ ہمسے پوچھتے ہیں چھیڑ کر کہ اے آہی	کہو گزرتی ہے اب کسطرح تمہاری رات
نہ ہے وصل ممکن نہ ہے صبر ہمدم	بتا تو ہی پھر زندگانی کی صورت
ہوئی خود ہی نقاشِ قدرت کو حیرت	بنا کر مرے یار جانی کی صورت
ٹھوکریں کھاتی ہے محشر میں قیامت کیا کیا	اُس ستمگر کی جو ہے شوخیٔ رفتار پسند
آہی وصال میں بھی رکھا اُسنے تلخ کام	یہ کہہ کے بار بار کہ جاتے ہیں گھر کو ہم
ان مریضوں میں ہیں ہم چارہ گرد	درد دل کو جو دوا کہتے ہیں

اسکا جلوہ وداع طاقت ہے — دیکھ اے ہنشیں سنبھال ہمیں
زندگانی تھی جس کو سمجھے موت — مر کے حاصل ہوا وصال ہمیں
کسطرح سیر چمن سے دل غمگین وا ہو — خواہش اُس گل کی ہے مجھکو گلستانمیں نہیں
تیرے ہم صدقے برنہ پائی — خار صحرا کے مزا دیتے ہیں
مٹ بخاؤں کیوں نہ ہو جاؤں فدا — جب تجھے دیکھا ئی اک آن میں

اسلئے بند کئے آنکھ پڑے رہتے ہیں — کہ کہیں مُنہ نہ دکھائے شب ہجراں ہمکو
منتظر یار کی ٹھوکر کا پڑا ہوں میں تو — دیکھو اے حضرت عیسےٰ نکھو قم مجھکو
دیکھکر اُس کو ہوئے حضرت موسیٰ بیخود — آنکھ آپ اُس سے ملائینگے ادھر دیکھیں تو

کعبہ کارہا نہ دیر کا وہ — جس دل نے تمہاری آرزو کی
بتوں کو کیا فائدہ ہمکو ستاکر — کہ آخر ہم بھی بندے ہیں خدا کے

طلب بوسہ پہ جھنجلا کے وہ بولے آہی — کیوں اجل آئی تری کیوں تری شامت آئی
کچھ مے کشی کا ہمکو نہ چسکا تھا واعظو — خوبی یہ سارے آپکے حسن بیاں کی ہے
اہل حرم نرد کعبے جانے سے دیر کے — لیجائیں گے وہیں مری مٹی جہاں کی ہے
کوئی دن کی ہے رونق باغ عالم — تو کیا شاد اے باغباں ہو رہا ہے
فغان الم ہے یہ ہے بھول تیری — کہ مرغ چمن نغمہ خواں ہو رہا ہے
مسلماں کعبہ سمجھے ہیں برہمن بتکدہ سمجھے — خدا جانے بنائی یار نے تربت کہاں میری
شور رستاخیز با مال خرام ناز ہے — فتنۂ محشر ہیں اسکی ٹھوکریں کھائے ہوئے

ابہدی (ابجدی) ایک پرانے گم نام شاعر کا تخلص ہے - انکا دیوان دکھنی زبان میں تھا - لیکن اُردو زبان سے مشابہت رکھتا تھا تذکرۂ شعرائے ہند مرتبہ مسٹر ایف فیلقن صاحب بہادر میں ان کا حال تحریر ہے جسکا خلاصہ یہاں درج کیا جاتا ہے - وہ لکھتے ہیں بقول شکسپیر یہ شاعر بمبئی کے قریب ایسے مقام میں رہتا تھا جہاں کی زبان آگرے اور دلی کی بول چال سے مشابہ ہے -

اُسکا دیوان میری نظر سے نہیں گزرا- یہ حال تذکرہ گارسین ڈی ٹیسی سے لکھا گیا- اِس شخص کا دیوان موسوم بہ "دیوانِ ابجدی" ولایت کے سرکاری کتب خانہ میں موجود ہے- اسوجہ سے اُسکے اشعار کا انتخاب متعذر ہُوا کہ وہ یہاں مفقود ہے ؛

ابد (ابد) نواب فیض اللہ خاں خلف نواب عبداللہ خاں نبیرۂ نواب بہادر خاں رئیس قلعہ شاہ جہاں لکھنؤ نہایت صاحب مروت-حلیم-شجاع-خلیق اور ذی حوصلہ امیر تھے- اہلِ کمال کی عموماً اور شعرا کی خصوصاً بڑی ہی قدردانی فرماتے اور خود بھی شاعری میں اچھا مذاق رکھتے تھے- ایک رسالہ رسمِ خط میں بہت اچھا لکھا تھا- قدرت اللہ شوق کے تذکرے کی ترتیب کے وقت ابد کا عالمِ شباب تھا- فن شعر میں نثار اور مرزا مظہر سے مشورہ لیا کرتے تھے ؎

سر کو ٹھکرائے کے سرد رد کو پوچھا میرے	آج ایسی ملی ہے لذتِ بیداد کہ بس

کچھ تو کہو رحم آنسوؤں پر یار	لوٹتے ہیں زمین پر بالک
تو دل کو چاہتا ہے کہ باتوں میں دیوے مول	سودا نہو گا زلف کی اپنی گرہ تو کھول
احوال فراق اے قلم لکھ	گر بیش نہ لکھ سکے تو کم لکھ

ابر (ابر) منشی سید تفضل حسین نام- میر مظفر علی اسیر کے شاگردوں میں تھے اس سے زیادہ حال معلوم نہیں کلام موجود ہے ؎

جس سے کہ فیض خلق کو ملتا تھا اے فلک	وہ ہاتھ خشک ہے صفتِ پشتِ خار آج
گلگشت میں جو ساتھ وہ نازک بدن نہیں	جتنے ہیں گُل نظر میں ہمارے ہیں خار آج
انساں کو ہے مصاحبِ بد سے کمال رنج	دیتا ہے پڑ کے آنکھ میں مژگاں کا بال رنج

ابر (ابر) حکیم منشی سید علی محسن خاں نقوی خلف حکیم سید محمد نقی خاں صبا ابن سید محمد عرف میرن صاحب لکھنوی- شوق سخن ۱۸ سال کی عمر سے دامنگیر ہُوا اسلئے تکمیل علوم کی نوبت نہ آئی اسوقت ۱۹۰۶ء میں ۴۸ سال کی عمر ہے- شیخ محمد جان صاحب شاد پیر و مرشد مرحوم کے تلمذ سے بہرہ یاب ہیں اور فی الحقیقت شاگرد رشید ہیں چنانچہ اُنکا دیوان بھی چھپوا کر حق شاگردی ادا کر دیا ہے

کئی سال سے معیار انکے اہتمام سے نکلتا ہے - جو اشعار درج کئے جاتے ہیں اُن سے خوش کلامی ٹپکتی ہے ؎

قبر میں جاتے ہیں شاید رنج سے راحت ملے
اس زمیں سے دُور کچھ تو آسماں ہو جائے گا

حالت مری کہتی ہے کہ موت آئے شبِ ہجر
قسمت مری کہتی ہے ابھی دردِ جگر اور

جی بھر کے انہیں وصل میں دیکھا نہ اسی سے
جُھک جائے نہ زانو پہ کہیں سر غرم سے سرکور

میں بھی غم دوست ہوں یہ دل بھی ہے دیوانۂ غم
نیند آجائے جو چھیڑے کوئی افسانۂ غم

دل مردہ کا ہے ہر عضو بدن ماتم دار
چار دیوار عناصر ہے عزاخانۂ غم

شمع کی خاک نہ برباد کرے بادِ سحر
ذرّے ذرّے میں نہاں ہے پریخانۂ غم

انکی تصویر لئے ہاتھ میں یہ کہتا ہوں
تُو نے چُپ رہ کے بنایا مجھے دیوانۂ غم

کمسن ہیں انہیں تیر لگانے کی خوشی ہے
کچھ اِس سے نہیں کام یہ دل ہے کہ جگر ہے

اُن سے کہدو جو ہیں ہر بات سے ڈرنیوالے
آپ ہٹ جائیں تو مر جائیں یہ مرنے والے

خونِ ناحق کا تو محشر میں کیا تھا دعوے
کیا کروں میں جو مکر جائیں مکرنے والے

ہے زیست کی مدت کا شمار اپنے نفس پر
جھونکے یہ ہوا کے ہمیں برباد کریں گے

ابر

(ابر) منشی واحد علی - پنشنکار مدار المہام ریاست رام پور رہیگھنڈ - جناب امیر مینائی کے شاگردوں میں نہایت خوش مذاق - اور خوش کلام شاعر ہیں - ان کی متانت و سنجیدگی کے لحاظ سے ان کی نازک خیالی عظمت و وقعت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے - اہل سخن ان کے کلام کی جسقدر ستایش کریں موزوں ہے - طرز بیان بہت ہی دلچسپ ہے کوئی شعر لطافت و متانت سے خالی نہیں - پاکیزہ الفاظ کی تلاش اور خاص موقع وصل پر انکا برتاؤ قابلیت کے کمال کی داد دیتا ہے انتخاب کلام ملاحظہ ہو ؎

مقرر بلا سر پہ لائے گی کونی
تری زلف پیچاں پریشان ہو کر

جو ہونا تھا وہ ہو چکا وصل کی شب
پشیماں نکلا ب پشیمان ہو کر

ہمکو اندازۂ تاثیر دعا ہے معلوم *
کچھ تو ہے بات جو ہم ہاتھ اُٹھاتے ہی نہیں

پاک دامن ہو تو یہ خون کا دھبّا کیسا
مُنکرِ قتل بھی ہو اسکو چھڑاتے بھی نہیں

بجھ شکستہ دل کی طرز داد خواہی ہو جدا
جو صدا نکلے شکستِ رنگ سے فریاد ہو

جی لگا کر پھر سنوں گا حرمتے کا بیاں
شیخ جی دو گھونٹ پی لوں میں تو پھر ارشاد ہو

شرم اے جذبِ محبت ورنہ آکر وہ پھرے
کچھ کرامت تجھ میں گر ہوتی تو آکر بیٹھتے

ان کے دل میں چٹکیاں لیتی تھی یادِ عہدِ غیر
میری خواہش بھی کوئی خواہش تھی کیونکر بیٹھتے

حلق پر تیغ ہے وہ سینے پر — قابلِ ناز گنہ گاری ہے
کہنے کو تیغ ہوائی ہے نظر — زخمِ ظالم کا مگر کاری ہے

مفت دل ملتا ہے اور اُسپر بھی — نہ پسند آئے تو ناچاری ہے
پروانہ عجز کی نہ اُنہیں التجا کی ہے — بت بے نیاز بنگئے قدرت خدا کی ہے

جائیگی جان بھی جو یہ صورت ادا کی ہے — آنا نہیں ہے اُنکا یہ آمد قضا کی ہے
نظارہ سوز ہو تو عجب کا مقام کیا — گرمیٔ حسن دیکھتے ہو کس بلا کی ہے

کس بیکسی سے تکتے ہیں منہ داد خواہ کا — اک اک گھڑی پہاڑ انہیں روز جزا کی ہے

آئینہ دیکھا بڑی تم نے یہ نادانی ہوئی — شانِ یکتائی ہم آغوشِ پشیمانی ہوئی
دستِ وحشت سے اڑیں جب پیرہن کی دھجیاں — خاکِ غربت پردہ دارِ شرمِ عریانی ہوئی
نگاہِ شوق جب حدِ ادب سے بڑھ کے نازاں ہے — چھری چین جبیں نے کھا کے بل مجھپر نکالی ہے

بوجھ تلوار کا اور تیری کمر — اُس کو تو تارِ نظر بھاری ہے

(ابر) منشی غلام دستگیر حیدرآبادی - مولانا محمد کاظم شیفتہ کے شاگرد ہیں - گو موجودہ زمانہ کے شعرا میں ہیں مگر زیادہ حال معلوم نہیں ہوا - یہ اُنکا کلام ہے ۵

آجائے جسم عاشقِ مضطر میں جاں کہیں — صاحب ہلائیے لبِ معجز بیاں کہیں
اُٹھیں گھٹائیں ابر کا دل بیقرار ہے — اب جلد پیرِ میکدہ کھولے دُکاں کہیں
اب خدا حافظ ہے جانِ بلبلِ ناشاد کا — پتہ پتہ پر نظر ہے آج کل صیاد کی

سخت جاں جیسا ہوں میں ویسا ہی قاتل ناز نیں
کس طرح نکلے وہ ارماں قتل کا جو دل میں ہے

زندگی میں داغ کیونکر چھٹے گی مے کشی
الفت بنت العنب رندوں کی آب و گل میں ہے

ابر (ابر) منشی بلدیو پرشاد - در ما - فتح پور ہنسوے کے رہنے والے ہیں - حضرت داغ دہلوی کے شاگرد اور مولانا احمد حسن شوکت میرٹھی کے معتقد ہیں - نمونۂ کلام ملاحظہ ہو ؎

۱

شرگیں آنکھیں ہیں کیا جادو بھری
جس کو دیکھا اک نظر وہ مر گیا

تیغ ابرو نے کیا مجھ کو حلال
کون کہتا ہے قضا سے مر گیا

ہے کہاں امید کی دل میں جگہ
حسرت داراں سے یہ گھر بھر گیا

تمہیں پر پہلے دل پھر جاں جائے ہے
ہماری ابتدا تم ہو ہماری انتہا تم ہو

دو دن کی بہار ہے نمو ہے
بلبل کی ندا یہ چار سو ہے

ابر (ابر) پنڈت بشن نرائن صاحب در کشمیری لکھنوی بیرسٹر ایٹ لا - زبان انگریزی میں ید طولےٰ رکھتے ہیں - پولٹیکل معاملات میں ساعی جمیلہ فرمانے کے سبب ہندوستان کے ممتاز اور برگزیدہ اہل الرائے مشاہیر کے طبقے میں انکا نام بھی عزت سے لیا جاتا ہے - انگریزی زبان میں سنجیدہ مضامین نگاریں اکثر اخبارات میں انکے مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں اور وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں علاوہ ان اوصاف کے وسیع الاخلاق - خندہ پیشانی شیریں زباں - نیک طینت - پاک صورت ہیں بمقتضائے رنگینیٔ طبع کبھی کبھی اپنی مادری زبان اردوے معلیٰ میں بھی گوہر افشانی فرماتے ہیں چنانچہ مثنوی گلزار کشمیر آپ ہی کی طبعزاد ہے - مرحمت الدولہ بہار الملک حضرت حکیم لکھنوی خلف الرشید حضرت اسیر مرحوم سے استفادہ کیا ہے - سن شریف اسوقت ۵۰ برس کے قریب ایک غزل کے چند اشعار تیمناً درج تذکرہ کئے جاتے ہیں ؎

غنچوں کو گو زبان بھی ملی اور گل کو گوش
رازِ ریاضِ دہر مگر کچھ کھلا نہیں

گل سے یہی اشارۂ شبنم ہے باغ میں
رونے کا ہے مقام یہ ہنسنے کی جا نہیں

زیب بدن ہوا اتنی ہی جتنی ہو چاک چاک
کچھ کم قبائے گل سے ہماری قبا نہیں

فوارے کی زباں پہ یہ جاری ہے رات دن	سرکش وہ کون ہے جو زمیں پر گرا نہیں

اٹل

(اٹل) عبدالجلیل نام - قوم سادات سے تھے - مولف تذکرۂ شعراء ہند (مسٹر الیف فیلن صاحب نے انکو بلگرامی اور سید ابوالفرح واسطی کی اولاد میں لکھا ہے - اور مولوی عبدالغفور نساخ نے تذکرۂ سخن شعرا میں دہلوی بیان کیا ہے - جناب نساخ کا قول صحیح معلوم ہوتا ہے - مسٹر الیف فیلن صاحب نے غالباً علامہ میر عبدالجلیل واسطی بلگرامی کے دہوکے میں ان کو بھی بلگرامی لکھدیا - حالانکہ وہ جعفر زٹلی کے زمانے سے پہلے گزر چکے ہیں اور اٹل جعفر زٹلی کے شاگرد ہیں - بہرحال یہ شاہجہاں آباد دہلی ہی میں رہتے تھے - اور اپنے اُستاد جعفر زٹلی کے قدم بقدم تھے - معمولی قابلیت کے آدمی تھے - کبھی کبھی فارسی میں بھی فکر سخن کیا کرتے تھے - طبیعت ازحد شوخ تھی اپنے معاصرین سے اکثر الجھتے رہتے تھے - دہلی کے رنگیلے اور بانکے نوجوانوں میں شمار کئے جاتے تھے - اکثر محمد عطا بانکے سے نوک چوک رہتی تھی - اکثر مزخرفات کہا کرتے تھے - ان کا جتنا کلام نظر سے گزرا اُسمیں صرف ایک شعر ان عیوب سے پاک اور صاف پایا چنانچہ سب سے اول وہی درج کیا جاتا ہے باقی چند اشعار تفریح خاطر ہدیہ ناظرین ہیں ؎

زلف ہے چہرے پہ یا جنجال ہے	جنبش ابرو ہے یا بھونچال ہے
رجپوت بچہ نازنیں زلفیں رکھے جوں مار کج	زلفاں کج و ابرو کج و مژگان خنجردار کج
ظالم کمالے شوخ و خنگ او بے مروت پُرجفا	دستار او کمدار کج زلفش عجب بل دار کج
کرتی ہے قتل عاشقاں برچھی ہے وہ جبھی نگاہ	گھوڑے چڑھا سوار کج باندھے کمر ہتیار کج
این طرۂ خوش رنگ و نیرنگ کاری بردل	گامے کج و طرہ کج و اس طرہ پر ہر تار کج
سید اٹل مقبول ہووے راجپوتاں پھول دو	ہنستے کرے گفتار کج جانے اچھی رفتار کج
دیکھ سجن کے حسن کو جھوم رہا ہے جگ سبھی	روز نظارہ ایسے کا مارے اٹل اُچک اُچک
زلفیں لٹک کے آئیں اسطرح تجھ لگن میں	ناگن ہو کالی کالی لہراتی جوں پون میں
جوبن کے مدھ کے ماتے پگ دھر لچک چلے ہے	نازک کمر وہ لچکے ہر ہر قدم چلن میں

کل سے اٹل گیا ہے وہ مجھ سے روٹھ کر کے	چت میرا لگ رہا ہے اُس نور سے سجن میں

اثر

(اثر) سید محمد میر۔ برادر خرد و شاگرد رشید خواجہ میر درد مرحوم و خلفِ اصغر خواجہ ناصر عندلیب۔ علوم ضروریہ و مروجہ کی تحصیل خواجہ احمد خاں سے اور نکاتِ علوم باطن و تصوف جو اس خاندان میں سینہ بسینہ چلے آتے تھے اپنے برادر بزرگ سے حاصل کئے بھائی کی محبت میں چور حسنِ عقیدت و ارادت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ یہانتک کہ سخن طرازی بھی اپنے برادر والا قدر کی روش پر کرتے تھے۔ انکے چھوٹی بحروں کے اشعار نہایت پُراثر اور پُرلطف ہوتے تھے اور جو کچھ کہتے شگفتہ بحر میں کہتے جس سے اہل درد کے دل بھر آتے۔ اِن کا کلام آورد سے پاک آمد سے لبریز اور عجب لطف انگیز ہے۔ تصنع کا نام نہیں۔ روزمرہ کے سوا اجنبی الفاظ کا کام نہیں۔ تصوف سے خوب ماہر تھے۔ کلام میں محاورے کی خوش اسلوبی کا زیادہ خیال رکھتے تھے۔ ایک چھوٹا سا دیوان اور مثنوی **خواب و خیال** ان کی یادگار ہے۔ مثنوی لاجواب لکھی ہے۔ دیوان ابھی تک طبع نہیں ہوا مگر تلاش سے مل جاتا ہے۔ راقم تذکرہ کے پاس موجود ہے۔ غدر سے پیشتر ان کی مثنوی بہت مشہور اور جابجا موجود تھی مگر اب وہ بھی عنقا ہے۔ ترکمان دروازے کے باہر اپنے برادر معزز میر درد کے پہلو بہ پہلو یادالہٰی کے تکیے میں آسودہ ہیں +

خواجہ میر درد کے عالم ضعیفی میں اُنکے ایک مرید نے عرض کی کہ دنیا دار فانی ہے اور حضرت کا وقت آخر حضور ہدایت فرمائیں کہ آپ کے بعد کسکو آپ کا جانشین اور صاحب سجادہ مانیں آپ یہ سُنکر آنسو بھر لائے اور جواباً یہ قطعہ پڑھا **قطعہ**

موت کیا ہم سے فقیروں سے بھلے لیتا ہے	مرنے سے پہلے ہی یہ لوگ تو مر جاتے ہیں
تا قیامت نہیں مٹنے کے دلِ عالم سے	درد ہم اپنے عوض چھوڑے اثر جاتے ہیں

تبرکاً حضرت کے کلام کا انتخاب پیشِ کشِ ناظرین ہے +

انتخاب دیوان سید محمد میر۔ اثر

بس رفع اب خیال سے وجام ہو گیا	ساقی بیک نگاہ مرا کام ہو گیا +

منت رہیگی حشر تلک تیری اے اجل
گو جی گیا پہ اس کو تو آرام ہو گیا

کبھو منہ بھی مجھے دکھائیے گا
یا یوہیں دل مرا دکھائیے گا

دل چرا تے ہی بس چرائی آنکھ
ابھی آگے تو جی چرائیے گا

کون ہو لے چلے ہو کس لئے دل
نام اپنا ذرا بتائیے گا

دل ہر اک سے لڑاتے پھرتے ہو
آنکھ تو ہم سے بھی لڑائیے گا

جی میں ہے کچھ ارادۂ فاسد
ٹک سمجھ کر ادھر کو آئیے گا

تیرے آنے کا احتمال رہا
مرتے مرتے یہی خیال رہا

شمع ساں جلتے جلتے کاٹی عمر
جب تلک سر رہا وبال رہا

کوں وہ ہے کہ خیر خواہی سے
حال میرا تجھے سناوے گا

دیکھ لیجو یہ انتظار مرا
ایک دن تجھ کو کھینچ لاوے گا

یاد رکھنا بھلا نہ مل بہتر
پھر کبھو تو خدا ملاوے گا

اثر اب تو ملے ہے تو اس سے
پر یہ ملنا مزا دکھاوے گا

کچھ اور بھی شاہی کے سوا رتبہ ہے شاہی
گر یوں ہی نہیں ہے تو کوئی شاہ نہ ہوتا

خواہ بوسہ وہ خواہ گالی ہے
کچھ تو دل کے عوض دیا ہوتا

بے وفائی پہ تیری جی ہے فدا
قہر ہوتا جو باوفا ہوتا

اس سنگدل کے دل میں تو نالہ گیا نہ آہ
کیا فائدہ جو اور کے جی میں اثر کیا

ہو جائیں گے جو اس کے معلوم
داغوں کو مرے شمار کرنا

نالہ کرنا کہ آہ کرنا ✣
دل میں آثر اس کے راہ کرنا

تیرا وہ جور میرا یہ صبر
انصاف سے ٹک نگاہ کرنا

کیا لطف ہے لے کے دل مکرنا
اور الٹے مجھے گواہ کرنا

جی اسکے بچا خدا خدا کر
پھر اور بتوں کی چاہ کرنا

کہوں کیا دل اُڑانے کا ترا کچھ ڈھب نرالا تھا
وگرنہ ہر طرح سے اب تلک تو میں سنبھالا تھا

ترا غم کھا گیا میرا کلیجہ دل سبھی ایک بار
ہُوا ہوگا کہاں سے سیر یہ نوالہ نوالہ تھا

ہُوا آوارہ وقت دیدار دیکھتے اپنے پہ وہ لطف ناز کہ جو الفت کو میری ناچار تھا

تیرے مُکھڑے کو یوں تکے ہے دل
چاند کو جوں رہے چکور لگا +

یہ خاک نشین تیرے سرِ راہ جو بیٹھا
جوں نقشِ قدم رہی سٹا یک نہ سرکا

دل تھا تو سبھی بات تھی اُس سے متعلق
اب نفع کی امید نہ ہے خوفِ ضرر کا

دامِ الفت میں مجھے پھنسوا دیا
دیدہ و دل آہ تُو نے کیا کیا

جو کیا خوب کیا اور جو ہوگا سو قبول
تجھ سے کب ہم نے کسی بات کا تکرار کیا

عشق تیرے کا دل کو داغ لگا
دیکھ تو بھی نیا یہ باغ لگا

پہلے سو بار اِدھر اُدھر دیکھا
جب تجھے ڈر کے اک نظر دیکھا

زیست ہوتی تو تعجبات ہے اب
مر ہی جانا بس ایک بات ہے اب

غم ہی دکھلاتی ہے سدا قسمت
واہ اپنی بنی ہے کیا قسمت

جس کی خاطر سبھی ہوئے دشمن
تنہا دوست وہ بھی یا قسمت

خود فروشی میں کرے ناز نہ کیوں یار بت
جنس نایاب ہے اور ہیں گے خریدار بہت

شمع فانوس میں نہ جب کہ چھپی
کب چھپے ہے یہ مُنہ نقاب کے بیچ

تو ہی بتا بنے گی یوہیں بات کسطرح
بالفرض دن کٹا پہ کٹی رات کسطرح

شب نہ دہ واریوں آخر مرہ دل ہو درد
مانوں نہ پیر تیری کرامات کسطرح

جوں گل تو ہنسے ہے کھِل کھِلا کر
شبنم کی طرح مجھے رُلا کر +

کن نے کہا اور سے نہ مِل تو
پر ہم سے بھی کبھو ملا کر +

نالہ مرا نہ پہنچا ترے کان تک کبھی
جاتا ہے گو زمیں سے لے آسماں تلک

فانوس شمع اور ہے کوسے پہ شمع کے رشکِ کرم کہ اس سے ہے اس کو ارتباط کا

دل سے گزر کے نوبت پہ پہنچی ہے گو کہ جاں تک
تا حال حرفِ شکوہ آیا نہیں زباں تک

بس ہو یا رب یہ امتحاں کہیں
یا نکل جائے اب یہ جاں کہیں

تیری کیا کیا میں باتیں مانیں ہیں
تو بھی ایک بات میری مان کہیں

تھامتا ہوں اثر میں آہوں کو
جل نہ جاوے یہ آسمان کہیں

مارتی ہے یہ جی کی بے چینی
یارب آرام دل کو ہووے کہیں

اب ملاقات میری تیری کہاں
تو تو آوے بھی یاں پیں تو نہیں

عاشقی اور عشق کی باتیں
سب جہاں سے اثر کے ساتھ گئیں

جوں عکس مرا کہاں ٹھکانہ
تیرے جلوے سے جلوہ گر ہوں

ہم اسیروں کی اُسے چاہئے خاطر داری
اور اُلجھی نہ کہ ہم خاطرِ صیاد کریں

انکے آزاد کئے ہووے گر آزاد کوئی
تو یہ صیاد بھی ہمسوں کو آزاد کریں

نالے بلبل نے گو ہزار کئے
ایک بھی گل نے پر سنا ہی نہیں

واہ ری عقل تجھ سے دشمن سے
دوستی کا گمان رکھتا ہوں

حال میرا نہ پوچھئے مجھ سے
بات میری جو معتبر ہی نہیں

بے وفا تیری کچھ نہیں تقصیر
مجھکو میری وفا ہی راس نہیں

تُو ہی بہتر ہے آئینہ ہمسے
ہم تو اتنے بھی روشناس نہیں

یوں خدا کی خدائی برحق ہے
پر اثر کی ہمیں تو آس نہیں

اس سکیبی میں آہ مرا تو نہیں کوئی
دل ایک ہے سو لوہر کے بس اپنے بس نہیں

آہ و فغاں یہی ہے کہ سنتا نہیں کوئی
فریاد ہے یہی کوئی فریاد رس نہیں

تجھسے تھا جو کچھ کہ گماں سو یقیں ہوا
جو تجھسے تھا یقین سو اب کا گماں نہیں

مر تو چلے کہاں تئیں اب درگزر کریں
یا ہم نہیں اس آہ میں یا آسماں نہیں

وابستہ سب یہ اپنے ہی دم سے ہے کائنات
گو ہو جہاں پہ آپ نہیں تو جہاں نہیں

یہ دولتمند ہیں پابندِ انواعِ گرفتاری
چھٹیں ہرگز نہ قیدوں سے کہ لاکھوں دام رکھتے ہیں

کوئی کھاتا تھا دغا جھوٹی مدارات سے میں
آپھنسا دام میں کیا جانئے کس بات سے میں

آسودہ جا بجا ترے یاں خاکسار ہیں
نقشِ قدم نہیں ہیں یہ لوحِ مزار ہیں

نہ لگائے گئے جہاں دل کو
آہ لیجائیے کہاں دل کو

یوں تو کیا بات ہے تری لیکن
وہ نہ نکلا جو تھا گماں دل کو

رکھ نہ تو اب دریغ نیم نگاہ
مار ہے دیکھ نیمجاں دل کو

بگڑتا ہوں سے دل کو صاف کرو
نہیں تقصیر پر معاف کرو

امید وار تیرے لب گور تک بھی آہ
ساتھ آرزو لئے گئے بوس و کنار کی

مانا اثر کہ وعدۂ فردا غلط نہیں
لیکن کٹی نہ آج یہ شب انتظار کی

ٹک آکے سیر کر جگر داغدار کی
ہوتی ہے یہ بہار کہیں لالہ زار کی

دل اپنا پڑا اُس بت بے مہر کے پالے
دشمن کو بھی جس سے کہ خدا کام نہ ڈالے

ساقی مئے جلوے سے انہیں کیجئے معمور
ہیں خالی پڑے شکل حباب آنکھ کے پیالے

سب حیلے حوالے سے تمہارے ہوئیں واقف
مت آئیے پر دل تو مرا کیجے حوالے

بیکسی میں اثر یگانہ ہے
دل بھی اس کا نہیں بگانا ہے

راہ تکتے ہی تکتے ہم تو چلے
آئیے بھی کہیں جو آنا ہے

ایک دم سے لگی ہے کیا کیا کچھ
جان ہے تو جہان اپنا ہے

غیر کا تو کہاں سے دوست ہوا
دشمن اپنا گمان اپنا ہے

اب غیر سے بھی تیری ملاقات ہو گئی
سچ ہے کہ وقت جاتا رہا بات ہو گئی

نہ ترا زور چلے اُس پہ نہ تجھ پاس ہے زر
کوئی آتا ہے اثر یار فقط زاری سے

کیجے نا مہربانی ہی آکر
مہربانی اگر نہیں آتی +

دن کٹا جس طرح کٹا لیکن
رات کٹتی نظر نہیں آتی

لوگ کہتے ہیں یار آتا ہے
دل تجھے اعتبار آتا ہے

دوست ہوتا جو وہ تو کیا ہوتا +
دشمنی پر تو پیار آتا ہے

کہوں کیا خدا جانتا ہے صنم
محبت تری اپنا ایمان ہے

آج ایدھر کدھر کو بھول پڑے
سچ کہو کیا یہ جی میں آئی ہے

بیگانہ تو کس حساب میں ہے
رکھے نہ توقع آشنا سے

اُٹھ گیا سب جہاں سے قول و قرار
یاد وعدے کیا کرد بیٹھے

اِس بحر میں جوں حباب سب کے
سر میں بھری اور ہی ہوا ہے

نسبت مجھے آہ تجھ سے کیا ہے
بندہ بندہ خدا خدا ہے

ہمیں حیرت نے آپ ہی تجکو دیوں کیا جواب اسکا
کہ تجھ بن اب تلک کسطرح ہمنے زندگانی کی

یارب قبول ہووے اتنی دعا تو ہمارے
دونو جہاں ہارے عاشق پہ جی نہ ہارے

ہے ایک بار مرنا برحق کسی طرح ہو
جو آپ جی کو مارے پھر کون اُسکو مارے

ہم راست گو مسلماں حق ہی بتاں کہیں گے
تم بندے ہو خدا کے ہم بندے ہیں تمہارے

(اثر) نواب حسین علی خاں لکھنوی خلف ارشد نواب امیر الدولہ حیدر بیگ خاں وزیر نواب آصف الدولہ بہادر شیخ ناسخ کے شاگرد اور صاحب دیوان و مثنوی تھے ۱۸۴۵ء میں بانوے برس کی عمر پاکر وفات پائی۔ ایک مرتبہ بطریق سیر کلکتے بھی گئے تھے۔ اِن کا دیوان رام پور کے کتب خانے میں موجود ہے۔ اور خلاصہ کلام یہاں حاضر ہے ۵

درس وحشت تھا بیاض چشم آہو سے مجھے
گوشۂ صحرا مرا طفلی میں مکتب خانہ تھا

حُسن کے غُل شب تاد رزنداں وہ آکر پھر گیا
شیون زنجیر بخت خواب کو افسانہ تھا

تھا اثر مرگ شب فرقت میں یہ سامان عیش
سینہ کوبی خلق کی شادی کا نوبت خانہ تھا

دلاسوتے میں قند لب کا خاطر خواہ بوسے
مثل مشہور ہے دنیا میں گڑ میٹھا ہے چوری کا

گر تصور میں وہ رشک مہ کنعاں ہوتا
دل مرا یوسف یعقوب کا زنداں ہوتا

سیر گلشن میں جو اُس کی جا آنکھیں ہوگئیں
نرگس بیمار کی بیمار آنکھیں ہوگئیں

کیا دیں دہن کو نقطۂ موہوم سے مثال
عنقا کا ذکر کیا کریں عنقا کے سامنے

اثر (اثر) منشی عبدالرزاق خلف منشی عبدالرحمن تمنا شاگرد صہبائی - پرانے دہلی کالج کے تعلیم یافتہ تھے - بہت مدت تک مولوی امام بخش صہبائی کی خدمت میں رہ کر زبانِ فارسی اور فنِ سخن میں کمال حاصل کیا تذکرہ گلستان سخن کی ترتیب کے وقت ان کا عالم جوانی تھا - کلام پاکیزہ اور پُر لطف ہے ؎

پہلو میں درد سینہ میں چاک اشک آنکھ میں — مجھ سے تو کہہ اثر کہ ترا دل لگا کہیں
تیرا ہر ایک سے ملنا بت وفا دشمن — کرے گا دیکھئے کس کس سے آشنا مجھکو
ہوئی بدولتِ ضعف آہ سے بھی خاطر جمع — اثر پہ جس کے کچھ اک اعتبار تھا مجھکو
خواہش ہے میرے دستِ جنوں کو بہار کی — اور آرزو ہے آبلۂ پا کو خار کی
ہوں کامیاب لعلِ لبِ یار سے عدو — حسرت نہ نکلی آہ دلِ سوگوار کی
کیا جانتا تھا وہ کہ ستم کیا ہے جو کیا — باتیں ہیں سب یہ اس دلِ الفت شعار کی
وحشت تو دیکھئے کہ پسِ مرگ بھی مرے — جنگل میں اڑتی پھرتی ہے مٹی مزار کی
تم اور عیش و بادہ و اغیار نہ نہیں — ہم اور مصیبت آہ یہ شبہائے تار کی
اے حضرتِ اثر کہیں عاشق ہیں آپ جو — یوں خاک اڑاتے پھرتے ہیں ہر کو ہمار کی

ے

میں اور یار اور شبِ ماہتاب ہے — یارب مجھے خیال ہے یا یہ کہ خواب ہے
اے چشم اسکے سامنے رو کر نہ موتی رول — انساں کی آبرو جو ہے موتی کی آب ہے
پامال غیر ہے مری نعش اس گلی میں آج — مر کر بھی میری خاک پہ کیا کیا عذاب ہے
عشقِ بتاں میں خاک بسر ہے تو اے اثر — دنیا خراب اور ترا دیں بھی خراب ہے
ایک دن فاتحہ پڑھتا تھا کسی قبر پہ وہ — حیلہ اک اور بھی باقی ہے - مر دیکھیں گے
گر جاں کا نام آتا ہے آتی ہے دیا مت — مضموں تری رفتار کا باندھا نہ کریں گے

اثر (اثر) قاضی حاجی حسب حسن بدایونی ابن قاضی غلام شہید - اصلی وطن بدایوں ہے - انکے والد عدالت شاہجہاں پور میں وکیل تھے یہ خود اوائل شباب میں شعر بھی کہتے تھے اور مذاق بدایونی

سے اصلاح لیتے تھے اب عرصہ سے شعر گوئی ترک کر دی ہے جب کہتے تھے اچھا کہتے تھے جناب اثر کا منتخب کلام یہ ہے ؎

جیتے تھے ہم تو کیا تھا اور اب مر گئے تو کیا
ہے کوئی سوگوار نہ جب غمگسار تھا

جانبازوں کو ڈر ہی نہیں مرنے سے ہوا کر
تو اک ملک الموت مجسم شب فرقت

دا ہوگا اثر وقت سحر باب اجابت
پر آہ کہاں صبح تلک ہم شب فرقت

بھید ہے اور ہی کچھ بے خبری میں اُسکے
یہ نہ سمجھو کہ مری آہ میں تاثیر نہیں

جس سے دل ٹھنڈا تھا پہلے اُس سے اب جی سرد ہے
جو دوائے درد تھی اب وہ ہی جی کا درد ہے

زندگی کیسی مصیبت تھی کہ اللہ کی پناہ
جان نکلی ہے تو اب ہوش ٹھکانے آئے

ہر چشم حیرتی سے رواں ہے جو میل اشک
کس درجہ آج گرمیٔ بازار دید ہے

(اثر) شمس العلما مولوی حکیم سید امداد امام صاحب خلف الرشید مولوی سید وحید الدین خاں بہادر صدر اعلیٰ مرحوم رئیس قصبہ نیورہ ضلع پٹنہ - ۱۷ - اگست ۱۸۴۹ء کو پیدا ہوئے - آپ صوبۂ بہار کے ایک ممتاز خاندانِ سادات میں سے ہیں سلسلۂ نسب حضرت زید شہید سے ملتا ہے - اور آپ کے والد خان بہادر سید وحید الدین مغفور کا حسب سید حسن خنگ سوار تک پہنچتا ہے - آپ کے جد اعلیٰ سید فیروز جو سید ابو الفرح واسطی کے نسل سے تھے ہندوستان میں آئے آپ کے آبا و اجداد ہمیشہ سے سرکار انگلشیہ میں مناصب جلیلہ پر ممتاز رہے ہیں - آپ کے والد شمس العلما سید وحید الدین خاں بہادر صدر الصدور ڈسٹرکٹ جج بجسٹریٹ - ڈسٹرکٹ رجسٹرار جج خفیفہ - اور جسٹس آف دی پیس کے عہدوں پر ممتاز تھے - آپ کے خاندان کے اکثر نوجوان اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ اور بعض بیرسٹر ہیں +

شمس العلما مولوی حکیم سید امداد امام صاحب نے حسب معمول عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی علوم ریاضی و معدنیات و حیوانات - مناظرہ - فلسفہ جدیدہ و قدیمہ سے بخوبی ماہر ہیں - زبان انگریزی میں بھی کافی دستگاہ حاصل ہے آپ اُردو کے خوش فکر خوش گو اور باجز شاعر ہیں - انگریزی

اشعار بھی آپ نے نظم کئے ہیں۔ آپ کی تصنیفات میں اکثر کتابیں موجود ہیں۔ کتاب مراۃ الحکما۔ اور کتاب الاثمار مصنفہ شمس العلما۔ زبان سوئیڈن میں ترجمہ ہوئی ہیں اور وہ سوئیڈن اور ناروے کی یونیورسٹیوں میں جاری ہیں۔ آپ نے ایک کتاب کاشف الحقائق معروف بہ بہارستانِ سخن تصنیف کی ہے جس میں آپ نے مصری۔ یونانی۔ لاطینی۔ ایطالوی۔ جرمن۔ انگریزی۔ عربی۔ فارسی۔ اردو۔ سنسکرت۔ بھاشا۔ چینی۔ جاپانی۔ اور برہما کی طرز شاعری پر ایک محققانہ دلچسپ بحث کی ہے آپ کو باایں ہمہ علم وفضل شہسواری اور صید افگنی کا بھی بہت بڑا شوق ہے۔ آپ کے دو صاحبزادے سید علی امام اور سید حسن امام مشہور بیرسٹر ہیں۔ آپ کی سکونت قصبہ نیورہ (بہار) میں ہے۔ اُردو کلیات بھی چھپ گیا ہے۔ انتخاب کلام ملاحظہ ہو ؎

کیونکر نہ ہو تی دل کو اُس دلربا کی خواہش
ناصح ہے سب پہ بالا رب العلا کی خواہش

رتبہ ہے تجھ کو اُسکی زلفِ دوتا کی خواہش
خواہش بھی ایسی خواہش اے وائے بلا کی خواہش

ظالم وہ کون دل ہے جسمیں نہیں بھری ہے
تیرے ستم کی حسرت تیری جفا کی خواہش

خونِ جگر جو کھا کر آسودہ ہو رہا ہو
ایسے مریضِ غم کو کیا ہو غذا کی خواہش

باقی ہے روح بیشک فانی نہیں ہے ہرگز
وابستہ اِس لئے ہے اُس سے بقا کی خواہش

پامال جو رہم ہیں باغِ جہاں میں ورنہ
تیرے قدم سے نکلی کیا کیا حنا کی خواہش

اے شیخ و برہمن تم کچھ تو ہمیں بتاؤ
کیا ہے بتوں کی خواہش کیا ہے خدا کی خواہش

ہے موت ہی سیحا ہے درد ہی مداوا
تیرے مریضِ غم کو کیا ہو شفا کی خواہش

آغازِ عشق ہی میں اے دل بیانِ مطلب
لایا زباں پہ ناداں کس انتہا کی خواہش

دُنیا طلب کا شیوہ ہاتھوں کا ہے اُٹھانا
دل میں خدا کو رکھ کر کیا ہو دعا کی خواہش

ہمنے اثرؔ سُنا ہے اہلِ رضا کو کہتے
اپنی وہی ہے خواہش جو ہے خدا کی خواہش

مظلوم ہوں مگر نہیں ملتا کوئی گواہ
ہیں اہلِ حشر اس ستمِ ایجاد کی طرف

ناداں کہیں پناہ نہیں ہوتے تجھے
کیا دیکھتا ہے قلعۂ فولاد کی طرف

ناصح اگر ستم نہ سہیں ہم تو کیا کریں | دل دوڑتا ہے یار کی پہلو کی طرف

عدو کا رشک سے ہنگامۂ محشر کے ساماں میں | قیامت ہے نہاں اُنکے تبسم ہائے پنہاں میں
اِسی جادو نے ارباب نظر کو مار رکھا ہے | کہ شوخی ہے حیا کے ساتھ اُنکی چشم فتاں میں
سبھی گل زیر کف گلشن میں ہیں انصاف کر یارب | غضب ہے رند خالی ہاتھ ہوں فصل بہاراں میں
کیا کیوں ذکر اُسکی دشنۂ خونریز مژگاں کا | چبھویا تو نے نشتر چارہ گر میری رگ جاں میں
اسی سے پائی ہے شیرازۂ کونین نے بندش | دو عالم کی ہے جمعیت تری زلف پریشاں میں
جفائیں ہوتی ہیں گھٹتا ہے دم ایسا بھی ہوتا ہے | مگر ہم پر ہے جو تیرا ستم ایسا بھی ہوتا ہے
نکر شکوہ ہماری بے سبب کی بدگمانی کا | محبت میں ترے سر کی قسم ایسا بھی ہوتا ہے
نہیں بزم عدو میں وہ بلاتے ہیں تمنا سے | کرم ایسا بھی ہوتا ہے ستم ایسا بھی ہوتا ہے

کرتا ہوں عاشقی میں صنم کو کہن کا کام | کچھ کم نہیں پہاڑ سے دن انتظار کے
قید ہستی سے فنا ہو کر رہا ہو جائیے | نکہت گل بنکے گلشن سے ہوا ہو جائیے
ہے پیام مرگ میں مضمر نوید زندگی | تابقا کی شکل پیدا ہو فنا ہو جائیے
ہے دل بے آرزو ہونا کمال بندگی | بندۂ بے مدعا ہو کر فدا ہو جائیے

نقاب اُسنے جو اپنے چہرۂ روشن سے اُلٹا ہے | نمایاں نور کا عالم زمیں سے آسماں تک ہے
خزاں زندگی ہے تفرقہ اہل محبت کا | مزا دنیا میں جینے کا بہار دوستاں تک ہے

(اثر) عالیجناب مولوی خواجہ امام الدین رئیس اجمیر خلف خواجہ سیف الدین صاحب خلف اجدہ خواجگان حضرت معین الدین چشتی اجمیری قدس اللہ سرہ العزیز کی اولاد امجاد میں سے ہیں طبیعت کو فن سخن سے ایک خاص لگاؤ ہے اعلیٰ درجہ کے سخن فہم و قدردان سخن ہیں - فارسی استعداد بھی اچھی ہے - شیریں کلامی اور خوش گوئی ہر ایک شعر سے ہویدا ہے - بالفعل اپنے وطن میں عہدۂ اسسٹنٹ کمشنری پر ممتاز ہیں

جگر کو تانکا نگہ نے تو دل فگار کیا
کسی پہ باندھا نشانہ کسی پہ وار کیا

بنا بنا کے بگاڑیں گے زلف ساری رات
وہ آ چکے شبِ وعدہ اگر سنگھار کیا

رقیب لاکھ شکایت کریں نہیں شکوہ
گلہ تو یہ ہے کہ تم نے بھی اعتبار کیا

کسی کا دھیان بھی ہے کچھ کہاں گئے تھے اثر
تمھیں خبر بھی ہے کس کس نے انتظار کیا

دیکھتے ہی دیکھتے تلوار آنکھیں ہوگئیں
دل کے دو ٹکڑے ہوئے جب چار آنکھیں ہوگئیں

عشق میں آخر کو ان دونو پہ آفت آگئی
دل نگہ ہوگیا بیکار آنکھیں ہوگئیں

روتے روتے پڑ گئے ناسور آنکھوں میں اثر
ہوتے ہوتے زخم دامن دار آنکھیں ہوگئیں

کیا کروں شکوۂ بیداد کروں یا نہ کروں
داورِ حشر سے فریاد کروں یا نہ کروں

ہجر میں وصل کے آرام میں بھولوں کیونکر
شبِ غم عیش کے دن یاد کروں یا نہ کروں

کب تلک ضبط کئے جاؤں محبت میں اثر
دل میں ہو درد تو فریاد کروں یا نہ کروں

وہ ہمسے چھپ ہیں ہم ان سے چھپ ہیں منانیوالے منا رہے ہیں
شکایتیں دل کی ہو رہی ہیں مزے محبت کے آ رہے ہیں

بہارِ رخسارِ عارضی ہے خزاں برابر لگی کھڑی ہے
جوانی دو دن کی پاؤنی ہے یہ دن کسیکے سدا رہے ہیں

معینِ ملت معین دین ہو بھلے بچے کے تمیں دھنی ہو
تمہارے قدموں میں کر دیا ہے تمہاری بستی ہیں بسنے والے

آپکو چاہنے والوں کی ضرورت نہ رہی
خوش رہیں آپ یہاں بھی دلِ طبیعت نہ رہی

اگلی باتیں نہ رہیں تمکو وہ الفت نہ رہی
مجھکو بھی جانِ جہاں تمسے محبت نہ رہی

اے صنم تجھکو کیا یاد خدا کو بھولے
منہ دکھانے کی کوئی حشر میں صورت نہ رہی

دل لگاتے ہی اثر تمنے تو جی چھوڑ دیا
چار ہی دن میں وہ صورت وہ شباہت نہ رہی

بے نقاب آج رخِ یار ہوا چاہتا ہے
دیکھئے کیا سرِ بازار ہوا چاہتا ہے

اُنکا اقرار کے انکار کہے دیتے ہیں
اب کوئی لحظے میں انکار ہوا چاہتا ہے

ذبح کرتا ہے مجھے رشکِ شبِ وصلِ عدو
یہ بھی اب آپ کی تلوار ہوا چاہتا ہے

غیر کیا دوست بھی سب میرے مخالف ہیں اثر
دل بھی اب اُنکا طرفدار ہوا چاہتا ہے

آئے ہیں غیر کے گھر سے وہ لگا کر مہندی
یہ نئی آگ لگائی ہے جلانے کے لئے

تمہارے جاتے ہی آنکھوں میں اشک بھر آئے
تم ایسے ہنستے ہوئے آئے تھے رُلا کے چلے

بُری بنے گی اثر دیکھنا قیامت میں
بتوں کے ساتھ اگر سامنے خدا کے چلے

اچھی صورت کے لئے چاہئے عادت اچھی
ورنہ کس کام کی اچھی سے بھی صورت اچھی

دیکھا بت خانے میں اللہ کی قدرت کا ظہور
ایک سے ایک نظر آتی ہے صورت اچھی

نقش ہو جائے جو دل میں وہی نقشہ اچھا
اپنی آنکھوں میں جو بس جائے وہ صورت اچھی

جان پر آن بنی ضبطِ محبت میں اثر
ایسی کمبخت محبت سے عداوت اچھی

خرامِ ناز سے دو گام تم جو چل جاتے
تمہارے دیکھنے والوں کے دم نکل جاتے

نہ تھا رشک کسی کا تو یہ بھی ممکن تھا
ترے خیال میں دو چار دن بہل جاتے

یہ دل ہی مورد برقِ جمال ہے ورنہ
یہ آگ وہ تھی کہ جس میں پہاڑ جل جاتے

دہن میں پڑتا جو عکس اُس جبیں کی افشاں کا
کنوئیں کی تہ میں ہزاروں چراغ جل جاتے

شرابِ خشک میں تھا جوش اس قدر ساقی
جو میں نہ پیتا تو یہ ظرف کے اُبل جاتے

اثر (الحاج نرائن در مالکھنوی) مالک رسالۂ نادل - پہلے صابغ تخلص تھا - بی اے تک کیننگ کالج میں تعلیم پائی ہے عنفوانِ شباب سے کسبِ کمال اور فن شاعری کا شوق ہے - چند انگریزی ناولوں کا ترجمہ بھی کیا ہے - ایک دوست کی معرفت کچھ کلام ہم تک پہنچا جس کا انتخاب درج ذیل ہے - افسوس کہ عین عالمِ شباب میں بماہ مارچ ۱۹۰۷ء رہگرائے عالمِ بقا ہوئے - چھبیس برس کی عمر پائی ؎

آپ سُن سکئے تو سنئے داستانِ اہلِ درد
ہے زبانِ بے زبانی سے بیانِ اہلِ درد

اضطرابِ دل کا شکوہ کفر سے کچھ کم نہیں
اے اثر ہے درد ہی آرام جانِ اہلِ درد

بجز درد و غم و اندوہِ حرماں
خبر لے کون اپنی بے کسی میں

میرے سوالِ وصل پہ تم بھی تو ہاں کرو
میں تم سے دل کو واسطے کرتا نہیں نہیں

جان اِک رشکِ مسیحا پہ دئے جاتے ہیں
روز مرتے ہیں مگر پھر بھی جئے جاتے ہیں

کسطرح اُن سے ہو اظہارِ تمنائے وصال
عرضِ مطلب پہ وہاں ہونٹ سئے جاتے ہیں

دے کے فقرہ کہ دیں چلکے کریں گے توبہ
آج میخانہ میں واعظ کو لئے جاتے ہیں

بات رکھ لیتے ہیں ہم ساقی و واعظ کی اثرؔ
جام بھی پیتے ہیں توبہ بھی کئے جاتے ہیں

مدت سے بیٹھے ہیں یہ ارادہ کئے ہوئے
کعبے کو جائیں یا دو بتوں کی لئے ہوئے

کوچۂ یار پہ ترجیح اُسے میں دوں کا
زاہد ایسی کہاں کی تیری جنت آئی

سنے تھے بتخانہ میں اللہ کا جلوہ دیکھا
عین کثرت میں نظر صورتِ وحدت آئی

اثر

(اثرؔ) سید مخدوم عالم صاحب پیرزادہ قصبہ مارہرہ ضلع ایٹہ - حضرت صاحب عالم مارہروی کے پوتے اور سید مقبول عالم **مقبولؔ** کے خلف اکبر ہیں - فارسی میں عمدہ قابلیت ہے - ذہن رسا اور خیالات عالی پائے ہیں - رجب ۱۲۸۶ھ ہجری میں پیدا ہوئے - اگرچہ خود انگریزی بہت کم جانتے ہیں مگر خیالات نہایت پاکیزہ اور روشن ہیں - نثر اور نظم دونوں میں طرزِ بیان دلچسپ اور مرغوب ہے - متانت کے ساتھ طبیعت میں ظریفانہ شوخی بھری ہوئی ہے - انتخابِ کلام ملاحظہ ہو ؎

دُرِ شہوار بحر کو بخشا
کوہ کو لعلِ شب چراغ دیا

زندگانی کی راہ تھی تاریک
اس لئے عقل کا چراغ دیا

ہے تعجب کہ دے دیا سب کچھ
لیکن اپنا نہ کچھ سُراغ دیا

اب تو کعبہ بھی رہ گیا پیچھے
گھر ترا کتنی دور ہے یارب

رباعی در تعریف انبہ

میووں میں اثرؔ قابلِ تعظیم ہے آم ؛
فردوس میں ہم مشربِ تسنیم ہے آم

ہے آم کا نام اپنے اسلام ہو دال
اللہ و محمدؐ کا الف میم ہے آم

واعظ کبھی مے خانے میں ہوگا نہ گزر کیا
جو چاہے سو کہہ لے ہمیں اللہ کے گھر میں

تڑپنا ہے مریضِ ہجر مرجائے تو اچھا ہو — تمھارے عاشقوں میں نام کرجائے تو اچھا ہو

مدتیں گزری ہیں شغلِ مے کشی چھوٹے ہوئے — وہ پڑے ہیں طاق پر جام و سبو ٹوٹے ہوئے

روٹھ گئے مجھ سے خفا ہو گئے — بات پتے کی جو سُنی کھو گئے

اور سُنا اے دلِ خوابیدہ بخت — سُن کے وہ افسانۂ تر اسو گئے

زاہد ہمیشہ قبلے کا رُخ پوچھتا پھرا — ہم بت کدے میں جب گئے بیٹھے وہیں پڑے

زخمِ جگر میں یوں مرے نوکِ سناں رہے — جیسے کسی کے سُننے میں کسی کی زباں رہے

پیغامبر کو آج سے موقوف ہی کریں — جو باعثِ فساد ہے کیوں درمیاں رہے

جب کہ دل ہی میں ہو موجود کعبہ کا جلوہ — کس لئے کوئی طوافِ حرم و دیر کرے

وائے قسمت کہ عیادت کو رقیب آتا ہے — کام جو دوست کے کرنیکا ہو وہ غیر کرے

ہم نہ توڑیں گے کبھی عہدِ وفا جیتے جی — بیوفائی اُسے کرنا ہے تو وہ غیر کرے

کی بھلائی جو بھلائی کے عوض میں تو کیا — بات تو جب ہے کہ تو شر کے عوض خیر کرے

(اثر) منشی حسین الدین احمد اوائل مشقِ سخن میں حضرت امیر مینائی کے شاگرد جناب نعیم و جناب وسیم کو کلام دکھایا ہے۔ پھر کچھ دنوں خود حضرت امیر سے اصلاح لی۔ امیر اللغات کے دفتر میں بھی کام کرتے رہے ہیں کلام حسب ذیل ہے ؎

بُری ہوتی ہے اگر الفت کی بیماری — وہی جانے جو مبتلا ہے کسی کا

ہو گیا جا کر گرفتار آپ دل — یار کے گیسوئے پُرخم کیا کریں

جھوٹی باتیں ہیں تیری سحر کہ ہم — جاننے پر بھی مان لیتے ہیں

اک میں کہ جھوٹی بات کا کرتا ہوں اعتبار — اک تم کہ سچی بات کا کہ یقیں نہیں

پائی ہے مینے ضبط سے رخصت اک آہ کی — خیر آج تیری اے فلکِ ہفتمیں نہیں

گیا ہاتھ چھوٹ اس ادا سے کہا — کلائی مری دیکھو بل کھا گئی

پڑے ہیں جو تربت میں پھیلائے پاؤں — تھکے عمر بھر کے تھے نیند آگئی

ہُوا عاشق اس بے وفا پر آثر		ترے دل میں کمبخت کیا آگئی	

اثر (**اثر**) مولوی افتخار علی - موضع گنور نواح بدایوں کے رہنے والے ہیں مولوی محمد حسن توکت میرٹھی کے شاگرد ہیں - زیادہ حال معلوم نہیں چند شعر درج تذکرہ ہیں ؎

قیامت اپنے قامت سے تو ہر لحظہ دکھاتے ہو		دکھانا زلف عارض کا یہ کیا روز و شب کیسا	
دسترس ہو تو ابھی چوم لوں دستِ قاتل		کس صفائی سے اُڑایا ہے نشانہ دل کا	
بتونکے غم میں چشمِ تر سے یاں تیر برستے ہیں		ہمیں کیا ابر نیساں سے اگر گوہر برستے ہیں	
سوزِ دل نے آثر دکھایا رنگ		آہ جو آئی شعلہ بار آئی	

اثر (**اثر**) حکیم محمد مہدی لکھنوی عظیم آباد میں رہتے ہیں - زیادہ حال معلوم نہیں ؎

تیرِ قاتل نہ تھی یہ تجھسے امید		ہائے تو بھی تو ہو گیا دل کا	
ہیں کچھ نہ کچھ تو تیر میں قاتل کی شوخیاں		بیچین جس سے دل ہے جگر بیقرار ہے	
نکلا جو میکدے سے تو دل نغل میں تھی		سُنتے تھے ہم اثر کو کہ پرہیزگار ہے	
چال اُس غارتگرِ دیں کی عجب مستانہ ہے		تیغ از خود رفتہ ہے اور برہن دیوانہ ہے	
سُن کے وہ مجھ سے سوالِ وصل کس انداز سے		سر جھکا کر مسکرا کر بولے کچھ دیوانہ ہے	
نہیں ہم کو گوارا آپ کی ادنیٰ کی بھی فرقت		چلے جاؤ یہ کیونکر آپ کے مُنہ سے نکلتا ہے	
اُس نے جب قصد کیا صبح کو چلنے کے لئے		مستعد جاں بھی ہوئی تن سے نکلنے کے لئے	

اثر (**اثر**) منشی الٰہی بخش سوداگر مقیم ریاست ریواں - فن سخن میں حضرت امیر مینائی سے فیض پایا ہے - شاید آلہی بھی انہیں کا تخلص ہے - کلام یہ ہے ؎

عبث ہے بیانِ غم و رنج فرقت		سُنے جب نہ کوئی فسانہ کسیکا	
گالیاں دینے لگا وہ بت لبِ جاں بخش سے		اب ہمارے واسطے آبِ بقا بھی سم ہوا	
مرا دل لوٹ ہے کوئے بتاں پر		تصدق شیخ جی باغِ جناں پر	
گرے کیوں طور پر بجلی تجلی کے ہوس میں		کوئی پوچھے تو کیا دیکھا وہاں پر	

قفس سے اب کہاں جائے گی بلبل | کترتا ہے عبث اے باغباں پر
جھپٹے بیٹھے ہیں بھلا سر کو اٹھائیں کیونکر | دل چرائے ہیں وہ آنکھیں جو چرائیں کیونکر

اثر

(اثر) شیخ فیض الدین - احسان شاہجہاں پوری کے شاگرد ہیں ؎

کہتے ہیں کام ہمارا ہے جلانا دل کا | ایسے بے درد پر اچھا تھا نہ آنا دل کا
شکوۂ جور و ستم سن وہ کہتے ہیں اثر | ہاں جی ہاں ہمکو تو آتا ہے ستانا دل کا
یہی نامٹ گیا نام محبت | ملا کر خاک میں تجکو ملا کیا
اثر پچھتاؤ گے دیکھو نہ دو دل | جفا کاروں سے امید وفا کیا
ہزار وعدے کئے ایک بھی وفا نہ کیا | تمہارے قول کا کس طرح اعتبار آئے

اثر

(اثر) موی سید جلال الدین نظامی ساکن حیدرآباد دکن ؎

تم آؤ تو آباد ہو ویرانہ کسیکا | تم جا ہو تو گلشن بنے کاشانہ کسیکا
لنڈھا دے خم کے خم محفل میں پیارے | تہی میخانہ ہو خالی سبو ہو
وہ مے جسکی ہوس رہجائے ساقی | وہ مے پھر جسکی دل میں آرزو ہو
وہ مے جس سے طبیعت ہو شگفتہ | وہ مے جس سے ترقی اور نمو ہو
وہ مے جس سے مضامیں محو ہو جیں | رواں طبع رواں جوں آبجو ہو

اثر

(اثر) منشی محمد حبیب الحق واصل باقی نویس تحصیل ملہار گڑہ علاقہ ریاست جاورہ - تمر گلشن آبادی کے شاگرد ہیں - حال کے نوشق شعرا میں شمار کئے جاتے ہیں یہ اُنکا کلام ہے ؎

مجھے اور ترک عشق اے ناصح | توبہ توبہ یہ کیا خیال ہوا
ملتا نہیں کفن میں مرا جسم ناتواں | منکر نکیر ڈھونڈ رہے ہیں مزار میں
زاہد تو بے خبر ہے رہ عشق سے ابھی | ناداں بڑا مزا ہے حسینوں کے پیار میں
ہرگز وہ جام کوثر و تسنیم میں نہیں | زاہد جو کچھ مزا ہے مے خوشگوار میں
حوصلہ کتا ہے غمسے دل لگی ہوتی نہیں | اے فلک کچھ اور دے دلبستگی ہوتی نہیں

اثر (اثر) مرزا احمد اللہ بیگ حیدرآبادی - خلف ذوالفقار علی شاہ سجادہ حسینی علم- آغا شاعر قزلباش دہلوی کے شاگرد اور نومشق شاعر ہیں ؎

فصلِ گل تو جا چکی کمبخت چھٹ کر کیا کرے
تھی رہائی بھی اسیری بلبل ناشاد کی +

پاؤں سے مرے دل کو نہ مل اے بتِ کافر
اللہ کا گھر ہے ارے اللہ کا گھر ہے

اثر (اثر) منشی اصطفےٰ خاں لکھنوی - منشی محمد افتخار علی جگر لبسوانی کے شاگرد اور نومشق شاعر ہیں یہ اُنکا کلام ہے ؎

ملے گا اور کہاں انکو اسقدر آرام
غم و ملال مرے دل سے جا نہیں سکتے

سنے ظہور مبارک ہو زاہد و تم کو
زباں سے کہتے ہو لیکن ہلا نہیں سکتے

یہ ڈرتے ہیں نہ تمنا بھی انکی ہو مجروح
وہ تیر دل پہ ہمارے لگا نہیں سکتے

لبوں پہ دم بھی جو اے شوخ تند خو آئے
مریضِ غم کو نہ تسکین دینے تو آئے

سوال وصل پہ تیوری چڑھا کے کہتے ہیں
اب آج سے نہ کبھی ایسی گفتگو آئے

اثر (اثر) سید ظفر حسن خاں بی اے خلف سید دیوان محمد آزیری مجسٹریٹ سرسہ ضلع حصار - نومشق شاعروں میں اور آغا شاعر دہلوی کے شاگردوں میں ہیں علیگڈھ کالج میں تعلیم پائی ہے - کلام ملاحظہ ہو ؎

اُف رے بے رحمیاں قاتل نمک افشاں نہ ہوا
بجھ گئے زخم ترے سامنے دامن ہو کر

ہونٹ سی دینا اگر نالہ و فریاد کریں
ہے قسم آپ نہ جی بھر کے جو بیداد کریں

ذبح کرنے لگے کیوں اُلٹی چھری سے ہم کو
ایسی بے دردیاں اور تم سے پریزاد کریں

محوِ آرائشِ جلوہ گہ سینا ہوں میں
جلد آئینۂ رخسار دکھائے کوئی +

جان آنکھوں میں نظر دیہ تمنا دل میں +
اب تو دم بھر کو خدا کے لئے آئے کوئی +

اثر (اثر) نواب عبد الجلیل خاں رئیس بھیکم پور ضلع علیگڈھ خلف اصغر نواب عبد الشکور خاں صاحب شروانی - مولوی حبیب الرحمان خاں صاحب حسرت شروانی کے حقیقی چچازاد بھائی ہیں -

اوائل میں حضرت داغ مرحوم سے مشورہ تھا - ۳۲-۳۳- برس کی عمر اور نوابانہ طبیعت سے ایشیائی رئیس زادوں کی طرح عیش دوست اور رنگین مزاج ہیں کلام گلدستۂ ریاضِ سخن میں جو احسن مارہروی کے اہتمام سے نکلتا تھا دیکھا گیا - وہ انتخاباً درج تذکرہ ہے ؎

گئے صبح کو وہ مری جان ہو کر — جو آئے تھے کل شب کو مہمان ہو کر
بلا کی ہیں زلفیں تری کالی کالی — غضب ڈھا رہی ہیں پریشان ہو کر
جدائی کے غم میں مروں میں نہ کیونکر — رہو دور مجھ سے مری جان ہو کر
ادھر دیکھیئے آپ کیوں جھیپتے ہیں — گئے تھے کہاں شب کو مہمان ہو کر
بتاؤ ہمیں کس پہ مرتے ہو صاحب — اثر پوچھتے ہیں وہ انجان ہو کر

تھم گئے وہ بھی تماشہ کی غرض سے دم بھر — کام نکلا دلِ ناداں کے مچل جانے سے
جب آتا ہے کبھی ذکر وفا وہ ٹال دیتے ہیں — سمجھ جاتے ہیں اب میری شکایت ہونیوالی ہے
اُبھرنے والی سب چیزیں اُبھر آئینگی سب ظالم — جوانی آنے والی ہے قیامت آنے والی ہے

لطف دے جائیگی مری داستاں — تیرے دل میں درد ہونا چاہیئے

اثر

(اثر) مرزا محمد شاہ مالک نیرنگ ؎

ہم حشر کے دن ڈھونڈ نکالیں گے کسیکو — قاتل جو ہمارا ہے نہاں ہو نہیں سکتا
ابھی وہ سن ہے کہ آنکھوں نہیں سماتے بھی نہیں — دل چُرانا تو کجا آنکھ چُراتے بھی نہیں

اثر

(اثر) منشی رادھے لال صاحب رئیس فرخ آباد - زمانہ حال کے شعرا میں ہیں ؎

جو مجھ پر مہرباں اپنے کرم سے یار ہو جاتا — تو دریائے الم سے میرا بیڑا پار ہو جاتا
اگر آنکھیں لڑاتا کوئی عاشق فرطِ الفت سے — ترا تیرِ نظر اُسکے جگر کے پار ہو جاتا
عجب کیا تھا عیادت کے لئے سُنکر چلے آتے — کوئی حیلہ جو بن پڑتا تو میں بیمار ہو جاتا
جمالِ یار کی عالم میں شہرت ہونے والی ہے — خرامِ ناز سے برپا قیامت ہونے والی ہے
ابھی واقف نہیں نازو ادا سے وہ کمسن ہے — جوانی میں اسی قد سے قیامت ہونے والی ہے

اثر **(اثر)** خواجہ حسین خاں صاحب امیر مینائی کے جانشین منشی جلیل حسن کے شاگرد اور خوش کلام سخنور ہیں ؎

دل سے تا مرگ جدا یار کا پیکاں نہ ہوا
یہ بھی کوئی مری حسرت ہوئی مہماں نہ ہوا

جان دی رنج میں پر عیش کا خواہاں نہ ہوا
درد میرا کبھی منت کشِ درماں نہ ہوا

ایک بوسے پہ جتاتے ہو ہزاروں احساں
دے دیا ہمنے جو دل یہ کوئی احساں نہ ہوا

اپنی آہوں سے جو امید رسائی ہوتی
ہمنے کیا جانئے کیا آگ لگائی ہوتی

مے اطہر کی بہت آپ لیا کرتے ہیں
شیخ جی یاروں کو اک دن تو پلائی ہوتی

وہ دوا ہائے بجز موت کے کچھ اور نہیں
جسمیں ہو محبت کی شفا رکھی ہے

اثیم **(اثیم)** منشی محمد علی باشندۂ گورکھپور ۱۸۴۷ء میں گورکھپور کی عدالت میں ڈگری نویس تھے - کئی سال بعد بنارس میں منصفی کے عہدے پر ممتاز ہوئے - عبدالرؤف شعور سے اصلاح سخن لیتے تھے - ایک کتاب موسوم بہ معدن الحکمت اِن کی یادگار ہے - تذکرۂ گلدستۂ تازہ نیناں سے کلام کا انتخاب کیا جاتا ہے ؎

دمِ خنجر میں اگر اُسکے دمِ عیسےٰ ہے
خضر کیوں کر نہ بھلا کشتۂ خنجر ہو گا

دیکھ اُس دستِ حنائی کو منجم نے کہا
خون عشاق کا اِن ہاتھوں سے اکثر ہو گا

خدا جانے اسے منظور ہے کس کس کی بربادی
بنایا ہے جو گھر صیاد نے اپنا گلستاں میں

صدائے شیونِ زنجیر سے معلوم ہوتا ہے
تڑپ کر مر گیا شاید کوئی محبوس زنداں میں

اثیم **(اثیم)** خواجہ عبدالرحیم خاں - رئیس ڈھاکہ - نواب ڈھاکہ کے خاندان سے ہیں - اور سید ظہیرالدین صاحب ظہیر دہلوی کے شاگرد ہیں زبان اور بندشِ الفاظ عمدہ ہے نوشق شاعروں میں شمار کئے جاتے ہیں - اس سے زیادہ حال معلوم نہیں - کلام حاضر ہے ؎

تھی الفتِ شیریں میں مگر نزع کی تلخی
فرہاد گیا جان سے اس کوہ کنی میں

تجھ سے تو زیادہ ترے انداز ہیں قاتل
ہیرے میں نہیں زہر ہے ہیرے کی کنی میں

جو لطف خلش ہے تری مژگاں میں کماندار
پیکاں میں یہ لذت ہے نہ برچھی کی انی میں

مٹتا ہے کوئی دل سے ترا نقش محبت | یہ نام تو کندہ ہے عقیق یمنی میں
تم ظلم سے خوش ہو مجھے مطلب ہے خوشی سے | کیجے نہ کمی کچھ مری خاطر شکنی میں
رکھے خدا پناہ میں بندہ کو چاہ سے | نکلے بشر نہ بھول کے الفت کی راہ سے
شوخی ٹپک رہی ہے سراسر نگاہ سے | بجلی کہیں گرے نہ تری جلوہ گاہ سے
خالی ہوا نہ دل یہ حسینوں کی چاہ سے | اٹھا بتوں کا وہم نہ بیت الالٰہ سے
ہیں اور عشق حور رقیبوں کے شر ہیں یہ | وہم غلط ہے آپ کو اس خیر خواہ سے
اب حشر بھی اٹھا ہے تو اٹھنا محال ہے | ایسا گرایا آپ نے مجھ کو نگاہ سے
اُن کی نزاکتوں نے یہ کیسا ستم کیا | ناکام پھر کے جاتے ہیں ہم قتل گاہ سے
یکسر چراغ گور غریباں بجھا دیئے | کیسی ہوا چلی مرے بخت سیاہ سے
اپنی تو سجدہ گہ ہے درِ پیر مے فروش | دیر و حرم سے کام نہ کچھ خانقاہ سے
ہوتی ہے بعد رنج کے راحت مگر اثیم | یوسف عزیز مصر ہوئے گر کے چاہ سے

(اثیم) حافظ شیخ محمد ابراہیم خلف حافظ محمد باقر علی آنریری مجسٹریٹ و رئیس کانپور۔ عنفوان شباب سے شاعری کا شوق دامنگیر ہے اور اُسمیں حضرت ماہ لکھنوی سے مشورہ کرتے ہیں۔ ایک بیاض کلام شعرا موسوم بہ ترانۂ عشاق ۱۳۱۷ھ میں شائع کر چکے ہیں اُسمیں بعض اساتذہ کے کلام کے ساتھ ہی اپنا کلام بھی درج کیا ہے جسے بہ نظرِ انتخاب معائنہ کیا تو بمشکل یہ چند شعر قابلِ اندراج نظر آئے ؎

آپ جاتے ہیں تو اچھا جائیے | زہر منگوا کر ابھی کھاتے ہیں ہم
سچ ہے کیسکو چاہتے میرے سوا نہیں | تہمت ہے تمکو غیر کی الفت ذرا نہیں

جو حال زار ہے میرا وہ آ کے دیکھ لو تم | بیان کی کوئی حاجت نہیں عیاں کے لئے
غضب کی لاگ تھی بجلی نے وہ بھی پھونک دئے | جو تنکے چُنکے کئے جمع آشیاں کے لئے

تڑپنے پر مرے وہ شوخ بولا | دکھاؤ درد تو مجکو کہاں ہے

بوسے اتنے لئے کہ وہ بولے		پیار کی کوئی انتہا بھی ہے	

(احد) مولوی حکیم عبدالاحد صاحب مدرس اوّل عربی مدرسہ مرزاپور - آپ کے صاحب استعداد اور باکمال ہونے میں شبہہ نہیں باوجود مشاغل علمی (آپ واعظ بھی ہیں اور طبیب بھی) شعر گوئی سے رغبت رکھتے ہیں - ۳۳ - ۳۴ برس کی عمر تک فنون عربیہ - منطق - فلسفہ وغیرہ کا مطالعہ کرتے رہے - استعارہ اور تشبیہ سے طبیعت کو ایک خاص لگاؤ معلوم ہوتا ہے - خیال کی بلندی اور بندش کی چستی مزید برآں ہے - زبان بھی بُری نہیں - ہمنے سرسری نگاہ سے جسقدر اشعار آپکے مطبوعہ دیوان میں اپنے مذاق کے مطابق پائے تذکرہ میں درج کردئے ۵

لکھوں دیواں میں گر کچھ قصہ طول لعل جاناں کا	ازل مطلع ہو دیواں کا ابد مقطع ہو دیواں کا
جو شب کو میرے ماتم کے لئے منہ کھول کر آیا	ہوا روشن چراغ آرزو شہر خموشاں کا
لب جاں بخش کی سرخی کا عالم دیکھکر اے جاں	ہوا جاتا ہے ٹکڑے ٹکڑے دل لعل بدخشاں کا
چھپانے سے نہیں چھپنے کا قاتل خون ناحق یہ	شہادت نامہ ہے دامن تراخون شہیداں کا
بہار گلشن فردوس پھر جاتی ہے آنکھوں میں	اٹھا دیتے ہو پردہ جس گھڑی رخسار تاباں کا
نمک پاشی کا زخموں پر مرے جب قصد کرتے ہو	خوشی منہ چومتی ہے ہنسکے اپنے زخم خنداں کا
جلوۂ رخ سے کیا گھر بیخودی نے آنکھ میں	جب اٹھا پردہ اُدھر تو پھر اِدھر پردہ ہوا
جان کے جانے کی کچھ پروا نہیں پر غم یہ ہے	دامن قاتل پہ میرے خون کا دھبا ہوا
کشتۂ تیر نگاہ ناز مدفوں ہو گیا	اب تو دل اوکا دشمن مژگاں ترا ٹھنڈا ہوا
رہتا ہے بے چین مدت تک تعلق دل کا بھی	غیر کے پہلو میں بیٹھے دردیاں پیدا ہوا
مر گیا عاشق تمہارا ہو گیا قصہ تمام	آرزوئے وصل کا بھی آج منہ کالا ہوا
سوئے منہ گر ہوا یا خنجر ابروئے قاتل کا	نظر آئے فلک پر بھی تماشا رقص بسمل کا
لگایا اپنے سینے سے اٹھا کر اُسکو قاتل نے	تڑپ کر جا پڑا قدموں پہ جب سر اُسکے بسمل کا
خدا کا شکر کر اب تک کمال حسن ہے ورنہ	کمال اک شب فقط رہتا ہے جہاں ماہ کامل کا

ہنسی معشوق کی ہوتی ہے وجہ گریۂ عاشق
چمن میں خندۂ گل سے ہے بس نالہ عنادل کا

جو عاقل ہیں انہیں راحت کی فکر اصلا نہیں ہوتی
خیال عیش رکھنا ہر گھڑی ہے کام کاہل کا

ترا نقشہ بنا کر صانع قدرت نے فرمایا
بناؤں گا نہ اب میں دوسرا تیرے مقابل کا

طوافِ کعبۂ رخ ہو چکا بس اب یہ باقی ہے
بجائے سنگ اسود بوسہ لوں رخسار کے تل کا

قاصد کو موت کو چہ جاناں میں لے گئی
میں منتظر رہی بیٹھا ہوں خط کے جواب کا

زاہد تو اسکے کوچے میں مے پی لے میرے ساتھ
جنت میں کیا حرام ہے پینا شراب کا

اللہ رے اسیری بلبل کا انتظام
صیاد عطر مل کے چلا ہے گلاب کا

روشنی ہے در و دیوار پہ پھیلی ہر سو
چاندنی گھر میں ہے اک ماہ لقا سے پیدا

وہ کہتے ہیں تمہارا کیا گیا سودائے الفت میں
مجھے اس پردے میں رسوائے خاص و عام ہونا تھا

اللہ رے شوق قتل کہ کہتا ہوں بار بار
پھر جائے مجھ پہ خنجر قاتل کسی طرح

کیا جانتے کہ کیا ہے جو پہلو میں ایک دم
رکتا نہیں ہے آج مرا دل کسی طرح

جو پوچھا تھے کہاں اتنے دنوں تو ہنسکے فرمایا
کسی کمبخت کے دل میں تھے اب تک مدعا ہو کر

مجھے مسجد میں جاتے دیکھکر بولے اوہر آؤ
خدا کو بھی دکھا دینگے کبھی شان خدا ہو کر

حسینوں کو محبت بھی ہو تو سمجھو کہ آفت ہے
وفا آخر کو ان کی رنگ لاتی ہے جفا ہو کر

کہیں لیلیٰ کی صورت جلوہ آرا ہے نہاں ہو کر
کہیں رسوائے عالم صورت مجنوں عیاں ہو کر

کہیں تو قاتل عالم نظر آتا ہے عالم میں
پھڑکتا ہے کہیں بسمل کی صورت نیمجاں ہو کر

کبھی تو بتکدے میں صورت ناقوس ہے نالاں
کبھی مسجد میں بول اٹھا موذن کی اذاں ہو کر

تھی تمنا اڑ کے دامن سے لپٹ جاتی یہ خاک
وہ اگر آتے کبھی گور غریباں کی طرف

سچ کہا جانئے قاتل نے کیا ہے ہم پر
دم نکلتا ہے مگر کہتے ہیں قاتل قاتل +

اتنی فرصت دے ہمیں جلدی نہ کر تو قتل میں
دیکھ لیں دم بھر نظر بھر کر اسے جلاد ہم

کیا قتل ایک عالم کو دو لیکن وائے بیدردی
نہ دیکھا مڑ کے تو نے کس طرح بسمل تڑپتے ہیں

کعبہ سمجھ کے توڑتے ہیں دل کو اور بھی
سچ تو یہ ہے بتوں کو خدا کا بھی ڈر نہیں

قبر کو میری یہ ٹھکرا کے لگا کہنے وہ شوخ
فتنۂ حشر کو بیدار کروں یا نہ کروں

بیکسی و نامرادی ساتھ اب چھوڑے گی کیا
شامِ غربت میں گئی صبحِ وطن کی آرزو

صدا ہے دردناک ایسی ہمارے شورِ شیون کی
بیانِ دوست کیا جانے پھٹی جاتی ہے دشمن کی

تیغِ مژۂ ناز نے کشتہ کیا سب کو
عالم میں جدھر دیکھو دُہائی ہے نظر کی

چھوڑ کر عشقِ بتاں کو اے احد
کعبے کو بت خانے سے کیونکر چلے

کیا بدنام مجھکو مارا تو نے
قضا رو کر یہ کہتی ہے ادا سے

جب دونوں کی خلقت ہوئی اِک کُن کی صدا سے
پھر شیخ میں ہے کیا جو برہمن میں نہیں ہے

وہی فضلِ الٰہی ہے شریکِ مجرماں ہر دم
وہی بخشش وہی رحمت جو آگے تھی سو اب بھی ہے

بے خودی میں اس قدر محوِ جمالِ یار ہوں
جس طرف میں دیکھتا ہوں یار کی تصویر ہے

کہتے ہیں وہ کہ میری بلا بھی نہ آئیگی
کیا وہ نہ آئیں گے تو قضا بھی نہ آئیگی

احسان

احسان - شاعرِ خوش کلام سخن ور عالی مقام حافظ عبدالرحمٰن خاں خلف حافظ غلام رسول خاں شاہزادہ مرزا فرخندہ بخت ایزد بخش مرحوم عرف مرزا نیلی خلف حضرت شاہ عالم ثانی کی سرکار میں مختارِ کل تھے - استاد سلاطینِ زمن کے لقب سے مشہور اور شعرائے پائے تخت میں ممتاز و سربلند تھے - مرزا فارد بخش صاحب صابر مولف تذکرہ گلستانِ سخن پہلے انہیں کے شاگرد تھے مشقِ سخن کمال کو پہنچی ہوئی تھی سائر شعرا پر اس کا ملکہ تھا جملہ اصنافِ سخن پر قادر اور فارسی و ریختہ دونوں زبانوں میں طبع آزمائی فرماتے تھے - مگر طبیعت اُردو کی جانب زیادہ مائل تھی - چنانچہ اپنے ایک شاگرد کو اُردو میں غزل کہنے کا شوق دلانے کے موقع پر آپ نے فرمایا تھا کہ "غزل ریختہ اگر خوب باشد بہتر از فارسی است" - بایں ہمہ فارسی کی زبردست استعداد رکھتے تھے - اساتذۂ فارس کے ہزاروں شعر آپ کو زبانی یاد تھے اور جب کوئی آپ کے شعر میں کسی لفظ یا ترکیب پر اعتراض کرتا تھا آپ تڑاق سے سند میں اُستادوں کا کلام پیش

کر دیتے تھے - استحضار کی یہ کیفیت تھی کہ پوری پوری غزلیں اور مختلف اشعار شعرائے متقدمین کے زبان تھے - اپنے دیوان اور مثنوی میں بھی کئی جگہ کسی غیر معمولی حرکت یا ترکیب الفاظ کی سند میں آپ نے کئی کئی شعر حاشیے پر لکھ دئے ہیں تاکہ پڑھنے والوں کو اعتراض کی گنجائش نہ رہے - ایک مرتبہ حضرت شاہ عالم بادشاہ کے اس مصرع پر "صبح بھی بوسہ تو دیتا مجھے اے ماہ نہیں" پر آپ نے فی البدیہہ یہ مصرع چسپاں کیا ع نامناسب ہے میاں وقت سحرگاہ نہیں ۔ اور پھر حضور کی فرمائش سے اسی زمین کی غزل کے بہت سے شعر اس طرح سنا دئے گویا گھر سے یاد کر کے آئے تھے - اسی صحبت میں کسی نے "وقت سحرگاہ" کی ترکیب پر شبہہ ظاہر کیا اور لفظ گاہ کے ساتھ وقت کو فضول و زائد قرار دیا آپ نے فوراً مرزا صائب کا یہ شعر پڑھ دیا ؎

آدمی پیر چو شد حرص جواں می گردد		خواب در وقت سحرگاہ گراں می گردد	

قلعہ معلی کے قریباً تمام شاہزادے اور دہلی کے اکثر امیرزادے آپکی شاگردی کا دم بھرتے تھے اور حضرت شاہ عالم تو آپ کے حال پر خاص نظر عنایت فرماتے تھے - مجلس خاص کے وقت جس میں گنتی کے آدمیوں کو بار ملتا تھا آپ اکثر موجود ہوتے تھے - بادشاہ ان کے اشعار بڑے شوق اور رغبت سے سنا کرتے تھے - حضرت اکبر شاہ ثانی کے حضور میں بارہا آپ کے اور شاہ نصیر کے مطارحات ہوئے اور اس پر بھی دربار شاہی میں آپ کی عزت برقرار رہی - باوجودیکہ خدا تعالیٰ نے طبیعت شاعرانہ اور رنگین عطا فرمائی تھی مگر اس پر بھی آپکو زمانہ کی ہوا نہ لگنے دی اور حافظ قرآن ہونے کا پورا پورا لحاظ رکھا - چنانچہ شاہ نصیر نے بھی ایک مرتبہ کسی بات پر بگڑ کر حافظ قرآن ہونے پر اسطرح چوٹ کی تھی ؎

اے خال رخ یار تجھے ٹھیک بناتا		پر چھوڑ دیا حافظ قرآن سمجھکر	

علوم متداولہ اور فنون نفیسہ میں کامل دستگاہ تھی اپنے زمانے کے اساتذہ میں شمار ہوتے تھے - بڑی عمر ہونے کی وجہ سے اگر ایک طرف جرأت - انشا مصحفی اور نصیر کے ہم آہنگ

تھے تو دوسری جانب ذوق - ممنون - مومن - اور غالب کے ہم عصر تھے - چنانچہ انکے کلیات میں اِن سب اساتذہ مذکورہ کی ہم طرح غزلیں موجود ہیں - آپ کی اُستادی میں کچھ کلام نہیں - زبان کی صفائی - الفاظ کی شستگی اور برجستگی میں آپ نے بڑی کد و کاوش کی جہانتک بنا مغلق الفاظ پیچیدہ تراکیب و تکرارِ اضافت کو پاس نہ آنے دیا - ہاں رعایتِ لفظی و معنوی سے نہ موڑا تاہم طرزِ بیان نہایت صاف - سہل اور بے تکلف ہے - ابوظفر سراج الدین بادشاہ خاتم سلطنت مغلیہ نے ہمیشہ آپکی عزت و توقیر فرمائی اور حضرت احسان کو تا زیست وظیفہ شاہی کے احسان سے سبکدوش نہونے دیا - حسب اتفاق ایک مرتبہ وظیفہ میں کچھ دیر ہوئی تو آپ نے عین شکار ماہی کے موقع پر یہ قطعہ فی البدیہ لکھکر پیش کیا ؎

صید ماہی و صیدِ دل شاہا		خوب ہے اور کچھ نہیں معیوب	
جال ہوں اور شکار مچھلی کا		یعنی ڈوبے کا ہے نکالنا خوب	
قطب صاحب تھے جب حضور گئے		وہ دو ماہا گیا ہے میرا ڈوب	
اُس کو بھی حکم ہو نکل آئے		صبر کب تک ہو میں نہیں ایوب	

اسی طرح ایک اور مرتبہ تنخواہ رُک جانے کی شکایت میں ایک طویل قطعہ موزوں فرما کر حضور شاہی میں گزرانا تھا جسکی وہی زمین ہے جو مرزا غالب کے اس مشہور قطعہ کی ہے ؎

رسم ہے مُردے کی چھ ماہی ایک		خلق کا ہے اسی چلن پہ مدار	

اس قطعہ میں حضرت احسان نے کہاروں - بنیئے اور بنیئن کی گفتگو بڑی لطیف و معنی خیز بیان کی ہے - عجب نہیں جو مرزا غالب کو اس زمین کا خیال احسان ہی کے قطعے سے پیدا ہوا ہو +

علی ہذا ایک اور مزے دار قطعہ جسے ہمنے انتخابیہ کلام کے شروع میں ہدیۂ ناظرین کیا ہے آپ نے حضرت اکبر شاہ ثانی کی خدمت میں اُس موقع پر پیش کرایا تھا کہ دشمنوں نے انکی طرف سے کان بھر کر قلعہ معلی میں آمد رفت سلام و مجرا سب بند کرا دیا تھا +

آپ کے کلام میں عاشقانہ رنگ خوب ہوتا ہے اکثر قطعے بڑے لطیف اور مزیدار لکھے ہیں

اور اُن سے اُس زمانے کے بعض تاریخی واقعات کا بھی پتہ چلتا ہے۔ آپ کا کلیات اب عنقا کا حکم رکھتا ہے بڑی تلاش و جستجو سے ایک قلمی کلیات جو ضخامت میں تیس جزو کے قریب ہے دستیاب ہوا ہے دیوان کے علاوہ ایک مثنوی یوسف زلیخا بھی بہت عمدہ لکھی ہے۔ یوں شاگرد تو سیکڑوں تھے لیکن ان سب میں صرف مرزا ثابت اور مرزا صابر نے اُستادی کا درجہ حاصل کیا۔ ایام ضعیفی میں بھی شوقِ سخن کا یہ عالم تھا کہ کوئی مشاعرہ ناغہ نہوتا تھا۔ نواب اعتماد الدولہ سید فضل علیخاں دہلوی کی وزارت میں ایک مرتبہ لکھنؤ بھی گئے مگر وہاں انکے کمال کی جیسا چاہئے قدردانی نہوئی آخر کار پچاسی برس کی عمر ۱۲۶۷ھ ہجری میں رحلت فرمائے عالم بقا ہوئے مرزا صابر نے تاریخ وصال اسطرح موزوں فرمائی ؎

عین ہنگام الم میں صابر دل گیر نے		اپنے دل کو تھام کر یا صد غم و یا صد بکا
کی رقم اُس معدنِ احساں کی تاریخ وفات		دل گیا مٹیہ آہ جب عالم سے احساں اٹھ گیا

مولوی عنایت الرحمن خاں مرحوم سابق ڈائرکٹر شعبۂ تعلیم حیدرآباد دکن اور مولوی احسان الرحمن خاں رئیس دہلی انکے پوتے ہیں مولوی عنایت الرحمن خاں صاحب کے بڑے صاحبزادے خان بہادر غلام محمد حسین خاں دہلی میں میونسپل کمشنر ہیں اور اُنکے چھوٹے بھائی ابوالحسن خاں صاحب منصفی کے عہدے پر ممتاز اور راقم تذکرہ کے کرمفرما ہیں لال کنوئیں کے بازار میں انکی بنائی ہوئی ایک عالیشان حویلی اب تک موجود ہے۔ انتخاب کلام ملاحظہ ہو ؎

ہوں شہرِ ہند کا اُستاد یہ ہے فخر مجھے	قطعہ	شہرہ میرا تو شہا تا شہرِ ایران گیا
عرضِ غمّاز پذیرا جو ہوئی حق میں مرے		کیا گیا میرا اگر اُسکا ہی ایمان گیا
حکم والا یہ ہوا قلعہ میں احسان نہو		سُن کے اس بات کو اک شہر کا اُوسان گیا
اے شہنشاہِ جہاں قدر شناسِ احساں		خلق کیا کہوے گی گو حکم کو میں مان گیا
شہر وہ کیا ہے کہ جس شہر میں احسان نہو		قلعہ وہ کیا ہے کہ جس قلعہ سے احسان گیا
قاضی مفتی گلگوں کی حرص کتابوں میں		لیکن ہے بڑی ذلت رشوت کا بچا جانا

بے معنی نہیں معنی اس رمز کے دلکش ہیں
ہے دُور سمجھ اپنی یہ حکم ہُوا یعنی

قطعہ

مانگ اپنی دکھا جانی پٹکی کو بجا جانا
جب آستی آ ہی ہم پاس تو آ جانا

چھُٹ گیا قصّہ دنیا سے تو مر کر منعم
دلِ صد چاک کی پوچھی جو خبر اُسنے وہیں

کہ غمِ مال گیا اور غمِ اولاد گیا
گُلِ صد برگ مرے سامنے لاکر توڑا

دلا و زلف سے دل ورنہ سب سے کہتا ہوں
کہ مجکو ایک لٹیرے نے ابھی ہے لُوٹا

دلِ مرا زندانِ الفت میں سدا قیدی رہا
پہلے اُسکی ابروئے پُرخم پہ مائل ہو گیا

قطعہ

جب ہٹوا دو ہاں سے، پھر زلف میں جا کر پھنسا
طوق سے چھوٹا تو پابندِ سلاسل ہو گیا

اگر ہوا تفاق آپس میں تنگی بھی گزر جائے
گزارا ایک بیڑا رہن میں ہے بادام تو ام کا

یاروں سبھوں کو میرے گریباں کی فکر ہے
ناصح کے مُنہ کو آن کے کوئی نہ سی گیا

سخت نادانی کی احساں جو کہا عاشق ہوں
بھید کہتا ہے کسی سے کوئی دانا دل کا

گلے سے لگتے ہی جتنے گِلے تھے بھول گئے
وگرنہ یاد تھیں مجکو شکایتیں کیا کیا

ہو بچ اے اجل کہ لب پر آ لگا ہے کام جاں کا
حامی ہے کون تجھ بن آفت رسیدگاں کا

کبھی شادی کبھی غم ہے یہی عالم ہے عالم کا
سرِ عیدِ الضحیٰ گزرا تو چاند آیا محرّم کا

آتش جگر میں گاہے کہ شعلہ جاں میں دیکھا
اللہ رے کیا کیا عشق بتاں میں دیکھا

تجکو کبھی نہ دیکھا دیکھا جہان سارا
گرچہ تجھی کو مینے سارے جہاں میں دیکھا

شُہرہ ہے لکھنؤ کا لیکن نعوذ باللہ
مومن جو وہاں ہیں انکو کفرِ نہاں میں دیکھا

قطعہ

دلّی کے ہندوؤں میں ہیں اہلِ دل ہزاروں
دلّی سا شہر کس نے ہندوستاں میں دیکھا

جو ہیں کھرے اُنہیں کو دس کھوٹیاں سُنائے
مینے یہ سلیقہ اس نوجواں میں دیکھا

خاک ہو کر بھی رہوں تھا یہ وفا نے چاہا
کیا کہوں لیک نہ کمبخت جیانے چاہا

مینائے بادہ ہاتھ سے یوں میرے لے گیا
خوں محتسب کا آج تو پینا حلال تھا

بجھی جو شمع تو پروانوں پر ہُوا روشن
کہ بعد مرگ کوئی آشنا نہیں رہتا

ہماری جان پہ گرتی ہے برقِ غمِ ظالم
ہماری چھاتی پہ پھرتا ہے سانپ سا احساں

تجھے تو سہل سا ہے شغل مسکرانے کا
وہاں ہے شغل سے زلف کے بنانے کا

۳

اے خوشی آجا کہ ٹھیری رخصت غم آج ہے
تڑپا جو میں تو برقِ فلک ناز نے کہا
جب کہ تجسا صنم اے بت ہو میسر تنہا
مارا خیالِ زلف نے دل پر جو دام رات
دم کھنچا آتا ہے ساتھ اسکے مرا اے ہمدم

غم تجھے رخصت کہ لایا ابر پیغام شراب
اللہ رے مشتِ خاک و کفِ گل کا اضطراب
پھر خدا ہے کہ رہے بندے کا ایمان درست
دیکھا کیا ہوں خواب پریشاں تمام رات
آہ پہلو سے مرے نا دلِ دلدار نہ کھینچ

۴

تنخواہ ایک بوسہ ہے تسپر یہ حجتیں
پان اُسنے ہے چبایا تکئے دیکھو یہ تماشا
فکرِ شراب دل میں ذکر بتاں ہے لب پر

ہے نا وہند آپ کی سرکار بے طرح
بنتا ہے یاں زمرد لعلِ ناب کیونکر
میری دعا الٰہی ہو مستجاب کیونکر

۵

مجکو مست ٹھکراویں چلئے سنبھل کر دیکھکر
کوٹھے پہ چڑھا کر تو مری جان سمجھ کر
سرو سے قمری پھرے ہے بگڑی بگڑی باغ میں
فائدہ تم جو مجھے نزع میں یار آئے نظر
نہ چمن باغ میں مجکو نہ بہار آئے نظر
کشتۂ خنجرِ مژگاں ہوں کہ جس دم سوؤں
دوش بدوش دوش تھا مجسے بتِ کرشمہ کوش
غازہ بر دوسی بلب پاں بدہن حنا بکف
پل میں مریض وہ کرے دم میں شفا یہ دے مجھے
منکر مے تھا شیخ کل آج یہ حال ہے کہ ہے

چال سب چلتے ہیں لیکن بندہ پرور دیکھکر
بیریاں نہ اُترائیں پرستان سمجھ کر
کیا شگوفہ تو گیا سرو چراغاں چھوڑ کر
ہے نہ یارائے سخن اور نہ یارائے نظر
کیا نظر آئے کہ جب تو ہی نہ یار آئے نظر
کوئی کھینچے ہوئے سینے پہ کٹار آئے نظر
پردہ درِ خیام عقل رخنہ گرِ حریم ہوش
سلکِ در عدن بسر طرۂ عنبرین بدوش
آہ وہ چشم مے پرست واہ وہ لعلِ بادہ نوش
جام بدست و خم بسر شیشہ ببر سبو بدوش

۶

۱۱ھ ولادت حضرت شیخ ابو شیخ ۱۲ھ وفات حضرت شیخ ابو شیخ

چھوڑ رزوجۂ شیخ ابو شیخ کا اخلاص
اگرچہ پیر ہے پر ہے مرید با اخلاص

یادِ تو حق کی تجھے یاد ہے پر یاد رہے
یار دِ شوار ہے وہ یاد جو ہے یاد کا حق

گو مر چکا ہوں پر دلِ مضطر کے ہاتھ سے
میرے نصیب میں نہیں آرام اب تلک

گر ہے دنیا کی طلب زاہدِ مکار سے مل
دیں ہے مطلوب تو اِس طالبِ دیدار سے مل

گر وفا چاہئے تو ہمسے وفادار سے مل
زر ہے درکار تو جا کر کسی زردار سے مل

ڈھونڈتے بہرِ شکم ہیں رات دن دولت کو ہم
یاں تو دوزخ کی پڑی ترسیں گے واں جنت کو ہم

قیمتِ بوسہ جو پوچھی بولے بے قیمت ہے یہ
آج بے قیمت ہی لینگے جنسِ بے قیمت کو ہم

زاہد اِ واحد ہے وہ وحدت میں اسکے شک نہیں ق
رازِ وحدت کیا سُنائیں تجھسے بے وحدت کو ہم

شعر یہ کندہ تھا اُس شیریں بیاں کی قبر پر
خوب روئے دیکھکر فرہاد کی تربت کو ہم

واہ واہ اے بادشاہِ عشق تیری منصفی
راحت اوروں کے لئے خدمت کو ہم محنت کو ہم

محتسب قہر ہے تو شوق سے نگلے انگور
اور محروم رہیں بادۂ انگور سے ہم

غم ساتھ ہوا گلی سے تیری
اِک آئے تھے اور دو گئے ہم

میں جو مے پینے پہ آؤں تو سبو پی جاؤں
گر عسس منع کرے اُسکا لہو پی جاؤں

میں تڑپتا ہوں غمِ عشق بتاں میں احساں
حکما فضلِ الٰہی خفقاں کہتے ہیں

خفاست ہو مجھکو ٹھکانے بہت ہیں
مرا سر ہے آستانے بہت ہیں

مجھکو مست چھیڑ دو کہ سرتاپا تاثیر ہوں
برق ہوں آہ سحر ہوں نالۂ شبگیر ہوں

سوالِ وصل پہ دیتا ہے شمع رو یہ جواب
دِیا دِیا نہ دیا مجھ پہ کچھ یہ دین نہیں

قطعہ

حکم والا ہو کہ یہ دلی بھی پھر آباد ہو
یا علیؑ تم بن کوئی اِس شہر کا والی نہیں

یا گجر ہی صبح کا فرقت کی شب بجتا نہیں
یا کوئی اس شہر نا پرساں میں گھڑیالی نہیں

بس ترے آتے ہی مجکو چین سا کچھ آگیا
اب وہ بے چینی وہ بیتابی وہ بے حالی نہیں

نالۂ آتش عناں ہے برق اسکو مت سمجھ
دودِ آہِ عاشقاں ہے یہ گھٹا کالی نہیں

دو ہی دن کے عشق میں احساں یہ صورت بنگئی
مُنہ پہ وہ رونق نہیں چہرہ پہ وہ لالی نہیں

اہلِ دیں ہم جان کر بہرِ زیارت تھے گئے
حضرتِ احساں کو دیکھا ایک دنیا دار ہیں

عکسِ پروین دیکھ کر بولا وہ پرفن آب میں
کس نے پھینکی ہوتیوں کی میری خمرن آب میں

جو سیہ روئے ازل ہیں وہ سپید اصلا نہوں
آ اگر ہے شبہ کچھ دھو دیکھ جا صن آب میں

خریدار ایک قطرہ کا ہوں میں طوفانِ الفت سے
مگر جو لوگ دریا دل ہیں دریا مول لیتے ہیں

ترے دیدار کو چھوڑ کر قانع ہیں جنت پر
وہ دیں کو بیچتے ہیں اور دنیا مول لیتے ہیں

خدا محفوظ رکھے اِن بتوں سے اے مسلمانو
وہ بے ایمان یہ ہیں جو کہ ایماں مول لیتے ہیں

بنائے قصرِ عمرانی ڈھئی جاتی ہے یاں ہر دم
قصورِ عقل سے ہم قصر و ایواں مول لیتے ہیں

ہمارے لعلِ لختِ دل نہ لیوں گاہ یا قسمت
یہ مرجانے کی باتیں ہیں وہ مرجاں مول لیتے ہیں

جگر کو دل کو مژدہ دے تو اے پیکِ اجل جاکر
کہ بہرِ سینۂ احساں وہ پیکاں مول لیتے ہیں

چھیڑ تو دیکھو سُنا کر مجھے غیروں سے کہا
آج عاشق ہم کو صدقے کے لئے درکار ہیں

عشق ہی جسکو نہیں ہے اُسے ایماں نہیں
اپنے مذہب میں وہ کافر ہے مسلماں نہیں

ہتھیلی پر ہے سر اور پاؤں اُس کوچے میں ہے اپنا
خریدارِ محبت ہاتھ میں بیعانہ رکھتے ہیں

شکم پروردِ ریاست کو نہ بخشائیں تو میں جانوں
کہ دوزخ کے لئے جنت یہاں نیلام کرتے ہیں

مسجد میں یاد آوے جو نامِ خدا وہ بت
سر پٹکوں اسطرح سے کہ منبر کو توڑ دوں

قطعہ

فرطِ الفت سے یہ فرمایا ظفر نے احساں
"ہم تمہیں جانتے ہیں تم ہمیں کیا جانتے ہو"

عرض کی میں نے کہ میں ذرہ ہوں اور تم خورشید
فخر ذرہ ہے کہ ذرہ کو ذرا جانتے ہو

اور یہ اور عنایات گدا پر اپنے
گرچہ اُستاد ہوں شاگرد شہا جانتے ہو

دو بھی بوسہ مجھے یک ماہ میں اے ماہ ندو
وضع یہ کیا ہے کہ نوکر رکھو تنخواہ ندو

جیوں میں کیونکہ خفا مجھسے آہ جب تم ہو
کہ میری زیست کے اے جان میں سبب تم ہو

اُس سے پوچھے ہے جو احسانِ وفا پیشہ کبھی
بے وفا کون ہے کہتا ہے وہ عیار کہ تو

حالِ دلِ حزیں جگر خستگاں پہ رحم
مینے کہا ثواب ہے کہنے لگا گناہ

جنت میں مجکو اُسکی گلے سے ہیں لے چلے
کیا جانئے کہ مجسے ہوا آہ کیا گناہ

آگ اِس دل لگی کو لگ جائے
دل لگی آگ بھبھوکا نے لگی

مہر جھیجتی ہے تری نفسۂ جگر کی، روزِ حشر
دامنِ صحرائے محشر اُسکا اِک رومال ہے

سرمۂ چشمِ بتاں کی کہوں کیا بپ ہے بھلی
گھر کے گھر کھو دئے اور آنکھوں میں گھر کرتا ہے

دکھایا تزلف کا عالم تو بس یہ میرا عالم ہے
اساسِ صبر برہم ہے بنائے عقل درہم ہے

نہیں ہے زرہی زیرِ نگینِ تاجداراں بھی
اگر شاہ جہاں یاں ہے برائے نام خرم ہے[۱]

بوسہ لیا تو ہو کے خفا دل ربا چلے
ہے ہے مزے کی بات سے تر میز ا چلے

پیرِ مغاں کی یہ ہے کرامات ساقیا
یوں میکدے میں ساغرِ بیدست و پا چلے

مرنے کے بعد آن کے کوئیں پیر یاں
لو آج اپنے کشتے کی سنت بڑھا چلے

ذرا تو دم لے دمِ تیشۂ غمِ شیریں
کہ سانس لینے کی طاقت تو کوہکن میں ہے

مجکو مسجد سے نکالا تو بس اب لے یہ ثواب
زاہدا تو ہی بنا خانۂ خمار مجھے

نشۂ داغِ دلِ غمِ الفت میں مل گئی
دولت لکھی تھی جو مری قسمت میں مل گئی

دلدادہ تیرے سایۂ طوبیٰ میں ہیں کھڑے
قامت کی تیری داد قیامت میں مل گئی

قطعہ

اگر جنگل میں لٹ جائے تو کوئی کیا تعجب ہے
مگر تحقیق ہو تو چور کی مشکل رہائی ہے

مری تنخواہ لوٹی اِن لٹیروں نے حویلی میں[۲]
بہادر شاہ غازی کی دوہائی ہے دوہائی ہے

چین تجکو بھی نہ میرے ستانے والے
تو بھی ٹھنڈا نہ ہے جی کے جلانیوالے

بس خاکِ قدم دیجئے تکرار ہے کس کی
مٹی مری اِس خاک نے ہی خوار ہے کی

(احسان) اِن کا نام نہیں معلوم - لکھنو کے رہنے والے اور مرثیہ گوئی میں مشہور تھے - نواب سعادت علی خاں اور نواب غازی الدین حیدر کا زمانہ تھا - اُنکا ایک شعر دستیاب ہوا وہ ہی لکھا جاتا ہے

[۱] اسمیں لطف یہ ہے کہ شاہجہاں کا بایام شاہزادگی خرم نام تھا ۱۲

[۲] قلعہ معلی دہلی کو عوام لال حویلی بھی کہتے تھے ۱۲

مجنوں کو اپنی لیلیٰ کا محمل عزیز ہے	دل میں ہمارے تو ہے ہمیں دل عزیز ہے

احسان

(احسان) منشی احسان علیخاں ولد منشی اکرام الدین علیخاں - سرکار رامپور کے قدیم متوسل اور وہاں کے سخن سنجوں میں ممتاز ہیں - ابتدائی عمر میں مولوی حسین شاہ بغدادی سے استفادہ کیا - عربی فارسی کی اچھی دستگاہ بہم پہنچائی - آغازِ شباب سے طبیعت شعر گوئی پر مائل ہوئی - باوجودیکہ آپ خود ایک کہنہ مشق شاعر ہیں مگر پھر بھی حضرت داغ دہلوی کی قادر الکلامی اور سحر گفتاری کے قائل اور اُنکی شاگردی کا دم بھرتے ہیں - حضرت داغ کے قیام رامپور کے زمانہ میں اسقدر فیض اُٹھایا کہ فی زمانہ وہاں کے سخنوروں میں رتبۂ یگانگی حاصل ہے اپنے بلند نام اُستاد کی دلفریب اور دلگداز طرز کو پورا پورا نباہا اور نباہ رہے ہیں - زبان کی صفائی اور کلام کی دلبستگی کے لحاظ سے آپ نامی معاصرین پر فوق رکھتے ہیں اسوقت میں سن شریف ساٹھ برس کے قریب ہے - مشق سخن کمال کو پہنچی ہوئی ہے - آپکی ہمت عالی کچھ غزل ہی تک محدود نہیں بلکہ اکثر اصنافِ سخن پر قادر ہیں - خیال کی رسائی اور معاملہ کی بندش سخن فہموں کو اپنی طرف کھینچتی ہے امیر مرحوم اپنے تذکرۂ انتخاب یادگار میں انکے حالات اسطرح تحریر فرماتے ہیں کہ "ان کو مجالس عزا میں سوزخوانی کا شوق ہے نوحہ اور سلام کہنے کا ذوق ہے - فکر اچھی ہے طبیعت زکی ہے - نواب مرزا خاں داغ دہلوی کے شاگرد ہیں - اکثر انہیں کی صحبت میں رہتے ہیں" بہرحال اسوقت حضرت داغ دہلوی کے نامی تلامذہ میں آپ کا دم غنیمت ہے ؎

شادیکیوں ہوتے ہو سنکر غل مری فریاد کا	شور ماتم کیا ترانہ ہے مبارکباد کا

جلوۂ ہوش رُبا یار کا اچھا دیکھا	ہو گئے آپ تماشہ یہ تماشا دیکھا
ہم رہے آپ میں جبتک نہ وہ جلوہ دیکھا	ہوئے بیخود تو خدائی کا تماشا دیکھا
اُف رے بالیدگیٔ قطرۂ اشکِ حسرت	آنکھ سے گرتے ہی ہمنے اسے دریا دیکھا
ذبح بہروں میں کیا کُند چھری سے مجھکو	گھڑیوں پھر میرے تڑپنے کا تماشا دیکھا
بن گیا آئینہ میرے لئے سارا عالم	اُٹھ گئی آنکھ جدھر یار کا جلوہ دیکھا

لائی تاثیر محبت اُنہیں میت پہ مری
مُنہ پہ مُنہ رکھ کے بصد درد یہ رو کر بولے
بے ملے چل دئے افسوس بڑی جلدی کی
کیا ہی آرام سے نیند آئے اگر ایسا ہو
سر جھکا لینے کا انداز بھی ہے قاتلِ خلق
عید سے بڑھ کے خوشی آج رہی ہے دن بھر
جو نہ تھا سہکو گوارا وہ گوارا ہو گیا

قطعہ

کھول کر بندِ کفن کے مرا چہرا دیکھا
پیار اخلاص وہ سب آپکا جھوٹا دیکھا
میرے آنے کا بھی احسان نہ رستہ دیکھا
ہاتھ تکیہ کی جگہ ہو تہ گردن اُن کا
تیغ و خنجر سے سوا ہے خمِ گردن اُن کا
صبح دیکھا تھا جو اُٹھکر رُخِ روشن اُن کا
اس محبت کا بُرا ہو ظلم پیارا ہو گیا

غافل اُس بت سے کسی حال میں احسان نہ ہُوا
مرتے مرتے بھی تو کمبخت مسلمان نہ ہُوا

گھر میں اللہ کے واعظ سے نہ بولو زنہار
بسم اللہ اُٹھیے کیسئے کرامتحان پر
بازار میں نہیں تو ذرا میں محتسب سے ہم
ضبطِ فغاں نہ کرتے اگر ہم شبِ فراق
اچھی کہی یہ شیخ نے دنیا کو چھوڑ دو
کس کس مزے سے کھاتے ہیں ہم ہجر یار میں
پینے گئے تھے یا اُسے سمجھانے شیخ جی

لے چلو اسکو اٹھا کر مسند بر باہر
آیا ہوں میں بھی کھیل کے آج اپنی جان پر
جو چاہتے ہیں کرتے ہیں اپنے مکان پر
ہوتا فلک زمیں پہ زمیں آسمان پر
کیا اسکو ترک کر کے رہیں آسمان پر
وہ زہر جس کو کوئی نہ رکھے زبان پر
دیکھا تھا مے فروش کی مینے دوکان پر

۱۵ تمہیں چاہا ہے بیشک ہوں اسی تعزیر کے قابل
روکے ہوئے ہے چار طرف راہ بیخودی
سمجھو تو کیا سمجھتے ہیں ہم تم کو جانِ جان
دل کو بوسہ کے عوض دینے لگا میں تو کہا
نہ پوچھیں آپ مجھسے مبتلا ہو کس پہ سچ کہہ دو
پی کے ہم بادۂ عرفاں کو اگر دیکھتے ہیں

جگر ہے تیر کے قابل گلا شمشیر کے قابل
ہوش و حواس کہتے ہیں آئیں کدھر سے ہم
دیکھو تو دیکھتے ہیں تمہیں کس نظر سے ہم
دام کھوٹے نہ دو ہم مال کھرا دیتے ہیں
بتا دوں جس پہ مرتا ہوں دکھا دوں جسپہ مائل ہوں
جلوہ اپنا نظر آتا ہے جدھر دیکھتے ہیں

یہ اختر تیرا ہم اسے دور قمر دیکھتے ہیں
بے ہنر عیش میں ہیں اہل ہنر دیکھتے ہیں

پڑ گیا ہے ہمیں غم کھانے کا لپکا ایسا
قطعہ
رنج ہوتا ہے مسرت کو اگر دیکھتے ہیں

راہ وہ چلتے ہیں ہم لگتی ہے جس میں ٹھوکر
کام وہ کرتے ہیں ہم جس میں ضرر دیکھتے ہیں

عشقِ بتاں میں سود ہے اے دل زیاں نہیں
قطعہ
سر دے کے بھی ملے تو یہ سودا گراں نہیں

میں ہوں وہ جان جس کو نہیں احتیاجِ جسم
وہ جسم ہوں میں کچھ جسے پروائے جاں نہیں

میں وہ زیاں ہوں سود کا جس میں نہیں پتہ
وہ سُود ہوں میں نام کو جس میں زیاں نہیں

ہوں وہ خزاں بہار کی جس کو نہیں امید
میں وہ بہار ہوں جسے خوفِ خزاں نہیں

وہ درد ہوں کہ جس کی میسر نہیں دوا
وہ حال ہوں جو قابلِ شرح و بیاں نہیں

کرتا تھا پہلے نفع بھی اکثر ہمیں ضرر
اب تو یہ حال ہے کہ زیاں بھی زیاں نہیں

یہ جھوٹ ہے خدا کو یہ بت جانتے نہیں
یہ خوب جانتے ہیں مگر مانتے نہیں ✤

اچھا ہے آپ ہم کو اگر جانتے نہیں
خوش رہئے ہم بھی آپ کو پہچانتے نہیں

تیری ضرور مانیں گے احسان بیٹھ بھی
یہ بت خدا رسول کی تو مانتے نہیں

آسماں ٹوٹ پڑے سر پہ مصیبت کے لئے
پر کسی بُت پہ الٰہی نہ طبیعت آئے

کیونکر اُسکی خبر ملے جب تک
آدمی بے خبر نہ جائے

کھا تو لیں حجر میں مگر ڈر ہے
زہر قاتل شکر نہ جائے

کیوں نہ آئینہ سے ہو مجھ کو تنفر احساں
قطعہ
عیب یکتائی انساں میں لگا دیتا ہے

اِس سے بڑھکر نہیں آفاق میں مشرک کوئی
ایک کے دو ہی کمبخت بنا دیتا ہے

مجھ پہ دیتے ہیں غیر کو ترجیح ✤
اِس ستم کو ملاحظہ کیجے

میں یہ کہتا ہوں نہ نکلے غمِ جاناں دل سے
دل یہ کہتا ہے کہ مشکل مری آساں ہو جائے

اُف رے بالیدگی اے دردِ محبت تیری
گر لگے پھانس کلیجے میں تو پیکاں ہو جائے

اُس کو یقیں ہے آ کے میں زندہ نہ پاؤنگا
مڑ مڑ کے دیکھتا ہے مرا نامہ بر مجھے

کچھ عجب حال ہے جب سے اُسے دیکھا کیا ہے		ہم نہیں آپ میں آحساں یہ تماشا کیا ہے	

احسان (احسان) حاجی احسان اللہ صاحب سوداگر دیرہ دوں - اپنے آپ کو مرزا غالب مرحوم کا شاگرد بناتے ہیں اشعار ذیل سے اُستاد شاگرد کے کلام کا موازنہ ہو سکتا ہے ؎

مینے کہا کہ غیر کے کوچے میں کیوں گئے		کہتے ہیں کس ڈھٹائی سے پھر تم کو کیا غرض	

ٹوٹے گا رنگ تار کے رُخسار کی طرح		کھینچا اگر خیال میں تصویر یار کو	
نہ اتنا ہو سکا جا سے افسوس اے احساں		کبھی جا کر ہمارے حال کی انکو خبر کرتے	

احسان (احسان) ابو الاعجاز منشی احسان علیخان خلف منشی قاسم علی شاہجہاں پوری حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کے خلیفہ سید جلال الدین بخاری کی نسل میں سے ہیں سنہ ۱۲۷۴ ہجری میں بمقام اوڈا ضلع بریلی پیدا ہوئے - پھر انکے والدین شاہجہانپور چلے آئے اور یہیں مستقلاً سکونت اختیار کی - چنانچہ انکی تعلیم و تربیت یہیں ہوئی - سولہ برس کی عمر میں شعر و سخن کیطرف طبیعت مائل ہوئی حافظ نثار احمد خاں تائب سے اصلاح لینی شروع کی - جب کچھ مشق بڑھی تو کسی سخنور کامل کی ضرورت محسوس ہونے لگی چنانچہ حکیم میر ضامن علی صاحب جلال سے جو اس زمانہ میں سرکار نواب کلب علیخاں مرحوم والی رامپور میں ملازم تھے استفادہ شروع کیا یہ سنہ ۱۸۸۰ء کا ذکر ہے - سنہ ۱۸۸۴ء میں بہ تلاش معاش گورکھپور پہونچے اور محکمہ بندوبست میں ملازمت اختیار کر کے ۶ برس تک گرداوری - منصرمی اور پیشکاری کی خدمات انجام دیتے رہے - بالآخر سنہ ۱۸۹۰ء میں سند مختاری حاصل کر کے وطن آکر عدالت فوجداری و کلکٹری میں مختاری شروع کر دی - اب یہی وجہ معاش ہے سنہ ۱۸۹۶ء میں گلدستۂ ارمغاں جاری کیا جو کئی سال تک جاری رہ کر بند ہو گیا - برسوں سے آپ کا کلام مشہور گلدستوں کی زینت کا موجب خیال کیا جاتا ہے - دیوان اول موسوم بہ خمکدۂ خیال سنہ ۱۸۹۳ء میں شایع ہو چکا ہے دوسرا دیوان بھی تیار ہے جس سے آپ کی پُرگوئی کا اندازہ ہو سکتا ہے - فی الحال اپنے وطن شاہجہاں پور کی تاریخ لکھ رہے ہیں فن تشبیہ میں ایک رسالہ موسوم بہ شبیہ یار ارمغاں کے ہمراہ شائع ہوا کرتا تھا - وہ بھی آپ ہی کی

تصنیف تھا آپ اسوقت حضرت جلال لکھنوی کے شاگردوں میں اختصاص کا درجہ رکھتے اور شعرائے روہیلکھنڈ میں مستند مانے جاتے ہیں۔ نواح بریلی و شاہجہانپور کے نومشق شعرا اکثر آپ ہی سے مشورہ لیتے ہیں۔ آپکی بدولت اُس علاقہ میں حضرت جلال کا نام خوب چمک رہا ہے۔ عربی کی لیاقت بقدر ضرورت اور فارسی کی استعداد زبردست ہے۔ آپکے اشعار عیوب و اسقام سے مبرا اور پاک ہوتے ہیں۔ بلندیٔ مضمون و شیرینیٔ زبان کلام میں دلچسپی پیدا کرتی ہیں طبیعت غزل گوئی کی طرف زیادہ مائل ہے گو چند قصیدے بھی لکھے ہیں۔ چنانچہ ۱۸۸۸ء میں اپنے اُستاد کے حکم سے نواب صاحب بہادر منگرول کی تعریف میں ایک قصیدہ مشتمل مناظرہ حسن و عشق نہایت نفیس و پُر مضمون لکھا جسکے صلہ میں چار سو روپیہ انعام پایا۔ آخر دسمبر ۱۸۹۱ء میں منگرول بھی تشریف لے گئے کئی برس رہے آپ وہاں جاکر حضرت داغ مرحوم کے بھی شاگرد ہوئے تھے مین ہنگام شاگردی تذکرہ کلام و حالات موصول ہوئے۔ چنانچہ باختصار حال ضبط تحریر میں آیا اب دیوان مطبوعہ کا انتخاب ملاحظہ ہو ؎

اس کو نہ سوچئے کہ ستم یا کرم ہوا
حجت اُٹھائیے سر تسلیم خم ہوا

دل کیا ہے جان بھی ہم صدقے کرینگے تیر
جو کچھ دیا ہے تو نے وہ سب ہے مال تیرا

تم سلامت رہو مٹجانے دو امیدوں کو
بات کیا تھی کہ جو افسوس تمنا ہوتا

کوئے جاناں سے نکلوائے گئے
وحشیوں کو خاک اُڑا کر کیا ملا

چھاتی سے لگی رہتی ہے تصویر ہمیشہ
جی سے تری صورت کو اُترنا نہیں آتا

سو جلوے ہر نگاہ میں ہیں وقت انتظار
آنکھو نکو پتلیوں نے تماشا دکھا دیا

روز آتے ہیں وہ دیکھنے کو میرا اضطراب
دردِ جگر نے مجکو تماشہ دکھا دیا

آنکھ ملتے ہی دلِ درد آشنا جاتا رہا
کیا کہیں کیا مل گیا آج اور کیا جاتا رہا

برسوں خرامِ ناز کی کھائی ہیں ٹھوکریں
مجکو مٹائے گا ستم روزگار کیا

پیارا وہ آئینہ میں عکس کو اپنے کر کے
مجھسے کہتے ہیں بُرا ہوتا ہے آنادل کا

روزِ جزا کہے گا ہماری ہی کس طرح
وہ دل کہ جو بتوں کا طرفدار ہی رہا

فریبِ مہر و وفا اب بھی مرنے والوں سے
وہی تو دل ہے ترا جو کسی پہ آ نہ سکا

کھُل گیا اک بات میں قفلِ دہن
یار کو مُنہ چوم کے گویا کیا

انتہا بدنام ہونے کی یہ ہے
ہم نے رُسوائی کو بھی رسوا کیا

چتون سے اشارہ ہے یہی چین جبیں کا
یوں چھین لو دل لکھ ہے عاشق نہ کہیں کا

چل گئی ناوکِ نگہ کس پر
کس کو آنکھیں اُٹھا کے دیکھ لیا

آہِ سوزاں سے پھُنک گیا عالم
تم نے ہم کو جلا کے دیکھ لیا

وہ نیند کا وصل میں بہانہ وہ نیچی نظروں سے دیکھنا پھر
یہ کہتی ہے چشمِ نیم بستہ ابھی ہے باقی حجاب آدھا

جو حسرتیں ہیں دل میں اُنہیں تم نکال دو
رہنے دو اک نشاں محبت کے داغ کا

مکتوب نہ آیا کوئی پیغام نہ آیا
لکھا میری تقدیر کا کچھ کام نہ آیا

مجھے پہلے تم اِک نظر دیکھ لینا
جدھر چاہنا پھر اُدھر دیکھ لینا

تمہاری نگہ کے ندیدے کھڑے ہیں
جوانی کا صدقہ اِدھر دیکھ لینا

اُسکا یہی ہے رحم کہ ہم کو ستائے گا
اُسکی یہی ہے صلح کہ آنکھیں لڑائے گا

تنہا نجانے پاؤ گے تم بزمِ غیر میں
ٹھہرے رہو کہ دل بھی مرا ساتھ جائیگا

اے رشک تو نے یہ بھی اجازت نہ دی ہمیں
سُنتے زبانِ غیر سے ماجرائے دوست

نجائے گی دل سے تمہاری محبت
کہ ہے جاں سے بڑھ کے پیاری محبت

پھر کیا مضطرب کسی نے ہمیں
پھر نئی ہوگئی پرانی چوٹ

ہاتھ رکھکر ہمارے دل پر وہ
کہتے ہیں ہوگئی اب اچھی چوٹ

خانۂ دل میں وہ کب رہتے ہیں مہماں کیطرح
آئے ناوک کیطرح بیٹھے تو پیکاں کی طرح

لپٹا تو لے بڑھکر نہیں اے جوشِ تمنا
تنتے ہیں بہت کچھ وہ برابر سے نکل کر

ہم کو یہ لطف بھی حاصل نہیں اُو تیرِ افگن
زخم ہنستا لبِ سوفار کا بوسہ لے کر

مہمان تو ہونے دو مرے گھر میں اُنہیں آج
یہ دیکھنا ہے مجھکو وہ کھل جاتے ہیں کیونکر

آنکھوں نے مری دل کو زخود رفتہ بنایا
اُو شوخ یہ جادو ترے چل جاتے ہیں کیونکر

وہ کافر ہے نگہ جو یار کو سوگند قرآں پر
رسکھاتی ہے کبھی قائم نہ رہنا عہد و پیماں پر

مُنہ دکھانے کو کہا ہنسنے تو یہ بولا وہ بُت
آپ کیا ایمان لائے ہیں خدا کو دیکھکر

تیز ناقے کو لئے جاتا ہے کیوں اے ساربان
خاک مجنوں کو ذرا آپنے دے محمل کے پاس

کوچۂ یار میں مٹنا ہے تو پھر دیر ہے کیا
تجکو سمجھائیں گے ہم اے دلِ شیدا کب تک

دو گھڑی بیٹھ کے کہتے ہیں وہ وقتِ رخصت
گھر کو ہم جاتے ہیں اب ورد اُٹھے کا کب تک

خاک اُڑائیں بھی تو دیں گوشۂ دامن میں جگہ
کبھی برباد نہو وہ جسے برباد کریں ؎

رہی برسوں دلِ حسرت نشاں میں
محبت بھی عجب شے ہے جہاں میں

مجھے شرمِ گنہ زاہد کو نخوت
وہ دوزخ میں رہے گا میں جناں میں

گھر میں بیٹھے ہوئے کیا کرتے ہیں مرنیوالے
قتل ہونے کے لئے کوچۂ قاتل میں رہیں

بُرا سننے میں بھی ملتی ہے لذت
مزہ ہے خوبرویوں کی زباں میں

قائل ہیں ہم تو اے نگہِ منتظر ترے
جا لیٹی تار بنکے کسی کی نقاب میں

لڑاتی ہیں اک زمانے کی تجھی سے آنکھیں
بھروئے تو نے مئے عشق سے سارے لاکھوں

مجسے کہتا ہے وہ ظالم کہ بچائے رکھنا
دل کو میں آنکھ ملاتے ہی اُڑا لیتا ہوں

بتادیں کہ ہم تمسے کیا چاہتے ہیں
تلافیٔ جور و جفا چاہتے ہیں

آئے جگر و دل ترے تلوؤں کے تلے کیوں
پامال ہوئے جاتے ہیں نادان کے پیچھے کیوں

گھر سے آئے تھے فقط عرضِ تمنا کیلئے
آپ کیوں ہمسے خفا ہوتے ہیں لو جاتے ہیں

دلِ غیر کے حوصلے ہمکو دے دو
وہاں سے تو آخر نکالے ہوئے ہیں

تری اُٹھتی جوانی نے دئے ہیں داغ لاکھوں کو
ہزاروں نقش اس اُبھرے ہوئے جوبن کے بیٹھے ہیں

کہتے ہیں وہ کہ دل کی تڑپ کا یقیں نہیں
جب تک نہ اپنی آنکھ سے تڑپا کے دیکھ لوں

خدا نے حشر میں پوچھا ہمیں کہ کہ اے شیخ
مزہ گناہ میں آیا کہ بے گناہی میں

اٹھائے ہاتھ جو مستوں نے ابر گھر آیا
کمی ہوئی نہ کبھی رحمتِ الٰہی میں

یوں تو تنہائی میں باتیں ہیں ہزار
اُنکے مُنہ پر کچھ کہا جاتا نہیں

اب ساتھ نہیں چھوڑتے ہشیار بڑے ہیں
وہ میرے برابر صفِ محشر میں کھڑے ہیں

اُس بت کی محبت میں سبھی ہو گئے کافر
کہنے کے لئے ایک مسلمان ہمیں ہیں

بادہ خوارانِ محبت کا خدا ہے ساقی
خلد سے ساغر صہبائے طہور آتے ہیں

جی میں کیا سوچ رہے ہو مرتربت آکر
جسطرح چاہو مری خاک کو برباد کرو

اچھا ہے اِک زمانہ بتوں پر نثار ہو
انکو کسی کے مرنے کا تو اعتبار ہو

دونو جگر و دل مرے چلنے کو ہیں ملیا
پوچھوں مگر یار سے لیجائیگی کس کو

حال پر غیر کے جس لطف سے پیار آتا ہے
تم دکھا دو وہی انداز ترحم مجھکو

یہ ہوا حضرتِ واعظ کی نصیحت کا اثر
توبہ کرنے سے بھی ہر ستنے کرلی توبہ

شیخ جی جھوٹ نہ بولو کہ خدا سنتا ہے
آپ کے سامنے مجبر زند نے کب کی توبہ

پارسائی مری اک دن سے زیادہ نہ رہی
جب کبھی صبح کو کی شام کو توڑی توبہ

تم اپنے وصل کے سائل کے منہ میں رکھدو زباں
اگر یہ چاہتے مولا جواب ہو جائے

کہتا ہے سُن کے بیخبری کا گلہ وہ بت
تم کسکو یاد تھے جو فراموش ہو گئے

میری الفت مدعی کا عشق دونو دیکھکر
فیصلہ کر دیجئے جھگڑا حق و بطال کا ہے

ایک ہی بار اے فلک دیدے
جتنے صدمے ہیں میری قسمت کے

گنبدِ عرش تک آہیں نیازمندوں کی
تو سُنی نہ تمہیں نے خدا کے بندوں کی

ڈھونڈا بتوں میں ذاتِ خدا کو تمام عمر
اے شیخ مرتکب ہوئے ہم کس گناہ کے

معشوق سے ملے رہے ہم سے خفا رہے
مطلب ہی کے یہ حضرتِ دل آشنا رہے

شاد ہیں عیش خداداد سے قسمت والے
بے نصیبوں کی تمنا ہے تمنا کوئی

فتنہ سازی نگہ ہوش ربا رہنے دے
آنکھ کے سامنے بیہوش پڑا رہنے دے

خدا کی شان کریمی کو پوچھے ہے کوئی
گنا ہگار بھی ٹھیرے تو بے گناہ رہے

اچھی نہیں ہے وصل کی شب یہ نہیں نہیں
کہنا مرا خدا کے لئے مان جائیے

بے وجہ کب میں آج تصدق ہوں آپ پر
وہ کل کا ناز کل کی ادا جان جائیے +

کہتے ہو کیا ہماری گلی میں ہے کون دفن
ٹھوکر لگا کے پوچھ لو کس کا مزار ہے +

دلِ مضطر میں میرے پھانس بن بنکر کھٹکتی ہیں
تری پلکیں ہیں اے سفاک یا نوکیں ہیں نشتر کی

نہ پوچھو وصل کیا شے ہے کہ جس پر دم نکلتا ہے
یہ وہ آیا ہوا ارمان ہے جو کم نکلتا ہے +

اُسکے آگے ہوش تو رہتا نہیں
کیا کہے جاکر پیامی دیکھئے

کیوں اب گلی میں خاک اڑاتا نہیں کوئی
وہ تیرے گیسوؤں کے پریشان کیا ہوئے

بلا میں خاک میں تمنے ملایا +
ہوا نامِ وفا مجھسے کہ تم سے

(احسان) منشی شیخ احسان الٰہی خلف منشی محمد تاجر، رونق - پنجاب ان کا اصلی وطن ہے فی الحال دہلی کے خوش باش لوگوں میں ہیں تجارت کا شغل ہے - پچاس سال کے قریب عمر ہے زندہ دل آدمی ہیں - اپنے والد سے اصلاح لیا کرتے تھے سات کچھ عرصہ سے شعر گوئی کا بہت کم اتفاق ہوتا ہے ؎ احسان

تھا طوفِ حرم میں بھی ترے گھر کا تصور
کعبہ مری نظروں میں صنم خانہ جیں تھا

خاکستر غریب پہ روتے ہیں وہ کھڑے
جل جائیں کاش آپ ہی اپنی فغاں سے ہم

محبوبگانہ وشی جان گئے ہیں شاید
آشنایانہ جواب مجھسے ملا کرتے ہیں

محتسب اور تو کچھ دینے کو یاں خاک نہیں
ہاں جو مرضی ہو تو اک جام پلا دیتے ہیں

خبر دادِ ستم داد ندے اور کسی کی
گر داد پہ بھی وہ بت بیداد گر آئے

قابلیت بھی شرط ہے ورنہ
قطرہ قطرہ گہر ہو جائے

رندوں کا بھی دل خوش کیا قاضی کو بھی راضی
مے پی کے گئے مدرسہ اور توبہ کر آئے

(احسان) شاعرِ باکمال سخنورِ شیریں مقال صاحبزادہ محمد احسان اللہ خاں صاحب حقیقی ہمشیرزادہ و داماد عالیجناب نواب ابراہیم علی خاں صاحب بہادر **خلیل** - والی حال ریاست ٹونک نواب احمد سعید خاں صاحب **عاشق** تلمیذ حضرت غالب دہلوی کے شاگردوں میں نامور ہیں - مذاقِ سخن بہت اچھا ہے - عاشقانہ شعر خوب کہتے ہیں جدت کے ساتھ طبیعت میں شوخی بھی ہے کلام بہت پُر لطف و مزیدار ہے اثنائے ترتیب تذکرہ میں آپ نے جو کلام ارسال فرمایا اُس کا انتخاب درج ذیل ہے ؎

سمائے ہیں نگاہوں میں خدا جانے وہ کیا بنکر
کہ اُنکے شکوے تک بھی لب پہ آئے التجا بنکر

یہ آنکھیں کیوں نہیں ملتیں لگا ہیں کیوں نہیں ملتیں
یہ کس کی آرزو پھرتی ہے آنکھوں میں حیا بنکر

مجھے تم چھوڑ بیٹھے غیر کو امید اب کیا ہو
کچھ اپنا ہی کیا نقصان تمنے بے وفا بنکر

وہ کہتے ہیں وفائیں لاکھ میرے حُسن پر قرباں
ضرورت کیا مجھے میں کیا کروں گا باوفا بنکر

دکھائے گا تماشا دیکھنا کیا کیا تمہیں اک دن
جفاؤں پر ہمارا صبر تاثیرِ دعا بنکر

ظلم کرتے ہیں تو کچھ ظلم میں ایجاد کریں
کہہ سکیں جس کو نہ بیداد وہ بیداد کریں

قتل کر ڈالنا غصہ کو فرد ہونے دو
کہیں ایسا نہو پھر آپ مجھے یاد کریں

شکوۂ جور پہ کہتے ہیں کہ فریاد کرو
ہم نے فریاد کبھی کی ہو تو فریاد کریں

ہمیں منظور ہے گھٹ گھٹ کے قفس میں مرنا
کیا رہائی کے لئے منتِ صیاد کریں

سُن کے شکوہ کو کہا وہ بھی ہوئے اہلِ دل
کوئی مُنہ بھی نہ لگاتا تھا وہ دن یاد کریں

بارِ خاطر ہوں تو کیوں جائیں کسی محفل میں
خود بھی ناشاد ہوں اوروں کو بھی ناشاد کریں

تجربہ یہ ہوتا تو احسان نہ ہوتا شکوہ
اُسے ناشاد ہی سمجھو وہ جسے شاد کریں

پُرسش کے جب مزے ہیں کہ ہو دل کو دل سے راہ
اور یوں تو پوچھ لیتے ہیں غیروں کو گاہ گاہ

الفت کے لُطف لُطف میں پنہاں ہے زہرِ غم
اسکی خرابیوں پہ کسیکی نہیں نگاہ

دل پھٹ گیا ہے جبسے یہ مینے سُنا کہ وہ
غیروں کے پیچھے چھوڑتے ہیں مجھسے رسم و راہ

شکوہ پہ چور کے یہ کہا اس کا کیا گلہ ✦ یہ اپنی اپنی رسم ہے یہ اپنی اپنی راہ
پیغام غیر بن کے چلا آؤں کیا کروں آنے کی آپ تک کوئی ملتی نہیں ہے راہ
واں تو یہ شوق ہے کہ ہر اک سے ہو چھیڑ چھاڑ ایسوں سے حشر تک کبھی ہونی نہیں ہے نباہ
اپنے تو آپ خیر سے برتاؤ دیکھئے الزام مجھ کو دیتے ہو پھر واہ واہ واہ
مینے تو خیر آپ کو بدنام کر دیا اور دشمنوں نے خوب کیا نیکنام واہ
افسوس ہم تو کیا اُسے اپنی نہیں خبر الفت میں جس کی حال یہ اپنا ہُوا تباہ
شکووں سے اپنے آپ مجھے انفعال ہے میری تو اُس کے سامنے ہوتی نہیں نگاہ
احسان اور ہی سے لگانا تھا دل تجھے کمبخت کی وفا بھی تو اچھے سے واہ واہ

احسان

(**احسان**) محمد عبدالرحیم خاں دہلوی - نومشق شاعروں میں ہیں - آغا شاعر دہلوی سے مشورۂ سخن کرتے ہیں - یہ اُنکا کلام ہے ؎

جائیے جائیے دل آپ ٹھہر جائے گا میرے دل پر جو گزرنا ہے گزر جائے گا
نادان نہ پھنس دانہ کے لالچ میں خبردار بلبل تجھے کیا دام دکھائی نہیں دیتا
سخت جاں ہوں کوئی آسان نہیں قتل مرا پہلے وہ اپنے کلیجے کو تو فولاد کریں
مریض عشق مرتا ہے مسیحا بے کوئی چارہ کوئی تدبیر ہوتی
آپڑے گیسو جو رخ پر تیرے بل کھاتے ہوئے چاند پر دو سانپ دیکھے ہمنے لہراتے ہوئے

احسان

(**احسان**) میر احسان علی نام - مولانا حبیب الرحمن خاں بیدل کے شاگرد ہیں - حیدرآباد کن میں قیام ہے - زیادہ حال معلوم نہیں - یہ اُنکا کلام ہے ؎

جس جگہ عشق نہو حسن کی قیمت کیا ہو کوئی یوسف کا فرشتوں میں خریدار نہ تھا

کسی گلرو کے پھندے میں پھنسا دل بڑی مشکل سے اب ہوگا رہا دل
منزل عشق میں جو رکھے قدم چھوڑ دے ننگ و عار کی باتیں
ذرا بچ کے احسان رہنا بتوں سے کہ الفت نہیں انکی قہر خدا ہے

احسان (**احسان**) مولوی محمد احسان حسن صاحب باشندہ چھپرایہ - زیادہ حال معلوم نہیں - یہ خلاصہ کلام ہے ؎

	ہنستا ہی رہا بسمل مضطر ترے خنجر		اُف تک نہیں لایا وہ زباں پر ترے خنجر
	کیوں کر نہ لیا تیر اسے پہلے سے ظالم		تڑپا کیا جو بسمل مضطر ترے خنجر
	کچھ اپنی اداؤں سے بھی لے میرے لئے کام		آنے کی نہیں موت ستمگر ترے خنجر

احسان (**احسان**) تخلص ہے کسی خوش فکر باشندہ رسول پور ضلع مظفر پور بہار کا - کلام سے طبیعت کی رنگینی اور زباں کی صفائی کے ساتھ روزمرہ کا لطف آشکار ہے ؎

	ستم سہیں گے جفا سینگے ہزار ذلت اُٹھائینگے ہم		سر اپنا دیدینگے ترے در پر یہاں سے لیکن نہ جائینگے ہم
	یہ چارہ گر تجھ سے آرزو ہے لگا نہ زخموں میرے مرہم		کبھی وہ سفاک جو ملے گا تو زخم اپنے دکھائینگے ہم
	عدو جو بیٹھے ہیں گرد انکے ہیں سب پرانے اُٹھائی گیرے		جو وقت آئیگا امتحاں کا تو انکی چالیں دکھائینگے ہم
	ہے رات برسات کی یہ ساقی لگا دی مُنہ سے جو کچھ ہو باقی		خبر ہے کیا وقت پھر مزے کا یہ پائینگے یا نہ پائینگے ہم
	ہیں حرف قاصد کی باتیں احسان یقین اسپر کہاں سے ہمکو		وہ دن بھی ہوگا کہ وصل کی شب گلے سے انکو لگائینگے ہم

احسن (**احسن**) - محمد احسن یا احسن اللہ نام تھا - طبقہ اول کے شعرا میں آبرو وغیرہ کے ہمعصر تھے - انکی طبیعت میں ایہام پسندی بہت تھی - اپنے زمانے کی زبان کے موافق بندش کی چستی اور مضامین کی جدت بھی خاصی تھی - ان کا مرتب دیوان نظر سے نہیں گزرا مگر پروفیسر آزاد نے جو ایک غزل اور چند شعر لکھے ہیں وہی ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہیں - ۱۱۵۸ھ ہجری تک یہ زندہ و سلامت تھے

	نازک کمر پہ اپنی کرتے ہو تم جو غرہ		موسیٰ کمر نے تمکو فرعون سا بنایا
	صبا کہیو اگر جاوے ہے تو اُس شوخ دلبر سوں	(سے)	کہ کر کر قول پرسوں کا گیا پرسوں ہوئے برسوں
	غزل اس طرح سے کہتے بھی احسن تجھ سوں بن آو	(ے)	جواب اب آبرو کب کہہ سکے مضمون بیتر سوں
	لام نستعلیق کا ہے اُس بت خوشخط کی زلف	(سے)	ہم تو کافر ہوں اگر بندے سنوں اس لام کے
	یہی مضمون خط ہے احسن اللہ		کہ حُسن ماہرویاں عارضی ہے

آگ سی میرے دل کو لگتی ہے	جل گیا ہوں حنا کے ہاتھوں سے

احسن

(احسن) مرزا احسن علی - انکے نام میں ذرا اختلاف ہے - قاسم نے اپنے تذکرے میں احسن قلی لکھا ہے - مرزا علی لطف اور صفیر بلگرامی نے اپنے تذکروں میں صرف مرزا احسن نامی خوشنویس تھے - پہلے میر ضیاء الدین ضیا سے اصلاح لیا کرتے تھے پھر مرزا رفیع السودا کو اُستاد بنایا لکھنؤ جا کر نواب آصف الدولہ کی سرکار میں بزمرہ شعرا داخل ہوئے مصحفی نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ اس شاعر کے اشعار ظرافت آمیز ہوتے تھے اور یہ شخص پہلے خواجہ محمد یونس خاں کی خدمت میں رہا بعد ازاں نواب آصف الدولہ مرحوم کے ہاں چلا آیا ۱۲۱۵ھ میں کئی برس سے سرفراز الدولہ نواب حسن رضا خاں کی رفاقت میں ایام زندگی بسر کرتے تھے - انہوں نے فن نظم میں اور فنوں سے زیادہ نام پیدا کیا - بہرحال حضرت احسن صاحب دیوان شاعر تھے - اِنکے کلام میں لطافت و فصاحت دونو مزے ہیں - کلام ملاحظہ ہو ؎

حُسن پر اپنے ہر اک مہ پارہ گرم لاف تھا	گھر سے وہ خورشید رو نکلا تو مطلع صاف تھا
ٹکڑے اُڑ جائینگے سینہ میں جگر کے احسن	تیرے نالوں کا کوئی دن جو یہ انداز رہا
یار وہ صنم کیوں نہ کرے کام خدا کا	رام اُسکا خدا ہے وہ نہیں رام خدا کا
کہا یوں مینے کہ رخ کو ترے قسم نہ لگا	بگڑ کے بولا کہ چل بے اِدھر نظر نہ لگا
رہی جو تن میں مری جان ٹک رمق باقی	لگا کے زخم کہا سیف کارگر نہ لگا ✦
اسی لئے تو میں تجھے خفا ہوں اے احسن	گھڑی گھڑی مرے پاؤں کو چشم تر نہ لگا
اشکِ گلگوں کو نہیں لعل و گہر سے پیوند	یہ رکھے سنگ سے نسبت وجگر سے پیوند
یہ راہ ہے کہئے کہ ترے گھر تلک آتے	ہر گام پہ ہم بیٹھ گئے دل کو پکڑ کر ✦
جو دل گیا وہاں سو وہ مٹی میں مل گیا	تیری گلی میں خاک کروں جستجوئے دل
سجدہ گہہ ہے خاکِ احسن اب تو ساری خلق کی	جان وہی تھی اُسنے کیسے حسرت پا بوس میں
کل جو اُس ترکِ ستمگر نے دکھائیں آنکھیں	برق نے ابر کی چادر میں چھپائیں آنکھیں

ہم گئے خاک میں ہم پھر بھی تو اس ظالم نے
نہ ملائیں نہ ملائیں نہ ملائیں آنکھیں

دوں دوں کسو نہیں اس میں کسی کی تقصیر
آفتیں دل پہ مرے ہیں یہی لائیں آنکھیں

شوخ چشمی پہ گھمنڈ اپنے نہ کیجو نرگس
آنکھیں کھل جائینگی جب اُسنے دکھائیں آنکھیں

بزم میں اُسکی جو ہوتی ہے کبھی سرگوشی ؛
دل دھڑکتا ہے کہ میرا کہیں مذکور نہ ہو ؛

گیا دل جو کوچہ میں چین جبیں کے
نہ پھر واں سے نکلا عجب سرزمیں ہے

قدم رکھنا اپنا مرے دل سے باہر
کہا مان میرا یہ گھر دل نشیں ہے

نہ کھینچ آسماں پر سرا اپنا تو احسن ؛
سمجھ آخر تہ سب کا مدفن زمیں ہے

تم تو دل مانگو ہو یاں جان تلک حاضر ہے
بات یہ بھی ہے کوئی آپ کے فرمانے کی

احسن (احسن) احسن خاں نام - قوم سے افغان اور شاہجہاں آباد کے روڑے تھے علمی فضیلت اور خداداد استعداد سے کامل بہرہ رکھتے تھے - تذکرہ قدرت اللہ شوق کی ترتیب کے وقت تک جوان اور زندہ موجود تھے اُنکے دو شعر ہدیۂ ناظرین ہیں ؎

بتاں کی سرد مہری کی بیاں کیا کیجئے صورت
ہمارے اشک بھی افسردگی سے مثلِ ژالہ ہیں

سیاہِ درد کے چہرے ہیں داخل دفترِ لیلیٰ
نظر کر عشق کی دولت کے کیا صاحب رسالہ ہیں

احسن (احسن) صاحب عالم و عالمیاں شاہزادہ مرزا احسن بخت خلف الرشید شاہ عالم ثانی بادشاہ دہلی - آپ سلطنت کی برہمی کے بعد مخالفتِ روزگار و نامساعدتِ زمانہ ناہنجار سے قلعۂ دہلی کی سکونت ترک کر اول چند روز بارادۂ ملک گیری از راہ اُلوالعزمی راجپوتانہ و چیتوڑ میں گشت لگاتے رہے پھر بدیں امید عازم کابل ہوئے کہ شاہ تیمور کی اعانت سے موروثی ملک کو فتح کریں - مگر شومئی طالع سے کوئی کام حسب مراد نہ بنا - بڑے عالی حوصلہ بسیار چشم - باذل - اور نہایت شجاع و جری تھے - فنون شمشیر زنی و سپہ گری میں کامل مہارت رکھتے تھے - موزونی طبع کے اقتضا سے کبھی کبھی فکر سخن بھی فرماتے تھے - نومشقی کا کلام ایک قدیم بیاض میں نظر سے گزرا وہی تبرکاً درج تذکرہ ہوتا ہے - صاحب زبان تھے عاشقانہ مضامین کی جان تھے ؎

یاد ہے گلعذار کی صورت | گُل ہے نظروں میں خار کی صورت

فرقت میں اُسکی یارب کھنچیں ہم آہ کب تک | آنکھیں تو تھک گئی ہیں دیکھیں گے راہ کب تک
گھر سے نکل کے باہر اپنے ذرا تو آؤ | در پر کھڑا رہے گا یہ بے گناہ کب تک
دن رات میں ہزاروں کرتے ہو بے خطائی | احسن تمہارا پیارے بخشے گناہ کب تک

بوسہ میں ایکے یوں گا کہا کر نہیں نہیں | مانوں گا میں نہیں تو پڑا کر نہیں نہیں
ساقی قسم ہے تجکو کہ دینے میں جام کے | سب پر نہیں ہوا کرے ہم پر نہیں نہیں
پروا کچھ نہیں ہے ہمیں گھر کی دوستو | کوچہ سلامت اُس کا رہے گھر نہیں نہیں
احسن کو دیکھ ایکے چڑتا ہے کس طرح | کیسی نہیں نہیں نہیں کیونکر نہیں نہیں

دوستو گرچہ غم نہ کھانے دو | لیکن آنسو تو تک بہانے دو
زندگانی ہو گی بن دیکھے | مجکو کوچے میں اُسکے جانے دو
اے رقیبو خدا سے ڈر کے ذرا | یار کو میرے پاس آنے دو
ہاتھ مت پکڑو کوئی قاتل کا | اُس کو تلوار تم لگانے دو
منع مت کیجو میرے اشکوں کو | گھر رقیبوں کے سب ڈبانے دو
اپنے معشوق سے ملو احسن | پڑے لوگوں کو غل مچانے دو

مجھسے وحشی کی اگر تصویر کھینچا چاہیے | اے مصوّر صورتِ دلگیر کھینچا چاہیے
سب یہ کہتے ہیں کہ اس سودا زدہ کے پاؤں میں | مست ہاتھی کی طرح زنجیر کھینچا چاہیے
اُس کماں ابرو سے بیٹھا ملکے گوشہ میں رقیب | آہ پہلو سے مرے یہ تیر کھینچا چاہیے

جب گزرجی میں بار جاتا ہے | دل سے صبر و قرار جاتا ہے
تیغ ابرو سے وہ مرا قاتل | ایک عالم کو مار جاتا ہے
یاد میں تیری زلف و رُخ کے سدا | مجکو لیل و نہار جاتا ہے

(احسن) حسین علی خاں خواجہ سرا مخاطب بہ احسن الدولہ۔ شاگرد محمد رضا برق۔ لکھنؤ کے

رہنے والے اور سرکار واجد علی شاہ کے متوسل تھے - ایک دفعہ کلکتے میں بھی گئے تھے - مولوی عبدالغفور خاں نساخ نے انکو وہیں دیکھا - اُنکا قول ہے کہ مولف تذکرۂ سراپا سخن نے ان کا تخلص حصین[1] لکھا ہے - یہ تین شعر اُنکے ہیں ؎

صنم کی آنکھوں کے ڈوروں کی خلق سبیل ہے — عبرش میں رکھتی ہے تلوار کا اثر رگِ سنگ
صنم کو دیکھ کے پتھر اگئیں مری آنکھیں — عجب نہیں ہے جو ہو رشتۂ نظر رگِ سنگ
بتوں کے ہجر میں وہ سخت جاں ہوں عالم میں — بجا ہے رشتۂ جاں کو کہوں اگر رگِ سنگ

احسن (احسن) حکیم مظہر حسن خاں ولد حکیم محمد مجتبیٰ خاں باشندۂ رام پور - خطِ نستعلیق میں کامل اور حاذق قلم ہیں - فنِ سخن میں منشی مظفر علی اسیر سے استفادہ کیا ہے ابتداے شوق میں مرزا غالب کو بھی چند غزلیں دکھائی تھیں - صاحبِ دیوان ہیں - طب میں قرابادین مختصر تحریر فرمائی اور عروضِ سیفی کا اُردو زبان میں ترجمہ کیا ہے - ۱۸۸۶ء میں ایک رسالہ موسوم بہ خورشیدِ آفاق بھی جاری کیا تھا - تذکرۂ انتخاب یادگار مولفہ امیر مینائی مرحوم کی ترتیب کے وقت انکی عمر چھبیس برس کی تھی - کلام حاضر ہے ؎

یارب ہوئی ہے عمر اسی شغل میں بسر — کوثر پہ اہتمام ہو مجھ بادہ خوار کا
خدا کے واسطے گیسو ہٹا دے اپنے چہرے سے — ارے ظالم نکر تبہ برابر کفر و ایماں کا
ناصحا بانیوں پہ تو مرتا ہے اک جہاں — کہئے کہ کیا غضب ہوں اگر مہرباں ہیں آپ
بات کرنے میں تو شرماتے ہو — ظلم کرنے میں نہیں آتا لحاظ
کبھی زندہ کبھی مردہ ہمیں جب سے تیری فرقت ہے — قیامت ایک سنتے تھے یہاں ہر دم قیامت ہے
ایک ہیں غیر کہ رہتے ہیں وفا پر ناخوش — ایک ہم ہیں کہ جفا پر بھی ترے شاد رہے
ہر دم ہے جانکنی ترے عاشق کے واسطے — کہتے ہیں جس کو مرگ غمِ انتظار ہے
پیشِ نگاہ چہرۂ پُر نورِ یار ہے — موسیٰ ہیں ہم یہ جلوۂ پروردگار ہے

[1] بصاد مہملہ - محکم و استوار نیز یعنی (قید خانہ ۱۲)

ہائے کب تک میں کروں یاسِ دماغِ نازک — ضبط کی قید میں کب تک مری فریاد رہے
اتنا تو میرے عشق نے آخر اثر کیا — مضطر ہوں میں یہاں وہ وہاں بیقرار ہے
مے پی ہے رات محفلِ اغیار میں ضرور — اب تک تمہاری آنکھوں سے ظاہر خمار ہے
آنکھیں اُٹھا کے دیکھ لو اللہ اک نظر — بندہ بھی چشمِ لطف کا امیدوار ہے

احسن

(احسن) حکیم محمد احسن خاں احسن دہلوی خلف حکیم محمد محسن خاں صاحب مغفور - دہلی کے نامور اطبا میں سے تھے - اور میرزا قربان علی بیگ سالک مرحوم کے شاگردوں میں درجۂ اختصاص رکھتے تھے - عین جوانی بلکہ عنفوانِ شباب میں ۱۸۷۲ء میں انتقال کیا - ہنگامِ ترتیبِ تذکرہ کچھ کلام اُنکے ایک عزیز نے عنایت کیا درج تذکرہ کیا جاتا ہے ؎

بے سبب آہ نے آتش سے کیا عرش پہ فرش — خانۂ غیر جلاتی تو یہ تھا عرش پہ فرش
مجھ پہ ہے ظلم روا رکھ کہ بچے گا پھر کون — چادرِ اشک سے گر میرے ہوا عرش پہ فرش
لامکاں تک ہے رسائی خیالات مری — کہ بچھاتا ہوں میں ہر روز نیا عرش پہ فرش
قدم یار ہے یہ جائے ادب اے احسن — کہ مناسب نہیں جز نورِ خدا عرش پہ فرش

سوجھتا کچھ نہیں جز عارضِ جاناں مجھکو — اُسکے جلوے نے کیا اور بھی حیراں مجھکو
کیا خبر لیوے ہماری کہ وہ ماہِ کنعاں — خود نظر آئے ہے محبوسِ زنخداں مجھکو
لے کے ہر ذرہ سے خورشید جہانتاب تلک — وہی اک جلوہ ہے ہر جائی نمایاں مجھکو
جان پر کھیل چکے ہم تو کبھی کے لیکن — عشق کہتا ہے ابھی طفلِ دبستاں مجھکو
اُن سے پوچھا کہ ہیں داغ دئے کیوں اتنے — تو کہا چاہیے اک تازہ گلستاں مجھکو
ناتوانی سے یہ عالم ہے کہ ہیں اور نہیں — دیکھیں اب رو کے گا کیونکر ترا درباں مجھکو
ظلم کر اور کہ ہو وجہ تسلی کچھ تو — لذتِ ظلم کا ہے شوق فراواں مجھکو
اُس پریرو سے عجب عیش اُڑاتے احسن — بہر چندے ہی خدا کردے سلیماں مجھکو

احسن

(احسن) مولوی محمد احسن خلف محمد احمد - بزرگوں کا وطن بلگرام تھا مگر آپ صفی پور ۱۲۴۴ھ میں

پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم و تربیت پائی - اٹھارہ برس کی عمر میں تکمیل علوم کے لئے لکھنؤ گئے - مولوی احسان اللہ ممتاز اور مولوی گل محمد خاں ناطق کلانی کے شاگرد رشید اور خود نظم و نثر فارسی میں یگانۂ عصر ہیں ۱۲۹۴ھ تک حیدر آباد میں نواب سر سالار جنگ کی سرکار میں متوسل رہے پھر حسب الطلب نواب صدیق حسن خاں مرحوم بھوپال آکر اُنکے صاحبزادوں کی تالیفی کے منصب پر مامور ہوئے - صاحب تصانیف کثیرہ ہیں - کارنامۂ فرہنگ - آئینۂ حسن صحیفۂ شاہجہانی - لغت شاہجہانی - تحفۂ صدیقیہ و مصطلحات شاہجہانی وغیرہ بہت سے رسالے آپکی تصنیف سے ہیں - فارسی میں اکثر اور ریختہ میں گاہے گاہے فکر سخن کا اتفاق ہوتا ہے ؎

اثر دیکھو شہیدانِ محبت کی تواضع کا	نکلتا ہے مرے سینہ سے تیر اسکا کماں ہو کر
تن کا یہ نقشہ کہ ہل سکتا نہیں جوں نقش پا	دل کی وہ حالت کہ سو سو باز نکالا جائے ہے
گمانِ ذوقِ کرم تو نکر خدا کے لئے	وفا میں کرتا ہوں ظالم تری جفا کے لئے
وہاں بھی ناز سے تم میرا خوں بہا دینا	کروں میں حشر میں دعویٰ جو خوں بہا کے لئے
دیر تک ٹھیرے وہ پس کشتن	بدگمانی کا مجھ پہ احساں ہے

احسن (احسن) سخنور باکمال سید مہدی حسن لکھنوی نبیرہ حکیم نواب مرزا شوق صاحب مثنوی بہار عشق و زہر عشق آپکے نانا حکیم آغا احسن صاحب اوّل بھی ایک مشہور شاعر تھے ایک عالی دماغ سخن گو ہیں جنہوں نے زمانے کی ضرورت پر نظر فرما کر ڈراما نویسی پر توجہ فرمائی - اور اس رنگ میں بڑی کامیابی و شہرت حاصل کی - ایک مشہور تھیٹریکل کمپنی (نیو الفریڈ بمبئی) آپ کی معقول قدر کرتی ہے - طبیعت ایسی رسا ہے کہ زبان کی صفائی و محاورے کی پابندی کے ساتھ موسیقی کی خوش آیندہ و خاطر فریب دھنوں میں بڑی خوبی سے ہر قسم کے مضامین و مطالب ادا کرتے ہیں - اس فن میں ترقی کرنے کے علاوہ آپ نے غزل گوئی میں بھی عاشقانہ راز و نیاز کے ساتھ اخلاقی پہلوؤں کو خوبی سے نباہا ہے - اشعار ولولہ انگیز دل نشین و معنی خیز ہوتے ہیں - آپکی تصنیف سے متعدد ناٹک مشتہر و مقبول ہو چکے ہیں کمپنی کے تعلق کی وجہ سے آپ اکثر اقطاع و جوانب ہندوستان

کی سیاحت فرما چکے ہیں اور اکثر بڑے بڑے شہروں کی مجالس شعر و سخن میں شریک ہوئے ہیں۔ مرثیہ گوئی سے زیادہ مرثیہ خوانی میں آپ نے مہارت بہم پہنچائی ہے۔ جس سے اہلِ مجلس بہت کچھ متاثر ہوتے ہیں۔ شاعری اور معاملہ بندی آپ کا خاندانی جوہر ہے لکھنؤ کے اکثر خاندانی اساتذہ سے آپ کو قرابت حاصل ہے۔ عرصہ سے حضرت انیس کی سوانح عمری لکھنے کا بھی ارادہ کر رہے ہیں اس زمانے میں آپ کی قدر اچھے اچھے اُستادوں سے بڑھ کر ہو رہی ہے یہاں بطور نمونہ چند اشعار پیش کئے جاتے ہیں ؎

لذتِ درد کی مشتاق رہی جانِ حزیں
دل کا دشمن تھا وہ ناوک جو دلآزار نہ تھا

کہاں تک روئے گا اے مرنیوالے جینے والوں کو
کچھ اپنی فکر کر تجکو پرائے غم سے کیا مطلب

ملے جو خاک میں اُن پر فشار ہوتے ہیں
زمیں کے دل میں بھی کیا کیا غبار ہوتے ہیں

دامنِ دشتِ ہو غربت میں کفن بعد فنا
ہر بگولا مری میت کو اُٹھانے آئے

خوں بہا فرہاد کا خسرو کی گردن پر رہا
جان شیریں تو فقط اُجرت تھی جوئے شیر کی

ہے یہ حسرت کہ وہ دریافت کریں در میں کہوں
اے مرے پوچھنے والے مرا حال اچھا ہے

زینتِ دامنِ قاتل ہیں لہو کے آنسو
دلِ خوں گشتۂ عاشق کا تأمل اچھا ہے

پروانوں نے سکھائی طرزِ وفا جہان کو
انجام عشق یہ ہے مر جائے کوئی جل کے

راحت پسند منعم راحت رساں نہیں ہے
اوروں کا رہنما ہو پہلے چراغ جل کے

شمع کو دیکھ میرے دل کے جلانے والے
آپ ہی جل بجھے غیروں کے جلانے والے

حسرت اے قاتل لہو مجھ میں نہیں
خون کی پیاسی تری تلوار ہے

لبِ لعلیں ہیں وہ چہرے سے نقاب
امتحانِ طالبِ دیدار ہے

تم ملے ساری خدائی مل گئی
جس کے تم ہو اُسکو کیا درکار ہے

اِن جفاؤں پہ وفا کوئی کرے مشکل ہے
یہ ہمارا ہی کلیجہ یہ ہمارا دل ہے

راہ چلتی ترے کوچے میں بہت مشکل ہے
کیا رکھوں پاؤں کہ ایک ایک قدم پر دل ہے

بے ترے سیرِ چمن ہے مجھے اندوہ فزا — خندۂ گل میں بھی آوازِ شکستِ دل ہے
اثرِ عشق نہ تجہیز ہو یہ ممکن ہی نہیں — گو ترے بس میں ہے پر بس میں یہ بالکل ہے
ہے شبِ ہجر مرے گھر میں عجب سناٹا — کہ سرِ شام سے خاموش چراغِ دل ہے
پیش ہے دعویٰ خوں گرم ہے ہنگامۂ حشر — اک تماشہ ہے ادھر ہم ہیں اُدھر قاتل ہے
وہ گلے ملکے چلے ختم ہوئی وصل کی رات — شمع خاموش ہے بجھنے کو چراغِ دل ہے
دم تو لینے دے کہ تا تک ستم پے در پے — کوئی پتھر نہیں ظالم یہ بشر کا دل ہے
زندگی اپنی سمجھتے ہیں جو مرتا عاشق — آبِ شمشیر میں کیا آبِ بقا شامل ہے
لذتِ درد کو ہم سے کوئی پوچھے احسن — اللہ اللہ کہ ہر عضوِ بدن اک دل ہے
رشک سے داغ کو جو چاہیں کہیں لوگ احسن — ورنہ سب دل میں سمجھتے ہیں کہ کامل ہے

احسن) مولوی محمد احسن ولد مولوی حسن بخش باشندہ کاکوری مقیم قصبہ مین پوری ان کا زیادہ حال معلوم نہیں ؎

تجھے دشمن کو دوست سمجھا — دل نے مرے ساتھ دشمنی کی
خالِ ابرو نے مار ڈالا — کعبے والوں نے رہزنی کی
جی بھی نکلا تو وائے حسرت — نکلی حسرت نہ اپنے جی کی
احسن کیوں چپ ہو کسی سے یاد — کچھ ہم سے کہو تو اپنے جی کی

احسن) احسن) سید علی احسن خلفِ حاجی سید مجتبیٰ متخلص بہ حسن قصبہ ارہرہ ضلع ایٹہ کے پیرزادوں میں ایک طبیعت دار آدمی ہیں فارسی اچھی جانتے ہیں اور عربی بقدر ضرورت شوال ۱۲۹۳ھ میں پیدا ہوئے صغر سنی سے شعر گوئی کا شوق ہو گیا ۱۸۹۶ء میں ایک گلدستہ موسوم بہ ریاضِ سخن جاری کیا تھا جو نواب ابراہیم علیخاں صاحب خلیل والیٔ ریاست ٹونک کے حضور تک کسی وسیلے سے پہنچا جس پر ایک ہزار روپیہ نقد و آیندہ امداد کا وعدہ ہوا چنانچہ اسی وجہ سے ریاضِ سخن کا نام ریاضِ خلیل رکھا گیا مگر وہ امداد ان تک نہ پہنچی جسکے باعث رسالہ بند کرنا پڑا ؎

اِس وقت میاں احسن فرصت پاکر حضرت داغ کی خدمت میں حیدرآباد میں تعلق ہوجانے کی امید پر حاضر ہوئے وہاں رہ کر داغ مرحوم کی سوانح عمری موسوم بہ **جلوۂ داغ** شائع کی اور ترغیب دلاکر ایک کتاب **فصیح اللغات** محاوراتِ داغ کے متعلق اپنے نام سے لکھنی شروع کی۔ نواب فصیح الملک داغ آپ پر بہت مہربان تھے ۱۹۰۳ء میں میاں احسن وہاں سے چلے آئے اور حضرتِ داغ کا انتقال ہوگیا۔ تلاشِ معاش کی فکر میں لاہور پہنچے اور راقم تذکرہ کے پاس تیس روپیہ ماہوار پر ملازم ہوئے۔ تین چار مہینے کے بعد قطع تعلق کرکے مطبع مفید عام میں نوکر ہوگئے۔ پھر اِس سے بھی کنارہ کشی اختیار کرکے وطن چلے گئے۔

قیام لاہور کے زمانہ میں **فصیح الملک** کے نام سے ایک رسالہ جاری کیا اور انکا آخری نامکمل دیوان یادگار داغ شائع کیا۔ کلام دستیاب شدہ کا انتخاب درج ذیل ہے ؎

ظالم کچھ تو ہی رحم کھا کر
مظلوم کے واسطے دعا کر

اُدھر ظرفِ وضو ہے اور زاہد
اِدھر جامِ وسبو ہے اور میں ہوں

وہ کہتے ہیں کہاں جاتا ہے احسن
ٹھہر جا آج تو ہے اور میں ہوں

اک آگ سی لگجاتی ہے دل اور جگر میں
کیا قوتِ برقی ہے محبت کی نظر میں

تھمتا ہی نہیں آنسوؤں کا جوش کسی دم
کیا بند سمندر ہے مرے دیدۂ تر میں

کیوں اور کسی چیز سے کرتا ہے اُسے بند
میں آنکھ ہی رکھ دوں نا ترے روزن در میں

باقی ہیں بعد مرگ بھی آثار ضعف کے
اُڑنے کی بھی سکت نہیں میرے غبار میں

نہ اذاں ہو نہ سحر ہو نہ گجر ہو شبِ وصل
کیا مزا ہو جو کسیکو نہ جگانے کوئی

پھر اداہ بُت تو ہمکو لگ گئی کو اپنے خالق سے
بنی رہبر رہِ تسلیم میں یہ بے رخی اچھی

لے پی چکا شراب سرور آگیا تجھے
ہاں شیخ حال حور کا اب تو سنا مجھے

نچوڑا اے زاہد خشک اُسکی رحمت کا ابر ہوگا
مری تر دامنی بہتر ہے تیری پارسائی سے

ہمارے پھول سے دلکو وہ ملتے ہیں مسلنے ہیں
کبھی دست حنائی سے کبھی پائے حنائی سے

ہمارا نام احسن ہے یہ ہمسے ہو نہیں سکتا
تمہارا ذکر احسن اور ہم کرتے برائی سے

حسرتوں کا خون میرے دل کی قربانی ہوئی
تب کہیں جا کر غمِ جاناں کی مہمانی ہوئی

سینکڑوں مانگنے والے ہیں یہ تنہا دل ہے
کس کو دوں کس کو نہ دوں ہائے بڑی مشکل ہے

غیر کے باب میں کیا آپ سے تکرار کروں
نہ کوئی اسکا نتیجہ ہے نہ کچھ حاصل ہے

دکھا کر ہر گھڑی تلوار تم دیتے ہو کیا جھکی
اُڑا دو سر۔ جو ایسی ہی خوشی ہے میرے ماتم کی

قیامت سے بھڑکنا آتشِ الفت کا سینہ میں
یہ چنگاری نہیں بجھتی اگر بجھی تو پھر بجھی

نہ پھر لے بے نقاب اسطرح ڈرتے چشمِ بد بیں سے
کہ للچائی ہوئی پڑتی ہیں نظریں ایک عالم کی

کبھی دیکھا نہیں خوش تجکو رندوں کی طرح ناصح
ارے جنت پیدائش ہے کیا تیری محرم کی

بلا کا ہے یہ نظارہ دل سنبھل نہیں ہی جاتے ہیں
کھڑا ہونا کھلے سر پھر ادائیں زلفِ پُرخم کی

جب اُن سے اور آئنہ سے برملا ہوئی
جتنی خودی سمائی تھی سر میں ہوا ہوئی

کیا ہی ستم ظریف ہے وہ شوخ چشم بھی
یہ پوچھتا ہے ہجر میں تکلیف کیا ہوئی +

ملنے کا لطف یہ ہے کہ وہ بولتے بھی کچھ
جب بات ہی نہ کی تو ملاقات کیا ہوئی

احسن

(احسن) منشی حافظ آغا جان دہلوی ۔ خلف مرزا نور اللہ بیگ مرحوم کابلی دہلی میں پیدا ہوئے اور یہیں تعلیم و تربیت پائی ہے کلام میں کوئی خاص دلچسپی نہیں پائی جاتی پُر گو ضرور ہیں ۴۵ برس کی عمر ہے کلام بھی ملاحظہ ہو ۵

کہیں خندہ کہیں گریہ کہیں رحمت کہیں زحمت
تماشا گاہِ ہستی اک تماشہ ہے مداری کا

جو ہر عقل ہوتا تو نہ ہوتی کوئی فکر
ایک رہبر سے ہوئے سینکڑوں رہزن پیدا

گرد ہے آٹھ پہر ہائے عدو ایک نہ ایک
کسطرح ربط کرے یار سے احسن پیدا

ربط مے چاہئے اے شیخ کہ جنت میں شراب
دفعتہً تم جو پیو گے تمہیں اچھو ہو گا

رہائی میں اسیری کا مزہ ہم یاد کرتے ہیں
وہ بلبل ہیں تلاشِ خانۂ صیاد کرتے ہیں

ایسے ساقی کی نگہ پڑتی ہے مجھ پر احسن
جسکی ہیں غیرتِ صد ساغرِ صہبا آنکھیں

آسمان لے کے اِسے سر پہ رکھے جائے ہلال | پھینک دے تو جو ترشوا کے زمیں پر ناخن

ق

شرق پر غرب کو تفوّق ہے | دہلوی سر ہیں لکھنؤی پا ہیں
قولِ فیصل یہ سُن لو احسن سے | گو کہ سب کچھ ہیں لکھنوی کیا ہیں

احسن

(احسن) مرزا احسن نجبت گورگانی - مرزا صابر کے شاگرد اور مقیم بنارس ہیں - یہ اُنکا کلام ہے ؎

یہ ضعف وقتِ شہادت ہے جسم لاغر پر | کہ خون چڑھ نہیں سکتا سرِ ستمگر پر
وہ سمجھا اپنی ہی تانگاہ کا پرتو | نظر پڑی جو کسی تیر سے ملاغر پر
غریب جان کے بلبل نہ ظلم کرتے ہیں | گلوں کو ناز ہے گلشن میں کس قدر زر پر

احسن

(احسن) میر باقر حسن دہلوی - زیادہ حال معلوم نہیں - دستیاب شدہ کلام حاضر ہے ؎

ایسا نہ کہ آہ خبر لے رقیب کی | ہاں دل جلا کے رہتے تو ہیں بے خبر سے آپ
شرم و حیا سے آپ کی نیچی نہیں نظر | جاتے ہیں کوئے غیر میں پائے نظر سے آپ
ہے لاگ برقِ آہ کو گھر سے رقیب کے | رہنے گا دُور دُور ذرا اُسکے گھر سے آپ
ہم بھی چلیں گے خرمنِ جاں پھونکتے ہوئے | برقِ ستم گراتے چلیں گے جدھر سے آپ
شبِ وصال میں دشمن کی گفتگو کیا ہے | لیا ہے دل تو یہ پوچھو کہ آرزو کیا ہے
نہ خوں ہو دل ہی میں جس کا وہ آرزو کیا ہے | کئے نہ تیغ سے خنجر سے وہ گلو کیا ہے ؟
ذرا تو چاہیے پاسِ ادب بھی عاشق کا | زباں کو روکو یہ کہتے ہو کیا کہ تو کیا ہے ؟
ہزار بار یہ دن بھر میں زاہدا ٹوٹے | ہماری توبہ کے آگے تو وضو کیا ہے

احسن

(احسن) مولوی نظیر الحسن باشندہ دیوبند اِن کے والد وحشی تخلص کرتے ہیں - انہیں سے مشورۂ سخن کرتے ہیں ؎

بتوں نے دل کے جلانے میں کچھ حذر نہ کیا | خدا کے گھر میں بھی رہ کر خدا کا ڈر نہ کیا
وہ مری لاش پہ آئے تو یوں لگے کہنے | اجل نے رحم کچھ اِس نوجوان پر نہ کیا
بتوں کے ظلم سے روتے ہو کسلئے احسن | کیا تھا عشق تو پتھر کا کیوں جگر نہ کیا

ہو جو منظور کہ اب ہوش میں آئے کوئی
خوگرِ ہجر ہُوا ہے دلِ بیتاب مرا

لٹکنا گیسوئے مشکیں کا سنگھائے کوئی
اب تو بردا نہیں آئے کہ نہ آئے کوئی

احسن

(احسن) میر گوہر علی احسن موسوی شاگرد حضرت داغ - حیدرآباد دکن کے رہنے والے ۲۶-۲۷ برس کے نوجوان ہیں - ابھی مشقِ سخن کی ابتدا ہے - انتخاباً چند شعر درج ہیں ؎

حالت وہ ہری دیکھ کے کہتا ہے ہنسی سے
یہ شخص مقرّر رہِ دیوانہ کسی کا +

یہی ہے آرزو دل کی ہمارے
کہ زیرِ خنجرِ قاتل گلو ہُو

زبان پر نام ہُو تیرا مری جاں
دلِ پُر آرزو میں تُو ہی تُو ہو

احقر

(احقر) مرزا جواد علی قزلباش - اِنکے آبا و اجداد کا اصلی وطن خراسان تھا - احقر میر حسن دہلوی کے موقر شاگردوں میں تھے - ابتداے عمر میں اپنے والدین کے ہمراہ کربلاے معلّٰی و نجف اشرف وغیرہ کی زیارتوں سے بھی مشرف ہوئے تھے - ۱۷۹۳ء میں کہ نواب آصف الدولہ کا زمانہ تھا بائیس برس کی عمر تھی اور لکھنؤ میں رہتے تھے - جوان جمیم الطبع و سلیم المزاج تھے چند بہم رسیدہ شعر لکھے جاتے ہیں جنسے طبیعت کی جودت کا حال ظاہر ہے +

؎

بزم میں اُسکی جو شبِ چاند کا مذکور چلا
اُٹھ کے مجلس سے وہیں وہ بتِ مغرور چلا

ہووے نصیب جلد کہیں وصلِ یار کا
احوال بے طرح ہے دلِ بیقرار کا

آنسو کی جگہ چشم میں لختِ جگر آیا
دل کا مجھے احوال بُرا کچھ نظر آیا

بندہ ہوں ترا اے اثرِ آہِ جگر سوز
صدقے سے ترے نالہ مرا کام کر آیا

مرے حق میں یہ بہتر ہے مجھے آرام ہو دیگا
ولے تو قتل کرنے سے مرے بدنام ہو دیگا

احقر وہ بدمعاملہ ہے بن لکھے پڑھے
تو نے جو دل دیا اُسے ناداں غلط کیا

کبھی دیدار بھی دکھائیے گا
یا یونہیں در بدر پھرائیے گا

احقر

(احقر) منشی محمد ملوک - عبد الجلیل سائل اور منشی فیض اللہ مکن پوری کے دوستوں میں

تھے - تذکرۂ شوق کی تیاری سے قبل انتقال کر چکے تھے - یہ دو شعر اُن کے نتائج افکار سے ہیں ؎

مست چھیڑ باغباں جو کوئی آگئی ہوا	ہم آپ ہی سے جائیں گے جوں خار و خس چلے
وقت روانروی ہے اُٹھے قافلے کے لوگ	ساقی چلے پیالہ جہانتک کہ بس چلے

احقر (احقر) منشی سید غلام نبی دہلوی - عربی فارسی کے زبردست عالم اور ضروریات فن سے بخوبی ماہر تھے - فارسی شعر گوئی کی طرف توجہ زیادہ مائل تھی - احباب کے اصرار سے کبھی کبھی اُردو میں بھی کہنے کا اتفاق ہو جاتا تھا سنہ ۱۲۷۰ھ ہجری میں حیات تھے انکے بیٹے سید آل نبی لاغر تخلص کرتے تھے - انتخاب کلام موجود ہے ملاحظہ ہو ؎

نقاش نے قاتل کی جو تصویر کو کھینچا	ابرو کی جگہ پر دم شمشیر کو کھینچا
جس وقت فاتحہ کو اُٹھے دلربا کے ہاتھ	ماتم سے شل ہوئے مرے اہل عزا کے ہاتھ
زور بازار جنوں ہے پوچھتے ہو حال کیا	کر دیا شہری غزالوں نے بیابانی مجھے

احقر (احقر) عالی جناب معلی القاب راجہ سری پرشاد بہادر شش ہزاری افواج سرکار نظام حیدرآباد دکن - مشہور رؤسائے دکن میں تھے - راجہ گردھاری پرشاد معروف بہ راجہ بنسی بہادر کا لیستھ سکسینہ محبوب نواز دنت بہادر باقی مرحوم کے حقیقی برادر زادے اور لالہ خوب چند کے خلف اور خود بھی راجہ کے خطاب سے مفتخر تھے - منشی کھنولال تائب لکھنوی کے شاگرد تھے - بعد وفات اپنے عم نامدار کے اُنکے علاقے کے مہتمم اور اپنے چچازاد بھائی کے سرپرست مقرر ہوئے - چند سال کا عرصہ ہوا کہ ۷۵ سال کی عمر میں بمقام مدراس انتقال فرمایا - اُنکا کلام بطور یادگار درج تذکرہ ہوتا ہے ؎

اِنہیں نے لوٹ لیا دل مرا دکھا کے جھلک	اِدھر سے روز جو آنکھیں چُرائے جاتے ہیں
ہم تو تم پر جان دیں اور تم کرو غیروں کو پیار	بندہ پرور یہ ہماری خوبیٔ تقدیر ہے
کہیں لائے نہ خونِ بیگنہ رنگ	ہو تو پونچھ ڈالو آستیں سے

کر چکے تم قتل ہمکو ہوگیا اِسکا یقیں
آپ تھراتے ہُو سر کاٹو گے کیا شمشیر سے

خونِ عاشق کرنے سے جنکو نہ ورد آئے ذرا
اے دلِ اُمیدِ وصال اور اُس بے پیر سے

احقر (احقر) منشی احمد جان دہلوی تلمیذ مولانا عبدالرحمٰن راسخ دہلوی طبیعت شوخ پائی ہے اپنے اُستاد کی روش پر چلتے ہیں۔ یہ کلام کا انتخاب ہے ؎

سنگدل تم ہو تو میں بھی سخت جاں ہوں دیکھنا
مُنہ نہ پھر جائے تمہارے خنجرِ فولاد کا

کہتے ہیں یہ بھی ہماری آن ہے
آن میں خوش ہیں خفا ہیں آن میں

میری آنکھوں سے دیکھ لے مجنوں
پردے اُٹھے ہوئے ہیں محمل کے

نہ سہی بوسہ گالیاں ہی سہی ؎
دام دلوایئے مرے دل کے

کسکی نظروں سے چاک ہے سینہ
کسنے ٹکڑے اُڑائے ہیں دل کے

احقر (احقر) سید محمد حسن باشندہ شمس آباد صوبہ اودھ۔ شاگرد حضرت داغ دہلوی مرحوم بسبیلِ روزگار ریاست کوٹہ میں آجکل مقیم ہیں ؎

سلامت رہے گا نہ اب سر کسی کا
کہ ہونا ہے پھر تیر خنجر کسی کا

اشاروں سے وہ مانگنا میرا بوسہ
وہ مُنہ پھیرنا ہائے ہنسکر کسی کا

ذرا دیکھ کر ناز سے ہو خراماں
نہ پس جائے دل او ستمگر کسی کا

غمزہ تیر نظر کا لطف اُٹھائیں
ہم سے پھر جائے چشمِ یار افسوس

نگہِ لطف سے مردوں کو جلایا تم نے
قم باذنی کا اثر تیرِ نظر رکھتے ہیں

احقر بٹھاؤ وصل میں رخسارِ انور سے دوپٹہ کو
دلِ مشتاق دیتا ہوں میں تمکو رونمائی میں ؎

چلو چکر اُنہیں ہم لائیں ہاتھوں ہاتھ اے رندو
سُنا ہے شیخ کعبہ چھوڑ کے میخانے آتے ہیں

کہا اُس سے یہ مینے اپنے دل کو ہاتھ میں لیکر (قطعہ)
بھلا بُوجھو تو ہم اِک چیز مٹھی میں چھپاتے ہیں

جواب اِس بات کا فوراً دیا اُس شوخ نے ہنسکر
تمہارے ہاتھ میں دل ہے کہو کیسا بتاتے ہیں

احقر (احقر) نواب غوث محی الدین بہادر رئیس حیدرآباد دکن۔ مولانا حبیب الرحمان بیدل سے

مشورہ سخن کرتے ہیں ابھی نومشقی کا عالم ہے ۵

شکل پیاری ہے مگر پیاری اشارے پیارے	تیرے جوبن ترے انداز ہیں سارے پیارے
جان جانے کو ہے آجاؤ خدارا اب بھی	دل میں ارمان رہے جاتے ہیں سارے پیارے
قتل غیروں کو کیا ہائے ہمارے ہوتے	مر گئے ہم فقط اس شرم کے مارے پیارے

احقر

(احقر) مولوی حافظ شاہ رحمت اللہ منظفر پور بہار کے باشندے اور مدرسہ جامع العلوم کے بانی اور مہتمم ہیں۔ بچپن سے شاعری کا شوق رہا۔ چند غزلیں جناب تیر بنارسی کو دکھائیں پھر حضرت داغ دہلوی سے رجوع لائے۔ مگر چند ہی غزلوں کی اصلاح ہونے پائی تھی کہ اُنکا انتقال ہوگیا اب کسی سے مشورہ نہیں کرتے طبیعت میں شوخی ہے خیال معاملہ گوئی کیطرف دوڑتا ہے زبان بھی اچھی ہے پنجرل شاعری کی طرف طبیعت کا رجحان ہے۔ اب تقریباً ۳۶ برس کی عمر ہے کلام ملاحظہ ہو

کہتے ہیں کیا رو رہے ہو دل گیا	ہم جو تم سے مل گئے سب مل گیا
اب لڑی بس اب لڑی اُن سے نظر	اب گیا بس ہاتھ سے اب دل گیا
آپ اور مجھ پر کرم شانِ خدا	آپ اور پوچھیں غریبوں کا مزاج
اے بتو اس چار دن کے حُسن پر	یہ مزاج - اتنا مزاج - ایسا مزاج
بھلا ہو جنوں شوق تیرے صدقے میں	ہمیں نہ اپنی خبر ہے نہ اب کسیکی خبر
زندگی میری محبت ہے تری	تجھ پہ مرتا ہوں تو جیتا ہوں میں
تیرے ملنے سے خدا ملتا ہے	سو کی اک بات یہ کہتا ہوں میں
یہاں وہ نہیں یاد ہاں وہ نہیں	حرم بت کدہ میں کہاں وہ نہیں
باغ میں تم آئے کلیاں کھل گئیں	عندلیبوں کی مرادیں مل گئیں
تم شبِ وعدہ نہ آئے جاؤ بھی	حسرتیں مٹی میں ساری مل گئیں
جب شبِ غم میں تڑپ کر آہ کی	آسماں کا نپے زمینیں ہل گئیں
فرقت وکلفت میں موت آگئی	نامرادوں کی مرادیں مل گئیں

دل سے مجبور ہوں داغ طاقت نہ ہو ضبط کرتے ہو محبت ہوں میں

وقتِ آخر بھی نہ کچھ نکلی ہماری آرزو
دل کی دل ہی میں رہی جاتی ہے ساری آرزو

رہ گئے منہ دیکھ کر جب شہر میں اُس نے کہا
ہم ہوں شرمندہ یہی ہے کیا تمہاری آرزو

قیامت ہے کسی کمسن کا کہنا میری تربت پر
چلو اُٹھو ملو کیوں مجھ سے حق ناحق خفا تم ہو

کیا ہو شکوۂ جور و جفا جس نے وہ کافر ہو
کسی کے جھوٹ سچ کہنے پہ کیوں مجھ سے خفا تم ہو

وہ سر ہے جس میں سودا ترا
وہ دل ہے تری جس میں ہو یاد کچھ

محبت میں احقر کو سمجھائیں خاک
سمجھتا بھی ہو خانہ برباد کچھ

وہ کہتے ہیں سنتے پڑے ہیں ہزاروں
بڑے اک تمہیں ہو وفا کرنے والے

جفا کو وفا کہنے والے ہمیں ہیں
تمہیں ہو وفا پر جفا کرنے والے

اِس گھڑی تم جاؤ کوئی بات ہے
منہ برستا ہے اندھیری رات ہے

ایک وہ لاکھ چاہنے والے
جان آفت میں پڑ گئی اُن کی

جتوں یہ کہہ رہی ہے کسی خود سال کی
اچھا جناب آنے دو پھر دیکھنا مجھے

ساتھ میرے رہ کے لکھتے ہو بُرائی تم مری
کچھ مروت بھی کرا کاتبیں آنکھوں میں ہے

نہ پڑے وقت کسی پر یارب
مجھ پہ تقدیر مری ہنستی ہے

احقر

(احقر) مرزا امیر الملک عرف مرزا بُلاقی گورگانی دہلوی خلف مرزا الٰہی بخش آپ کا سلسلۂ نسب جہانداد شاہ بادشاہ تک پہنچتا ہے۔ سرکار انگلشیہ سے پانچ روپیہ ماہوار اور سرکار نظام سے سو روپیہ ماہوار منصب پاتے ہیں خاندانی وجاہت اور ذاتی لیاقت کے باعث آپ کو سرکار سے کرسی نشینی کا اعزاز حاصل ہے۔ پابند صوم وصلوٰۃ بہت ہیں۔ فکرِ سخن کا بہت کم اتفاق ہوتا ہے۔ اکثر فارسی غزلوں پر مصرعے لگائے ہیں کبھی کبھی غزل گوئی کا بھی اتفاق ہو جاتا ہے اگر طبیعت پر زور دیں تو اچھا کہنے لگیں۔ تلمذ کسی سے نہیں ہے۔ خلیق و ملنسار بزرگ ہیں مجالسِ سوز و سماع میں اکثر شامل ہوتے ہیں۔ اب ۵۶ برس کے قریب عمر اور دہلی میں رہائش ہے انتخابِ کلام ملاحظہ ہو ؎

اپنے پہ آپ ہو گئے کچھ مبتلا سے ہم ۔ اب مدعی بنے ہو مرے مدعا سے تم
ہر آن دلستاں ہے ہر اک بات دلربا ۔ گویا ادا تمہیں سے ہے اور ہو ادا سے تم
سمجھو عزیز ہمکو اگر حسن ہے عزیز ۔ یوہیں بنے رہو گے ہماری دعا سے تم
مایوس زیست سے ہے تمہاری مسیح بھی ۔ بیمار ہو کے آئے ہو دار الشفا سے تم
سمجھے تھے اُسکے کوچے کو احقر دوائے ہجر ۔ لے آئے اُلٹا اور مرض اس دوا سے تم

قطعہ

سینے کہ کہ دیکھ لو اک بار اور پھر ۔ آئے ہیں اتفاق سے ہم پھر ادہر کہاں
نیچی نگہ سے کہدیا مجھکو کہ جائیے ۔ بس وہ بھی ایک بات تھی آنکھوں پہ کہاں

یہی گر ضعف کی حالت کہ تو جی کی رہی جی میں ۔ نکلنے کی بھی اب حالت نہیں ہے میرے ارماں میں
نہیں کھینچا لگا کر تیر کچھ بہتان ہے تجھ پر ۔ نہیں ہے دل جو پہلو میں تو ہو گا تیرے پیکاں میں
بہا جاتا ہے عالم ایک جوش گریہ سے میرے ۔ سما جانا ترا ہی کام تھا اس چشم گریاں میں
نہیں کردو جواب وصل میں تا جاں نکل جائے ۔ جئیں کب تک تمہاری روز کی ہوں ہوں میں ہاں ہاں میں

احقر

(احقر) سید یعقوب علی دہلوی ۱۲۸۵ھ میں حیات تھے۔ زیادہ حال معلوم نہیں ؎

نہ توڑا اے بت آئینۂ دل کو میرے ۔ کہ پھر جوڑنا اسکا آساں نہیں ہے
یہ ارماں ہے اک دن کہوں یہ بھی یارب ۔ میرے دل میں اب کوئی ارماں نہیں ہے
قدم راہ الفت میں رکھنا ہے مشکل ۔ خضر یہ رہ آب حیواں نہیں ہے

احمد

(احمد) ان کا نام تحقیق نہیں ہوا غالباً یہی نام اور یہی تخلص ہے۔ گجرات کے رہنے والے تھے۔ مرزا علی ابراہیم اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ حضرت احمد ولی دکنی کے ہم عہد اور ہم وطن تھے۔ زبان سنسکرت اور برج بھاکا سے بخوبی واقف تھے۔ کبھی کبھی اُس زمانے کی زبان کے موافق ریختی میں بھی فکر سخن کیا کرتے تھے۔ اُنکے تین شعر مسٹر الیف فیلن صاحب نے اپنے تذکرے میں لکھے ہیں جنمیں صرف ردیف ہندی ہے ایک شعر وہاں سے اور دو تذکرۂ شوق سے منتخب ہو کر درج کئے جاتے ہیں ؎

گر بیضۂ زاغے کسے در زیر سیمرغے نہد
انما صل خود نا پدید بروں آخر گلیلا ہوسے پر[1]

ہوئے دیدار کے طالب خودی سے خود گذر نکلے
نپائی راہ دانش میں خروشاں بیخبر نکلے

رہے نادر خیالاں میں رہے شوریدہ حالاں میں
ہوئے صاحب کمالاں میں کدھر سے آکدھر نکلے

احمد (احمد) مولوی احمد خاں شاہجہاں پوری عالم متبحر اور خوش تقریر بزرگ تھے۔ مدتوں نواب حافظ رحمت خاں مغفور کی رفاقت میں رہے۔ فارسی دیوان مرتب ہو گیا تھا مگر وہ مسودہ تباہ ہو گیا۔ رینہ میں بھی گاہے گاہے فکر کیا کرتے تھے۔ تذکرۂ شوق میں انکا ذکر نظر سے گزرا۔ یہ کلام کا خلاصہ ہے ؎

کیوں نمودے دل مرا نخچیر زلف
عاشقاں کی قید ہے زنجیر زلف

مار ڈالے جانے والوں کو وہ ✣ ✣
دیکھی ہم نے کچھ عجب تاثیر زلف

مصحفِ خوبی کا کرتی ہے بیاں
حسن معنی کی لکھے تفسیر زلف

کیا پریشانی میں ڈالا دل کو آج ✣
میں نجانوں کس نے کی تقریر زلف

دشتِ مجنوں کا مجھے احمد ہے شوق
دل پہ میرے ہے مگر تاثیر زلف

احمد (احمد) احمد خاں ولد بہادر خاں۔ ساکن رام پور قوم سے کمال زئی تھے۔ رہ وہ واقع کوہستان تیراہ کے بڑے عالی خاندان صاحب نوبت و نشان اور پشتو زبان کے صاحب دیوان تھے۔ فن تاریخ میں بھی معلومات تھی کبھی کبھی اردو شعر بھی کہتے تھے۔ حضرت امیر مینائی کا قول ہے کہ قدرت اللہ شوق دربیر غلام علی عشرت کے شاگردوں میں تھے۔ مگر شوق کے تذکرہ میں ان کا حال نظر سے نہیں گزرا۔ ۸۔ شعبان ۱۳۲۱ھ ہجری کو حین عالم شباب میں انتقال کیا۔ یہ دونو شعر انہیں کے طبعزاد ہیں ؎

مر گئے تو بھی نہ دیکھا مجھے جانی تو نے
جاں فشانی کی مری قدر نہ جانی تو نے

خط کتابت تو بڑی بات ہے پیارے اب تک
مجھکو بھیجا نہیں پیغام زبانی تو نے

احمد (احمد) منشی صمصام الدین خلف انعام اللہ خاں یقین شاعر قدیم۔ شاگرد مرزا مظہر سپاہی پیشہ

[1] ہوسے پر کا مفہوم آخر ہو کر رہے سمجھنا چاہئے ۱۲

اور دلّی کے باشندے تھے۔ شاہ عالم ثانی کے زمانے تک موجود تھے۔ یہ اُنہیں کے اشعار ہیں ؎

تن کو جلائے یا کہ تو آنسو بہائے شمع	بنتی نہیں یہاں تجھے بن سر کٹائے شمع
فراقِ گلرخاں میں کہا کے داغ آہستہ آہستہ	کیا سینے کو اپنے باغ آہستہ آہستہ

احمد

(احمد) مرزا احمد شاہ گورگانی دہلوی۔ مرزا جیعت شاہ ماہر کے حقیقی چھوٹے بھائی تھے۔ اور غالباً فنِ سخن میں اُنہیں سے مستفید تھے۔ مروت اور دوست نوازی میں فرد تھے۔ اشعار ذیل اُنکی طبع زاد ہیں ؎

بہائے بلبلِ بیدل کا جب لہو پیاد	تو کیوں نہ سامنے گل کے ہو سرخرو صیاد
کہو کہ کیونکہ ہو اُس سے نباہ کی صورت	کہ بدمزاج ہیں ہم اور تند خو صیاد
بچائے جان کہ ہر عندلیب زار سے گل	پھریں تلاش میں جب اُسکی چار سو صیاد

احمد

(احمد) مرزا احمد بیگ یہ مرزا فاضل بیگ دہلوی کے چچازاد بھائی تھے۔ علم تسخیر و عملیات میں اچھے عامل مانے جاتے تھے۔ کبھی کبھی موزونیٔ طبع کی اعانت سے فکرِ سخن بھی کرتے تھے۔ بہادر شاہ ثانی کے دورانِ حکومت میں نشو و نما پایا تھا اشعار ذیل اُنکی یادگار ہیں ؎

اپنی اپنی گور سے سب دیکھتے ہیں سر اُٹھا	اُس خرامِ ناز سے کیا فتنۂ محشر اُٹھا
پاؤں پھیلاتا ہے ہر محفل میں کیسا بے دھڑک	طفلِ اشک اے اہلِ الفت بیطرح ابتر اُٹھا
کسکی خرگاں کا الٰہی ہے مرے دل میں خیال	کہ کھٹکتا ہے مرے سینہ میں اک خار نیا
ہوئے جو خاک اُس کوچے میں تو یہ آبرو بائی	لگے سو بار قدموں سے لگے سو بار دامن سے
ہنگامِ نزع میں بھی ہمیں انتظار تھا	آتا ہے یا نہیں وہ ستمگار دیکھئے

احمد

(احمد) احمد بیگ قزلباش۔ دہلی کے رہنے والے اور سپاہ گری کے فن سے خوب باخبر تھے۔ حضرت بہادر شاہ کے زمان ولیعہدی میں رسالۂ خاص کے افسر اور گلشنِ بیخار کی ترتیب کے وقت جوان وجیہ و خوشرو تھے۔ یہ تین شعر اُنکے ہیں ؎

غضب سے ہاتھ میں جب تو نے تیغ کیں پکڑی	نہ اُٹھ سکا ترے بسمل نے یہ زمیں پکڑی

دل نہیں وہ شے کہ ہو کافر بنے اور ٹوٹ جائے		ہم نہ نہیں گے خدا کا گھر بنے اور ٹوٹ جائے	

احمد

(احمد) سید احمد علی عرف میاں جان رام پوری ولد محمود شاہ سنہ ۱۲۹۰ھ ہجری میں ریاست رام پور میں ملازم تھے بعد کا حال معلوم نہیں - اُس وقت اُنکی ۲۲ برس کی عمر تھی - امیر مینائی کے شاگرد ہیں - اُنکے تین شعر درج تذکرہ کئے جاتے ہیں ؎

اپنی مژگاں کو لہو میں نے دیا یا نہ دیا		سرخرو تجھسے تو اے نشترِ فصاد رہا	
وہ خاکسارِ ازل ہوں کہ نقشِ پا کیطرح		مدام خاک بسر کوچۂ بتاں میں رہا	
روزِ فرقت میں جو یہ حال ہے بے تابی کا		دیکھوں کیا کرتے ہیں یہ دل یہ جگر وصل کی شب	

احمد

(احمد) حافظ میر احمد علی نام مسٹر ایف فیلن صاحب کی تحریر کے مطابق سنہ ۱۸۴۰ء میں اُن کی ۲۵ برس کی عمر تھی - طبیعت موزوں پائی تھی مگر فکرِ سخن کا کم اتفاق ہوتا تھا نساخ انہیں میر عزت اللہ عشق کا شاگرد بتاتے ہیں نمونہ کلام یہ ہے ؎

آ کے ناحق ہمیں ستایا کیوں		پھر مٹے سے دل جلایا کیوں	
ایسی تقصیر کیا ہوئی ہم سے		وہ خفا ہم سے ہے خدا یا کیوں	
کیا غضب ہے کہ تو نے احمد کو		اس قدر دل سے ہے بھلایا کیوں	
آہ کچھ پہلے ہی دلِ سنے دکھا کر آنکھیں		دل مرا چھین لیا کچھ نہ بن آئی مجھکو	

احمد

(احمد) سید یمین الدین احمد ولد سید معین الدین احمد - رام پور میں رہتے تھے - انکا نسبی سلسلہ حضرت شیخ مجدد الف ثانی تک پہنچتا ہے سنہ ۱۲۴۵ھ ہجری میں پیدا ہوئے - احمد حسین راحت سے مشورہ رہا - ۱۲ - ربیع الاول سنہ ۱۳۰۲ھ ہجری میں ۳۷ برس زندہ رہ کر راہیِ ملکِ بقا ہوئے امیر مینائی نے اپنے تذکرہ میں انکے مصنفہ اُردو سکندر نامے کے چند شعر منتخب کئے ہیں وہی یہاں بھی درج کئے جاتے ہیں ؎

ہوا جب کہ تابندہ مہر منیر		صف آرا ہوا شاہِ گردوں سریر	

جہاں وہ جوتھے شیر صحرائے جنگ — چلے دشمنوں کی طرف بے درنگ
ملے دونوں لشکر بہم اسطرح — کہ ساوں سے بھادوں ملے جسطرح
کسی ست تھے گرز آتش فشاں — کہیں پارسینوں کے نوک زباں
کوئی نیم جاں تھا کوئی خستہ تن — میسر کسیکو نہ آیا کفن +
پڑی لاش پر لاش تھی اس قدر — کہ گشتوں کے اُٹھتے ہوئے سر بسر

احمد

(احمد) منشی سید احمد حسین خلف سید ابن حسین شاگرد میر حامد حسین نکہت سنہ ۱۸۷۰ء تک بمقام پٹنہ عظیم آباد موجود تھے ۔ اشعار ذیل اُن کی طبیعت کا نمونہ ہیں ؎

آنکھیں تو ملا کر کہو انصاف یہی ہے — ہم تم پہ مریں اور تم اغیار کو چاہو
رہتی ہے دعا یہ سحر و شام ہماری — سب ہم سے بگڑ جائیں مگر تم نہ خفا ہو
باہر یہ قدم جادۂ الفت سے نہوں گے — سر کاٹ کے رکھدے ابھی احمد جو رضا ہو
سر مقتل بھی ہم کو زیر خنجر غمزہ غش پہ غش آئے — نہ دیکھی مرتے دم بھی ہمنے صورت ہائے قاتل کی

احمد

(احمد) منشی سید ابو احمد ۔ ولد سید ابو محمد متوطن امروہہ ضلع مراد آباد ۱۲۷۹ھ ہجری میں پیدا ہوئے بہ سبب ملازمت ریاست بھوپال میں اقامت گزیں ہیں ۔ اور خان محمد خاں شہیر سے تلمذ ہے ۔ یہ ان کا کلام منتخب ہے ؎

ہزاروں غنچے کھلے ہوئے ہیں تمام گلشن مہک رہا ہے — شجر شجر پر چمن میں بلبل ہوا ئے گل میں چہک رہا ہے
ڈھلا ہے سانچہ میں نخل قامت کہ ثمر یار ہے قیامت — بہار پر ہے گل جوانی بلا کا جوبن ٹپک رہا ہے
مزاج میں ہے ابھی الجھن ہے طبع جور و جفا پہ مائل — عوض میں مرہم کے زخم دل پر نمک سگر چھڑک رہا ہے
یہ دم ہے اب کوئی دم کا مہماں شتاب آکر مسیح دوراں — لگادے زخم جگر پہ مرہم کہ تیر اُلفت سسک رہا ہے

احمد

(احمد) منشی علی الدین احمد المتخلص ۔ ضلع ورنگل علاقہ نظام حیدر آباد دکن میں تحصیلدار رہیں ۔ انکے دادا حاجی محمد ابراہیم سرکار نظام میں بعہد افضل الدولہ بہادر منیر مبارک کے خانساماں تھے اور زمانہ حال میں پنشن یاب تھے اُنہوں نے سنہ ۱۹۰۲ء میں انتقال کیا ۔ جناب احمد امیر مینائی کے شاگرد

تھے - انتخاباً کلام ہدیۂ ناظرین ہے ؎

کہلائیں ٹھوکریں در در کیا رسوا زمانہ میں
ارادہ کیا خدا جانے ابھی ہے اور اس دل کا

ہمدم بھی اپنے دشمنِ جانی نظر پڑے
آنکھ اُس کی کیا پھری کہ زمانہ بدل گیا

حالِ دلِ مضطر میں سناؤں نہ سناؤں
ڈرتا ہوں وہ سنتے ہی نہ ہو جائیں خفا اور

پڑی دخترِ رز تھی جو قاضی کے گھر میں
یہ رندوں سے کیوں پارسا مل رہی ہے

احمد (احمد) منشی احمد علی - باشندۂ کسمنڈہ مقیم دکن - یہ کلام کا نمونہ ہے ؎

پہلے پانی تھا ہوا پھر خون اب خوں ہی نہیں
جائے اشکِ ارغوانی اک غبار آنکھوں میں ہے

تیرے میکش حشر میں اُٹھے ہیں کس انداز سے
سرگراں ہے پاؤں میں لغزش خمار آنکھوں میں ہے

کیا بیاضِ صبح ہمدوشِ سوادِ شام ہے
انقلابِ گردشِ لیل و نہار آنکھوں میں ہے

کیا پلایا مینچے نے ساغر صہبائے شوق
مدتیں گزریں گلاب تک خمار آنکھوں میں ہے

احمد (احمد) مولوی شیخ محمد احمد خاں بہادر رئیس و تعلقہ دار ملیح آباد ضلع لکھنؤ - رسالدار فقیر محمد خاں گویا شاگرد خواجہ وزیر کے نبیرہ اور جانشین ہیں - حکامِ وقت کیطرف سے آنریری اسسٹنٹ کمشنری کے عہدے پر ممتاز ہیں - گاہ گاہ فکرِ سخن بھی کرتے ہیں ؎

مجھے بھی وحشتِ دل سو لے بجز پنجادے
کہ راہ تکتا ہے قیس برہنہ پا میری

شفا پذیر نہ ہوں گا کبھی طبیبوں سے
مرے مسیح ترے پاس ہے دوا میری

مرے مسیح کو دیکھا جو میری بالیں پر
تو اُلٹے پاؤں وہیں پھر گئی قضا میری

احمد (احمد) منشی شیخ احمد علی صاحب احمد رئیس آنریری مجسٹریٹ بہار - کلام کا نمونہ حاضر ہے ؎

اب بڑھا کر دوستی کم کیا کریں
وہ کریں ترکِ وفا ہم کیا کریں

اے امید کامیابی دے جواب
کہتی ہے کوشش مری ہم کیا کریں

تم چھڑک دو دل کے زخموں پر نمک
لے کے جراحوں سے مرہم کیا کریں

احمد (احمد) مرزا احمد اللہ خاں - خلف الرشید نواب عبداللہ خاں مطلب مرحوم رئیس اجمیر انکے

داد افشی حاجی محمد خاں عرصہ دراز تک راجپوتانہ رزیڈنسی کے میر منشی رہے آخر میں گورنمنٹ کی منظوری سے جودہ پور کی ریاست کے مدار المہام ہوئے اسی ملازمت میں بمقام پشکر کسی ظالم کے ہاتھ سے شہادت پائی۔ نہایت سخی شخص گزرے ہیں اُنکا اصل وطن کابل تھا۔ سر جان لارنس صاحب بہادر کے ہمراہ اکر سرکاری ملازم ہوئے تھے۔ اِنکے والد ماجد حضرت داغ مرحوم کے سرپرآوردہ تلامذہ میں تھے۔ اُنہوں نے بھی جناب داغ مرحوم کو اپنا کلام دکھایا تھا مگر اوائل مشق ہی میں تین سال ہوئے نوجوان انتقال فرمایا کلام حاضر ہے ؎

انکی جنتوں یہ کہتی ہے دل سے		جان اب تو بچے گی مشکل سے	
زہر الفت کی ہے عجب تاثیر ✦		اسمیں تلخی بھی ہے مزا بھی ہے	
اے لبِ یار تیرے پاس آخر		دردمندوں کی کچھ دوا بھی ہے	

احمد

(**احمد**) منشی سید احمد دہلوی مولف فرہنگ آصفیہ کا تخلص۔ آپ حافظ مولوی سید عبدالرحمن کے خلف اکبر باپ کی طرف سے حسنی اور ماں کی جانب سے حسینی سید ہیں ✦

منشی صاحب ۸۔ جنوری ۱۸۴۶ء کو چہ بلاقی بیگم دہلی میں پیدا ہوئے اور وہیں ہوش سنبھالا۔ منشی صاحب نے سرکاری مدارس اور نارمل اسکول دہلی میں تعلیم پائی۔ لیکن سب سے زیادہ وقت اور عمر کا بڑا حصہ فرہنگ آصفیہ کی تدوین میں صرف ہوا جسمیں بیس پچیس برس تک برابر منہمک رہے۔ فرہنگ آصفیہ کی تالیف پر گورنمنٹ نظام سے ساڑھے پانچ ہزار کا انعام اور پچاس روپیہ ماہوار کا وظیفہ عطا ہوا اور چار سو جلدوں کی خریداری بھی کی گئی اور اب تک اس کتاب کی ایک نہ ایک پہلو سے دستگیری ہو رہی ہے۔ اِسکے علاوہ اور بھی بہت سی کتابیں تعلیم مستورات کے متعلق اِن کی تصنیف سے ہیں مثلاً انشائی ہادی النسا۔ قصۂ راحت زنانی۔ اخلاق النساء۔ بچوں کا رکھ رکھاؤ۔ طبعی تعلیم۔ لڑکیوں کا قاعدہ بطرز جدید مع طریقہ تعلیم۔ علم اللسان وغیرہ جو شایع ہو چکے ہیں۔ ۱۸۸۴ء میں سب سے پہلے عورتوں کی خاص زبان میں اخبار النساء انہیں کی کوشش سے جاری ہوا جو کئی برس تک دھوم دھام سے جاری رہکر بند ہو گیا۔ کنز الفوائد اور دقائع دُرانیہ

کی تالیف کے صلہ میں آپ گورنمنٹ سے انعام بھی پا چکے ہیں ۔ منشی حسنا کو تصنیف و تالیف کا شوق
زمانہ سے شوق تھا ۔ موزونیٔ طبع کے باعث کبھی کبھی شعر بھی کہہ لیا کرتے تھے ۔ زمانہ طفولیت میں
حافظ قطب الدین مشیر کو اپنی چند غزلیں دکھائیں انکے بعد کبھی مولوی سید محمد زکریا خاں صاحب
زکی سے کبھی خواجہ حالی سے مشورہ لیا ۔ مولوی صاحب مشہور ڈاکٹر فیلن کے ترتیب انگریزی اردو لغات
میں عرصہ دراز تک مددگار رہے اور اس سلسلہ سے کئی برس دانا پور میں قیام رہا ۔ تکمیل ڈکشنری
کے بعد سرکاری ملازمت اختیار کی اور دہلی اور شملے کے مدرسوں میں مدرسی کرتے رہے ۔ اب
پنشن یاب ہیں مگر فی الحال ٹکسٹ بک کمیٹی میں نظر ثانی کتب کے کام پر ماہوار روپیہ سو روپیہ
تنخواہ پاتے ہیں ۔ راقم تذکرہ کے عنایت فرما ہیں اور وقتاً فوقتاً ضروری مشوروں سے امداد بھی کرتے رہے ہیں
کچھ کلام عنایت کیا اُسکا انتخاب ملاحظہ ہو ؎

ایسی ہم سے ہوئی خطا کیا رب — جسکے باعث یہ کچھ عذاب ملا
مے کے بدلے ملا جو خونِ دل — تو ملا کر جگر کباب ملا
رگ رگ میں دوڑ جاتا ہے جلوہ خدائی کا — اُس بت کے سامنے ہے مزا جبہ سائی کا
گر تم سے اپنی ہٹ کو ہٹایا نہ جائے گا — مچلا ہُوا یہ دل بھی سنبھالا نہ جائیگا
ہے قیدِ تعلق سے چھٹکارا کون یہاں پر — کعبہ ہے کسی کا تو ہے بت خانہ کسی کا
تیری صورت کو دیکھتے ہیں ہم — حق کی قدرت کو دیکھتے ہیں ہم
لاکھ کلفت کو دیکھتے ہیں ہم — دُگنی الفت کو دیکھتے ہیں ہم
تیری کاکل سے رکھتا ہے یہ بل — دل کی شامت کو دیکھتے ہیں ہم
تم بھی واعظ پھسل پڑو جس پر — ایسی صورت کو دیکھتے ہیں ہم
اب بھی تربت پہ نرگس اُگتی ہے — اپنی حسرت کو دیکھتے ہیں ہم
جان لب پر ہمیشہ رہتی ہے — اس سکونت کو دیکھتے ہیں ہم
زاہد تجھے قسم ہے خدا کی ادھر تو آ — کیا نور سا جھلکتا ہے شیشے کے جام میں

وقتِ وضو جو ہوتا ہے ہاتھوں کو بار بار — زاہد خدا کے پیچھے پڑا ہاتھ دھو کے تو
رہو گے دل میں آنکھوں سے نہاں ہو — بھلا بچکر رہو جاتے کہاں ہو
غنیمت جاں لو صحبت کو اُسکی — خدا جانے یہ سیدھے پھر کہاں ہو

جب آئے لطف تجکو محبت کا ناصحا — تو بھی کبھی جلے کبھی بھُنکر کباب ہو
اپنی غشی تو جائے جب ہی جب یہ بات ہو — عارض کا تیرے گل ہو عرق کا گلاب ہو
آج بیڈھب ہے ہمارے دل میں کچھ آئی ہوئی — جام مے بھی سبز ہے اور ہے گھٹا چھائی ہوئی
تا بکے دوں صبر دل کو کب تلک چپکا رہوں — یاد بھی آوے کہیں تم کو قسم کھائی ہوئی

جی بھی اُٹھو کہ یار آتا ہے — دم یہ خاصا دیا مسیحا نے

نفرت شراب سے ہے نہ رغبت کباب سے — کوسوں ہیں دور ہم غمِ زہد و ثواب سے
جب دُور تم ہوئے مری چشمِ پُرآب سے — لاکھوں برس گزر گئے اپنے حساب سے
نرد کو مجکو یہ کہکر کہاں سنو تو سہی ✤ — وصال میں ہے ستم یہ ادا سنو تو سہی
کسی کا جرم کسیکی خفا کسیکا قصور — ہمیں ہمیشہ ملے کیوں سزا سنو تو سہی
چلو بس حضرتِ عیسےٰ تم اپنا کام کرو — مریضِ عشق کو ہوگی شفا سنو تو سہی
نہ چونکا خوابِ عدم سے تو کہتے ہیں ہمدم — یہ کس کے پاؤں کی آئی صدا سنو تو سہی
رہا ئے بیٹھے ہو دھونی جو اُنکے در پر تم ✤ — ہُوا ہے کیا تمہیں سیدھا سنو تو سہی

(احمد) منشی احمد حسین خاں بی اے تاریخ ولادت ۲۱- جولائی ۱۸۶۷ء ہے - انکے دادا یعقوب خاں فوج میں صوبہ دار تھے ذات کے یوسف زئی پٹھان ہیں انکے والد بزرگوار خان بہادر ڈاکٹر محمد حسین خاں سابق پروفیسر میڈیکل کالج حال رئیس و آنریری مجسٹریٹ شہر لاہور ہیں - احمد حسین خاں نے گورنمنٹ کالج لاہور میں تعلیم پائی اور ۱۸۹۶ء میں بی اے کی ڈگری حاصل کی ۱۸۹۳ء میں شعر گوئی کا شوق ہوا مرزا ارشد دہلوی کو کلام دکھایا ان دنوں میں انجمن پنجاب کا مشاعرہ بہت زور شور سے ہوتا تھا مولانا آزاد اور مولوی فیض الحسن جیسے بزرگوار شریک ہوا کرتے تھے احمد حسین خاں

بھی اپنی غزلیں پڑھا کرتے تھے ۱۸۹۶ء میں رنگ زمانہ دیکھکر غزل گوئی کو ترک کیا اور نیچرل طرز کو پسند کیا دو مجموعے خیابان اخلاق و گلستان اخلاق اس طرز میں چھپ چکے ہیں ۱۸۹۹ء میں لٹریری سوسائٹی پنجاب کی بنیاد رکھی جسکا پہلا جلسہ بصدارت آنریبل مسٹر مدن گوپال ایم اے راے بہادر بیرسٹرایٹ لا والد ماجد راقم تذکرہ کے بڑی آب و تاب سے ہوا خاں صاحب مشہور ناولسٹ ہیں سو سے زیادہ ناول اور سوانح عمریاں لکھ چکے ہیں جو پنجاب کے عوام میں شوق کی نگاہ سے دیکھے اور پڑھے جاتے ہیں ۱۹۰۰ء میں گورنمنٹ نے عمدہ تصانیف کے صلہ میں انعام دیا ۱۹۰۲ء میں سٹریچی صاحب بہادر ڈائرکٹر محکمہ تعلیم نے عمدہ اکسٹرا اسسٹنٹی کے لئے گورنمنٹ سے انکی سفارش کی ۱۹۰۵ء میں آپ ممبر ایشیاٹک سوسائٹی بنگال منتخب ہوئے ۱۹۰۶ء میں اکسٹرا اسسٹنٹی کا امتحان پاس کیا ۱۹۰۷ء میں سر ہنری ٹرڈیلین وڈ کی تحریک پر آپ فیلو سوسائٹی آف آرٹس لندن منتخب کئے گئے پنجاب کے شعرا میں آپ کا نام بڑی عزت سے لیا جاتا ہے اور واقعی عاشقانہ وطرز جدید دونوں میں حق خوش گوئی ادا کرتے ہیں - انکا ایک وصف خاص تعریف کے قابل ہے وہ یہ کہ از حد جفاکش و مطالعہ پسند ہیں - اور ہر وقت کسی نہ کسی مشغلہ علمی میں منہمک رہتے ہیں فی الحال جہلم میں ڈویژنل کورٹ کے مشلخواں ہیں ؎

تم ہو دمباز تو دم دینا ہے جوہر اپنا	ہم بھی پھرتے ہیں ہتھیلی پہ لئے سر اپنا
کون کہتا ہے کہ مقتل میں قیامت آئی	خود بدولت ہی نہوں بھیس بدلکر اپنا
جذبِ دل نے نام زندہ کر دیا بہزاد کا +	آنکھ کے پردے میں فوٹو لے لیا صیاد کا
خوب نوچے طائرِ ہوش و خرد کے بال و پر	یہ جنوں میرے لئے اوتار ہے صیاد کا
طائرِ رنگِ حنا میں تاب اڑنے کی نہیں	پنجۂ نازک یقیناً ہے قفس صیاد کا +
قرآں لئے کوئی کوئی فردِ عمل گیا	محشر میں میں شبیہ صنم دلبغل گیا
دشتِ وحشت میں اسے کانٹوں نے ناحق چھیڑا	ہائے چھالا مری قسمت کی طرح پھوٹ گیا
نہیں رہبر کی کچھ پروا ہمیں صدقے تصور کے	کہ آنکھیں بند کیں اور جھٹ ترے کوچہ میں جا نکلے

اے شمع تجھ میں شان رخِ دلربا کی ہے — پروانوں تم میں آگ دل مبتلا کی ہے
اے تشنگانِ دشتِ محبت نگاہِ یار — برچھی نہیں سبیل یہ آبِ بقا کی ہے
یہ سچ ہے دو دلوں سے بجتی ہیں تالیاں — تم کو جفا کی خو مجھے عادت وفا کی ہے
مشعل ہے بنکدے میں تو کعبے میں ہے چراغ — لَو ہے ہمارے یار کی گھر گھر لگی ہوئی
میں سزاوارِ ستم تھا بچ گیا تقدیر سے — جو سزا دیکھی وہ کم نکلی مری تقصیر سے
ضبط کا یارا نہ تھا حیرت نے رکھ لی آبرو — کب گرا کرتے ہیں آنسو دیدۂ تصویر سے
تا کجا پردہ میں رہتا اتحادِ حسن و عشق — میری حیرانی نمایاں ہے تری تصویر سے
دشمنِ خوفِ شہادت بیقراری ہے مری — اس وفا پر تم کشیدہ ہو نہ اپنے تیر سے

احمد

(**احمد**) حاجی سید احمد صاحب مدراسی برادر سید علی بہار صاحب قادری - منشی جلیل حسن کو اپنا کلام دکھاتے ہیں ؎

دامِ سیزا - دانۂ شبنم - باغباں صیاد ہے — باغ میں بلبل بنا اپنا نشیمن دیکھ کر
جانتا ہوں حادثات دہر کو ناپائدار — رنج غم کا مجھکو شادی کی خوشی ہوتی نہیں
الم افزا ہے دنیا میں وفورِ دولتِ دنیا — کہ سینے میں صدف کے گوہر نایاب چھپاتے ہیں
مٹی میں مل گئے تو اُٹھے بنکے گرد باد — حالت وہی ہے مٹ کے بھی اپنے غرور کی
نوشِ طرب کے ساتھ ہی نیش تعب بھی ہے — لاتی ہیں دن خمار کے راتیں سرور کی
اب جو آئے گی اجل خاک ملے گا اُس کو — جا چکی جان یہاں موت کے ڈر سے پہلے
لازم اندیشۂ عقبیٰ ہے ہمیں دنیا میں — چاہیئے زادِ سفر وقتِ سفر سے پہلے

احمدی

(**احمدی**) خواجہ احمد علی مرحوم دہلوی - آخر عمر میں لکھنؤ جا رہے تھے اور جرأت کے شاگردوں میں ممتاز تھے - قدرت اللہ شوق کے تذکرہ میں انکا کلام نظر سے گزرا اُسمیں سے چند شعر انتخاب ہو کر درج کیے جاتے ہیں - کلام سے سوز دلی فکر اور خوش اسلوبی طرز بیان آشکارا ہے ؎

محکوم عشق ہو کے میں آرام سے گیا — سونا مجھے وہ کام کہ سب کام سے گیا

ساقی تری نگاہ نے ایسا چھکا دیا — غم دو جہاں کا بس ترے اک جام سے گیا
حیراں کھڑے ہیں پشت بدیوار سینکڑوں — مکھڑا دکھا کے کوئی لب بام سے گیا
اپنے عاشق کے پاس جانے کی — روز فرصت نہ تو گاہے جا
مجکو جو وہ برا کہے تو کہے + — پر دلا اوسکو تو سراہے جا
تری چشم نے پہلے بیمار ڈالا — پھر اُس زلف کافر نے بس مار ڈالا

آ پکے کوچے میں ہم گزریں گے دن میں لاکھ بار آ — کچھ اجارہ یاں نہیں رستہ ہے یہ بازار کا
اگرچہ دل میں باتیں یاد کر کر کیا میں آتا ہوں — پر اُسکے دیکھتے ہی شکل سب کچھ بھول جاتا ہوں
مجھے گلشن میں آتا دیکھ کر وہ غنچہ لب بولا — ذرا آنے دو اسکو چٹکیوں میں کیا اُڑاتا ہوں
اُسے پروا نہیں کچھ سر اگر لاکھوں کے کٹ جائیں — جو پوچھو تو کہے ہے وہ کہ میں تیغ آزماتا ہوں
جو اُس در سے چلوں ہوں احمدی ہوتی ہے یہ حالت — بہانہ ضعف کا کر ہر قدم پہ بیٹھ جاتا ہوں
جاتے ہی بزم میں اُسنے یہ دکھائیں آنکھیں — جب تلک بیٹھے ہم اوپر نہ اُٹھائیں آنکھیں
دیکھے دیکھے سے پریرُوؤں کے کیا کیا طوفان — تس پہ بھی دیکھنے سے باز نہ آئیں آنکھیں

بس گیا گلعذار آنکھوں میں — کیا ہے پھول بہار آنکھوں میں

اِن مخفی باتوں کو پیارے کب کوئی نامحرم سمجھے — جو رمز میں ہو گئیں نظروں میں کچھ ہم سمجھے کچھ تم سمجھے
مت جھوٹی جھوٹی باتوں سے بہلا مجکو لے راہ اپنی — تو لادے گا اُسکو ہمدم ہم خوب یہ تیرا دم سمجھے
جو وہ یہاں آ کے زراہ کرم ذرا پھر جائے — تو مجھ مریض کی آئی ہوئی قضا پھر جائے
ہے اُس سے گرمیٔ صحبت نہ کھینچ تو دم سرد — مجھے یہ ڈر ہے مبادا کہیں ہوا پھر جائے
گھر اپنے آئے وہاں سے خدا خدا کر کر — گلی میں اُس بت قاتل کی کوئی کیا پھر جائے

احمدی (احمدی) انکا شیخ احمد نام اور زمانیہ متصل غاری پور مولد تھا قاضی شمس الدین ہروی کے قرابت داروں میں تھے ۔ شوق کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ میرزا رفیع السودا سے اصلاح لیتے تھے ۔ سنہ ۱۱۹۶ ہجری میں بعہد فضل علی خاں نواب غازی پور زمانیہ میں بخشی گری کے عہدے پر ممتاز تھے

طبیعت موزوں پائی تھی شعر خوب کہتے تھے۔ تذکرۂ شوق سے کلام منتخب ہوا ؎

کیا خودی سے مرے دل کو تو نے خالی عشق
تفضلات ترا اے جناب عالی عشق

اِس باغ سے اب جاتے ہیں با دیدۂ تر ہم
شبنم کی طرح پھر نہیں آنے کے نظر ہم

کہتا ہے بگولا یہ سرِ تربتِ مجنوں
تو مر گیا صحرا میں رہے خاک بسر ہم

محفل میں تری جمع تھے عشاق کے حلقے
لہرائی ادھر زلف اُدھر ہو گئے برہم

مردم ترے جمال پہ جب چشم وا کریں
آنکھیں اُٹھا کے پنجۂ مژگاں دعا کریں

مرا ہوش و طاقت سبھی لے چلے
اجی تم چلے کیا کہ جی لے چلے

عالم کی تیری چشم نے حالت تباہ کی
دورِ فلک سے کم نہیں گردش نگاہ کی

حیراں کرے گی آئنہ رویوں کی دوستی
صورت کوئی نظر نہیں آتی بناہ کی

احمدی

(احمدی) تخلص ہے کسی خوش کلام سخنور کا۔ ایک غزل ایک قدیمی بیاض میں (جو حضرت ٹیپو سلطان کے کتب خانے میں تھی) نظر سے گزری اُسکا انتخاب درج تذکرہ کیا جاتا ہے۔ ہر شعر سے صفائی زبان اور شوخیٔ مضمون ہویدا ہے ؎

کیا ترے حسن کی تصویر ہے اللہ اللہ
سورۂ نور کی تفسیر ہے اللہ اللہ

ایک طرف تیر و کماں ایک طرف تیغ نگاہ
کیا مرے قتل کی تدبیر ہے اللہ اللہ

زلف کو دیکھ کے کیونکر نہ گرفتار ہو دل
کس قیامت کی یہ زنجیر ہے اللہ اللہ

دل دیا جان دیا دولت ایمان دیا
پھر بھی دیکھو ہم سے یہ تقریر ہے اللہ اللہ

احمدی زور پری رو پہ جو دیوانہ ہوا
حسن جبکا ہے جہانگیر ہے اللہ اللہ

(احمدی) عالیجناب نواب غلام احمد خاں صاحب احمدی مرحوم ممبر کونسل آف ایجنسی ریاست گوالیار آپ کنج پورہ کرنال کے مشہور خاندانی نوابی کے رکن درسرکار انگریزی میں عہدہ ہائے جلیلہ پر ممتاز رہکر انجام کار زمانہ صغر سنی مہاراجہ سندیہ حیدہ والیٔ حال میں کونسل ریاست کے ممبر مقرر ہوئے تھے۔ صاحب خصائل پسندیدہ اور بڑے بامروت اور نیک طینت بزرگ تھے۔ آپکے دو صاحبزادے سر سلطان احمد خاں اور مسٹر آفتاب احمد خاں مشہور بیرسٹر ہیں

اخلاقی مضامین اور تصوف کیطرف زیادہ میلان خاطر تھا عشقیہ اشعار بہت کم کہتے تھے تبرکاً انتخاب کلام پیش ہے

تو فاہم ہیں چاکر تو ہے مولا ہم ترے بندے
کرم شیوہ ترا یاں ہاتھ میں کاسہ گدائی کا

بُرا ہوں یا بھلا تیرا ہوں تیرے در پہ حاضر ہوں
نہ کچھ رندی سے مطلب ہے نہ دعویٰ پارسائی کا

جو خود مٹ جائے وہ کیا ہو کسیکے در کا ہم
کرے محتاج کیونکر حوصلہ حاجت روائی کا

تری ہی دھن میں ناقوس برہمن گرم نالہ ہے
تری ہی یاد میں ہے مسجدوں میں غل اذانوں کا

سہارے پر تری امداد کے ہم سب توانا ہیں
گر نہ سانس لینا ہو گراں ہم ناتوانوں کا

ارم کہتے ہیں جسکو ظرف سے اک اُسکی قدرت کے
درخشاں مہر اک شعلہ ہے اُسکے طاق ایواں کا

نہاں ہے وہ مگر افعال قدرت میں عیاں اُسکے
جہاں دیکھو رواں سکہ ہے شاہنشاہ پنہاں کا

کمی بیشی شکست و پست ہے سب اُسکے قبضے میں
بناتا ہے مٹاتا ہے یہی ہے کام یزداں کا

نشاں کیا کیا دکھائے تو نے یارب بے نشاں ہو کر
عیاں کیا کچھ کیا ہے تو نے اے خلاق نہاں ہو کر

ترا جوش کرم رفعت اگر دے اہل پستی کو
مہ و خور پر زمیں سایہ فگن ہو آسماں ہو کر

تمنا ہے سراپا محو ذکر ذات باری ہوں
میرا ہر مو سے تن سرگرم مدحت ہو زباں ہو کر

جنہیں طفلی میں صرف بازی چوگاں و گو پایا
وہی محو خود آرائی نظر آئے جواں ہو کر

زباں کو میری گویا کر الٰہی اپنی مدحت میں
کروں مردہ دلوں کو زندہ دل معجز بیاں ہو کر

جہاں بھولوں بتا جس جا بھٹک جاؤں ہدایت کے
جو ہو لغزش تو مجکو تھام میرا مہرباں ہو کر

بھروسہ پر تری امداد کے بیڑا اُٹھایا ہے
فلک کے بوجھ اُٹھانے پر تُلا ہوں ناتواں ہو کر

ترے در پر جبین احمدی سرگرم سجدہ ہے
تمنا ہے یہیں مٹ جائے خاک آستاں ہو کر

دلوں کو پاک کر یارب خیالات پریشاں سے
بہت چھائی ہے تاریکی قلوب اہل دنیا پر

اُسکے آستانہ پر ہمیں لازم ہے سر رکھیں
کھلا ہے اُسکا باب رحم ہر ادنیٰ و اعلیٰ پر

الٰہی تشنہ لب ہم ہیں ہمارا خضر رہ ہو کر
کرم سے تو ہی پہنچا دے ہمیں رحمت کے دریا پر

گدایان در دولت کی یہ اونچی نگاہیں ہیں
لگائیں ٹھوکریں گر پیش پا ہو ٹھاٹھ شاہانہ

امداد زخم ناکامان بیکس کے لئے
مرہم کافور رحمدردی کا پھایا چاہئے

منعموں سے کہتے ہو حاضر ہے خدمت ہم
بیکسوں سے بھی کبھی پوچھا کرو کیا چاہئے

ہے زمین و آسماں کا فرق قول و فعل میں | احمدی جو مُنہ سے کہتے ہو وہ کرنا چاہیے

اختر

(اختر) میر اکبر علی سرہندی ولد عبد الصمد ابن حضرت ایشاں پیرزادہ نواب قمر الدین خاں وزیر اعظم - دہلی چھوڑ کر آصف الدولہ کے وقت میں لکھنؤ جا بسے تھے - جب مرزا جانی کے مصاحبوں میں داخل ہوئے تو مصحفی بھی وہیں تھے - جوان قابل ہزرسند و ظریف الطبع تھے کچھ دنوں مصحفی سے مشورۂ سخن رہا اور آخر کو قلندر بخش جرأت کے شاگردوں میں مشہور ہوئے مصحفی نے اپنے تذکرے میں اِنکے کلام فصیح اور طرزِ دل پسند کی تعریف کی ہے - بعض غزلیات میں انجم تخلص بھی کیا ہے حضرت شیفتہ نے اپنے تذکرے میں لکھا ہے کہ انہیں صنعتِ آتشبازی میں بھی دخل تھا اور اکثر اس شغل کو بھی بنا ہے جاتے تھے ۱۸۳۲ء میں بیس برس کے تھے تذکرہ شوق اور دیگر قدیم تذکروں سے کلام انتخاب کر کے حاضر کیا جاتا ہے ؎

تماشے کی ہے جا مژگاں پہ جو لختِ جگر نکلا | عجب یہ نخل ہے جسمیں نہ شکل گل نہ ثمر نکلا +
خوابِ راحت میں دلا اُس کو نہ تو ہاتھ لگا | چونک اُٹھے گا ابھی وہ جو کبھو ہاتھ لگا +
اور کیا خاک کوئی ہو بجز ستم گر عاشق | روتے پھرتے ہیں ترے اگلے ہی گھر گھر عاشق
اللہ اللہ رے تری جلوہ گری کا عالم | نہ لگے گرد کو بھی جس کے پری کا عالم
کیا کہوں کل تری رفتار کی اٹھکیلی دیکھ | کچھ عجب حال سے تھا کبک دری کا عالم
پہروں میں آپ میں آتا نہیں ہمدم اُس بن | مجھسے مت پوچھ مری بیخبری کا عالم
لے کے دل جان سے مارا مجھے آخر اُن نے | کیا کہوں اُسکی میں بیدادگری کا عالم

بزم میں کس کی رات جاگے تھے | ہے جواب تک خمار آنکھوں میں

کوئی جتا دے یہ اُس شوخ بے وفا کے تئیں | کہ آشنا نہیں دکھ دیتے آشنا کے تئیں
یارب وہ ملے مجھسے تا لوگ کہیں مجھکو | ساحر اسے کہتے ہیں عامل اسے کہتے ہیں
اختر میں اُسے چاہا یاں تک کہ وہ میرا بھی | قائل ہے کہ ہاں سچ ہے مائل اسے کہتے ہیں
صدا آواز کے بھی ہم تو سُننے کو ترستے ہیں | خوشا حال اُنکا ہے جو آپکے ہمسایہ بستے ہیں

تمہاری چین ابرو ہی کا مارا ہے وہ اے پیارے
کر انجم کے ناحق قتل پر اب آپ کستے ہیں

صاف دل سے بھی جو اُسکو اپنے ہم گھر لیگئے
تو بھی سب دلمیں گماں کچھ اور ہمپر لے گئے

بولے گھبرا کر ہمیں پیٹے جو یہ حرکت کرے
سامنے اُسکے گلے تک ہم چو خنجر لے گئے

کر رہے ہیں لوگ باہر کے جو چرچا سب اجی
کون تھا وہ جسکو تم شب گھر کے اندر لے گئے

کچھ ستارہ شاید انجم کا پھرا ہے ان دنوں
تم جو پاس اپنے اُسے ہر وقت بلوانے لگے

اختر

(اختر) ملک الشعرا قاضی مولوی محمد صادق خاں صاحب ولد قاضی محمد لعل ہوگلی بنگالہ کے قاضی زادوں میں تھے مگر وطن چھوڑ کر لکھنؤ آرہے تھے - مرزا قتیل کے شاگرد رشید اور تحصیلداری کے عہدے پر مامور تھے - جامع الکمالات شخص اور لکھنؤ کے مشاہیر شعراء وقت میں شمار کئے جاتے تھے - ایک تذکرہ موسوم بہ آفتاب عالمتاب جس میں پانچ ہزار فارسی شعرا کا حال اور کلام فراہم کیا تھا ترتیم فرمایا اُسی تذکرہ کی بدولت بھوپال سے متعدد تذکرے شائع ہوئے وہ تذکرہ اب عنقا کا حکم رکھتا ہے - طبیعت کی شوخی - کلام کی بلندی - اور حُسن تشبیہ آپ ہی کا حصہ ہے غازی الدین حیدر والی لکھنؤ نے ملک الشعرا کا خطاب دیا تھا - چونکہ اِن کی عمر کا بہت بڑا حصہ لکھنؤ میں گزرا اس وجہ سے شعرائے لکھنؤ انہیں بکمال فخر اپنا ہم صفیر و ہم وطن بیان کرتے ہیں اور درحقیقت وہ اپنی قیام گاہ کے واسطے مایۂ افتخار و نازش تھے - انہیں اکثر فنون میں خصوصاً شعبدہ بازی میں کمال حاصل تھا - تبحر علمی کے علاوہ فن سخن و دقائق شعر میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے بندش مضمون - نازک خیالی - قادر الکلامی - اور خوش گوئی میں لاجواب تھے - مصحفی - انشا اور جرأت کے مشاعروں میں شریک ہوئے - آتش - ناسخ - وزیر اور صبا کے زمانہ تک زندہ رہے - صبح صادق - نور الانشا - محامد حیدریہ - دیوان فارسی - دیوان ریختہ - اور تذکرہ آفتاب عالمتاب اِن کی یادگار ہیں - بعد غدر ۱۸۵۸ء لکھنؤ میں وفات پائی - اِن کا کلام عنقا کا حکم رکھتا ہے بہرحال جسقدر مختلفہ تذکروں میں نظر سے گزرا اُسی کا انتخاب درج تذکرہ کیا جاتا ہے - افسوس ہے کہ اِن کی طبعزاد کتابیں حصار مطبع کی زیر حفاظت نہ آنے پائیں - اس سے کم یاب بلکہ نایاب

ہیں مگر چند غزلوں خصوصاً اس غزل نے جسے ہم منتخب کلام کے شروع میں نقل کرتے ہیں فرط شہرت سے بقائے دوام کی سند حاصل کر لی ہے۔ نواب غازی الدین حیدر کی نظر عنایت نے فکر معاش سے فارغ البال کر کے عمائدین کے درجے تک پہنچا دیا تھا مگر دشمع مولویانہ رہی طالب علموں کا ساتھ نہ چھوٹا۔ اگرچہ مرزا قتیل کی شاگردی کی وجہ سے حضرت غالب سے کسیقدر کھچے ہوئے رہے مگر ان دونوں کے جھگڑوں میں انصاف کو حق استادی پر بالا رکھا اور حضرت غالب کی بلند پروازی و زور طبع کے قائل رہے ؎

قطعہ

جب پردہ رخ سے دور کرے وہ نقاب کا
جلوہ ہر ایک ذرہ میں ہو آفتاب کا

کل بن کے شیخ مجتہد عصر ساقیا
دکھلائے باغ سبز عذاب و ثواب کا

کہنے لگا ز راہ تبختر مجھے بلند
معلوم ہوگا حشر میں پینا شراب کا

ہنسنے لگا کہ یہ تو ہیں ہم خوب جانتے
پر کیا کریں کہ ہے ابھی عالم شباب کا

گستاخی ہو معاف تو ایک عرض میں کروں
کیجے جو آپ مجھ کو نہ مورد عتاب کا

تقوے ہمارے آگے ہو جب آپ کا درست
اور ہو یقین آپ کے اس اجتناب کا

مے ہو دے کنج باغ ہو ساقی ہو ماہ وش
اور واں نہ کوئی باعث حجاب کا

گردن میں ہاتھ ڈال کے وہ شوخ بے حیا
دے ذائقہ زباں کو دہن کے لعاب کا

کھینچے ہنسی سے اپنا ملا کر وہ منہ سے منہ
یہ ریش جس پہ جلوہ ہے رنگ خضاب کا

منت سے یوں کہے کہ ہمارا لہو پیے
گر پی بجائے جلد یہ پیالہ شراب کا

اس وقت ہم سلام کریں قبلہ آپ کو
گر کچھ بھی خوف کیجیے روز حساب کا

اور امتحاں بغیر تو یہ آپ کا غلام
قائل نہیں ہے قبلہ کسی شیخ و شاب کا

اگر ہے نام کی خواہش تو عنقا کی طرح رہیے
کہ ڈھونڈے لاکھ کوئی پر نہ ظاہر ہو نشاں اپنا

سبکسار اسقدر رہیے جہاں میں بار ہستی سے
کہ دوش بوئے گل پر بھی نہ ہووے تن گراں اپنا

سوزِ دلِ دیواں کا اپنے باعثِ تعظیم تھا
صفحۂ رنگیں خیالی باغِ ابراہیم تھا

دل محبّ کو ہائے بیکس و بیچارہ کر گیا
اپنی تلاش میں مجھے آوارہ کر گیا

لختِ دل پیہم جو آتے ہیں چلے اشکوں کے ساتھ
اٹک کا ہر تار اک تسبیحِ مرجاں ہو گیا

دھیان ہے اسکی طرف اپنی نگاہِ ناز کا +
شور ہے صیدِ حرم تک جس شکار انداز کا

خمیازہ کش نولبِ جاناں شراب کا
محتاج کب ہے آبِ بقا آفتاب کا

بن تیرے مرا لب کبھی گویا نہیں ہوتا
بے موسمِ گل غنچہ کبھی وا نہیں ہوتا

مر کر فراقِ یار میں دل نام کر گیا
ناکام گو جہاں سے گیا کام کر گیا

نظر میں جلوہ گر عارض ہے کس خورشید تاباں کا
کہ ہے تارِ شعاعِ مہر ہر مو اپنی مژگاں کا

اے مے تو سرخرو رہے اس بزم میں مدام
تو نے اٹھایا یار سے پردہ حجاب کا

لطفِ بیحد سے تیرے سب دشمنِ جاں ہو گئے
ابرِ رحمت ہائے میرے حق میں طوفاں ہو گیا

نیند بیمار کو ہرگز نہیں آتی ہے مگر +
مردمِ چشم ترے رکھتے ہیں بیداری و خواب

مستی و ہوش کسی نے کہیں یکجا دیکھا
ہاں تری آنکھوں میں ہم پاتے ہیں ہشیاری و خواب

حبابِ آبجو میں عکسِ گل ہے یا مجھے ساقی
بلوری جام میں دی ہے شرابِ ارغوانی بھر

نکیا دل کو ترے ناوکِ مژگاں سے عزیز
آگے ہمت کے مرے کچھ نہیں مہماں سے عزیز

جگر آتشِ دل آتش دیدۂ تر شعلۂ آتش
ہوا ہوں سوزِ الفت سے سراسر شعلۂ آتش

ہماری خاک کو پہنچائے یار کے در تک
اجل کے بعد ہے اتنی ہمیں صبا سے غرض

کبھی بھولے سے ادھر اسنے نکی راہ غلط
جذبۂ دل ہے دروغ اور اثرِ آہ غلط

جس گل کو آبِ چشم سے پالا ہوا سکے اب
آنکھوں میں ہم کھٹکنے لگے مثلِ خارِ خیف

کوچہ میں پریزادوں کے جاتا ہے تو اختر
اس راہ میں ہم سنتے ہیں اکثر خطرِ دل

جامِ صہبا کے تکلف سے مجھے رکھئے معاف
میں ازل سے کیفِ چشمِ بتانِ سادہ ہوں

سبزۂ بیگانہ ہوں میں گرچہ طرفِ باغ میں
لیکن اے بادِ صبا تیرا ہی میں آوردہ ہوں

ملنا تو ایک بار نہ موقوف ہم سے کر ٭ تا رفتہ رفتہ ہم ترے ہجراں سے خو کریں
ڈر ہے بیگانے نہ میرے بعد اُسکے یار ہوں ورنہ جی دے بیٹھنا کچھ عشق میں مشکل نہیں
کشورِ عشق میں بیکار ہے اعجازِ مسیح لوگ یاں مرگ سے امیدِ شفا رکھتے ہیں
جان دی ہم نے ہوئی تب غمِ ہجراں سے نجات عقلا اِس لئے کچھ چیز لگا رکھتے ہیں
لوگ جب سنتے ہیں قصے ترے دیوانوں کے قیس و فرہاد کے افسانہ اُٹھا رکھتے ہیں
دیا بوسہ دہن کا اُسنے بہت اسکو کہتے ہیں یہ تنگی اور یہ بخشش سخاوت اسکو کہتے ہیں
خرامِ ناز سے آسودگانِ خواب اُٹھ بیٹھے یہ چلنا کیا ہے آشوبِ قیامت اسکو کہتے ہیں

جگر سینہ و دل ٹھکانے بہت ہیں ترے تیر کے یاں نشانے بہت ہیں
پس از قتل باقی ہے تشہیر ہونا ترے جور ہمکو اُٹھانے بہت ہیں
کسی نے کہا تم پہ مرتا ہے اختر کہا اس نے ایسے دیوانے بہت ہیں
عمر جو گزری سو گزری فکر باقی کیجئے ہے یہ آتش یادگارِ کاروانِ سوختہ

سیر کیا یاں خاک ہے گل کی پریشانی کو دیکھ بیٹھ کر ہم بھی کوئی دم مثلِ شبنم رہ گئے
کیا تاسف سے تڑپتے ہیں اسیرانِ چمن کچھ جو اُڑتی سی سُنی ہے کہ بہار آئی ہے ٭
روز عاشق کو ترے بادیہ پیمائی ہے شب کو بیچینی ہے بیخوابی ہے تنہائی ہے
ہاتھ سے دل لیگئے جی سے قرار آنکھوں سے خواب چشمِ جادو بھی تری کیا صاحبِ تسخیر ہے
کیوں نہ سمجھا حیف یہ نمرود اور فرعون کو اُسکے بندے ہو کے عالم میں خدائی کیجئے
ہوں نالہ کش اُن سرمئی آنکھوں کا جو اختر دود دلِ سوختہ سینے میں فغاں ہے
دور اب وہ ہے کہ اختر جائیے جس بزم میں ہے شرابِ دشمنی سے پُر ایاغِ دوستی
عجب ڈھب کی یہ تعمیرِ خراب آباد بستی ہے کہ پستی یاں بلندی ہے بلندی یاں پستی ہے
حصولِ جاہ کی تدبیر جو ہم لوگ کرتے ہیں ہماری سعی باطل دیکھکر تقدیر ہنستی ہے
جگر ہے نالِ سوز آنکھ بھی رونے ہی بخش ہے الٰہی کیا کروں میں سخت کارِ آب و آتش ہے

قلق ہے درد ہے کاہش ہے غم ہے ناتوانی ہے	فراقِ یار ہے یا یہ بلائے آسمانی ہے ؛
ادھر قاصد گیا ہے اور اُدھر جاتا ہے جی اپنا	جوابِ نامہ تک کس کو امیدِ زندگانی ہے
جلد آ پیارے کہ تیرے دیکھنے کے واسطے	اشکِ حسرت اور دلِ اندوہگیں آنکھو نہیں ہے
بن تیرے گلگشت گلشن میں ہمیں اے رشکِ گل	شکلِ خنجر برگِ برگِ یاسمیں آنکھو نہیں ہے

اختر (اختر) صاحبعالم مرزا وجیہ الدین گورگانی۔ مرزا سلیمان شکوہ خلف شاہ عالم ثانی کے پوتے اور مرزا بلاقی بدر کے بھتیجے تھے۔ غدر سے پیشتر قلعہ معلی دہلی میں انکے دیوان خانہ میں اکثر محفلِ مشاعرہ منعقد ہوا کرتی تھی۔ اُس زمانہ میں انکی عمر بمشکل ۸ و ۹ برس کی تھی مگر تیزیٔ طبع اور رسائی ذہن کا یہ عالم تھا کہ اکثر شریک مشاعرہ ہوتے یہ اُسی زمانے کا کلام ہے ؎

یہ عمر اور عشق کا آزار دیکھنا	اور دل پہ پھر یہ صدمۂ شبِ انتظار کا
واں اُسنے بُلایا ہے کہ تو رات کو آنا	یاں دن کو نکلنا بھی میسر نہیں ہوتا

اختر (اختر) سلطان ابن سلطان خاقان ابن خاقان ابوالمنصور ناصرالدین سکندر جاہ سلطان عالم حضرت واجد علی شاہ بہادر جنت آرامگاہ خاتم خاندانِ سلاطینِ اودھ۔ جنت مکان حضرت امجد علیشاہ چھارمیں بادشاہ اودھ کے خلف اکبر نواب ملکہ کشور تاج آرا بیگم صاحبہ کے بطن سے تھے۔ ۲۶۔ صفر ۱۲۶۳ھ مطابق فروری ۱۸۴۷ء میں اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد تخت نشین ہوئے۔ "مبارک مبارک ہو شاہانہ تاج" تاریخ جلوس ہوئی۔ رفیقان قدیم ذوالفقار الدولہ قطب الدولہ رضی الدولہ۔ مصاحب الدولہ۔ انیس الدولہ۔ وغیرہ کو خطاب و مناصب سے ممتاز فرمایا۔ چند ماہ کے بعد نواب امین الدولہ وزیر جنت مکان کو برطرف کرکے اُنکی بجائے نواب مدار الدولہ علی نقی خاں رشتہ دار نسبتی بادشاہ عمو ئے ملکہ محذرۂ وعظے نواب خاص محل صاحبہ کو ۵۔ اگست ۱۸۴۷ء کو خلعت ۹ پارچہ اور خطاب امیر الامرا مدار المہام منتظم الملک سہراب جنگ سے مستخر فرما کر وزیر کیا اور مہاراجہ بالکرشن کو خلعت دیوانی عنایت کیا۔ بادشاہ نے نواب کو اپنا خیر خواہ و عزیز سمجھ کر معتمد علیہ بنایا اور سیاہ و سفید کا مالک کر دیا۔ تخت نشین ہوتے ہی تعمیر قصر باغ مدنظر ہوئی نئی طرز

دروش کا باغ بنوایا۔ اُسے عمارات وایوان دلکشا۔ بارہ دری نہر و پل سنگ مرمر۔ و تصاویر سنگی سے مزیّن کیا دو کرور روپیہ اس عمارت پر صرف ہوا ہر ایک برسات میں وہاں میلے ہونے لگے۔ ہر میلے میں بادشاہ اور ندیمانِ بارگاہ اُس میلہ کی مناسبت سے خاص خاص ایک ہی رنگ کے لباس زیب بدن فرماتے تھے۔ اور تمام جلوس بھی اُسی رنگ کا ہوتا تھا۔ تخت نشینی کے وقت بیس برس کی عمر تھی۔ عین عالمِ شباب تھا۔ شروع میں چند روز انتظام امورِ خسروی کا شوق رہا۔ فوج۔ عدالت و رعایا پروری کا ذوق رہا مگر ندیمانِ کوتہ اندیش و مقربانِ بدخواہ نے رفتہ رفتہ عیش و عشرت کی طرف لا ڈالا بیشتر رقص و سرود کی طرف توجہ رہی۔ نماز صبح کے بعد سے شام تک غسل و سلام و فکر شعر میں اوقات عمل صرف فرماتے۔ شام کو اکثر سوار ہو کر نصف شب تک سیر و گلگشت کیا کرتے تھے۔ محرور المزاجی کے باعث اکثر مزاج جادۂ اعتدال سے منحرف رہا۔ مثنوی غزالہ و ماہ پیکر کی تصنیف سے مجلسِ ہوس کی بنیاد پڑی۔ صدہا طوائف حسین و جمیل و خوش گلو اس ہوس میں ملازم ہوئیں۔ ہر ایک کو لباس فاخرہ و زیور مرصع عطا ہوا۔ پردے و دیگر سامان بھی اسی شاہانہ پیمانہ پر طیار و مرتب ہوا ہزاروں بندگانِ خدا اسی بہانے سے برسرِ روزگار رہ گئے۔ نئے نئے فسانے تیار ہوئے الغرض جملہ شوق اسیطرح بے غل و غش پورے کئے ہم شعباں ۱۲۶۷ھ مطابق ۱۸۵۱ء نواب علی نقی خاں دستورِ معظم کی تیسری صاحبزادی نواب رونق آرا بیگم سے سلطانِ عالم کا عقد نکاح شاہانہ دھوم دھام سے عمل میں آیا۔ ملکۂ دوراں اختر محل اُنکا خطاب ہوا۔ اور بھی باعث ازدیادِ قرب و اعتبار ہوا۔ چند روز بعد مزید مرحمتِ خسروانہ سے حضور کا خطاب عنایت ہوا۔

۱۷۔ اکتوبر ۱۸۵۱ء کو کیوان قدر۔ مرزا حامد علی بہادر ولی عہد کی شادی نواب سرفراز الدولہ کی صاحبزادی سے جو بادشاہ کی حقیقی ہمشیرہ زادی تھیں بتجمل شاہانہ عمل میں آئی۔ سلطان عالم کی جود و سخا کا بیاں کما حقہ کرنے کیلئے ایک علیحدہ دفتر درکار ہے مختصر یہ کہ محلات معلّٰی و اقربائے شاہی و مصاحبین کو زیور۔ جواہر املاک و معافیات مالیت کئی کرور روپیہ عطا کیا۔ انیس الدولہ گویّا ندیم خاص تھا املاک آبائی و واقعہ شاہجہاں آباد جسکی قیمت کسیطرح پچاس لاکھ سے کم نہ تھی اُسے بخش دی۔ اسیطرح حکیم شفاء الدولہ

کو جونپور کی جاگیر جسکا محاصل کثیر تھا عنایت کی الغرض بہ نفس نفیس ہمیشہ رعایا پروری - داد گستری ملحوظ خاطر اقدس رہی مگر وزیر اور دیگر مقربان بارگاہ شاہی کی نا قابلیت اور غفلت سے ملک میں بدنظمی پھیل گئی اور باوجودیکہ حکام انگلیشیہ نے بار بار نمائش کی کوئی اثر مترتب نہوا - انجام کار سرکار انگلیشیہ نے ملک کی بدنظمی - محاصل کی کمی - اسراف کی زیادتی اور تعلقہ داران کی سرکشی دیکھکر ۳۱ - جنوری ۱۸۵۶ء کو انتزاع سلطنت کا فتوی سنایا - اور ۷ - فروری ۱۸۵۶ء میں ملک اودھ پر جسکی آمدنی دو کروڑ سالانہ سے کم نہ تھی قابض و متصرف ہو کر صرف پندرہ لاکھ روپیہ سالانہ سلطان عالم کے اخراجات کے لئے مقرر کیا اس نازک حالت میں بھی سلطان عالم نے صبر و استقلال ہاتھ سے نہ چھوڑا اور ہر حالت میں رضا جوئے دولت برطانیہ رہے اور خود احکام و فرامین جاری فرماکر تمام ممالک محروسہ کا دخل اہالیان سرکار کے تفویض فرمادیا - بصلاح و صوابدید اعزاد اقربا یہ تجویز ٹھہری کہ بہ نفس نفیس ولایت انگلستان تشریف لے جاکر جناب علیہ ملکہ معظمہ کے حضور میں مواہید و اقرار نامجات سابقہ کو پیش کر کے استرداد سلطنت کی درخواست کریں - چنانچہ ۵ - رجب ۱۲۷۲ھ مطابق ۳ - مارچ ۱۸۵۶ء بروز شنبہ بہرات گئے اپنے پھوپھا نواب حسام الدولہ بہادر کو لکھنؤ میں اپنا مختار مقرر فرما کر رائی کانپور ہوئے اُسوقت جو حالت اقربا و متوسلین شاہی کی ہوئی اُسکے تصور سے کلیجہ مُنہ کو آتا ہے - جناب عالیہ ملکہ کشور - نواب خاص محل صاحبہ معشوق محل - جنرل مرزا سکندر حشمت برادر حقیقی - مرزا ولی عہد و جنرل فریدوں قدر اور نواب منور الدولہ بہادر وزیر زمان امجد علی شاہ - ہمراہ رکاب رہے - انکے علاوہ کم و بیش تین سو متوسلان بارگاہ نے بھی رفاقت کر کے حق نمک ادا کیا - سامان سفر درست کرنے کے بعد بادشاہ ۷ - اپریل کو کانپور سے روانہ ہو کر ۱۶ - اپریل کو بنارس پہونچے ان ایام میں گرمی کی بڑی شدت تھی - چنانچہ سفر میں از حد تکالیف شاقہ اُٹھائیں - البتہ بنارس میں ہر طرح کا آرام ملا - مہاراجہ ایشری پرشاد نرائن سنگھ نے مراسم مہمانی اس شان و شوکت اور فراخدلی سے ادا کئے کہ خود سلطان عالم باوجود آلام روحانی اُنکے حسن خدمات سے خوش و سپاس گزار ہوئے دس روز وہاں قیام کر کے راہی کلکتہ ہوئے اور ۱۳ - مئی ۱۸۵۶ء مریٹا برج مہاراجہ بردوان کی کوٹھی

میں جو مولوی سید الدین خاں سفیر شاہی نے پہلے سے بکرایہ تجویز کر رکھی تھی رونق افروز ہوئے۔ اِدھر چیف کمشنر نے جایزہ جملہ کارخانجات سلطانی اور ملازمین شاہی لیا۔ فوج پیادہ و رسالہ ملاکر مجموع ۸۷ ہزار ملازم ہر فرقہ و پیشہ بموجب فرد دفتر شاہی برآمد ہوئے۔ سب کو حکم برطرفی سنا دیا۔ سات ہزار چوپایہ۔ دوسو ہاتھی۔ دو ہزار گھوڑے۔ ۱۰۷ شیر دو لاکھ کبوتر اور بیشمار اسباب سرکار شاہی میں موجود پایا۔ جنکا کوٹھی دلآرام میں دو ماہ تک نیلام ہوتا رہا۔ اسیطرح اور اسباب کمیاب کوڑیوں پر نیلام ہوا۔ کروڑوں روپیہ کا سامان جو سو برس سے اوپر زمان وزارت و شاہی میں مہیا ہوا تھا چشم زدن میں برباد ہوگیا۔ دیکھتے دیکھتے سب کارخانۂ شاہی درہم برہم ہوگیا ؎

بہت عہد اقبال میں زر لٹا		مگر جب زوال آگیا گھر لٹا	

بعد ورود کلکتہ سلطان عالم نے کچھ مشاہدۂ صعوبت سفر اور کچھ مصلحت وقت سے اپنا ارادہ روانگی ولایت فسخ فرمایا اور یہ ٹھیری کہ بجائے خود مادر مقدسہ جناب عالیہ ملکہ کشور صاحبہ کو مختار جنرل بنا کر واسطے دربستگی امور شاہی روانہ کیا جائے۔ چنانچہ جنابعالیہ مع فرزند دوئمی جنرل مرزا اسکندر حشمت و مرزا حامد علیخاں ولیعہد بہادر ۱۸۔ جون ۱۸۵۶ء کو بوقت شب سوار ہو کر راہی منزل مقصود ہوئیں اس قافلۂ شاہی غریب الدیار میں ۱۱۰ زن و مرد تھے۔ بادشاہ نے تحائف گراں بہا و نایاب برائے نذر حضرت ملکہ معظمہ اور دو برس کا زاد راہ دے کر رخصت کیا۔ انہیں پریشانیوں میں ایک برس مشکل سے گزرا تھا خبر آئی کہ میرٹھ اور دہلی میں فوج برگشتہ ہوگئی۔ اور فوج باغی نے لکھنؤ میں مرزا برجیس قدر کو مسند حکومت پر بٹھا دیا۔ ایسی تشویش ناک حالت میں گورنر جنرل نے بلحاظ مصلحت وقت حکم دیا کہ سلطان عالم فورٹ ولیم میں قیام فرمائیں چنانچہ صاحب سکرٹر اعظم یہ پیغام لیکر حاضر حضور شاہی ہوئے اور اُسیوقت اپنے ہمراہ فورٹ ولیم لے گئے۔ نواب مجاہد الدولہ پھوپھا مرزا فتح الدولہ برق۔ مصلح السلطان نواب عنایت الدولہ وغیرہ۔ ہمرکاب رہے چنانچہ وہیں ۲۸ صفر سنہ ۱۲۷۴ھ کو فتح الدولہ برق نے بحالت تپ انتقال کیا۔ بادشاہ کو سخت صدمہ ہوا۔ اُستاد بلکہ جاں نثار تھے ابھی رہائی نہیں ہوئی تھی کہ جنابعالیہ ملکہ کشور والدہ کے انتقال کی خبر پیرس سے

آئی - چند ہی روز بعد برادر عزیز جنرل سکندر حشمت کی خبر رحلت ملی - اِن صدمات پیہم سے ازحد رنج و ملال ہوا - آخر کار خدا خدا کر کے بعد فرو ہنگامہ کامل ۱۲۶۶ھ کی کڑیاں جھیلکر حکم رہائی ملا - چنانچہ ۹ - جولائی روز شنبہ ۱۸۵۹ء حضرت سلطان عالم مع رفقائے خاص قلعے سے داخل میٹیا برج ہوئے - اُسدن جملہ محلات معلی میں شکرانۂ سلامتی ادا ہوا - ۲۹ ستمبر ۱۸۵۹ء کو مرزا ولی عہد بہادر بھی سفر ولایت سے واپس آ گئے - کم و بیش دو کروڑ روپیہ کی زیر باری اس سفر میں ہوئی اور نتیجہ جو کچھ نکلا ظاہر ہے +

اگرچہ شاہ اودھ کی ظاہری حالت اور انتزاع سلطنت کو دیکھ کر عبرت پسندوں کا خیال تھا کہ اب وہ طمطراق و شاہانہ عیش و نشاط اس میٹیا برج میں کہاں مگر نہیں اپنی آنکھوں سے دیکھنے والے اور حقیقت حال سے آگاہ اشخاص بخوبی جانتے ہیں کہ اس فلاکت اور گئی گزری حالت میں بھی اس بادضع بادشاہ نے تادم مرگ اپنی کسی عادت اور کسی شاہانہ عیش پرستی و شغل میں فرق نہ آنے دیا - اور اس شعر کا مصداق بنا رہا ؎

تند بادِ قہر نے کشتی کو توڑا پر یہاں	زمزمہ لب پر وہی ہے ہر چہ باد آباد کا

اس غریب الوطنی میں بھی بیس ہزار قدیم متوسلیں حضرت کے ہمرکاب رہے اور سب کے ساتھ حتی الوسع وہی سلوک وہی برتاؤ قائم رکھا جو زمانہ سلطنت میں برتا جاتا تھا - جس نے میٹا برج کی اُس زمانے میں سیر کی ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ اس مٹی ہوئی حالت میں بھی اُسے باغ ارم بنا کر راجہ اندر کا اکھاڑا کر رکھا تھا - اسپر محلات و ایوان و لکشا کی وہی شان - سامان و اسباب آرایش کی وہی افراط جو ہر شخص کے وہم و گمان میں بھی نہ آئے غرض وہ کون سی شوکت و شان تھی جو وہاں نمایاں نہ تھی - ہر قسم کے جانوروں کا دلی شوق تھا - چنانچہ آپ کا چڑیا خانہ ایسا نادر اور بے مثل تھا کہ اکثر یورپ کے سیاح اُسے دیکھنے آتے تھے اور آپکے مذاق اور تلاش کو سراہتے تھے اس مقام پر یہ کہنا بیجا نہیں کہ دنیا کا وہ کون شوق تھا جو سلطان عالم کو نہ ہوا اور خدا کے فضل و کرم سے سب ہی شوق پورے ہوتے تھے - ہر ایک شوق سے بڑھکر فنِ موسیقی کے رسیا تھے - اور

غالباً اسی دُھن نے امور سلطنت کی طرف سے غافل کر دیا تھا - خود اس فن میں ایسا دخل رکھتے تھے کہ جواب نہ تھا خیر اب اس قصّہ کو یہیں چھوڑ کر ہم انکی نفسِ شاعری کے متعلق اپنی رائے ظاہر کرتے ہیں - انکے متعدد دیوان - مثنویاں - ضخیم مرثیے - سلام اور مختلف اور بے شمار نظمیں دیکھکر ہر شخص یہ رائے قائم کر سکتا ہے کہ سلطان عالم ہر وقت اور ہر لحظہ اسی فکر میں رہتے ہونگے - ہر رنگ اور ہر طرز میں لکھا ہے مگر اساتذۂ لکھنؤ کی خشک کلامی کے زبردست اثر پر حاوی نہو سکے چنانچہ کلام میں سوز و گداز کم ہے - اور زیادہ تر رعایت لفظی ہی کی تکرار ہے - غزل - قصیدہ - مثنوی - سلام قطعہ الغرض کوئی صنفِ شاعری انکی فکر رسا سے نہیں چھوٹی بلکہ اپنی حیرت انگیز زبردستی کی بدولت جو کچھ لکھ جی بھر کر لکھا مگر افسوس ہے کہ جملہ تصانیف میں سے صرف ٹھمریوں نے قبولیت کا درجہ حاصل کیا - وزیر السلطان نواب امیر علیخاں صاحب نے وزیر نامے میں آپ کی تصانیف کی فہرست لکھی ہے جسکا خلاصہ یہ ہے

۶ دیوان - شیوع فیض - قمر مضموں - سخنِ اشرف - گلدستہ عاشقاں - اختر ملک - نظم نامور - متعدد مثنویاں - حزن اختری - بنی - ناجو - دولہن درفن موسیقی - قصائد فارسی و اردو - مباحثہ بین النفس والعقل - لمعات اختری - عشق نامہ - رسالۂ ایمان در بیان مصائب الہیت - دفتر پریشان - مقتل معتبر - دستور ماجدی در سیاستِ مدن - صوت المبارک - ہیبتِ حیدری - قصائد المبارک - جوہر عروض - ارشاد خاقانی در عروض - اور خدا جانے کیا کچھ کہا ہے - جملہ تصانیف کی تعداد چالیس جلدوں سے کم نہیں ہے - انکے زمانے میں کیا بلکہ ان سے پہلے ہی لکھنؤ کے شعرا رعایت لفظی اور استعارہ بندی کا ایسا رواج دے گئے تھے کہ وہاں والے اب تک اس طرز پر مٹے ہوئے ہیں - غزلوں میں حضرت اختر کی روش بھی وہی تھی - پس ہم نہایت آزادی سے اس رعایت لفظی کی پابندیوں کو مدنظر رکھکر ان کی غزلوں پر رائے دیتے ہیں کہ انکے کلام میں اکثر جگہ موزونی طبع اور فراہمی الفاظ کے سوا کوئی خاص زبان یا بیان کا لطف نہیں پایا جاتا - مثنویوں میں البتہ اکثر جگہ روزمرہ اور بیان کی صفائی کا خیال رکھا ہے - انکی اکثر تصانیف سلطانی مطبع کی چھپی ہوئی ہیں جو اب کمیاب ہیں - راقم تذکرہ نے بہت کوشش - تلاش کے بعد انکی تصانیف کا کافی سرمایہ

ہم پہنچایا - دیوانوں اور مثنویوں کے علاوہ انکے مکتوبات وغیرہ دیکھکر ایک عجیب اور قابل قدر بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ شاہ اختر ہی ایک ایسے بے دھڑک اور سچے شاعر تھے جنہوں نے اپنے تمام خفیہ سے رازوں دل بھیدوں اور خانگی باتوں کو اسطرح صاف صاف الفاظ میں نہ صرف اپنی خاص مجلس اور چند محرم راز لوگوں میں بیان کیا بلکہ اُن خیالات کو زیور طبع پہناکر ملک کے سامنے بھی پیش کردیا - انکی یہ اخلاقی جرأت واقعی اس خاص روش میں تمام شعرائے ماضی وحال سے بڑھ گئی ہے ایام ولی عہدی سے کلکتے کے جانے کے وقت تک منشی مظفر علی اسیر اور فتح الدولہ برق آپکے ہم صحبت وہم مشورہ رہے - شعرا کی بڑی قدر فرماتے تھے چنانچہ خواجہ اسد قلق - زکی - درخشاں - قبول - میر علیجاں شفق - بیخود - ہنر - عطارد - ہلال - وغیرہ صدہا شعرا آپکے دامن دولت سے وابستہ تھے - افسوس ہے کہ آپکی اولاد امجاد میں سے مرزا ولیعہد - جنرل فریدوں قدر - مرزا خوش بخت وغیرہ لائق اور قابل شاہزادے آپ کی حیات ہی میں انتقال کر گئے اخیر زمانہ میں صاحب عالم مرزا جہاں قدر بہادر خلف ارشد جنرل مرزا سکندر حشمت کو اکثر سعادت ملازمت نصیب ہوتی تھی اُن سے مہر ومحبت بھی ایسی تھی کہ بعینہ فرزندانہ برتاؤ اُن سے ہوتا تھا جس سے خود اُنکے اور لوگوں کے دلوں میں بڑی بڑی امیدیں پیدا ہوتی تھیں - انجام کار یہ سرزمین ہند کا آخری خود مختار بادشاہ ۲۱ - ستمبر ۱۸۸۷ء مطابق سوم محرم ۱۳۰۵ھ کو ایک خفیف علالت کے بعد سلطانخانہ مبارک میں راہئ عالم بقا ہوا اور تیسرے روز اپنے تیار کردہ امام باڑہ سبطین آباد میں پیوند زمیں ہوا - راقم تذکرہ بارہا مٹیا برج ومدفن سلطانعالم کی زیارت سے مشرف ہوا ہے ٭

شاہزادگان والانژاد میں پرنس افسر الملوک مرزا اکرم حسین بہادر جو بلحاظ عمر اپنے بھائیوں سے بہت چھوٹے مگر بلحاظ علم وفضل وقابلیت ذاتی ہر طرح افضل وفائق ہیں - خاص طور پر قابل ذکر ہیں - راقم تذکرہ کو آپ کی خدمت میں عرصہ سے شرف نیاز حاصل ہے - از راہ نوازش فرماتے ہیں ٭

اب ناظرین کی دلچسپی کے لئے مطبوعہ دیوانوں کا انتخاب پیش کیا جاتا ہے ٭

انتخاب از دیوان سوم معروف بہ قمر مضمون

اس عشق نے رسوا کیا — میں کیا بتاؤں کیا کیا
آہ دلِ ناشاد نے — اور آسماں پہ جا کیا

آتشِ ہجراں کا دنیا میں فسانہ ہوگیا — موچی کھولا جل کے کالا جیلخانہ ہوگیا[۵۱]
آگے فردوسِ بریں تھا اب ہے مالک کا یہ گھر — رشکِ قعرِ ہشتمیں سلطان خانہ ہوگیا[۵۲]
اے پریزادو تمہاری آگ نے پھونکا یہ گھر — قاف سے تا قاف شعلہ اور فسانہ ہوگیا
جب سے بنگالے میں ہمنے کی اقامت دیکھنا — ناوکِ سوزاں کا ہر بنگلہ نشانہ ہوگیا
دیکھا کئے جنازہ رونے کا تھا اجازہ — اتنا مگر نہ پوچھا عاشق خفا ہے میرا
ہاتھوں سے دل نکلکر بانسوں اُچل پڑا ہے — ڈھونڈیں فلک پہ قدسی کچھ کھوگیا ہے میرا
تم پوچھ لینا ہر جا سب جانتی ہے دنیا — مظلوم و مضطر اختر بے پرتپہ ہے میرا

فاختہ ہوں میں گل سی صورت کا — سرو آزاد ہوں محبت کا
چال سے اُنکی حشر برپا ہے — قد بھی مضمون ہے قیامت کا
شفقِ سُرخ چرخ کے اوپر — خون ہے جامۂ شہادت کا

کمر دھوکا دہن عقدہ غزال آنکھیں پری چہرا — شکم ہیرا بدن خوشبو جبیں دریا زباں صیدی
برا ہے سیر مجسار و میخانے میں گر آئے — گرے ساغر کہ ہے شیشہ ہنسے ساقی ہے دریا
یہی تشویش شب و روز ہے بنگالے میں — لکھنؤ پھر بھی دکھائیگا مقدر میرا
سلطنت چھوڑ دی درویشوں کی صحبت کیلئے — صنعتِ عشق میں ہے کوئی بھی ہمسر اپنا
جسکی جو بات ہے تا مرگ رہی اُسکے ساتھ — ایک پیو نہ بھی اس جامے میں جوڑا نہ کیا

۵۱ کلکتہ میں جس محلہ میں شاہ اودھ مقیم تھے اُسکا نام ہے ۱۲
۵۲ اُس شاہی محل کا نام ہے جسمیں خود بادشاہ بنفس نفیس رہتے تھے ۱۲

وفا گبر و نصارا میں کہاں اے کلک کج رو گوں
اگر میں جھوٹ کہتا ہوں تو بولے یاں مجھے لکھنا

نہیں چاہیئے قصر فردوس زاہد
مجھے ہے فقط کوئے جاناں سے مطلب

میرے دم سے ہوئی دنیا میں بنائے غربت
ہے وطن خواب بنی منزل وجائے غربت

ملک و مال و زن و فرزند و ریاست سے چھٹا
مجھے مظلوم بھی کہتے ہیں ورائے غربت

مرض ہجر وطن کی نہ ہوئی کچھ تدبیر
خضر عشق بنائے گا دوائے غربت

زلف تہمت سے بھنسی آن کے کلکتے میں
ہنے زنداں[۵۱] کو بھی دیکھا ہے سوائے غربت

لوگ کہتے تھے[۵۲] سفر خوب ہے لاکن ہیہات
رخ سے بڑھ کر کہیں بہ پائی فضائے غربت

شہر کس کا ہے وطن کس کا مرا نام یہ ہے
بندۂ درگہ اللہ گدائے غربت

یہ تمنا نہ ہے زیست میں اے بار خدا
پھر مجھے لکھنؤ دنیا میں دکھائے غربت

ظلم ظالم سے نہ مفلس کوئی بے گھر ہوئے
کسی مظلوم کو یارب نہ ستائے غربت

ہاں وطن دیکھیں تو شاداں ہو دل زار مرا
یہ بھی ممکن ہے کہ روتے کو ہنسائے غربت

وحشت خلد سے بڑھ کر ہے کہیں حب وطن
تنگئ گور سے بدتر ہے فضائے غربت

یوں تو شاہان جہاں پر ہے بڑا وقت مگر
ختم ہے اختر بیکس پہ جفائے غربت

فقیر اپنی بھی گدڑی نئی بنائے گا
شہ کرم نے سر تخت گر سنوارا تاج

غرور و مے پرستی خوئے بد رنج
یہ انساں کے لئے ہیں چار دوزخ

کس کی نگاہ تیز کا مائل ہے دیکھنا
دل سینے میں جو ہے پئے نوک سناں اودھ

۵۱ ہنگام غدر ۵۷ء میں سرکار انگریزی نے بنظر مزید احتیاط سلطان عالم کو فورٹ ولیم کلکتہ میں ۲۶ء تک نظر بند رکھا تھا اسکی طرف اشارہ ہے ۱۲

۵۲ بوقت انتزاع سلطنت رنقاوندان کے مشورہ سے اپیل کرنے کیلئے ولایت جانے کا ارادہ تھا چنانچہ کلکتے تک آئے تھے کہ طبیعت ناساز ہوگئی ۔ اور بجائے خود اپنی مادر مکرمہ کشور اور حقیقی بھائی جنرل سکندر حشمت اور مرزا حامد علی اپنے وسیعد کو انگلستان بھیجدیا ۔ اور خود کلکتے میں معاودت کے منتظر رہے ۔ لیکن پھر لکھنؤ جانیکی اجازت نہ ملی ۱۲

اختر ہوں میں فرزند مہ کوکبۂ جبیں[۵۲] — روشن ہے مہ و مہر سا گھر بھر کا تخلص
کیوں سلسل کیا چھوڑو مجھے آئی ہے بہار — اب تو دارفتہ گیسوئے حلد ہوں میں

اڑیں جہرہ پہ جب جا کر تو نظریں ہٹ نہیں سکتیں — سمندر میں بھی نکھا کے موجیں ہٹ نہیں سکتیں
سخاوت کیا کروں گا دا غبائے جسم عریاں سے — خزانے میں وہ مہریں جمع ہیں جو بٹ نہیں سکتیں
توقع صبح ہونے کی کسے ہوتی ہے فرقت میں — وہ راتیں ہجر کی ہیں اے خدا جو کٹ نہیں سکتیں
وہ معشوقِ حقیقی ہے جو بے غم ہے زمانے میں — مجھے دو چار دل اس طرح کے لا دو جو بے غم ہوں
یہی منظور ہے دم بھر ننوں وہ دور آنکھوں سے — مری آنکھوں کی پتلی کی طرح وہ پاس ہر دم ہوں
قید ہونے سے کہیں بونے ریاست جائیگی — لاکھ گردش آسماں کو ہو زمیں ہوتا نہیں
نقش جب تک کھو گیا جب سے ریاست مٹ گئی — اب مسخر بھی کوئی زہرہ جبیں ہوتا نہیں

دکھاتے ہیں جو یہ صنم دیکھتے ہیں — خدا کی خدائی کو ہم دیکھتے ہیں
زن و خویش و فرزند و دولت سے چھوٹے — نہ دیکھے کوئی جو کہ ہم دیکھتے ہیں
اے شہ حسن عشق نے لوٹا — عدل کر عدل پھر دا دے ہے تو

یہی تکلف بخشش ہے بے غرض ہو نہال — جو چاہوں میں وہ مجھے بے سوال دیڈالو
لبالب کر دے اے ساقی ہے خالی میرا پیمانہ — سلامت دور گردوں تک یہ شیشہ اور میخانہ
مجھے مشرک نہ سمجھو میں موحد ہوں زمانے میں — تصاویر خیالی سے بھرا ہے میرا بتخانہ

۵۱ مرزا حامد علی ولیعہد کا تخلص ہے۔ بعالم شباب کھلتے میں سفر آخرت اختیار کیا ۱۲

۵۲ سلطان العالم کے خلف چہارم مرزا بوجیس قدر کا تخلص ہے۔

آشوب غدر میں ان کی والدہ حضرت محل نے انہیں مسند حکومت پر بٹھا دیا تھا۔ اُس زمانے میں انکی عمر دس سال کی تھی بعد فتح لکھنؤ اپنی والدہ کے ہمراہ نیپال چلے گئے اور ایک عرصہ دراز تک وہیں رہے۔ مہاراجہ سر جنگ بہادر نے ان کو ان کی جائیداد خاصہ کے نام سے مقرر کر دیا تھا۔ بعد وفات سلطان العالم وراثت پدری کے دعویدار ہو کر کلکتے آئے تھے کہ ناگاہ پیام اجل آگیا ۱۲

ضعیفی میں بھی لپٹی ہے بلائے شاعری ہمسے
نہ چھوٹے گی کبھی اختر قلم سے مشقِ طفلانہ

بدوں سے چین نہیں متابعد مردن بھی
کفن چرا کے سنگِ مزار لوٹیں گے

چساند کو داغ لگایا رخِ جاناں تو نے
دامنِ دل کو کیا چاک گریباں تو نے

مرے داغِ دل کا لگے داغ اُسکو
رخِ ماہ پر ہو نشانی ہماری

ریاست یاد کرنا بے زر و سلطان عالم کی
یہاں مثلِ گدایاں جام لیکر جم جو آجائے

مصیبت گر پڑی راحت سے تم تبدیل کر دینا
خوشی سے دور کرنا جلد اُسکو غم جو آجائے

فوجِ حُسن آج چڑھی آتی ہے اے شاہِ ادا
عشق نے لوٹ لیا ہمکو دہائی تیری

درگاہ حق تعالےٰ کا کیا بندوبست ہے
درکار ہے وکیل نہ حاجت سفیر کی

کیونکر بٹھاؤں اپنے دل ناصبور کو
اُٹھتی جوانی اُن کی ہے اُٹھتی اُمنگ ہے

سُوتا ہوں بحرِ نغمہ کا میں بادشاہ ہوں
اے بھیرویں ادب سے یہ شہرِ تنگ ہے

نکر ظلم اتنا تو اے شاہ خوبی
محبت نے لوٹا دہائی ہے تیری

رُکھائی کھچاوٹ رُکاوٹ عیاں ہے
طبیعت بتا کس پہ آئی ہے تیری

زہرہ سہیل شمس خور بدر سہا تو کون ہے
ہوش رُبا ستم گر ماہ لقا تو کون ہے

روک نہ اِس خیال میں بول نہ ایسے حال میں
ٹوکتا ہے وصال میں مجھکو بھلا تو کون ہے

راگ خیال گاتا ہے رقص خوشی دکھاتا ہے
دور سے کیوں رجھاتا ہے پاس تو آ تو کون ہے

بجالاؤں گا سجدے شکر کے اُن کی جفاؤں پر
رضائے یار پر راضی ہوں میں حاضر مرا سر ہے

طلعتِ حُسنِ صاف جب دیکھے
آئینے پر غبار آجائے

دیکھ کر نشہ چشمِ میگوں کا
بے پیئے مے خمار آجائے

ردِ سوال کیا ضرور بوسہ بھی دیجئے حضور
عاشقوں کا تو کام ہے آپ کا اسمیں نام ہے

اختر بسند آگیا مصرعِ ہلال[۵] کا
دو دل کے دم کے ساتھ یہ ساری برات ہے

[۵] ہلال تخلص ہے منشی امیر علیخاں لکھنوی کا جو میر علی اوسط رشک کے شاگرد اور حضرت سلطان العالم کے ہمعصر تھے۔ حضرت جلال لکھنوی اُنہیں کے شاگرد ہیں ۱۲

کلکتے کے آنسو ہیں رواں بھاگیرتی میں
غربت کو تاسف ہے مری بیوطنی سے

میں قدرداں تمہارا ہوں تم میرے قدرداں
پروا نہیں ہے شاعر و تم کو جہاں کی

اب نشانِ عشق کلکتے میں گاڑا چاہیئے
حُسن شہر لکھنؤ ہر دم ادا جاڑا چاہیئے

تری یاد کا دل میں وہ جوش ہے
غمِ دین و دنیا فراموش ہے

دیس اپنا چھوٹ گیا پردیس میں رہتے ہیں ہم
تجکو اے قوال مضمونِ خیالی چاہیئے

خواہشِ وصل یا ردونی ہے
طپشِ قلبِ زار دونی ہے

نہ ساتھ والو کرو بہانہ میں پوچھتا ہوں یہ دوستانہ
کدھر کو ہے قافلہ روانہ بتاؤ آئے ہو سب کہاں سے

کہاں جاتے ہو صاحب سو رہو ابلات بھی کہہ ہے
کیسے ٹھنڈا کرو گے تم جلا کر ہم کو اے جانی

بقا جس کو ہے وہ راہ عدم ہے اے ساونسن
بناتا ہے کہاں پر قصر یہ تو دار ہے فانی

لگا ٹھوکر نہ پائے ناز سے تو
کبھی تاجِ سرِ ہندوستاں تھے

ظاہر میں ضعیفی ہے تو ہو پیر نہیں ہوں
جائیگی نہ تا حشر جوانی مرے دل کی

کلکتے نے نابود کیا خوابِ خوشی کو
پل بھر مجھے اس شہر میں غفلت نہیں آتی

انتخاب از دیوان گلدستہ عاشقاں

کیوں پھڑکتا ہے تن میں طائرِ روح
مژدہ آزادی کا قریب آیا

دل تلک چھین لیا وصل میں اے خانہ خراب
خارِ فرقت کے سوا اب نہیں گھر میں ٹکا

چھیلا ہے عبث داغِ سینہ ناخنِ غم سے
اختر جو تمہارا نہ تاباں تھا تو یہ تھا

الفت ہے پری کی اُسے دیوانہ ہے اُسکا
دل مشق تصور سے پری خانہ ہے اُسکا

بے عاشقِ دل سوختہ معشوق سنو گا
وہ شمع ہے جس جا دہیں پروانہ ہے اُسکا

ہم نمازوں میں جو بے باک کھڑے رہتے ہیں
سامنے یہ بتِ سفاک کھڑے رہتے ہیں

گولے کے خط گئی ہے صبا یار کی طرف
نامے کے پرزے لیکے پھرے گی جواب میں

جنت ہے کوئے یار ضعیفو نکی جا نہیں
گوشیخ اپنی ریش کو رنگے خضاب میں

اے طبیبو مرض عشق کی کرتے ہو دوا
خوں سینہ میں مراغم سے جگر ہو کہ نہو

نکالوں کس طرح دل سے ترے مژگانکے تیروں کو
مٹا سکتا نہیں انسان ہاتھوں کی لکیروں کو

تنہا جو چاہے زاہد میرے بغیر تو
اِک آہ آتشیں سے جلادوں بہشت کو

رشک زہرہ غیرت پرجیس ہے
میں سلیماں ہوں تو وہ بلقیس ہے

منتخب از کلیات سلامہا موسوم بہ ایمان ۱۲۸۸ھ

رباعی

بائے بسم اللہ بھی بہبودی بیمار ہے
سین ہے اُس کا سفینہ بحرِ غم سے پار ہے

میم سے مال و منال و ملک خوش ملتا ہے روز
ہے الف وحدت پہ دال اب اپنا اللہ یار ہے

رباعی

مطبوع طبلۂ ہے کلامِ اختر
پریوں میں ہے قاف تک بھی نام اختر

یہ ملک نہیں مال نہیں جو چھن جائے
اِس مال کا حافظ ہے امامِ اختر

رباعی

میں لکھنؤ میں جیسی عزا کرتا تھا
اور گریۂ اندوہ و بُکا کرتا تھا

ویسا ہی مراحال ہے کلکتے میں
پر یاد نہیں کہ عیش کیا کرتا تھا

رباعی

میں مستِ خرابات جہاں تو خالق
بخشش تجھ ہی سے ہے ذات تیری مُغلق

مینے تو کئے جو مجھ پہ بھتے گناہ
تو کرو ہی ہے خدا جو ترے لائق

انتخاب کلیات موسوم بہ نظم نامور - دفتر سوم دیوان مبارک - ۱۲۸۷ مطابق ۱۸۷۰

سراغِ میکشاں اے محتسب ہوگا تجھے حاصل
کبھی باندھا گیا ہے ہاتھ بھی دزدِ حنائی کا

اے دل نہ نصیحت کسی ناصح کی ہے سن لے
بھولے جو تجھے اُسکو بھی تو یاد نکرنا

مری زبان سے پوچھو مزا محبت کا
یہ خوب جانتی ہے ذائقہ محبت کا

مجھسے کیا پوچھتے ہو جاؤں نہ جاؤں اختر
نہ کہے گا کوئی مجنوں اری لیلا اُٹھ جا

نہ ٹوٹیں شیشہ و ساغر صراحی چور نو
الٰہی خیر ہو وہ مست بے حجاب آیا

فقیری فخر شاہاں ہے یہ قول احمد کا ہے ایدل
بڑا ہے تخت سلطاں سے کہیں پایہ توکل کا

نرہے گا زر ہے گا بلد غربت میں
اختر زار کو اب اپنا وطن یاد آیا

مجھکو واعظ پند و نصیحت
کبھی اُسکو بھی سمجھایا تو ہوتا

اللہ نے وہ دولت صورت اُسے دی ہے
دنیا میں ہے محتاج غنی اُسکے کرم کا

رندانہ بسر کرتا ہوں دنیائے دنی میں
پابند رہا میں نہ کبھی دیر و حرم کا

جسنے ہمیں دیکھا نہ وہ دیکھے اختر
اپنا علم عشق رخ مہر پہ چمکا

کیا ہوا گر عشق میں تیرے کٹا ملک اودھ
اک گدا ادنیٰ سا ابراہیم ادہم ہو گیا

رند مشرب کا گزر ہوتا ہے چھپ جائیں سب
دین پوشیدہ کریں گبر و مسلماں اپنا

شعر گوئی میں مزا ایسا ملا ہے اختر
مرتے مرتے نہ کبھی شوق غزل جائے گا

عجیب کوچہ ہے اپنے جی کا کہ باؤں ٹکتا نہیں خوشی کا
پتہ نہیں اسکی دل لگی کا یہ دل بھی معشوق ہے کسی کا

تیرا بھی رکھائی ندیا اے اختر
گنج قاروں کا بھی ہرگز نہ کبھی مال کھلا

کس بلبل کے دلکو جلایا کونسی بیکل کلی ہوئی
اتنی دیر رہے گلشن میں بولو کیا کیا کام کیا

میں بندہ بنا اور سے ہو نہ الفت
یہ قیمت ہے پہلے چکا لیجئے گا +

اک مرض جاتا رہا تو دوسرا پیدا ہوا
قلب کے ملنے کا مجکو عارضہ پیدا ہوا

گاؤں دُہریہ کوئی کوئی پتہ
خواب میں بھی یہی خیال رہا

بہت زخم جراح تو نے بھرے ہیں
مرے داغ کا کوئی مرہم نہ نکلا

اقلیم معانی میں عمل ہو گیا میرا
دنیا میں بھروسا تھا کسے تیج و نگیں کا

دیکھ ڈالے ایک نظارے میں دو رخسار یار
ختم سینے دفعۃً قرآن پڑھ آں کیا

عجب کیا نما ہدا تیری عبادت ہو پسند حق
تو پڑھ مثل کلام اللہ اک پارا مرے دل کا

دہو میں سے آہِ دل کی محمل لیلیٰ نظر آئی
بنایا چاک دل مجنوں نے پردہ اُسکی محمل کا

اندھیر ہوگا ہوئے گا بے نور سارا شہر
اختر اگر تو اپنے وطن سے نکل گیا

مژہ خوابرو انداز و نگہ دیکھوں گا
ناوکِ مے تیر و تبر و شنہ و خنجر لوں گا

فوجِ اندوہ مرے ساتھ ہے اور لشکرِ غم
آج میں کوچہ دلدار کو چلکر لوں گا

جو اُسکا چشم دل سے طلبگار ہو گیا
بیشک خدا اُسی کا مددگار ہو گیا

ترک محبت مے معشوق ہو چکی
اختر بھی اب تو عشق سے بیزار ہو گیا

کافرانِ شہر بنگالہ سے ہم پہلو ہوئے پر
شکرِ حق ہے میرے دل میں نور ایماں رہگیا

میرے شعرِ تر کی لذت اُسکو خود ملجائے گی
قدرداں ہوگا جو کوئی مرتبہ داں رہگیا

اُس سے جو الگ ہوں تو سبھی دوست ہیں میرے
اُس سے جو ملا میں تو زمانہ نہیں ملتا

لقمۂ دلِ صد چاک کی فرقت میں غذا ہے
محزوں کو بجز غم کوئی کھانا نہیں ملتا

سُن رکھو اسے دل کا لگانا نہیں اچھا
دنیا یہ بُری ہے یہ زمانہ نہیں اچھا

اے قاتل جاں روک ذرا تیغ نگہ کو
آہیں ہیں بُری دل کا دکھانا نہیں اچھا

چھانے ہیں پائے محبت سے بیاباں کیا کیا
پارتلووں سے ہوئے خارِ مغیلاں کیا کیا

تختِ غربت سے کہیں بہتر ہے کاسہ فقر کا
بھیک مانگیں گے اگر اپنا وطن ملجائے گا

کیوں بسا دہر میں دل اسکا ٹھکانا کیا تھا
بے بسی میں مجھے اس دل کا لگانا کیا تھا

جس نے تجھے پیدا کیا
اُسنے مجھے شیدا کیا

برسائے کنکر بھی نہیں
ناحق فلک گر جا کیا

بے نفس کشتی یا خدا ہو نہیں سکتی
بے روئے گجک ملتا ہے پیلوں کب

اختر گنہگار ہے حاظر ہے بزم میں
نوکِ مژہ سے سینے پہ چبھی لگائیں آپ

دشت گلزار ہوا چاہتے ہیں عرض کرو
کفِ سیاح کو دیں خار بیاباں صلت

کل قیصر و خاقان و شاہنشاہِ جہاں تھے
ڈھونڈھ انظر آتا نہیں تربت کا نشاں آج

ہر سو صدائے عیش و طرب منتشر ہوئی
آختر ترے مزے سے ہیں دیوار و در لذیذ

ہم بھی شریک جلسۂ ابنائے دہر تھے
ٹھوکر نہ مار قبر پہ اے خوشخرامِ عیش

چلتا ہے تو بھی کوئے پری میں برائے دید
آختر ہے مہ جبینوں سے لبریز بامِ عیش

دل جلا جس سے اسی سے ہے یہاں الفت
کہہ نہیں سکتا ہے ہر ایک سے انسان غرض

پلکیں ہیں جو نیزے تو سر سینہ کناں بھوں
سہرے ہیں اگر وار تو موتی کی لڑی تیغ ؛

پوچھتا ہے جو کوئی مجھکو کہ ہمراہ ہے کون
شرم سے کہتے ہیں وہ ہے یہ ہمارا عاشق

چشمِ تمنا تری دید سے ہے پُر جواں
اب تو جمے دل پہ بھی شوخیٔ رنگ وصال

سایہ پری کا نہ وجن کا نہ وائے گزر
کھولا نہ کر کوٹھے پر جھٹپٹے وقت اپنے بال

بولتا ہے بادشاہ اُردوئے بازار خاص
آختر خوش لہجہ واہ ہے یہ زبانِ بمثال

تو نے مجھے کیوں چھوڑا مری جاں
میں تو تیرا ہوں تابع فرماں

بلایا ہے شب فرقت کٹے دن ہو تو میں آؤں
تمہارا مصحفِ رخسار ضامن ہو تو میں آؤں

کہا کرنہ مفلس تو نگردلوں کو
رُخِ داغِ فرقت سے زرد ارہم ہیں

خدایا طولِ عمر خضر دے شہزادہ بابر کو
صدف میں حفظ و عافیت کے رکھ تو اس مرے دُر کو

لگایا داغ رخساروں کی ضو نے ماہ تاباں کو
سہا کو بدر کو ناہید کو مہرِ درخشاں کو

مری آہِ فقیرانہ نے دنیا سے اُٹھایا ہے
علم کو طبل کو تاج و نگیں کو جشن و ساماں کو

زبان پھیرو ساقی لبوں پہ عاشق کے
سسک رہا ہے بڑی دیر سے چو اپانی

نہ چشم تر رہی ولیسی نہ خشکیٔ لب ہے
مریضِ عشق کو کلکتے کا لگا پانی ؛

جو ہے برہنہ ہے جو مرد ہے وہ ننگا ہے[۱]
عروسِ شہر کی آنکھوں کا ڈھل گیا پانی

[۱] بنگالی بالعموم صرف دھوتی پہنتے ہیں ؛

بیمار عشق دیکھے سے اچھا ہے اے مسیح
درکار ہے طبیب نہ حاجت دوا کی ہے

پرورش آگ میں کرتا ہے سمندر کو تو
کیا بچا پایا ہے مرے دل کو ستم گاروں سے

بے وفا تو نے ہماری پاسداری چھوڑ دی
کیا خطا دیکھی کہ یک ہم سے یاری چھوڑ دی

نالہ و افغاں سے قائم ہے جہاں اے جانِ زار
حشر برپا ہوئے گا گر آہ و زاری چھوڑ دی

حُسن کے آگے تڑپ آخر کے دل کی تھم گئی
دیکھکر سیماب صورت بیقراری چھوڑ دی

بوسۂ رخ سے جو شرمائی ہوئی آتی ہے
نکہتِ زلف بھی بل کھائی ہوئی آتی ہے

انتخاب دیوان چہارم

پڑا ہے پاؤں میں اب سلسلہ محبت کا
بُرا ہمارا ہوا ہو بھلا محبت کا

عارضِ صاف ترا رشک قمر دیکھ لیا
جان سی آگئی جب ایک نظر دیکھ لیا

بوسے لو مصحف عارض کا اشارہ یہ ہے
جسکا جی چاہے پڑھے وقف ہے واں آنا جانا

دل جاں سے فدا تھا جو تجھے صنم گیا عشق ہوئے سو ملک عدم
بھلا اور کا شکوہ تو کیا کریں ہمیں مر مرینکا تجھکو بھی غم نہوا

ہمارے سامنے جب نوخ مہ لقا آیا
گلے لگا لیں یہی دل میں بارہا آیا

مرہم کوئی لگائے جو دو چار داغ ہوں
اختر کا تن تو سر سے ہے پانک جلا ہوا

تعشق میں پڑکر یہ عالم نہ نکلا +
جو سمجھو تو مجنوں سے میں کم نہ نکلا +

مجھے دل لیکے بے وفائی کی
میرے دلدار نے مجھے مارا

ایک مانا نہ کہا تنے مگر اختر نے
لاکھ رسوا ہوا پر تم سے کنارہ نہ کیا

ہوش میں لے آ ذرا انکو نگاہِ مست سے
جام رخ سے ہو چکے سب طالبِ دیدار ست

چھوڑ جائیں گے زمانے میں کہے رکھتے ہیں ہم
یہ کمانی یہ فسانہ اور یہ قصہ یادگار

نام روشن ماہ کامل سے اگر چاہو سوا
منعمو دینار سے کھودو دلِ سائل کا داغ

اس دوستی میں ہو گئے اے مہرباں تمام
جب تک تم آؤ آؤ ہوئے ہم یہاں تمام

نہ تو غم کھاؤ نہ چپ بیٹھو نہ رؤو نہ کڑھو
اختر اس جور سے فریاد کروں یا نہ کروں

سہے غم پئے رفتگاں[1] کیسے کیسے		مرے کھو گئے کارواں کیسے کیسے	
ملیں غیر ہم پاس سے دور ہوں		اجی اپنی اپنی یہ تقدیر ہے	
ہمیں جانمیں بڑا اختیار اُسکا ہے		وہ جیسا چاہے کرے اختیار اُسکا ہے	
وحشتِ دل جو سلیماں کیطرح پھروائے		لکھنؤ میرا اجی رشک پرستاں ہو جائے	
یاد میں اپنے یار جانی سے کے		ہنسنے مرمر کے زندگانی کی ؛	

اختر) صاحب عالم مرزا احمد اختر خلف صاحبعالم مرزا دارا بخت میراں شاہ بہادر ولی عہد اول بہادر شاہ ثانی چشتیہ صوفیہ خاندان میں بیعت ہے اور پیر حاجیاں کے معتقد ہیں۔ قصبہ کرانہ میں طبابت کرتے ہیں۔ غدر کے بعد پچیس تیس برس تک خوفِ دار و گیر سے گمنامی میں زندگی بسر کرتے رہے۔ سرکار سے معمولی وظیفے کے بھی خواستگار نہ ہوئے۔ بعد ازاں چند احباب خیر سگال کی کوشش اور ان کی مصنفہ مبوطہ کتب طب و تصوف کی سفارش سے صاحب کمشنر بہادر دہلی نے رحم کھا کر دس روپیہ ماہوار کی پنشن مقرر کر دی۔ جس کے باعث کسی قدر گزر اوقات کی صورت ہو گئی ہے۔ زمانہ گم نامی میں آپ شمال ہند کے اقطاع و جوانب کی سیاحت کر چکے ہیں۔ کچھ دنوں بھوپال میں بھی رہے ہیں۔ آپ کی ذات مستجمع الصفات شرافت۔ اخلاق۔ ہمدردی خلائق کا مجموعہ ہے۔ طبیعت فقر کی جانب زیادہ مائل اور اسباب آسائش سے متنفر ہے۔ شاہزادگی کے اظہار سے گھبراتے ہیں۔ تصوف کی بعض قدیم نادر الوجود کتابیں آپ نے بہم پہنچا کر چھپوائی ہیں سوانح دہلی وغیرہ کے کئی رسالے آپ کی تالیف سے شایع ہو چکے ہیں۔

عمر ساٹھ برس سے گزر چکی ہے۔ مولف تذکرہ کو دہلی میں حصول نیاز کا اتفاق ہوا۔ جہاں آپ اکثر تشریف لاتے رہتے ہیں۔ شعر گوئی کا شوق پہلے کے برابر نہیں رہا۔ اب اگر کچھ کہتے بھی ہیں تو وہ اکثر بزرگان دین کی تعریف میں ہوتا ہے۔ دیوان کبھی ترتیب نہیں دیا۔ اسیوجہ سے ہم آپکے سابقہ کلام سے کچھ انتخاب درج کرتے ہیں ؎

پایا اُس وقت بس نشاں سہنے		جبکہ اپنے کو بے نشاں دیکھا	

[1] قافلہ شاہی کی تباہی کی جانب اشارہ ہے جو برائے استرداد سلطنت ولایت گیا تھا۔ اور جس کو شش بے سود میں والد اور بھائی کام آئے ۱۲

بسا جاتا ہے نظر و نیں مگبا جاتا ہے آنکھو نیں — نظر لگ جائے گی دیکھو سنبھالو اپنے جوبن کو
ہر اک ہے دلستاں اپنا کسے تھامیں کسے روکیں — تمہارے اُبھرے جوبن کو تمہاری بانکی چتوں کو
ہمیں ہیں اے فلک جنکا سلامی ایک عالم تھا — ہمیں ہیں کفش برداری تھی جنکی فخر بہمن کو
یہی ہم ہیں کہ شکل خار اُفتادہ ہیں صحرا میں — یہی ہم ہیں کہ مثل گل تھی زینت جسمے گلشن کو
ہمارا ایک دل اختر کسے بخشیں کسے سونپیں — کسی کی چشم فتاں کو کسیکی بانکی چتوں کو
تم ذرا چشم فسوں گر سے اشارہ کر دو — ابھی ہو جاتی ہے بیمار کی حالت اچھی
کر کے اِک آہ وہیں رہ گئے احمد اختر — چلتی پھرتی جو نظر آگئی صورت اچھی
کوئی پوچھے سکندر سے کہاں وہ قصر عالی ہے — بتا تربت میں اب حاضر کوئی لالی مواں ہے

قطعہ

اختر (اختر) خواجہ عبد الغفار خلف خواجہ عبد الغفور - جہانگیر نگر ڈھاکہ کے مشہور کشمیری نوابوں کے خاندان اور حافظ اکرام ضیغم کے شاگردوں میں سے تھے فارسی میں بیشتر اور اُردو میں کمتر فکر سخن فرماتے تھے - تذکرۂ سخن شعرا کی ترتیب کے وقت تک زندہ تھے - کلام حاضر ہے ؎

حیرت ہے اُسکے آنے پہ کیا پیشکش کروں — سینے میں دل رہا ہے نہ جاں اپنے تن میں ہے
پھولا ہوا خوشی سے ہر اک گل ہے اے نسیم — کس نو بہار حسن کی آمد چمن میں ہے
شمع روشن نہ سیہ خانۂ عاشق میں ہوئی — جلوہ گر وہ نہ ہوا کلبۂ احزاں میں کبھی

اختر (اختر) شیخ محمد رفیع صاحب آختر دہلوی رئیس لاہور - شیخ رحیم بخش صاحب مرحوم سوداگر - رئیس و آنریری مجسٹریٹ لاہور کے خلف اکبر تھے - جنہیں قدرت نے بڑی فیاضی کے ساتھ حسن ظاہری و معنوی سے آراستہ و پیراستہ کیا تھا اور تسخیر قلوب کا خاص ملکہ دیا تھا - ۱۸۸۹ء میں اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد اُن کی کثیر املاک و جائداد کے وارث ہوئے - ازل سے رنگینی - نکتہ رسی - حسن پرستی - اور عالی حوصلگی کا مادہ آپکی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا - تواضع - مروت - اور اخلاق کا سب سے بڑا حصہ ملا تھا - چنانچہ خود مختار ہوتے ہی اوصاف بالا نمایاں ہونے لگے - بلکہ اسباب مرور و انبساط کی قدردانی کے متعلق آپ نے بڑی شہرت حاصل کی - آپ کی تعلیم اگرچہ

گھر پر کلام مجید و چند کتب فارسی اور اسکول میں ابتدائی انگریزی سے زیادہ نہوئی تھی - مگر قدرتی جودتِ طبع و تیزیٔ ذہن کی مدد سے چند سال میں ہی اتنی لیاقت بڑھالی کہ تحریر و تقریر میں کسی سے بند نہوتے تھے فکرِ صائب و رائے سلیم سے ہر معاملے میں ایسے باریک پہلو نکالتے تھے کہ لوگ حیران رہ جاتے تھے کئی برس تک لاہور میں میونسپل کمشنر بھی رہے اور اپنی نیک طینتی اور خوش خلقی سے عوام و خواص میں ہر دلعزیز رہے - ذوقِ شعر بھی بچپن سے تھا جس میں مشاغلِ تعیش سے اور ترقی ہوگئی - اشعار میں مشورہ لینے کی ضرورت بہت کم پڑتی تھی - غزلوں میں شوخی و سبکی خوب نمودار ہے جس آب و ہوا میں آپ زندگی بسر کرتے تھے وہ شعر کی نشوونما کے لیے بہت مفید تھی اس لئے آپ کی تھوڑی سی غزلیں بھی جلد مشہور و مقبول ہوگئیں - افسوس ہے کہ تیرہ چودہ سال تک دادِ عیش و نشاط دیکر ۸ ستمبر ۱۹۰۲ء کو اس خلق مجسم نے ۳۲ برس کے سن میں رخت سفر جانبِ ملکِ عدم باندھا ع خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں ✤ آپکے کلام کا انتخاب ہدیۂ ناظرین ہے ؎

للچائے شیخ کیونکہ نہ دل بادہ خوار کا
گھر گھر کے آنا دیکھ تو ابرِ بہار کا

آخر شراب چھوڑ دی ہمکو یقین نہیں
کیا اعتبار رند کے قول و قرار کا

دشمن جاں ہے ابھرتا ہوا جوبن اُن کا
رنگ لائے گا جوانی میں لڑکپن اُن کا

دامِ صیاد سے چھوٹے ہیں جو فصلِ گل میں
برق نے پھونک دیا ہائے نشیمن اُن کا

ہاں میں ہاں سُنکے ملا دی تو وہ سب سے اچھا
اور پتہ کی جو کہے منہ پہ وہ دشمن اُن کا

اپنے دیوانوں کی فریاد سے خوش ہوتے ہیں
پسِ دیوار کھڑے سنتے ہیں شیون اُن کا

دادِ حشر سے کہہ دوں گا کہ قاتل ہے یہی
حشر میں تھام کے بیساختہ دامن اُن کا

تم اپنے وعظ کا اے پند گو پھر کھولنا دفتر
ذرا جلوہ تو دیکھو چل کے اُسکے روئے تاباں کا

دل ہی تو ہے بس آنکھ لڑی اور نکل گیا
آتا ہے پھر یہ ہاتھ کہیں جب مچل گیا

مجنوں سے بڑھ کے شہرہ ہے اپنا جہان میں
چرچے ہوا کئے میں جدھر سے نکل گیا

عاشق ہو کوئی عشق کسیکا ہو انکو کیا
کیسی یہ پیچھے پڑ گئی خلقت کو کیا ہوا

خدا کے سامنے جاتے ہوئے اب شرم آتی ہے
حیا اُس دن کہاں تھی مجھ پہ جب خنجر چلایا تھا

چغلیاں کھاتا ہے بگڑا ہُوا جوبن کیا کیا
مُنہ تو دیکھو ذرا آئینہ منگا کر اپنا

اُن کو دل دے کے ہمیں فکر زیاں ہو جھی ہے
بیچ ہے کچھ سیکھتا ہے آدمی کھو کر اپنا

پیارے صیاد ہمیں اب تو چمن دکھلا دے
دم نکل جائے قفس میں نہ پھڑک کر اپنا

حور و غلماں کے عوض تم کو جوا لا کر دے
کرے انصاف اگر داورِ محشر اپنا

ان کا پہلو شبِ مہتاب چمکتا ساغر
اب دکھائے نہ خدا ہم کو سحر کی صورت

بیڈھب پھنسایا جاں کو دلبر کے بیچ میں
جکڑا گیا ہوں زلفِ معنبر کے بیچ میں

آتا ہے رحم مجھ کو جوانی پہ شیخ کی +
بیڈھب پھنسا ہے جنت و کوثر کے بیچ میں

دنیا میں جو ملا تھا وہ سب کچھ وہیں رہا +
باقی بس اِک گناہوں کا دفتر بغل میں ہے

بول اُٹھا دل کہ چراغِ تہ داماں ہے یہی
رُخ پہ ڈالے ہوئے اختر جو وہ آنچل آئے

کہاں ہے یار وہ چشم میگوں نظر ہماری بھٹک رہی ہے
کسی کی نوکِ مژہ ابھی تک ہمارے دل میں کھٹک رہی ہے

یہ فقرے چلتے ہوئے مہ سے پسینہ پونچھو ذرا جبیں سے
نہیں تم آئے اگر کہیں سے تو کیوں یہ انگیا مسک رہی ہے

وہ غریب خانہ میں آ چکے ہیں مگر میں اپنے بُلا چکے
وہ نگاہیں ہمسے ملا چکے وہ جمال اپنا دکھا چکے

نہ صبا تو اتنی اکڑ کے چل دہرا کیا ہے باغ میں تکبر
وہ جو گل تھے غنچوں سے ہم بغل وہ بہار اپنی دکھا چکے

نہ کر اختر اتنا قلق تو اب تجھے چین آئے گا او کب
تھی ہونہ جنکی تجھے طلب مگر خوب اُن سے اُڑا چکے

محبت محبت کیا کرتے تھے
محبت کی اب تو خبر ہو گئی

نظر اب حسینوں سے آتے نہیں
خدا جانے کس کی نظر ہو گئی

اگ الفت نے پھر لگائی ہے
میرے اللہ تری دُھائی ہے

✓ حسن طبیعت پہ ناز تھا اختر
اب وہ اپنی نہیں پرائی ہے

اختر (اختر) عالی جناب سوائی راجہ پُن پرتاب سنگھ خلف الرشید ولیعہد مہاراجہ رنجور سنگھ بہادر کے سی ایس آئی والی اجمیر گڑھ - نواب شمشیر بہادر اخگر کے شاگرد رشید ہیں ہندی کا علم

اچھا ہے - ۲۵-۲۶ برس کی عمر شباب کا عالم تازہ تازہ ذوق ہے - مشق سے امید ہے کہ اچھا کہنے لگیں گے ؎

دل لئے حاضر تمہارا عاشقِ دلگیر ہے	کیسے تیر انداز ہو کیسا تمہارا تیر ہے
بن کے پتلی مری آنکھوں میں سمائے کوئی	درد کی طرح مرے دل میں در آئے کوئی
وعدۂ وصل سے انکار یہ چپکے چپکے	آنکھ سے میری ذرا آنکھ ملائے کوئی
آنکھیں روتی ہیں کسی صفتِ ابرِ بہار	بجلیاں ہنس کے کسی پر نہ گرائے کوئی

اختر

(اختر) منشی لطیف احمد اختر بینائی - خلف چہارم حضرت امیر مینائی لکھنوی - ۱۲۸۸ھ ہجری میں پیدا ہوئے - رام پور میں اپنے والد ماجد کے سایۂ عاطفت میں تعلیم و تربیت پائی - وجیہ اور خوبصورت نوجوان ہیں - اس وقت اپنے والد نامدار کی شہرت کو اپنے تخلص کی طرح آسمانِ سخن پر خوب چمکا رہے ہیں ایسا بہت کم ہوا ہے کہ اساتذہ گرامی قدر کی اولاد میں کوئی آبائی رتبہ کو پہنچا ہو مگر اختر کی چمک دمک امیر مرحوم کے عقیدت مندوں کو بہت کچھ امید دلا رہی ہے - گو اپنے والد ماجد کے فیضِ صحبت سے آپ بعض تلامیذ با اختصاص کی برابر مستفید نہیں ہونے پائے لیکن کلام کی شوخی و برجستگی ارباب مذاق کے دلوں پر قبضہ کرنے لگی ہے آپ نے علمی استعداد اچھی پیدا کی ہے - اوائل عمر سے شعر گوئی کا شوق رہا ہے - منشی صاحب مغفور کی ہمت افزائی سے بچپن ہی سے مشاعروں میں غزلیں پڑھا کرتے تھے مگر آپ کی پوری پوری توجہ اس فنِ لطیف پر ۱۸۹۵ء سے مبذول ہوئی جب اپنے اہتمام سے رسالہ دامن گلچیں از سر نو جاری کیا - اُسوقت سے اب تک آپ کی مشق زور شور سے جاری ہے - آپ ۱۹۰۱ء میں منشی صاحب مرحوم کے ہمراہ حیدر آباد دکن تشریف لے گئے جناب موصوف کے انتقال کے بعد سے مع جناب جلیل عالی جناب بیس السلطنت سر مہاراجہ کشن پرشاد بہادر شاد مدار المہام ریاست حیدر آباد دکن کی دستگیری سے اب تک وہیں قیام پذیر ہیں الحاصل حیدر آباد کے اکثر مقامی مشاعروں میں شریک ہوتے ہیں - اور وہاں کے اہل ذوق استفادہ حاصل کرنیکے علاوہ آپ کی قدر بھی کرتے ہیں - مدار المہام صاحب کے ظاہری وسیلے کے

سوا ابھی تک ریاست سے کوئی مضبوط اور مستقل سلسلہ نہیں ہوا ہے۔ غزلوں میں آپکی معاملہ بندی دلوں پر قبضہ کرتی ہے۔ درحقیقت یہ رنگینی و مضمون آفرینی لوگوں کو کم نصیب ہوتی ہے۔ حضرت امیر کے انتقال کے بعد سے جو کچھ کہتے ہیں اُسمیں منشی جلیل حسن صاحب جلیل سے کہ منشی صاحب کے جانشین ہیں مشورہ کرلیتے ہیں انتخاب کلام ملاحظہ ہو

بچھڑے کے یار سے ملنا عجیب ملنا تھا
کہ آنکھیں روتی تھیں دل میں کوئی ملال نہ تھا

کچھ میرا قتل مدنظر تھا نگار کو
تلوار لی تھی ہاتھ میں اک وار کر دیا

ایسی نہیں ادا کوئی جس میں جفا نہ ہو
دشمن جو اپنا آپ ہو تم کو بنائے دوست

نقابِ ابر مُنہ پر اس ادا سے ڈالدیتا ہے
کسی معشوق کا ہوتا ہے وہ ہو کا ماہِ کامل پر

وہ کہتے ہیں کہ اپنا مال چوری جا نہیں سکتا
ہمارا نام کا طغرا ہے کندہ ایک اک دل پر

وہ بن ٹھن کر جو آتے ہیں شبِ مہتاب میں اختر
نظر اپنی کبھی اُن پر کبھی ہے ماہِ کامل پر

جب اسیروں نے سُنا گلشن میں آئی ہے بہار
مر گئے چاکِ قفس سے سُوئے گلشن دیکھکر

ہائے کیا دن تھے وہ جب بیدار تھے اپنے نصیب
روز اُٹھتے تھے کسی کا روئے روشن دیکھکر

رنگ بدلا دوست نے دیکھا دیکھی ایک کی
ہوگئی ترچھی نظر بھی بانکی چتون دیکھکر

میں بھی ہوں اُس شعلۂ رُخ سے یہ کہتی ہے نقاب
آگ بھڑکا اے چراغِ زیرِ دامن دیکھکر

اشارہ کرکے پھر آنکھیں چُرانا ہائے کیا کہنے
یہ سمجھے ہم گلے پر رُک گیا خنجر رواں ہوکر

یہ کیا ایسی ہے شے جسکو حسینوں سے چھپائیں ہم
جسے لینا ہو دل لیجائے لیکن مہرباں ہوکر

اُٹھائیں وہ نقابِ رُخ انہیں ہے کیا پڑی ایسی
وہ کیوں سارے جہاں کی جان لیں جانِ جہاں ہوکر

نگاہیں تیر ابرو اُن کے خنجر ہوتے جاتے ہیں
الٰہی خیر کرنا وہ ستمگر ہوتے جاتے ہیں

سحر ہوتے ہی کیا مژدہ صبا گلشن میں لائی ہے
کہ غنچے پھول کر جامے سے باہر ہوتے جاتے ہیں

گھر چھوڑے ہوئے مدت گزری
اب تو صورت بھی ہمیں یاد نہیں

ہم قفس میں ہیں چمن سے اچھے
خوف گلچیں غمِ صیاد نہیں

وہ سامنے ہوں اور نہ دیکھوں ادھر کو میں
نکلے تڑپ کے جاں جو رہوں کل جگر میں

تم کو کسی سے عشق جو ہوتا تو جانتے
اب کیا کہوں لذیت دردِ جگر کو میں

لعل و گہر کا فرش بچھا دوں زمین پر
جھٹکوں ذرا جو دامن مژگانِ تر کو میں

اب منہ چھپائیں آپ کہ آنکھیں چرائیں آپ
مشکل ہے یہ کہ پھیروں ادھر سے نظر کو میں

دیکھوں ترے جمال کو ہے میری کیا مجال
ہاں حکم ہو تو دیکھ لوں اپنی نظر کو میں

فرقت کی شب پہاڑ سی ہیں نارِ وتاں
اللہ ہی دکھائے تو دیکھوں سحر کو میں

حسیں ہیں شمس و قمر آسمان والوں میں
تم آفتاب ہو دنیا کے ماہ جبینوں میں

تسکین ہو کیا خاک جہاں رشک ہو ایسا
وہ ہاتھ دھریں دل پہ لگے آگ جگر میں

زاہد ہے انہیں وہی شبِ قدر
جس شب وہ رہیں ہمارے گھر میں

ہاں مانگ جو مانگنا ہو اختر
کیا چیز نہیں خدا کے گھر میں

ہمارا ضعف ہی باعث ہے زندگانی کا
کہ اب تو قوتِ پرواز مرغِ جاں میں نہیں

یہ کہنے باغ میں رکھا قدم خدا جانے
گلوں کو ہوش نہیں چاک باغباں میں نہیں

وہ خاک اڑانے لگے جس کو کہہ دو دیوانہ
سوا تمہارے یہ بات اور کی زباں میں نہیں

زمانہ روتا ہے بلبل کی کم نصیبی پر
کہ گل تو گل کوئی کانٹا بھی آشیاں میں نہیں

دل لگا تو چکے بتوں سے ہم
شرم اپنی ہے اب خدا کے ہاتھ

سبکدوشی ہو گی دیکھے سر بھی
تمہاری زلف کا سودا گراں ہے

نقاب اُس نے اُلٹ دی ہے سرِ راہ
وہیں کا ہو رہا اب جو جہاں ہے

اُو زلفِ سیہ بنانے والے
یہ کیا سر شام ہو رہا ہے

جانبگی دل سے اب کہاں یاس
دل ترا ہو گیا ہے تو دل کی +

اور کیا ہے جو نذر یار کروں +
ایک دل ایک آرزو دل کی

اُس بت کے سوا ہمارے دل میں
اللہ گواہ کچھ نہیں ہے +

غصے سے یہ لال ہو گیا ہے
وہ برق جمال ہو گیا ہے

ناقدر کے ہاتھ میں دل آکر
کیا مفت کا مال ہوگیا ہے

چاند اب کسکو دیکھنے نکلا
چڑھ کے کوٹھے پہ وہ اُتر بھی گئے

غم سلامت یہ غم ہو کیوں مجھکو
سب ترے ہیں مرا نہیں کوئی

چاہتے ہیں کہ جان دیدوں میں
کہتے ہیں باوفا نہیں کوئی

موت ہی ہے علاج عاشق کا
اس سے اچھی نہیں دوا کوئی

کیا سحر کیا دکھا کے دیدار
اب نالہ و آہ کچھ نہیں ہے

جو مانگنا ہے مانگ لے غافل کریم سے
تاثیر منتظر تری منہ سے دعا کی ہے

کھلتے نہ ایسے گل جو یہ کرتے نہ گریباں
پھولوں میں ساری آگ لگائی صبا کی ہے

فتنے زمانہ بھر کے ہیں چشم سیاہ میں
اس کال کوٹھری میں جگہ ہر بلا کی ہے

اُسکے منہ میں پھر زباں گویا نہ تھی
جو ہُوا واقف ہمارے راز سے

ہائے دنیا تھی کہ اک تصویر تھی
مٹ گئی تصویر حیرت رہ گئی

دیدنی تھی وہ اُداسی کی بہار
ہو کے گل جب شمع تربت رہ گئی

شدتِ دردِ دل و دردِ جگر کیا میں کہوں
چٹکی لیتے ہو تو تسکین ذرا ہوتی ہے

میں فنا ہو چکا دم ٹوٹ چکا عرش کو لے
دیر کس واسطے اے آہ رسا ہوتی ہے

جو مٹے ایسے کہیں جنکا نشاں تک نہ رہا
ہمسری ایسوں سے نقشِ کفِ پا ہوتی ہے

تم خدا کے لئے چھوڑو نہ ادائیں اپنی
ہونے دو صدقے اگر خلق خدا ہوتی ہے

پھر نہیں دیکھتے پھر کر صفتِ نکہتِ گل
قفسِ تن سے جہاں روح رہا ہوتی ہے

سخت جانی کا بُرا خنجرِ قاتل کا بھلا
جان چھٹتی ہے نہ گردن ہی جدا ہوتی ہے

کس سے پوچھوں کہ جو کر جاتی ہے عاشق کو حلال
تیغ ہوتی ہے کہ قاتل کی ادا ہوتی ہے

غیر ممکن ہے ملے جوہرِ ذاتی اختر
آبداری کہیں موتی سے جدا ہوتی ہے

عاشق و معشوق دونو پردہ دارِ عشق ہیں
کیا مزے کی بات ہے ایک ایک کا ہمراز ہے

دل سے نکلے ہوئے ارمان اس تیر سے آواز سے

کھینچ کے پہونچے مصر یوسف دل زلیخا کا بچا نہ
وہ کشش ہے حسن کی یہ عشق کا اعجاز ہے

یہ کیا بتاؤں کہ دنیا میں کیا کیا نہ
نہ پوچھ اے مرے پروردگار رہنے دے

کوئی پری ادا ہے کوئی مہ جمال ہے
یہ حال ہے کہ دل کا بچانا محال ہے

تم آفتاب حسن ہو تم برق حسن ہو
تم سے نظر ملائے یہ کس کی مجال ہے

کشتوں کے ساتھ بھی ہے وہی چال آپ کی
تربت ادھر بنی کہ اُدھر پائمال ہے

عشاق کو جب لوٹتے دیکھا تو وہ بولے
یہ جلوہ گہِ ناز ہے میخانہ نہیں ہے

ہمیں چھو کے جوانی سے ذکر کر بیٹھے قیامت کا
وہ چل کر دو قدم بولے قیامت ایسی ہوتی ہے

ہائے کیا تاثیر رکھتی ہے حسینوں کی ادا
لطف کا کیا ذکر دیتی ہے مزا بیداد بھی

تمہیں بنائے گا کیا کوئی حضرت ناصح
خدا کے فضل سے تم ہو بنے بنائے ہوئے

فلک زدوں کو وہ جب دیکھتے ہیں کہتے ہیں
فلک کا نام ہے میرے ہیں سب ستائے ہوئے

پھر نکلے ہائے یوں لٹ کر سفر سے
نہ نکلے تھے سمجھ کر ہم یہ گھر سے

ہوا ناوک کو نکلے اک زمانہ
کھٹک اب تک نہیں نکلی جگر سے

پئے تو یہ ملا تھا شیخ سے میں
وہ خود پینے لگا میرے اثر سے

جس کا سر ہے دار پر سردار ہے
عشق کی سرکار کیا سرکار ہے

جو نگہ ہے تیر ہے تلوار ہے
کوئی دل میں کوئی دل کے پار ہے

میکدے پر آ کے پہروں جھومنا
یہ گھٹا کیا ہے کوئی میخوار ہے

نوکِ مژگاں دل میں رکھ لینے کی تھی
کیا قیامت ہے کہ دل کے پار ہے

سزا تو ہے مرا حصہ کہ میں ہوں مجرم الفت
مرے ہوتے ہوئے ظالم رقیبوں پر جفا کیوں ہے

وہ کہتے ہیں کہ اے اختر جو ہم سے آشنا تو ہے
تو ہم بیدرد ہیں پھر دل ترا درد آشنا کیوں ہے

زندگی بھر حسن والوں کا خیال آیا کیا
مرے گھر میں رات دن پریوں کی مہمانی ہوئی

اسے مژگاں کی چلمن ڈال کر آنکھوں ہی میں رکھنا
خدا رکھے حیا ان کی بڑی نازوں کی پالی ہے

(اختر) منشی سید محمد اختر ۔ ولد سید محمد میر المتخلص بہ مضطر ۔ قصبہ نگینہ ضلع بجنور کے رئیس ہیں ۔ ۲۵-۲۶ برس

کی عمر ہے نواب فصیح الملک داغ کے شاگردوں میں ہیں - ترتیب تذکرہ کے وقت جسقدر حالات معلوم ہوئے انہیں کی قلم سے خلاصۃً لکھے جاتے ہیں - آپ فرماتے ہیں کہ "مجھے زمانۂ طالب علمی میں بمقابلہ نثر نظم سے زیادہ لگاؤ تھا اپنی نثر کے سبق کا ایک آدھ مصرع یا پورا شعر موزوں کر لیا کرتا تھا - اسیطرح ہوتے ہوتے ایک دفعہ مجھے یاسات فصر کی غزل کہی اور رسوا تخلص قرار دیا - میں نے یہ غزل ۱۸۹۶ء میں کہی تھی اُسوقت میری عمر کا چودھواں یا پندرھواں سال تھا - بعض دوستوں کے کہنے سننے سے غزل مذکور نواب فصیح الملک بہادر داغ دہلوی کی خدمت میں بغرض اصلاح حیدرآباد دکن بھیجدی خوبی قسمت سے جناب مغفور نے غزل درست فرمادی اور تخلص بھی بجائے رسوا کے اختر تجویز فرمایا - چنانچہ اُسی دن سے شوق بڑھتا گیا اور افتخار تلمذ حاصل ہوا - ۱۹۰۱ء میں چند غزلوں کا مجموعہ نظم دل افروز کے نام سے طبع کرایا - میرے اجداد محمد امجد علی شاہ مرحوم فرمانروائے اودھ کے دربار میں تازیست باعزاز ممتاز رہے" +

اگرچہ بلحاظ عمر ان کی شاعری کا ابتدائی زمانہ ہے مگر اپنی جودت طبع سے خاصا کہنے لگے ہیں اشعار کی بندش چست - خیال ستھرا - زبان صاف ہوتی ہے جیسا اُنکے کلام سے خود ظاہر ہے ؎

چٹکی سے کلیجہ کبھی ملتے نہیں دیکھا
اتنا سا بھی ارمان نکلتے نہیں دیکھا

پھر مانگ لو دل ہمسے اسیطرح مچل کر
ہمنے تمہیں مدت سے مچلتے نہیں دیکھا

میں تو قائل ہوں اس صفائی کا
دل لیا تم نے اک خدائی کا

ہر وقت چھیڑ چھیڑ کے ایدل یہ کیا کیا
اُس شعلہ رو کو اور بھی شعلہ بنا دیا

کیسی شرارتیں ہیں یہ کیسی ہیں شوخیاں
لیتے ہیں چٹکیاں وہ دل بیقرار میں

زاہد شراب ناب سے اسدرجہ اجتناب
کمبخت پی تو دیکھ یہ کچھ بدمزا نہیں

سنتے سنتے ذکر دشمن دل ہمارا پک گیا
چھوڑئے اس ذکر کو اب اور کچھ ارشاد ہو

تجھسے جو کہتے ہیں تو اُن پہ خدا ہوتا ہے
ہوش میں آ دل بیتاب یہ کیا ہوتا ہے

وصل کی شب کبھی وعدہ جو وفا ہوتا ہے
شرم کہتی ہے کہ شرماؤ یہ کیا ہوتا ہے

دل چرایا میرا ایسے چور نے
داد ہے جسکی نہ کچھ فریاد ہے

نہ پہلی سی عادت نہ پہلی سی خصلت
کہاں اُڑ گئی آدمیت تمہاری

صبر کرو اعظ ناداں ابھی جلدی کیا ہے +
کعبے بھی جائیں گے اُٹھیں گے جو میخانے سے

یہ مانا اب بھی کچھ کچھ مہرباں ہو
مگر پہلی عنایت وہ نہیں ہے

ایسے جینے سے تو مرجانا بھلا
زندگانی اِک مصیبت ہوگئی

(اختر) سید امراؤ علی بلگرامی - آپ محمد بلگرامی کے شاگرد ہیں - ضلع سیتاپور کی عدالت میں نقل نویسی کرتے ہیں ۳۰ - ۳۲ برس کی عمر ہے - طبیعت موزوں پائی ہے شعر خاصا کہتے ہیں کلام ذیل ملاحظہ ہو ؎ اختر

سمجھو نہ یہ تم ہمپہ گماں ہو نہیں سکتا
یہ خون ہے عاشق کا نہاں ہو نہیں سکتا

رکھا ہے قدم کوچۂ الفت میں بصد شوق
اللہ نگہبان ہے اُس جانِ حزیں کا

خبردار آہ و زاری اے دل ناشاد یہ کیسی
خدا سے اُس بت بے مہر کی فریاد یہ کیسی

نہیں باز آتے اپنے ہتھکنڈوں سے اب اے اختر
حرم میں بیٹھ کر کیوں جی بتوں کی یاد یہ کیسی

تمہیں ناز اس پہ ہے سُن سے تمہارے پھول جھڑتے ہیں
ہماری اے حسینوں چشم گوہر بار کیسی ہے

اگر مجرم نہیں تو پھر خدا کے آگے محشر میں
یہ گھبراہٹ تجھے قاتل دمِ اظہار کیسی ہے

دیکھتے ہی آئنہ سکتا ہوا
دیر تک حیرت سے وہ دیکھا کیے

(اختر) منشی محمد نذیر علی - حیدرآباد دکن میں کسی محکمہ میں ملازم ہیں یہ اُنکے کلام کا خلاصہ ہے ؎ اختر

روز غیروں پہ تو ہوتی ہے عنایت کی نظر
میں ترے جور و ستم کے بھی سزاوار نہ تھا

ہو رہا ہے دلِ رنجیں میں سماں اب تک
آنے والا نہیں آیا کوئی مہماں اب تک

ہوں شبِ ہجر یار کی باتیں
زہر ہیں غمگسار کی باتیں

چشمِ اغیار میں کچھ بھی ہو حقیقت لیکن
بخدا تم ہو میری آنکھوں کے تارے پیارے

سب حسینانِ جہاں بزم میں ہیں آپ یوں
ماہ کے گرد ہوں جسطرح ستارے پیارے

(اختر) منشی رمضان علی - باشندۂ سہارن پور - ایک زندہ دل - عاشق مزاج - شوخ طبع نوجوان ہیں - ابتدائے عمر سے شعر و سخن کے دلدادہ ہیں اوائل عمر میں مقامی شعرا سے استفادہ کرتے رہے جب کلام پر کسی قدر رنگ چڑھا تو اچھے اُستاد کی تلاش ہوئی - اور حضرت نظیر دہلوی کے دامنِ کمال اختر

سے وابستہ ہوئے - حضرت ممدوح نے بھی اپنی فطری شفقت سے اصلاح میں سعی بلیغ فرمائی جسکا نتیجہ یہ ہے کہ اب انکے اشعار دل فریب دلپسند اخلاق و رکاکت سے پاک ہوتے ہیں - بہت دنوں سے اجمیر شریف میں مقیم اور نواب شمس الدین خاں صاحب عاشق رئیس اجمیر کی مصاحبت سے ممتاز ہیں - وہاں کے مشاعروں میں شوق سے شامل ہوتے اور داد خوش گوئی لیتے ہیں - آپکی غزلیں سلاست زبان و بلندئ خیال کا اچھا نمونہ ہوتی ہیں - ان کی عمر اس وقت بتیس ۳۲ تینتیس ۳۳ برس کے قریب ہے - وجیہ و خوش رو جوان ہیں - گو صاحب دیوان ہیں مگر ابھی تک ان کا دیوان شایع نہیں ہوا چند بہم رسیدہ غزلوں کا انتخاب درج کیا جاتا ہے ؎

بیٹھے ہو کس کے سوگ میں پوچھا تو یہ کہا — ہیں آج مرنے والے غریب الوطن کے پھول
جا دو نہ کوئی کر دے خدا کے لئے کہیں — نکلا کرو نہ گھر سے مری جان بن کے پھول

جوبن تو سنبھلتا نہیں نازک بدنی میں — کیا نوک کی لیتے ہو مری دشنکنی میں
بے وجہ کوئی صبر بھی لیتا ہے کسی کا — کچھ تو تمہیں ملتا ہے مری دشنکنی میں
ہچکی کوئی آتی ہے نہ آتا ہے کوئی خط — یاران وطن بھول گئے بے وطنی میں
یوں کہکے بلاتے ہیں مجھے جام مئے وصل — کمبخت بڑا لطف ہے توبہ شکنی میں

یہ تمنے بیوفا کہنے پہ کیوں اتنا بُرا مانا — چلو یوں ہی سہی میں بے وفا ہوں یا وفا تم ہو
تماشہ ہے مجھے آواز دے کر خود وہ کہتے ہیں — میاں میں اور کو سمجھا تھا میں مرد خدا تم ہو
محشر میں بپا اور ہو اک فتنۂ محشر — گر آئے قیامت تری رفتار کے آگے

تمسے وفا ہوئی ہے نہ ہوگی وفا کبھی — سچ ہے بُروں سے کام نہ ڈالے خدا کبھی
بھولے تو ہو تم اپنی جفاؤں پہ دیکھنا — یاد آئے گی تمہیں بھی ہماری وفا کبھی
ایسا تو کیا کہ یاد نہو کل کی بات سے — اقرار کچھ کیا تھا کسی بات کا کبھی
کچھ دل پہ اختیار ہو کچھ تم پہ اختیار — کرنی پڑے نہ غیر کی پھر التجا کبھی

مجھے رشک اپنی قسمت پہ ہے دشمن سے شکایت کیا — عنایت مجھپہ کیا کم تھی محبت مجھسے کیا کم تھی

الٰہی وہ بھی کیا دن تھے نہ تھے ہم عشق سے واقف	یہ دل درد آشنا کم تھا طبیعت مبتلا کم تھی
بل نہیں نکلا ترا سو طرح تدبیر کی	ہے ترے دل میں گرہ ظالم مری تقدیر کی
دل نہ دینے تک اُسے تھی التجا دل دیکے اب	منتیں کرنی پڑیں ہمکو بسے بیر کی ؎

اختر

(اختر) منشی محمود اختر صاحب صدیقی معروف بہ اختر ریحانی رئیس میرٹھ خلف الرشید مولوی عبدالکریم صاحب آنریری ڈپٹی کلکٹر و ممبر مجلس شوریٰ ریاست بھوپال۔ آپکا خاندانی سلسلہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی تک پہنچتا ہے۔ اسوقت نوجوان شعرائے میرٹھ میں درجۂ امتیاز رکھتے ہیں۔ مذاق سخن خاندانی ہے اگرچہ مشق سخن کو عرصہ نہیں ہوا مگر کلام میں پختگی اور سنجیدگی ایسی ہے کہ اچھے مشاق معلوم ہوتے ہیں۔ فارسی میں فارغ التحصیل اور عربی بقدر ضرورت جانتے ہیں۔ انگریزی میں ایف اے تک تعلیم پائی ہے فی الحال مراد آباد کے پولیس ٹریننگ اسکول میں تعلیم پاتے ہیں آپ کے اشعار میں جو دل نشینی و خاطر فریبی کی شان نکلتی ہے وہ استعداد علمی پر مبنی ہونے کے بجائے زیادہ تر رنگینیٔ طبع پر دال ہے آپ نے اوائل مشق میں حضرت غالب کے شاگرد رشید محمد ذکریا خاں رکی سے فیض اُٹھایا۔ اُنکے انتقال کے بعد سے حضرت نازش علی بدایونی سے مشورہ ہے۔ غزل گوئی کے علاوہ آپ کو ڈراما نویسی میں بھی کامل مہارت ہے چنانچہ آپ کا ایک ناٹک موسوم بہ طلسمی راز مقبول خلائق ہے اشعار خود شاہد ہیں۔ اُن میں آورد کا نام نہیں۔ سلاست زبان فصاحت بیان نشستِ الفاظ قابل تعریف ہے۔ ناول کرشمۂ عشق آپ ہی کی تصنیف ہے کلام کا انتخاب ملاحظہ ہو ؎

جینے کا لطف انکی عنایت کے ساتھ تھا	وہ جب خفا ہوئے مرا دم بھی خفا ہوا
وسعتِ وحشتِ دل کو ہے بیاباں تھوڑا	کاش مجنوں نہ ہمیں اور بھی میداں تھوڑا
کسوٹی عالمِ کثرت سے عیاں ہو وحدت	اس کی وسعت ہے بہت اور میداں تھوڑا
الٰہی اے تیرہ بختی دن ہو رات	یار نے وعدہ کیا ہے شام کا
بشکلِ ساقی نے کیا مستِ الست	نشہ ہے آخر مجھے اس جام کا

بتانِ شوخ سے کیوں بدگماں ہوئے اختر
نہیں تو ساری خدائی پر اعتبار رہا

اے ملالِ عشق اک تو ہی مرے حصہ میں ہے
اے غمِ جاوید اک میں ہی تری قسمت میں ہوں

آنکھیں کھلیں تو وقت پرِ بنکے اُڑ گیا
ہستی کی شوخیوں پہ کسے اعتبار ہو

زمانہ تنگ ہم پر آج کل ہے حضرتِ اختر
برنگِ بوئے گل مجموعۂ خاطر پریشاں ہے

قدم رکھے نکلے وہ حسرت ہماری
بنے راہِ جاناں میں تربت ہماری

مجھے داغِ دل دے کے بولا وہ ظالم
حفاظت سے رکھنا امانت ہماری

سببِ ظلم بیجا کا پوچھا جو اُن سے
تو کہنے لگے ہے یہ عادت ہماری

مسیحائی دکھلا رہا ہے کوئی
مریضِ محبت سنبھلنے لگے

شورِ ہنگامۂ قیامت ہے
کیا خراماں وہ سروِ قامت ہے

اختر (اختر) مولوی ظہور احمد اختر مختار بدایوں - انکے والد منشی امیر احمد بدایوں کے ایک قدیم اور اچھے خاندان کے رکن تھے - انکے خاندان میں اکثر لوگ وکالت پیشہ ہیں چنانچہ انکے دونو بھائی مولوی عزیز احمد و مولوی وزیر احمد مختار ہیں - ابتدائی مشق میں اپنے بھائی مولوی وزیر احمد نیر کو چند غزلیں دکھائیں پھر اُنہیں کی وساطت سے حافظ عبدالرحمن رائخ دہلوی سے استفادہ شروع کیا - اب ۲۹ برس کی عمر ہے - یہ کلام کا خلاصہ ہے ۵

بحمداللہ دل سے عشق زلفِ پرشکن چھوٹا
گئی وحشت ہوئے ہم آدمی دیوانہ پن چھوٹا

اُن کی محفل میں دلِ بے مدعا جاتا رہا +
مال ہی کیا تھا جو اچھا ہوا جاتا رہا

دو روز میں برسوں کی رفاقت مری چھوڑ دی
کیا جانئے کیا اُسنے سکھایا مرے دل کو

دانہ پانی تو ہو گیا بند
جیتے ہیں غمِ فراق کھا کے

تمہیں جو مجھسے محبت نہ ہو ملال تو ہے
میں خوش اسی میں ہوں تمکو مرا خیال تو ہے

مٹ جائیں گے سب خودی کے دعوے
آج آئنہ اُن کے روبرو ہے

کیا کہوں کچھ ایسی لذت خنجرِ قاتل میں ہے
قتل ہو کر قتل پھر ہونے کی حسرت دل میں ہے

اختر

(اختر) منشی محمد عبدالغفور صاحب خلف حکیم محمد عبدالکریم مرحوم - بزرگوں کا وطن ملتان ہے مگر آپ کی ولادت حیدرآباد دکن میں ہوئی اور وہیں مستقلاً بود و باش ہے اپنے عم مولوی قاضی محمد علی سے اکتساب علم کیا اور بڑے بھائی منشی عبدالرحیم منظر سے نکات شاعری حاصل کئے ۲۰ برس سے شعر کہتے ہیں - پہلے مضطر تخلص تھا بارہ سال ہوئے مولوی سید کاظم حسین شیفتہ سے تلمذ اختیار کیا - اُسوقت سے اختر تخلص فرماتے ہیں - فی الحال مدار المہام سرکار نظام کے ہوم سکرٹری کے محکمہ میں مترجم انگریزی کے مددگار ہیں - دیوان اُردو مرتب ہو گیا ہے اپنے اُستاد کی طرز کو خاصہ بناتے ہیں - زبان کی نسبت مضمون کی طرف زیادہ توجہ ہے - ہنگام ترتیب تذکرہ کلام موصول ہوا اُسکا انتخاب درج ذیل ہے ؎

مکان دل میں جلوہ ہے ترے رخسار و گیسو کا
یہ کعبہ ہے مسلماں کا یہ بتخانہ ہے ہندو کا

شرف ہو ہوش پر اُس بیخودی کو کیوں نہ اے اختر
بلا ہے عشق میں سر کو نکیہ اُس سر کے زانو کا

کھیل ہے اُس کی کبریائی کا
دعوے کرتے ہیں بت خدائی کا

اے معاذ اللہ دستِ عشق کیا بیباک تھا
دامن پاک مہ کنعاں بھی جس سے چاک تھا

دھو دیا رو رو کے ہمنے ہجر میں دل کا غبار
بہ گیا ہمراہ سیلِ اشک جو خاشاک تھا

کسیکی تیغ ہو میرا گلو ہو
دلِ مضطر کی پوری آرزو ہو

نہ ہی شمشیر ابرو کا ہے گھائل
یہ دل مژگاں کے سوزن سے رفو ہو

خبر اپنی ہی جب ہمکو نہیں ہے
تو پھر کیا خاک دل کی جستجو ہو

اپنے بسمل کی تڑپ دیکھ کے قاتل نے کہا
رقص اچھا ہے یہ دو چار پہر ہونے دو

گر ہمیشہ کے لئے آنے میں انکو عذر ہے
وہ رہیں مہماں الٰہی رات بھر اتنا تو ہو

کچھ نہ سینہ پہ رکھدو ہاتھ اے رشک مسیح
ٹھہر جائے یہ مرا درد جگر اتنا تو ہو

دیکھے گر وہ غیرتِ خورشید خاور آئینہ
تاب عکس رُخ سے ہو مہر منور آئینہ

تیرے روئے صاف سے بہتر ہو کیونکر آئینہ
نور کا پیکر ہے تیرا اور تجھ پر آئینہ

شوق آرائش ہے اُس رشکِ پری کو اسقدر
دو نظروں سے نہیں ہوتا ہے دم بھر آئنہ

جو قسمت بعد مدت راہ پر آئی تو کیا آئی
اِدھر وہ آئے ملنے کو اُدھر میری قضا آئی

مریضِ عشق کی اچھی خبر لی ہے مسیحا نے
ہوا کیا فائدہ حاصل بس مردن دوا آئی

مئے گلرنگ پینے کا مزا ہے ایسے موسم میں
چلو رندو چمن میں جھوم کر کالی گھٹا آئی

شبِ وصال میں وہ بیخودی کا عالم تھا
یہ کیا بتائیں کہ بوسے کہاں کہاں کے لئے

طپش کا گر دلِ مضطر کی ہم ظاہر اثر کرتے
ستم سیماب پر کرتے جفا ہم برق پر کرتے

اختر

(اختر) نواب مولوی عبدالقادر خاں متوطن مدراس - مدراس میں بفراغ بالی بسر کرتے ہیں - مشقِ سخن کی بھی ابتدا ہے - حضور نظام کی تعریف میں کئی قصیدے لکھے ہیں - اب کلام ملاحظہ ہو ؎

اے بیکسی اللہ کو سونپا تجھے ہنسنے
ہم مر چلے تو دیکھئے جاتی ہے کدھر آج

لو یہ بھی تو اب کرنے لگے پیس تمہاری
ہنس ہنس کے رُلاتا ہے مجھے دیدۂ تر آج

دل میں جو ہمت تھی وہ صرفِ محبت ہو چکی
ناتواں تیرے کسی کا ناز اُٹھا سکتے نہیں

کیسے ہو تم دمِ آخر یہ سوال اچھا ہے
جائیے جائیے بیمار کا حال اچھا ہے

پائے نازک سے تو ملتا ہے مرے دل کو کوئی
ہائے مجھ سے اسی ناشاد کا حال اچھا ہے

مرغِ دل ہوتے ہیں لاکھوں کے اسیر گیسو
میرے صیاد کے کندھے پہ یہ جال اچھا ہے

اختر

(اختر) منشی موسیٰ حسین صاحب باشندۂ جلال آباد - علاقہ ریاست پٹیالہ میں ملازم اور فنِ سخن میں حضرت جلال لکھنوی کے ماننے والوں میں ہیں کلام ملاحظہ ہو ؎

خدا ملتا نہیں یاد وہ بُت اپنا ہو نہیں سکتا
جو انساں کرنے پر آئے تو پھر کیا ہو نہیں سکتا

مغبچوں کے کہنے سے پی جاؤ کمکر یا غفور
لینا لینا شیخ جی بس ایک ساغر رہ گیا

کی اِدھر دل نے کشش کھینچا اُدھر جلاد نے
ٹوٹ کر آخر مرے سینے میں خنجر رہ گیا

کھول کر زلفِ مسلسل بام پر آتے ہو کیوں
دل اگر لینا ہے لو جال پھیلاتے ہو کیوں

جمالِ یار کو دیکھیں گے خواب میں کیا خاک
ہمیں تو نیند بھی شب بھر ذرا نہیں آتی

کر لیا پریوں کو تسخیر تو کیا کام کیا
بوسہ لیا دفن کا تو بوسے بگڑ کے وہ

بات جب ہے کہ انہیں راہ پہ لائے کوئی
باز آنے ایسے پیار سے ہم ایسی چاہ سے

(اختر) منشی عبدالغفار خاں بی اے باشندہ الہ آباد - آپ کے آباؤ اجداد ضلع رہتک کے رہنے والے اور اکثر سپاہی پیشہ رہے آپ الہ آباد میں ۱۸۸۱ء میں پیدا ہوئے بدو شعور سے تحصیل علم کا شوق رہا - ۲۰ برس کی عمر میں علیگڈھ کالج سے بی اے کا امتحان پاس کیا - انگریزی کا شوق آپ کو شروع سے رہا اور حالانکہ انکے والد مانع رہے چھپکے انگریزی پڑھنی شروع کی تاں سے بی اے تک برابر انعام و وظائف پاتے رہے اپنے کلام میں قاضی غیاث الدین صاحب خورشید سے مشورہ فرماتے ہیں - نثر میں مضامین بھی خوب لکھتے ہیں طبیعت میں ذہانت اور تیزی خداداد ہے - فی الحال سکندہ آباد میں ڈسٹرکٹ بورڈ کے سکرٹری ہیں ؎

زندگی جھیلنا بھر از خم دلِ زار کبھی
حیلۂ موت تھا دل کا مرے ناسور نہ تھا

ہائے رونا وہ کسیکا مجھے یہ کہہ کہہ کر
مرنے والے کبھی میں دل سے ترے دور نہ تھا

میرے نالوں نے کہاں ہار دی ہمت اختر
دو قدم بڑھ نہ گئے عرش بریں دور نہ تھا

بسا رہا جوش پر اور چارہ گر مصروف درماں میں
یہاں ہیں اور تدبیریں جنوں ہے اور ساماں میں

اثر ہے خود نمائی کا ترے خونِ شہیداں میں
نہ کیونکر رنگ گل بنکر نمایاں ہو گلستاں میں

جب اُن کا ذکر آیا بیخودی میں چونک چونک اُٹھا
کسیکا نام بجلی کی طرح دوڑا رگ جاں میں

یقیں تھا کسکو اس تکرار پر وعدے کے ایفا کا
مگر اک لطف تو حاصل ہوا اسکی نہیں ہاں میں

دلِ تنگ اور خیالِ یار اے نیرنگیٔ قسمت
پھنسایا شوق بے پایاں نے کس بے حوصلہ کو زنداں میں

مچلنا صورت زیبا پہ جبکا کھیل ہے اختر
وہی دل لے کے کب آپ آئے ہیں بزم حسیناں میں

یوں تو متاعِ دل کسی داموں گراں نہیں
سودا ہو جب کہ تم بھی کمر مول سے نہیں

ضد کچھ نہیں ہے مجھسے وہ عادت کو کیا کریں
کچھ غیر پر بھی خیر سے وہ مہرباں نہیں

اسکے بیمار کی عیسے جو دوا کرتے ہیں
یہ کچھ اچھا نہیں کرتے ہیں بُرا کرتے ہیں

لاکھوں مرتے ہیں مری موت کا کیا غم ان کو
ایسی خبریں تو وہ ہر روز سنا کرتے ہیں

عادت نہیں وفا کی مگر ہے عدو کے ساتھ
پہلو یہ خوب ہے کہ اُدھر ہو اِدھر نہ ہو

شوقِ جلوہ جو نقابِ رُخِ جاناں اُلٹے
طورِ سینا سے پھریں موسیٰ عمراں اُلٹے

اُلٹی تدبیر ہوئی ہو گئے ساماں اُلٹے
میرے قاصد بنے جاسوسِ رقیباں اُلٹے

مظہرِ قدرتِ حق جان کے چاہا تمہیں
بن گئے تم تو مگر دشمنِ ایماں اُلٹے

کرتے ہیں یار کے بیکاں کو کیوں دل سے جدا
چارہ گر کرتے ہیں کیوں درد کے درماں اُلٹے

سنتا ہوں لاکھ جنہیں دیکھ کے میں جیتا ہوں
ہیں وہی ہائے مری جان کے خواہاں اُلٹے

گھٹا سینے میں غم جسدن جگر ہو جائیگا ٹکڑے
ہماری سخت جانی قوت آہ و فغاں تک ہے

خدا جانے کہاں تک بات بڑھتی کیسے کیا بنتی
جو میری آہ بے تاثیر میں تاثیر ہو جاتی

ہمارے قتل پر بھی تو عدو کو شک آتا ہے
نیا ایجاد کیجے اب طریقِ امتحاں کوئی

اختر

(**اختر**) منشی سید ذاکر حسین - موزوں طبع سخنور ہیں اور شاید حضرت آغا شاعر دہلوی سے سلسلۂ تلمذ رکھتے ہیں - طبیعت شوخ زبان پاکیزہ - اور بندش نہایت چست ہے - امید ہے کہ کثرت مشق سے اور بھی ترقی کریں گے - جو کلام نظر سے گزرا یہ اُسکا خلاصہ ہے ؎

چلی بادِ بہاری بھر گیا پانی گلستاں پر
ہوئیں گلکاریاں کیا کیا کتابِ شانِ یزداں پر

کب تک لگائے کوئی شوقِ وصال سے
آخر سہل گیا دل مضطر مثال سے

بوسہ نہو نصیب مجھے چشمِ مست کا
کالی گھٹائیں جھوم کر آئیں شمال سے

بارش یہ کہہ رہی ہے کہ عزت نہ جائیگی
آج آستانِ پیر مغاں پر سوال سے

لینا مجھے سنبھالنا میں ہوش میں نہیں
ساقی کی چشمِ مست سے ساغر کی چال سے

مری امید بر آئے مرے دل کو قرار آئے
نہیں تو موت ہی مجھکو مرے پروردگار آئے

گھٹا اُٹھی - وہ میخانہ کھلا - وہ بادہ خوار آئے
مرے ساقی پھر اب کس بات کی ہے دیر دار آئے

مری محفل میں وہ یوں جھومتے مستانہ وار آئے
چمن میں جس طرح اٹھکیلیاں کرتی بہار آئے

ابھی سے ہوگیا انکار - اچھی بادہ نوشی ہے | ذرا سی اور پی لو کچھ تو آنکھوں میں خمار آئے
مقدر کا لکھا - ہم تو رہے گنج اسیری میں | ہمیں کیا اب گلستاں میں خزاں آئے بہار آئے
وہی احباب جو ہمکو بٹھاتے تھے سر آنکھوں پر | تعجب ہے کہ مرقد میں ہمیں کیونکر اُتار آئے
اُنہیں عادت ہوئی ہے خیر سے ٹھوکر کے چلنے کی | مزا آجائے رستے میں جو دشمن کا مزار آئے

اختر

(**اختر**) منشی علی اختر شاہجہانپوری - نواب مرزا خاں داغ مرحوم کے شاگرد ہیں - مختلف گلدستوں میں اِن کا کلام چھپتا رہتا ہے - چند شعار درج ذیل ہیں ؎

جاری ہوئے ہیں اشک مرے ہجر یار میں | موتی پرو رہا ہوں میں شبہائے تار میں
جوبن ٹپک رہا ہے تمہارے شباب کا | ڈوبا ہُوا ہے حُسن کا عالم بہار میں
صیاد نے بھی تاک کے مارا اسیکے تیر | بلبل کو گل کے پاس جو دیکھا بہار میں
نہیں سے یہاں بن گئی جان پر | تمہاری تو بس اِک ادا ہوگئی

اخگر

(**اخگر**) دیوان ٹیک چند دہلوی - شاہزادہ مرزا خرم بخت بہادر مرحوم ابن صاحبعالم مرزا جہانداز شاہ گورگانی ولیعہد شاہ عالم ثانی مقیم بنارس کی سرکار میں دیوان تھے تبرکاً کلام درج ہے ؎

کون کہتا ہے کہ ہمنے تجھے پرستی چھوڑدی | رات دن پیتے ہیں مئے پر مئے پرستی چھوڑدی
دوجہاں دینے میں تھا ہمیں دیدار یار | ایسی شئے نایاب بھی ہے مفت سستی چھوڑدی

اخگر

(**اخگر**) فتح یاب خاں نام ہے - مظفر خاں المتخلص بہ گرم کے بیٹے مقیم رام پور ہیں - نواب اسد اللہ خاں غالب دہلوی مرحوم کی شاگردی کا فخر حاصل ہے - تذکرہ یادگار انتخاب کی ترتیب کے زمانے میں ۳۷ برس کی عمر تھی - کلام ملاحظہ ہو ؎

قابو نہ تھا جو دل پہ تو اخگر بتائیے | جانا ہی اُسکے پاس نہیں کیا ضرور تھا
دلِ ناکام کو پھر اُن نگاہوں کی تمنا ہے | جگر میں ڈوب جانا پھر وہ یاد آنا ہے نشتر کا
قاتل تھا تو تو گرچہ نہ تھا بندہ کشتنی | ظالم کیا نہ پاس کچھ اپنے بھی نام کا
جاؤ کوئے غیر میں اے نالہ ہائے نارسا | اپنے ہی سر پہ تھے تم محشر اُٹھانے کے لئے

اخگر (اخگر) صاحبزادۂ بادی یا جاں رام پوری - نواب علی محمد خاں خلد مکاں والی رام پور کی اولاد میں ہیں - امیر مینائی تذکرۂ انتخاب یادگار میں ان کا حال اس طرح لکھتے ہیں - ابھی شوق کی ابتدا ہے چند روز ہوئے کہ شعر کہنا شروع کیا ہے پہلے آغا علی نقی متخلص بغنی ابن آغا غنی لکھنوی سے اصلاح لیتے تھے اب کبھی کبھی اس ہیچداں (امیر مینائی) کو کلام دکھا لیتے ہیں - یہ دو شعر اُن کے ہیں ؎

پئے خواب مجھکو ملتی جو زمین کوے جاناں	نہ میں شورِ حشر سے بھی کبھی ہوشیار ہوتا
پہلو سے وہ اُٹھتے ہیں اُدھر صبح شبِ وصل	تعظیم کو اُٹھا ہے اِدھر درد جگر کا ؎

اخگر (اخگر) افسر الاطبا حکیم اصغر حسین صاحب فرخ آبادی ولد منشی غلام غوث وکیل ملازم وطبیب حضوری دار الاقبال بھوپال - آپ کی ولادت ۱۲ - محرم ۱۲۳۵ھ ہجری میں ہوئی - فارسی اور عربی کی تحصیل عالمانہ تھی اور علم طب میں بدطولے رکھتے تھے - فارسی اشعار مولوی عبد اللہ خاں صاحب علوی کو دکھاتے تھے - اور حق یہ ہے کہ اچھا کہتے تھے اُردو کی طرف زیادہ توجہ نہ تھی آپ کا فارسی کلام تذکرۂ شمع انجمن میں موجود ہے - آپ اپنے وقت کے اطبائے مشاہیر سے تھے - آپکی حذاقت و تشخیص کی دُور دُور شہرت تھی - ریاست بھوپال میں بزمانۂ نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ مدتوں محکمۂ اپیل کے افسر رہے - اور تیس سو روپیہ ماہوار مشاہرہ پاتے رہے ۱۳۱۷ھ میں عمدۃ الاخبار نامی ایک پرچہ بھی وہاں سے جاری کیا تھا جسمیں ایک حصہ طبی مضامین کے لئے وقف تھا - مضمون نگاری میں اچھا دخل تھا - مدرسۂ طبیہ دہلی کے اکثر ممتحن ہُوا کرتے تھے - آٹھ نو برس ہوئے انتقال فرمایا صفحہ ایک شعر دستیاب ہوا بتبرکاً درج کیا گیا ؎

نہ پڑھا اُس نے کبھی شکل خط پیشانی	نامۂ شوق کو تحریر مقدر جانا

اخگر (اخگر) منشی امداد حسین صاحب باشندۂ مراد آباد - ملازم گورنمنٹ پریس ٹنلہ - شبیر علی خاں تنہا کے شاگرد ہیں - طبیعت موزوں پائی ہے - شعر بُرا نہیں کہتے - اکثر شعر و سخن کا مشغلہ اور صحبت رہتی ہے - کبھی کبھی ٹنلے پر مشاعرہ بھی کیا کرتے ہیں - آجکل بچگل شاعری کی طرف مائل ہیں عمر تقریباً ۴۰ سال

رہو گی - بہم رسیدہ کلام تحفۃً حاضر ہے ؎

اگر تم آبِ خنجر تک پلا دو گے تو پی لُوں گا
کہ دے گا لطف پیارے پیار سے ان ہاتھ سے مرنا

تمہاری تیغ کا سینے تڑپ کو لے لیا بوسہ
تمہیں بھی چاہیئے مُنہ چوم لو بسمل کی ہمت کا

مری جاں زلف کو عارض پہ اٹکانے سے کیا مطلب
کتاب اللہ کی کافر سے پڑھوانے سے کیا مطلب

عطا ہوتے ہیں خلعت عشق کی سرکار سے اُنکو
جو اُنکے چاہنے والے ہیں وہ کفنائے جاتے ہیں

تصدق ہوتی ہے خود زندگی اُن خوش نصیبوں پر
پسِ مردن ترے کوچے میں جو دفنائے جاتے ہیں

اخگر

(اخگر) نواب شمشیر بہادر جنرل فوج و رئیس اعظم ریاست اجے گڑھ داغ بندیل کھنڈ ابتدائے عشق سخن میں مولوی حسین علی شورش لکھنوی کو چند غزلیں دکھائیں اُنکی وفات کے بعد کئی برس تک میرزا حسین یاس لکھنوی اور جناب آغا شاہجہانپوری سے اصلاح لیتے رہے - اب جو کچھ کہتے ہیں مُہیم حضرت جلال لکھنوی سے مشورہ لیتے ہیں علومِ رسمی سے بخوبی ماہر ہیں - اور اپنے آبائی فن سپاہگری یعنی شمشواری - بانک - پٹا پھکیتی وغیرہ میں دستگاہ کامل رکھتے ہیں - فوٹوگرافی کا بھی بہت شوق ہے - صاحبِ فسانۂ اخگر و دیوانِ شعلۂ عشق ہیں راقم تذکرہ کے معزز احباب میں ہیں - اس وقت آپکی عمر تقریباً ۴۰ سال ہے شعر بہت اچھا کہتے ہیں - اکثر نامی گلدستوں میں غزلیں چھپتی رہتی ہیں کلام فرحت انجام حاضر ہے ؎

بے سوز جگر جوشِ فغاں ہو نہیں سکتا
جب تک نہ جلے آگ دُھواں ہو نہیں سکتا

ہمارا خون پیو گر کمی خلش میں کرو
یہ ہر قدم پہ ہے کانٹوں سے قول چھالوں کا

روک لیتا دل کا آنا باہر
کس کی طاقت کس کا یہ مقدور تھا

شمع محفل تو اگر ہے میں ہوں پروانہ ترا
بزم کی رونق ہے تجھ سے مجھ سے شانِ اہلِ درد

کبھی جاتے تھے نالے آسماں تک
نہیں آتے ہیں اب دل سے زباں تک

یہ شورِ قلقلِ مینا ہو ساقی
سنائی دے نہ زاہد کی اذاں تک

کیا ہے ضبط سوزِ دل کو بسا
نہیں اس آگ سے اُٹھتا دھواں تک

لگی ہے دل جگر میں آگ اخگر
بجھائیں گے اسے آنسو کہاں تک

ترا ہے نہ آپ زیادہ پن کے پھول
کیا ہو تنکے دل کے داغوں سے بڑھ کر چمن کے پھول

کچھ اس انداز سے ابر کو وہ نم دیتے ہیں
سینکڑوں اپنا گلا کاٹ کے دم دیتے ہیں

راز افشا نہو جس وقت یہ آتا ہے خیال — آنکھوں تک آ کے پلٹ جاتے ہیں آنسو دل میں
شیخ صاحب پی کے یوں جائے سے باہر ہوں آپ — کچھ خیالِ حرمتِ مئے قبلۂ عالم رہے
مزا ہو جائے مسیحا نہ میں اخگر — جو دشمن بیمار آ جائیں یہاں سے

بتوں نے کس سے وفا کی ہے اے دلِ ناداں — نہ اس طرح تو محبت ارے بڑھا ان کی
زلفیں بکھراتے ہو کیوں چاند سے رخ پر شبِ وصل — کہیں گھبراؤ نہ تم رات کے بڑھ جانے سے

اخگر (اخگر) عبدالمجید خاں نام ہے حضرت داغ کے شاگردوں میں ہیں زیادہ حال معلوم نہیں۔ شاید نواب رام پور کے خاندان سے ہیں۔ کلام ہدیۂ ناظرین ہے ؎

خون کرنا بھی تو ان کا ہے سراسر احساں — خوں بہا جاتے گر خون بہا دیتے ہیں
لڑ گئی آنکھ تو منہ پھیر کے فرمانے لگے — صلح کل وہ ہیں جو لڑتوں کو بچا دیتے ہیں
شرم آنکھوں میں ہے اور آنکھ کا پردہ ہے نقاب — وہ حیا کو بھی حجابوں میں چھپا دیتے ہیں
میرے مطلب کی بھی ہو جائے کوئی بات حضور — آپ تو رات کو قصوں میں اڑا دیتے ہیں
اشک تر آنکھ سے ہم اپنے بہا کر اخگر — آگ بھڑکی ہوئی سینہ میں بجھا دیتے ہیں

نہیں اچھا یہ چھیڑ کر چلنا — کوئی دیوانہ سر نہ ہو جائے

اخگر (اخگر) محمد شہاب الدین اخگر دہلوی ۱۸۸۲ء میں حیات اور دہلی کے مشاعروں میں شریک ہوا کرتے تھے۔ بعد کا حال معلوم نہیں ؎

میں ہوا نیست ہوا وامق و فرہاد ہوا — دشتِ الفت میں جو آیا وہی برباد ہوا
غیر کے واسطے تو موم ہے اور پانی ہے — اور مرے واسطے تجھ سے ہوا فولاد ہوا
سن کے شکر بعد مرگ تو لی آپ نے خبر — لاش چلا ادھر سے اور آئے ادھر سے آپ
اخگر تمہارے نقشہ کا کھنچنا محال ہے — کچھ لاغری میں کم نہیں انکی کمر سے آپ

اخگر (اخگر) مولوی سید حمید جے پوری ولد حافظ عبدالعزیز مرحوم اصلی وطن فرخ آباد ہے مگر یہ خود بوجہ ملازمت ایک عرصہ سے جے پور میں سکونت گزیں اور محکمۂ صدر سائرات میں ملازم ہیں۔ انکے

والد بھی ریاست کے کالج میں فارسی کے پروفیسر تھے انکی پیدایش ۱۸۷۷ء میں بمقام جے پور ہوئی اور یہیں تعلیم پائی۔ شروع میں چند غزلیں مولوی اشتیاق حسین صاحب ناطق شاگرد امیر مینائی کو دکھائیں انکے انتقال کے بعد سے حضرت سید محمد رضا آگاہ دہلوی سے اصلاح لیتے ہیں۔ جو کلام اُنکے اُستاد نے بھیجا اُسکا خلاصہ درج کیا جاتا ہے ؎

ہستی عدم فسانے ہیں گر غور کیجئے
معدوم عین عین میں عینِ وجود تھا

برقِ نگاہِ یار نے پھونکا دل و جگر
اک آگ تھی کہ جسمیں شرر تھا نہ دُود تھا

مرے اللہ کیا کمنا ہے تیری کبریائی کا
بتوں کو بھی جہاں میں تج دعویٰ ہے خدائی کا

انداز کے قرباں تصدق ہوں ادا پر
پھر کہدو اُسی ناز سے چل دُور پرے ہٹ

خالی نہیں ہیں ہاتھ کہ زنجیر در ہلائیں
دل تھامے پھر رہے ہیں ترے در کے آس پاس

دل بھی اگر نہیں ہے زباں بھی اگر نہیں
کیونکر کرے نہ شکوہ تمہارا خدا سے ہم

جگر میں درد دل میں درد سر میں درد کا سودا
مرض کیا ایک ہونا ہے محبت کرنیوالے میں

دیکھتے دل کو ہیں اور کہتے ہیں درکار نہیں
یہ بھی اک حسنِ طلب ہے کہ طلبگار نہیں

قاتل نے ہاتھ روک کے ارماں کا خوں کیا
کیسا کیا نہ رہ گئی دلِ امیدوار میں

ہائے کمناوہ کسیکا کہ خدارا خاموش
دیکھ بدنام نہ کردے تری فریاد مجھے

پھونک ڈالا آتشِ الفت نے جسکا جان و تن
اُسکی مشتِ خاک سے شرمندہ ہے اکسیر بھی

(اخگر) منشی محمد عبدالقادر اخگر باشندہ کیامئی اپنے چچا حضرت سعید سے مشورہ کرتے ہیں ایک انجمن مشاعرہ بھی قائم کر رکھی ہے۔ تجارت کا مشغلہ ہے کلام کا خلاصہ یہ ہے ؎ اخگر

شبِ وصل وہ روٹھ جانا کسیکا
لگا کر گلے وہ منانا کسیکا

مری داد خواہی پہ روزِ قیامت
ندامت سے گردن جھکانا کسیکا

جلاتا ہے اُلٹی چھری میرے دائر
نگہ پھیر کر مسکرانا کسیکا

سرِ بزم نیچی نگاہوں سے اخگر
عیاں ہو گیا دل چُرانا کسیکا

اخگر	اُڑا لے چل صبا کوئے بتاں میں		کرا تنہا رحم تو مجھ ناتواں پر

(اخگر) قاضی شمس الضحےٰ اخگر بی اے۔ قاضی پور کے باشندے ہیں ہر شعر سے نفاست مضمون اور نازک خیالی ٹپکتی ہے۔ کیوں نہو آخر تعلیم یافتہ دل و دماغ رکھتے ہیں۔ موجودہ رسائل میں اکثر آپ کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے ؎

عجب دھج میں ترے وحشی کو دیکھا کل بیاباں میں		چبھے ہیں خار تلووں میں بھرے ہیں پھول داماں میں
وہاں زخم دا ہیں فرطِ لذت سے ابھی قاتل		چھڑک دے اور اک چٹکی جو برکت ہو نمکداں میں
مرے ہوش و خرد کو بندگی تسلیم تقوے کو		نگاہِ مست ساقی آج ہے پھر اور ساماں میں
راحت کی ہیں تدبیریں کیا عقل ہے دیوانی		زندانیٔ دنیا کو امیدِ تن آسانی
دل ہے نہ جگر باقی حسرت کے نہ ہے ارماں		کیا تم نے کیا تو نے اے سوزشِ پنہانی
بدنام عبث گردوں ایام عبث زوا		ہر ظلم کے تم موجد ہر جور کے تم بانی
ہم داورِ محشر سے گر کہتے تو کیا کہتے +		تھا وقت بہت تھوڑا اور قصہ تھا طولانی
کچھ سوچ سمجھ کر ہم صحرا سے پلٹ آئے		تنہائی میں گھبراتی گھبیں مری ویرانی
اپنا جسے ہم سمجھے تھا غیر سے وہ بدتر		اور دوست جسے جانا دشمن تھا وہی جانی

	بارِ آخر گو زندگانی ہے		ناتوانی سی ناتوانی ہے
	دل ہے اک داستانِ عبرت خیز		عشق پُر درد اک کہانی ہے
	عشقِ خوباں خلاصۂ صد عمر		زندگی مرگِ ناگہانی ہے
	عیش دنیا حباب ہے اخگر		ایک غم ہے کہ جاودانی ہے

(اخلاص) منشی حافظ عبدالشکور۔ مدرس مدرسۂ صدیقیہ بھوپال۔ شاگرد امیر مینائی مرحوم۔ گلشن سخن نامی ایک رسالہ انکے اہتمام سے نکلتا تھا۔ انکے والد شیخ عبدالرحمٰن نواب قدسیہ بیگم کے زمانے میں بھرتپور سے بھوپال آکر ملازم ہوئے یہ خود فنِ تاریخ میں منشی فدا علی فارغ اور شاعری میں امیر مینائی سے مستفیض ہوئے۔ یہ انکے کلام کا انتخاب حاضر ہے ؎

اے چارہ گر بتا دے دوا میرے درد کی | | انجان بن کے پوچھے نہ ہر بار کیا ہوا

ساقی ہو جام چلتے ہوں ابر بہار ہو | | تب دُور میکشو نکے دلوں کا غبار ہو
سچ سچ بتاؤ تمکو قسم اسکی ہے کس کی یاد | | **اخلاص** کسکے واسطے تم بیقرار ہو
ہزاروں بے گنہ ہو جائینگے قتل | | نہ نکلیں بن سنور کر آپ گھر سے

حضرتِ موسیٰ اسی پر دید کے طالب تھے آپ | | آتشِ شوق ایک ہی نظارے میں پانی ہوئی
کسی کی چال نے محشر میں اک ہل چل سی ڈالی ہے | | قیامت ہے قیامت پر قیامت آنیوالی ہے
پھرے ہیں گرد کعبہ کے رہے ہیں دیر میں برسوں | | کسیکی جستجو میں سہنے دنیا چھان ڈالی ہے

اخلاص

(اخلاص) شیخ نور الحسن خلف شیخ کریم حسین ۱۲۷۰ھ ہجری میں پیدا ہوے ریاست بھوپال میں ملازم ہیں کلام درج ذیل ہے ؎

باغِ عالم میں نہیں اسکا پتہ اخلاص ہائے | | ہوں ازل سے شیفتہ جس گل کی میں تصویر کا
حسیں ہے مہ جبیں ہے اور پھر پرست بھی اچھی ہے | | نہوں کیونکر میں بندہ ایسے خوش رو اور خوشخو کا
اخلاص چند روزہ ہیں دنیا کے عیش و رنج | | کب ہے قیام گردشِ لیل و نہار کو

اخلاق

(اخلاق) سید اخلاق حسین دہلوی - یہ ایک شریف اور معزز خاندان کے رکن ہیں - عربی میں معمولی فارسی میں کافی دستگاہ رکھتے ہیں - عرصۂ دراز سے بحیثیت معاش کلکتے میں سکونت اختیار کرلی ہے - اور وہیں مشقِ سخن کو پختہ کیا ہے - ابتدائی چند غزلیں حضرت مجروح دہلوی کو دکھائی تھیں مگر زیادہ تر نادر شاہ خاں **شوخی** رام پوری مقیم کلکتہ سے مشورہ رہا - انکے اشعار پُر لطف اور چست ہوتے ہیں - مگر اُستاد کے اثر سے کہیں کہیں وقت پسندی کی جھلک نظر آجاتی ہے - عمر چالیس سال کے قریب ہے - کلام ملاحظہ ہو ؎

نکل آئے گا پہلو وصل کا بھی | | کہیں ہاں تو کرے ظالم نہیں سے
خطا میں اُسکی بخشو یا سزا دو پوچھتے کیا ہو | | ہمیں کیا کام ہے دل آپکا ہے آپ ہیں دل کے
ہنگامِ نزع بندِ زبان سوال ہے | | بیچین دل میں آرزوئے عرضِ حال ہے

تھی اضطرابِ دل سے شبِ ہجر چین بستر
کاٹی شبِ جدائی کروٹ بدل بدل کے

اِن لوگوں کے مشرب ہیں زمانے سے نرالے
دنیا میں ہیں دنیا سے الگ میکدے والے

وہ یادِ وطن کی ہے یہ غربت کی نشانی
کچھ داغ کلیجے میں ہیں کچھ پاؤں میں چھالے

ہے جاں کے ہمراہ خلش خارِ مژہ کے
وہ پھانس نہیں ہے یہ کوئی جسکو نکالے

کیوں شام سے ہے فکرِ صبوحی مرے ساقی
تھوڑی سی پلا دے مجھے تھوڑی سی بچالے

ہنسنے سے زیادہ مرے رونے میں مزا ہے
دل جب سے پڑا ہے کسی بیدرد کے پالے

جنجو دہیں ترے جلوۂ دیدار سے دونوں
دل کو کوئی رو کے کہ طبیعت کو سنبھالے

آغاز سے بدتر ہُوا انجامِ محبت
ہم دل ہی کو روتے تھے پڑے جان کے لالے

رندوں کو ہے یارب تری رحمت کا بھروسہ
واعظ تو کئے دیتا ہے دوزخ کے حوالے

شانے سے کوئی پیچ جو اُس زلف کا نکلا
اُس کو بھی کیا میرے مقدر کے حوالے

کہتے ہیں وہ **اخلاق** گلہ رنگ کا سنکر
کیا ایک ہو دنیا میں نہیں چاہنے والے

اخلاق

(**اخلاق**) منشی سید نذیر احمد جبلپوری نہ اعظم گڑھ میں نائب داروغہ ہیں - فنِ سخن میں حضرت جلال لکھنوی سے استفادہ کرتے ہیں - ابھی نو مشق ہیں مشق کرنے پر اچھا کہنے لگیں گے ؎

ہوش کیا میرے ہی کھونے چشمِ افسوں ساز نے
سامری بھی سحر بھولا اُن کی چتون دیکھ کر

ہماری لاش کو ٹھکرا کے ناز سے بولے
پڑے ہیں آج تو خوب آپ دم چرائے ہوئے

کل تو مسجد سے چلے آتے تھے آج اے اخلاق
رہن میخانے میں دستار و قبا رکھی ہے

پائی ہے تم نے ماہ لقا شکل حور کی
روشن ضیائے رُخ سے تجلّی ہے طور کی

ایک ٹھوکر کبھی تربت پہ لگائی ہوتی
میری سوئی ہوئی تقدیر جگائی ہوتی

دل لگانے کا ذرا لطف اٹھانے ہم بھی
دل و دلبر میں کسی روز لڑائی ہوتی

اخلاق

(**اخلاق**) منشی ہاشم علیخاں باشندہ بنارس - اپنے بھائی منشی غلام حسین خاں آفاق کی طرح منشی جلیل حسین صاحب جلیل سے تلمذ ہے - کلام ملاحظہ ہو ؎

تڑپا دیا کچھ اور مرے دل پہ رکھ کے ہاتھ — تسکین خوب آپ یہ فرمائے جاتے ہیں
باتیں بنا چکا ہے جو ہم سے ہزار بار — پھر ہائے اُسکی باتوں میں ہم آئے جاتے ہیں
اب وہ آنکھوں میں زمانے کی پھرا کرتا ہے — شرم آتی تھی جسے اپنی نظر سے پہلے
تیرے بے آواز اسی کا نام ہے سمجھے رہو — اے بتو ڈرتے نہیں ہو تم مری فریاد سے
شکوۂ بیداد پر دیتا ہے ظالم یہ جواب — آپ کس دن باز آئے نالۂ فریاد سے
جس کو دل دیتے وہ کیوں جان کا گاہک ہوتا — ہم نے تقدیر ہی ایسی جو نہ پائی ہوتی
غم نہ تھا ہوتا بُرا مجھ سے زمانہ ہوتا — تم بھلے ہوتے تو کوئی نہ بُرائی ہوتی

(اخی) ان کا نام تحقیق نہیں ہوا قصبہ بلگرام ضلع ہردوئی کے رہنے والے اور شیخ قلندر بخش جرات کے ہمعصر تھے۔ چونکہ اُس زمانہ میں فارسی کا زیادہ رواج تھا اس سبب سے اکثر زبان فارسی میں اور کمتر ریختہ میں فکر فرماتے تھے۔ ایک قطعہ اور اُس خمسے کا ایک بند ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے جو انہوں نے سید محمد عسکری بلگرامی کی فارسی غزل پر فرمایا تھا ؎ اخی

قطعہ

گل جو ہیں دیکھے بازار میں یہ میں نے کہا — سیر کر کے نہ گیا کہیں بدام ذرا
مسکرا کر کے یہ فرمانے لگے شرم سے آپ — آج تھا میرے تئیں چوک تلک کام ذرا

صدقے تری قامت کے کیا خوب بنا ہے قد — اللہ رے ترا گھڑنا اللہ رے یہ خال و خد
ہو کیوں نہ زخود رفتہ دل دیکھ تری آمد — ہر کس کہ زدیدارت بے ہوش نمی گردد

دائم کہ ز چشمِ او زائل شدہ بینائی

(ادب) سید حیدر مرزا لکھنوی۔ خلف اکبر و شاگرد سید حسین مرزا **عشق**۔ بڑے نامور اُستاد کے بیٹے اور خود بھی صاحبِ کمال سخن سنج تھے۔ تعلیم اچھی پائی تھی۔ اور لڑکپن سے اہل کمال کی صحبت اُٹھائی تھی۔ چودہ پندرہ برس کے سن میں فکر سخن کرنے لگے۔ رنگینیٔ خیال و رسائی ذہن بزرگوں سے ورثے میں آئی تھی اس سبب سے جو کچھ کہا خوب کہا۔ تھوڑی ہی مشق میں اچھا نام ادب

پیدا کر لیا۔ ارباب زمانہ کے میلان اور اپنی خاندانی رسم کے موافق مرثیہ گوئی پر توجہ کی اور معقول دستگاہ بہم پہنچائی۔ لیکن اس دلوی میں اپنے والد گرامی قدر کے درجے کو نہ پہنچ سکے۔ مرثیہ پڑھنے کا انداز بھی نرالا تھا۔ جس میں آپ کا خاندان ایک خاص شہرت رکھتا ہے۔ لوگ آپ کی سادہ مزاجی کی بہت سی نقلیں بیان کرتے ہیں۔ بہرحال غزلوں میں مضموں کی بلندی کے ساتھ زبان کی شستگی کو خوب نباہا گو دیوان شایع نہیں ہوا مگر کثر غزلیں لوگوں کی زبانوں پر چڑھی ہوئی ہیں جن کا انتخاب ہدیۃ الوالالباب کیا جاتا ہے آپکی تاریخ وفات ۲۸ محرم ۱۳۱۳ھ ہے۔

سیر ہوتی تہ و بالا جو زمانہ ہوتا	آپ نے سر سے نا زکو اٹھانے نہ دیا
جبہ سائی کا دیا حکم نہ اپنے در پر	میرے تقدیر کے لکھے کو مٹانے نہ دیا

عجب محفل ہے یہ دنیا جہاں ہر ایک بیدل ہے	مگر طرفہ یہ ہے پھر دیکھئے ہر ایک مائل ہے
وہاں اغیار خوش ہیں سنکے میرے قتل کا چرچا	یہاں مجکو ملال زحمت بازوئے قاتل ہے
کل بازی کو بیم کس۔ لئے تم چھینک دیتے ہو	مگر سمجھے ہوئے ہو عاشق ناشاد کا دل ہے
گئی شام جوانی سو چکے اب صبح پیری ہے	ادب اٹھو بہت کم وقت ہے اور دور منزل ہے
آتی نہیں اب موت بھی یہ طرفہ بلا ہے	مشتاق شہادت سے وہ قاتل جو خفا ہے

ادب (ادب) نواب فیاض الملک بہادر۔ مہتمم میر خانۂ نظام حیدرآباد دکن۔ زیادہ حال معلوم نہیں۔ موزوں طبع شاعر ہیں۔ انکے کلام میں کوئی خاص بات قابل ذکر نہیں۔ چند دستیاب شدہ اشعار درج ذیل ہیں ؎

ایک تو رخسار گلگوں دوسرے گلگوں کا دور۔	اس سے دو آتشہ سے نشہ بالا ہو گیا
آتی ہے نظر گلشن جاناں کی فضا اور	اس باغ میں شاید کوئی گل تازہ کھلا اور
مسی کی دھڑی اس پہ غضب یاں کا لکھا	دل خون کئے دیتا ہے پھر رنگ حنا اور
بوسہ کی طلب پر تو قیامت ہوئی برپا	کیسا غضب آتا جو کوئی ہوتی خطا اور

ادہم (ادہم) شیخ الاسلام اوہم خلف حافظ بڈھا۔ مستوطن قصبہ تھانہ۔ قدرت اللہ شوق۔ اپنے تذکرہ

میں انکے علم وفضل اور مہارت انشاء و دستگاہ نظم ونثر کی بڑی تعریف لکھتے ہیں۔ الغرض مرد قابل و ہنرور خوش مذاق اور بڑے خوش فکر تھے۔ فن سخن میں اپنے والد سے فیض پایا تھا فضل وکمال کے علاوہ تیراندازی۔ بانک۔ پٹہ وغیرہ میں بھی اچھی مشق حاصل تھی۔ زبان اگرچہ قدیم ہے اور اکثر الفاظ اُسمیں سے متروک ہو گئے ہیں مگر معاملہ بندی اور صفائی بیان قابل داد ہے ؎

نکلی نہ کسی بات میں ہاں تیرے دہن سے
ہے یا دیہ کافر تجھے اک لفظ نہیں کا

آتے ہیں غم و درد و اَدب سے مرے دل میں
ڈرتے ہیں مکاں ہے یہ کسی عمدہ مکیں کا

نازاں ہے جرس ہرزہ درائی پہ تو اپنے
دنگ ہو جو سنے نالہ تو دلہائے حزیں کا

ممکن نہیں کہ دست جنوں ترک خو کریں
اس جیب ہی سے گذرے کہ نا شکنے فو کریں

برہم کریں طلسم یہ اسلام و کفر کا
زاہد جو شوق دل سے ہم اک بار ہُو کریں

خالی ہیں دشت و کوہ دیوانوں سے اد ہم
چل اب فراغ دل سے وہاں ہا و ہُو کریں

کون ہے وہ کہ تمہیں جس سے مدارا ہی نہیں
ہاں مگر ہم ہیں کہ کچھ فکر ہمارا ہی نہیں

چشم کو یار کی مستی میں یہ ہشیاری ہے
بھولے بھٹکے بھی ادھر اس کو اشارہ ہی نہیں

غنچہ ساں سو ہیں زباں مُنہ میں ولے بہر سوال
کھولنا لب کا کسی ڈھب سے گوارا ہی نہیں

جو کہ چاہا سو کہا تو نے جو چاہا ہو سو کہو +
دم کبھی سامنے تیرے سامنے مارا ہی نہیں

تشنہ لب ہی رہے بھر عمر پہ غیرت سے صدف
سوئے نیساں کبھی مُنہ ہمنے پسارا ہی نہیں

منزل خوبیٔ باطن تو پرے ہے اد ہم
ظاہر اپنے کو تو ناداں تئیں سنوارا ہی نہیں

اکیلا کیا مناسب ہے کسیکے گھر میاں جاؤ
(بھی تو نے)
یہ جاں حاضر ہے لو ہمراہ پھر جہاں جاؤ

بہم پہنچا نہ دنیا میں کوئی فریاد رس اپنا
بھلا اک عرش کی بھی سن لے آہ و فغاں جاؤ

کسے ہے تاب و طاقت رنجش بیجا اُٹھانیکی
ادا و ناز اپنا نہ کروا ے دلستاں جاؤ

حلاوت اُس جہاں کی تجھکو گر درکار ہے اد ہم
تو دنیا سے بہ تلخی آبچشم خونفشاں جاؤ

عارض کو اپنے دست نگہ سے بھی تو بچا
بے آب دم میں ہو گہر انگشت کے تلے

ادیب

(ادیب) منشی سید تفضل حسین نام اور حضرت اسیر مرحوم کے شاگردوں میں ہیں۔ کلام میں شوخی ہے مذاق اچھا ہے۔ زیادہ حال معلوم نہیں ہوا ؎

دمِ رُکا آنکھوں میں رندوں کا جو نشہ اُترا — بادۂ عمر چھلکنے لگا پیمانوں میں ؎
قید مذہب ہے نہ پابندیٔ ارکانِ نماز — غم غلط ہوتا ہے کس لطف سے میخانوں میں
دیا دل تو کیا ضد سے تقاضا اُس نے — جب کہا سینے کہ لے لو تو کہا رہنے دے
عشق ذلت و خواری ہے دلا دست سوال — ہاتھ پھیلانے سے کب رہتی ہے عزت باقی
اس کو بھی کیجئے پامال چلے آپ کہاں — ابھی کچھ کچھ ہے نشانِ سرِ تربت باقی

ادیب

(ادیب) مولوی رستم علیخاں فرخ آبادی ۱۲۵۳ھ میں پیدا ہوئے۔ اِنکے بزرگوں نے (لختِ جگر) تاریخ ولادت نکالی چھوٹی سی عمر میں اپنی خداداد ذہانت سے فارسی زبان میں خاصی دستگاہ پیدا کرلی۔ پھر تکمیل علم کی غرض سے لکھنؤ جاکر مولوی مکرم خاں سے عربی پڑھی۔ تعلیم ختم کرنے کے بعد شعر و سخن کا شوق ہوا۔ اساتذہ لکھنؤ کے مقلد اور پُرگو شاعر ہیں۔ رعایت لفظی کا رشتہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتے طبیعت تشبیہ پسند واقع ہوئی ہے۔ اسوقت اپنے شہر فرخ آباد میں ایک قابل اور کہنہ مشق شاعر تصور کئے جاتے ہیں۔ اور اکثر مقامی شعرا اُن سے فیض اُٹھاتے ہیں۔ کاہے گاہے فارسی میں بھی فکر سخن کرتے ہیں۔ ۱۳۰۹ھ میں اپنا دیوان بھی شایع کرچکے ہیں۔ اب اُنکے کلام کا انتخاب ذیل میں درج کیا جاتا ہے ملاحظہ ہو ؎

زاہد و پھر نہ یہ سُبحہ نہ مصلے ہوگا — سب کو بھولو گے اگر دھیاں اِدھر کا ہوگا
جب کہا ہجر میں ضبطِ دلِ شیدا ہوگا — بولے جھنجلا کے وہ جھوٹے کا کلیجا ہوگا
زندگانی کے مزے خضر بھلا کیا جانیں — زیست کا لطف اُنہیں ہے جنہیں مرنا ہوگا
دل میں ہے یا دِ بتاں نام خدا ہے لب پر — واعظو یہ کہیں قرآں میں آیا ہوگا
تمام ہوگئی جل کر کھڑی کھڑی سرِ بزم — زبانِ شمع سے کچھ سوزِ دل بیاں ہوا

صیاد نے کرم میں بھی شامل ستم کیا — بلبل کو پُر کتر کے قفس سے رہا کیا

چار آنکھیں جس سے ہوگئیں مخمور ہو گیا
ساقی کی چشمِ مست میں عالم ہے نور کا

دیکھ کر جب سے اُسے آیا ہے
اِک تماشہ ہے تماشائی کا

حرفِ رخصت کا تو سنتے ہی ہوا دل بیتاب
چین جانے سے تمہارے مجھے کیونکر ہوگا

کورِ باطن کو نظر کیا پڑے جلوہ اُن کا
دیکھتا ہے اُنہیں ہر شے میں شناسا اُن کا

کیا کہوں دنیا میں آکر کیا کیا
کھیل قدرت کے ترے دیکھا کیا

ہم کو بھی اُسنے بنایا خاک سے
جس نے تم کو نور کا پتلا کیا

آئینے کو ہے دیکھ کر حیرت
دی ہے خالق نے تو صورت کیا

دل کسی طرح بھی نہیں بھرتا
تیرے غم کھانے میں ہے لذت کیا

حج اکبر ہے دل کا خوش کرنا
کعبہ جانے کی ہے ضرورت کیا

اُس بتِ کافر نے لیکر دل کیا پامال حیف
خوب ہی کی خانۂ کعبہ کی حرمت دیکھنا

ہم پہ زیادوں کے عاشق حوروں پر رہتے ہیں آپ
شیخ صاحب ہمکو کرتے ہیں نصیحت دیکھنا

رحم کرتے تو ہزاروں ہی دعائیں ملتیں
ہم غریبوں کے ستانے سے بھلا کیا پایا

کیا ہو بہار جو مئے گلگوں سے سرخ ہو
ریشِ سفید زاہدِ شب زندہ دار آج

اُس کے سرِ عشق کا سہرا ہے جو سر کو پھوڑ کے
سُن رہے ہیں یہ صدا تیشۂ فرہاد سے ہم

کب شب تڑپ تڑپ کے سحر ہونے کی نہیں
کس روز رات آنکھوں میں اپنے کٹی نہیں

زاہد ہے مردہ دل مئے جاں بخش پی نہیں
کچھ لطفِ زیست کیفیتِ زندگی نہیں

یارب ترے سوا کوئی گلزارِ دہر میں
پرسانِ حال بلبلِ بے بال و پر نہیں

سیر ہوتے نہیں ہیں پھر بھی ہم
غم زمانے کا گو کہ کھاتے ہیں

نہیں معلوم کب یہ اجل آجائے
چاہئے موت کا ہر دم رہے کھٹکا دل میں

اُس ستمگر کے ستم کرنے سے دل شاد نہیں
اے ادیب اُس کو ذرا لذت بیداد نہیں

اُس کا اے دل جو تصور ہے تو سب کچھ ہے ہم
وہ اگر یاد نہیں تجھ کو تو کچھ یاد نہیں

ہم نے تو کسیکے وہ کرم میں بھی نہ پایا
جو لطف ملا ہم کو ترے جور و جفا میں

اُن کو کہتا ہے ہر اک زندۂ جاوید یہی
پہلے مر جانے سے جو لوگ کہ مر جاتے ہیں

مجھ تشنہ کام کا ہو دہن خشک نہ کہیں
مل جائے آبِ خضر بجائے اگر کہیں

عجب کیا ہے جو کر دے کاہ وہ کوہِ مصیبت کو
جو اپنے حکم سے رائی بنا دیتا ہے پربت کو

وہ آئے بھی تو وقتِ نزع گھر میری عیادت کو
ملا کب شربتِ دیدار یارِ محبت کو

یہ وہ شے ہے کلام اللہ میں آیا ہے ذکر اسکا
بھلا کیا آپ جانیں شیخ صاحب مے کی حرمت کو

کیا تیغ و غم و رنج سے مجھ مست کو ڈر ہو
جب ہاتھ میں جامِ مئے گلگوں کی سپر ہو

رہائی میں کیا قیدِ قفس سے بھی ستم بڑھ کر
کیا بُرکاٹ کر صیاد نے آزاد بلبل کو

بند آب و دانہ قید میں صیاد نے کیا
کیا دشمنی ہے بلبلِ بے بال و پر کے ساتھ

بولیں جو مجھ سے آپ تو جی جاؤں میں ابھی
ہے زندگی مری لبِ جانبخش کے ساتھ

نہیں اسکے برابر نعمتوں میں کوئی نعمت ہے
کوئی دل سے مرے پوچھے جو غم کھانے میں لذت ہے

میں کیا کہوں کہاں تری تیر نظر گئی
سینے کو توڑ کر مرے دل میں اُتر گئی

دل نعمتوں سے سارے زمانہ کے بھر گیا
غم کھانے میں ملا ہے کچھ ایسا مزا مجھے

غیب سے گھر بیٹھے پہنچتا ہے لا رزق اسکو رزق
آسیا آسا نہیں پھرنا جو دانے کے لئے

پیشِ قاتل ہے سرِ تسلیمِ خم
جان لے یا بخش دے مختار ہے

نقابِ روئے روشن وہ اُٹھا دیتے ہیں جب ایسے
جلاتا شمع کا محفل میں جب منظور ہوتا ہے

کیا حال پوچھتے ہو زمانہ کا اے ادیب
الفت عزیز میں ہے نہ مہر آشنا میں ہے

تھا پہلے اجتناب مگر اب یہ شوق ہے
زاہد جو کھولتا ہے تو روزہ شراب سے

در بدر پھرائے دل جل کے کر تو ناصیہ سائی
یہی تدبیر ہے تقدیر کا لکھا مٹانے کی

ادیب (ادیب) مولوی سیف الحق مرحوم ادیب دہلوی ابن مولوی محمد احسان الحق مغفور خلف الصدق مفتی محمد اکرام الدین خاں بہادر صدر امین (سب جج) دہلی۔ شاہ عبدالحق محدث کی اولاد اہل اسلام کے

ایک نامی گرامی خاندان کے چشم وچراغ تھے دوسو برس سے زیادہ گزرے شیخ الاجل شاہ عبدالحق نے علم وعمل، رشد وارشاد کے شوق میں وطن قدیم بخارا کو خیرباد کہکر دہلی میں طرح اقامت ڈالی۔ اور علم حدیث کی اشاعت سے اپنے مذہب اور قوم کو مستفید کیا۔ شاہ صاحب کا مزار سرزمین مہرولی معروف بہ قطب صاحب میں کنار حوض شمسی واقع ہے +

مشہور ہے کہ عموماً اس خاندان کے بچے جاہل نہیں ہوتے چنانچہ محدث علیہ الرحمۃ کے ڈھائی سو برس بعد سیف الحق ۱۸۴۶ء میں بمقام دہلی محلہ مفتی صاحب پیدا ہوئے۔ خاندانی تربیت تو تھی ہی مگر باعث صد حیرت اور استعجاب یہ امر ہے کہ مکتب اور سرکاری مدرسہ میں صرف معمولی عربی فارسی اور برائے نام انگریزی تعلیم پانے کے جسکی معراج مڈل کے درجے تک تھی ادیب کی اپنی ذاتی اور جوہر ناطبیعت نے وہ قابلیت واستعداد فراہم کرلی کہ اچھے اچھوں کی ٹکر جھیلنے لگے اور لڑکپن ہی میں قابل اشتغال لیاقت حاصل کرلی۔ شعروسخن کا شوق بچپن سے رفیق تھا۔ خود بھی شکیل وخوشرو تھے اور حسن پرستی کا مادہ ازل سے انکے خمیر میں ودیعت ہوا تھا۔ شروع میں مرزا یوسف علیخاں عزیز شاگرد مرزا غالب سے تلمذ اختیار کیا اور کئی برس تک انکی روش پر کہتے رہے۔ ایک دفعہ کسی مشاعرے میں غزل پڑھی جسکا مطلع یہ ہے ؎

لیجاؤ میرے سینے سے ناوک نکال کے	پر دل نکل نہ آئے کہیں دیکھ بھال کے

سُنا ہے کہ مرزا غالب بھی موجود تھے۔ پاس بُلا کر پیار کیا اور فرمایا کہ "میاں سیفو ہمارے پاس آیا کرو آج سے ہم تمہیں بتائیں گے" مرزا غالب کی توجہ سے اور ہی رنگ پیدا ہوگیا۔ جب روزگار کی ضرورت پڑی تو کچھ دن عدالت منصفی میں نائب ناظر رہے لیکن انشا پردازی کی خداداد قابلیت نے سرکاری ملازمت کی قیود کا پابند رہنا گوارا نہ کیا۔ اسلئے اخباری دنیا میں قدم رکھا۔ میوگزٹ نامی ایک پرچہ نکالا جو کچھ دنوں بڑی دھوم سے چلا اسمیں اکثر اعلیٰ درجہ کے شاعرانہ مضامین اور غزلیات شائع کرتے رہے۔ پھر جب یہ پرچہ بند ہوگیا تو مختلف اخباروں کو اپنے مضامین نظم ونثر سے معقول امداد دیتے رہے۔ اسی اثنا میں انجمن فصور کے سکریٹری ہوکر وہاں چلے گئے اور انجمن مذکور کا رسالہ بڑی کامیابی

سے چلاتے رہے۔ جب وہاں سے جی اوچاٹ ہوا تو لاہور آکر کچھ دن سررشتۂ تعلیم میں ملازم رہے پھر کچھ عرصہ کوہ نور کے اڈیٹر رہے۔ اکثر اخبارات میں علمی مباحثوں میں حصہ لیکر اُس زمانہ کے نامی فاضلوں۔ شعرا اور لیڈروں سے اُلجھ پڑے۔ نازک مزاجی حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ رفیق ہند کے بعض مضامین سے ناراض ہوکر اُسکے جواب میں شفیق ہند نامی پرچہ لاہور سے جاری کیا جسکے ساتھ نسیم صبح۔ شام وصال کے نام سے دو ضمیمے بھی نکلتے تھے۔ ان پرچوں کا ایک ایک فقرہ شوخی سے بھرا ہوا اور مذاق میں ڈوبا ہوا تھا۔ الغرض پنجاب میں آپنے اچھی شہرت حاصل کرلی اور نامور لیڈر آپکی قابلیت کا لوہا مان گئے آپ کی طبیعت میں غضب کا استحضار تھا وقت پر سوجھتی تھی اور خوب سوجھتی تھی۔ غالب کے تلمذ نے آپکے کلام میں ایک عجیب شان پیدا کردی وہ یہ کہ مومن اور غالب کے رنگ کلام کو سمجھ کر جدت پسندی سے ایک ایسا دلچسپ اور پسندیدہ رنگ اختیار کیا جسمیں فصاحت و بلاغت شوکت لفظی مناسبت شعری اور نازک خیالی سب اپنی اپنی جگہ جداگانہ شان دکھاتی تھیں۔ اُردو فارسی دونو زبانوں کا کلام نہایت آبدار و بلند پایہ ہے مگر انکی فطرتی استغنا سے بہت سا حصہ تلف ہوگیا۔ اور جو کچھ بچ رہا وہ بھی نایاب ہے اور چھپنے کی توقع نہیں بڑی مشکل سے تھوڑا سا کلام ہمارے ہاتھ لگا ہے نثر کا بھی کافی ذخیرہ آپ سے یادگار رہے۔ تاریخ گوئی میں اپنا نظیر ہی نہ رکھتے تھے۔ بات بات میں بلا تاریخ نکالتے تھے اکثر تاریخی فقرے بولتے تھے۔ ہزاروں قطعات۔ بیسیوں عرضیاں۔ اور خطوط تاریخی جسکے ہر دل آویز فقرہ سے سن و سال نکلتا تھا لکھ ڈالیں چنانچہ حضور نظام خلد اللہ ملکہ کے ولی عہد کی پیدائش پر ان کے تاریخی نام اور قصیدے قطعے اس کثرت اور عمدگی سے لکھے کہ دھوم مچ گئی۔ عجیب ترین قصہ انکی برجستہ تاریخ گوئی کا یہ ہے کہ ۱۳۰۲ھ میں انکے بھائی مولوی محمد انوار الحق میر منشی راجستان نے اپنی بیٹی کی شادی کی وقت وداع سامان جہیز کی فہرست لکھنے کی خدمت انکے سپرد ہوئی چنانچہ فہرست جو بڑی لمبی تھی مع عنوان تبیید نام جنس تمام بکمال تاریخی ہے ہر شے کے ساتھ ایسے موزوں اور مناسب الفاظ ملائے ہیں کہ ہر جملہ میں تاریخ موجود ہے۔ فصیح البیانی کے ساتھ ساتھ

صحت لفظی کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے طبیعت میں تحقیقات کا مرض اُسپر اپنی مادری ٹکسالی اُردو میں اختراعوں کا شوق جسکی مناسبت اور دلفریبی زبان اور قلم سے نکلتے ہی قبولیت عامہ کا مرتبہ حاصل کرلیتی تھی - مختلف جلسوں اور قومی کانفرنسوں میں وقتاً فوقتاً کچھ بھی دیا کرتے تھے جنکی وجہ سے چھوٹی سی عمر میں اپنی لیاقت اور ذکاوت سے ہندوستان میں اچھا نام پیدا کرلیا تھا - آخر اسی شہرت کی بدولت سرکار آصفیہ حیدرآباد دکن میں بشاہرہ چارسو پچاس روپیہ گورنمنٹ رپورٹر کے معزز عہدہ پر ممتاز ہوئے - دکن میں ، وہی برس کی ملازمت میں ایسا رسوخ پیدا کرلیا کہ صدہا کے رشک وحسد کا باعث تھا - حضرت داغ مرحوم جب پہلی مرتبہ دکن تشریف لے گئے تو آپ ہی کے مکان پر عرصہ تک فروکش رہے - پھر جب دہلی واپس چلے آئے تو دوبارہ آپ ہی کی تحریک سے عازم دکن ہوئے تھے - اور اُنکے تقرر میں بھی بہت کچھ آپ کی مساعی جمیلہ کا دخل تھا - نوک جھوک کی عادت ایسی تھی کہ کسی سے چوکتے نہ تھے - امیر - ارشد دہلوی - مرزا داغ - راسخ مولانا شوکت - احسن سے مزیدار چوٹیں ہوتی رہتی تھیں - ایک دفعہ کا ذکر ہے مولوی عبدالرحمن راسخ ساکن بنت نے غالب کی طرز میں غزل لکھی جسکے مقطع میں غالب مرحوم پر پھبتی آگئے ؎

کہیں چھپ چھپ کے مے پیتے ہیں شیخ	ترے اشعار بھی غالب کی ٹکر ہوتے جاتے ہیں

پھر کیا تھا ادیب نے میاں ملنگ سبزی فروش سے اُسی زمین میں غزل پڑھوائی جس کا ایک شعر یہ ہے ؎

عجب جھم جھم کا مضمون ہے کہ ہیں لیس اپنے دعوی میں	بنت والے بھی اب غالب کی ٹکر ہوتے جاتے ہیں

مختصر یہ کہ ادیب مرحوم خوبرو - خوش وضع - رنگیں طبع - نازک خیال خوش تقریر - خوش تحریر آدمی تھے - خوشنویسی میں بھی اچھا ملکہ تھا - مزاج میں لاپروائی حد سے بڑھی ہوئی تھی - چنانچہ آپکے دریائے معیشت میں اکثر جزر ومد کا عالم رہتا تھا بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ کو دق کا مرض جسمیں انکا انتقال ہوا زیادتی فکر سخن کی بدولت ہوا تھا مگر حقیقت یہ ہے کہ شراب کی زیادتی اس مرض مہلک کا باعث ہوئی - آخر کار یہ علوم ایشیائی کا نیر درست ادیب دماہر جو فن عروض میں بھی یدطولے رکھتا تھا ۴۵ برس

کی عمر میں جوان ۱۸۹۱ء میں بمقام دہلی فوت ہو گیا اور قطب صاحب میں اپنے مورث اعلیٰ کے مزار کے قرب میں دفن ہوا۔ دم نکلتے نکلتے بھی ہوش و حواس درست تھے نویں محرم کو انتقال سے چند گھنٹہ پیشتر جبوقت تعزیہ گشت کناں ترابہ بیرم خاں میں آپکے مکان کے متصل پہونچے تو ماتمی تاشہ کی آواز سے چونک کر آپ نے ایک عزیز کو اپنے پاس بلایا اور یہ رباعی لکھوا کر فرمایا کہ اسے تعزیے سے لٹکا آؤ۔ وہ رباعی جسے اس طولیٰ شکرستان سخن کی آخری نغمہ سنجی کہنا ناموزوں نہیں ہے +

بیمار ہوں ناتواں ہوں زار ہوں میں	رباعی	وقفِ غم و درد و رنج و آزار ہوں میں	
اے سبط رسول راکب دوشِ نبی		کچھ عقدہ کشائی کیجئے ناچار ہوں میں	

آپ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے مولوی انعام الحق بی اے ہونہار اور لائق نوجوان ہیں اور فی الحال فارس میں کانسل برطانیہ کے دفتر میں ایک معزز عہدے پر ممتاز ہیں۔ انتخاب کا کلام حاضر کیا جاتا ہے ؎

یوں ہوا حال ستم سے ترے سودائی کا	آپ ہی خوش ہے گویا تجھے رسوائی کا
ساتھ واں بھی نہ تری یاد ستم نے چھوڑا	قبر سمجھے تھے ہم اک زاویہ تنہائی کا
شامِ وعدہ ہی سے توفیقِ وفا عرش کی	منہ دکھایا نہ خدا نے شبِ تنہائی کا
سوئے آئینہ ہے منظور تری ایک نظر	اور ہی دیکھنا دعوے تری یکتائی کا
جادہ ملنے کی تمنا ہے اگر ملجائے	ورنہ اک شغل سہی بادیہ پیمائی کا
چشم آئینہ سے بچنا کہ نہ مجھے بنجائے	آج کل شوق تو ہے تم کو خود آرائی کا
موت آتی نہیں مجھ تک کہ جفا سے چھوٹوں	کاش ہو نام قضا تیری مسیحائی کا
شکوۂ ظلم ادیب اُن سے نکرنا کوئی	مجکو شرمندہ کریں گی مری دانائی کا
خود فراموشِ تمنا ہوں ولی پیدا ہے	رنگ دیوانگیٔ شوق میں ہشیاری کا
اُس کو اس درجہ ہے اندازِ جفا پر ناز	جیسے رنا نہیں مجکو وفاداری کا
یاں شکایت ہی تو ہے اپنے ہی دل کی ظالم	تجھسے کچھ شکوہ نہیں ہے تری غمخواری کا

باز آتا نہیں الفت سے کسی طرح ادیب
شوق ہے آپ اُسے اپنی گرفتاری کا

تقدیر کارِ کلکِ ماری صورت سے ہے عیاں
کیوں غیب نام ہے سخنِ آشکار کا

اے کاش وہ بھی ہو کوئی دم غیر سے جدا
احوال تا کھلے مرے صبر و قرار کا

کب فکرِ ظلم تازہ سے آسودہ وہ ہوا
کہنا اُسے خطا ہے تغافل شعار کا

موت آگئی مجھے شبِ فراق ہی
دشمن نے آج کام کیا دوستدار کا

یاں رستخیز کیا ہو سبب اضطرار کا
ہنگامہ دیکھے بیٹھے ہیں رفتارِ یار کا

ہو جان پر جو ایک مصیبت تو دیئے
دل بھی ملا یہاں تو ترے اختیار کا

راہِ وفا پہ گر نہیں آتے ہیں وہ نہ آئیں
دل ہی کہیں ہو کاش مرے اختیار کا

تا صبح ہر نفس رہا خوانِ مرگ میں
کیا پوچھتے ہو حال شبِ انتظار کا

کر چشم و دل کی خیر خدا سے طلب ادیب
لپکا بُرا پڑا ہے تجھے انتظار کا

لذتِ جور نے دی رشک سے مجھ کو تسکین
غیر بھی جرعہ کش حسرتِ بیداد ہوا

کیسا کٹا ہے غیر جو دو چار ہو گیا
میرا دم اُس کو خنجرِ خونخوار ہو گیا

ممنوں کیا نہ ضعف نے اُنکا نہ زار شکر
جب آنکھ بند ہو گئی دیدار ہو گیا

ایسے آتے پتے دیئے صورتِ یار کی
مجھ سا ہی نامہ بر کو بھی آزار ہو گیا

ہے اک کریدنی سی اُسی کی لگی ہوئی
اپنے لئے میں خود مژۂ یار ہو گیا

جاں نے بھی الوداع کہا دل کے ساتھ ہی
میں رہ سپارِ منزلِ ادبار ہو گیا

بوسوں کی نیل سے ہے عیاں رنگِ وصلِ غیر
سوسن تمہارا لالۂ رخسار ہو گیا

رکھے عدو نے پھول سرِ تربتِ ادیب
کیا شمع زیست کر کے وہ گل خار ہو گیا

جس کو مارا وہ اُف نہیں کرتا
ہاتھ - ہلکا ہے میرے قاتل کا

آئے تھے جب تو لائے تھے کیا ساتھواں سے ہم
حرماں و یاس لے کے چلے ہیں یہاں سے ہم

پوشیدگی ہے غیر سے مدِ نظر ہمیں
آگاہ کیوں کریں تمہیں رازِ نہاں سے ہم

دل میں ہے عزم ترکِ وفائے جفا صلہ
کچھ آج اپنے حال پہ ہیں مہرباں سے ہم

کب تک عتاب ایک کرم کی نگاہ بھی ✤
تنگ آ گئے ہیں اب ستم آسماں سے ہم

خالی خیالِ یار سے دل ایک دم نہیں
رہتے ہیں اپنے گھر میں بھی اک میہماں سے ہم

سب کچھ ادیبؔ عشق نے جی سے بھلا دیا
جانا کہاں ہے اور تھے آئے کہاں سے ہم

کیوں حسیں ہجر میں جب موت کو سنتے ہیں وصال
کہنا اے حضرتِ عیسےٰ نہ کہیں تم مجھ کو

حسرتِ دیدۂ ترخوں کے سے گھونٹ پیئے
اک ستم تھا وہ ترا ضبطِ تبسم مجھ کو

خود پسندی نے مجھے اور انہیں ایک کیا
کیوں مری طرح سے آتے ہو نظر تم مجھ کو

موجِ دریا کی حقیقت بھی کھلی ہارے ادیبؔ
جوشِ گریہ نے دکھایا جو تلاطم مجھ کو

بحرِ موّاج میں قطرے کا تماشہ دیکھو
ناخدا جھوم رہا ہے سرِ قلزم مجھ کو

دولتِ اشک نظر آتا ہے قسمت مجھ کو
جستجو خاک کی ہے بہرِ تیمم مجھ کو

نگہِ ناز سے جب دیکھتے ہو تم مجھ کو
ستمِ نازہ کا ہوتا ہے توہم مجھ کو

خوگرِ جور ہوں الطاف و محبت معلوم
میں نہیں غیر کہ ہو لطف ترحّم مجھ کو

دل میں خاموشی کو اک قصرِ تعلق جانا
نہ بنی آئی کوئی جب حرزِ تکلم مجھ کو

ہے مری طرح سے الطاف کی اُس پر بھی نظر
حال پر غیر کے آتا ہے ترحم مجھ کو

دل میں برداشت نہیں رشکِ عدو کی اب تو
آپ کا لطف گوارا نہ ترحّم مجھ کو

دیکھیے کیونکہ کھلے عقدۂ مالا ینحل ✤
ذوقِ خاموشی انہیں شوقِ تکلم مجھ کو

آبرو رکھ لے خدا حضرتِ عیسیٰ کی کہیں
آج لاشہ پہ کہیں گے وہ مرے دم مجھ کو

کام بگڑے نظر آتے ہیں جبھی تک کہ خدا
گوشِ دل دے اُسے یارائے تکلم مجھ کو

کس کس غم و الم کا نہ میں میزباں ہوا
تم رات کو جو غیر کے گھر میہماں رہے

عمرِ ابد سے کم نہیں معبود ہے ہجر کا
اب ہم اجل سے منفعل جاوداں رہے

غیر تک پوچھتے ہیں ہو گئی حالت کیسی
ڈال دی آپ نے ہم پر یہ مصیبت کیسی

روز رہتی ہے یہ پامالیٔ تربت کیسی
خاک میں مل گئے جب ہم تو کدورت کیسی

کہہ دیا اُس نے کہ اب یہ بھی نہ دیکھو گے کبھی
جب کہا میں نے کہ منہ دیکھنے کی الفت کیسی

ایک تو ذکرِ عدو اُس پہ بگڑنا کہ سنو
ٹوٹتی ہے یہ قیامت پہ قیامت کیسی

غیر سے ہاتھ چھڑا ہی کو بھی جدا ہو تو کہوں
کہ گزرتی ہے کسی کی شبِ فرقت کیسی

منہ چھپا لیتا ہے عصیاں سے کفن میں اپنا
مر کے بھی ہوتی ہے انساں کو ندامت کیسی

آج دو ٹوک کئے لیتے ہیں اُن سے ناچار
بن گئی اپنے ہی دم پر تو مروّت کیسی

یہ تو احسان ہے کچھ زور نہیں ظلم نہیں
بوسہ دینا نہیں منظور تو حجّت کیسی

مجھ سا صوفی منش اور شائقِ جام
مے میں کیا جانے ہے لذت کیسی

جان جائیں گے یہ سب آپ مرے بعد ادیبؔ
علم کیا چیز ہے ہوتی ہے لیاقت کیسی

قیامت بھی مشتاق ٹھیری ہوئی ہے
وہ کب دیکھئے خونخواری کریں گے

مبارک ہو ملتے ہو گر دشمنوں سے
تمہاری یہی نیک نامی کریں گے

یہ عشقِ عدو ہے تو وہ بن کے یوسف
زلیخا کی قائم مقامی کریں گے

نزاکت لبِ یار کی کہہ رہی ہے
کسی سے نہ ہم ہم کلامی کریں گے

اگر آبِ خنجر نے بھی خشک ٹالا
تجھے لے کے کیا تشنہ کامی کریں گے

پشیماں ہوں یوسف اگلیں کہہ کے ناحق
وہ کہتے ہیں کیا ہم غلامی کریں گے

رہا گر یہی بت پرستی کا عالم
تخلص ادیبؔ اپنا رامی کریں گے

گویا مرا قصور تھا ایسا قبول ہوا
جب شکوۂ جفا پہ وہ بولی خطا ہوئی

اب کیا عوض میں بوسے کے لوگے کسی کی جان
بندہ نواز کہہ تو خجالت میں خطا ہوئی

جھگڑے شبِ وصال وہ باہم مچ پڑے
لیٹے رہے الگ وہ اُدھر ہم اِدھر پڑے

خط دے کے میرا اُن کو الجھیو نہ نامہ بر
ایسا نہ ہو کہ تیری بلا تیرے سر پڑے

لیجاؤ میرے سینے سے خنجر نکال کے
پر دل سے نکل نہ آئے کہیں دیکھ بھال کے

انتخاب از مثنوی سحاب رحمت

تھے طمانچوں سے کو کے چہرے لال
آندھیوں سے جدا تھا پتلا حال

تھا نہ گرمی کا کوئی اندازہ
سردی کا کھینچتے تھے خیمازہ

دل کے دل بادلوں کے آنے لگے
صبر ہاتھوں سے دل کے جانے لگے

پڑ گئی جان کاشتکاروں میں
آ گئے ہوش بادہ خواروں میں

گھر کے آتے ہی دل کے دل بادل
سارے جنگل میں ہو گیا منگل

سب کے جی سے اتر گئے دریا
حوض شمسی کا اوج موج پر آیا

ادیب **(ادیب)** منشی محمد کرم احمد خاں ولد محمد یار ساکن قصبہ نارہ ضلع الہ آباد۔ انکے والد عرصہ تک محکمہ پولیس اودھ میں سب انسپکٹر رہے۔ ادیب خود نوجوان ہیں طبیعت موزوں پائی ہے شعر خاصہ کہہ لیتے ہیں۔ اور اسمیں منشی محمد نوح نوح شاگرد حضرت داغ دہلوی سے اصلاح لیتے ہیں۔ بیس بتیس برس کی عمر ہے ؎

تیرِ نگہ ناز ہے کیا تیر قضا کا
مارا اُسے جس کو بے جرم نے تاکا

لڑتی ہے ہوا ہی سے غضب ہے یہ خدا کا
کس بل کوئی دیکھے تو ذرا زلف رسا کا

مسجد میں نکر ہو جو تاں بیٹھ کے زاہد
کمبخت ذرا ڈر تو کہ گھر ہے یہ خدا کا

تاثیر سے لے گی فلک پیر یہ کس طرح
ملتا نہیں ہے حرف جب آپس میں آہ کا

(ارشاد) شیخ ارشاد نبی نام ہے اور ابوالمناکر کنیت۔ قوم کے شیخ قریشی شہر میرٹھ کے قدیم باشندے ہیں مگر چونکہ انکے والد بزرگوار خان بہادر منشی غلام نبی پنجاب میں اکسٹرا اسسٹنٹ اور جوڈیشل اسسٹنٹ کمشنری کے عہدوں پر ممتاز رہنے کے بعد بعہول پنشن ریاست بھاولپور میں فنانشل منسٹر کے عہدہ پر فائز ہوئے تھے اسوجہ سے آپ نے بھی وہیں ملازمت اختیار کی۔ چنانچہ اب کئی برس سے آپ ریاست کی جانب سے پٹیالہ میں وکیل ہیں۔ آپکے

بڑے بھائی منشی اعجاز نبی صاحب گورداسپور میں ڈسٹرکٹ جج بھی رہے تھے۔ شیخ صاحب ایک زندہ دل۔ ظریف الطبع۔ موسیقی پسند نوجوان ہیں۔ فن شعر میں مجدد الوقت مولانا شوکت سے ارادت رکھتے ہیں۔ آپ ہی کی تحریک سے مولانا ممدوح نے دیوان غالب کی شرح لکھی ہے۔ آپ کی تصنیف سے دو ناول حامد و دل حامد و دل بہار۔ اور عدل عباسی شائع ہو چکے ہیں۔ گو آپ کا کلام پرانے مذاق کا ہے مگر اس میں اخلاقی مضامین کی بھی جھلک پائی جاتی ہے۔ ہنگام ترتیب تذکرہ جو کلام آپ نے ارسال فرمایا اسکا انتخاب ناظرین کے ملاحظہ کے لئے درج کیا جاتا ہے ؎

کون سنتا ہے چمن میں داستانِ عندلیب
گل اڑا دیتا ہے کانوں سے فغانِ عندلیب

یہ نچھوڑے باغ کنتا ہی ستائے باغبان
قید ہے ہر غنچہ و گل میں روانِ عندلیب

جو دل میں ہے ہمارے وہی ہے زباں پر
رہتے ہیں یار لوگ سدا مکر و فن سے دور

دیکھو جسے وہی ہے اسیرِ غم و الم
دارِ محن میں کون ہے رنج و محن سے دور

حاسد کے لئے ہے دوزخ اسکا سینہ
جلتی ہے جہاں آتشِ بغض و کینہ

دل صاف ہو حاسد کا؟ ہے مشکل ارشاد
کب صاف دھوئیں میں ہے رہا آئینہ

کریگا کسطرح قاصد وہاں حالت بیاں میری
نہ رکھتا ہے تو دل میرا نہ رکھتا ہے زباں میری

نہ ڈر اس سے کہ محشر میں کرینگے دعویٰ ہم تجھ پر
ترے شکوہ میں ظالم کام کب دیگی زباں میری

جہاں میں جسقدر اسباب تھے تخریبِ عاشق کے
وہ بنکر فتنۂ دوراں تری رفتار میں آئے

خدا کی یاد بھولے مسجد و کعبہ سے منہ پھیرا
بتوں سے دل لگا کر شتۂ زنار میں آئے

ہوا ارشاد ہم سے جرخ کجرفتار اب سیدھا
مری قسمت کے بل سب گیسوے دلدار میں آئے

آتی ہے ہر اک پھول سے نکہت تیری
سوسن کی زباں پر ہے مدحت تیری

بتلاتا پتہ تیرا ہے ثابت تا
غنچے کے بھی دل میں ہے محبت تیری

کیا فائدہ گر ریش بڑھائی تو نے
پیشانی پہ محراب بنائی تو نے

تسبیح و مصلے سے بھلا کیا حاصل
جب کچھ بھی نہ کی دل کی صفائی تو نے

جنوں عشق سے بہتر ہے عقل سے کیونکہ عقل راہ بتاتی ہے جنوں منزل مقصود تک پہنچا دیتا ہے

(ارشاد) محمد قاسم علی نام ہے - مہاراجہ یمین السلطنت مہاراجہ کشن پرشاد بہادر بیشکار و مدار المہام سرکار آصفیہ المتخلص بہ شاد کی شاگردی سے نامور ہیں - زیادہ حال معلوم نہیں - انکا کلام حاضر ہے ؎

غم نہیں مجکو جنازہ پہ میرے دفن تک پیش جب تک رہی حجاب نے دی		حسرت یہ تھی ساتھ اگر یار نہ تھا بھید کھلتا نہیں خدائی کا	
قلزم عشق کے مدت سے رہے ہم تیراک غیر سب بزم شہ حسن میں پہونچے لیکن		یہ وہ دریا ہے کہ بیڑا کہیں ساحل نہوا ہائے ارشاد وہی اک داخل محفل نہوا	
پہلو میں دل نہیں تو دہن میں زباں نہیں رہنے میں آبرو ہے یہی بس بہت کسے		یعنی لائق عشق میں رسم فغاں نہیں اک بوسے کے عوض تو ہمارا گراں نہیں	
پی رہے ہیں ہم لہو کے گھونٹ اور ہاں ساقیا طالب وصل کو زمانا ہے وہ نشتر قمر		ساتھ ہیں غیروں کے دور جام اٹھتے بیٹھتے ہاتھ آتے ہیں کہاں عرض کے تارے پیارے	

ارشاد

(ارشاد) چودھری سید ارشاد حسین تعلقہ دار زیدی اودھ - حضرت اسیر لکھنوی کے چھوٹے صاحبزادے سید افضل علی خاں افضل سے مشورہ سخن کرتے ہیں - تازہ تازہ شوق ہے - یہ انکا کلام ہے ؎

ایسا دلسوز مرا کوئی زمانہ میں کہاں دھیان زاہد تجھے لازم ہے صمد کا ہوم		ساتھ جلتا ہے چراغ سر مدفن کیسا محو ہے یاد صنم میں یہ برہمن کیسا	

ارشد

(ارشد) صاحب عالم مرزا عبد الغنی گورگانی دہلوی خلف مرزا علی بہادر ابن شاہزادہ دلاور شاہ خلف الرشید حضرت احمد شاہ بادشاہ - حسب کا سلسلہ یہ ہے کہ آپ نواب کاشفہ سلطان بیگم صاحبہ کے حقیقی نواسے تھے جو حضرت ابو ظفر سراج الدین بہادر شاہ کی سب سے بڑی شاہزادی تھیں - اور اسیوجہ سے موروثی ممتاز بیٹیوں میں تھیں - آپکی پیدائش قلعہ معلی دہلی میں ہوئی مگر ابھی چھ سات برس سے زیادہ عمر نہونے پائی تھی کہ بلوۂ غدر نے خاندان شاہی کو اسکے آبائی محل سے نکالکر پراگندہ و منتشر کر دیا چنانچہ مرزا ارشد ایام طفولیت میں کئی برس تک قطب صاحب میں رہے اور

وہیں درسیہ کتابیں ختم کیں - جب معاش کی فکر ہوئی تو دشتہ تعلیم پنجاب میں ملازم ہو گئے - کچھ عرصہ لاہور میں قیام رہا - مگر زیادہ حصہ ملازمت فیروز پور میں جہاں آپ فارسی کے ہیڈ مولوی تھے بسر ہوا - شاعری کی ابتدا بچپن ہی سے ہو گئی تھی - مرزا قادر بخش صاحب صابر مرحوم آپ کے رشتہ میں ماموں ہوتے تھے انہیں علاوہ زبردست استعداد عربی و فارسی علم عروض پر ایسا عبور تھا کہ اس فن میں مستند سمجھے جاتے تھے اور فن شعر میں تو اُستاد مسلم الثبوت تھے صابر مرحوم کے بڑے صاحبزادے مرزا عمر سلطان معروف بہ مرزا قیصر بخت فروغ بنارس میں شادی ہو جانے کے باعث وہاں جا رہے تھے اگرچہ مرزا صابر بھی وہاں آتے جاتے رہتے تھے مگر اُن کا زیادہ تر دہلی میں قیام رہتا تھا - مرزا سے انہیں خاص انس تھا انکی ذکاوت تیزی اور رسائی فکر کو دیکھ کر جان گئے کہ خدا نے اسے خیر معمولی دماغ دیا ہے - اور قابل تربیت مادہ پا کر انکی تربیت اور اصلاح میں بدل کوشاں و ساعی ہوئے - چنانچہ علم عروض نہایت توجہ سے پڑھایا اور شعر کہنے کا شوق دلایا - پھر کیا تھا ابتدائے فکر ہی میں ایسے شعر نکلنے لگے کہ اُستاد پھڑک گئے - اسی ہونہاری و طبیعت داری سے روز بروز شفقت اُستاد بڑھتی چلی گئی - اس زمانہ میں بھی یہ حال تھا کہ ایک ایک غزل سو سو ڈیڑھ ڈیڑھ سو شعر کہتے تھے اور ہر قافیہ کو بیس بیس طرح باندھتے تھے اور ہر شعر میں کوئی نہ کوئی نزاکت یا لطافت معنی کا پہلو ضرور ہوتا تھا - بعض اوقات اُستاد متعجب ہو کر کہتے "حذا نظر بدسے محفوظ رکھے - یہ اُستاد کا نام روشن کرے گا" ابتدائی غزل کا ایک شعر بطور تمثیل زیور طبع لکھا جاتا ہے ؎

کیا ہے قید تو لٹکا قفس کو گلشن میں	لئے پھرے گا مجھے تو کہاں کہاں صیاد

یہ طالب علمی کے زمانے کی کیفیت ہے - مدرسہ میں جس سبق کو اور لڑکے گھنٹوں رٹتے یہ چند منٹ کی توجہ میں اُسے حاصل کر لیتے اور ہمیشہ جماعت میں اعلیٰ رہتے - افسوس کہ انگریزی زبان کی طرف کبھی توجہ مبذول نہ کی ورنہ اُسے حاصل کر لینا انکے ذہن رسا کے آگے کوئی بڑی بات نہ تھی - اسی اثنا میں مرزا صابر بنارس تشریف لے گئے - وہاں جا کر صرف چند ہی روز اصلاح کا سلسلہ جاری رکھ کر مرزا صابر نے لکھ بھیجا کہ اب تم بجائے خود اُستاد ہو تمہیں اصلاح کی کوئی احتیاج

نہیں - مرزا صابر مرحوم ہمیشہ ان پر ناز فرمایا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ساری عمر کی کمائی دو شاگرد ہیں اوّل یہ اور دوسرے مرزا فروغ صاحبزادہ کلاں - مرزا صابر کی تشریف بری کے بعد تکمیل فارسی کے لئے چند سبق مولوی احسان الرحمٰن خاں صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ معروف بہ منجھلے آقا سے لئے پھر اُنہیں کی تحریک سے امراؤ مرزا انور کی خدمت میں حاضر ہوئے - مینا بازار خرید کر پڑھنے بیٹھے - کتاب مشکل تھی جیسا جی چاہتا تھا نہ پڑھ سکے تو انور مرحوم نے فرمایا کہ میں تمہارا کلام سُنکر یہ جانتا تھا کہ تمہاری استعداد اچھی ہے - اُنکا یہ کہنا طبیعت کو سخت ناگوار گزرا اور یہ کہہ کر اُستاد کل سے پڑھوں گا گھر چلے آئے - رات کو خوب غور سے مطالعہ کیا دوسرے دن پھر اُنکی خدمت میں حاضر ہوئے جب انہوں نے پڑھنا شروع کیا تو انور مرحوم متحیر ہو کر کہنے لگے "مرزا صاحب کل آپ کیا میرا امتحان لیتے تھے انہوں نے جواب دیا کہ واقعی بات یہ ہے کہ اب میں مطالعہ کر کے آیا ہوں اور کل اسیوقت بازار سے کتاب خرید کر حاضر ہو گیا تھا - الغرض تکمیل فارسی کے بعد پہلا قصیدہ عرفی کے فصیدہ پر لکھا (دہانِ علم زبانِ علم) اور خواجہ حالی کے ہمراہ نواب ضیاء الدین خان صاحب نیر رخشاں کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے سُنکر بہت داد دی چینکہ دہلی میں رہے سیف الحق ادیب - مرزا محمد حسین علی خاں شاداق خلف غالب مرحوم - مرزا انور - مرزا فروغ - مرزا داغ کے ساتھ مشاعروں میں غزلیں پڑھتے رہے اور لطف یہ کہ کسی سے دب کر نہیں رہے - دماغ ایسا صحیح اور طبیعت ایسی موزوں پائی تھی کہ جس علمی بات کی طرف توجہ کرتے اُسمیں تھوڑی بہت دسترس بہم پہونچا لیتے - ایک خصوصیت یہ تھی کہ جیسا اچھا کہتے تھے ویسا ہی پڑھتے بھی خوب تھے - خاصکر مرثیہ اور سلام پڑھنے میں تو کمال حاصل تھا اہلِ مجلس کو محو حیرت کر دیتے تھے - الفاظ کے ذریعے سے آنکھوں کے سامنے سماں باندھ دیتے تھے - فن موسیقی سے بھی باخبر تھے جلسۂ احباب میں کبھی کبھی اپنا کلام گا کر بھی سُنایا کرتے تھے - تاریخ گوئی میں بھی بہت بڑا ملکہ حاصل تھا - جملہ اصناف سخن پر قادر ہونے کے باوصف ایک کمال اور تھا کہ طبیعت ہر وقت حاضر رہتی تھی - کوئی خاص وقت فکرِ سخن کے لئے معین یا ضروری نہ تھا - جسوقت چاہتے اور جس مضموں پر لکھنا ہوتا قلم برداشتہ

تھوڑی سی دیر میں بہت کچھ لکھ ڈالتے حاضرین کو تعجب ہوتا تھا اور یہ معلوم ہوتا تھا گویا حافظہ سے لکھ رہے ہیں - اکثر جلسوں کے لئے طویل نظمیں ریل میں سفر کرتے کرتے لکھ ڈالتے تھے - اسی وجہ سے نظر ثانی سے بیشتر حصہ کلام محروم رہا - مرثیہ گوئی کیطرف آخر زمانہ عمر میں زیادہ توجہ مبذول ہوئی تھی چنانچہ چند مرثیہ بڑی دھوم دھام کے لکھے - کیا عجب کہ اگر چند برس اور زندہ رہتے تو اس فن میں بھی قابل نظیر قابلیت پیدا کر لیتے - ایک اور قابل حیرت بات یہ ہے کہ جسطرح طرز قدیم مذاق ایشیائی کے ماہر تھے اُسی طرح موجودہ زمانہ کی نیچرل شاعری میں بھی کسی سے کم نہ تھے اکثر اس طرز میں بھی گوہر افشانی فرما کر اُسے پرانی بندشوں - اور نفیس استعاروں اور تشبیہوں سے ایسا مرصع کرتے تھے کہ خاص و عام محو ہو جاتے تھے سخن سنجی کے ساتھ ساتھ غضب کی ہنس مکھ ظرافت اور لطیفہ گوئی کی گویا تصویر تھے - دوستوں میں ہمیشہ خوش رہتے اور انہیں خوش رکھتے - مزاج میں زندہ دلی کوٹ کوٹ کر بھری تھی - سیر و سیاحت کا شوق تھا - اکثر بھاولپور مالیر کوٹلہ - رامپور وغیرہ جاتے رہتے تھے - ایک مرتبہ ۱۹۰۲ء میں حیدرآباد دکن بھی چند دن کے لئے تھے - سرکار بھاولپور سے بصلہ مدح گستری دو سو روپیہ سالانہ وظیفہ بھی آپ کو ملا کرتا تھا - انجمن اسلامیہ لاہور کے سالانہ جلسوں میں پندرہ سال تک برابر شریک ہو کر سامعین کو اپنے حلاوتِ کلام سے محظوظ کرتے رہے آپ کی یہ نظمیں کیا نگینی طرز تحریر کیا سوز و گداز اور کیا مناسبتِ محل کے اعتبار سے بے نظیر ہوتی تھیں - الغرض کیا باعتبار فضل و کمال اور کیا بحیثیت شاعری مرزا صاحب کا پایہ مشاہیر شعرائے وقت میں اعلیٰ تھا اور آپ اُن معدودے چند نامی گرامی شعرا میں شمار ہوتے تھے جو اصناف سخن کے اسوقت کامل جاننے والے مانے جاتے ہیں - جن بزرگوں کی کوشش سے پنجاب میں اُردو نے قبولیت عام کا درجہ حاصل کیا انکے زمرہ میں آپ وجہ اختصاص رکھتے ہیں - خداداد ذہانت اور ذکاوت کی بدولت آپکی نثر کا رتبہ بھی کسیطرح نظم سے گرا ہوا نہیں ہے - صاحب تالیف و تصنیف تھے - مدت العمر میں بہت کچھ لکھا مگر مزاج کی بے پروائی اور خلقی استغنا سب پر غالب رہا اور کبھی کلام کے تدوین کی نوبت نہ آئی - چنانچہ آپکے خاندان کیطرح کلام بھی پریشان ہے -

فرہنگ آصفیہ کے آخر میں جو متعدد اردو فارسی تقریظیں اور تاریخیں لکھیں ہیں اُن سے آپ کی ہمہ دانی اور فادر الکلامی ظاہر ہے - مرزا صاحب میں ایک قابل ذکر تعریف یہ بھی کہ آپ کی ذات تعصب قومی و مذہبی سے بالکل معرا تھی - اہل ہنود میں بکثرت آپکے احباب تھے آپکی روشن خیالی اور نیک طینتی کا سب سے بڑا ثبوت آپکی دو نظمیں ہیں جو آپ نے گرو تیغ بہادر صاحب کی اولاد پر جو مظالم ہوئے اُنکی سرگذشت کے طور پر انام فرمائی تھیں - تصانیف میں سے شہنشاہ نامہ یعنی سوانح عمری ملکہ وکٹوریہ عشرہ کاملہ - تضمین ارشد - نالۂ یتیم - مرقع حکمت - جوہر تیغ - تحفہ وغیرہ چھپ چکی ہیں انکے علاوہ منشات ارشد مرقع عبرت دیوان اردو اور مجموعہ نظم و نثر کے مسودے یونہیں پڑے ہیں - خدا اُنکی اولاد کو اپنے مرحوم باپ کی تصانیف مرتب کرنے کی توفیق عطا کرے - مرزا صاحب راقم تذکرہ کے ملاقاتیوں میں تھے اور اُن احباب میں تھے جو سچے دل سے مشاغل علمی کی قدر کرتے ہیں - چنانچہ اکثر تذکرہ کے حالات سُن سُن کر خوش ہوا کرتے تھے اور راقم کی محنت اور تلاش کی داد دیا کرتے تھے - مرزا صاحب سال بھر سے زیادہ سے علیل رہنے لگے تھے چنانچہ رخصت لیکر دہلی گئے - پنشن لینے میں ابھی ایک برس کا وقفہ تھا ڈائرکٹر صاحب سے عرض کرکے دہلی کی تبدیلی کرالی کہ اب وطن میں رہکر علاج میں سہولیت ہو مگر تھوڑے ہی روز بعد پھر فیروزپور چلا پڑا آخر اپنے بڑے بیٹے مرزا بلند اختر رشید کے پاس جو ملتان میں ریل کے دفتر میں نقشہ نویس ہیں چلے گئے اور وہیں ۵۸ برس کی عمر میں ۲۱ - فروری ۱۹۰۶ء کو اچانک اس دار فانی سے ملک جاودانی کو سدھارے اور وہیں پیوند زمین ہوئے - انتقال سے چند منٹ پیشتر یہ شعر کہا ؎

از کشاکش ضعف نگسلد روان از تن +		این کہ من نمے میرم ہم زناتوانی ہاست	

گویا اسوقت کی اپنی حالت کی تصویر کھینچدی ہے - آپکے منجھلے صاحبزادے مرزا ظہور الدین آجکل شکر گڈھ میں منصف ہیں - آخر میں ہم نہایت شوق و خلوص سے صاحبعالم مرزا مجاہد الدین بہادر شاہی کا شکریہ ادا کرتے ہیں جو مرزا ارشد کے رشتہ میں ماموں ہیں مگر ہمسن اور ہم مشق ہونے کی وجہ سے اُن سے ارتباط دوستانہ رکھتے تھے - مرزا کے حالات اور کلام مہیا کرنے میں ہم سراسر اُنکے ممنون ہیں -

ع کہد و شاہی میرزا ارشد ہوئے جنت گئے + آپکی کہی ہوئی تاریخ وفات ہے - آپکی وفات سے

شعر و سخن کی دنیا کو صدمۂ عظیم ہو پہنچا - میرزا داغ کے مرنے کے بعد غالباً شعرائے دہلی میں آپ سے بڑھکر کوئی نہ تھا - آپکے تلامذہ تو بکثرت تھے مگر ہم چند ہی نامون پر اکتفا کرتے ہیں (۱) نواب سراج الدین احمد خاں بہادر سائل (۲) نواب ممتاز الدین خاں نائل - (۳) منشی احمد حسین خاں احمد (۴) محمد اقبال صاحب اقبال نے بھی آپکو اپنا ابتدائی کلام دکھایا ہے (۵) بسمل (۶) بزمی گورگانی اب ہم میرزا مرحوم کی ہم شدہ غزلیات کا انتخاب درج کرکے ناظرین کو اُنکے مزیدار کلام کی لذت سے بہرہ ور کرتے ہیں ؎

پہونچا ہے آسماں پہ دھواں دل کی آہ کا	رُتبہ بڑھے گا اختر بختِ سیاہ کا	
نیند آپکی اُڑے مرے اوسان کیطرح	افسانہ گر سنو مرے حالِ تباہ کا	
شمرہ بُرا سہی مگر اے شیخ غور کر	کتنا لطیف طبع تھا موجد گناہ کا	
کچھ وہ کہنے کہنے رہے کچھ ہم کہنے کہنے	اس کشمکش میں ٹوٹ گیا رشتہ چاہ کا	✓
مرکر یہ غم ہوا کہ وہ غیروں کے ہو گئے	سمجھے تھے ہم تو قبر کو گوشہ پناہ کا	✓
دن کو سمجھ کے رات وہ آئے ہمارے گھر	ممنون ہوں میں اپنے بھی روزِ سیاہ کا	
کیا شکل ان توبہ کی بنائی ہے واہ واہ	سو جان سے نثار ہوں دستِ الٰہ کا	
کثرت نے جرم کی مجھے محشر میں دی نجات	کر اُٹھ سکے تو پیش ہو دفتر گناہ کا	✓
غصہ چڑھا تو کاٹتے ہیں آپ اسقدر	کیا ہوگا خوں چڑھے گا جو مجھ بیگناہ کا	
اس جانے خضر رہ کوئی دیوانہ چاہئے	رستہ ہی کچھ جدا ہے محبت کی راہ کا	
تم سے ہوئی نہ حضرتِ صابر کی پیروی	آرشد ہے شغل اثنا تمہیں اشک و آہ کا	

اضطراب بیخودی شب کے گھر پہ لیچلا	میں چلا رہبر کو لے کر مجکو رہبر لیچلا	
مے پرستو دیکھنا میرا دلِ نازک نہ ہو	آج زاہد توڑنے کو جامِ تہ لیچلا	
عالمِ اسفل پہ لایا عشق کو نزشیخ کو	عالمِ بالا پہ مجکو ایک ساغر لیچلا	
کسقدر تھے سوزِ ہجراں کے مضامیں گرم گرم	گر پڑا خود جل کے جب نامہ کبوتر لیچلا	
دل لگی کا ہوا بُرا کیا کیا اُٹھائیں ذلتیں	غیر کے گھر ساتھ مجکو وہ ستمگر لیچلا	

میری گمنامی کی تاثیروں سے عنقا بن گیا
یار کی جانب مرا خط جب کبوتر لے چلا

ضبطِ غم سے بند اشکِ دیدۂ تر ہو گیا
سخت حیرانی ہے پانی کیونکہ پتھر ہو گیا

ترکِ الفت سُنکے دل بیتاب و مضطر ہو گیا
اپنا آئینہ صفائی سے مکدر ہو گیا

دل کے آنے کی خبر دا اللہ ہمکو بھی نہ تھی
ہم تو حیراں ہیں اُنہیں معلوم کیونکر ہو گیا

سخت جانی نے دکھائی خوب لذت ذبح کی
آ کے گردن پر مری گنداں کا خنجر ہو گیا

مجھکو کیا کہہ کہہ کے کوسوں تزع میں اے بیخودی
لوگ کہتے ہیں جنازے پر وہ دلبر ہو گیا

کیا سنورجانے میں تو دشمن کی قسمت بن گیا
کیا بگڑ جانے میں تو میرا مقدر ہو گیا

میں محوِ تماشائے رخِ زہرہ جبیں تھا
اک وصل کا سا لطف دمِ بازپسیں تھا

پیمانۂ مے ہاتھ میں ساقی کے نہیں تھا
خورشید کو پنجہ میں لئے ماہ جبیں تھا

ہر چند پسِ پردہ تھا پر تابشِ رخ سے
بے پردہ مرے سامنے وہ پردہ نشیں تھا

دیوانہ ہوا دیکھ کے میں خواب میں اسکو
ہر ایک سے کہتا ہوں ابھی تو وہ یہیں تھا

بیتابیٔ زلیخا پیچھے پڑی ہے بیدِ سبب
الحمد ہے گلبداں یوسف کے پیرہن کا

ضعف سے یہ حال ہے اب مجھ نحیف و نزار کا
رشکِ دشمن کیا۔ نہ اُٹھانا بھی اُس یار کا

ناصحا کیا دل لگی ہے ترکِ الفت بعد جور
پھیر لینا دے کے دل سودا نہیں بازار کا

مے کے پینے کی خوشی میں ایسے بہکے مے پرست
کعبے پہنچے تھا ارادہ خانۂ خمار کا

درد اُٹھتے ہیں دلوں میں اور دل میں بیٹھتے
ہے شہِ خوبی بنا عالم ترے دربار کا

وصل میں بھی ہاتا پائی رات بھر ہوتی رہی
صلح میں بھی اُس نے برتا قاعدہ تکرار کا

غیر سُن کر خاک ہے معشوق سُن کر آگ ہے
تانۂ فرقت مرا نغمہ ہے موسیقار کا

ضعف سے رونا نہ رونے کے برابر ہو گیا
ٹوٹنا مشکل ہوا ہے آنسوؤں کے تار کا

گر یہ پیہم مرا بھی عرض کردہ سمو
ہے اُنہیں منظور لینا موتیوں کے ہار کا

کب ہوں پابندِ تعلق جو میں وارفتہ مزاج
رہنا ممکن ہی نہیں زنجیر میں جھنکار کا

سامنے غیروں کے بے پردہ بنجانا دیکھنا
نرخ ہلکا کر نہ دینا حسن کے بازار کا

ہاتھ مستِ ناز نے دوش عدو پر رکھ دیا
نشہ بھی ہشیار ہے کتنا مرے مے خوار کا

مُنہ سے اتنا ہی فقط کہدو یہ ہے میری کمر
تم نہ بن جاؤ نمونہ میرے جسمِ زار کا

دشت وحشت میں مجھے مجنوں نے دیکھا تو کہا
کس طرح آئے مزاج اچھا تو ہے سرکار کا

انقلابِ گلشن ہستی سے ہے ارشد یقیں
خار میں عالم ہو گل کا گل میں عالم خار کا

میکدے کو چھوڑ کعبے کون جائے واعظا
وہ بھی اک فرضِ ضروری ہے ادا ہو جائیگا

تم بنے سنورے ہو اور میں سخت ہوں خستگی مزاج
خوف ہے آئینہ صورت آشنا ہو جائیگا

میں تو کہدوں صاف اسکے حسن کی کیا شان ہے
پر خداوندِ دو عالم تو خفا ہو جائیگا

دل اس پر ہی لقا سے چھپایا نہ جائے گا
دل کے لئے دل اس کا کڑھایا نہ جائے گا

تم کم ملاپ اُسکا مرے حق میں خوب ہے
گر شوق بڑھ گیا تو گھٹایا نہ جائے گا

صاحب ہماری جان بھی صدقے ہے تو کیا
بندہ کچھ ان ہٹوں سے ہٹایا نہ جائے گا

بوسہ لب جی اور جبین زخمِ جگر کی
یہ کسکو خبر تھی کہ ترا لب نگیں نکلے گا

بتوں کا ستم رہنما ہو گیا
کہ رُخ اپنا سوئے خدا ہو گیا

غمِ ہجر اور اُس پہ رشکِ رقیب
مرض میں مرض دوسرا ہو گیا

ابھی شیخ جی زر سے ہے میکشی
جو مفلس ہوا پارسا ہو گیا

ہم بھی بستانِ جہاں میں طائرِ تصویر ہیں
طاقتِ پرواز زائل اور ارادہ دور کا

آسماں پر ہے مزاج اُسکا کبھی مل جائے گا
داخلِ حکمت ہے مرنا عاشقِ مہجور کا

غیر کی باتوں پہ چلتا ہے وہ اب تو رات دن
کب زمیں پر پاؤں پڑتا ہے مرے مغرور کا

اک نگاہِ گرم میں یوں اوڑ گیا رنگِ شباب
تیری شمع حسن میں کچھ میل تھا کافور کا

چکرا کے تیری گردشِ رفتارِ ناز سے
جو فتنہ تھک کے بیٹھ گیا نقشِ پا ہوا

ظالم کو ظلم میں بھی جو اندازہ کرنا تھا
خنجر بھی اسنے ہاتھ میں رکھا تُلا ہوا

جاتا ہوں کوئے یار میں پر فرطِ رشک سے
سایہ سے اپنے جاتا ہوں کوسوں بچا ہوا

نظارہ کا بھی لطف نہیں وصل اک طرف
تصویر کو بھی یار کے پایا کھنچا ہوا

وابستہ دم سے تھی جو مری مدعا وصل
ہجراں میں دم کا بھی تو نکلنا کٹھن ہوا

دو پیتہ آبِ رواں کا پڑا ہے سینے پر
بھلا کسی نے بھی دیکھے حباب در آب

غمِ رقیب میں اتنا نہ رو تو اے کافر
ڈبو نہ مصحفِ رخ کی کتاب در آب

جا پہنچا ہے بھولے سے کہیں غیر کے گھر آج
ملتا ہی نہیں میری دعاؤں کا اثر آج

فریب دے کے مجھے دام میں پھنسائیگا
ہوا ہے پھر نئے سر سے جو مہرباں صیاد

جو مے پر دلانا ہماری نیاز
تو دینا کوئی پارسا دیکھ کر

الٰہی جان دی ہے مینے کسکے روئے روشن پر
ہزاروں شمعیں پروانہ ہنی ہیں میرے مدفن پر

یہ دل مائل ہوا اسکا میری طرزِ طپیدن پر
سمجھ کر دل لگی وہ مستعد ہے قتل دشمن پر

زہے تقدیر جذبِ دل نے کی تاثیر دشمن پر
پسِ مردن وہ آیا فاتحہ کو میرے مدفن پر

ہزاروں جسم بیجاں ہو گئے ہیں تیرے جوبن پر
ہزاروں سینے بیدل ہو گئے بیساختہ پن پر

اُگا ہے پنجۂ مرجاں جو اپنی خاکِ مدفن پر
تو وقت فاتحہ ہے بدگماں کا ہاتھ دامن پر

لبِ زخم جگر کی جاسے تیرے مُنہ کو سی دیتا
شبِ ہجراں نہیں ہے پاس تا صبح میرے سوزن پر

تعجب کیا جو خمیدہ ہو اگر تلوار قاتل کی
چڑھا ہے خون کس کس بیگناہ کا اُسکی گردن پر

قیامت ہے قیامت میں نہ ہم محروم رہ جائیں
ادب سے ہاتھ پُر سکتا نہیں قاتل کے دامن پر

وہ بے انصاف اور ابی وفا کی داد یا قسمت
گمانِ دوستی ہے سادگی سے ہمکو دشمن پر

نہیں کھلتا نہیں کھلتا کہ مجھ سے کیا رکاوٹ ہے
کہ کچھ رُک رُک کے چلتی ہے تری تلوار گردن پر

عجب اس جلوۂ یکتا میں نیرنگِ تماشہ ہے
نئی صورت سے چمکا خاطرِ شیخ و برہمن پر

میں ہوں مرہونِ منت صلح کل کا جب سے اے ارشد
یقین دوستی ہونے لگا ہے مجھ کو دشمن پر

اے عشق نجانا دلِ مضطر سے نکل کر
پھر اور کوئی گھر نہیں اس گھر سے نکل کر

دی لعل نے آواز یہ پتھر سے نکل کر
ہوتی ہے سدا قدرِ ہنر گھر سے نکل کر

کیا آہ اثر دے دلِ مضطر سے نکل کر
چنگاریاں بجھ جاتی ہیں پتھر سے نکل کر

مے کش ہوں وہ گردوں میں بھوے مجھے ساقی
آپڑتی ہے مُنہ میں مرے ساغر سے نکل کر

اُڑتی ہے شراب آپکی محفل میں نوشی ہوں
خود آئے گی مُنہ میں مرے ساغر سے نکل کر

عالم کو نگاہوں کی طرح دیکھ سراسر
جا ایک قدم بھی نہ کہیں گھر سے نکل کر

صورت سایہ رہے ہم درِ دلدار کے پاس
کبھی دروازہ کے آگے کبھی دیوار کے پاس

دیکھنا شوقِ اسیری کہ عجب حسرت سے
آپ سے جاتا ہوں صیادِ جفا کار کے پاس

اللہ اللہ دُرِ اشک کی یہ لغیانی
ہے مگر کانِ گہر چشمِ گہربار کے پاس +

ہاں اثر جذبِ محبت کہ چلے شوق میں ہم +
حالِ دل اپنا سُنانے بتِ عیار کے پاس

ایک دم ہے وہ تری تیغ کے کام آئے گا
اور کیا رکھا ہے اس عاشقِ بیمار کے پاس

دل کھچا جاتا ہے اُس رشکِ زلیخا کی طرف
واہ یہ جنس چلی آپ خریدار کے پاس

قتلِ عشاق کو اک تیغِ ادا کافی ہے +
نہیں تلوار نہو اُس بتِ خونخوار کے پاس

ایک اک سانس میں اڑتے ہیں شرارے لاکھوں
خوف سے کب اجل آئی ترے بیمار کے پاس

گر تجھی حسن سے ہر آئینہ ٹکڑے ہو جائے
آئینہ آئے اگر آئینہ رخسار کے پاس

اللہ اللہ یہ نفرت ہے یہ بیزاری ہے
بیٹھنے بھی نہیں دیتا ہمیں دیوار کے پاس

کیوں لئے پھرتے ہیں وہ حضرتِ عیسیٰ کی ریاض
آج آئینگے کہیں اپنے وہ بیمار کے پاس

اک مصیبت ہے کہ موجود ہے بیماری میں
کون آتا ہے ترے عاشقِ بیمار کے پاس

آج ارشد کو عجب حال سے دیکھا ہمنے
رو رہا تھا وہ کسی شخص کی دیوار کے پاس

عریانی میں بھی خوب مرے کام آئے داغ
ہے پیرہن کی جائے بدن پر قبا کے داغ

خورشیدِ حشر کی دہیں آنکھیں جھپک گئیں
سینہ کے ایک بار جو مینے دکھائے داغ

گر تم جفا سے خوش ہو تو اچھا یوں ہی سہی
ہے دل برائے زخم مرا تن برائے داغ

بے درد و داغ لطف نہیں کچھ فراق میں
دوں نقد جاں بجا ہے اگر میں بہائے داغ

روشن ہوئے ہیں خانۂ ماتم میں چراغ
دلمیں ہوئے ہیں یا تو مرے جائے جائے داغ

آیا ہے داغ روئے جمال سخن پہ ہائے
ارشد جہاں میں پھیلی ہوئی ہے ضیائے داغ

شرما کے چھپ گیا رخ روشن نقاب میں
گھر کر گیا یہ مہر دل ماہتاب میں

خط آکے دگنی تاب ہوئی رخ کی تاب میں
صورت بڑھی یہ اور خدا کی کتاب میں

رکھو تم اپنا چہرۂ روشن نقاب میں
جھگڑا پڑا ہوا ہے مہ و آفتاب میں

ہم دل کو مانگتے ہیں تو وہ پوچھتے ہیں کیوں
شرمندہ ہوں سوال سے بڑھ کر جواب میں

واں ناز کی غضب کی یہاں ضعف قہر کا
وہ آئیں گے نہ جانینگے ہم انکے خواب میں

حسن اُنکا تاب سوز نگہ اپنی ناتواں
وہ بے حجابیوں پہ ہیں ہم سو حجاب میں

اللہ رے سوز ہجر کہ آنسو بھی سوکھ کر
کنکر سے بنگئے مری چشم پُرآب میں

ظالم ہزار روئے پر انکو خبر نہو
آنسو ہوں میرے غیر کی چشم پُرآب میں

بارش عکس ماہ صیام اور یہ بیخودی
ارشد ڈبو کے کھا گئے روزہ شراب میں

جو شاعر کمر جھوٹ پر باندھتے ہیں
رگ گل سے بلبل کے پر باندھتے ہیں

مرے قتل پر وہ کمر باندھتے ہیں
تماشہ ہے غمزہ کا پر باندھتے ہیں

لگے چوٹ دل پر تو کیا ہو مداوا
جو ہو درد سر میں تو سر باندھتے ہیں

دکھاتے ہیں دشمن کو مشق نشانہ
تو پہلے ہمارا جگر باندھتے ہیں

غبار آلودہ آنسو ہیں ہماری چشم گریاں میں
ہمیشہ سبحۂ خاک شفا ہے دست مژگاں میں

تصور میں بھی جانے سے مرے ظالم کو نفرت ہے
مگر میں معنیٔ لفظ وفا ہوں ذہن جاناں میں

ذرا سی بات میں یہ ٹوٹ کر سو ٹکڑے ہوتا ہے
مرے دل کی نزاکت آگئی ہے تیرے پیماں میں

یہی گر تیرہ بختی ہے تو اپنے کام آؤں گا
سما جاؤں گا بنکر خواب میں چشم نگہباں میں

ہوئے ہو سوکھ کر کانٹا غم الفت میں اے ارشد
چلو حضرت لپٹ رہنا کسی رہرو کے داماں میں

ہمکو یاں اپنے عمل پر ہے نظر کچھ بھی نہیں
کوئی سر پر ہے مگر زاہد سفر کچھ بھی نہیں

زاہد اسا ری خدائی کا نمونہ ہے یہیں
آپ کہتے ہیں کہ بنیادِ بشر کچھ بھی نہیں

اے شوخ یہ دُکھنے جو ترسی آگئیں آنکھیں
کیا دل کے دکھانے کا مزا پاگئیں آنکھیں

دیکھا دمِ کشتن رخِ قاتل کا نظارہ
کیا آج میرے وقت پہ کام آگئیں آنکھیں

ہاں تم میری الفت سے مکر جاؤ مکر جاؤ
کیا ہوگا اگر شرم سے شرما گئیں آنکھیں

کیوں باغ میں نرگس کے تلے مر گئے ارشد
معلوم نہیں کس کی پسند آگئیں آنکھیں

عشق و وحشت کی جو تمیز ہو تجھکو مجنوں
گھر میں جو بات نکلتی ہے بیاباں میں نہیں

پائی اُردو میں نئے رنگ سے عزت ارشد
لوگ کہتے ہیں کہ ایسا کوئی ایراں میں نہیں

انا نہ حشر غیر نے تیرے خرام کو
دھتا لگا یا تو نے قیامت کے نام کو

وہ بن سنور کے میرے جنازے پہ آئے ہیں
کرنا پڑے گا سہو کا سجدہ امام کو

رندو چلو سلام تو کر آؤ آخری
سنتے ہیں شیخ جاتے ہیں دار السلام کو

یاد آجاتا ہے احباب کا جلسہ ارشد
جب فلک پر نظر آجاتے ہیں انجم مجھکو

جانور اور بڑھے عشق میں جلجانے کو
شمع کی لو نہ لگی ہو کہیں پروانے کو

سفرِ ملکِ عدم میں ہے بڑا اپنا مقام
پہلی منزل وہ ہمیں آئے ہیں پونچانیکو

مہر اور قہر نے مارا ہے کسیکے ارشد
گنگنا چاہیے پانی مرے نہلانے کو

زاہد کی آنکھ دخترِ رز پر جو پڑ گئی
جھٹ پی گئے وہ معنیٔ لفظِ حرام کو

آج جی میں ہے کہ میں اعدا کے سر ہو جاؤں گا
پھر یہ دیکھونگا تمہیں کیا ضد ہے مرے سر کے ساتھ

غصہ میں جو ہو لال تو رنگ اسکا نکھر جائے
یہ دوسری خوبی ہے کہ بگڑے تو سنور جائے

ہٹ ہٹ کے اندھیر انکر و آنکھو نکلے آگے
واں تک تو نظر آؤ جہانتک کہ نظر جائے

ہے مہر و غضب دونو میں اک لطف تمہارے
رو کو نہ طبیعت کو جدھر جائے اُدھر جائے

رنجش میں بھی ہے مرتبہ دانی وہی اُس کی
وہ میرے لئے ہے جو ستم حد سے گذر جائے

رسائی مرے خدا تک تو ہوگئی ارشد
پہ جیتے جی نہ ہوئی یار تک رسائی ہائے

وہ رحم کے بھی نام سے جڑتے ہیں اسطرح
جیسے کسی کو کوئی سناتا ہے کی ہے

آنکھ پڑ جاتی ہے رحمت پہ گناہ سے پہلے
درد اُٹھنے نہیں پاتا کہ دوا آتی ہے

قیامِ جسمِ خاکی ہے نفس پر
ہوا پر ہے بنا اپنے مکان کی

نہ میں آپ میں ہوں نہ پہلو میں دل ہے
چلے آؤ کوئی مرے ہاں نہیں ہے

یہ بیخود ہوا ہوں نجس میں تیرے
مجھے اپنا ملنا بھی آساں نہیں ہے

آج کیا ہے دمبدم کیوں درد میرے دل میں ہے
وہ میرا آرام جاں شاید کسی محفل میں ہے

ہر قدم پر بیخود و شوقِ شہادت دل میں ہے
رہنما تم جا کہ اب تو کوچۂ قاتل میں ہے

صاف باطن ہو کے میری جان کس مشکل میں ہے
کھل گیا سب اُس پہ جو جو بید میرے دل میں ہے

ڈال کر دشمن کے دل میں دل بنالیں ہم تو دوست
پر ستم یہ ہے کہ ظالم تو ہمارے دل میں ہے

ہر کوئی موسے صفت محوِ جمالِ یار ہے
وادیٔ ایمن کا نقشہ یار کی محفل میں ہے

خضر میں تجکو بتاتا ہوں نشانِ کوئے دوست
واں نہ فتنہ نئی آفت ہر اک منزل میں ہے

پاؤں ناقہ کا بھی مستانہ ہے پڑتا راہ میں
کون مستِ ناز بیٹھا پردۂ محمل میں ہے

میں مقامِ بیخودی میں کالے کوسوں سے دور ہوں
عقل بھی اک راہ گم کردہ مری منزل میں ہے

شمع سوزاں غیر شاداں میں ہراساں تو خجل
اپنی حالت سے الگ ہے جو تری محفل میں ہے

مانعِ صحرا نوردی ناتوانی ہو گئی
اک قدم مجکو سرکنا داخل اک منزل میں ہے

آؤ میخانے چلو ارشد عبادت ہو چکی
اب بھی سمجھو کیا دھرا اس سعی بیحاصل میں ہے

قطعہ

خدا نے نیک دل پیدا کیا ہے جسکے سینہ میں
کسی حالت میں ہو عاجز نوازی اسکی ملت ہے

نہیں ہے کامتی ریشم کو کوئی تیغ برندہ
ادھر تیزی ہے جتنی اُس طرف اتنی نجابت ہے

ہوا جھکڑ کی چلتی ہے زمانے میں تو چلنے دو
جو سبزہ سرفگندہ ہے تو کب اسکو اذیت ہے

تناور جو شجر ہیں آگے آئے گی اکثر اُن کی
کبھی گدّے پر آفت ہے کبھی جڑ پر مصیبت ہے

نتیجہ تم کو اے ارشد بتا دیں ہم ستمگر کا	غریب آزار پر اللہ اور بندوں کی لعنت ہے	
چمن کردہ جو افشاں رُخِ تابندہ پر آئے	واللہ کہ دن کو مجھے تارے نظر آئے	✓
اتنا تو مری آہ میں یارب اثر آئے	گر وہ نہ سہی مرگِ عدو کی خبر آئے	
عشاق مگن بیٹھے ہیں سب دیں میں اُنکے	حیرت ہے کہ اک شب میں وہ کس کس کے گھر آئے	
نازک ہے نہ کھچواؤں گا تصویر میں اُسکی	چہرہ نہ کہیں عکس کے بدلے اُتر آئے	
کھینچا جو سرِ بام تصور میں وہ نقشہ	اللہ رے نزاکت کہ وہ نیچے اُتر آئے	
کیا فیصلۂ قتل مرا اُن سے کرآئے	ہنستے ہوئے کیوں اس سے مرے نامہ بر آئے	
بے پردہ مری گور پہ آیا جو وہ مہوش	مدہوش فلک پر سے فرشتے اُتر آئے	
نظارہ کا لپکا نہ گیا زخم بھی کھا کر	کٹ کٹکے مری آنکھوں میں لخت جگر آئے	
ممکن ہی نہیں وصل یہاں عجز وہاں اوج	کس طرح سے خورشید زمیں پر اُتر آئے	✓
ظالم کی عنایت میں بھی ہے رنگ جفا کا	دشمن کو لئے ساتھ مری لاش پر آئے	
انداز شوخیوں کے وہ تم میں کہاں رہے	تم شوخ ہو کے غیر کے دل میں نہاں رہے	
کس کس بلائے چرخ کا رخ ہے مری طرف	ممکن نہیں کہ آج شبِ غم میں جاں رہے	
دل میں ہمارے کوئی ہو تیری طرف ہے ہو	غم یہاں رہے کہ الم یہاں رہے	
خُو ہے مجھے بنا کی ارشد وہ مہ جبیں ہے	معشوق وہ ملے جو ہمیشہ جواں رہے	✓
زلف سر کی عارضِ پُر نور سے	دن نکل آیا شبِ دیجور سے	✓
خلد میں تصویر کسی نے چلا	اپنے دل میں میں چھپا کر حور سے	
کنجِ تنہائی میں راحت ہے بڑی	یہ صدا آئی دہانِ گور سے	✓
آرزوئے وصل نازک ہے بہت	کیونکہ نکلے گی دلِ رنجور سے	
اُن کی میری حشر کے میدان میں	ہوگئی صاحب سلامت دور سے	
حسن کی آشفتگی ہے وہ ستم	رنگ اُڑا دے روئے شمع طور سے	

ہوش میں رہئے ذرا ممبرِ شیخ
کچھ سنو گے کیا کسی مخمور سے

کیا کہا استغفراللہ زاہد و
توبہ اور وہ بھی مئے انگور سے

کر دیا کس نگہِ مست نے بدنام مجھے
بے پیئے کہتے ہیں سب رند مے آشام مجھے

کسکا کھڑا نظر آیا ہے سرِ شام مجھے
کہ سحر تک نہ ملا درد سے آرام مجھے

لیچلا اسکی گلی میں دلِ ناکام مجھے
اُٹھ کے اے رشک عدو تو ذرا تھام مجھے

کسی صورت لبِ غیریں کی تو لذت چکھوں
غیر پر رکھ کے دئے جائیں وہ دشنام مجھے

اُنپہ کیا حشر میں دعوے ہو کہیں شوخ بیاں
ڈر ہے دے جائیں نہ اُلٹا کوئی الزام مجھے

دیکھ کر انکو قیامت میں ہوا میں بیہوش
ہائے اس چال کے صدقے کہ یہ تھا کام مجھے

نامہ بر نامہ تو لایا ہے مگر ضد ہی ہے
یہی کہتا ہے کہ جاں دیجئے انعام مجھے

پھیرِ صیادِ ستمگر نے جھری گردن پر
دی پھڑکنے کی بھی مہلت نہ تہ دام مجھے

دل کو اُلجھا کے کیا قطع تعلق تو نے
کیا پھڑکتا ہوا چھوڑا ہے تہ دام مجھے

ہائے اسکا یہ شبِ وصل میں کہکر اُٹھنا
کیسے بے درد سے ہے آکے پڑا کام مجھے

آتشِ فرقت بھری ہے مجھ میں کیجے گا نہ قتل
بہ نہ جائے پانی پانی ہو کے خنجر دیکھئے

الفتِ دشمن کا ہے اندازہ میرا حالِ دل
دیکھئے پھر اپنے دل پر ہاتھ رکھکر دیکھئے

رشک سے بھر لینگے رو رو کر ہم اپنا جامِ عمر
دے نہ دیجے گا کہیں دشمن کو ساغر دیکھئے

پیش دا و رد فتوں کھونا اچھا نہیں
پہلے چلکر وسعتِ دامانِ محشر دیکھئے

آپ کا خنجر ہمارے قتل میں جوہر دکھائے
پھڑپھڑا کر ہم دکھائیں اپنے جوہر دیکھئے

فتنہ زا کہئے نہ اپنی چال کو بے امتحاں
میرے مردے کو لگا کر ایک ٹھوکر دیکھئے

آڑ لی غمزہ نے تیغِ ابروئے خمدار کی
بے خبر سوتا ہے فتنہ چھاؤں میں تلوار کی

ہر جگہ چبھ چبھ کے نوکیں رہگئیں سو فار کی
گود پھولوں سے بھری ہے زخم دامن دار کی

تو نے ہر حالت میں رحمت اے مرے غفار کی
جس خطا سے ہمنے توبہ کی وہی سو بار کی

دل لگا دوں چیر کر سینے سے یہ کہتا ہے رشک
تاکتی ہیں تجھ کو آنکھیں روزنِ دیوار کی

بوسہ کی لذت تو کیا دشنام بھی ہیں دلنشیں
ہے مرے دل کی وہی جو ہے دہانِ یار کی

بعدِ مردن یوں کرو میخوار کی مٹی عزیز
میکشو بھٹی بنا لو خانۂ خمار کی

جا رہی ہے کیوں قیامت مجھ سے رستہ کاٹ کر
چال اڑائی اس نے کسی شوخیِ رفتار کی

تیرہ بختی دیکھنا سایہ پرے کو ہٹ گیا
دھوپ میں لی آڑ ہنے جب کسی دیوار کی

میرا حال زار کیا دیکھے وہ چشمِ سرمگیں
لی نہیں جاتی خبر بیمار سے بیمار کی

ایک دو ساغر ہیں گرتے ہیں سکیش سر کے بل
سجدہ گہ ہے یا زمیں ہے خانۂ خمار کی

ڈالا کیا حکمت کا پردہ اسکی چشمِ شوخ نے
نبض عیسےٰ کو نہیں ملتی ہے مجھ بیمار کی

واعظِ بے شرم محفل میں نہ لینا اسکا نام
دخترِ رز پردہ نشین ہے خانۂ خمار کی

کعبے میں بھی دیکھ لو ارشد کو بتخانہ میں بھی
پوچھتے ہو کیا حقیقت اس خدائی خوار کی

ایڈریس در تہنیت عطائے اعزاز ممبری کونسل آنریبل رائے بہادر لالہ مدن گوپال ایم اے بیرسٹرایٹ لائیں دہلی و لاہور و آنریبل نواب فتح علی خان قزلباش

ہو مبارک تجھکو اے لاہور یہ عزو وقار
ہو نوید اے شہرِ دہلی اے مرے اُجڑے دیار

تیری معدن سے جو نکلے بعض موتی آبدار
بن گئے ہیں وہ ضیائے سلطنت کے شاہوار

اُن کی جہل مل یوں اشاعت کر رہی ہے دور سے
اوج پایا ہم نے شاہِ قیصرہ کے نور سے

بل بے اے برٹش حکومت تیرے انعام عام
قدرداں ہے تو شریفوں کی شرافت کی مدام

[1] والد ماجد مولفِ تذکرہ

پایہ یہ برتر تجھ سے علم و فضل کا ہے لاکلام
قابلِ مدحت سرائی ہے ترا ہر ایک کام

عزتیں پھیلی ہیں تجھ سے ملکِ ہندوستان میں
دے ترقی خالقِ ذی شاں تیری شان میں

تیرے عہدِ عدلت نے جو رعایا سے کیا
وہ کسی عہدِ حکومت سے نہ ہرگز ہو سکا

ہم نے یہ ہی قاعدہ ہر اک حکومت کا سُنا
ہر کسی والی نے چاہا اپنے اپنوں کا بھلا

پاک ہے برٹش حکومت تو ہی اِس الزام سے
ایک ہیں برتاؤ تیرے خاص سے اور عام سے

خیر خواہوں پر ہمیشہ تو رہی ہے مہرباں
اہلِ علم و فضل کی ہر دم ہوئی ہے قدرداں

قابلیت کے مطابق دیتی ہے تو عزو شاں
فرقِ قوم و مذہب و ملت نہیں ہے تیرے ہاں

تو تو خوش ہوتی رعیت کے ہے اچھے کام سے
جیسی تو اللہ سے ہے ویسی ہی ہے رام سے

تیری نظروں میں برابر ہیں کلیسا ہو کہ دَیر
ایک سی ہے تیرے آگے مسجد اور مندر کی سیر

کوئی ہندو ہو مسلماں ہو نہیں ہے تیرا غیر
تیری منشا کے مخالف ہے جو ہو قوموں میں بیر

تو وہ سورج ہے کہ ہر گھر میں اُجالا کر دیا
دوست دشمن کا برابر بول بالا کر دیا

گو کہیں مُنہ سے مسلماں ہم سے ہیں ہندو الگ
کیا ہُوا اکڑے پھریں ہندو اگر ہر سو الگ

ہو نہیں سکتے ہیں چہرے سے کبھی ابرو الگ
ہو الگ تو بھی نہیں ہے پھول سے خوشبو الگ

آئینے میں دو ہیں لیکن عکس و صورت ایک ہیں
جو بظاہر مختلف ہیں فی الحقیقت ایک ہیں

ہے انہیں دونو سے عزت ملکِ ہندوستان کی
ہیں بہاریں اور فضائیں یہ ہی اِس بستان کی

ہم تو اے ارشد کہے دیتے ہیں یہ ایماں کی
اختلافِ ان میں یہ رائے ہے کسی نادان کی

جو لی دامن کے ہیں ساتھی یہ تو دونو ایک ہیں
بد نہ ہوں ان میں تو پھر یہ دونو قومیں نیک ہیں

ہے خوشی اور رنج میں دونو کا ہر دم اشتمال
آج سے کیا مدتوں سے ربط ہے انکا کمال

جب تلک اس ہندوستاں کے ساتھ ہے جاہ و جلال
ہند کی اقوام کا تب تک رہیگا ایک حال

میل اسکا دائمی ہے اور لڑائی چار دن
کیا ہوا گر ہے خفا بھائی سے بھائی چار دن

میرے دعوے کا نہیں ہے گر کسی کو اعتبار
دیکھ لے وہ آنکھ سے یہ ہے دلیل آشکار

اِک طرف فتح علیخاں صاحبِ عالی تبار
اک طرف رائے مدن گوپال صاحب وقار

آنریبل یہ بھی ہیں اور آنریبل وہ بھی ہیں
ملک کی یہ روح ہیں تو قوم کا دل وہ بھی ہیں

یہ ہوئے کونسل کے ممبر تو ہوئی سب کو خوشی
دونو کو کُل ملک نے مل کر مبارکباد دی

خوب سے جلسے ہوئے باہم ہوئی اک دل لگی
ہم بھی آئے نظم پڑھنے دیکھنے کو پارٹی

یا خدا انجام اِس ساری خوشی کا نیک ہو
آج جیسے ایک ہیں یہ دل بھی انکا ایک ہو

اے مرے نواب صاحب اے مرے والاجناب
اے مرے رائے بہادر اے مرے عالی خطاب

آپ جن اعلےٰ مراتب پر ہوئے ہیں کامیاب
ہو مبارک آپ دونو کو یہ عزت بیحساب

آپ کیا ممبر ہوئے پنجاب ممبر ہو گیا
غل مبارکباد کا ہر ایک کے گھر ہو گیا

آپ کو سرکار نے کونسل کا جو ممبر کیا
خیر خواہی نے ہمارے دل کے اندر گھر کیا

آپ کو برتر کیا گویا ہمیں برتر کیا
آپ پر کیسا حقیقت میں کرم ہمپر کیا

اور بھی ہم میں سے اک دن یونہی عزت پائینگے

خیر خواہی کے شجر پھل لائینگے پھر لائیں گے

آپ کی خدمت میں کچھ کرتا ہے ارشد التجا
گر اجازت دیجئے تو مُنسہ پہ لاؤں برملا
کیجئے گا مہربی کے بعد اسکا حق ادا
ملک پر اور قوم پر رکھنا عنایت دائما

آنریبل ہو کے آنریبل کیجئے گا آورکی +
مختصر سی عرض ہے یہ پر ہے حاجت غور کی

ملک کے حق میں ہو خدمت آپ کی ایسی مفید
فرطِ شادی سے رہے ہر اک کے گھر میں روزِ عید
منحصر ہے آپ ہی پر کل رعایا کی امید
آپ ہوں ملکی خدائی آپ ہوں قومی شہید

قوم کی خدمت جو کرتا ہو وہ ہے سردارِ قوم
قوم کے سردار سے بنتے ہیں سارے کارِ قوم

شکر ہے تیرا خداوندِ زمین و آسماں
خطۂ پنجاب کے ہیں لاٹ صاحب مہرباں
لائقِ عزت کو دیتے ہیں ہمیشہ عزو شاں
جوہر قابل جو ہو ہر دم ہیں اُسکے قدرداں

بنگ† مینوں کونہ دیں کیوں ینگ حضار مہری
قدرِ جوہر شاہ داند یا بداند جوہری

یا الٰہی تا رہے دنیا میں ربطِ موجِ آب
تا الگ ہو اور گھُل مل جائے دریا میں حباب
تا رہیں دو ہو کے اک صورت میں نورِ آفتاب
تا لگا ہیں مختلف ہو ہو کے ملجائیں شتاب

ملک ہندوستان کی ہر قوم میں ملت رہے
گو بظاہر ہوں جدا پر اصل میں الفت رہے

بانیانِ پارٹی کے دل سدا مسرور ہوں
باہمی الفت سے سینے ہر گھڑی معمور ہوں
آئیں خوشیاں رات دن اور رنج و غم سب دور ہوں
اتحاد و ربط پر یہ سب کے سب مجبور ہوں

جو یہاں حاضر ہیں دل ان میں ہر اک کا شاد ہو
ہر کسی کو میری جانب سے مبارکباد ہو

† یعنی جوان آدمیوں کو یہ سکیم تھا اسوقت میں فشنٹ گورنر پنجاب تھے ۱۲

ارشد

(ارشد) منشی غلام حسین لاہوری آپ منشی ناظر حسین خان ناظم کے شاگرد ہیں ؎

حشر تک ہوتا نہ چھٹکارا فلک کے جور سے
شکر ہو بندِ زمین کوئے قاتل ہو گیا

دل سے جو ملتے ہیں باہم دو بھی ہوتے ایک ہیں
مل کے حرف واو جیسے لام سے دل ہو گیا

شکوۂ جورِ بتاں حشر میں کرتے تو ہی
حالِ دل اپنا مگر قابلِ اظہار نہ تھا

قاتل ہماری قبر پہ آکر نہ رویو
بیچین ہوگی روح ہماری مزار میں

نہیں ہے تسمے گلہ کچھ یہ ہے خطا میری
سکھا رہی ہیں جفا مجھ کو نہیں وفا میری

ارم

(ارم) مرزا مرتضیٰ حسین عرف چھمو صاحب لکھنوی شاگرد ناسخ دلگرامی - کلام سے طبیعت درد آشنا معلوم ہوتی ہے - مذاق سلیم رکھتے ہیں - زبان بھی پاکیزہ ہے - انتخاب کلام ملاحظہ ہو ؎

پہونچے جو تھک کے سایۂ دیوار یار تک
یوں بیٹھے ناتواں کہ نہ اٹھا غبار تک

کیا آئیں بہر فاتحہ میری لحد پہ دوست
دشمن مٹا چکے ہیں نشانِ مزار تک

تعجیلِ موت باعثِ الزام ہو گئی
کہتے ہیں وہ کیا نہ میرا انتظار تک

یاد دشت بخیر اب نہیں ملتا سراغِ دل
آیا تھا ساتھ ساتھ مرے کوئے یار تک

تم بھی کر دستم مگر اتنے جو اٹھ سکیں
ہم بھی کریں گے جبر مگر اختیار تک

تم مجھ سے فیصلہ نہیں کر لو تو خوب ہو
آپس کی بات جائے نہ پروردگار تک

سرمایۂ بقا ہے ارم لطفِ انتظار
زندہ ہوں وعدۂ بتِ غفلت شعار تک

عجیب یاس سے بلبل قفس میں کہتی ہے
کہ ہمکو کیا ہے چمن میں بہار ہو کہ نہ ہو

پھرائے جائیے گردن پہ میں کہوں ہیہات
بلا سے آپ کے خنجر میں دھار ہو کہ نہ ہو

واں عندلیب قید کے رنج و محن میں ہے
یاں غم سے سینہ چاک ہر اک گل چمن میں ہے

جاتے ہیں دن بہار کے آنیکو ہے خزاں
اک حشر بلبلوں کی فغاں سے چمن میں ہے

ارمان

(ارمان) شاہ علی ارمان - بقول نساخ جعفر علی حسرت کے علاتی بھائی اور جرأت کے شاگرد تھے - اور بقول جناب شیفتہ حسرت کے بیٹے تھے - تذکرہ قدرت اللہ شوق میں کچھ کلام

نظر سے گزرا - زبان اگرچہ پرانی ہے مگر مضامین کی موزونیت کے اعتبار سے کلام دلکش اور پُر لطف ہے - افسوس ہے کہ انکے حالات زندگی معلوم نہیں ہوئے - مختلف تذکروں سے اِن کے اشعار کا انتخاب کیا جاتا ہے ؎

کون کہتا ہے اجی تجھسے نہ کھر جاؤ تم
پر کوئی بات تسلّی کی تو کر جاؤ تم

دل لیکے کیوں نہ خاطر اُسکی رکھائیاں ہوں
ظاہر ہے بیوفا سے پھر بے وفائیاں ہوں

گر وصل میں نہ آوے وہ راہ پر غضب ہے
جس نے کہ ہمکو برسوں راہیں دکھائیاں ہوں

قاصد نے جھوٹ سچ تو کچھ کہا یہ ڈر ہے
ایسا نہو کہ دل سے باتیں بنائیاں ہوں

پابوس اُسکا ہووے کیونکر ہمیں میسر
نقش قدم پہ جسکے نت جبہ سائیاں ہیں

کیوں آج کل نہ بیکل میں ہوں کہ مجکو یارو
کل آئے جب نظر وے آئیں کلائیاں ہوں

چرچا ہوا ہے گھر گھر اب دیکھیے کہ کیا ہو
دو دن نہ چھپ سکی تو چاہت ترا بُرا ہو

تا سر بالیں اُسے آنا قیامت شاق ہے
یہ دل ہمارا جس کا نزع میں مشتاق ہے

دلا تو بہتر غم پر جو یوں کراہے ہے
بتا تو چاہے ہے وہ بھی جسے تو چاہے ہے

ارمان (ارمان) راجہ جنم جی متر - کلکتہ کے ایک مشہور رئیس خاندان کے رکن اور باوجودیکہ اُردو اور فارسی اِن کی مادری زبان نہ تھی مگر اِس پر بھی دو نو زبانوں کے قابل انشا پرداز اور بالخصوص شعر و سخن کے دلدادہ تھے - شعرائے ریختہ کا ایک مختصر تذکرہ جسکا نام نسخۂ دلکشا ہے اِن سے یادگار ہے - حافظ اکرام احمد صاحب ضیغم سے مشورہ فرمایا کرتے تھے ان کے صاحبزادے ڈاکٹر راجہ راجندر لال متر ہندوستان کے مشہور ترین محقق آثار قدیمہ اور بڑے زبردست فاضل و ادیب تھے ہندوستان میں آرکیالوجی (فن تحقیق آثار قدیمہ) کا اتنا بڑا محقق گذشتہ صدی میں ایسا کوئی نہیں گذرا - تبرکاً چند شعر درج کئے جاتے ہیں ؎

کام اپنا نہ کبھی تجھ سے میری جاں نکلا
تن سے جاں نکلی مگر دل کا نہ ارماں نکلا

رات بھر نالے کیا کرتا ہوں گریہ دن کو
پوچھتے کیا ہیں حقیقت میرے اوقات کی آپ

ارمان

(ارمان) منشی عبدالعزیز خان ارمان - انکے والد میسور میں تحصیلدار ہیں آپکو حضرت سداغ مرحوم سے تلمذ حاصل ہے یہ کلام ہے ؎

وہ آئے سامنے آنکھوں میں میری نور آیا	وہ بیٹھے پاس تو دل کو میرے سرور آیا
سمجھنا اچھا نہیں آنکھوں میں تری بادہ کا	اس سے بہتر تھا مرے حلق پہ خنجر پھرنا
جب شوق فزوں ہو تو مزا حد سے سوا ہو	وہ ظلم ہو ہم پر جو کسی پر نہ ہوا ہو
مرجائے جو بیمارِ محبت تو شفا ہو	جب حد سے سوا درد ہو خود درد دوا ہو

ارمان

(ارمان) منشی سید باقر حسین ارمان باشندہ شکارپور ضلع بلند شہر ریاست بھرتپور میں معلمی کے ساتھ ساتھ شعر و سخن کے شوق کو بھی نباہے جاتے ہیں ؎

لطفِ نظارہ ہمیں کیا دمِ بسمل ہوتا	کند کچھ اور اگر خنجرِ قاتل ہوتا
اے تیغ تو بھی رگ کے دکھاتی ہی بانکپن	چلنا ترا بھی یار کے غمزے سے کم نہیں ✤
قاتل نے میرے زندۂ جاوید کردیا	آبِ بقا سے آبِ دمِ تیغ کم نہیں ✤
کیا رہروانِ ملکِ عدم کاٹے سلاغ	بانگِ جرس نہیں ہے نشانِ قدم نہیں

ارمان

(ارمان) مولوی سید محمد حسن ارمان شاگرد محفوظ حیدرآبادی - زمانہ حال کے شاعر ہیں - یہ اُنکے کلام کا انتخاب ہے ؎

ہمکو رکھا اُسی کے کوچے میں	ہے یہ احساں شکستہ پائی کا
مرقد کو ٹھوکروں سے وہ پامال کرتے ہیں	بعد فنا بھی مجھ پہ ستم ہائے کم نہیں
وہ کرکے قتل ہمسے پوچھتے ہیں	کہو اب دل کی جو کچھ آرزو ہو

ہیں قیامت تری آنکھوں کے اشارے پیارے	چھریاں چلتی ہیں کلیجہ پہ ہمارے پیارے
حوصلہ ظلم و ستم کا کوئی باقی ہے ابھی	کیوں مٹاتا ہے تو مدفن کو ہمارے پیارے

ارمان

(ارمان) پنڈت راج نرائن ارمان دہلوی - بزرگوں کا وطن کشمیر جنت نظیر تھا مگر انکے دادا پنڈت آفتاب رائے متصل قتل وطن کرکے دہلی آبسے ۱۲۷۶ھ سال ولادت ہے ۱۸۹۵ء

تک مدارس میں تعلیم پاتے رہے اور اسی عرصہ میں ۱۸۹۴ء میں حضرت داغ سے تلمذ اختیار کیا۔ ۹۶ء میں سہارنپور جاکر اخبار ظریف اور رسالہ تصویر سخن کی اڈیٹری کی پھر ۹۷ء سے ۱۹۰۴ء تک پٹیالہ میں قیام رہا اور وہاں پٹیالہ اخبار کی اڈیٹری کے فرائض انجام دیتے رہے ۱۹۰۴ء میں لاہور آنے کا اتفاق ہوا یہاں اخبار پنجاب سماچار اور راجپوت گزٹ کچھ عرصہ تک انکے زیر اہتمام رہے۔ اب ہفتکاری کے اڈیٹر ہیں۔ صاحب تصانیف کثیرہ ہیں۔ ۵۹ کتب و رسائل تصنیف و تالیف کر چکے ہیں جنمیں اکثر ناول و تاریخی رسالے ہیں۔ دیوان بھی تقریباً تیار ہے ۱۹۰۳ء تک برابر اُستاد کو کلام دکھاتے رہے اور سن مذکور میں اُستاد نے اصلاحی غزل کے ہمراہ یہ ریمارک لکھ کر خاص عزت بخشی "بجائے میرے پاس بھیجنے کے اپنے کلام پر تم خود ہی نظر ثانی کر لیا کرو۔ میرے خیال میں اب تمہیں اصلاح کی ضرورت نہیں ہے" ۱۹۰۵ء میں حضور نظام کے جشن جوبلی کے موقعہ پر حیدرآباد بھی گئے تھے۔ جہاں ڈیڑھ ماہ قیام رہا۔ ٹکسٹ بک کمیٹی لاہور اور تاریخی سوسائٹی علیگڈھ کے متعلق بھی کچھ خدمات کی ہیں۔ اور اب آجکل زیادہ تر پولیٹکل و تاریخی مضامین کیطرف توجہ مبذول رہتی ہے گاہے گاہے فارسی میں بھی فکر سخن کرتے ہیں ہنگام نظر ثانی تذکرہ چند غزلیں موصول ہوئیں اُنکا انتخاب درج ذیل ہے ؎

تجھسے شبِ غم خلق مرا تر نہیں ہوتا	یہ کام بھی آبِ دمِ خنجر نہیں ہوتا
کب سیدھی سی ترچھی نظر اُنکی نہیں ہوتی	کب تیر میرے واسطے خنجر نہیں ہوتا
اُٹھتے ہوئے جوبن کی محبت نہیں جاتی	سینے سے مرے دور یہ تیر نہیں ہوتا
انکار رہا حشر کے وعدے پہ بھی تم کو	ملنے کا کوئی روز مقرر نہیں ہوتا
کیا لکھوں ماجرائے غم اُس فتنہ گر کو میں	دل میں ہے خط میں جیسے کہ کھدوں جگر کو میں
خود ہی پہنچ گیا ہوں وہاں بھرِ التجا	طرزِ بیاں بتاتا ہوا نامہ بر کو میں
تیرِ نگاہِ یار کے دونوں شہید ہیں	اب دل کی لوں خبر کہ سنبھالوں جگر کو میں
دلمیں ہزاروں آرزوؤں کے گئے ہیں ڈھیر	حسرت یہ کہہ رہی ہے کہ نکلوں کدھر کو میں

نوکِ مژہ پہ گرتا ہے ہر قطرۂ سرشک		کانٹے میں آج تول رہا ہوں گہر کو میں
دل کی تسلیوں میں شبِ غم ہے ایک ہیچ		اک ہاتھ سے سنبھال رہا ہوں جگر کو میں
کل بھی نہ تجھ سے ہوگا وفا وعدۂ وصال		لو آج ہی سنا تا ہوں کل کی خبر کو میں
شوخیٔ مضموں کا حصہ داغ سے مجکو ملا		شاعری آمضطر سے ہے میراث میں پائی ہوئی

(ارمان) میر سرفراز حسین خاں نائب تحصیلدار - زمانۂ حال کے شعرا میں ہیں ۵ ارمان

کنجِ مرقد ہی سہی آئے تو آرام مجھے		چین لینے دے کہیں گردشِ ایام مجھے
مست ہوں نشۂ الفت میں گرا پڑتا ہوں		بیخودی دوڑ کر اے روک مجھے تھام مجھے
بیوفا کہنے پہ میرے وہ بگڑ کے بولے		اچھا اب کرنے لگے آپ بھی بدنام مجھے
کافرِ عشق ہوں ارمان میرا کیا مذہب		لوگ یوں سمجھا کریں داخلِ اسلام مجھے

(ازل) حکیم میرزا آغا حسن خلف میرزا عباس باشندہ لکھنؤ - نواب مرزا شوق صاحب بہار عشق کے والد اور میر وزیر علی صبا کے شاگرد تھے - ہر کا ایک دو غزلیں خواجہ آتش کی نظر سے بھی گزرانی تھیں - نتائج افکار میں حتی الامکان استاد کا اتباع کرتے تھے - ۱۲۳۴ھ میں پیدا ہوئے - درسیہ کتب پڑھکر شاعری اور طب کی طرف متوجہ ہوئے - طالب علمی اور شباب کا عالم لکھنؤ میں گزارا پھر ۵۰ برس کی عمر میں بہ تلاش روزگار عظیم آباد چلے گئے - اور مستقلاً وہیں سکونت اختیار کی مگر ۱۳۱۴ھ میں بیمار ہو کر لکھنؤ چلے آئے اور وہیں ۸۰ سال کی عمر میں انتقال کیا - خوش رو - وضعدار - ہر دلعزیز وسیع المشرب طرز قدیم لکھنؤ کے دلدادہ - منکسر المزاج اور حد درجہ خلیق تھے - اصلی امامیہ مذہب تھے مگر کسی وجہ سے قیام بہار کے زمانہ میں تبدیل مذہب کر کے سنی ہو گئے تھے مگر مرض الموت میں مذہب امامیہ کا اعلان کر کے انتقال کیا - آپ کا دیوان ضیائے تمناعرف پرکالۂ آتش بہار میں شایع ہو گیا ہے اور ایک مثنوی بھی بسم عشق نام انکے نواسے مہدی حسن آحسن کے اہتمام سے لکھنؤ میں چھپی تھی - کلام کا بہترین حصہ اپنی لاپرواہی اور شاگردوں کی بدنیتی سے تلف ہو گیا - اسیوجہ سے مطبوعہ کلام کچھ اعلیٰ پایہ کا نہیں - معمولی کلام نے اُس میں جگہ پائی - غزلیں فروخت کیا کرتے تھے ازل

اشعار میں شوکتِ لفظی کے بجائے بیساختہ پن - سادگی اور صفائی زبان کا زیادہ خیال رکھتے تھے۔ جس سے اُنکی سلیم المذاقی کا ثبوت ملتا ہے ۱۳۱۷ھ میں انتقال کیا۔ شاگرد تو کثرت سے تھے مگر سب سے زیادہ مولانا شاہ نذر الرحمٰن حفیظ نے نام پایا ۵

میں تو جاؤں کو چۂ دلدار میں آنکھوں کے بل — ضعف کہتا ہے کہ بیٹھو بھی نہ جایا جائے گا
دل دیا ہے آپ نے اِک بت کو سنتے ہیں ازل — یہ تو کہئے ناز بھی اُس کا اُٹھایا جائے گا
آئنہ لے کے ذرا چاند سی صورت دیکھو — ایسی آنکھوں میں تو اندھیر ہے سُرما دینا
لپٹے تھے جنکی دامنِ دولت سے سینکڑوں — تنہا پڑے ہوئے ہیں وہ زیرِ مزار آج
کیا موت آئے گی مرے بیمارِ ہجر کی — حوریں دکھائی دیتی ہیں کیوں بار بار آج
پونچا ہے کس کی ذات سے اے خوش جمال رنج — ہوتا ہے تیرے چہرہ سے ظاہر کمال رنج
تربت پہ ہماری جو کبھی آتے ہیں معشوق — پھولوں کے عوض تیوری چڑھا جاتے ہیں معشوق
سچ پوچھئے تو حُسن کچھ ایسا نہیں ہوتا — عاشق کی محبت سے چمک جاتے ہیں معشوق
قاصد کی ضرورت ہے نہ پیغام کی حاجت — تقدیر جو سیدھی ہو تو خود آتے ہیں معشوق
اک تم ہو کہ دو دن بھی محبت نہیں نبھتی — وہ بھی تو نہیں جو بات پہ مٹ جاتے ہیں معشوق
اب کیا کہوں کسواسطے ڈرتا ہوں میں اِن سے — سنتا ہوں کہ دل لے کے مکر جاتے ہیں معشوق
بعد از فنا بھی ہے ہماری صدائے دل — ان گلرخوں سے کوئی نہ ہرگز لگائے دل
اندر سے جلن کسی پہلو نہیں قرار — شعلہ ہے اپنے پہلو میں شاید بجائے دل
باغِ جہاں کا رنگ بہت بے ثبات ہے — بلبل سے کہہ دو گل سے نہ ہرگز لگائے دل
اے موت جلد آ کہ جھگڑا نہیں چکے — کب تک شبِ فراق کے صدمے اٹھائے دل
کاہے کو پھر کسی کو بُرا کہئے اے ازل — دشمن نہیں ہے کوئی ہمارا سوائے دل

آگہی

طالبِ جامِ ساقیا ہیں ہم — پرچھپا کر کہ پارسا ہیں ہم
نزع کے وقت دیکھنے آئے — جانیے آپ سے خفا ہیں ہم

قیس میں ہم میں فرق اتنا ہے — پیشوا وہ تھا رہنما ہیں ہم
آج گلشن میں کہہ رہے ہیں ازل — تیرے شاگرد اے صبا ہیں ہم
پیر ہوں میں نہ دستگیر ہوں میں ✤ — خانہ برد و شکستہ پر ہوں میں
حالِ گلشن نہ پوچھ اے بلبل ✤ — ایک مدت ہوئی اسیر ہوں میں
یوں تو رہتی تھی در پہ بھیڑ مگر ✤ — آج سنتے ہیں کہ رستہ ہی نہیں
قبر سے آئی صدائے لبیک ✤ — تم نے تربت پہ پکارا ہی نہیں
یہ نہیں ہیں کہ نہیں کچھ کہتے — دل کسی اور کا توڑ دو تو سہی

کون کہتا ہے کہ تم کو نہیں چاہا ہم نے ✤ کیا کہیں دل نہیں مانتا ✤ پاس بیٹھے ہیں مگر جھیڑ نہیں سکتے ہم

مطلب نہ ہو رسے نہ غرض کچھ پری سے ہے — الفت خدا گواہ ہے اُو بت تجھی سے ہے
خود آؤ یا بلاؤ ہمیں اپنی بزم میں ✤ ✤ — مطلب تو دو گھڑی کی ہمیں دل لگی سے ہے

(ازل) مولوی حکیم شیخ حسن مہدی خلف آباد عظیم آبادی - حال مسکن گزیں کانپور حضرت جلال کے شاگرد اور خوشگو شاعر ہیں ؎ — ازل

امید رکھیں کیا دلِ ناآشنا سے ہم — کیا آرزو وفا کی کریں بے وفا سے ہم
کیا آہ بے اثر سے پشیمانیاں ہوئیں — کیا کیا خجل ہوئے ہیں غبِ غم دعا سے ہم
پامال کر گیا ہے کوئی دل کو راہ میں — آنکھوں کو مل رہے ہیں کسی نقشِ پا سے ہم
امیدِ لطف اور حسینوں سے قہر ہے — کیوں طالبِ کرم ہیں ان اہلِ جفا سے ہم
قاتل نہ سر جھکانا خدا کے لئے کہیں — شرمندہ ہوں گے حشر میں تیری خطا سے ہم
سرد آنسو اپنی دل کی لگی کیا بجھا سکیں — اب جل بجھیں گے آپ ہی سوز و وفا سے ہم
محشر میں آنکھیں ملتے ہی کچھ اور ہو گئے — بس کر چکے جفاؤں کا شکوہ خدا سے ہم

(ازل) منشی نعمت علیخاں ولد منشی محمد عمر بخش - قصبہ گناچور نواح جالندہر کے رہنے والے اور آجکل ریلوے ٹیکنیکل سکول لاہور میں مدرس ہیں - علم ریاضی میں اچھی دستگاہ رکھتے ہیں - شاہزادہ سکول دہلی میں بھی مدرس رہ چکے ہیں ؎ — ازل

یہ ہلاہمرہ کہ ارماں مل گئے سب خاک میں — تخم بویا دل میں کیوں میں نے تمہاری یاد کا
مرغِ دل طاقِ حرم میں صید گیسو ہو گیا — ہے غلط واں زور چل سکتا نہیں صیاد کا
لایا جو تے شیر بس اتنی ہی تھی اسکی بساط — الفتِ شیریں میں بچپن دیکھئے فرہاد کا
کیا ہے کشتہ صنم نے مجکو گا کے آنکھوں میں اپنے سر — بروزِ محشر جناب موسیٰ ہم آپ سے انتقام لینگے

ازہر (ازہر) منشی سید علی احمد شاہ باشندہ بریلی - جناب نذیر بریلوی سے تلمذ ہے اور مولانا حسن رضا خاں صاحب حسن شاگرد رشید حضرت داغ مرحوم سے بھی مشورہ کیا ہے ۵

اپنا بیگانہ سمجھ کر دوست دشمن دیکھ کر — وار تو کرنا مگر اے چشمِ پرفن دیکھ کر
کوئی بھی غیر کو اپنا سمجھتا ہے زمانہ میں — مگر اک آپ ہی ایسے زمانے سے نرالے ہیں

دیکھو ذرا آئینہ اُٹھا کر — کیا ہو گئی شکل رات بھر میں
شعلے اُٹھے دل سے دل میں بھڑکے — ہے آگ ہی آگ سارے گھر میں

شوق سے ٹکڑے کرو دل نہیں انکار مگر — دیکھ لو اس کو ذرا میری نظر سے پہلے
ہائے کن آنکھوں سے دیکھوں میں کسی کی رخصت — کاش ہو جائے سفر میرا سحر سے پہلے

اسحاق (اسحاق) اسحاق علی خاں لکھنوی ولد فدا علی خاں شاگرد نواب عاشور علی خاں بہادر - نواب سالار جنگ کی اولاد میں صاحب دیوان بیان کئے جاتے ہیں - تذکرۂ سخن شعرا کی ترتیب کے وقت زندہ تھے - اشعار ذیل اُنکی فکر کا نتیجہ ہیں ۵

باریک بیں کو آئے گی کیوں کر نظر کمر — تارِ نگہ ہے ادبِ نازک کمر کمر
آبِ رواں کے پنکھے نے طوفاں اُٹھا دیا — اے بحرِ حسن آگئی کیا موج پر کمر
مشتاقِ قتل سمجھے اُسے چاند عید کا — تیغِ ہلال سی جو ہوئی جلوہ گر کمر
نہ کوئی گل ہے نہ بلبل نہ باغباں نہ صبا — خزاں کے ہاتھ سے برباد ہے چمن کی بہار

اسحاق (اسحاق) منشی محمد اسحاق اسحاق - خلف منشی نبی بخش مختار مظفر پور - موضع مہیش پٹی نواح دربھنگہ کے باشندے ہیں مگر اکثر اپنے مامول مولوی سراج الدین مختار کے پاس کلکتہ میں

رہتے ہیں - ایک رسالہ موسوم بہ ہدیۂ اسحاق شائع کر چکے ہیں طبیعت سخن گوئی کی طرف مائل ہے مگر غیر زباں ہونے کے باعث کامیاب نہیں ہوتے - بہ نظر انتخاب کلام دیکھا تو بمشکل یہ چند اشعار ہاتھ آئے ؎

یہاں اپنا جلوہ نہ دکھلائے گا — تو محشر میں کہیئے کہاں جائے گا
نہ جب کام آئے مری زندگی میں — تو کیا بعد مرنے کے کام آئے گا
جلانا ترا کام جلنا مری خو — ہوں پروانہ میں بھی جو تو شمع رو ہے

نہ بھائی میں رہی الفت نہ یاروں میں رہی ملت — جو الفت ہے تو زر سے ہے یہی سب سے پیارا ہے
خدا بخشے اسے الفت تھی مجھ سے — وہ کہتے ہیں مری تربت پہ آ کے

اسد

(اسدؔ) میرزا نی مرحوم دہلوی رفیق نواب افضل علیخاں برادر نواب نجیب الدولہ وزیر - مرزا رفیع السودا کے شاگرد تھے - تباہیٔ سلطنت کے بعد دہلی سے لکھنؤ اور مرشد آباد چلے گئے تھے وہاں سے واپسی پر اثنائے سفر لکھنؤ میں پچاس برس کی عمر میں بمقام سرے بانگر مئو چوروں کے ہاتھ سے قتل ہوئے - مرد ظریف - شیریں زبان اور خوش فکر تھے - دیوان اور مثنوی ان کی یادگار ہے ؎

کھانے کو غم ہے پینے کو خوں دیکھنے کو داغ — سب عشق کا وہ ہمکو سرانجام دے گیا
جوں توں اسد کو لائے تھے اسکی گلی سے ہم — خانہ خراب راہ میں اگر مچل گیا

تم تو نے ہی گرم کی بغل رات — ہم سرد ہوئے تھے ورنہ کل رات

اثر ہو سنگ میں کیا کیونکر ان کو رام کریں — بتوں کے دل ہو تو یارب یہ آہیں کام کریں
بزم بتاں ہو جام ہو خلوت ہو پھر تو بس — کافر ہوں گر وہاں بھی خدا کا میں ڈر کروں
جس سے کہ دل ملا تھا جب آیا وہ سامنے — ملنے نہ پائے ہونٹ کہ سو بات ہو گئی
زلفیں ہی دیکھ کر کے خجل رات ہو گئی — کھڑا جو کھل گیا تو سحر مات ہو گئی

اسدؔ اس جفا پر بتوں سے وفا کی — مرے شیر شاباش رحمت خدا کی

پروانے پڑے جلتے ہیں روتی ہے کھڑی شمع	یارب نہ شبِ وصل ہو کوتاہ کسی کی
مانے ہے کوئی وہ بتِ گمراہ کسی کی	گو آپ سفارش کرے اللہ کسی کی

اسد

(اسد) نواب سلیمان خاں اسد لکھنوی - نبیرۂ نواب محبت خاں مغفور - نواب جانثار حشمت الملک مرحوم والیٔ روہیلکھنڈ کی اولاد اور نواب احمد حسن خاں جوش مرحوم کے چھوٹے بھائی ہیں - آپکا زمانۂ طالب علمی و شباب لکھنؤ میں گذرا - مشہور اساتذہ لکھنؤ کے ہم صحبت و ہم مشق رہے ہیں - چنانچہ خواجہ آتش - رند - صبا - وغیرہم کے مشاعروں میں شریک رہے - ابتدا میں چند غزلیں نواب عاشور علیخاں کو دکھائیں اُنکے انتقال کے بعد نبیرالدولہ منشی مظفر علی اسیر کے شاگرد ہوئے - ۱۸۶۶ء میں جب صاحبزادہ محمد خاں شمشیر جنگ بطریق سیر لکھنؤ آئے تو یہ قرابتداری آپکی کئی ملاقاتیں ہوئیں - بعد ازاں اُنکے اصرار سے ٹونک تشریف لے گئے اور ایک ماہ قیام کرکے چلے آئے - دورانِ قیام میں نواب صاحب نے بہت چاہا کہ آپ کے لئے کوئی سلسلہ وہیں ہو جائے مگر اُسوقت آپنے وطن کو خیرباد کہنا مناسب نہ سمجھا - ۱۸۷۰ء میں صاحبزادہ محمد عبید اللہ خاں صاحب فیروز جنگ نائب ریاست لکھنؤ تشریف لائے اور بتاکید ٹونک طلب فرمایا - خود بھی زمرۂ تلامذہ میں داخل ہوئے اور بھی اکثر صاحبزادے شاگرد ہوئے - چند سال بعد وظیفہ مسدود ہو گیا مگر بدستور تعلقات آمد و رفت قائم رہی - حتیٰ کہ ۱۳۰۰ھ میں نواب صاحب خود شاگرد ہوئے اور آپ کو مشیرِ سخن مقرر فرمایا - اب عرصہ سے وہیں بود و باش ہے - خاندانی وجاہت اور ذاتی لیاقت نے آپ کو ٹونک میں ہر دل عزیز بنا رکھا ہے - طبیعت تعصب اور غلو سے پاک اور آپکی ذات جملہ صفاتِ حسنہ سے متصف ہے - ستر برس کے قریب عمر ہے - آپ کا کلام لطیف اور معنی خیز ہوتا ہے شوکتِ الفاظ سے آپکی قابلیت و استعداد ظاہر ہے - آپ ایک دیرینہ مشق اور پُرگو شاعر ہیں - ٹونک کی مجالسِ مشاعرہ کی رونق اب آپکے دم سے ہے - دیوان اول موسوم بہ انتخابِ اسد ۱۸۷۰ء میں منشی نول کشور نے شایع کیا تھا دوسرا دیوان موسوم بہ مطلع خورشید ۱۸۹۶ء میں شائع ہوا - اب آپ پنشن پاتے ہیں - آپکے شاگرد بکثرت ہیں جنمیں سے منشی ہرمکھی لال

منشی حبیب اللہ ضبط۔ عبدالرحیم خاں صاحب شرف وغیرہ صاحب دیوان ہیں۔ اب دیوان کا انتخاب ملاحظہ ہو ؎

اچھا ہوا شباب کا عالم گزر گیا
اک جن چڑھا ہوا تھا کہ سر سے اتر گیا

کیا کیا نہ ذلتیں ہوئیں اس عشق میں نصیب
عزت گئی وقار گیا مال و زر گیا

ہر طرف اک شور ہاؤ ہو ئے مستانہ رہا
خوب ہی اس کے برس زور پہ میخانہ رہا

ممکن نہیں شفا مرض عشق سے اسد
جائے گا جان لے کے یہ آزار دیکھنا

کمینے سے کبھی ہو ئے شرافت آ نہیں سکتی
نہ شاخ گل حنظل میں ہو پیدا لطف صندل کا

کچھ بھی نہ تھے سب کچھ ہوئے پھر کچھ بھی ہو نگے
آغاز وہ ہے اور یہ انجام ہمارا

مجکو دقعہ نہ شمشیر اجل نے ندیا
وہ گھڑی دل مرے قاتل کا سنبھلنے ندیا

ہمکو سمجھاتے ہیں یہ ہم دم کیسا
دل ہی بس میں نہیں کریں ہم کیا

دوئی سمجھے ہوئے ہیں اہل نفاق
ورنہ ہیں یار سے جدا ہم کیا

دل گبر و مومن میں تیری جگہ ہے
صنم ہے کسی کا خدا ہے کسی کا

حجاب دوئی کو جو دل سے اٹھا دیں
تو پھر ہم ہیں اور سامنا ہے کسی کا

یہی ہیں عیش کی راتیں یہی مراد کے دن
تمام عمر کا حاصل ہے یہ زمان شباب

سر یہ حاضر ہے تیغ اٹھائیں آپ
دیکھتے کیا ہیں دھنسے بائیں آپ

سچ بھی گر ہم کہیں تو وہ سب جھوٹ
اور ہے جھوٹ بھی تمہارا سچ

اے اسد سچ ہے پیش کاذب جھوٹ
جھوٹ بھی جانتا ہے جچا سچ

ہوئے دل سے جو عاشق زار تر سے
سمجھ لے انکو مرے تو جیسے

جو مریض محبت و عشق ہوئے نہیں انکو دوا و شفا سے غرض

عنبریں مو شعلۂ رو شمشاد قامت سیم تن
سوز میں بھی رکھتی ہے اک ساز معشوقانہ شمع

رشتۂ جاں کو یہ پھونکے وہ جلائے اپنا تن
شمع کا پروانہ عاشق عاشق پروانہ شمع

نہ غنچۂ دل ہوا شگفتہ نہ پھل جوانی کا خاک چکھا
برا ہو کمبخت عاشقی کا خزاں میں فصلِ بہار میں ہوں

زباں پہ حضرتِ دل چاشنیٔ مرگ آئے گی
لبِ شیریں کے بوسے کیا کوئی سُنہ کے نوالے ہیں

دہن کا بھید تو باتوں سے کھُل گیا لیکن
کمر کا آپ کی اب تک کہیں پتہ ہی نہیں

عدم کی جانب تمہارے عاشق جہان سے اب سدھارتے ہیں
لباسِ ہستی ہوا ہے میلا اُسے بدن سے اُتارتے ہیں

زباں پہ ہم لاتے ہیں ادب سے بتوں کا بھی نام ڈرتے ڈرتے
ہیں زاہد اللہ اکبر ایسے خدا کو جو یوں پکارتے ہیں

خُدا کے فضل ہیں ایسے آئے جو ہمسے دو چھے سب جلائے
وہ شرم سے اب ہیں سر جھکائے تماشہ خود مُنہ پسارتے ہیں

دونوں کا سر جھکا ہے تری بارگاہ میں +
یاں فرق کچھ نہیں ہے گدا اور شاہ میں

دل اپنا تم کہو سے کے مفت بھی ہم بن گئے بندے
کہو کچھ بتو آئے تمہارے دیں و ایماں میں

اُنکے خرام سے تہ و بالا ہے اِک جہاں
زندے بہ تنگ جی سے ہیں مُردے عذاب میں

نمودِ صبحِ پیری ہے گئی راتیں جوانی کی
خیالاتِ جہاں خوابِ پریشاں ہوتے جاتے ہیں

یہ معشوقانِ بے پروا جہاں میں کسکے ہوتے ہیں
اِنہیں دل دیکے عاشق آپ اپنی جان کھوتے ہیں

خبرِ مرگ میری سُنکے کہا
ایسے ہی جاں نثار ہوتے ہیں

ملتی نہیں قفس سے رہائی ہزار حیف
اور سو ہم بہار کے دن ہائے جاتے ہیں

بر بکعبہ قائل ہیں تری یکتائی کے وہ بھی
تجھی کو سجدے کرتے ہیں صنم زاہد نمازوں میں

قیمتِ نیم نگاہی بھی گراں ہے جو نہیں
دل یہ کہتا ہے میں اور اس سے بھی ارزاں ہوں

سسکتا چھوڑ کر جاتا ہے وہ مجھ نیم بسمل کو
خدارا بڑھ کے اے شوقِ شہادت روک لے اُسکو

کیا اِک وار ہی میں اُسنے دو ٹکڑے مرنے والے کو
جزائے خیر دے اللہ تیغِ نازِ قاتل کو

نہ الفت سے اسدؔ اُس ابروئے خمدار کو دیکھو
گلے پر پھیرتے ہو آپ تم تلوار کو دیکھو +

کچھ سمجھکر مری میت پہ کھڑے ہیں خاموش
حشر ہو جائے بپا گر وہ کہیں قم مجھکو

وہ آئے ہیں پشِ تعظیم در دِل اُٹھنے نہیں دیتا
تو ہی اب اٹھ کے دردِ دل کسی صورت اُٹھا مجھکو

نظر یاس سوئے خنجرِ قاتل ہے وہی
ذوقِ شوقِ نگہ دیدۂ بسمل ہے وہی

تم اچھے ہو ہم بُرے چلو خیر | اب تو نہیں کوئی بات شد کی

بہار آئی ہے خوش ہیں میکش شراب خم سے ٹپک رہی ہے
شگوفے پھولے ہیں گل کھلے ہیں چمن میں بلبل چہک رہی ہے
خیال ابرو رہا جو اکثر تو چلتے خنجر رہے جگر پر
یہ کسکی مژگاں کا ہے تصور کہ پھانس دل میں کھٹک رہی ہے

ملا ہوا وہی سب سے وہی جدا بھی ہے | وہی صنم وہی بندہ وہی خدا بھی ہے
زراہِ طنز وہ بولے مرے منانے پر | یہ منتیں ہیں عبث یاں کوئی خفا بھی ہے
سوالِ بوسۂ ابرو پہ وہ یہ کہتے ہیں | جواب اسکا فقط تیغ کی زبان پر ہے
برسوں سجدے کئے کعبے میں تمہاری خاطر | مدتوں دیر میں جا جا کے جبیں سائی کی
بگڑے گا جا کے بزمِ خرابات میں اگر | تو رند محتسب کو مقرر بنائیں گے
ہو گئے ہیں یہ ہم سانس کے دم دھاگوں سے | چار عنصر ہیں کوئی دم میں بکھر نیوالے
پُر آب چشمے ہیں جنگل ہیں لہلہائے ہوئے | چہار سمت ہیں بادل سیاہ چھائے ہوئے
نہ تربت سے جواب اصلا دیا یارانِ رفتہ نے | ہزاروں مرتبہ جا جا کے ہم انکو پکار آئے
کرے اُلٹی چھری سے ذبح جب مقتل میں وہ مجکو | کہو بچپن پہ قاتل کے نہ پھر کس طرح پیار آئے
عمر سب اِک بتِ کافر کی محبت میں کٹی | ہم خدا جانے مسلمان رہے یا نہ رہے
لطف ہستی کا دلا عہدِ جوانی میں اُٹھا | یہ زمانہ ارے نادان رہے یا نہ رہے
ہاتھ اُٹھاؤنگا نہ الفت سے بتو کی بخدا | اسمیں چاہے میرا ایمان رہے یا نہ رہے
شبِ وصلت فغاں کہکر چھری پھیری ہے گردن پر | ہوئے ہم ذبح اے زاہد تری اللہ اکبر سے

بادۂ دولت کا ہے کیا نشہ تیز | ہوش کھو دیتا ہے یہ ہشیار کے
گلے ملی یہ محبت سے تیغ قاتل کی | کہ دم میں دم مرے جبتک رہا نہ نوئی

شاعروں نے عبث اندھیر مچا رکھا ہے | نام کا کل کا تری دام بلا رکھا ہے

میانِ کعبہ خود ہوتی ہے جب توقیر پتھر کی
پرستش کیوں ہوئی پھر باعثِ تکفیر پتھر کی

صنم خانے کو تم دیکھو اگر شانِ حقیقت ہے
تو واں بھی زاہد و شانِ خدا کا کارخانا ہے

بتوں نے آنکھوں میں پھر پھر کے بجلیوں کی طرح
ہمارے ہوش نما شے دکھا دکھا کے لئے

یہ کون کہتا ہے تم نے بھلا بھلا کے لئے
جلا جلا کے جگر دل دکھا دکھا کے لئے

خدا ہی جانے یہ بھید کیا ہے کسی کو اصلا خبر نہیں ہے
دہن کا اثبات بات سے ہے مگر ثبوتِ کمر نہیں ہے

ہزار افسوس جذبِ الفت کہ تجھ میں کچھ بھی اثر نہیں ہے
تڑپ رہا ہوں میں جس کی خاطر اُسے ذرا بھی خبر نہیں ہے

کہو کرے کیا وہاں پہ انسان نہ عقل ہو جس کو طرح حیراں
تلوں ایسا ہے طبع میں واں کہ شام کو واں سحر نہیں ہے

چلی جو تیغِ نگاہِ قاتل کریگی وہ اک نہ اک کو بسمل
جو بچ گیا اُسکے وار سے دل تو جان لینا جگر نہیں ہے

نہ مُنہ کو یوں برہمی سے موڑو بندھی ہوئی اس کی نہ توڑو
مریضِ الفت کا حال ابھی تو کچھ ایسا نوع دگر نہیں ہے

یہ قدردانی خلیل کی ہے شیخ شعر و سخن بنایا
اسد سراپا ہوں عیب مجھ میں کوئی بھی علم و ہنر نہیں ہے

حسیں سمجھ کے بتوں کو گو کر لیے سجدے
مرے خیال میں صنعت مگر خدا کی رہی

مٹا جہاں ہو اشوبِ حشر بھی برپا +
چلت پھرت وہی اُس چشم فتنہ زا کی رہی

نہ بینیے روزِ جزا جان بوجھ کر انجان
خبر تو آپ کو صاحب ذرا ذرا کی رہی

اسد (اسد) عالیجناب نواب اسد یار الدولہ بہادر حیدرآبادی - حیدرآباد کے موزوں طبع رؤسا میں ہیں زیادہ حال معلوم نہیں ۵

اے دل دغا شعار ہے وہ تو یہ جان رکھ
نادان چار باتوں میں اُس کی بہل گیا

کسی صوفی کے جو آنکی خبر سن لی ہے
وجد کرتا ہوا محفل میں سبو آتا ہے

مثلِ تصویر کے چھا جاتی ہے حیرت سب پر
جبکہ محفل میں مرا آئینہ رو آتا ہے

اسد (اسد) منشی سید شیر علی باشندۂ پٹنہ موزوں طبع آدمی ہیں حضرت شہرت کے تلمذ سے فیضیاب ہیں ۱۸۵۹ء میں حیات تھے - زیادہ حال معلوم نہیں ۵

پھونک کر کس نے کیا طور کو سرمہ ایسا
آگ آپ آئے تھے کیا حضرتِ موسیٰ لیکر

لبِ جاں بخش کا اُس بت کے جو دیکھا اعجاز — رہ گئے اپنا سا منہ حضرتِ عیسیٰ لے کر
آج سے کچھ نہیں عشقِ ازلی ہے مجھ کو — ساتھ ہم سے کے یہاں آئے ہیں سودا لے کر
ہے کسی کی نگہِ مست کا آنکھوں میں سرور — ساقیا کیا میں کروں ساغرِ صہبا لے کر

اسرار

(اسرار) مرزا سپہر شکوہ گورگانی دہلوی ولد مرزا لطہماسپ شکوہ ابن مرزا سلیمان شکوہ خلف شاہ عالم ثانی مقیم لکھنؤ آپ صاحب کمال اور عالم آدمیوں کے بڑے قدردان تھے۔ مرزا قادر بخش صاحب صابر کے خسر اور شاہ نصیر کے شاگرد تھے۔ دریائے جمن کے کنارے شاہ بڑے صاحب کے تکیے میں آسودہ ہیں سنہ ۱۲۸۲ ہجری میں انتقال فرمایا۔ تمام عمر اہلِ کمال کی صحبت میں بسر کی۔ انکا کلام ہدیۂ پیش نظر ہے ؎

وہ جب ہنستے ہیں میں کہتا ہوں یارب — یہ بجلی دیکھیے گرتی کہاں ہے
پھر محوِ خیالِ رُخِ جانانہ ہوا ہے — پھر شیشۂ دل اپنا پریخانہ ہوا ہے

اسرار

(اسرار) بابو تاور مرزا صاحب شاگرد جلال لکھنوی۔ انکے والد نواب مرزا محکمہ پولیس ضلع بنارس میں سب انسپکٹر ہیں۔ ہم رسیدہ کلام حاضر ہے ؎

بُرا ہو اس محبت کا کہ راحت بھی مصیبت ہے — ستاتا ہے مرے دل کو کوئی آرام جاں ہو کر
بڑھایا غیر سے بھی ربط جب ملنے لگے ہم سے — جفا کرنے لگے وہ اور ہم پر مہرباں ہو کر
نہ پھینک انکو گلے سے اُتار کر گلرو — ارے یہ پھول ہیں میرے مزار کے قابل
اگر دیکھ لیتے وہ حالت ہماری — اثر اُن پہ کرتی محبت ہماری

اسرار

(اسرار) منشی فاضل لکھنوی شاگرد منشی وزیر علی وزیر لکھنوی۔ اکثر بمبئی میں رہتے ہیں کلام حاضر ہے ؎

وہ تو آئے نہیں شبِ وعدہ — منتظر ہوں قضا کے آنے کا
خوشی سے شیخ نے بیعت سبو آئے — شرابِ ناب سے کر کے گرد وضو آئے
گئے تھے کوئے بتاں ڈھونڈنے لیکن — گنوا کے کعبۂ جاناں میں آرزو آئے

یہیں سے جاؤں گا میں بزم وعظ میں سیدھا | پلا شراب وہ ساقی نہ جس میں ہو آئے

اسلم (اسلم) حافظ محمد اسلم صاحب باشندۂ جے راج پور ضلع اعظم گڑھ - حکیم معشوق علی صاحب جوہر کے تلامذہ میں ذی لیاقت و خوش فکر ہیں عرصۂ دراز تک اُستاد کا فیضِ صحبت اُٹھایا ہے - آپکی استعداد عربی و فارسی میں بہت معقول ہے رنگ زمانہ اور مذاق عام کے خیال سے غزل گوئی چھوڑ کر اخلاقی نظموں کی طرف مائل ہیں - جو اخباروں میں شایع ہوتی رہتی ہیں - چند روز سے پیسہ اخبار کے دفتر میں عربی سے اُردو ترجمہ کرنے پر مامور ہیں - غزلوں کے اشعار چست اور مزے دار ہیں - اخلاقی نظمیں بھی مفید اور موثر ہوتی ہیں - نمونۂ کلام یہ ہے ؎

گردشِ قسمت سے ہے اُلٹا اثر تدبیر کا | وہ بھی اب ملتا نہیں جو ہے میری تقدیر کا

وہ آئیں یا قضا آئے شبِ غم | کوئی غمخوار ہو جانِ حزیں کا
ہاں دیکھو شبِ وصل بھی آنکھیں نہ لگائیں | لگ جائے نہ دھبا کہیں دامانِ حیا میں
کیا لذتِ بیداد ہے کرتا ہوں دعائیں | اللہ کرے اور ترقی ہو جفا میں +
تن تن کے کہتا ہے ترا خنجرِ بیداد | آجائے نہانا ہو جسے آبِ بقا میں
شبِ فرقت کی ظلمت اک بلا ہے | نہیں آتی قضا بھی جسکے ڈر سے

اسلم (اسلم) منشی سلامت اللہ کانپوری - اخبار ملک دولت حیدرآباد دکن کے نیجر تھے جو اب بند ہے - فی الحال پنشکار صاحب مدار المہام حیدرآباد کی سرکار میں ملازم ہیں - ۳۲-۳۳ برس کی عمر ہے - موزوں طبع شاعر ہیں - جناب جلیل القدیری جانشین امیر مینائی سے مشورۂ سخن کرتے ہیں - پہلے نوبت رائے نظر ایڈیٹر خنگ نظر سے اصلاح لیتے تھے - کلام درج ذیل ہے ؎

کیا اُسنے پامال تربت کو آکر | کفِ پا کے بوسے دئے ہیں مٹا کر
کھڑے ہیں جو مشتاقِ دیدار آکر | دکھا دو انہیں جلوہ چلمن اُٹھا کر
ذرا مل تو لوں میں کہ ہے وقتِ آخر | گلے سے نہ خنجر کو قاتل جدا کر
بس اب طاقِ ابرو میں سجدہ کریگے | الگ ایک عالم سے کعبہ بنا کر

نکلا وہ بے نقاب تو عالم وہ کیا کہوں — گردوں بھی نور کا تھا زمیں بھی تھی نور کی
سنتے ہی عمر گزری ہے زاہد خدا گواہ — تو نے دکھائی بھی کبھی شکل حور کی
کاٹ کر سر پوچھتے ہیں ناز سے — دل میں باقی کوئی حسرت اور ہے
یونہیں انکو دیکھا ڈراتے ہوئے — وہ ڈرتے ہیں خنجر اٹھاتے ہوئے
سچ بتا کونسی قاتل وہ ادا ہوتی ہے — جسپہ سو جان سے قربان قضا ہوتی ہے
ڈالا ہے پردہ شوق نے بسمل کے سامنے — قاتل کو پوچھتا ہے وہ قاتل کے سامنے

اسیر

(اسیر) منشی ہدایت علی خلف سید امیر علی - بزرگوں کا وطن قصبہ زیدپور ضلع لکھنؤ تھا مگر بسبب روزگار اکثر سیر میں رہے - حضرت مصحفی اور نواب حسین علیخان اثر سے اپنے کلام میں مشورہ لیا کرتے تھے - فارسی میں اسیری اور اردو میں اسیر تخلص تھا یہ انکا کلام ہے ؎

ہر گل نو بہار سے اڑاتے ہیں شراب — چاک قفس آتشیں ہیں اب ہمارے ہاتھ پاؤں
گو ہر مقصود ہاتھ آیا نہ پایا آستاں — بحر الفت میں دلا لاکھوں ہی مارے ہاتھ پاؤں

اسیر

(اسیر) تلمیذ ارمان - قوم کے نصرانی - شاہ نصیر دہلوی کے نامی شاگردوں میں تھے - شمس صاحب فرانسیسی کے بیٹے ظفریاب خاں صاحب کے رفقا میں تھے - نہایت پرزور - تنومند - اور فہیم و شجاع آدمی تھے شعر بھی اچھا کہتے تھے ملاحظہ ہو ؎

شمع فانوس میں در پردہ جلی ہے دیکھو — شعلۂ آہ نکالے ہے جگر سے باہر
ہم اُس آئنہ رو کے ہجر میں یوں زیست کرتے ہیں — کہ سکتے کی سی حالت ہے نہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں

اسیر

(اسیر) سید نہال نبی برادر خرد و شاگرد سید آل نبی نامور باشندۂ شاہجہاں آباد - بہادر شاہ کے زمانے میں نشو و نما پایا تھا - انکے والد مولوی غلام علی آحقر تھے - کلام سے طبیعت میں شوخی - فکر میں رسائی پائی جاتی ہے ملاحظہ ہو ؎

نہ ملے گا جو کوئی ڈھونڈے گا — بے وفا تم سا باوفا ہم سا
ہچکیاں بے وقت آتی ہیں اسیر — وقت مردن میں کسے یاد آگیا

جواب نارسا نہ لکھنے سے یہ ہوا ثابت		ارادہ رکھتے ہیں شاید وہ آپ آنے کا	
خون ان ہاتھوں سے کتنوں کا ہوا میرے بعد		رنگ لائی ترے ہاتھوں کی حنا میرے بعد	
روز کے وعدوں میں مر جائیں گے ہم		یونہی گذری تو گذر جائیں گے ہم	
خط غیر کا اس شوخ کو آیا میرے آگے		آیا میری تقدیر کا لکھا میرے آگے	
قاصد ڈرتا ہے مانگتے خط		ایسا نہ ہو وہ جواب دیدے	
بہتر نہیں کسی سے یہ ہر دم کی چھیڑ چھاڑ		کہتے نہ تھے اسیر وہ آخر بگڑ گئے	

اسیر

(**اسیر**) میر گلزار علی - خلف ولی محمد نظیر اکبر آبادی - خلیفہ کے لقب سے ملقب تھے - تاج گنج آگرے کے مدرسہ میں مدت تک مدرس رہے - اگرچہ اپنے والد کی سی ہمہ گیر اور پسندیدۂ عام طبیعت نہیں پائی تھی مگر انکے خلف کہلانے کے ضرور مستحق تھے - صاحب دیوان ہیں ۱۸۰۲ء میں پیدا ہوئے ۷۰ برس کی عمر پائی - دیوان کے سوا ایک مثنوی سوز عشق بھی انکی یادگار ہے - انکا کلام میرے

مکتب سے اٹھے قیس بھی لیلیٰ ترے ہمراہ		اسکو بھی سکھا دے تو بہانہ کوئی ایسا	
بزم میں سوز و گداز اپنے سے رخصت نہ ملی		شمع کو روتے نہ پروانے کو جلتے دیکھا	
گلشن میں جو ہے آمد یا مہ بہاری		بیتاب ہیں مرغان گرفتار قفس میں	
ہم لے گئے وہ ہڈیوں کے ڈھیر لحد میں		کرمان زمیں بھی نہ ہوئے سیر لحد میں	
خط کبوتر کو دئے لاکھ طرح کے ہیں خیال		خاطر دوسو پرواز کا دیوانہ ہوں	
بے دل کے جلے سوز جگر میں نہیں ہوتا		خوشبو کے لئے آگ پہ رکھتے ہیں اگر کو	
جہاں روح رواں نے کوچ کی دنیا سے ٹھیرا لی		کوئی پھر لاکھ ٹھہرائے ولیکن دل کہاں ٹھیرے	
بیت تو ظاہر ہے حرم کی بندی ہوئی		پر دل میں دھن ہے کوئے صنم کی بندی ہوئی	
خدا کو یاد کر اور جام بھر کے لا ساقی		غم زمانہ فراموش ہو تو اچھا ہے	
کڑوے ہونے میں بھی شیریں ہونکے ہے مزا		انکو تلخی شکر آمیز خدا نے دی ہے	
ہو تن سے جدا منزل مقصود کو پہونچے		بے منت پا منزل مقصود کو پہونچے	

لاکھوں ہیں زخم پر لبِ ہر زخم ہے خموش	اتنے دہن پہ بے سخنی ہو تو سیر ہے

اسیر

(اسیر) تدبیر الدولہ مدبر الملک منشی سید مظفر علیخاں بہادر جنگ قصبہ امیٹھی نواح کے رہنے والے تھے والد کا نام سید مدد علی تھا جو محمد صالح کمرؤی کی اولاد میں تھے۔ بارہ برس کی عمر میں اپنی ننھیال شیخ زادگانِ لکھنؤ میں شادی ہوئی۔ عربی اور جملہ علوم و فنون کی کتابیں علماے فرنگی محل سے پڑھیں۔ شعر گوئی میں شیخ غلام سبحانی مصحفی کے شاگرد ہوئے۔ مگر شیخ صاحب دو تین برس بعد ہی فوت ہو گئے۔ منشی صاحب ممدوح نے اپنی ذہانت اور طبع رسائی سے وہ کمال پیدا کیا کہ لاجواب ہوئے اور فخر السنا کہلائے۔ نصیر الدین حیدر بادشاہ کے زمانے میں سرکار شاہی میں متوسل ہوئے حضرت امجد علی شاہ کے وقت میں کچہری سلطانی کے شستہ دار اور داروغہ تمندان اودھ رہے پھر ۸ و ۹ برس سلطان العالم واجد علی شاہ کی مصاحبت میں گزارے۔ بادشاہ گاہے گاہے اپنے کلام میں بھی آپ سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ خطابات مذکور آپ ہی نے عطا فرمائے تھے۔ سلطان العالم جب انتزاع سلطنت کے بعد کلکتہ تشریف لے گئے تو آپنے رفاقت منظور نفرمائی۔ چنانچہ بادشاہ سخت آزردہ خاطر ہوئے جس ناراضی کا جا بجا اپنی تصانیف میں اظہار کیا ہے۔ بعد غدر نواب یوسف علیخاں ناظم والیٔ رامپور نے قدردانی فرما کر رامپور طلب کر لیا اور اپنے کلام میں مشورہ بھی فرماتے رہے۔ پھر مدۃ العمر اسی ریاست کے دعاگو رہے۔ انکی تصانیف میں سے چار اُردو کے دیوان اور ایک فارسی کا دیوان اور مثنوی درۃ التاج اور رسالہ عروض چھپ چکی ہیں۔ منشی امیر مینائی اپنے تذکرہ میں فرماتے ہیں کہ اُردو کے چھ دیوان تھے۔ مرثیے اور قصائد بھی بہت سے لکھے ہیں۔ بڑے پُرگو اور کہنہ مشق شاعر تھے۔ اپنے زمانہ کی روش کے موافق رعایت لفظی کے اسیر اور اہل لکھنؤ میں اپنے آپ ہی نظیر تھے۔ انکے جملہ اصنافِ سخن پر قادر ہونے میں کسیکو کلام نہیں۔ قابل حیرت پرگوئی کے ساتھ ساتھ اچھا لکھتے تھے۔ طبیعت کا زور ضخیم دیوانوں میں نہیں سماتا جس سے ظاہر ہے کہ شبانہ روز اسی مشغلہ میں گزارتے ہونگے۔ اسیر موصوف شاعری کے علاوہ دیگر علوم متعارفہ میں بھی کمال رکھتے تھے چنانچہ عروض میں یگانۂ عصر خیال کئے جاتے تھے

ایک اور امر قابلِ ذکر یہ ہے کہ آپ ہمیشہ دہلی اور لکھنؤ کے مباحثات فوقیت زبان سے محترز رہے اور اکثر موقعوں پر شعرائے دہلی کے دلفریب اور پُرتاثیر کلام کی داد دے کر آپ نے اپنی سلیم الذاتی بے تعصبی اور بلند نظری کا ثبوت دیا۔ لکھنؤ میں آپکے بیسیوں شاگرد تھے جن میں سے حضرت امیر مینائی مرحوم۔ منشی احمد علی شوق۔ جرار۔ فضل رسول خاں واسطی۔ اسد اور آپکے دونوں صاحبزادے جناب حکیم اور افضل درجہ امتیاز رکھتے ہیں۔ شعرائے لکھنؤ میں وزیر۔ رند۔ صبا کے بعد آپ کا دم بہت غنیمت تھا۔ آخر کار ۸۴ برس کی عمر میں بمقام رامپور ۱۲۹۹ھ میں انتقال فرمایا۔ آپکے دونوں صاحبزادے عمائدین لکھنؤ میں شمار ہوتے ہیں اور مشہور شاعر ہیں ہمارے مذاق کے۔ کلام کا انتخاب پیش کش ہے ؎

انتخاب از دیوان اول موسوم بہ گلستان سخن

شیشہ رہے بغل میں جامِ شراب لب پر
ساقی یہی مزا ہے دو دن کی زندگی کا

ہم دامِ غم سے چھوٹے مدت کے بعد مر کر
روتے ہیں کیوں احبا موقع ہے یہ خوشی کا

چھوٹتے ہیں اقربا جاتے ہیں ہم سُوئے عدم
بیکسی کا وقت ہے چھایا ہے عالم یاس کا

غم ہے اس بحر میں کیا بے سروسامانی کا
ناخدا خود ہے خدا کشتی مسافانی کا

ضعف سے پیوند میں ہر جا زمیں کا ہو گیا
مثلِ نقشِ پا جہاں بیٹھا وہیں کا ہو گیا

امیروں کی سفارش ہو مبارک اہلِ دنیا کو
خدا سے سلسلہ ہے مجھ گدائے بے توسل کا

باغباں اُڑ کر کہاں گلشن سے جائے عندلیب
بوئے گل کی موج ہے زنجیر پائے عندلیب

ہو عیاں کچھ بھی جو تاثیرِ فغانِ عندلیب
باغباں پھولوں سے چھائے آشیانِ عندلیب

زاہدانِ خشک کے تقویٰ کا میں قائل نہیں
آشکارا رند پیتے ہیں تو یہ پنہاں شراب

ہے جو شراب پیشۂ زاہد ہے ساقیا
یہ شیشہ ہے مُنکرِ تنویرِ آفتاب

کہنے کو یوں جہاں میں ہزاروں ہیں یار دوست
مشکل کے وقت ایک ہے پروردگار دوست

کس سے کہوں تلوں اپنائے روزگار
دشمن یہ لاکھ بار ہوئے لاکھ بار دوست

نشیمن طائرانِ روح کا ہے تیغِ جانان پر
ہزاروں بلبلیں بیٹھی ہیں دیوارِ گلستاں پر

ازل سے عشق ہے دلکو ترے روئے کتابی سے
اگر یاد رہو کہدوں میں رکھکر ہاتھ قرآں پر

خضر رہبر آبِ حیواں سے سکندر بے نصیب
کامیابی دہر میں موقوف ہے تقدیر پر

اُسکو منظور نظر ہے اور کچھ ہوتا ہے کچھ ❊
ہستی ہے تقدیر کیا کیا صاحبِ تدبیر پر

دلِ مجروح کو کیا دیکھنے آئے ہو بے پردہ
چھپاؤ چہرہ دیکھو چاندنی پڑتی ہے بسمل پر

آئے وہ بال کھولے ہوئے بہرِ فاتحہ
نازل نئی بلا ہوئی اہلِ قبور پر

کرتا ہے منع ہمکو تو واعظ شرابِ سے
دیتا ہے آپ جاں شرابِ طہور پر

کاٹ کر بے جرم سر میرا بت پچھتائے گا
رحم آتا ہے مجھے نادانی جلاد پر

دربار جانتے ہیں مزاروں کو بے خبر
مُردوں کو جاکے کرتے ہیں زندے سلام دم

بے مانگے رزق دیتا ہے ہر روز وہ کریم
کب تک تلاش بوالہوسا تا کجا ہوس

دورِ چشمِ یار نے یہ مست عالم کو کیا
ڈھونڈتے پھرتے ہیں زاہد بھی دوکاں میفروش

دل میں اپنے ہے جگہ اُس بتِ کافر کی اسیر
نالۂ دل ہے کہ ناقوسِ صنم خانۂ عشق

خندہ سے جتنا ہے یہاں کافر و دیندار میں فرق
زاہد اتنا تو نہیں سبحہ و زنار میں فرق

جلتے ہیں غم سے جان و دل و سینہ و جگر
چاروں طرف ہے آگ بجھاؤں کہاں تلک

زنجیرِ تعلق مرے پاؤں سے تو نکلے
ہے فاصلہ دو گام کا ہستی سے عدم تک

آیا ہے ہمکو ہاتھ یہ مضموں چراغ سے
روشن اُسی کا نام رہے جو جلائے دل

دے جنوں ہمکو جنوں کو دیں سبارک بادہم
قید ہو کر سب بلاؤں سے ہوئے آزاد ہم

اپنی بربادی سے کرتے ہیں جہاں کو شاد ہم
باغِ عالم میں ہیں مثلِ نکہتِ برباد ہم ❊

ضربِ شمشیرِ قضا سے کوئی بچنے کا نہیں
فائدہ کیا کیوں بنائیں قلعۂ فولاد ہم

تنگ ہیں قیدِ مکاں سے اب یہ ہے جی میں خیال
جا بدیوار عناصر کو کریں برباد ہم ❊

جمعہ اگر نہیں تو دوشنبہ کو آیئے
شبہہ عبث ہے آپکو سب دن خدا کے ہیں

اُسی کا ذکر میں جلوہ اُسی کا نور کعبہ میں
تزا عیں اس قدر ہیں کس لئے گبر و مسلماں میں

ساقی اسی سے رُکتے ہیں شمشیرِ غم کے وار
جامِ شراب سے کوئی بڑھکر سپر نہیں

خونِ ناحق کا ہمارے داغ مٹنے کا نہیں
تیغ میں ہوگا اگر قاتل کے داماں میں نہیں

کعبہ ہے ایک بتکدہ زاہد گلی گلی +
بت لاکھ رنگ میں ہیں خدا ایک رنگ میں

اندیشہ مجھ کو سختیٔ ایام سے نہیں +
رزّاق رزق دیتا ہے کیڑے کو سنگ میں

بیان کرتی ہے مستی میں راز یا وہ پرست
شراب شرع میں اسوا سطے حلال نہیں

ٹھہرے آگے ترے یہ حوصلہ حور نہیں
حور کیا اُسکے فرشتے کا بھی مقدور نہیں

فارغ جہاں میں رنج سے اہلِ قلم نہیں
ہرگز بغیر زخم زبانِ قلم نہیں

غربت برس رہی ہے ہمارے مزار پر
کچھ احتیاجِ بارشِ ابرِ کرم نہیں

ہو رہ کسی کا تا نہ دنیا میں تجھ کو رنج
رہزن بھی لوٹتے ہیں تو تنہا کو راہ میں

امیروں سے فقیروں میں زیادہ سوزِ الفت ہے
دوشالے میں کہاں وہ جسقدر گرمی ہے کمبل میں

ہوگیا دہشت سے ایسا بسملوں کا خون خشک
ایک بھی دھبا لہو کا تیغ قاتل میں نہیں

معجزِ لب سے جلایا تم نے مردہ غیر کا
کیا ہماری لاش قابل ایک ٹھوکر کے نہیں

ہو اگر قاتل بھی سر پر ترکِ حق گوئی نہ کر
موت تیری جز خدا قبضے میں خنجر کے نہیں

بسر کی ابتدا و انتہائے عمر ماتم میں
محرم میں ہوئے پیدا قضا آئی محرم میں

زر دارتم سا کوئی نہیں کائنات میں
دینارِ داغ ہمکو دئے ہیں زکات میں

حور ہر ایک خوبرو کو بکوچہ رنگ و بو
باغِ جناں ہے لکھنؤ جو ہے یہاں کہیں نہیں

خاک ہے سب جو دم نہیں شاہ گدا سے کم نہیں
طبل نہیں علم نہیں تاج نہیں نگیں نہیں

اُٹھ گئی ساری کچہری ہو چکا سب کا حساب
ڈھونڈتے ہی رہ گئے محشر میں ہم جلاد کو

اے طبیبو موت لے گھویا ہر اک آزار کو
کم نہیں دار الشفا سے گور مجھ بیمار کو

مدتوں کھائی ہیں ہمنے مسجدوں میں ٹھوکریں
ڈھونڈکر آخر نکالا خانۂ خمار کو

ربط ہے معشوق سے عاشق کو پیغام اجل
جب پلٹتا ہے جلا دیتا ہے شعلہ خار کو

زمانہ رنج دیتا ہے بقدر حال انساں کو
گدا کو فکر ناں اندیشہ عالم ہے سلطاں کو

نہ اٹھا اُس رُخ روشن سے پردہ ہو چکا محشر
وہی شوق تماشا رہ گیا اہل تماشا کو

اب کیا کبھی ہوئی نہیں معشوق سے وفا
شیریں نے کیا سلوک کیا کوہکن کے ساتھ ؟

ایک کیا ایسے جو سو عالم خدا پیدا کرے
غیر ممکن ہے کہ تجھ سا دوسرا پیدا کرے

صبر کی لذت اگر طمع گدا پیدا کرے
خشک روٹی نان نعمت کا مزا پیدا کرے

نبض بیمار جواے رشک مسیحا دیکھی
آج کیا آپ نے جاتی ہوئی دنیا دیکھی ؟

ساقیا کم ظرفیاں تیری پسند آتی نہیں
ایک ساغر کیا کرے پی کر جو دریا نوش ہے

وہ کوں ہیں جو دوست سے کرتے ہیں دشمنی
مجھ کو تو دشمنوں سے محبت پسند ہے

خال ہمارے سامنے لایا ہے ظرف مے
ساقی کی طبع کتنی ظرافت پسند ہے

بوسے کے مانگنے سے خفا اسقدر نہ ہو
ایک بات ہے کہ منہ سے ہمارے نکل گئی

قاتل کی تیغ تیز عجب کام کر گئی
بسکر دوا ہمارے گلے سے اتر گئی

جاں بخشئ زمانہ ترے لب کا کام ہے
یہ نائب مسیح علیہ السلام ہے

دل مائل زیارت بیت الحرام ہے
اے ساکنان دیر ہمارا سلام ہے

مسجد کو کس کا قصد ہے قتل عام ہے
پیچھے صفوں سے خوف کے مارے امام ہے

کس کام کی نماز ہو جس میں تیری یاد
سجدہ جو تیرے در کے سوا ہے حرام ہے

کاغذ تمام - کلک تمام اور رہم تمام
پر داستان شوق ابھی ناتمام ہے

زاہد تجھے ہے وقت عبادت جہاں کی فکر
ایسی نماز کو تو ہمارا سلام ہے

نا قبول خلق تھا ایسا بنا کا فرجو میں ؟
جتنے ہندو تھے مری ضد سے مسلماں ہو گئے

گلوں کی سیر کو گلشن میں ہم گئے تھے اسیر
لپٹ لپٹ گئے کانٹے ہمارے داماں سے

کھینچ لایا ہے قفس تک ہمیں دانا پانی ؟
دیکھئے دانہ فلک بند کرے یا پانی ؟

عبرت کا ہے مقام زمانے کا انقلاب
تکیہ فقیر کا ہے لحد بادشاہ کی

چشمِ مردم سے یہاں چھپ کے جو کرتے ہیں گناہ
جانتے کیا نہیں اتنا کہ خدا ناظر ہے

خاصیتِ سیماب ہے عاشق میں تمہارے
کشتہ نہو جب تک اسے آرام کہاں ہے

بجا ہے ترکِ عبادت کرے جو صاحبِ زر
پڑے ہے نماز وہ کیا نشۂ شراب میں ہے

پھنسایا مفت دل نے کر کے الفت بیوفاؤں سے
معاذ اللہ کچھ تو آدمی اچھا بُرا سمجھے

لالے کے پھول اگتے ہیں فصلِ بہار میں
ہر سال زندہ ہوگا جو اُسکا شہید ہے

اہلِ ریا کا ظاہر و باطن کہاں ہے ایک
دل میں صنم بغل میں کلامِ مجید ہے

تھک چکے ہیں پاؤں اُسکا آستانہ دور ہے
دل ہے کم منزل کڑی ہے اور جانا دور ہے

بے ہنر مسند نشیں اہلِ ہنر در خراب
عقلِ انساں سے خدا کا کارخانہ دور ہے

نہ دوزخ کو سمجھتے ہیں نہ جنت کو ہمارے واعظ
فراقِ یار دوزخ ہے وصالِ یار جنت ہے

انتخاب دیوان دوم معروف بہ ریاض مصنف

کیا خوب ہو موت آئے جو سب سے مجھے پہلے
نازک ہے یہ دل داغِ عزیزاں نہ اُٹھے گا

بے مشقت نہیں ہوتی کوئی راحت حاصل
غرقِ دریا ہوا غوّاص تو گوہر پایا

چاہنے اور بھی اُو ترک کرم تھوڑا سا
تیرے زخمی میں ہے باقی ابھی دم تھوڑا سا

لاغری نے مجھے ہستی سے کیا ہے معدوم
اے اجل ڈھونڈتی پھرتی ہے کسے ہوش میں آ

حشر میں دوستوں سے دوستے
مرگِ انبوہ جشنِ عام ہوا

داغِ دل اپنا چھپانے سے عیاں اور ہوا
شمعِ خاموش جو کی ہنسے دھواں اور ہوا

دل چاک چاک ابروئے خمدار نے کیا
کعبے کو کربلا تری تلوار نے کیا

دستِ رنگیں سے خوں بہا میرا
یہی کافی ہے خوں بہا میرا

دل جلا کر رخِ محبوب کا جلوہ دیکھا
ہنسنے گھر پھونک کے کیا خوب تماشا دیکھا

جو مال کے طالب ہیں کوئی ان سے یہ کہدے — آخت ہوئی قاروں کیلئے زر کی محبت
عمر بھر تیرے گھر رہے صیاد — اب کہاں جائیں ہم رہا ہو کر
میخانۂ جہاں میں نتھا بادۂ نشاط — بچتا ئے تو یہ تیرے گنہ گار تو کر
غریب خانے میں آئے تو سر فراز کیا — خوشا نصیب قدم آپکے مرے سر پر

پھر وہی ہونگے قفس میں ترے نالے بلبل — چھاؤنی چار دن اس باغ میں چھالے بلبل
کیا قیامت ہیں تری اودتِ عیار آنکھیں — دونو عالم سے گیا جس سے ہوئیں چار آنکھیں
بری گناہ سے کیونکر جہاں میں ہو انساں — یہاں تو آکے فرشتے گناہ کرتے ہیں
خدا کا سجدہ جو رکھا ہے سنگ پر جائز — یہ اہل شرع بتوں سے بھی راہ کرتے ہیں
محفل کو اُس نے آکے مرقع بنا دیا — بیکار جسم رہ گئے جانیں نکل گئیں
جب تک ہیں گوشِ ہوش فسانہ سنیں ترا — جب تک رہے زبان تری گفتگو کریں
بر گماں عاشقِ مضطر سے اگر ہو پسِ مرگ — لاکے بھاری سا لحد پر کوئی پتھر رکھ دو

سنا یا پری تم کو دیوانہ ہمکو — وہ طالع تمارے یہ قسمت ہماری
زیست کہتے ہیں جسے ہے اضطراب — موت کہتے ہیں جسے آرام ہے
قصے ہم ہوں یہ غیر ممکن ہے — ہمسے ہو جاؤ تم خدا نہ کرے
دلکو بکڑے ہوئے ہر سامنے آئے سو بار — تمنے اتنا نہ کہا حال تمارا کیا ہے
مسیحا کو دیکھا دوا ہو گئی — اشاروں میں مجکو شفا ہو گئی

انتخاب از دیوان سوم و چہارم

گرمی کا شکر چاہیے اے اشتیاقِ دید — سوتے میں اسنے مُنہ سے ڈوپٹا اُلٹ دیا
خاکساری سے نہیں بہتر جہاں میں منعمی — مل گئی جس کو یہ دولت کیمیا گر ہو گیا
دئے خدا نے عوض ایک ایک کے دس دس — کریم بانٹ کے زر صاحبِ خزانہ ہوا

تابِ نظارۂ معشوق کہاں عاشق کو — غش نے موسیٰ کو سرِ طور سنبھلنے نہ دیا

بُت پرستی خوب تھی کچھ فکر زمانے کی نہ تھی — ہوش جاتے رہے جسدن سے ہمیں ہوش ہوا
جو عاقل ہے اُٹھا دل سے تعلقِ دہر فانی کا — دم آیا یا نہ آیا کیا بھروسہ زندگانی کا

مستی میں ترنگ آگئی جب مست کو تیرے — زاہد کا عمامہ سرِ بازار اُتارا
بت کدہ کی میں سیر کر آیا — واں خدا ہی خدا نظر آیا
ہوں وہ بسمل کہ ہوں میں عاشقِ درد — دل بھر آیا جو زخم بھر آیا
مطلبِ دل بے طلب ہو جائیگا — جب خدا چاہے گا سب ہو جائیگا

مارا مرے سر صبح شبِ وصل بگڑ کر — مرجھائے ہوئے پھولوں کا جب ہار اُتارا
نجات دنیا کے مخصوص نسخے ہیں نہیں کوئی دینے والا — دراز عمرِ حسامِ قاتل جو آسرا ہے تو اُسکے دم کا
پیری میں تیرہ رنگ ریاضِ سخن ہوا — آئی خزاں تو اور شگفتہ چمن ہوا
جاتے ہی کہدوں گا میں مجرم ہوں تو رب کریم — سوچ رکھا ہے سوالِ روزِ محشر کا جواب
اُٹھنا انہیں منظور ہے پہلو سے ہمارے — حیلہ ہے کہ دیکھی نہیں جاتی تپشِ دل
کم ہو نہ ذرا بھر خدا اے تپشِ دل — ایسا نہو ہاتھ اپنا وہ سینہ سے اُٹھالیں
دھومِ محشر میں ہوئی جب ترحمی مرزش کی — بیگنہ مل گئے چھپ چھپ کے گنہگاروں میں
نظر آتا ہے ترا چہرۂ زیبا کس کو — حسن بے پردہ ہے پرتابِ تماشہ کس کو
زیست ہے مرگِ محبت میں مجھے مرگ ہے زیست — ملک الموت کہوں کسکو مسیحا کس کو
اب کہاں وہ لکھنؤ وہ ساکنانِ لکھنؤ — رہ گئی باقی زبان پر داستانِ لکھنؤ
ساغر ہمارے ہاتھ لبِ آب جو پیو — تنہا جو مے پیو تو ہمارا لہو پیو
کوئے قاتل کو جو چلتا ہوں تو سایہ ڈر کر — پوچھتا ہے لئے جاتے ہو کہاں تم مجھکو
پہلو میں وہ عیسےٰ ہے اجل سر پہ کھڑی ہے — کیا جان دمِ نزع کشاکش میں پڑی ہے
کچھ حالِ شبِ وصل و شبِ ہجر نہ پوچھو — جتنی کہ یہ چھوٹی ہے وہ اُتنی ہی بڑی ہے

اس لئے دامن سے میرے اشک پونچھے یار نے
تا تمنا میں اسی لذت کی یہ رہ یار کرے

جسکو کہتا ہے جہاں آگے خدا کا نام ہے
اے صنم وہ تیرے وعدہ کی وفا کا نام ہے

باقی ابھی ہے ترکِ تمنا کی آرزو
کیوں کر کہوں کہ کوئی تمنا نہیں مجھے

اے تیغ جفا کمی نہ کرنا
سوگند تجھے مرے لہو کی

سارے علاج آکے اجل نے بھلا دئے
حکمت وہ کیا ہوئی کوئی پوچھے حکیم سے

کچھ تو الفت کی ترے کوچہ سے بو آتی ہے
گرد اٹھ کر میرے دامن سے لپٹ جاتی ہے

آگیا ضعف ہی کچھ کام کہ تربت میں اسیر
ہوگئی ختم قیامت مرے اٹھتے اٹھتے

اسیر

(اسیر) مولوی علی احمد خاں - گو انکا اصل وطن بریلی ہے مگر بدایوں میں رہتے ہیں - اور حضرت مذاق کے شاگردوں میں ہیں - کلام حاضر ہے ؎

دیکھ کر خنجر جھکا یا خود سرِ بیخبر نیاز
رحم اس پر بھی نہ آیا قاتل خونخوار کو

ادائیں نہ کیوں چشم کی ہوں پسند
اٹھاتے ہیں سب ناز بیمار کے

یہ دو دن کا ہے رنگ و بو باغباں
نہ تو پھول پھولوں پہ گلزار کے

اسیر

(اسیر) منشی محمد سمیع اللہ اسیر باشندہ ریہڑ شاگرد مولانا احمد حسین شوکت دور موجودہ کے شعرا میں ہیں ؎

کیا تیر نگہ نے صید جاں کو
کماں کش ہاتھ سے رکھدے کماں کو

تری طرزِ جفا تھی اسمیں ورنہ
اٹھاتا کون جور آسماں کو

مزا آتا ہے دردِ دل کو سنکر
وہ کہتے ہیں کہ پھر داستاں کو

پھنسے دامِ بلا میں تم اسیر آہ
نہ چھوڑیں گے وہ گیسو مرغ جاں کو

اسیر

(اسیر) منشی سید سجاد میرزا مرحوم خلف الرشید فخر الشعرا مولانا سید ظہیر الدین حسین صاحب ظہیر مدظلہ العالی - ایسے باکمال باپ کے فرزند ارجمند ہونے کے علاوہ خود ہر طرح ذی لیاقت اور صاحب ہنر تھے - علوم متعارفہ میں اچھی استعداد بہم پہنچائی تھی - شعر گوئی کی طرف کم توجہ تھی

لیکن جب احباب کے اصرار سے کبھی خیال آجاتا تو براقی ذہن اور تیزیٔ فکر سے ایسے ایسے دلنشیں مضامین نکالتے اور اسطرح فی البدیہہ اشعار کہتے کہ لوگ انہیں انکے عم نامدار سید امداد مرزا انور مرحوم کی زندہ مثال سمجھتے تھے۔ الغرض بڑے طباع اور ہونہار نوجوان تھے آپ ریاست جے پور میں تھانہ دار تھے۔ بوجہ تبدیلی مقام کھنڈیلہ میں متعین ہوئے وہاں پہونچتے ہی چند دشمنوں کی شرارت سے ایسا قضیۂ نامرضیہ پیش آیا جس نے آپ کو ۳۴ سال کے سن میں شربتِ شہادت پلاکر عزیز واقارب خصوصاً انکے ضعیف العمر باپ حضرت نظیر کو صدمۂ عظیم پہنچایا۔ آپ اپنے والد کے اکلوتے بیٹے تھے۔ یہ سانحۂ ہوشربا ۱۸۹۹ء میں واقع ہوا۔ کچھ کلام آپکے والد بزرگوار نے ارسال فرمایا وہ بطور یادگار درج تذکرہ کیا جاتا ہے چند متفرق غزلیں اور ایک مثنوی آپکی یادگار ہے ؎

گر نہ باتوں میں عدو کے آئیے	آپ اور یوں بزم سے اٹھوائیے
کیا کبھی منت کشِ ساقی نہ تھے	وعظ میں یہ تو ذرا فرمائیے
گر نہیں ہے آہ عاشق میں اثر	بیقراری کا سبب بتلائیے
بے تکلف لے چلیگا جذبِ شوق	سختیٔ منزل سے کیوں گھبرائیے
جان لیجے یہ عنایت کیجئے	قتل کیجے یہ کرم فرمائیے
سُن رہی ہیں لن ترانی طور کی	جلوۂ حیرت فزا دکھلائیے
ہے خماریٔ مے دوشیں عیاں	آپ ہی دل میں ذرا شرمائیے
قتل کیجے زندگی یاں موت ہے	کچھ مسیحائی بھی تو دکھلائیے
کہہ رہے ہیں منع ربطِ غیر پر	اپنے دل کو ہی ذرا سمجھائیے
اپنی باتوں سے ہوا یا مالِ غیر	اس دلِ ناداں کو کیا سمجھائیے

اشتیاق (اشتیاق) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ اصل وطن سرہند اور مجدد الف ثانی کی نسل سے تھے۔ دہلی کے قریب فیروز شاہ کے کوٹلے میں سکونت پذیر اور توکل پیشہ بزرگ تھے

یہ وہ عالم فاضل بزرگ تھے جنہوں نے اپنی تبحر اور قابلیت کا سکہ تمام علما کے دلوں پر بٹھا دیا تھا چنانچہ انکے تفصیلی حالات اکثر کتابوں میں مندرج ہیں۔ شاہ صاحب کی ولادت آخر زمانہ اورنگ زیب ۱۱۱۵ھ میں واقع ہوئی شاہ آبرو اور خاں آرزو کا زمانہ دیکھا۔ ۱۱۷۶ھ بعد عالمگیر ثانی انتقال فرمایا۔ بیرون ترکماں دروازہ دہلی مہندیوں میں دفن ہوئے اب تک ہر سال آپ کا عرس ہوتا ہے۔ مولوی شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۲۳۹ - ۱۱۵۹) صاحب تحفہ اثنا عشریہ اسی نام آور باپ کے بیٹے تھے۔ کبھی کبھی تفنناً ریختہ میں شعر بھی فرماتے تھے۔ چنانچہ چند شعر تبرکاً درج کئے جاتے ہیں ؎

خیال دل کو ہے اُس گل سے آشنائی کا
نہیں حیا کو ہے دعوے جہاں رسائی کا

کہیں وہ کثرتِ عشاق سے گھمنڈ میں آ
دُروں ہوں میں کہ نہ دعویٰ کرے خدائی کا

جہاں میں دل نہ لگانے کا لیوے پھر کوئی نام
بیاں کروں میں اگر تیری بے وفائی کا

نہیں خیال میں لاتے وہ سلطنت جم کی
غرور ہے جنہیں در کی ترے گدائی کا

جفائے یار سے مت اشتیاق پھر کہنہ
خیال کیجو کہیں اور جبہ سائی کا

لڑکوں کے پتھروں کی لگے کیونکر اُسکے چوٹ
ہر ایک گرد باد ہے مجنوں کو دھول کوٹ

بتاں جو ہجر کی باتیں ہمیں سناتے ہیں
کچھ ان کا دوش نہیں یہ خدا کی باتیں ہیں

جھوڑ کر تجکو ہمیں اودے جو لاگ لگی
نہیں منہدی یہ تری نلوں سے ہوا گ لگی

اشرف

(اشرف) حافظ غلام اشرف نام ہے۔ دہلی کے رہنے والے تھے۔ علم موسیقی میں کامل مہارت اور فن شعر میں عمدہ قابلیت رکھتے تھے۔ جنتر اور بین بجانے میں دستگاہ تمام اور خیال۔ دھرپد گانے میں قدرتِ مالا کلام حاصل تھی۔ نواب محمد میر خاں ابن شاہ نظام الدین عرف شاہ جی جو ظاہر میں دنیادار اور باطن میں فقیر تھے ہمیشہ انکی صحبت کو غنیمت جانتے تھے۔ فن شعر میں قدرت اللہ خانِ قاسم کے شاگرد تھے مرثیہ گوئی کا بھی شوق تھا ۱۲۱۷ھ ہجری تک زندہ تھے کلام حاضر ہے ؎

شب نبی شاں میں تجھے دیکھا — روز ہر آن میں تجھے دیکھا
تو نے تفسیر پڑھی حافظ پر — اُسکی صورت کا بیاں ہو نہ سکا
حقیقت میں تجھکو جو ہم دیکھتے ہیں — تو ذات و صفت کو بھی دیکھتے ہیں
ایک تجلی نے تو روشنی عالم کو دی — آگے اب اندھیرا ہے جلوہ گری در بھی
مطلب ہے لامکاں سے نہ کچھ کا نات سے — مجکو تو مدعا ہے فقط تیری ذات سے

قطعہ

اُس بُت کے وہ رات میری زاری — بولایاں کوں رو رہا ہے
جو شام سے لے کے آج اب تک — سونے میں مرے خلل پڑا ہے
جلدی اب اِسے اُٹھاو دیاں سے — یہ گھر ہے نہ کارواں سرا ہے

غزل

خویشاں دوستاں و عزیزاں و ہمنشیں — پرسش انہیں ہے زندگی مستعار کی
میں نے کل اُس جنگ جو سے یہ کہا — آؤ جانے دو لڑائی ہو چکی
صاف میرے مُنہ پہ کہہ بیٹھا کہ اب — دال نے ہو آشنائی ہو چکی
اک روز مخمل اُس کی میں چرچا میں یہ کیا — سب کی بنی پر اپنی نہ بات اک ذرا بنی
سنتے ہی اُسکے کہنے لگا کیوں رے بے ادب — کیا کہہ رہا ہے چپکے ہی چپکے بنا بنی
آہ کب جا دیں جو ہم اُس کو اکیلا پائیں — رات دن رہتے ہیں واں لوگوں سے دالان بھرے
کیوں نہ ہم گھر کو بھریں حسرت واراں بھرے — اُسکے دروازے پہ جب یوں رہیں دربان بھرے
ہم اسیروں کی خبر ہووے بھلا کیونکہ اُسے — ایک ہی سیر میں جیسے کئی زندان بھرے

اشرف (شیخ اشرف علی نام - خلف شیخ مظہر علی ساکن مصطفےٰ آباد عرف کسمنڈی چوصافات لکھنو سے ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جناب اشرف کی عمر کا زیادہ حصہ بلکہ ساری عمر لکھنو میں گزری اگرچہ اِن کا دائرۂ علم زیادہ وسیع نہ تھا مگر ضروریات شعری کے لئے کافی تھا - نہایت اعلیٰ درجے کے خوشنویس تھے - کامل ۴۰ برس تک انکونشی نولکشور کے مطبع سے تعلق رہا - نہایت خلیق اور باوضع آدمی تھے - کیا لباس و کیا طریق رہائش جملہ امور میں جیسا جوانی میں رنگ تھا ویسا ہی عہد

پیری بلکہ مرتے دم تک قائم رہا۔ جس سے جس قسم کی ملاقات تھی اُس سے ہمیشہ وہی ربط طریق جس کام کے لئے جو وقت مقرر کر رکھا تھا اُسمیں کبھی فرق نہ آیا۔ اشرف نے تمام عمر شادی نہیں کی اور نہایت نیک نامی اور اتقا کے ساتھ زندگی بسر کی۔ آپ نواب اصغر علیخاں صاحب نسیم دہلوی کے قدیم اور رشید شاگردوں میں تھے۔ ناسخ۔ آتش۔ خلیل۔ وزیر۔ صبا۔ رند۔ کی محفلوں میں شریک رہے مگر اپنے طرز کلام میں اساتذہ دہلی بالخصوص اپنے اُستاد کا تتبع کرتے رہے اور باوجود کشش ہموطنی و تعلقات و زمرہ طرز لکھنؤ کے اثر کو غالب نہ آنے دیا۔ اچھے اچھے مضامین پاک اور لطیف زبان میں بڑے سلیقے سے ادا کرتے تھے۔ حق یہ ہے کہ آپ کا کلام گو سادا ایک ہی رتبہ کا نہیں لیکن اکثر شاہیر کے کلام سے لگا کھاتا ہے۔ اپنے اُستاد مرحوم سے ایسی عقیدت رکھتے تھے کہ فدائی کا رتبہ حاصل تھا۔ منشی امیہ اللہ صاحب تسلیم کے گہرے دوستوں میں تھے۔ ساٹھ برس تک ہم مشق و ہم صحبت رہے الغرض اساتذہ قدیم کی ایک قابل قدر یادگار تھے۔ غزل کے علاوہ تاریخ گوئی میں بھی بڑا ملکہ حاصل تھا چنانچہ مطبع نولکشور یا دیگر کتب مطبوعہ لکھنؤ میں عموماً آپکی تاریخ ہوتی تھی۔ ان کے دو اُردو دیوان مکمل موجود ہیں۔ ۸۵ برس کی عمر پاکر ۱۹۰۰ء میں بمقام لکھنؤ انتقال کیا ؎

جینا غمِ فراق نے دشوار کر دیا	پرہیز نے حضور کے بیمار کر دیا
جوشِ کرم سے بڑھ گئی امیدِ مغفرت	رحمت نے تیری مجھ کو گنہگار کر دیا
اشرف مرے کلام کی رنگینیوں نے آج	دامن سخن کا دامنِ گلزار کر دیا ؛ ؛

فسونِ بے اثر سے خاک ہو تسکیں بلبل کی	قفس پر دم کیا صیاد نے دفترِ گلستاں کا
اے فلک شیوہ نہ بدلے اُس ستم ایجاد کا	ہے ہمارے دل میں جب تک حوصلہ فریاد کا
ایک جا ممکن نہیں نازک مزاجی سے قرار	میں ہوں پروردہ کنارِ نکہتِ برباد کا
نعشِ عاشق شامیانے کی نہیں محتاج ہے	میری میت پہ ہے سایہ دامنِ فریاد کا
آسماں سے شکوۂ وابستگی بے کار ہے	بڑھ گیا اُس سے تعلق خاطرِ آزاد کا
بھاتا ہے ہی ظاہری کراست دستِ دخت نے	تبرک کی طرح گھر گھر گیا ٹکڑا گریباں کا

سرگوشیاں رقیب کی تاثیر کر گئیں
سہلو کچھ اور آج تری گفتگو میں تھا

ہاتھ اُسکے ٹوٹیں توڑے ہیں جسنے ظرفِ وعدہ
سرمایہ بیریِ زیست کا ظرفِ سبو میں تھا

سنتے ہی میرا حال اُنہیں رحم آگیا
حرفِ فسوں کوئی سخنِ آرزو میں تھا

او بے وفا نہ حال شبِ انتظار پوچھ
مشتاقِ دید آنکھ تھی - دل جستجو میں تھا

سر شمع کا کٹا تو بڑھی اور روشنی
پنہاں فروغِ زیست بجھائے عدو میں تھا

اشرف کرو جلائے وطن اختیار اب
جب تک کہ سلطنت تھی مزا لکھنؤ میں تھا

کیوں نہ اشرف ہو اخواہِ نسیمِ دہلوی
ایک ہی شاعر نظر آتا ہیں سودا کے بعد

ہوں گوارا نہ ستم جنکو وہ فریاد کریں
ہم فنا دوست ہیں کیوں شکوہ بیداد کریں

مجھ تک آجائیں جو دعوئی مسیحائی ہے
کہہ دے کوئی کہ علاجِ دلِ ناشاد کریں

عمر گزری ہے قفس میں ہمیں کیا آئی بہار
کیوں رہائی کے لئے منتِ صیاد کریں

جواب تک بھی نہیں یارِ مہرباں منہ میں
یہ خامشی ہے کہ گویا نہیں زباں منہ میں

ادب سے شکوۂ قاتل زباں پہ لا نہ سکے
لبوں پہ زمزمۂ شکر الاماں منہ میں

رہے لحاظ کہ میں بھی زبان رکھتا ہوں
کہے بجا ئیے جو آئے مہرباں منہ میں

نہ نکلی حسرتِ دل - طولِ عرضِ مطلب سے
تمام رات رہا دامنِ بیاں منہ میں

کچھ ایسی آپ کو بھائی ہے لذتِ انکار
نہیں کی جا کبھی آتا نہیں ہے ہاں منہ میں

بسانِ آسیا گردش ہے بخت کو ہر دم
پہنچنے دے گا نہ دانہ بھی آسماں منہ میں

بعد مرون بھی نہ تاثیرِ سیہ بختی گئی
تیرگی ہے کس قیامت کی سوادِ گور میں

دل کھنچا جاتا ہے از خود دیکھ لطفِ ماہتاب
ہے کوئی خلوت نشیں شاید حجابِ نور میں

دامنِ شب کو جلایا میں بے آہِ آتشیں
آگیا جوشِ حرارت صبح کے کافور میں

وقتِ فکرِ شعر رکھ اشرف ذرا اسکا خیال
آنہ جائے فرق طرزِ مومنِ مغفور میں

اتنا سنا ئیے نہ محبت عذاب ہو
بگڑے کسی سے آپ ہے مجھ پر عتاب ہو

کس کام کے ہو مہر و محبت اگر نہیں | مانا سپہر حسن کے تم آفتاب ہو

کیا مریضِ رنجِ الفت کا کوئی چارہ نہیں | اے مسیحا دم ہے کیوں پرہیز مجھ رنجور سے
مرے سر کی قسم کھاتے ہو لوگوں کو حسد ہوگا | مرے کارشک سے دشمن قسم سے تم نکلتا ہے

کیا چاہئے ہے عاشقِ ناشاد کیلئے | پیدا ہوا ہے نالہ و فریاد کے لئے
عالم میں ہر جگہ ہیں مرے دم سے چہچہے | ہوں عندلیب گلشنِ ایجاد کے لئے
برگشتہ بخت وہ ہوں نہ پاؤں مدد اگر | گر آئیں خضر بھی مری امداد کے لئے
قاتل اٹھائیں خوب دمِ قتل لذتیں | بوسے گلوئے خنجرِ فولاد کے لئے
مضموں نیا - زمیں نئی - طرز بھی نیا | اشرف یہ ہے نسیم سے اُستاد کیلئے

(اشرف) عالیجناب نواب مظفر یار جنگ تلمیذ نواب مرزا خاں داغ - حیدرآباد کے عمائد میں ہیں - موزونیٔ طبع کے اقتضا سے کبھی کبھی شعر سخن کیطرف بھی توجہ فرماتے ہیں یہ کلام کا خلاصہ ہے ۵ اشرف

کہتے نہ تھے ہم شکوۂ بیدادِ کرنا | لے لے دلِ مضطر وہ ہوئے تجھ سے خفا اور
سو توبہ کریں پھر بھی تو کہتا ہوں یہی میں | ساقی ترے قرباں ہوں ذرا اور پلا اور
کیا الٹی سمجھ ہے بتِ کافر کی الٰہی | سمجھائے اُسے کوئی تو ہوتا ہے خفا اور
شوخیٔ پائے حنائی یہ کہے دیتی ہے | روندھ کر لاشۂ مقتول کو تو آتا ہے

(اشک) حاجی مولوی ہادی علی اشک لکھنوی - خلفِ شیخ حسین علی بنجوری شاگرد رشید فتح الدولہ برق لکھنوی - فارسی کے بھی شاعر تھے آپ اپنے اُستاد کے ہمراہ کلکتہ بھی گئے تھے غدر کے بعد مطبع محمدی میں بطور مصحح کام کرتے رہے - صنعت تاریخ گوئی مین اچھی مہارت تھی - عربی کا خط نسخ نہایت عمدہ لکھتے تھے - منشی نولکشور کے مطبع میں انکے ہاتھ کا قرآن مجید چھپا تھا جو نہایت خوشخط اور صحیح مانا جاتا ہے - اکثر فارسی درسیہ کتابوں پر جو اس مطبع میں چھپیں - حاشیہ اور شرح بھی آپ ہی لکھا کرتے تھے - آپ کا اُردو دیوان شایع ہو چکا ہے ۱۸۹۱ء میں انتقال فرمایا ۵ اشک

ہم سوں گشتہ ہوں میں تیغِ نگاہِ یار کا | غسلِ میت کے لئے پانی ملے تلوار کا

پاؤں نے دامانِ صحرا کی اوڑھائیں دھجیاں
بُرزے نالوں نے کیا دامن ہر اک کُہسار کا

جیب و دامن نام کو باقی نہیں دستِ جنون
اُڑ گیا ہر تار میرے زخم دامن دار کا

ہجر کے صدمے سے کل جان نکل ہی جاتی
گر خیالِ لبِ جاں بخش نہ ہوتا دل میں

اشک آنکھوں میں کبھی آہ کبھی ہے لب پر
درد ہر وقت نئی طرح کا پایا دل میں

جنبشِ لب سے ترے کشتہ نے جب جان پائی
دم بخود رہ گئے سنّاٹے کے مسیحا دل میں

ذبح کیوقت بچھوڑے کہیں بسمل مجھکو
ہے یہ بیرحمیٔ صیاد سے کھٹکا دل میں

چوم لیتے دہنِ زخم سے شمشیرِ دو دم
مرتے دم تک رہی قاتل یہ تمنا دل میں

اشک (۱) - مولوی محمود رضا ابن مولوی احمد رضا رئیس بدایوں ۱۸۷۵ء سے عدالت بدایوں میں وکالت کرتے ہیں - تیز طبع اور ذہین آدمی ہیں - حضرت مذاق بدایونی مرحوم سے مشورۂ سخن لیتے تھے - کلام حاضر ہے ؎

لبِ سوفار کو چومے زبانِ تیغ کو چومے
تمنا ہے یہ بینی کی تقاضا ہے یہ گردن کا

جنوں سر پر بڑا احسان ہے عریانیٔ تن کا
نہ کاہش ہے گریباں کی نہ کچھ کھٹکا ہے داماں کا

وہ جو کہتا ہوئے مرا نہوا
لطف کیا جب مقابلہ نہوا

جانِ من تم رہو کلیجے میں
دل کا ہونا ہے کیا ہوا نہوا

ہنسنے اللہ کے کہنے سے تو چھوڑی نہ شراب
محتسب ہوش کی لے تیری حقیقت کیا ہے

اشک (۲) - میر قطب الدین خلف سید علیم الدین عرف میاں مسیتا - ان کا خاندانی سلسلہ حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے - چند پشت سے انکے بزرگ قصبہ جلیسر ضلع ایٹہ میں سکونت پذیر ہیں - مگر جناب اشک کے والد ماجد نے دہلی کی بود و باش اختیار کر لی تھی چنانچہ میر اشک یہیں پیدا ہوئے اور یہیں تعلیم و تربیت پائی - ابتدائے عمر میں لکھنؤ جا کر اپنے ماموں میر عباس سے اوائل مشقِ سخن میں اصلاح لی - پھر دہلی آکر خاقانی ہند ذوق کے ارشد تلامذہ اور ظہیر اللہ تعالےٰ کے بھائی امراؤ مرزا آنور مرحوم سے فیضِ سخن پایا - ان کی وفات

کے بعد حضرت داغ کے تلامذہ میں داخل ہو کر درجۂ اختصاص حاصل کیا۔ سالہا سال سفر و حضر میں اُنکے ساتھ رہے۔ چنانچہ ۱۲۹۹ھ ہجری میں جب حضرت داغ مرحوم کلکتے گئے تو یہ بھی ہمرکاب تھے اسکا اشارہ مثنوی فریاد داغ میں جناب داغ نے کیا ہے ؎

میرے ہمراہ میر قطب الدین		اشک ریزاں بحالتِ غمگیں	

حیدر آباد دکن میں بھی کچھ دنوں اُستاد کی خدمت میں رہے۔ اپنے استاد کے فیض صحبت کے اثر سے اِن کی شعر گوئی کا یہ عالم تھا کہ طبیعت ہر وقت حاضر تھی ادھر کسی نے فرمایش کی اُدھر غزل تیار۔ اب بوجہ تقاضاے سن و ترددات زمانہ شعر و سخن کا مشغلہ بہت ہی کم رہ گیا ہے اسوقت ان کی عمر ۶۰ سال کے قریب ہے۔ نہایت پسندیدہ اطوار مرنجان و مرنج حاضر جواب لطیفہ سنج۔ طباع اور زندہ دل بزرگ ہیں۔ اشعار میں مضمون کی شوخی۔ زبان کی صفائی قابل داد ہے۔ حضرت داغ کے فیض صحبت نے آپکے کلام میں اپنا رنگ خوب چڑھا دیا ہے۔ اُستاد بھی آپ کی طبیعت اور کلام کی تعریف کیا کرتے تھے۔ ان کا شعر اکثر پڑھا کرتے اور تعریف کیا کرتے تھے ؎

تمہیں اور ہیں کون بہکانے والے		یہی آنے والے یہی جانے والے	

حقیقت میں یہ مطلع کیا لحاظ زبان کیا بحیثیت بندش کیا بخیال مضمون نہایت لطیف اور پاکیزہ ہے۔ اگرچہ اس کہنہ مشق شاعر کے کلام کا سرمایہ دیوان سے کہیں زیادہ ہے۔ مگر تنگی دارستہ مزاجی اور بے پروا طبیعت نے کبھی اُسکے شایع کرنے کا موقع نہ آنے دیا ورنہ اُردو نظم کے ذخیرے میں ایک قابل قدر اضافہ ہوتا۔ آپکو حضرت داغ کے تلامذہ میں درجۂ امتیاز حاصل ہے انتخاب کلام یہ ہے ملاحظہ ہو ؎

دشنام ہی بلا ہے عوض بوسہ کے ملے		ہو کچھ تو کاشکے مجھے بدلا سوال کا	
فرقت سے یہ کہنا کہ ہوا غیرت ہلال		شاید زمانہ وصل میں آئے کمال کا	
گہہ گریہ گاہ نالہ گہہ اضطراب دل		کیا پوچھتے ہو حال تم اس خستہ حال کا	

کچھ میرے دل میں دردِ محبت جو کم ہوا
دل نے وہیں دُھائی دی یہ کیا ستم ہوا

روزِ فراق مجھ میں عدو میں یہ فرق ہے
جینا مجھے محال اُسے مرنا قسم ہوا

ہائے وہ مُڑ کر اُنکا دیکھنا وقتِ وداع
اور میرا یاس و حسرت کی نظر سے دیکھنا

موت آئی اجل کو بھی شبِ ہجر
کوئی آتا نظر نہیں آتا ؛

کچھ جوانی ہے ابھی کچھ ہے لڑکپن اُن کا
دو دغا بازوں کے قبضہ میں ہے جوبن اُنکا

خوفِ رنجش نہ کچھ اندیشۂ بیداد آیا
لکھ دیا خط میں اُنہیں وقت پہ جو یاد آیا

اے مؤذن وصل کی شب میں ریا میں چپ ہو رہ
حشر کو دوں گا ترے اللہ اکبر کا جواب

سرد ہوتا ہے ہماری چشمِ تر سے آفتاب
کانپتا ہے آہِ سوزاں کے اثر سے آفتاب

سبحۂ تا کیا ہے مرے داغِ جگر سے آفتاب
کچھ حیا ہو تو نہ نکلے اپنے گھر سے آفتاب

کیا چھپے گر چھپ کے بیٹھے بھی کہیں وہ مہ وش
ہو نمایاں رخنۂ دیوار و در سے آفتاب

تفتہ گانِ سوزِ الفت کو چہ جاناں میں ہیں
دور بچ بچ کر چلے اُس رہگذر سے آفتاب

جس نے دیکھا شب کو وہ چہرہ یکایک یہ کہا
یا الٰہی یہ نکل آیا کہاں سے آفتاب

فیض تھا اُس روئے روشن کا کہ شبگوں بزم میں
شمع سے گل کیا جھڑے گویا کہ برسے آفتاب

ہاتھ میں ساغر لئے بیٹھا ہے وہ خورشید رو
کیا عجب ہے آسماں سے آج برسے آفتاب

گو قصیدے کی زمیں تھی اشک پر میری غزل
ہو گئی ہے داغ کے فیضِ نظر سے آفتاب

کہتے ہیں مجھ سے صفر یہ بیچو تو مول لیں
دل ہے پسند دل کی نہیں آرزو پسند

خاکساری جو جھکانے سے لگا دے مجھکو
تو رہوں جبیں سے خاکِ درِ جاناں ہو کر

ادا کہتی ہے میں لوں نازکہتا ہے کہ میں لے لوں
ابھی سودا نہیں دل کا خریداروں کی باتیں ہیں

وہ کریں مجھ سے ناز کی باتیں
ہیں یہ اُس بے نیاز کی باتیں

ملے وہ اس خوشی کو کیا کہوں میں
اکیلی اور ابھی جیتا رہوں میں

سوا میرے نہ ملنا دوسرے سے
مجھے تم جانتے ہو ایک ہوں میں

غضب ہے اختصارِ عرضِ مطلب
الٰہی غیر پر افشا نہو راز

اگر ہو حکم تو آ گے بڑھوں میں
تجھے ظاہر ہے جو کچھ جی میں ہوں میں

جگر میں تیر کو خنجر کو میرے دل میں رہنے دو
تمھارے ڈالتے ہو سخت جانوں کیوں مرا قاتل
بھرے جاتے ہو ناحق شوق داماں تم بر بستی
بنا ہے جاؤ اے ضبطِ فغاں واہ روزِ غم
ملے گا وہ تو قسمت سے مگر ہے دل لگی دل کی
نکالو حسرت و امید واراں جتنے ہوں دل میں
جو آدھا کند ہو خنجر تو آدھا تیز و بُراں ہو
عدو کو اور مجھکو عشق میں تم ایک گنتے ہو
جو خوں آلودہ پیکاں ہے نکالو میرے سینے سے
محیطِ عشق کے دیکھے سے میری جان جاتی ہے
ہوا کھالیں کوئی دم اور بھی دنیا میں جنت کی
دمِ عرضِ تمنا اُن کا کہنا اے ہنس ہنس کر
ساتھ اُن کے نکل کر مری حسرت نہیں جاتی
بیتاب نکالے خلشِ خارِ محبت
گھبراتے ہو کیوں بادہ کشی سے کہ جواں ہو
مانوس ہے وہ میرے سیہ خانہ سے ایسی

دو رکعتیں ہیں زاہد اگر جو ادا کرے ۔ پر تمنا اپنے دل کی کچھ کہہ کر دل میں رہنے دو ۔

مسافر کو ملے آرام جس منزل میں رہنے دو
خدا کے واسطے کچھ بازوئے قاتل میں رہنے دو
جگہ کچھ شکر کو بھی سینۂ بسمل میں رہنے دو
یہ طوفان دونوں آنکھوں میں یہ دریا دل میں رہنے دو
اسے اُلجھا ہوا اس سعی بے حاصل میں رہنے دو
فقط بعض و عداوت غیر کی اس دل میں رہنے دو
کچھ آسانی کی بھی صورت مری مشکل میں رہنے دو
مرے جاں فرق کچھ تو ناقص و کامل میں رہنے دو
جو خوں آلودہ حسرت ہو وہ میرے دل میں رہنے دو
مجھے تم آشنا و دامنِ ساحل میں رہنے دو
ہماری نعش دم بھر کو بہ قاتل میں رہنے دو
قیامت تک اُسے تم اشک اپنے دل میں رہنے دو
وہ جاتے ہیں پھر یہ کسی صورت نہیں جاتی
کم بخت میری چھیڑ کی عادت نہیں جاتی
زاہد ابھی کچھ ہاتھ سے جنت نہیں جاتی
میں لاکھ نکالوں شب فرقت نہیں جاتی ؛

اُس کی محفل کی دیکھنا تہذیب
بات کا انتظام ہوتا ہے

دل کو نہ لگایا بتِ پرفن سے کسی نے
سینہ میں دلِ مردہ کو میں خاک بکاروں
کچھ کی نہ وفا جان کے دشمن سے کسی نے
آواز بھی دی ہے کہیں مدفن سے کسی نے

بربادِ مری خاک کبھی یوں تو نہ ہوتی ✣		جھٹکا ہے مگر راہ میں دامن سے کسی نے
نہ بوسہ دینا آتا ہے نہ دل بہلانا آتا ہے		تجھے اے کافرِ ترسا فقط ترسانا آتا ہے
طرفداری رقیبوں سے مرے ہر بار کیسی ہے		یہ جھوٹی حجتیں بے فائدہ تکرار کیسی ہے
ازل سے ہوتی آئی ہے ابد تک ہوتی جائیگی		یہ حسن و عشق کی تکرار بھی تکرار کیسی ہے
پڑا شمشیرِ قاتل پر جو عکس ابروئے قاتل کا		وہ خود حیراں ہوا تلوار میں تلوار کیسی ہے
جو صورت ہمنے دیکھی ہے بتائیں کیا تمہیں ہوئے		بتائیں کیسا تجلی رخِ دلدار کیسی ہے
لگا رکھا تھا کیا ہمنے اسی دن کے لئے تجکو		دغا یہ وقت پر اے بختِ ناہنجار کیسی ہے
ہمارے خونِ دل میں ڈوب کر ابھرا تو کیا ابھرا		نئی شوخی یہ ہمسے ناوکِ دلدار کیسی ہے
وہاں تک لے گیا مجکو نہ اُن کو تو یہاں لایا		بتا اے آسمان یہ گردشِ بیکار کیسی ہے
کھُلی تجکو جنابِ اشک آصف جاہ کی شاہی		ہوا معلوم عالیجاہ یہ سرکار کیسی ہے

اشک

(اشک) منشی ضیاء الدین نبیرہ مولوی کریم الدین مولف کریم اللغات وغیرہ باشندہ پانی پت سنہ ۱۸۹۳ء میں - ۲۲-۲۳ - برس کی عمر میں بمقام لاہور انتقال کیا - بی - اے تک گورنمنٹ کالج لاہور میں تعلیم پائی تھی - طبیعت کی موزونی سے ایام طالب علمی ہی میں فکرِ سخن بھی کیا کرتے تھے یہ اُنکے اشعار ہیں ؎

غیر کا سکہ دل پہ بیٹھ گیا		اُٹھ گیا میرا اعتبار افسوس
ہم ہیں زندان میں اور گلشن میں		آگیا موسمِ بہار افسوس
بہار آئی چمن میں شکلِ یہ کلی جو گل کی چٹک رہی ہے		زمینِ بستاں گلوں کی خوشبوئے جانفزا سے مہک رہی ہے
چھپا کے زلفوں میں اپنا چہرہ یہ دربا مجھسے ہنس کے بولا		گھٹا یہ چھائی ہے کالی کالی اور اسمیں بجلی چمک رہی ہے

اشک

(اشک) مولوی سید علی عرف سید صاحب لکھنوی - مولوی سید اصطفےٰ خورشید لکھنوی مرحوم مالک گلدستۂ انتخاب کے شاگرد ہیں - اس سے زیادہ حال معلوم نہیں ہوسکا طبع شاعر ہیں - کلام یہ ہے ؎

چین سے واں رقیب رہتا ہے | آہ کچھ اپنی با اثر نہ ہوئی
سب نے پائی مراد خاطر خواہ ٭ | اک دعا میری با اثر نہ ہوئی
بولے وہ مسکرا کے وصل کی رات | آفت جاں ہوئی سحر نہ ہوئی
خاکساری تو کی بہت اُس نے | آبرو اشک کی مگر نہ ہوئی

(اشک) ابوالخیر شیخ ضیاالدین احمد خلف حاجی محمد برہان الدین احمد باشندہ بلند شہر۔ آپ ۲۰ جون ۱۸۶۸ء کو پیدا ہوئے۔ سولہ برس کی عمر سے شاعری کا شوق ہوا۔ حضرت رنج مرحوم سے استفادہ کیا۔ اب خیر سے۔ اخلاقی مضامین کیطرف زیادہ توجہ ہے دیوان مرتب ہو گیا ہے ؎ اشک

آنکھیں اگر نہ ہوتیں دنیا میں کچھ نہ ہوتا ٭ | قرباں جائیں اُسکے جسنے بنائیں آنکھیں
دنیا کی لالٹینیں بجھ جائیں دم کے دم میں | روشن رہیں ہمیشہ ایسی لگا میں آنکھیں
شیشے کی بھی بنائیں پتھر کی بھی بنائیں | انسان سے بنانی لیکن نہ آئیں آنکھیں
بگڑی کو کیا بناتا کتال کیا خدا تھا | جب روشنی نہ آئی تو کیا بنائیں آنکھیں
وہ بھی تو آدمی ہیں جو ہیں نہیں میں | تسخیر کر لیا دل جس سے ملائیں آنکھیں
قدرت کی صنعتوں کو دیکھو خدا کے بندو | اِک چھوڑا اُسنے دو دو مُنہ پہ لگائیں آنکھیں
اے اشک کیا سبب ہے کیا بھید ہے بتا دے | جس وقت دل بھر آیا فوراً بھر آئیں آنکھیں

(اشک) مولوی محمد صادق اشک شاگرد حضرت امیر مینائی۔ دور موجودہ کے شاعر ہیں۔ یہ ان کا کلام ہے ؎ اشک

اُن سے جب بیداد کا شکوہ کیا | بولے جا۔ جو کچھ کیا۔ اچھا کیا
کیوں خفا ہوتے ہو میں کہتا تو ہوں | تم نے جو وعدہ کیا پورا کیا
کھینچ کر نقشہ ترا نقاشِ دہر | خود بھی حیرت سے تجھے دیکھا کیا
مار ڈالیں گی ہمیں جُنبش بھویں | قتل پر دونوں نے ہی ایکا کیا

(اشکی) مرزا غلام محی الدین عرف مرزا من خلف مرزا غلام حیدر نواسہ حضرت شاہ عالم۔ اشکی

میر نظام الدین ممنون اور مفتی صدر الدین خاں آزردہ کے شاگرد تھے - پسندیدہ اطوار اور خوش مذاق بزرگ تھے ۱۲۸۵ھ ہجری میں چالیس سال کی عمر تھی - غالباً مندریں انتقال کیا آپکے کلام میں ایک خاص لطف ہوتا تھا ملاحظہ ہو ؎

کب دل سے چھٹے عشق تری زلفِ دوتا کا	دامِ ازلی وہ یہ گرفتار سدا کا
کیا پاس کسیکا ہے کہ مرتا ہوں ولیکن	شکوہ نہیں کرتا شبِ ہجراں کی جفا کا
قسمت کو تو دیکھو کہ پھرا نامہ بر اُسدم	جس وقت مرے سر پہ تقاضا ہے قضا کا
آئے تو نہ دشمن کے خطر سے مرے گھر میں	اور مفت میں بدنام کیا نام خدا کا
سجدے میں گرے دیکھ کے تصویرِ بت اشکی	معلوم ہوا آپ کا خرقہ تھا ریا کا
قبر میں بھی سوزِ غمِ تیرا لگا کرکے گئے	داغ ہم سینہ کا سینے میں چھپا کرلے گئے
صبر تھا طاقت تھی دل تھا کیا ہمارے پاس تھا	ہوش باقی تھا سو کل وہ بھی تم آکرلے گئے
حشر کو کیجے گا کیا گو اب دمِ لسمل یہاں	دامن اپنا میرے خوں سے تم بچا کرلے گئے
گو رقیبوں سے حیا ہے پر ہمارا مدعا	وہ نگاہوں کا نگاہوں میں چرا کرلے گئے

اشہری (اشہری) آپ کا سید امجد علی نام اور مولانا اشہری کے لقب سے مشہور ہیں - آپ کے والد ماجد میر احمد علیخاں صاحب ایسٹ انڈیا کمپنی کی عملداری میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر تھے آپ کا نسبی سلسلہ امام جعفر صادق تک پہنچتا ہے - آپکے مورث اعلیٰ جہانگیر کے وقت میں خطۂ ترمز واقع ایران سے وارد ہندوستان ہوئے - آپ ۱۲۶۸ھ ہجری میں پیدا ہوئے - عربی فارسی کی تعلیم پرانے طریقہ پر پائی ہے - فی زمانہ مولانا صاحب علوم مشرقی کے زبردست ماہر مانے جاتے ہیں - مضمون آفرینی اور نکتہ سنجی کا مادّہ شروع سے آپکی طبیعت میں تھا چنانچہ آغاز شباب ہی میں اُسکا ظہور بصورت نظم و نثر مختلف مضامین کی صورت میں ہونے لگا رسالہ زمانہ اور تیرہویں صدی آگرہ اخبار میں سید احمد خاں بہادر سے اکثر مناظرے رہے اور اُنمیں خوب خوب زور طبع دکھایا - آپکی نظم اکثر نصائح - اخلاق - اور علمی معلومات پر مبنی ہوتی

ہے۔ اور اسمیں شوخی و رنگینی کی نسبت سادگی اور بے تکلفی زیادہ پائی جاتی ہے۔ عاشقانہ غزلیں آپ نے بہت کم کہی ہیں آپکا طرز انشاپردازی نہایت مرغوب و موثر ہے۔ آپکے مضامین نہایت قدر و وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں ۱۲۹۸ھ میں آپنے دبیر الملک نامی اخبار بھوپال سے جاری کیا تھا۔ نواب سکندر بیگم کے عہد میں آپ اس ریاست کے متوسل ہوئے۔ اور نواب شاہجہاں بیگم کے زمانہ میں آپکے مدارج میں برابر ترقی ہوتی رہی عہدہ ہائے نائب مرافعہ و منشی گری وغیرہ پر امور رہے الغرض ۲۲ سال وہاں نہایت اطمینان سے بسر کیئے۔ ۱۳۰۴ھ میں بزمان وزارت سراسمان جاہ آپ حیدرآباد تشریف لے گئے۔ قطعہ کے صلہ میں پانچسو روپیہ انعام پایا۔ پھر دوسری مرتبہ نواب وقار الامرا کے زمانہ میں جانے کا اتفاق ہوا۔ بوعدۂ ملازمت ۵۰۰ عنایت ہوئے مگر چند ہی روز بعد اُس وزارت کا خاتمہ ہوگیا۔ آپ مذاق قدیم و جدید دونو قسم کی نظم لکھنے پر قادر ہیں۔ آپکی تصانیف میں کتب ذیل قابل ذکر ہیں۔ حدیقۂ شاہجہانی۔ گلدستہ سلطانی۔ ترانۂ معرفت۔ ایشیائی شاعری۔ گلدستہ اُردو۔ دبیم خسروی۔ لغات النواتین۔ مرقع تاجپوشی۔ حیات نورجہاں۔ تاریخ اُردو۔ آپکی طبعی اور ذہانت میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا۔ باوجود ضعف طبیعت ہر وقت حاضر رہتی ہے۔ ۱۹۰۳ء میں آپ لاہور میں دفتر پیسہ اخبار میں کام کرتے رہے پھر وطن تشریف لے گئے۔ اکثر مشہور اخباروں اور رسالوں میں آپکے مضامین شایع ہوتے رہتے ہیں۔ راقم تذکرہ کے ملاقاتی ہیں۔ ہم عاشقانہ مضامین کے وہ چند اشعار بھی جو قدیم کلام سے مولانا نے مرحمت کیئے ہیں پیش کرتے ہیں۔ بھوپال کے متعلق ایک مسدس لکھا تھا اُسکے بھی چند بند زیب تذکرہ کیئے جاتے ہیں۔ تاکہ ہمارے شایقین واعظانہ اور عاشقانہ دونو قسم کے کلام کی لذت سے فیضیاب ہوں۔

منتخب از مسدس در توصیف بھوپال

وہ قصر معلّےٰ وہ اُسکی سجاوٹ — بنت کی وہ کونچیں مُطلّا چھپر کھٹ

وہ بنچین منقش وہ گھڑیوں کی مکھٹ مکھٹ
وہ پردوں کا ہلنا وہ انکی سجاوٹ

وہ لندن کے باجے وہ کوئیں سُریلی
وہ جرمن کی گھڑیاں روپہلی سنہری

وہ تالاب پر ماہرویوں کا جمگھٹ
وہ توڑے وہ جوڑے وہ پھبنے وہ اوٹ

وہ ہندو مسلمانوں کا غول غٹ پٹ
وہ پانی کی موجیں وہ رنگین نگھٹ

وہ بالوں کی لہریں وہ اُنکی ادائیں
کہ جسطرح پانی میں کالے نمائیں

وہ موجوں میں بالوں کا اُنکے بکھرنا
وہ پانی میں غوطے لگاکر اُبھرنا

وہ جمدِ مسلسل میں کسنگھی کا کرنا
کسیکا بگڑنا کسیکا سنورنا

نکل کر وہ پانی سے صورت دکھانا
سوا نیزے پر جیسے سورج کا آنا

واحد سے میں جمع کا طلبگار ہوا
جو سرِّ عظیم تھا وہ اسرار ہوا

اک نور تھا اُسمیں جب ہوئی جمع صفت
بڑھتے بڑھتے وہ نور انوار ہوا

پشمینہ موت ریشم مشہور تھا یہاں کا
اب اُنکے بدلے باقی ہے تارِ ہیلا

کمخاب سے یہاں کی سونا تھا ہمکو ملتا
سستا سمجھ کے لیتے سوداگروں ہمارا

کشمیر کے دوشالے دنیا میں فرد نکلے
تھا صنعتوں کا شایق پہلے جہاں ہمارا

تیھر کی صنعتوں میں یہ ملک تھا نمونہ
ملتا کہیں کہیں[1] ہے پچھلا نشاں ہمارا

ہے زعفراں ہماری پھولوں سے بڑھکے اب بھی
فصلِ بہار دیکھے رنگِ خزاں ہمارا

کیا چیز ہے جہاں کی پیدا نہیں جو ہمیں
دنیا کا ہے خلاصہ ہندوستاں ہمارا

دریا یہاں ہیں بیشمر ہم تشنہ لب ہیں پھر بھی
ریگِ رواں ہے ہمکو آبِ رواں ہمارا

گر صنعتیں یہاں کی پھر زندہ ہوں تو دیکھو
جی جائے پھر جہاں میں یہ نیچہاں ہمارا

کشتہ ہوئے تو کیا ہے پھر تم جلا لو ہمکو
مرنے سے بھی ہے آساں جینا یہاں ہمارا

اے اشہری جہانیں ہم خاک ہو چکے ہیں
اکسیر اب بنائے کشتہ جہاں ہمارا

رباعی

ہندوستان

[1] دیکھو ایاورا۔ ایضاً اور ایضاً کے غار اور معابد

سنا فریاد کو رکھ آئے سب گورِ غریباں میں
چلو پڑھ آئیں الحمد فاتحہ بیکس کے مدفن پر

کھنچا مژگانِ کونین آنکھ کے تِل پر ✤
مگر اُسکی کی نہ صورت اُترکی دل پر

کہیں رقیبوں سے سوز مجکو کہیں حسینوں سے سازِ میرا
ذرا سے چھیڑے سے بولتا ہوں میں اپنی آواز زیر و بم کی

نہ ہوں میں ظاہر نہ ہو تجلی مظہر نہ شیخ ہوں میں نہ شاب میں ہوں
وہ دیکھیں محفل میں جب پلٹ کر تو حاضر انکی جناب میں ہوں

ہر اک کی خاطر ہوں ذلیل حالتا ہے سب کی راحت سے کام مجکو
کباب کا سا مزا ہے مجھ میں سرور جامِ شراب میں ہوں

جفا کریں تو کریں پر وفا وہ کرتے ہیں ✤
جفا سے کوئی مرے ہم وفا سے مرتے ہیں

زبانی حال کچھ کہنا نہ میرا نامہ بر پہلے
مری جانب سے اُنکی پوچھ لینا تو خبر پہلے

وہی میں ہوں وہی تم ہو وہی راتیں وہی باتیں
مگر پاتا نہیں جو تھی عنایت کی نظر پہلے

غزل بر طرح مشاعرہ زیر سرپرستی گردھاری پرشاد باقی فرزند منشی بانکے بہاری نسبی

صدا کی طرح سے ہم آگے ہر گدا کے چلے
نشان بن کے رہے آگے بادشاہ کے چلے

نہ خود جلے نہ جلایا برنگ اخگر لعل
یہ روشنی ہی جدا تھی جسے دکھا کے چلے

تپِ دروں میں رہے رہ نوردِ ظل اللہ
سے چلے جو دھوپ میں تو سایہ میں خدا کے چلے

نہ کچھ گناہ کیا اور نہ زہد کا دعوے
نہ جھک کے بوجھ سے بیٹھے نہ سر اُٹھا کے چلے

ہماری ہستی ہے دمسازِ نوحدت کی ✤
کوئی سلانے کو آیا تھا ہم جگا کے چلے (تضمین از امین موسی)

حرم میں دیر کو بھولے نہ اشہری دم بھر
بتوں کو چھیڑتے ہم سامنے خدا کے چلے

زلف آنکھوں پہ نہیں ساقی کی بل کھائی ہوئی
ہے گھٹا مستوں کے سر پر ہر طرف چھائی ہوئی

جب کہا میں نے قسم تم پھر تو کھاؤ تو کہا
میں نہ جھوٹی کھاؤں لگتا اپنی قسم کھائی ہوئی

اشہری کہتے تھے ہم بھی کچھ مگر اب کیا کریں
وہ طبیعت ہی نہیں جو تھی کبھی آئی ہوئی

حمد

کلیدِ گنجِ حکمت راز عرفانِ الٰہی ہے
گدا کو اُسکے کوچے کے نویدِ بادشاہی ہے

ہر اک ذرہ کو اُسکے پرتو خورشید جاہی ہے
جہاں میں اُسکو شایاں منصبِ عالم پناہی ہے

رہے منشور شاہی قل ہو اللہ احد اُس کا

چلے توحید کا سکہ ازل سے تا ابد اُس کا

زمانے سے سنا مینے زمیں تیری زماں تیرا
فلک تیرے ملک تیرے بشر تیرے جہاں تیرا
سمک سے تا سماے صانع کون و مکاں تیرا
سریر عرش تیرا فرش تیرا لامکاں تیرا

ابد سے تا ازل تو ہے ازل سے تا ابد تو ہے
خدایا سارے عالم میں احد تو ہے صمد تو ہے

رباعی

اللہ کا فضل ہے جو لکھواتا ہے
لاشے کو وہ شے سے بڑھ کے دکھلاتا ہے
گو نقطہ ہوں اشہری مگر وقت رقم
جس ہند سے سے ملوں وہ بڑھ جاتا ہے

رباعی

ہے آگ کو پانی میں بتایا ہمنے
پانی کو ہوا میں ہے بجھایا ہمنے
پانی میں ہوا ہوا میں پانی دیکھو
یہ معجزہ دنیا کو دکھایا ہمنے

اصغر

(**اصغر**) صاحبزادہ اصغر علیخاں ولد محمد عبداللہ خاں ظریف رئیس رامپور صاحبزادہ مذکور الصدر حکیم مومن خاں دہلوی کے شاگرد رشید۔ عاشقانہ مضامین کے دلدادہ تھے غدر سے پیشتر کئی برس تک دہلی میں مقیم رہے ۱۲۷۳ھ ہجری میں اڑتالیس برس کی عمر پاکر بمقام میرٹھ انتقال فرمایا انکے جنازہ کو دہلی لیجاکر ہمراہیوں نے درگاہ خواجہ باقی باللہ میں دفن کیا آپ کا منتخب کلام درج ذیل ہے ؎

شکر جفا نے کام کیا لطف کا کہ اب
دشمن امیدوار ہے اُن کے عتاب کا
اس نازکی پر اس سے تو ہرگز نہ ٹوٹتا
اصغر وفا کا عہد ہی تا پائدار تھا
وہ وہ دعائیں رشک میں کی ہیں کہ اے خدا
توبہ ہے گر قبول کا دروازہ باز ہو
وہ کہیں گے کہ ستم اُٹھ نہ سکا
بعد مرنے کے یہ مصیبت ہوگی
کیوں نہ گھبرا کر اُٹھے بالیں سے میرے وقت نزع
سچ ہے کب دیکھا کسیکو اُسنے مرجاتے ہوئے
درد و غم کے سوا بھی اے اصغر
کیا کہوں میرے دل میں کیا کیا ہے

اصغر

(**اصغر**) ظفر الدولہ معتبر الملک رفیع الامرا علی اصغر خاں بہادر ناصر جنگ لفٹنٹ مولوی علی اکبر

شاگرد خواجہ آتش لکھنوی و داماد ظہیر الدولہ نواب غلام بجے خاں وزیر محمد علی شاہ بادشاہ لکھنو۔ صاحب سخن الشعرا کا بیان ہے کہ نواب موصوف الصدر بہادر شاہ کے وزیر تھے۔ جس کی صداقت حافظ عبدالرحمن خاں احسان کے ایک قطعہ سے ہوتی ہے۔ عرصہ تک کلکتہ اور لکھنؤ میں مقیم رہے۔ اُردو۔ فارسی دونوں زبانوں میں شعر اچھا کہتے تھے۔ سنہ ۱۸۵۶ء میں انتقال کیا۔ مولوی عبدالغفور خاں نساخ انکے دوست نے دہ شنبہ ذیقعدہ ہے ہے، تاریخ انتقال کہی جس سے سنہ ۱۲۷۶ھ نکلتے ہیں۔ یہ اُنکا کلام ہے ؎

پتا نہ کوچۂ گیسو میں ہے نہ پہلو میں — تم ہی بتاؤ مجھے پھر کہاں ہے دل میرا
وہ رند ہوں مجھے دستِ سبو سے بیعت ہے — مریدِ حضرتِ پیرِ مغاں ہے دل میرا
خدا کو ماں نصیحت سے باز آ ناصح — ابھی تو نامِ خدا نوجواں ہے دل میرا
ہوئے ہیں خوں کے پیاسے جو آشنا میرے — اُن ہی شفیقوں میں اک مہرباں ہے دل میرا
نہیں دیر و حرم سے کام ہم الفت کے بندے ہیں — وہی کعبہ ہے اپنا آرزو دل کی جہاں نکلے
جنوں انگیز پھر فصلِ بہارِ عاشقی آئی — دل سودا زدہ پھر رنگ لایا وائے رسوائی
یہ کس پردہ نشیں نے جھانک کر شکل اپنی دکھلائی — بنی ہے روزنِ دیوار جو چشمِ تماشائی
نہ کھینچا ہاتھ تُرک چشم نے قتلِ غریباں سے — ہزاروں بار بجھانے کو پردے میں حیا آئی
دہانِ چشم نے کسکے کیا خاموش و نابینا — نہ غنچے میں ہے گویائی نہ نرگس میں ہے بینائی
بجا ہے اضطرابِ روح وقتِ نزع اے اصغر — کیا ہے یاد حاکم نے بلانے کو قضا آئی

اصغر

(اصغر) میر اصغر علی اصغر لکھنوی۔ مقیم کلکتہ شاگرد گلشن الدولہ بہادر مصاحب واجد علیشاہ مرحوم۔ شعر گوئی کا بہت شوق تھا۔ مٹیا برج کلکتہ کے مشاعروں میں اکثر شریک ہوا کرتے تھے۔ کلام حاضر ہے ؎

سنائی جسنے مرح چشمِ گلگوں — کھڑا جھوما کیا سرشار تیرا
شرم آتی ہے کہ خالی ہاتھ کیا جاؤں وہاں — تحفۂ داغِ محبت دل پر اصغر لے چلا

برسوں اسے سینے سے لگائے ہوئے رکھا	کھینچا نہ کلیجے سے ترا تیر کسی وقت
بزم میں مجمع حسینوں کا ہے یوں قاتل کے پاس	جسطرح تاروں کا جھرمٹ ہو مہ کامل کے پاس
بے یار گر پیوں تو میں اپنا لہو پیوں	ساقی اُٹھا کے پھینک دے جام شراب کو
ہم بھی تو دیکھ لیں کہ پری ہو کہ حور ہو	لعل اپنے مُنہ سے اُلٹ دو نقاب کو

اصغر (اصغر) حافظ شیخ محمد اصغر علی اصغر۔ ان کے والد کنڈاودہ تحصیل قیصر گنج کے تعلقہ دار ہیں۔ یہ آپکا کلام ہے ؎

رگڑے اے حور تیرے خنجر کے	گھونٹ ہیں مجھکو آبِ کوثر کے
سنگدل ہوں تو کیا عجب اُسکا	بُت بنے ہیں تمام پتھر کے
سنگ مرمر ہو قبر کا تعویذ	جاں دی ہے بتوں پہ مرمر کے
ناز سے جب چلے ہو چار قدم	فتنے برپا ہوئے ہیں محشر کے

اصغر (اصغر) منشی اصغر علیخاں عرف تسکین شاہ گیسو دراز۔ ابن محمد اسمٰعیل خاں مرحوم افغانوں کی قوم وندال سے ہیں۔ انکے پردادا اخوان آزاد نورخاں۔ نواب فیض اللہ خاں مرحوم کے زمانے میں ملک سوات سے ریاست رام پور رُہیل کھنڈ میں آئے تھے۔ فن سخن میں امیر مینائی سے تلمذ ہے۔ شاعری کے ساتھ ساتھ تصوف کا شوق ہوا تو حضرت شاہ خلیل الرحمن چشتی ہانسوی کے مرید ہو کر اُن سے سند خلافت حاصل کی اور تسکین شاہ کا لقب پایا۔ اس لقب کے لحاظ سے کبھی کبھی اپنے کلام میں بجائے اصغر تسکین بھی لکھتے ہیں۔ رام پور ٹونک وغیرہ میں میں بہت لوگ آپ سے فیض یاب اور بیعت ہیں۔ جب سے اپنے مرشد سے خرقۂ خلافت حاصل کیا بامر مرشد تارک الدنیا ہو کر خانہ نشین ہو گئے۔ مجلس حال وقال اور سماع کے بہت شایق ہیں۔ اُردو۔ فارسی دونوں زبانوں میں فکر سخن فرماتے ہیں۔ تبرکاً چند اشعار ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہیں ؎

کیوں پشیماں ہو بلا سے خوں میرا ہو گیا	تم ہنسو بولو اجی جو کچھ تھا ہونا ہو گیا

میں نہ کہتا تھا کہ باز آ سخت جاں کے قتل سے
آخر آیا بل کمر میں ہاتھ جھوٹا ہو گیا

بے نقاب ایک نظر بھی جو وہ چہرا دیکھا
اُٹھ گئے آنکھوں سے پردے وہ تماشا دیکھا

جب کہا مرتے ہیں بولے یہ نئی بات نہیں
بارہا مر گئے تم ہم نے جنازہ دیکھا

صورت کو تیری دیکھ کے کہتا ہے آئینہ
میری نگاہ میں تو کوئی نازنیں نہیں

مرنے کو میرے سن کے کہا بدگمان نے
کوئی کہا کرے مجھے ہرگز یقیں نہیں

آئینۂ زانو سے نظر کیوں وہ اُٹھائیں
تصویر ہے اِک پیش نظر دیکھ رہے ہیں

شرمیلی آنکھ کہتی ہے عاشق پہ رحم ہو
اور ناز کہہ رہا ہے کہ کچھ بھی خبر نہ ہو

مثل موسےٰ کے ہوں سب دیکھنے والے بیہوش
جلوہ اپنا جو سرِ بزم دکھائے کوئی

اللہ رے حیا عالمِ رویا میں بھی شب کو
آتے ہیں تو وہ مُنہ کو چھپائے مرے آگے

نفرت ہے یہ مجھ سے کہ وہ کہتے ہیں عدو سے
ذکر اسکا بدی سے بھی نہ آئے مرے آگے

ہائے ہمنے جان دی جنکے لئے
سوگ میں بیٹھے نہ دو دن کے لئے

ہائے وہ روندیں ہماری خاک کو
خاک میں ہم مل گئے جن کے لئے

لے رہے ہیں شیخ جی انگڑائیاں
ساقیا لا جام مے ان کے لئے

کسی زلف کا دل میں آیا خیال
کہ شیشے میں کوئی پری آگئی +

کیوں نہ قرباں ہو نہیں ان جاں سے
جان پیاری نہیں ہے جاناں سے

ہاں کہے جا یہ حال اے قاصد
جان آتی ہے ذکرِ جاناں سے

حسن کے رعب نے تو ڈالے ستم
بات کرنے ہی دی نہ جاناں سے

کیا ہی دلچسپ ہے عدم آباد
جو گیا پھر نہ وہ پھر اواں سے

پھینک کر خنجر مرے سینے سے قاتل اُٹھ گیا
سخت جانی کی بدولت کیا پشیمانی ہوئی

رازِ الفت دل سے بھی کہکر پشیمانی ہوئی
بات اپنے مُنہ سے نکلی اور بیگانی ہوئی

ان کو سکتہ اسطرف آئینہ ششدر اُسطرف
ایک پیاری شکل پر دونو کو حیرانی ہوئی

جان ہی دیدی بتوں پر تو نے اصغر کیا کیا	سوچ تو مردِ خدا یہ کیسی نادانی ہوئی

اصغر (اصغر) منشی اصغر حسین اصغر مقیم گونڈہ - نوجوان نومشق شاعر ہیں - رسالۂ فتنہ میں کچھ کلام نظر سے گزرا - چند اشعار منتخب ہو کر ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہیں ؎

ابر اُٹھا ہے نرسنج ہے گھٹا چھائی ہے	بھوئے کرتا ہے زاہد کوئی سودائی ہے
آپکے چاہنے والے تو مرے جاتے ہیں	اُسپہ پھر آپ کو دعوائے مسیحائی ہے
باغ ہے نہر ہے حوریں ہیں مئے کوثر ہے	واعظو مان گئے کیا سخن آرائی ہے
عہد توڑے دلِ عشاق بھی توڑے اُسنے	اس نزکت پہ بھی اس درجہ توانائی ہے

اصغر (اصغر) کنور سید محمد اصغر علیخان - پنڈاول ضلع بلند شہر کے مشہور و نامور خاندان کے ایک رکن اور ایک موزوں طبع نوجوان سخنور ہیں - یہ آپکا کلام ہے ؎

جو لڑکپن ہی میں سو حشر بپا کرتے ہیں	دیکھنا یہ ہے جواں ہو کے وہ کیا کرتے ہیں
کوئی بیخود نظر آتا ہے تو کوئی بدمست	جس طرف وہ نگہ ہوش رُبا کرتے ہیں
آپ اور قتل کریں غیر کو ممکن ہی نہیں	کر نوا لے بھی کہیں منہ سے کہا کرتے ہیں
چھوڑئے ظلم و ستم دیکھئے میں مرتا ہوں	جان بلب پر کہیں بیداد کیا کرتے ہیں
آپ کیا کہتے ہیں دل مجھپہ تصدق کیجئے	دل تو کیا چیز ہے ہم جاں فدا کرتے ہیں

اصغر (اصغر) منشی محمد فیاض احمد فاروقی باشندہ جھنجانہ ضلع مظفر نگر - حضرت امیر مینائی کے شاگرد ہیں - انکے والد بھی شاعر ہیں اور اسحاق تخلص کرتے ہیں - کلام سے جو درج ذیل ہے آپکی خوش فکری ظاہر ہے ؎

قیامت میں دھرا کیا ہے قیامت کسکو کہتے ہیں	ترے کوچے میں کیا ایسا تماشہ ہو نہیں سکتا
وہ پارسا ہیں مرے میکدے میں اے زاہد	نکالدیتے ہیں اُسکو جو بے وضو آئے
وہ مست ہیں کہ جو مسجد میں آئے بہر نماز	تو لے کے ہاتھوں میں ہم ساغر و سبو آئے
وہ کہتے ہیں کہ چلا آئے بزم میں اصغر	مگر نہ ساتھ کوئی لے کے آرزو آئے

سیکھ لی نرگس نے حیرانی مری — لے گئی سنبل پریشانی مری
میری حیرانی سے خود حیران ہے وہ — کھینچتا تصویر کیا مانی مری

ہمسے وہ صبح شبِ وصل جدا ہوتا ہے — وقت سے پہلے ہی آج حشر بپا ہوتا ہے
ابھی کمسن ہیں وہ کیا جانیں یہ باتیں اصفر — کیا خبر ان کو کہ کیا عہدِ وفا ہوتا ہے

اطہر

(اطہر) سید احمد علی نام۔ ۲۷-۲۸ برس کے نوجوان ہیں۔ کانپور میں رہتے ہیں۔ انعام مرحوم ملقب بہ محقق کانپوری کے شاگرد ہیں۔ شعر و سخن سے بے حد اُنس ہے۔ اور دوسرے شہروں کے مشاعروں میں شریک ہوتے رہتے ہیں۔ کثرتِ شوق سے اپنے شہر میں ابھی سے کافی شہرت حاصل کرلی ہے۔ شعر بھی خاصا کہتے ہیں۔ استعداد علمی بھی ہے الفاظ کی تلاش اچھی ہے۔ بہرحال اگر مشقِ سخن اسی طرح جاری رہے تو اچھا کہنے لگیں گے۔ انتخاب اشعار ملاحظہ ہو ؎

کی اِک نگاہ بس جو مژگانِ یار پر — سو برچھیاں لگیں دلِ امیدوار پر
تیری ہوائے شوق میں پھر بھی اُڑ گئی — پیدا کرے ہزار اگر سو ہزار پر

کھڑا جنوا دیا در میں اُسے سازش کے شبے میں — مرا سر جب کہ دیکھا اُس پری نے پائے دربان پر
دکھاؤں داغِ دل تو گالیاں دیں کیوں وہ مجھکو — جری انعام پایا کرتے ہیں کارِ نمایاں پر
ملک ہیں کہیں اعلیٰ فلک پر گو نہیں رہتے — پری سے بڑھ کے ہیں رکھتے نہیں ہرچند انسان پر

آزاد ہوں نہ حلقۂ زلفِ دوتا سے ہم — محفوظ اس حصار میں ہیں ہر بلا سے ہم
ہیں کامران زبان و لبِ دلربا سے ہم — منہ مانگی پا رہے ہیں مرادیں خدا سے ہم
پھر بات پر خدا سے کہو کہتے تھے تو — روزِ جزا ہے اب کہو کہدیں خدا سے ہم
جھگڑا چکا دیا طلبِ بار بار کا — ساقی نے میرے زہر ملا کر شراب میں

اے صنم دل میں بھی ملازم ہے برائی نہ ہے — تجھکو خالق نے عطا کی ہے جو صورت اچھی

اطہر

(اطہر) منشی غلام مصطفےٰ خاں خلف منشی اعتبار خاں۔ جلگاؤں ضلع خاندیس کے رہنے والے

سنہ ۱۸۷۰ء سال ولادت ہے۔ اوائل شباب ہی میں فارسی کی درسیہ کتب ختم کرکے شاعری کی طرف توجہ کی کئی برس تک بطور خود کہتے رہے اور نعتیہ کلام رسالوں میں بھی شائع کراتے رہے۔ اب سنہ ۱۸۹۷ء سے مرزا سید محمد باقر صاحب حمید برادر حضرت تعشق مرحوم سے اصلاح لیتے ہیں۔ کثرت مشق کا یہ عالم ہے کہ چند ہی سال میں خاصہ ذخیرۂ کلام فراہم کر لیا ہے مگر ابھی کلام میں پختگی نہیں آئی ہے سلام بھی اکثر کہتے ہیں۔ جو کلام ارسال کیا اُسکا یہ لب لباب ہے ؎

اک پیالہ بادۂ گلفام کا	ساقیا دے دے خدا کے نام کا
پھنس کے مرغِ دل نکل سکتا نہیں	حلقۂ گیسو ہے حلقہ دام کا
کھڑے ہیں طالبِ دیدار آکر	خدا را دیکھ لو پردہ اُٹھا کر
دل بیتاب عاشق کو وہ آکر	تسلی دے گئے باتیں بنا کر
مانا کہ مٹا اُس بتِ کافر کا سِل ہے	تقدیر ہی میں جب نہ پھر کیا کرے کوئی

جو سیرِ باغ کو وہ رشکِ آفتاب چلے	نسیم صبح وہیں تھام کر رکاب چلے
شراب پینے کو میخانے کی طرف ساقی	بچا کے آنکھ زمانے کی شیخ و شاب چلے

قاتل نہیں ہے تجھسے ذرا بھی ہمیں گلہ	باعث ہماری قتل کا تیری ادا ہوئی
شبِ وصل وہ ایسے روٹھے کہ بس	کٹی رات ساری مناتے ہوئے

اطہر (اطہر) سید معشوق حسین۔ قصبہ ہاپوڑ ضلع میرٹھ کے رہنے والے ہیں۔ عربی فارسی میں خاصی استعداد رکھتے ہیں شعر کا مذاق سن طفولیت ہی سے تھا۔ چودہ پندرہ برس کی عمر میں طبع موزوں کی مدد سے شعر کہنے لگے۔ شوخ طبع نوجوان ہیں۔ کئی سال تک جناب ناظر سے خوردہ لیتے رہے بعد میں جب خیال کی بلند پروازی بڑھی تو حضرت جلال کو اپنی استادی کے لئے انتخاب کیا۔ اور تھوڑے ہی عرصے کی مشق میں اچھی دستگاہ بہم پہونچائی۔ آپکے اشعار میں معاملہ بندی کا لطف خوب ہے۔ اور آپکی لمک کرپڑنے کی طرز اس تاثیر کو دوبالا کر دیتی ہے۔ کچھ دنوں عیلۂ معلمی آپ کو میرٹھ میں رہنے اور وہاں کی مجالس مشاعرہ میں حصہ لینے کا اتفاق ہوا ہے

اب دو تین سال سے بریلی میں سکونت پذیر ہیں انتخاب کلام یہ ہے ؎

سب کچھ مجھے منظور ہے اے حضرتِ واعظ — ہاں ترک مگر عشق بتاں ہو نہیں سکتا

لگی ہے لو سی اب تو ہر دم — خیالِ تمکنت ہے ادھر ہوں
ہچکیاں آ کے مرجائے عدو — یاد کیوں بار بار کرتے ہو
آج وعدہ ہے کس سے ملنے کا — کس لئے یہ سنگار کرتے ہو
یہ رُک رُک کے چلنا دمِ ذبح کیسا — یہ اے تیغ جلاد کیا ہو رہا ہے

اے شیخ میکدہ سے سواری بڑھائیے — جھگڑے نکالئے نہ حرام و حلال کے
زاہد شراب پی بھی لے آیا ہے گھر کے بر — دریا ہیں جوش زن کرمِ ذوالجلال کے
نام لکھ لکھ کے مٹانے سے میرا کیا حاصل — میری تقدیر کے لکھے کو مٹائے کوئی

(اطہر) سید اعظم اللہ رئیس و جاگیردار ریاستِ حیدرآباد دکن مولانا بیدل سے تلمذ ہے ؎ اطہر

محبت میں ہوا برباد آخر — مرا کہنا نہ کچھ تو نے سنا دل

آج کرم مجھ پہ ہے کل ہے کرم غیر پر — روز نیا انقلاب دیکھئے کب تک رہے
تو بہ میری دیکھئے نبھتی ہے کس وقت تک — ترک شراب و کباب دیکھئے کب تک رہے
بُرے وقت کا کوئی کب آشنا ہے — زمانہ ادھر ہے جدھر کی ہوا ہے
قتل کرنے کو مرے تلوار کی حاجت نہیں — تیغ سے کچھ کم نہیں ہے جو ادا قاتل میں ہے

(اظفری) مرزا محمد ظہیر الدین علی بخش اظفری گورگانی عرف مرزا کلان ۔ مدراس اور کلکتہ میں بھی کچھ دنوں رہے تھے پھر دہلی واپس آ گئے ۱۲۱۵ھ میں حیات تھے زوالِ سلطنت شاہ عالم ثانی سے اپنے وقت تک کے حالات واقعات اظفری نامی سوانح عمری میں درج کئے تھے صاحب دیوان ریختہ گزرے ہیں واقعات اظفری اور دیوان اظفری کے قلمی نسخے سرسری الیٹ مرحوم مورخ ہندوستان و سکنۂ اعظم نہد کے کتب خانہ میں تھے یا اب ولایت کے شاہی میوزیم میں موجود ہیں یہ انکا کلام ہے ؎ اظفری

گئے دن ہیں کہ بار نے مجھ سے ربط بار دگر کیا پیدا
شکر اللہ آہ نے میری اظفری کچھ اثر کیا پیدا
تیرے حسن و صفا کو جو دیکھا آرسی اس میں لاجواب ہوئی

اظہر (اظہر) مولوی کرامت علی اظہر ولد شیخ امانت علی باشندۂ شیخ پور نواح فرخ آباد مقیم لکھنؤ شاگرد رشید شاہ نصیر دہلوی مرحوم - تاریخ گوئی میں بے نظیر تھے مرزا محتشم بخت کی تہنیت ولادت میں جو قصیدۂ فارسی لکھا تھا اُس میں عجیب عجیب صنعتیں رکھی تھیں یعنی ہر مصرع سے متعدد تاریخیں نکلتی تھیں - اُردو کا کلام حاضر ہے ؎

دکھا کے دستِ حنائی نہ خوں بہا دل کا کہ اور رنگ سے لوں گا میں خوں بہا دل کا
بہار تجکو دکھائیں گے ہم بھی اے گلرو کسی روش سے جو غنچہ کبھی کھلا دل کا
بہشت پہنچے ہے کب زاہد اُسکی دست کو عجب روش کا ہے یہ باغ دل کشا دل کا
تاثیرِ حاضرات رکھے ہے چراغ دل اپنا یہ از نگین سلیماں ہے داغ دل
اے حور آ کے دیکھ گلِ داغ کی بہار دلچسپ ہے یہ باغِ ارم سے بھی باغ دل
تیری بلا سے مرے یا جیئے کوئی بیدرد تو تجھکو درد ہو جانے پر لئے تو دل کی

اظہر (اظہر) مولوی میر اظہر علی مودودی - سہسوان ضلع مرادآباد کے قدیم باشندے اور اب ایک عرصہ سے ریاست بُردہ میں سکونت پذیر ہیں - فن سخن میں حضرت امیر مینائی سے فیض پایا ہے انکے والد میر مظہر علی صاحب ڈپٹی کلکٹر ہیں - اب انکی عمر ۳۲ برس کی ہے یہ کلام ہے ؎

عشاق ہیں خم ابروئے خمدار کے آگے رہتی ہیں جھکی گردنیں تلوار کے آگے
پی کر تو نہیں آئے ہو کچھ خیر ہے واعظ ہچکی ہے ناب اظہرِ میخوار کے آگے

اعجاز (اعجاز) شیخ منشی محمد عبدالعزیز معروف بہ اعجاز رقم - ابن محمد صالح ساکن سہسوان ضلع بدایوں اِن کا تاریخی نام آغا میر ہے جس سے ۱۲۵۶ھ نکلتے ہیں - ایام طفولیت میں اپنے والدین کے ہمراہ لکھنؤ آئے اور وہیں تعلیم و تربیت پائی - فن سخن کی تحصیل اول مولوی الٰہی بخش نازش اور

پھر اسیر لکھنوی سے کی اخیر میں امیر مینائی سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ اب کہتے کہتے مشاقی ہوگئی ہے خط نستعلیق میں منشی کالکا پرشاد موجد سے اصلاح لی ہے۔ ۱۸۵۵ء میں ریاست بھوپال میں تعلق پیدا کیا۔ فارسی میں مولانا عباس رفعت کے شاگرد ہیں۔ ۱۲ برس بھوپال میں ملازمت کرکے گوالیار چلے آئے ۲۱ سال وہاں رہے اب چند سال سے پھر بمقام بھوپال نواب یٰسین محمد خان کی سرکار میں ملازم ہیں۔ تاریخ عمدہ اور بہت جلد کہتے ہیں۔ خوشنویسی میں بھی یدطولےٰ حاصل ہے یہ کلام کا نمونہ ہے ۵

کچھ ایسا رنگ پاں اچھلا لبِ جاں بخش حیواں پر	ہزاروں حرف بدرنگی کھچے لعلِ بدخشاں پر
نگاہیں برسرِ کاوش ادائیں درپئے ایذا	جفائیں ہو رہی ہیں بیطرح جانِ بُرداراں پر
رواں ہے چشمِ گوہر سے لہو پر یہ تماشا ہے	ہنسی تلوار کو آتی ہے میرے زخمِ خنداں پر
بلا آئی وبال آئے غضب آئے اجل آئے	نہ آئے پر نہ آئے دل کسی انساں کا انساں پر
لہو چھپکا نہیں پڑتا شہیدانِ محبت کا	کہ رنگِ خونِ بلبل آ جھلکتا ہے گل کے داماں پر
ہوائے قتل میں پر یونکی صورت اڑتی پھرتی ہے	لگا لائی کہاں سے یار کی شمشیرِ بُراں پر
کیا ہے بیوفائی نے نیک و بد سے بیخبر ایسا	کہ شکوہ دوست کا کرتا ہوں میں جا جا کے دشمن سے
کہاں تھا اس بلا کا سمِ قاتل کالی ناگوں میں	اُڑ آیا ہے یہ بس اُلٹی ہوئی زلفوں کی ناگن ہے
نظر بازی کا لپکا عمر بھر باقی رہا دل کو	بتوں کے عشق کا رکھتے تھے ہم چسکا لڑکپن سے
جگر مجروح ہے تیغِ نگاہِ نازِ جاناں کا	مرے زخموں کے ٹانکے چاہئیں خرگا کے سوزن سے

اعجاز (منشی الٰہی بخش اعجاز لکھنوی زمانہ حال کے شعرا میں ہیں مگر اس سے زیادہ حال معلوم نہو سکا کہ آپ کو حضرت تسلیم کے بڑے صاحبزادے جناب حکیم مرحوم سے تلمذ تھا۔ انتخابِ کلام درج ذیل ہے ۵

حسن و الفت کا ازل سے ہے بہم سوز و گداز	شمع و پروانہ کو اک ساتھ ہے جلتے دیکھا
بتوں کے عشق میں فرصت مجھے ملی نہ ملی	میں کعبے بھیجدوں ایمان ارمغاں کیطرح

امید تجھسے ہے اے شرمِ معصیت مجھکو
بنادے رحمتِ پروردگار کے قابل

ہو محویت یہ عشقِ بتِ خوش جمال میں
باقی نہ امتیاز رہے ہجر و وصال میں

اپنا ہی یہ جگر ہے کہ دل تمکو دے دیا
پھر اُسپہ ضبط یہ کہ ستم کا گلہ نہیں

لہو کا میرے اخفا اور پھر روزِ قیامت ہو
جو تو ٹکرے تری تلوار انگشتِ شہادت ہو

ہم ایسی دل لگی سے باز آئے
کہ دم بھر ہنس کے رونا عمر بھر ہو

گریہ ہوس ہے وعدے کو ایفا کرے کوئی
عمرِ خضر کی پہلے تمنا کرے کوئی

دل میں سما گئی ہے ہمارے ادائے حسن
کچھ غم نہیں کہ آنکھ سے پردہ کرے کوئی

خوں گشتہ دل کا راز چھپایا بہت مگر
آنسو ٹپک پڑیں تو اسے کیا کرے کوئی

یہ چشمِ حق نگر کیا جانے کس جلوہ کی ہے خواہاں
میں بتخانہ میں ہوں لیکن خدا جانے کہاں کا ہے

اے جنوں آبلہ پا کو بچالے کہ کبھی
پیاس کانٹوں کی بجھے گی اسی پیمانے سے

جو فنا فی العشق ہے یکساں ہے اُسکو مرگ و زیست
زندگی پر کیوں خوشی ہو موت کا کیوں غم ہے

اعجاز (اعجاز) منشی عبد الحئی خلف منشی محمد وارث ڈپٹی کلکٹر جیل پور ملک متوسط کے شیوں میں ہیں کلام سے شوخ طبع اور ذہین معلوم ہوتے ہیں - معاملہ گوئی کی طرف توجہ ہے - زبان اور تلاش بھی اچھی ہے - گلدستوں میں اکثر کلام شائع کراتے رہتے ہیں یہ آپکا طبع زاد کلام ہے

جو تیرا ادا کا ترے بسمل نہیں ہوتا
کچھ لطف اُسے زیست کا حاصل نہیں ہوتا

کرو اعجاز دل اپنا تصدق
اشارہ ہے یہ چشمِ سرگیں کا

بوسہ کے دینے میں جو ہے انکار آپ کو
دل بھی ہمارے پاس پھر اے نازنیں نہیں

جاتے ہوئے رقیب کے گھر وہ یہ کہہ گئے
بیٹھے رہو تم اپنا مقدر لئے ہوئے

واعظ تمکو مبارک ہو تمہاری جنت
بڑھ کے فردوس سے ہے کوچۂ دلدار مجھے

اعجاز (اعجاز) منشی عبد القادر اعجاز چشتی صابری باشندہ بٹھرویچ شاگرد حسان الہند نواب رضوان علیخاں مراد آبادی - نعتیہ کلام کیطرف زیادہ رغبت ہے - غزلوں کے چند اشعار

منتخب ہو کر درج کئے جاتے ہیں ؎

رنگ گل کا دہن ہے غنچہ کا	آنکھ نرگس کی قد صنوبر کا
نزولِ ابرِ رحمت حشر تک ہو	الٰہی مرقدِ پیرِ مغاں پر
کشتۂ ناز کو ٹھوکر وہ لگائیں کیونکر	مارنا ہے جسے اُسکو وہ جلائیں کیونکر
لبِ جاں بخش کا اعجاز کو اعجاز دکھلاؤ	جلا دو اسکو تم کہکر جو تم رشکِ مسیحا ہو

پندِ ناصح طنزِ زاہد سے اجی ہوتا ہے کیا	اچھی صورت پر تو لاکھوں میں طبیعت آئیگی
داغِ دل داغِ جگر میں جو چمک ہوتی ہے	مہ و خورشید میں کب ایسی جھلک ہوتی ہے

اعجاز

(اعجاز) مرزا اعجاز حسین صاحب بی اے دہلوی - خلف الرشید مرزا سرفراز حسین صاحب آپکے بزرگوں کا وطن دہلی ہے مگر آپکے والد ماجد نے غدر میں وطن کو خیرباد کہا اور بسلسلۂ ملازمت پنجاب کے مختلف اضلاع میں سکونت گزیں رہے - دہلی کے نامور اساتذہ کے روشناس اور بعض معرکۃ الآرا مشاعروں میں شریک رہ چکے ہیں - مرزا صاحب کو مذاقِ سخن بطور ورثہ ان سے ملا ہے - آپنے ۱۲ برس کی عمر میں ۱۸۹۷ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے کی ڈگری حاصل کی - شروع ۱۸۹۹ء تک چیف کورٹ پنجاب میں مترجم رہے - سونٹن صاحب کی تاریخ عالم اور لیڈ صاحب کی سائیکولوجی کا اُردو میں ترجمہ کیا جس پر پنجاب یونیورسٹی سے انعام پایا - شروع ۱۸۹۹ء سے اب تک انبالہ میں وکالت کرتے ہیں - اوائل مشقِ سخن میں اپنے والد ماجد سے اصلاح لیتے رہے جب کچھ مشق بڑھی تو فخر الاساتذہ میر مہدی مجروح دہلوی سے فخرِ تلمذ حاصل کیا میر صاحب ممدوح آپ پر حد درجہ عنایت فرماتے تھے - راقم تذکرہ کے احباب میں ہیں - طرزِ قدیم و جدید دونوں میں طبع آزمائی کرتے ہیں - اور کامیاب بھی ہوتے ہیں - آپ کا کلام مخزن میں اکثر شایع ہوتا رہتا ہے انشا پردازی میں بھی آپ کو اچھی مہارت حاصل ہے - کلام کا خلاصہ ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے

اے زلیخا سوچ تو لینا تھا کچھ انجام کار	پھاڑنا تھا حضرتِ یوسف کا داماں دیکھکر

لکھنؤ اور لکھنؤ والوں کی ساری خوبیاں — آگئیں بادہ ہیں حامد علیخاں دیکھکر[1]
ہو سخن کو ناز جتنا اپنی خوبی پر بجا — وہ سخن فہم و سخن سنج و سخنداں دیکھکر
عشق نے حسن کا پھیلایا یہ جال اچھا ہے — دل پھنسا لینے میں ظالم کو کمال اچھا ہے
ناز و انداز و ادا حُسن کے سب چیلے ہیں — اُس کی ہر آن بھلی جبکا جمال اچھا ہے
راحتِ یاس تو طفلی ہی اگر وصل نہیں — عشق کو کہئے بُرا کیوں جو مآل اچھا ہے
دردِ پنہاں انہیں کس طرح دکھاوے اعجاز — مُنہ سے کہتے ہی بنتی ہے کہ حال اچھا ہے
اپنا دُکھڑا ہر جگہ ہر جا نہ رونا چاہئے — حالِ دل کہنے کو اے ناداں سلیقہ چاہئے
شش جہت میں سیکڑوں جلوے لڑے ہیں منتظر — ہاں درِ آئینۂ دل ہر طرف وا چاہئے
جیسے وہ آئینگے سب ظاہر ہے پر اے انتظار — کچھ نہ کچھ تو اپنے جینے کا سہارا چاہئے
جلوۂ دیدار لطفِ ہم کلامی ذوقِ وصل — اس دلِ بے صبر ظالم کو بھی کیا کیا چاہئے
پھر چلے اُس بزم میں اے حضرتِ دل خیر ہے — شرحِ رمزِ خلد آدم کیا دوبارا چاہئے
کچھ ہنسی مُٹھ نہیں اعجاز یہ تو عشق ہے — اس کو دل لوہے کا پتھر کا کلیجہ چاہئے
انساں کے قول و فعل میں اس درجے اختلاف — منبر پناہ مانگ رہا ہے خطیب سے
متاعِ کوششِ بے مدعا کی کیا خبر تجھ کو — تری حدِ نظر اے بوالہوس سود و زیاں تک ہے
یہ اپنی اپنی ہمت ہے تعرض کیا خصومت کیوں — کسیکی دوڑ مسجد تک مری کوے بتاں تک ہے
تنِ خاکی نہ کیوں برباد ہو جاں کے نکلنے سے — سرا کی ساری آبادی قیام کارواں تک ہے
مرے دل سے کوئی پوچھے کوئی میرا جگر دیکھے — خلش اس کم نگاہی کی کہاں تک ہے کہاں تک ہے

(اعجاز) ٹھاکر رامیشر بخش سنگھ صاحب تعلقہ دار سیما پور ضلع سیتا پور اودھ۔ معاملہ خوب باندھتے ہیں۔ زبان صاف ستھری اور بندش اچھی ہے غالباً حضرت وسیم سے مشورہ سخن کرتے ہیں۔ سن شریف چالیس برس کے قریب ہے۔ کلام بہم رسیدہ کا انتخاب ملاحظہ ہو۔

[1] مشفق و کرمی مسٹر حامد علیخان صاحب بیرسٹرایٹ لا لکھنؤ رئیس امروہہ۔ راقم تذکرہ کے دل عنایت فرما اور جو قابل لکھنے سمجھ نہ سکے

ناز سے گور غریباں پہ ہے آنیوالا
وہ مزار و نہ قیامت سے اٹھانیوالا

دیکھکر خنجر پرآب ترا دل بولا
کہ یہی میری لگی کا ہے بجھانیوالا

چھک کے ساقی یہ دعا دیتی ہیں پینے والے
یا الٰہی رہے آباد پلانے والا

دیکھ مٹی مجھے بولے کہ ملا خاک میں کے
دل کے پردے میں مرا راز چھپانیوالا

تو نے دیکھی نہیں اے چرخ مری چاند کی شکل
وہ تری چاند کو ہے داغ لگانیوالا

ٹوٹے چٹک چٹک کے تمہاری قبا کے بند
اللہ رے جوش حسن تمہارے شباب کا

جائے گل تیوری چڑھا جاتے ہیں تربت پر مری
آنکلتے ہیں جو وہ گور غریباں کی طرف

ضعف ہے زنجیر پا وحشت میں چھالے پاؤں کے
دیکھتے ہیں یاس سے خار مغیلاں کیطرف

تھا سینکڑوں میں ایک مرا جان نثار دل
ایسا کبھی نہ پاؤ گے لاؤ ہزار دل

کہتا ہوں اُنکے عارض دلکیسو کو دیکھ کر
اسپر فدا ہو جاں تو اُسپر نثار دل

ذکر جمال جو نکرہم سے بار بار
رکھتے ہیں ہم بھی زاہد پرہیزگار دل

بڑی ہے لذت دولت سے فقر کی لذت
فقیر کب طمع مال و جاہ کرتے ہیں

ہماری زخم دل کو سی رہی ہیں آپ ہنس ہنسکر
یہ مطلب ہے کہ اب باہر نہ دل سے کوئی حسرت ہو

تمنا ہے کہ وقت ذبح قاتل
تہ پا سر تو سوئے رخ نظر ہو

جو تم سینے پہ رکھدو پیار سے ہاتھ
تو پھر اے جاں کیوں درد جگر ہو

کسے دے آئے مٹی آرہے ہو کسکے دفن سے
پڑی ہے گرد کیسی جھاڑ دو اپنے دامن سے

کچھ ایسی بیکسی چھائی تھی لیکر پھول جب آیا
تو رویا ہے لپٹکر کوئی پیروں میرے دفن سے

چمن میں یہ اثر ہے جوش الفت کا بہاراں میں
جو بلبل کو غش آیا گل ہوا دیتے ہیں دامن سے

چشمان مست یار وہ کیفی بلا کے ہیں
ذی ہوش انکے دور میں بیہوش ہو گئے

مسجد میں جا کے بگڑے اعزاز پارسا
پہنچے جو میکدے میں تو مینوش ہو گئے

اچھا نہ میرے سامنے آیا کرے کوئی
چشم خیال سے بھی تو پردا کرے کوئی

عشاق کو نہ جلوہ دکھائے مزہ ہو جب
محشر کے دن بھی وعدۂ فردا کرے کوئی

کوئی ادا سے تیر لگا کر چلا گیا
تڑپا کرے کہ خاک پہ تڑپا کرے کوئی

ملو کسی کے دیدہ و دل خون سے ہیں
لبریز مے سے ساغر و مینا کرے کوئی

رہا دل گیسوئے جاناں میں جا کے
پھنسا خود ہم کو آفت میں پھنسا کے

کسی گل کے ہیں یہ داغِ محبت
نہ کیوں رکھوں انہیں دل سے لگا کے

بوسہ دے کر غیر کو مجھ سے کہا
آپ کہیئے آپ کو کیا چاہئے

دل کی قیمت ایک بوسہ ہے گراں
اور کیا اس سے بھی سستا چاہئے

اعظم (اعظم) اعظم خاں نام - دہلی کے رہنے والے اور حضرت شاہ نصیر کے شاگردوں میں تھے - کچھ دنوں مشق کر کے طبیعت اس فن سے اچٹ گئی اور کسب علوم کیطرف متوجہ ہوئے - عرصہ ہوا انتقال کیا ؎

اسی مضمون سے معلوم اُسکی سرد مہری ہے
جو اسنے مجھ کو نامہ کاغذِ کشمیر پر لکھا

سوزِ دل از بس طبیعت سے نہاں رکھتے ہیں ہم
شمع آسا نبض زیرِ استخواں رکھتے ہیں ہم

کیا یہ عکسِ دام کم ہے جوشنِ فولاد سے
ہے اسیری میں رہائی صید کو صیاد سے

اعظم (اعظم) شیخ اعظم حسین اعظم - آتش و ناسخ کے ہمعصر تھے زیادہ حال معلوم نہیں ؎

جب کہا میں نے کہ مرتا ہوں میں
ہنس کے بولے کہ ندامت آجائے

کہئے کب وصل کی ٹھہرائیے گا
کیا کہا پھر ذرا فرمائیے گا

اعظم (اعظم) منشی مرزا اعظم علی اعظم ابن محمد رضا مرحوم باشندۂ الہ آباد خواجہ آتش سے تلمذ تھا عدالت آگرہ میں عرصہ تک ملازم رہے پھر پنشن یاب ہو کر الہ آباد اپنے قدیم وطن میں خانہ نشیں ہو گئے - مشاق و باکمال شاعر تھے طبیعت مضمون خیز و جدت پسند تھی - صاحب دیوان گذرے ہیں سنہ ۱۲۷۱ھ میں انکا دیوان آگرہ کے مطبع میں چھپا تھا سنہ ۱۸۰۰ء میں پیدا ہوئے تھے عرصہ ہوا انتقال کیا - انتخاب کلام درج تذکرہ کیا جاتا ہے ؎

زندگی بھر نہ یمِ دیدۂ گریاں ٹھیرا
کشتیٔ عمر ڈبوئی تو یہ طوفاں ٹھیرا

زخم کاری لگا تو چوم لیا
قبضۂ خنجر کا ہاتھ قاتل کا

کوئی کر سکا دل نہ اپنا لہو
مرا ساتھ برگِ حنا نے دیا

تھا مقدر میں یہ کہ قاتل کا
ہم بگڑتے تو بانکپن بنتا

خنجر کا نہ بسمل ہوں نہ شمشیرِ جفا کا
انداز کا مقتول ہوں کشتہ ہوں ادا کا

ساقی نے دیا جام مئے بیخبری کا
اب ہوش ہے شیشہ کا نہ شیشہ کی پری کا

ہر ظلم رسیدہ ہے ترے جور سے راضی
شکوہ نہیں کرتا کوئی بیدادگری کا

خیالِ جاناں میں جان دینا خیالِ حسن جبیں میں جینا
انہیں سے رغبت انہیں سے الفت انہیں میں مرنا انہیں میں جینا

تمہاری صورت کے دیکھنے سے ہماری ہوتی ہے زندگانی
ہمارا لکھا ہوا ہے گویا تمہاری لوحِ جبیں میں جینا

بغیر اُسکے جو خضر لاکر اُسے زلالِ حیات دیتے
کبھی گوارا نہ قیس کرتا فراقِ محمل نشیں میں جینا

رقیب میرے ہلاک کرنیکو کہہ رہے ہیں مدام تم سے
ہماری پوچھو تو ہے تمہاری ہے ہاں میں مرنا نہیں میں جینا

گدا کی مرگ و حیات دونوں بری ہیں دنیا کے دغدغے سے
نہ فکرِ طبیل و علم میں مرنا نہ شوقِ تاج و نگیں میں جینا

برق کیوں چمکی سبب کیا سیل کی بنیاد کا
گھر بنا بھی تو نہیں مجھ خانماں برباد کا

بوالہوس وہ ہیں جنہیں ہے حوصلہ فریاد کا
ہم تو شکوہ بھی نہیں لاتے تری بیداد کا

لیلیٰ کو کھولنے دو ذرا گیسوئے دراز
مجنوں کے بند بند میں زنجیر دیکھنا

آنکھوں کی آرزو پہ ذرا کیجئے نگاہ
یہ چاہتی ہیں آپ کی تصویر دیکھنا

کس طرح اپنے یگانوں کو یگانہ سمجھوں
کام اپنے کے نہ آوے تو وہ کیسا اپنا

اُس کو بھی کیا آپ کی رفتار نے پامال
ٹھوکر سے بھی ہنگامۂ محشر نہیں اُٹھتا

کس قدر تاثیر تھی میری زبانِ عجز میں
یاں دعا کی واں درِ عرش معلا کھل گیا

جس نے تقدیر سے دیکھا رخِ زیبا تیرا
زندگی بھر وہ رہا محو تماشا تیرا

فارغ البال کیا بے سروسامانی نے
مال دنیا نہ رہا چور کا کھٹکا نہ رہا

آپ کے خنجرِ مژگاں کا اشارہ گر ہو
سرِ جاں باز ہتیلی پہ دھرا آئے نظر

ہمیں کو اُن کی طرف دیکھنے کی تاب نہیں
ورنہ واں کوئی پردا نہیں حجاب نہیں

کوئی محمل میں نہیں ہے پسِ پردا ہم ہیں
برملا قیس کو دعویٰ ہے کہ لیلیٰ ہم میں

اس لئے چپ ہیں کہ کوئی نہیں سننے والا
ورنہ کہنے کو سراپا لبِ گویا ہم ہیں

سو انگ لاتے ہیں نئے رنگ بدلتے ہیں نئے
یہ طلسمی ہے جہاں اسمیں تماشا ہم ہیں

خوشی دیکھتے ہیں محن دیکھتے ہیں
تماشائے چرخِ کہن دیکھتے ہیں

اُن کی ہمیں اٹکھیلیوں کی چال نے مارا
دھرتے ہیں کدھر پائوں کدھر دیکھ رہے ہیں

لڑکپن میں تھا کچھ امتیازِ ذائقہ ورنہ
حلاوت نعمت دنیا کی ملتی شیرِ مادر میں

واہ رے رزاقیٔ رزاق و شانِ پروریش
طفل پیدا ہوا تو پیدا شیرِ مادر ساتھ ہو

عیش و راحت کا بھی اسباب مہیا ہوگا
سہے بارِ غمِ ایام تو ٹل جانے دو

روک لیوے گا اُسے روکنے والا دیکھ
ناوکِ غمزہ خوں ریز بھی چل جانے دو

خیر جانے کو جو کہتے ہو تو جاؤ لیکن
آرزوئے دلِ بیتاب نکل جانے دو

کعبہ کو نہ چھوڑیں گے نہ ہم دیر کو
اک روز ادھر جائیں گے اک روز اُدھر کو

کیا اُن کا بھروسہ اُنہیں جانا نہ کہیے
جو آپ کی نظروں سے بچاتے ہیں جگر کو

سُن لیجیو کہ تیغ نگہ کام کر گئی
دل میں جگر میں سینہ میں سر میں جاں میں دل

سر بیچ کے اعظم نے خریدا ہے غمِ عشق
دل دیکھے مری جان یہ آزار لیا ہے

تو وہ بت ہے کہ تری جلوہ نمائی کے لئے
آرزو خانۂ کعبہ میں مسلماں کرتے

خوب آہِ دلِ بیتاب رسا ہوتی ہے
میں زمیں پر ہوں تو گردوں پہ صدا ہوتی ہے

لوٹ کے دیتے ہیں سینہ میں جو مخفی سا نہ ہے
دل ہمارا کشتۂ تیغِ نگاہِ ناز ہے

چاہو تو بدل سکتے ہو تقدیر ہماری
ہر طرح سے کر سکتے ہو تدبیر ہماری

طوفِ مزارِ کشتۂ دیدار کے لئے
جانا تو پھول نرگسِ بیمار کے لئے

حوصلہ دنیا کا زر کے ساتھ ہے	طاقتِ پرواز پر کے ساتھ ہے
اچھی ہے وہ دولت جو تری راہ میں اُٹھے	وہ پاک کمائی ہے جو اس راہ میں اُٹھے
واں جھڑکیاں ہیں قاصدِ ناکام کے لئے	یاں نقدِ جاں ہے ہاتھ میں انعام کے لئے
غرض مندوں کی الفت کا عبث تم کو بھروسہ ہے	وہ کیونکر آشنا ٹھیرے جو مطلب آشنا ٹھیرے

اعظم

(**اعظم**) مولوی عبدالصمد عرف محبوب جان - برادر خورد مولوی وجیہ اللہ خاں بہادر متخلص بہ داغ و خلف مولوی محمد وجیہ - مدرس اول مدرسہ کلکتہ - کلکتہ کے رہنے والے اور حضرتِ نساخ صاحب تذکرہ سخن شعرا کے شاگرد تھے ۱۸۷۰ء میں زندہ و سلامت موجود تھے - یہ اِن کا کلام ہے ؎

بانیٔ ارض و فلک تک تجھ پہ شیدا ہو گیا	جس نے دیکھا تجھ کو وہ محوِ تماشا ہو گیا
شکوہ کس کس کی عداوت کا ہے اعظم کروں	ایک عالم اُس جہاں آرا کا شیدا ہو گیا
لاکھ صورت سے بنائیں آئینہ گر آئینہ	دِل سے ہرگز ہو صفائی میں نہ بڑھ کر آئینہ
روئے آتش رنگ کی دیکھے جھلک گر آئینہ	صورتِ سیماب ہو بیتاب و مضطر آئینہ
ہے دلِ نالاں کو میرے عشق رو سے صاف یہ	کھُل گئی قلعی فدا ہے آئینہ پر آئینہ

افروز

(**افروز**) مولوی عبدالرزاق عظیم آبادی - آپکو غالباً خان بہادر مولانا علی محمد صاحب شاد سے تلمذ حاصل ہے - چند اشعار بطور نمونہ کلام حاضر ہیں ؎

سرمۂ دیدۂ مقصود نہیں گے مٹ کر	کیا کریں خاک جو ہونکی ہوس ہم نہ کریں
عالم افروز جہاں جلوے ہیں اُسکے افروز	دیدۂ دل کا کہیں اور ہی عالم نہ کریں
لوحِ تربت ہے کہ عبرت کا اک آئینہ ہے	دیکھکر موت کے آثار جھلک جاتے ہیں
چشمِ میگوں ہے تری ہوشربا اے ساقی	مست کیا دیکھ کے ہشیار بہک جاتے ہیں
کہاں ہیں کہ ہر ہیں جفا کرنے والے	کہاں ہیں کہ ہر ہیں جفا کرنے والے
شوخیٔ چشمِ یار کیا کہنا	نرہی کچھ جگہ حیا کے لیے

افسر

(افسر) نواب احمد یار خاں خلف الرشید نواب محمد یار خاں امیر - جنکا ذکر اسی ردیف میں آگے آئے گا - رؤسائے رام پور، رئیس کمنڈ میں صاحب اقتدار بالخصوص شعرا کے بڑے مربی و قدردان گزرے ہیں - شعر و سخن کا ابتدائے سن تمیز ہی سے عشق تھا - قائم چاندپوری سے مشورۂ سخن فرماتے تھے - نہایت باذل - بامروت - سیر چشم - خلیق - اور اپنے ہمعصروں میں ذاتی شجاعت - دلیری اور کمالات سپہگری کے سبب ممتاز تھے - قائم چاندپوری کے بعد حافظ شبراتی صاحب طالب سے بھی اصلاح لی - پچانوے برس کی عمر پاکر ۱۲۶۲ھ میں انتقال فرمایا - انتخاب کلام ملاحظہ ہو ؎

برقع جو رات مُنہ سے ترے دور ہو گیا
مجلس سے ماہ چرخ پہ بے نور ہو گیا

جوں گل یہ حسن ہووے ہے اک آن میں ہوا
وہ چیز کیا ہے جسپہ تو مغرور ہو گیا

شیشے سے دل کی کونسی نازک ہے اور چیز
اک ٹھیس سے نگاہ کی چوچور ہو گیا

قدرت پہ باں کی پھول نہ افسر کرے یقیں
کیا کیا جہاں میں خلق کو مقدور ہو گیا

سُن لیجو آنسوؤں نے فلک سے گزر کیا
جسدم کہ وقفِ گریہ میں خونِ جگر کیا

مستی کی اُس نگاہ کی کچھ کیفیت نہ پوچھ
گردش نے جسکی ایک جہاں بے خبر کیا

اُڑ اوید مثلِ حباب اس جہاں کا
کہ یہ زندگی کوئی دم ہے غنیمت

سامنے ہو جو نہ اُس ابرو کے افسر زینہار
اک اشارے میں وہ دو کرتا ہے تلوار کیطرح

دیکھا ہے جسنے حُسن کا تیرے شکوہ و شاں
حیران ہی نت رہا ہے وہ تصویر کیطرح

کسکو ہے یہ شکار کی رغبت کہ اک جہاں
تڑپے ہے خاک و خوں میں نخچیر کیطرح

اے شمع رو نہ کیونکر جلوں میں کہ مدعی
مُنہ میں تری زبان لے گلگیر کیطرح

افسر کی گفتگو کا سلیقہ میں کیا کہوں
سب سے جدا کچھ اُس کی ہے تقریر کیطرح

مجھ پہ نامہرباں ہوئے جو تم
ہے یہ کس مہربان کی خاطر

قاصدا تو ہی بتا کون سا پیغام لکھوں
ہوں میں گمنام سرِ نامہ پہ کیا نام لکھوں

سیماب کی طرح سے بے تاب اک جہاں ہے	تنہا نہ اک میں ہی ہوں بے قرار تجھ بن

افسر

(**افسر**) شیخ غلام اشرف افسر - انکے والد شیخ غلام رسول شاہی گاؤ خانہ کے چودھری تھے - یہ خود اکثر مرثیہ و سلام کہا کرتے تھے اور اُس میں اشرف تخلص کرتے تھے - غزلیات میں افسر تخلص اور حضرت مصحفی سے تلمذ تھا - کلام سے موزونی فکر ظاہر ہے ؎

جب دیکھے ہے یہ داغ سیہ اپنی جبیں پر	آتا ہے اُسے رشک ترے روئے حسیں پر
معلوم نہیں کیا ہے تہِ خاک تماشا	نرگس کی جو رہتی ہے جھکی آنکھ زمیں پر
چہرہ پہ ماہ کے نہ کیا کر خیال تو	آئینہ لے کے دیکھ تُو اپنا جمال تو
گویا شفق میں پنجۂ خورشید غرق ہے	جس وقت ہاتھ مہندی سے کرتا ہے لال تو
اُٹھک نزاکت دیکھیو پہنے ہے جب گجرہ شوخ	شاخ گل سا ہاتھ لچکے ہے گلوں کے بار سے

افسر

(**افسر**) صاحب عالم مرزا محمد عثمان افسر گورگانی مرحوم عرف مرزا ٹوے خلف الرشید صاحبقران ثانی و عالیان میرزا خضر سلطان بہادر خضر - فرزند ارجمند حضرت ابو ظفر بہادر شاہ ثانی - مرزا قادر بخش صاحب صابر مرحوم سے تلمذ تھا کوشش بلیغ سے چند غزلیں بہم پہونچیں اُن میں سے چند اشعار منتخب ہو کر درج تذکرہ ہوتے ہیں بعد از غدر اپنی پھوپھی صاحبہ زوجۂ مرزا الٰہی بخش کی ظل حمایت میں اوقات بسر کرتے رہے نہایت شکستہ مزاج آزادہ و مستغنی - غیور اور ملنسار ہنس مکھ آدمی تھے - تقریباً ۱۳۰۰ھ میں بعمر چہل سال بمقام دہلی انتقال فرمایا ؎

جانے دیا ہمیں نہ وہاں دل کے خوف نے	درباں نہ تھا رقیب نہ تھا پاسباں نہ تھا
عزیز اُن سے کریں جانِ زار ہو نہ سکا	طلب کی دیر تھی پھر انتظار ہو نہ سکا
ہماری اُن کی بھی برسوں یہیں بنے جاتی	عدو کا شیوہ مگر اختیار ہو نہ سکا
گلہ بجا ہے یہ اُن کا گزر ہی جاتی رات	مجھی سے چار پہر انتظار ہو نہ سکا
بتوں کے عشق سے پرہیز جیتے جی مجھسے	یہی کہوں گا کہ پروردگار ہو نہ سکا

عدو کی بات نہ جمنے دی رشک نے دل پر
حنا رچا نہ کریں اعتبار ہو نہ سکا

جنازہ پہ وہ بے وفا ہو گیا
مرے حق میں مرنا بھلا ہو گیا

کیوں سر پہ خون لیتے ہو اُس بیگناہ کا
دیکھو یہ بوجھ تم سے اُٹھایا نہ جائے گا

ہو گا عدو کو بھی یہی دن ایک دن نصیب
یوں دل میں شاد ہیں ستم ناروا سے ہم

ننگ ہے گر وفا جفا کیجے
کچھ تو پاس اپنے نام کا کیجے

اب جفا کا بھی اُن کو حرف ہے
پھر کس امید پر وفا کیجے

مکیں کو اُنس ستتے ہیں مکاں سے
تمہیں تو ربط دل سے اور نہ جاں سے

تری الفت میں یہ حاصل ہوا ہے
عداوت ہو گئی سارے جہاں سے

اہلِ وفا کی اتنی تو توقیر چاہیے
یعنی ہماری نعش کی تشہیر چاہیئے

پورے ہوا اپنی ضد کے تو لو میں مر گیا
اب تم کو مجھ سے ملنے کی تدبیر چاہیئے

میں بدگماں حد سے سوا آپکی یہ ڈھنگ
کہیئے رہی ہے کون سی صورت نباہ کی

لو جان دل پہ بن گئی کیوں ابھوش ہوئے
برسوں سے افسر آپ کو حسرت تھی چاہ کی

مرا دل شمع ساں جلتا ہے ہر شب
خدا جانے لگی ہے لو کہاں کی

رہائی ہو گئی بدتر قفس سے
گئی جو چھوٹ عادت آشیاں کی

افسر

(افسر) نواب غلام ربانی صاحب افسر ۱۸۸۴ء تک کلکتہ میں باعزّ و آبرو بسر کرتے تھے۔ آپ کو غالباً سلطان ٹیپو کے خاندان سے قرابت تھی۔ کلام سے پایا جاتا ہے کہ مذاق سخن اچھا تھا۔ بطور نمونہ چند اشعار پیش کئے جاتے ہیں ؎

اے نگاہِ واپسیں قرباں تری تاثیر کے
لوٹتے قاتل کو دیکھا خاک پر بسمل کے پاس

اللہ رے میرے جرم و گناہ کی ترقیاں
بھاگے فرشتے پھینک کے فردِ حساب کو

تم کیا پھرے کہ سارا جہاں ہم سے پھر گیا
کہئے خدا کا قہر تمہارے عتاب کو

اُس مست نے نظر بھی نہ کی میری سمت کو
کہتے ہیں دور کرتا ہے نشہ حجاب کو

(**افسر**) راجہ پدما نند سنگھ صاحب بہادر افسر فرمانروائے راج بنیلی دکھرک پور ضلع پورینہ بھاگل پور جون ۱۸۸۳ء میں بعمر ۲۹ سال اپنے والد مرحوم مہاراجہ لیلا نند سنگھ کی وفات کے بعد مسند ریاست پر رونق افروز ہوئے اُردو و فارسی بنگلہ انگریزی ہر چہار زبانوں میں معقول دستگاہ رکھتے ہیں بڑے وجیہ شکیل ہونہار رئیس ہیں۔ آپکے پردادا راجہ دولار سنگھ نے جنگ نیپال میں برٹش گورنمنٹ کی فوج اور رسد سے اعانت کی جسکے صلہ میں راجہ بہادر کا خطاب پایا جو اب خاندان میں موروثی ہے۔ باوجود مشاغل کثیر گاہے گاہے تفنن طبع کے لئے شعر گوئی کیطرف بھی توجہ فرماتے ہیں۔ بہار اور بنگال کے روساء میں آپ کو امتیازی درجہ حاصل ہے کلام ملاحظہ ہو ؎

دل میں حسرت نزہے آج اگر تم چاہو — لب بلب سینہ بسینہ ہو بسر وصل کی رات
بلبے شوخی کہ مجھے آپ تو بھیجا نہ جواب — خط نہ لکھنے کا گلہ اُس پہ ہے اُلٹا اے شوخ
چاہنے والے کی ہوتی نہیں چاہت برباد — شمع جل کر ہوئی پروانہ کی صورت برباد
قدرداں ہم ہیں ہمیں آ کے سنگھاؤ صاحب — مفت کیوں کرتے ہو تم زلف کی نکہت برباد
جو آرزوئیں دل میں تھیں سب خاک ہوگئیں — تیغ اجل نے کاٹ دئے دست و پائے حرص

(**افسر**) منشی اعظم علی آفسر باشندہ سندیلہ عرصہ دراز سے بھوپال میں سکونت پذیر اور وہاں کی عدالتوں میں وکالت کرتے ہیں ؎ افسر

جوبن اُبھرا اُبھر کے جتاتا ہے یار کا — پھل پا چکا ہے عشق میں منصور دار کا
افسر ہے شرط عشق کہ یہ شغلہ رہے — لب پر ہو ذکر ا[illegible]
شوخی میں ہے آفت تو قیامت ہے حیا میں
سرکاتے ہیں وہ زلف سیہ فام جو رخ
بیمار محبت کو ملے شربت دیدار
کہتے ہیں وہ خون دل عشاق

مرے رونے پہ وہ کہتے ہیں ہنس کر | یہ ساون کی گھٹا کچھ دن تو برسے

افسر (افسر) منشی سید احمد افسر حیدرآبادی ۱۳۰۳ھ میں ۲۴ برس کی عمر تھی اور نواب میر عباس حسین خاں شمشاد کو کلام دکھاتے تھے۔ زیادہ حال معلوم نہیں۔ یہ آپکے کلام کا خلاصہ ہے ۵

ہے شوق کی افزایش الفت میں فنا ہونا | جاں سیکھتی ہے دل سے قربان ادا ہونا
محشر میں نقاب رخ زیبا نہ الٹنا | تم دیکھنے دو خلق کو دیدار خدا کا
اپنی سلامتی کا دوگانہ ادا کرے | خط دے کے نامہ بر نہو سائل جواب کا

افسر (افسر) منشی میر عشوق حسین عرف عبدالصمد صاحب کاکوری کے رہنے والے اور اناؤ کے مدرسہ میں مولوی ہیں یہ آپکا کلام ہے ۵

خون عاشق کا ذرا ہاتھوں میں ملکر دیکھیئے | آپ ہی کہئے گا پھر رنگ حنا کچھ بھی نہیں

جس کو عاشق وہ جان لیتے ہیں | بس اُسی کی وہ جان لیتے ہیں
کم ہیں کیا اُن کی ابرو و مژگاں | کیوں وہ تیر و کمان لیتے ہیں
دلبری اب کہاں رہی افسر | جب کہ دل بر بھی جان لیتے ہیں
سوال وصل پہ ہر دم نہیں ہے | صدا آئی کبھی تو مُنہ سے ہاں کی
کرو دل تیر مژگاں کا نشانہ | تمہیں حاجت ہے کیا تیر و کماں کی
خیر ہے خیر ہے اے حضرت افسر یہ کیا | سامنے غیر و نکے دلبر کی شکایت کیسی

افسر (افسر) حکیم حاجی حافظ محمود حسین مؤدوی مقیم بڑودہ خلف سید احمد حسن فنا۔ ذاکر حسین یاس مرحوم [illegible] ہے مگر اب عرصہ سے بڑودہ میں بہ سلسلۂ طبابت انتخاب کرکے درج کئے جاتے ہیں ۵

[illegible] تو فا بو ہی میں کبھت نہیں دل اپنا
[illegible] بھی صدمہ ہے تو یہ ہے
[illegible] کچھ دل میں کدورت اسے دھو جاتے ہیں

۔ بدایونی کے شاگرد ہیں ۱۲

کس زباں سے ہو بیاں صبح شبِ وصل کا حال
جب کہا ناز سے اُس شوخ نے لو جاتے ہیں

ہے نئی طرز جفا کہتے ہیں مجھ سے ہر دم
منتظر ہوگا ہمارا کوئی لو جاتے ہیں

اے ماہ رو جھلکتے ہیں عارض نقاب میں
کہتا ہے حُسن میں نہ رہوں گا حجاب میں

ضد ہر اک بات میں اچھی نہیں ہوتی دیکھو
اپنے عاشق کا کہا مان لیا کرتے ہیں

اُٹھتا ہے درد اس لئے تعظیم کے لئے
آمد کسی کی ہے دلِ خانہ خراب میں

دل لے گیا باتوں میں اُڑا کر کوئی افسر
ہے وہیں کہاں آپ کدھر دیکھ رہے ہیں

جگر پہ ہاتھ دھرے پھرتے آپ بھی ناصح
جو آپ کو کسی دلبر کی آرزو ہوتی

افسر

(**افسر**) منشی رشید الدین چشتی اورنگ آبادی - ولد مولوی رحیم الدین انصاری ۱۲۸۵ھ میں بمقام اورنگ آباد پیدا ہوئے - تعلیم سے فراغت پاکر شستہ زبان گزاری میں ملازم ہوئے اور ۲۰ برس تک مختلف خدمات پر مامور رہے - فی الحال محکمۂ صوبہ داری اورنگ آباد میں صیغہ دارِ مال ہیں - طبیعت میں شوخی اور زبان میں تیکھاپن ہے - ابتدائے شباب سے شعر گوئی کا شوق ہے - اوائل عمر میں بالکل عاشقانہ رنگ تھا اب زیادہ تر نعتیہ اشعار کہتے ہیں - جب پہلی دفعہ حضرت داغ دہلوی حیدر آباد تشریف لے گئے تو اُسی زمانے میں آپ نے شرفِ تلمذ حاصل کیا - پہلے **مطلع سخن** کے نام سے ایک ماہواری رسالہ بھی نکالا تھا جو بعد میں بند ہوگیا - ان کا ایک مختصر دیوان اور ایک مرثیہ چھپ گیا ہے ترتیب تذکرہ کے وقت نظر سے گزرا - آپ فنِ سخن کے علاوہ طب میں بھی مداخلت رکھتے ہیں - یہ فنِ شریف حکیم عبدالباسط صاحب اورنگ آبادی سے حاصل کیا تھا - کلام زیبِ تذکرہ ہے ؎

الٰہی حمد میں مقبول اتنا ہو سخن میرا
کہ چومے تیری قدرت بھی محبت سے دہن میرا

تری بندہ نوازی نے کیا ہے اتنا مستغنی
کہوں کیوں کر عرب میرا عجم میرا دکن میرا

الٰہی دردِ الفت کی شکایت لکھتے ہیں شاعر
میں کہتا ہوں نہ چھوٹے دل سے یہ دردِ محن میرا

خاک ہو کر سر بہ بنجاتے ہیں ہم — جب تو آنکھوں میں جگہ پاتے ہیں ہم
سُنا ہے کہ طرزِ عمل اُنکی بدلی — عوض گالیوں کے دعا دے رہے ہیں
شبِ ہجر کو ہمنے گھٹتے نہ دیکھا — جو بڑھتے ہیں حد سے وہ گھٹتے رہے ہیں
دیا ایک بوسہ جو تم نے ہمکو کیا — بڑا دل ہے اُنکا جو دل دے رہے ہیں

دل کی طپش سے لکھوں اُنہیں دل کا حال کیا — کردوں نہ میں نکال کے دل نامہ بر کے ساتھ
اُسے طلب ہے نئی دل لگی کے لئے — کہاں سے روز نیا دل بنے کسیکے لئے
سچ ہے حشر میں حوریں ملیں گی اے زاہد — حسیں یہاں بھی تو ہو کوئی دل لگی کیلئے

سنو درد دل تم زبانی ہماری — مزا دے گی تمکو کہانی ہماری
بہت دل کو سمجھایا الفت میں ہمنے — مگر ایک اسنے نہ مانی ہماری
وہ آخر اُڑا لے گئے دل کو افسر — نہ کام آئی کچھ پاسبانی ہماری

اگر ناوک کہا اُن کی نظر کو کیا ہوا بیجا — وہی کہدیں بھلا پھر یہ جگر کے پار کیسی ہے
تجھ سا صاحب ساقی ہو مجھ سا صاحب کوئی میخوار تو — چاہیے دو دو منٹ پر جام اُٹھتے بیٹھتے

افسر (افسر) مولوی سید عزیز الدین حیدر صاحب خلف مولوی امین الدین حیدر ۱۸۴۲ء آپکا سال ولادت ہے - آپ الہ آباد کے قدیم رئیس اور مشہور اُستاد مولوی وحید کے لائق تلامذہ میں سے ہیں - خان بہادر مولانا اکبر حسین صاحب اکبر کے برادر خواجہ تاش اور قدیم ہم مشق ہیں - فارسی عربی کی استعداد عالمانہ ہے - کئی سال ہوئے حضرت داغ کے دوران قیام دکن میں آپ حیدر آباد بھی تشریف لے گئے تھے - آپ کا کلام ایک خاص طرز کا ہوتا ہے اور اُسمیں آپ اپنی جدت طبع سے عجیب عجیب اختراعیں فرماتے ہیں - عرصہ سے آپ ضعف بصارت میں مبتلا ہیں مگر شوق علم برابر جاری ہے - مشکل زمینوں میں اپنی ذکاوت طبع سے اچھے اچھے مضامین نظم فرما کر اپنی قادر الکلامی کا ثبوت دیتے ہیں - معمولی زمینوں میں کم طبع آزمائی کرتے ہیں - اب آپ کی عمر ستاسٹھ برس کے قریب ہے - کلام کا انتخاب

چند سال بعد نواب موصوف الصدر نے لارڈ ولی گورنر جنرل سے انکی سفارش کی چنانچہ حسب الارشاد گورنر جنرل کلکتے گئے اور ڈاکٹر گلکرسٹ کے ماتحت فورٹ ولیم کے مدرسہ میں اُردو کتابوں کی تصنیف اور تالیف کا سررشتہ آپکے سپرد ہوا - ۲۰۰ روپیہ ماہوار مشاہرہ مقرر ہوا - کلکتے جاتے ہوئے آپ مرشد آباد میں مرزا علی لطف صاحب تذکرہ کے پاس بھی ٹھیرے تھے - ڈاکٹر گلکرسٹ کے ایما سے گلستان کا ترجمہ اردو میں کیا آرائش محفل اور مثنوی بے نظیر موسوم بہ سحر البیان کا اُردو ترجمہ بھی آپ کی تالیف ہے - الغرض کلکتہ میں اچھی عزت پائی خلیق و اہل دل مروت و انسان میں فرد کامل تھے - طب میں بھی دستگاہ تام رکھتے تھے -

سنہ ۱۸۰۹ء میں اس فانی سے عالم جاودانی کو سدھارے - یہ آپکے کلام کا لب لباب ہے ؎

تو سچ بتا کہ تجھے اتنی کیوں ہے بے چینی
مگر پیام کسی بے قرار کا پہنچا

مے ہے پاؤں سے اپنے وہ لالہ رو ہر دم
یہ مرتبہ تو دل داغدار کا پہنچا

ہے یاں تلک تو نزاکت گلوں کے جسم سے
لچکنے لگتا ہے اُس گلعذار کا پہنچا

قفس سے چھٹنے کی امید ہی نہیں افسوس
حصول کیا ہے جو مژدہ بہار کا پہنچا

بخشیو ہم کو تمہیں تو کا ہے ہمنے بھول کر
درد دل تیری ہی بلا ہو وہ ترا ہمنام تھا

نزع میں زرد تھا رخ افسوس
چینی رنگ نے اُسے مارا

اسکے اُٹھتے ہی جہاں یہ آن بنی
دیکھئے آگے آگے کیا ہوگا

شب جو دم توڑنے میرا دل بیمار لگا
سر بلانے وہیں علیلی پس دیوار لگا

رات محفل میں ہر اک مہ پارہ گرم لاف تھا
صبح وہ خورشید رو نکلا تو مطلع صاف تھا

پاؤں یہ گاڑے کہ جوں نقش قدم پھر نہ اُٹھے
خاک میں ملگئے بیٹھے جو ترے در پر ہم

اشک گرم اپنے سے یہ دیدۂ تر جلتے ہیں
دیکھ لو مردم آبی کے بھی گھر جلتے ہیں

ہو مرا کیونکہ گزر اُس کی گلی میں واں تو
طائر سدرہ کے اُڑتے ہوئے پر جلتے ہیں

بزم میں اسکے نہ ہنستے ہیں نہ اُسک سکتے ہیں
چپکے بیٹھے ہوئے ہر ایک کا منہ تکتے ہیں

وہ چُرا کر لے گئے دل یا یہیں گُم ہو گیا
کیا بتاؤں احتمال ایسا بھی ہے ویسا بھی ہے

نفی و اثباتِ کمر تو فکر کا اسکے ہے کام
افسرِ نازک خیال ایسا بھی ہے ویسا بھی ہے

جو مرتے ہیں تم پر وہی جیتے ہیں ہمیشہ
یہ طرفہ ہے عاشق کی قضا ہے بھی نہیں بھی

ناکام زباں اپنی ہے مانگے ہے سخی سے
مقبول ہوا ایسی یہ دعا ہے بھی نہیں بھی

میں آپ کی کس بات کو سچ جانوں کسے جھوٹ
الفت کو جو پوچھا تو کہا ہے بھی نہیں بھی

جیسے کہ تم آئینہ میں ہو اور نہیں ہو
ویسے ہی ہر اک شے میں خدا ہے بھی نہیں بھی

مختار بھی مجبور بھی کاموں میں بشر ہے
اس سے یہ سزاوارِ جزا ہے بھی نہیں بھی

جو دم کہ گزرتا ہے غنیمت ہے وہ افسر
کیا ٹھیک ہے دورانِ بقا ہے بھی نہیں بھی

افسر

(افسر) منشی سید عزادار حسین ۔ نگینہ ضلع بجنور کے شریف زادے ہیں ۔ نواب عابد علیخاں مغفور آپکے مورث اعلیٰ تھے ۔ ۲۱ و ۲۲ برس کی عمر ہے ۔ بتدی ہیں مگر کلام مزیدار ہے ۔ زبان بھی پاکیزہ ہے اور خیال بھی ستھرا ۔ آپ کو نواب مرزا خاں داغ مرحوم سے شرف تلمذ حاصل تھا ۔ اگر کہتے رہے تو یقین ہے ضرور ترقی کریں گے ۔ کلام دستیاب شدہ کا انتخاب حاضر ہے ملاحظہ ہو ؎

مسیحا فکر کیوں کرتے ہیں ایسا ہو نہیں سکتا
مریضِ غم کسی صورت سے اچھا ہو نہیں سکتا

چُرایا ہے ہمارے دل کو ایسے چور نے آکر
خدا کے سامنے بھی جس پہ دعویٰ ہو نہیں سکتا

قطعہ

وہ رسمِ محبت سے ناواقفیت
وہ پہلے پہل دل لگانا کسی کا

وہ امید بھی دل میں اور یاس بھی کچھ
وہ ہر وقت آنسو بہانا کسی کا

کبھی جانبِ غیر سے بدگمانی
کبھی رشک کے داغ کھانا کسی کا

کبھی کوچۂ یار میں بیٹھ جانا
کبھی اُس کی محفل میں جانا کسی کا

تڑپنا بہت دل کا مایوس ہو کر
جدائی کے صدمے اُٹھانا کسی کا

تڑپتے تڑپتے جدائی میں آخر
غرض جان اپنی گنوانا کسی کا

مریضِ عشق کا ہوتے تمہارا حال ایسا ہو
اسے اچھا نہیں کرتے ہو تم کیسے مسیحا ہو

جفائے یار کا شکوہ عبث ہے اے دلِ ناداں
خطا کیا اُس کی گر تقدیر میں تیری یہ لکھا ہو

سچ تو یہ ہے کہ خطاوار ہمارا دل ہے
دیکھئے اِس کو سزا ہاں یہ اسی قابل ہے

وہ یہ کہتے ہیں کہ کیوں بس میں نہیں آیا دل
ہاں یہ کہئے کہ زمانہ سے نرالا دل ہے

ہمارے واسطے ہی کیا تری اک اک بُرائی ہے
ہمیں سے بیوفائی ہے ہمیں سے کج ادائی ہے

یہ گر کر خاک پر کیا اُٹھ سکے اے دیدۂ گریاں
کہ تو نے آبرو آنسو کی بھی میں ملائی ہے

خیالِ حور دل میں اور تو بر لب یہ اے زاہد
ابھی بس دیکھ لی جیسی تمہاری پارسائی ہے

قفس میں میں نے بال و پر سب نوچ ڈالے ہیں
نہ کچھ پرواز کا ارماں نہ اب شوقِ رہائی ہے

ہوائے یاس شمعِ آرزو کو کیا بجھائے گی
کہ سینے باندھا تیرے کرم سے لو لگائی ہے

ترس آیا ہے گر ہم پر کبھی بے رحم قاتل کو
لگی دل کی ہمارے آپ پیکاں نے بجھائی ہے

نہیں کیا لن ترانی طور پر ہم جا کے اے موسیٰ
یہاں بیشِ نظر ہر دم کسی کی جلوہ نمائی ہے

چلا ہے آج تو اُس بزم میں کیا سوچ کر افسر
سنیں ہم بھی تو آخر کیا ترے دل میں سمائی ہے

مایوس جیسے ہم ہیں محبت میں یا خدا
ٹوٹے نہ آس یوں کسی امیدوار کی

کچھ رہ گئی ہے مشقِ جفا کیا ستم شعار
کیوں ہے تلاش میرے نشانِ مزار کی

قبلے سے اُٹھ کے چھائی ہے میخانے پر گھٹا
رحمت ہے میکشوں پہ یہ پروردگار کی

افسر تو چار دن بھی رہے گا نہ بے پیے
توبہ کا اعتبار ہے کیا بادہ خوار کی

(افسر) منشی احمد حسین خاں رامپوری تلمیذ منشی امیر اللہ تسلیم لکھنوی - زمانہ حال کے شعرا میں ہیں - یہ آپکا کلام ہے ؎

اب یہ عالم ہے کہ اک بوند بھی آنسو کی نہیں
ہمنے جن آنکھوں سے بہتے ہوئے دریا دیکھا

بیرخی تیری خلش غیر کی گردوں کے ستم
ہمکو تقدیر نے جو کچھ کہ دکھایا دیکھا

عشق غارتگرِ ناموس کے ہاتھوں سے ندیم
افسرِ خستہ کو بازار میں رسوا دیکھا

شیشۂ بغل سے بر سرِ بازار گر پڑا		زاہد کا آج گل گیا تقویٰ جہاں پر

افسردہ

(افسردہ) قاضی فضل حسین خاں خلف قاضی علی جان مرحوم رئیس دہلی - زبان کے اعتبار سے روزمرہ صحیح - بول چال درست ہے - انکا کلام ہر چند تلاش کیا مگر کوئی غزل دستیاب نہ ہوئی - غنانِ دہلی میں جو ایک مسدس شہر آشوب چھپا تھا اُسی کا انتخاب درج کیا جاتا ہے -

انتخاب مسدس تباہی دہلی

ہر طرف سے ہے برستی بیکسی		رات دن کا ہو گیا رونا ہنسی	
ہے ہجوم درد و غم اور بے لبی		موت کو سمجھا ہوں اب مطلب رسی	
اے کہ از وضع تو چرخ انگارہ		درد بیدرماں مرا چارہ	
ہائے کیا دہلی پہ آفت آگئی		چین سے بیٹھے تھے شامت آگئی	
سر پہ عالم کے مصیبت آگئی		فوج کیا آئی قیامت آگئی	
وقت تنگ آمد ترحم یا رحیم		لطف کن بر دردمندانِ سقیم	
داغ سینہ پہ دکھائے بیٹھے ہیں		فکر میں سر جھکائے بیٹھے ہیں	
تھا جو سر پہ سایہ اٹھائے بیٹھے ہیں		ہاتھ دنیا سے اٹھائے بیٹھے ہیں	
رحم کن بر بیکساں اے دادرس		آہ از دل بر لب آمد ہر نفس	
پھر گیا پھر آسمانِ پُر جفا		مخبروں نے کر دئے فتنے بپا	
بے گناہ اور با گناہ پکڑا گیا		جس کی جو قسمت میں لکھا تھا ہوا	
نیست شکوہ از سپہر کینہ جو		آنچہ در تقدیر بود آمد برو	
غیرتِ باغِ جناں یہ شہر تھا		یک بیک برباد جو ایسا ہوا	
انتظام عیش و عشرت ہو چکا		اب یہ ہے ہر شخص کی ہر دم دعا	
لطف کن بر اہل دہلی اے خدا		تا کہ باشد آب و آنش را بقا	

افسوس

(**افسوس**) میر شیر علی ابن میر مظفر خاں داروغہ توپ خانہ عالیجاہ نواب میر قاسم نائم وصوبہ دار بنگالہ۔ انکا نسبی سلسلہ امام جعفر صادقؑ تک پہنچتا ہے میر مظفر خاں کا اصلی وطن نارنول صوبہ آگرہ تھا مگر چونکہ وہ خود اور اُنکے بھائی سید غلام علیخاں نواب عمدۃ الملک امیر خاں مرحوم کی رفاقت میں اوقات بسر کرتے رہے اس لئے دہلی میں توطن اختیار کر لیا تھا چنانچہ میر شیر علی دہلی ہی میں پیدا ہوئے۔ سید غلام علیخاں صاحب اقتدار تھے چنانچہ عارضی طور پر عمدۃ الملک کی وفات کے بعد الہ آباد کے صوبہ بھی رہے۔ بھائی کی وفات کے بعد سید مظفر خاں ترک ملازمت کر کے ۱۲ برس خانہ نشین رہے انجام کار نواب خاں عالم نواب بقاء اللہ خاں نے اُنہیں بلا کر نواب شجاع الدولہ کی سرکار میں تین سو روپیہ کا ملازم کر دیا۔ اُس زمانہ میں میر شیر علی کی ۱۱ برس کی عمر تھی اپنے والد کے ہمراہ لکھنؤ پہنچے۔ وہاں کی معشوقوں نے بچپنے ہی میں شعر کا شوق پیدا کر دیا۔ میر حیدر علی حیرانؔ دہلوی کو اپنا کلام دکھانے لگے علی ابراہیم خاں اپنے تذکرہ میں انہیں میر حسن کا شاگرد بتاتے ہیں اور بعض تذکرہ نویسوں کا قول ہے کہ جناب میر و سوز سے بھی اصلاح لی تھی۔ الغرض شاہیر اہل سخن سے تھے۔ عربی اور علم حکمت کی تحصیل علمانہ تھی۔

ان والد لکھنؤ پہونچنے کے بعد کئی برس بعد حسب الطلب نواب میر محمد جعفر خاں مرشد آباد جا کر توپ خانے کی داروغگی کے منصب جلیلہ پر سرفراز ہوئے چنانچہ جب شجاع الدولہ اور میر قاسم سرکار انگلشیہ کے مقابل صف آرا ہوئے تو یہ بھی اُنکے ہمرکاب تھے۔ میر جعفر کی وفات کے بعد ملازمت ترک کر کے دکن چلے گئے اور وہیں انتقال کیا۔ میر افسوس خود ابتدا میں نواب سالار جنگ اور اُنکے لڑکے مرزا نوازش علیخاں کے پاس گیارہ برس تک رہے پھر مرزا جوان بخت ولیعہد نے جو اُن ایام میں لکھنؤ میں رونق افروز تھے کلام سنکر از راہ قدر دانی طلب فرما کر اپنے مصاحبوں میں داخل کر لیا۔ جب صاحب عالم کچھ عرصہ بعد دہلی جانے لگے تو یہ ہمراہ نہ جا سکے۔ اور نواب سرفراز الدولہ حسن رضا خاں نائب آصف الدولہ کے پاس چلے آئے

چند سال بعد نواب موصوف الصدر نے لارڈ ولیم گورنر جنرل سے انکی سفارش کی چنانچہ حسب الارشاد گورنر جنرل کلکتے گئے اور ڈاکٹر گلکرسٹ کے ماتحت فورٹ ولیم کے مدرسہ میں اُردو کتابوں کی تصنیف اور تالیف کا سررشتہ آپکے سپرد ہوا - ۲۰۰ روپیہ ماہوار مشاہرہ مقرر ہوا - کلکتے جاتے ہوئے آپ مرشدآباد میں مرزا علی لطف صاحب تذکرہ کے پاس بھی ٹھیرے تھے - ڈاکٹر گلکرسٹ کے ایما سے گلستان کا نثر جدید اردو میں کیا آرائش محفل اور مثنوی بے نظیر موسوم بہ سحر البیان کا اُردو ترجمہ بھی آپ کی تالیف ہے - الغرض کلکتہ میں اچھی عزت پائی خلیق واہل دل مروت وانکسار میں فرد کامل تھے - طب میں بھی دستگاہ تام رکھتے تھے -

سنہ ۱۸۰۹ء میں اس فانی سے عالم جاودانی کو سدھارے - یہ آپکے کلام کا لب لباب ہے ؎

تو سچ بتا کہ تجھے اتنی کیوں ہے بے چینی — مگر پیام کسی بے قرار کا پہنچا
ملے ہے پاؤں سے اپنے وہ آلا رد ہر دم — یہ مرتبہ تو دل داغدار کا پہنچا
ہے یاں تلک تو نزاکت گلوں کے گجرے سے — لچکنے لگتا ہے اُس گلعذار کا پہنچا
قفس سے چھٹنے کی امید ہی نہیں افسوس — معمول کیا ہے جو مژدہ بہار کا پہنچا
بخت بد ہم کو تمہیں تو کا ہے ہمنے بھول کر — درد دل تیری بلا ہو وہ ترا ہمنام تھا

نزع میں زرد تھا رخ افسوس — چینی رنگ نے اُسے مارا
اسکے اُٹھتے ہی جاں پہ آن بنی — دیکھئے آگے آگے کیا ہوگا
شب جو دم توڑنے میرا دل بیمار لگا — سر بلانے پہ مسیحا پس دیوار لگا

رات محفل میں ہر اک مہ پارہ گرم لاف تھا — صبح وہ خورشید رو نکلا تو مطلع صاف تھا
پاؤں یہ گاڑے کہ جوں نقش قدم پھر نہ اُٹھے — خاک میں ملکے بیٹھے جو ترے در پر ہم
اشک گرم اپنے سے یہ دیدۂ تر جلتے ہیں — دیکھ لو مردم آبی کے بھی گھر جلتے ہیں
ہو مرا کیونکہ گزر اُس کی گلی میں واں تو — طائر سدرہ کے اُڑتے ہوئے پر جلتے ہیں
بزم میں اسکے نہ ہنستے ہیں نہ اُسکتے ہیں — چپکے بیٹھے ہوئے ہر ایک کا منہ تکتے ہیں

اُس بتِ بے حجاب کا دیویں ابھی اُٹھا نقاب
دیکھ سکے گا پر اُسے تاب ہے اتنی طور کو

سچ رہیں یہ خود نما عیاں - حق ہیں یہ لن ترانیاں
شعلۂ طور بجھ گیا دیکھ کے اُسکے نور کو

نا زبھلا وہ منہ اگر دیکھے جو اک نظر تو پھر
منہ پہ نہ لائے زاہدا بھولے سے ذکرِ حور کو

تو نے افسوس کیا کیا - دشمنِ جاں کو دل دیا
یہ تیری عقل جل بجھے آگ لگے شعور کو

دیکھتے ہی اُسے حاضر ہوئے مرجانے کو
وہی احباب جو یاں آئے تھے سمجھانے کو

اپنی چھب تختی ہمیں دور سے دکھلاتے ہو
آؤ لگ جاؤ گلے کیوں ہمیں ترساتے ہو

ہنسنے ہیں شبِ وصل میں ہم اتو پر اک دن
اس شب کو بہت روئیں گے اور یاد کریں گے

دیوارِ گلرخاں کا سایہ مگر پڑا ہے
زاہد بتا تو ہم کو طوبیٰ میں شاخ کیا ہے

صلاح جانے جو کچھ کہہ دیا اُس سے اے قاصد
پیام کیا میں تجھے دوں نہیں جو اس مجھے

منہ تو دکھلائے ذرا گو نہ ملاقات کرے
ہمکو سو وصل ہیں جو ہنس کے وہ اک بات کرے

خط کا جواب ایک طرف یہ نہیں ایسا
جیتا پھر آ کے مجھسے مرا نامہ بر ملے

کچھ بات تم سے کہہ نہیں سکتے ہزار حیف
مدت میں تم ملے بھی تو غیروں کے گھر ملے

سوچے ہے کیا لگائے اگر سر میں درد ہے
اس خاک پا کے آگے تو صندل بھی گرد ہے

رکھ تو اُسکے حلق پر شمشیر اپنے ہاتھ سے
صید کو اپنے تو کر نخچیر اپنے ہاتھ سے

سینہ و دل کو ابھی رکھدوں نشانے کے عوض
گر لگائے وہ ستمگر تیر اپنے ہاتھ سے

شکل اسمیں کسکی ہے سچ سچ بتا افسوس تو
کیوں نہیں رکھتا ہے تو تصویر اپنے ہاتھ سے

کہا میرا مطلق نہیں مانتا ہے
تو جیسا ستاتا ہے جی جانتا ہے

کوئی دل سے مرے پوچھے جیسا ہوں وہ ناصح
تجھ کو نہ خوش آیا یہ پر مجھ کو تو بھاتا ہے

عبث ہے سوچ تجھکو نامہ بر دے شوق سے مجھکو
کوئی جھڑکی کوئی گالی اگر اُسکی زبانی ہے

ادا و ناز کی رسموں سے تو واقف نہیں مطلق
ارے نادان یہ تو عین اُسکی مہربانی ہے

صورت تجھے حق نے دی پری کی سی
پر آدمیت بھی دی ذری کی سی +

نہیں جائینگے اِس مجلس سے ہم بے اُسکے لے جائے | قدم اب کب اُٹھاتے ہیں کہ ہمنے پاؤں پھیلائے

افسوس (افسوس) منشی سید محمد علی ولد مولوی سید نوار اللہ مرحوم انکے والد نصیر آباد ضلع رائے بریلی کے متوطن تھے۔ مگر ریاست ٹونک سے تعلق پیدا کر لینے کے سبب نواب وزیر الدولہ والی ٹونک کے عہد میں وہیں آن رہے حضرت افسوس وہیں پیدا ہوئے وہیں تعلیم و تربیت پائی۔ ۱۴ برس کی عمر سے شاعری کا شوق دامنگیر ہوا۔ صاحبزادہ احمد سعید خاں عاشق شاگرد رشید حضرت ظہیر دہلوی سے مشورۂ سخن لینے لگے۔ اوائل ملازمت میں کچھ دنوں نواب معزول ٹونک کے پاس بنارس میں رہے وہاں سے ٹونک آکر پھر ملازم ریاست ہوئے اور بالآخر مستعفی ہو کر منشی امتیاز علی صاحب مرحوم کے زمانۂ وزارت میں باسید ملازمت بھوپال پہنچے مگر ناکامیاب رہے آج کل ریاست جاورہ میں وکیل ہیں۔ ۴۰ برس کی عمر ہے۔ ترتیب تذکرہ کے وقت جسقدر کلام ہاتھ لگا انتخاباً ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔ ان کی خوش گفتاری اور موزوں طبعی کلام سے ظاہر ہے ؎

یہی ہے چارہ گر و حق دوستی کہ مجھے | دوا وہ دو کہ جو ہر دم بڑھائے دردِ جگر
ہے شام ہی سے بُرا حال صبح تک کیا ہو | ابھی ہے حضرتِ دل ابتدائے دردِ جگر
جو بعد مرگ بھی قائم رہے تو لطف رہے | یہ دیکھیں ساتھ کہاں تک نبھائے دردِ جگر
الٰہی کس گھڑی آیا ہے دل کہ میں نہیں | تمام رات ہے اور ہائے ہائے دردِ جگر

کوئی دنیا میں دوستدار نہیں | مجھے اپنا بھی اعتبار نہیں
سیکڑوں مخلب ہوئے مسیحا | اور ابھی موسمِ بہار نہیں
اس قدر بڑھ گئی ہے مایوسی | کہ اجل کا بھی انتظار نہیں
کس کے جلوے نے کر دیا بیہوش | کوئی محفل میں ہوشیار نہیں

گو کہ تقدیر سے افزوں ہی الم دیتے ہیں | لیکن اب بھی وہ مرے شوق سے کم دیتے ہیں
بدگمانی کی بدولت کبھی اپنے دل کو | تم نہیں دیتے وہ تکلیف جو ہم دیتے ہیں

غیر بھی غیر ہیں غیروں سے توقع کیا ہے
انکے فقروں میں مری جان نہ آنا دیکھو

وہ اور وعدہ وصل کا ہرگز یقیں نہیں
قاصد نے اپنے جی سے بنا کر کہی نہو

کچھ میکدہ کی راہ میں پایا ہے شیخ نے
توبہ ہماری ٹوٹ کے دیکھو گری نہو +

شکوے عبث رقیب کے ہیں میرے روبرو
انساں ملے کسی سے تو خود سوچ کر ملے

بات بنتی نہیں بنائے سے
ہائے افسوس کیا کرے کوئی

عدو کے گھر سے کافر نے مجھے پیغام بھیجا ہے
دکھاتے کیوں نہیں تاثیر اپنے جذبۂ دل کی

تجھے میں وصل کی شب کسطرح سینے سے لپٹا لوں
کہ تو نکلی ہوئی حسرت ہے کافر غیر کے دل کی

بُرا ہو مرگ کا میت پہ وہ رو رو کے کہتے ہیں
کہاں جاتا ہے تو دل میں لئے سب حیرتِ دل کی

(افسوس) آغا حیدر افسوس - لکھنوی - تہ میر الدولہ منشی مظفر علی خاں اسیر مغفور کے شاگردوں میں نامور اور صاحب دیواں مطبوعہ ہیں - آپ شاہی میں نواب دہر آرا بیگم صاحبہ کی سرکار میں مختار تھے - اور مشاعرے بڑے دھوم دھام سے کیا کرتے تھے - کلام میں شگفتگی ہے مشاق ہونے میں شبہہ نہیں زبان بھی پاک و صاف ہے - بندش چست - خیالات درست شوخیٔ طبع بھی کہیں کہیں اپنی جھلک دکھا جاتی ہے - تلاش بھی بری نہیں شعر کا مذاق اچھا تھا - اپنی زندہ دلی اور خوش خلقی کی وجہ سے ہر دل عزیز تھے کلام کا نمونہ حاضر ہے ۵

جذبِ آہن کس نے سکھلایا ہے مقناطیس کو
کھینچنا کس نے بتایا کہربا کو کاہ کا +

شیخ ہو یا برہمن معبود ہے سب کا وہی
ایک ہے دونوں کی منزل پھیر ہے کچھ راہ کا

دل سے مٹی نہ یاد کبھی دامِ زلف کی
صیاد میرے ساتھ رہا میں جہاں گیا

اعجاز دیکھو سیر ہوئے کتنے تشنہ لب
پانی ذرا نہ خنجرِ قاتل میں کم ہوا

نازِ بیجا سے بہت تنگ ہوں میں اے افسوس
مثلِ معشوق ستاتا ہے مجھے دل میرا

ممکن نہیں ہے کاکلِ پیچاں سے چھوٹنا
دامِ بلا میں بخت نے ہم کو پھنسا دیا

غیرتِ حور و پری رشکِ دو شمس و قمر
خلقِ خالق نے کئے نور کے انساں کیا کیا

افسوس

اے بتو گھر یہ خدا کا ہے کہاں آتے ہو
کعبۂ دل نہوا کوئی کلیسا تھیرا

کیوں مٹاتے ہو کہ پھر بن نہ سکے گا تم سے
قصرِ دل کیا کوئی لڑکوں کا گھروندا ٹھیرا

طاعت گزار کون ترا مبتلا نہ تھا
کب سجدہ گاہِ خلق ترا نقشِ پا نہ تھا

تقدیر کی کمی تھی کہ ہاتھ اُسکا رُک گیا
شہ رگ سے ورنہ خنجرِ قاتل جدا نہ تھا

تلخی غمِ فراق کی کس مُنہ سے ہو بیاں
کب چاشنیٔ مرگ کا لب پر مزا نہ تھا

پھر کیا سبب جو زندۂ جاوید ہیں شہید
پانی جو اُن کی تیغ کا آبِ بقا نہ تھا

قیس کو جلوۂ لیلےٰ کا مزا مل جاتا
پردہ محمل کا ہوا سے جو ذرا ہل جاتا

کیا فیضِ سوزِ عشق ہے مرقد لگن ہوا
پروانوں کو نصیب پروں کا کفن ہوا

افسوس یہ سب ہے فیضِ جنابِ اسیر کا
مطبوعِ اہلِ فن جو ہمارا سخن ہوا

پی کر لہو دکھائے گا کیا کیا مزے ہمیں
ہوتا چلا ہے تیر و خنجر ذرا ذرا

ہنسیں کے وہ کہتے ہیں سودا تجھکو افسوں ہوگیا
جس حسیں کو تو نے دیکھا اُسپہ مفتوں ہوگیا

کیا کیا نوائے سرد و خریدارِ محبت
ہے آج تلک گرمیٔ بازارِ محبت

شبِ فرقت میں یہی درد و جگر کی صورت
تھی نہ امید کہ دیکھوں گا سحر کی صورت

تھی مقدر میں نہ اے صیدِ فگن لذتِ زخم
پھر گیا تیر کا رُخ تیری نظر کی صورت

قاصد آیا مرے گھر یوں خطِ جاناں لیکر
جیسے جبریل ہیں آئے تھے قرآں لیکر

سارا عالم جو شہادت کا ہو شاہد اے ترک
پھر وہ باطل ہو مرے خون کا محضر کیونکر

وہ میکشِ مدہوش ہیں ہم بزمِ جہاں میں
مسجد کو چلے خانۂ خمار سمجھ کر

ہے جادۂ شمشیرِ اجل کوچۂ الفت
رکھو جو قدم کو تو خبردار سمجھ کر

زلف لہراتی ہے کیسی ترے رخساروں پر
ابر بھی لوٹ ہے جوبن ہے وہ گلزاروں پر

جان کا کچھ غم نہیں اسدم بھی ہے اسکا خیال
پھرتی ہے پیشِ نظر تصویرِ جانی وقتِ نزع

پور ایسے ہو گئے درد جگر سے ہم
کہتے بنائے حال بھی کچھ نامہ بر سے ہم

زخمی تو ہیں مگر نہیں تن پر نشانِ زخم
بسمل ہوئے ہیں یار کی تیغِ نظر سے ہم

پرتو فگن جو ہے رُخِ ساقی شراب میں
آتا ہے آفتاب نظر آفتاب میں

غیر تو رشک سے کیا کیا نہ ہمیں کہتے تھے
بے سبب آپ بھی دینے لگے الزام ہمیں

اے طبیبو مجھے امیدِ شفا کیونکر ہو
میرے نسخے میں کہیں شربتِ دیدار نہیں

دل ہمارا ہے بشکلِ آئینہ
اپنے دشمن سے بھی غبار نہیں

منعمو فکرِ مال و زر تا چند
زندگی کا کچھ اعتبار نہیں

ہے اس درد کا لاعلاجی علاج
ہم اپنے مرض کی دوا کیا کریں

بہت ہجرِ جاناں میں مانگی دعا
نہ آئی ہماری قضا کیا کریں

کہتے ہیں آکے وہ مری بالیں پہ وقتِ نزع
یہ تو بتائیے کہ ارادے کدھر کے ہیں ؟

بند آنکھیں ہیں اب کہاں ہمدم
چھٹ گئے تجھ سے عمر بھر کے ساتھ

جان لینے مری ملک آئے
آپ لینے خبر نہیں آتے

راہ ملکِ عدم کی بند نہیں
جاتے ہیں تم اگر نہیں آتے

برنگِ آئینہ بزمِ دوئی میں رنگِ وحدت ہے
بصارت ہو تو اندر اور باہر ایک صورت ہے

فراق میں عجب انساں کا حال ہوتا ہے
اسی الم میں تو جینا وبال ہوتا ہے

نمک چھڑکتے ہیں مرہم کی جا وہ ہنس ہنس کر
یہ زخمِ دل کا مرے اندمال ہوتا ہے

تمہاری تیغ کا پانی ہے مثلِ آبِ حیات
کہاں نصیب یہ آبِ زلال ہوتا ہے

لے جاتی اگر اسکو صبا اُس کی گلی تک
یوں خاک ہماری کبھی برباد نہ ہوتی

جی چاہے جتنا ظلم کریں یہ بتاں ہند
منصف مرا خدا ہے جہاں آفریں تو ہے

(افسوں) منشی اکبر علیخاں ۔ شاہجہاں پور کے رہنے والے ہیں مگر بہ سبب ملازمت بھوپال میں اقامت اختیار کرلی ہے ۔ نواب فصیح الملک حضرت داغ دہلوی کی شاگردی کا دم بھرتے ہیں منتخب کلام ملاحظہ ہو ؎

افسوں

حوروں کے انتظار میں آتی نہیں ہے نیند
اب ہے یہ حال زاہدِ شب زندہ دار کا

اے عندلیب تا بہ کجا خوش بیانیاں
مہماں کوئی دم کا ہے موسم بہار کا

اے دل فلک کا سر پہ اُٹھانا تو سہل ہے
مشکل گزارنا ہے شبِ انتظار کا

افضل

(**افضل**) شاہ غلام اعظم خلف الرشید شاہ ابو المعالی سجادہ نشین دائرہ الہ آباد شیخ امام بخش ناسخ لکھنوی کے ممتاز شاگردوں میں تھے - دو دیوان اور ایک مثنوی ان سے یادگار ہے - انتخاب کلام درج ذیل ہے ؎

بے گھر ہے یک عمر سے مل جائے گھر اُسے
ہو جائے تیرے دل میں گر کچھ بھی جائے دل

اے خوش ادا وہ چال چلا تو کہ پس گیا
کیا تھی خرامِ ناز میں پنہاں سزائے دل

یہ شرارے ہیں کہ آتے ہیں نظر آنکھوں نہیں
ساتھ اشکوں کے نہیں لختِ جگر آنکھوں نہیں

پوچھتے کیا ہو جہاں چاہئے رہئے صاحب
آپ کی دل میں جگہ آپکا گھر آنکھوں میں

جینے نہیں دیتی ہے ذرا چاہ کسیکی
آئے مجھے آئی ہو جو اللہ کسیکی

جی جائے جگر ٹکڑے ہو پھٹ جائے کلیجہ
کیا تجھکو خبر اے بتِ گمراہ کسیکی

ظاہری حسن پرستی کو سمجھتے ہیں عبث
دشمنِ عشقِ مجازی ہیں حقیقت والے

افضل

(**افضل**) منشی حسن یار خاں بہادر مخاطب بہ اسد الدولہ خلف باقر علیخاں باشندہ لکھنؤ شاگرد خواجہ آتش - شاہ اودھ کے ہمراہ کلکتہ بھی گئے تھے بخشی گری کے عہدہ پر ممتاز تھے اشعارِ ذیل سے نتیجۂ فکر ظاہر ہے ؎

وہ دیوانہ ہوں جس پر رشک فرزانہ کو آتا ہے
فسانہ ہے پریشاں میں مری زنجیر کے غل کا

یہاں کی فکر میں ہے وہ واں کے خیال میں
دیکھو جسے وہ مست ہے اپنے ہی حال میں

موسیٰ کی طرح تابِ نظارہ نہ ہو سکے
غش آگیا جمال جو دیکھا جلال میں

آخر یہ حبِ مال و بالِ بخیل ہے
انصاف ہو تو قصۂ قارون دلیل ہے

کرتا ہے آگے یار کے اکثر ہمارا ذکر
غماز گویا اپنی طرف سے وکیل ہے

کیونکر خدا کرے نہ حسینوں سے دوستی | خود عاشقِ جمال ہے خود بھی جمیل ہے

افضل

(افضل) میر افضل علیخان عرف سید صاحب خلف قاسم علیخاں قاسم لکھنوی فنِ سخن میں اپنے والد کے شاگرد تھے۔ تذکرۂ سخن شعرا کی ترتیب کے وقت حیات تھے۔ زیادہ حال معلوم نہیں۔ کلام حاضر ہے ۵

ہے وصفِ روئے یار نہ لو نام ماہ کا | کیا ذکر اس مقام پہ اُس روسیاہ کا
اُسوقت اپنے بام پہ آیا وہ رشکِ ماہ | افضل جب آفتابِ لبِ بام ہو گیا
اتنے خط بھیجے ہیں لکھ لکھ کر کہ ہیں یکدست نامہ بر کے پاؤں مجھ خستہ جگر کی انگلیاں
مانی نہ ایک بات نہ ٹھیرے وہ دو گھڑی منت کی لاکھ ہمنے خوشامد ہزار لاکھ
ہم وہ رندِ بادہ کش ہیں ساقیا تو دیکھ لے مے ٹپکتی ہے ہمارے زخم کے انگور سے

میری تصدیق بے زبانی کی | کرے قاتل زبانِ خنجر سے
دل سے شکوہ زبان تک آکر | بن گیا شکر آپ کے ڈر سے

کل سے بیکل ہوں بھلا خاک مجھے کل آئے | کل کا وعدہ تھا نہ آج آئے نہ وہ کل آئے
کیا مزا ہو جو وہ دربان سے اپنے کہدیں | کوئی یاں آنے نپائے مگر افضل آئے
شوخیِ غضب اُس شوخ کی خلقت میں بھری ہے | بجلی ہے شرارہ ہے چھلاوہ ہے پری ہے

افضل

(افضل) منشی افضل حسین افضل خلف حاجی محمد انور۔ قصبۂ دیوبند ضلع سہارنپور کے رہنے والے اور بلبلِ ہندوستان حضرت داغ دہلوی کے تلمذ سے فیضیاب ہیں۔ عمر تقریباً ۳۶ و ۳۷ سال ہے چند غزلیات ارسال کی تھیں انکا انتخاب ضبطِ تحریر میں آیا ۵

دل ہی دل میں نہ یوں سمانا تھا | کبھی آنکھوں میں بھی تو آنا تھا
غیر کے ہاں جو تم کو جانا تھا | اپنا نقشِ قدم مٹانا تھا
تیر کے ساتھ کیوں گیا ہے دل | حسرتوں کو نکل کے جانا تھا
میں تو جب جانتا تجھے اپنا | آج آکر کبھی نہ جانا تھا

داغ الفت ترے کیا کہئے کہ کیا دیتے ہیں
درد میں دکھ میں مصیبت میں مزا دیتے ہیں

شوق لیجائیگا اُس کوچہ میں اے حضرتِ دل
آپکے ساتھ ہم اک راہنما دیتے ہیں

سچ تو یہ ہے کہ خدا حضرتِ زاہد سے بچائے
اک نہ اک روز نئی گپ یہ سُنا دیتے ہیں

آشنا دہلۂ الفت سے نکالیں مجھ کو
ڈوبتے کو تو سبھی پار لگا دیتے ہیں

کُشتہ تیغ ادا اُس بتِ سفاک کا ہوں
زخم ہنس ہنس کے مرے جسکو دعا دیتے ہیں

آفریں کہہ کے ہر اک وار پہ مشتاقِ فنا
دمبدم حوصلہ قاتل کا بڑھا دیتے ہیں

دلِ عاشق کی خاطر اے حسینو
یہ دزدیدہ نظر اللہ کے گھر میں

نظر آیا سوا تیرے نکوئی
جہاں کو خوب جانچا ہے نظر میں

سب کی نظر میں ہے وہ عیاں کچھ نہاں نہیں
سچ پوچھئے تو یار کا جلوہ کہاں نہیں

کیا فرض ہے کہ مان لیں زاہد کا ہم کہا
آیت نہیں حدیث نہیں کچھ قرآں نہیں

وہ اور وعدہ وصل کا اے نامہ بر مجھے
باور نہیں یقین نہیں یہ گماں نہیں

افضل (افضل) منشی محمد افضل خاں باشندہ میرٹھ۔ انکا مطبوعہ دیوان نظر سے گزرا اُسکا انتخاب درج ذیل ہے۔ دیوان سے یہ کہیں ظاہر نہیں ہوتا کہ فنِ سخن میں کس سے اصلاح لی ہے کلام عیوب سے پاک اور صاف ستھرا ہے۔ پُرگو اور مشاق معلوم ہوتے ہیں ۵

مونسِ یونس ہوا تھا بطنِ ماہی میں تو ہی
حامئی یوسف میانِ کارواں تو ہی تو تھا

گرمسوز تھا دلیں کبھی تھا دردِ جگر رات
کی یاد میں اک شوخ کے مرمر کے سحر رات

صاف ظاہر ہے حسینوں کا تو باطن ہے خراب
شعبدہ انکی محبت ہے تو دھوکا اخلاص

چبیں بر جبیں نہو بتِ قاتل بیانِ تیغ
کیا کیا کھلائیں گے ابھی گل بسملانِ تیغ

یہ قطع یہ بُریدہ یہ شوخی یہ شانِ تیغ
یہ گھاٹ یہ تراش یہ پہلو یہ آنِ تیغ

ہمکو تو اپنے خوں کا عوض مل گیا یہیں
معمور آبلوں سے ہے قاتل زبانِ تیغ

شبِ غم کیوں بتاں ہے کسلئے پہلو بدلتا ہے
بتا تو اے دلِ بیتاب ان باتوں سے کیا حاصل

دل دے کے تجھکو جان کا دشمن بنائے کون
پیٹھے بٹھائے مفت کے صدمے اُٹھائے کون

پُرفن ہے پُرفریب ہے قاتل ہے شوخ ہے
دھوکے میں تیری چشمِ فسوں گر کے آئے کون

شیریں تری شریں دہنی پر ہوئی شیدا
لیلیٰ تری دیوانی بنی نجد کے بن میں

ابرو نے تری سینکڑوں بیجرم کئے قتل
ٹھوکر سے تری مردوں کے جان آگئی تن میں

مرے مدفن کو ٹھکرا کر وہ بولے
بہت سوئے اُٹھو خوابِ گراں سے

اپنا یہ حال کہ امید پہ ہر دم ہے نظر
اُنکی یہ ضد ہے کہ جو چاہیں وہ چاہیں ہمسے

یوں جوبن ٹھن کے آج بیٹھے ہو
فکر میں کس کے ہو مٹانے کے

ہاتھ دھوتی ہے شفق چشمۂ خورشید میں روز
خونِ بیجرم کی لیکن ابھی لالی نہ گئی

اور امید تو کیا خاک ہوا نسے محال
دلمیں اک پھانس تھی سو وہ بھی نکالی نہ گئی

وہ بولے بندۂ حق ہو تو ہے الجھا کیوں ہے
خدا پر جب نظر ہے پھر بتوں سے وا کیوں ہے

رُکی کچھ دلمیں کچھ سینے میں کچھ لب پر کچھ آنکھوں میں
بڑی مشکل سے دم لے لیکے جانِ ناتواں نکلی

(افضل) افضل بالدولہ منظفر الملک سید افضل علیخاں بہادر عرف چھوٹے بھیا آنریری مجسٹریٹ رئیس لکھنؤ کمین پسر تدبیر الدولہ منشی اسیر لکھنوی - انگریزی - عربی - فارسی تینوں زبانوں میں معقول دستگاہ رکھتے ہیں - رہی اُردو سو انکی مادری زبان ہے فن شعر میں اپنے والد نامدار کے شاگرد ہیں - ۵۳ سال کے قریب عمر ہے خوش مزاج - خلیق - باتمیز - پُرگو سخن سنج ہیں - خیال میں بلند پروازی ہے اپنی اطراف میں فن سخن کے اچھے شاعر سمجھے جاتے ہیں - خطابات مذکور خوردسالی میں حضرت سلطان العالم واجد علیشاہ نے آپ کو مرحمت کئے تھے - لکھنؤ کے مؤقر اور بارسوخ عمائدیں میں آپکا شمار ہے نیر آصفی نام رسالہ بھی آپ نے نکالا تھا جو اب بند ہوگیا - آپ کا دیوان تیار ہے - کلام ہم رسیدہ کا انتخاب ملاحظہ ہو ۵

اے انتظار یار ہے تیری مدد کا وقت
آنکھوں سے بوجھ اُٹھ نہیں سکتا ہے خواب کا

آنکھوں سے دیکھتے ہیں تو کیا دیکھتے ہیں ہم
بیدار کو ہیں پر وہی عالم ہے خواب کا

اپنے دشمن کو بھی دشمن نہیں کہہ سکتے ہم
دوست کا دوست ہمو اجب تو وہ دشمن کیسا

دوست نے دوست کو کیا دشمن
دل نے مارا حبیب سے مل کر

گل ہیں نازک نہ کہیں باغ میں مرجھا جائیں
بارِ الفت کا کہو ان پہ نہ ڈالے بلبل

گھر میں سبب امن ہے اب کثرتِ آفات
کہتی ہے بلا کون پڑے جا کے بلا میں

یوں دل سے میں کہتا ہوں رہِ صبر و رضا میں
اتنا تو وفا میں ہو وہ جتنے ہیں جفا میں

باغبان کہتے ہیں گلچیں سے یہ گلزار و نہیں
جیت اُس پھول کی ہے ہو جو ترے ہار و نہیں

حضرتِ خضر بنے رہ کے جو تنہا کیا لطف
زندگی وہ ہے جو ہو جائے بسر یاروں میں

خوشی ہو یا ہو غم دنیا میں کلفت ہو کہ راحت ہو
بدل راضی ہوں بسم اللہ جو تیری مشیت ہو

مناسب ہے کہ رنگِ ظاہر و باطن میں وحدت ہو
بشر ہو نیک سیرت بھی اگر وہ خوبصورت ہو

ہمارے اُنکے آپس میں اگر ملنے کا دن ٹھیرے
اِدھر ہو ضعف سدِ راہ اُدھر مانع نزاکت ہو

تمہاری گر عنایت کی نظر ہو
تو مشتاقِ دعا اُلٹا اثر ہو

یہ شوقِ دید میں دل چاہتا ہے
کہ میں پہنچوں وہاں پہلے نظر سے

دکھائی دے رُخِ وحدت کا جلوہ
اُٹھے پردہ دوئی کا گر نظر سے

پیچھے مسیح ہونے کا دعوے کرے کوئی
پہلے مریضِ ہجر کو اچھا کرے کوئی

کل اُسکا رنگ اور تھا آج اُسکا ڈھنگ اور
کیونکر مریضِ ہجر کو اچھا کرے کوئی

بھرا ہے دل میں بت انکے زعمِ یکتائی
مزہ تو جب ہے کہ آئینہ روبرو آئے

امیدوار ہزاروں ہیں لاکھ خواہش مند
ہے ایک دم ترا کس کس کے دل میں تو آئے

شباب کا بھی وہی رنگ و ڈھنگ ہے افضل
نہ جیسے جا کے پھر انساں کی آبرو آئے

دلِ پُر داغ میرا رنگ و بوئے عشق رکھتا ہے
یہ گلدستہ تمہاری محفلِ رنگیں کے قابل ہے

لیا ہے جسنے دل میرا وہ کوئی اور ہی ہوگا
چرایا ہی نہیں جب چور کیوں پھر آپکا دل ہے

حج کو چلتا ہے تو بس یوں ہی نکل چل زاہد
راہ سیدھی ہے بہت کعبہ کی بتخانہ سے

دیکھ لے حضرتِ زاہد کا تقدس کوئی
منہ چھپائے ہوئے جاتے ہیں وہ میخانہ سے

یہ کہہ کر ہمسے اُسنے تنکر ہے برخاست محفل کی
کہیں کچھ اپنے دل کی اب نہیں کچھ آپکے دلکی

وہ خود حیراں ہو کر عاشقوں سے اپنے کہتے ہیں
جلا جاتا ہے اک اک سے نئی گرمی ہے محفل کی

وہ آبِ تیغ کو آبِ بقا سمجھتے تھے
گلے گلے ترے بسمل نہ کیوں اُتر جاتے

ہاتھ سے مستوں کے میخانہ میں پہنچی شکست
توبہ فریادی درِ قاضی پہ ہے آئی ہوئی

مہر کا ذرہ میں جلوا چاہئے
قطرے میں کچھ چشمِ دریا چاہئے

جسکے برلانے کی کوشش وہ کریں
اُن تمناؤں کو دیکھا چاہئے

تیرے بیماروں کا مُردوں میں شمار
شرم اے رشکِ مسیحا چاہئے

پی کے مئے زاہد ہو مصروفِ نماز
دین کا حظ لطفِ دنیا چاہئے

(۱ فضل) مرزا افضل حسین بیگ مددگار صیغہ دار نظامت عدالتہائے کلکٹر گہ حیدرآباد دکن زمانہ حال کے نومشق شعرا میں ہیں - یہ آپکا کلام ہے ۵ افضل

بعدِ مردن بھی مری روح کو فرحت ہوتی
ہنس کے تربت پہ مری وہ جو گل افشاں ہوتا

ہے عزم سوئے مسجد و بت خانہ کسیکا
اُٹھتا ہے قدم جانبِ میخانہ کسیکا

لے کے دل آپ مکر جاتے ہیں
کچھ ٹھکانا ہے اس ڈھٹائی کا

پھیرے پھرتا ہے ہمسے جو زمانہ
کشیدہ ہے جو چرخ جنگ جُو ہو

(۲ فضل) منشی عبدالرحمن باشندہ حیدرآباد دکن - مولانا حبیب الرحمن تبدیل سہارنپوری کے تلمذ سے بہرہ ور اور نومشق شاعر ہیں - یہ آپکا کلام ہے ۵ افضل

ویرانہ ترے وقت میں کعبہ تھا خراب
عہد میں ترے کوئی کافر و دیندار نہ تھا

نگہ تیری عجب جادو بھری ہے
ملا کر آنکھ مجھ سے لے لیا دل

پھنسایا کس لئے مجھ کو بلا میں
تری تقصیر کیا کی تھی بھلا دل

افغان

(افغان) محتشم خاں افغان - قومیت کی رعایت سے تخلص افغان رکھا تھا - طبقۂ دوم کے شعرا میں گزرے ہیں - زیادہ حال معلوم نہیں - یہ تین شعر انکے طبعزاد ہیں ؎

یار میرے کی یہ رفتار و ادا اور ہی ہے	عشوہ و غمزہ و گفتار و ادا اور ہی ہے
بندگی بندوں کی رہتی نہیں ہرگز منظور	ان بتوں کا جو میں دیکھا تو خدا اور ہی ہے
اے میاں ظلم سے تیرے نہ ٹلے گا افغاں	یہ غلام ایسا نہیں ایسیں وفا اور ہی ہے

افق

(افق) منشی دوارکا پرشاد صاحب لکھنوی - آپ منشی پورن چند کایستھ مالک مطبع تمنائی لکھنوی کے صاحبزادے اور منشی رام سہائے تمنا کے بھائی ہیں - اُردو تو خیر آپکی مادری زبان ہے لیکن فارسی میں بھی آپ دستگاہ کامل رکھتے ہیں بچپن سے شعر گوئی کا شوق ہے - منشی شنکر دیال فرحت سے اصلاح لیتے تھے سنسکرت اور انگریزی سے بھی واقف ہیں چنانچہ راجستان ٹاڈ - رامائن وغیرہ سنسکرت اور انگریزی کتب کا اُردو میں ترجمہ نہایت لطافت اور عمدگی سے کیا ہے - بڑے ذکی - فہیم - اور خوش فکر شاعر ہیں طبیعت موزوں اور فکر رسا پائی ہے - آج کل اخلاقی اور نیچرل مضامین پر جُھکے ہوئے ہیں نیچرل طرز میں بھی مشرقی باتکیں کو ہاتھ سے نہیں دیتے - سناتن دھرم سبھا کے جلسوں میں اکثر نظمیں پڑھتے ہیں - فی زمانہ طرز جدید کے کہنے والوں میں آپکو درجۂ امتیاز حاصل ہے - مضامین نگاری میں آپ کو معقول دسترس ہے - چنانچہ ایک عرصہ تک لکھنؤ سے نظم اجنار آپکے زیر نگرانی شائع ہوتا رہا - ۱۹۰۲ء میں لاہور آکر پنجاب سماچار کی ایڈیٹری کی کرسی کو زینت دی - اب کچھ عرصے سے مہابھارت اور رامائن نظم کر رہے ہیں جنمیں پڑھکر بعض بعض مقامات پر کلام کی صفائی و روانی اساتذۂ لکھنو کا رنگ یاد دلاتی ہے - اوائل سے آپکو تصنیف و تالیف کا شوق رہا ہے - افضل التواریخ - سروش سخن نظم - اور متعدد رسائل نظم و نثر آپکی تصنیف سے شائع ہو چکے ہیں - آپکی عمر اب ۷۰ برس کے قریب ہے ؎

کلام ماننے کا ہے جو سے در معبد کی نہیں	کبھی ہوئے نہ دے ہنگام غضب جلوہ چیں

سجدۂ حق کرے دے بوسۂ فرمان جبین | قشقۂ عجز کو چہرے کی بنائے تزئیں

خطِ قسمت میں جو تحریر ہے مانے اُسکو
کرے وہ کام جو سونپا ہو خدا نے اُسکو

کام سینے کا ہے ہنگامِ مصیبت ہو سپر
سینے فانوس ہے شمع فن و علم و ہنر

کرے ماتم جو ملے رنج احبا کی خبر
دے کل اوصاف صفائی کو جگہ شل جگر

عقل و حکمت کے لئے سینہ سینا[۵] بن جائے
جلوۂ نور خدا کے لئے سینا[۵] بن جائے

جو بشر کرتا ہے سینا کا لقب ورد زباں
منہ سے نکلا جو رواں پورے ہوئے سب ارماں

زخمِ دل سینا سے مٹ جاتی ہے ایذائے نہاں
دستِ رحمت سے سیانے سیا چاکِ داماں

جانکی جی کا جہاں نام زباں پر آیا
جان کی خیر ہوئی مقصدِ دل بر آیا

پاپ اِن ناموں کے رٹ لینے سے کٹ جاتا ہے
پاٹھ سے پاٹ یم رنج کا گھٹ جاتا ہے

ٹاٹ افلاک فلاکت کا اُلٹ جاتا ہے
آکے جم راج سرھانے سے پلٹ جاتا ہے

نام اِن ناموں سے رہتا نہیں بدبختی کا
نام مٹ جاتا ہے تشویش و غم سختی کا

جگمگا اُٹھا کفِ پاکی ضیا سے رنواس
ہوا بیکنٹھ اودھ ویش اجودھیا کیلاس

طرفہ تھے کھیل کئیل اور عجب رہاس بلاس
دیوتا رہتے تھے حاضر پئے خدمت چپ راس

خلق کی آنکھ کے پوتے تھے بچھونے اُنکے
چاند سورج تھے لڑکپن میں کھلونے اُنکے

رنگ بگڑا ہوا ارگھیر نے جو دیکھا بھالا
آتشِ قہر کے گل کرنے کو پانی ڈالا

آنے والی جو بلا سر پہ تھی اُس کو ٹالا
یوں پرسرام سے بولے کہ جنابِ والا

اب دھنک ٹوٹ چکا عفو خطا ہو کہ نہ ہو
سر تسلیم ہے خم حکم سزا ہو کہ نہ ہو

دل پہ اس فقرۂ تہذیب نے جادو ڈالا
حلم نے چشمِ حقیقت کا مٹایا جالا

بوسے یوں دیکے دھنک قوسِ قزح سے اعلیٰ
یہ جو بڑھ جائے تو ہوں قائل ذاتِ والا

---

۵ بوعلی سینا سے مراد ہے ۱۲ ۵ کو طور مراد ہے ۱۲

رام نے چلّہ چڑھاتے ہی دھنک تان لیا | | بشن کا روپ پرسرام نے پہچان لیا

خود رکھشیر کے اشارے سے سر رام اُٹھے | | کر کے مرشد کو لبِ عجز سے پرنام اُٹھے
بہرِ تعظیم مہاراجہ عظام اُٹھے | | دستِ محلات دعاؤں کو لبِ بام اُٹھے

رام کے زور سے شہ زوروں کا جی چھوٹ گیا | | دستِ نازک سے اُٹھاتے ہی دھنک ٹوٹ گیا

آنکھ نیچی ہوئی راجوں کی سری رگھبر سے | | راکشس سہم گئے - کانپ اُٹھے بھاگے ڈر سے
آئیں جے جے کی صدائیں لبِ ہفت اختر سے | | دُند بھی بجنے لگی پھول فلک سے برسے

جانکی جی کی عیاں خوبیٔ اقبال ہوئی | | رام کے زیبِ گلو ہاتھ کی جیمال ہوئی

افکار (افکار) صاحبزادہ اصغر علیخان افکار ولد صاحبزادہ احمد یار خاں افسر رامپوری خلف نواب احمد یار خاں صاحب آمیر - خاندانی شاعر تھے - مذاقِ سخن ورثہ میں پایا تھا - طبیعت مضمون آفریں اور عاشقانہ مذاق تھا - بقول امیر مینائی آپ کا بیان تھا کہ میں نے اخوند زادے غفلت خواجہ آتش - ذوق - اور علی بخش بیمار - ان چاروں سے فیضِ سخن پایا ہے - ترتیب تذکرہ ۱۲۹۳ھ انتخاب یادگار (۱۸۸۰ء) کے وقت ۵۸ سال کی عمر تھی - انتخاب کلام ملاحظہ ہو ؎

ذکرِ محشر ہو چکا واعظ ذرا اب دل سنبھال | | میں بیاں کرتا ہوں اپنے فتنہ گر کی چال کا
دے دیا طاق سے آئینہ اُٹھا کر اُنکو | | حال مجھسے دلِ حیراں کا دکھایا نہ گیا

اس پہ مرتے ہیں وہ آئیں قبر پر | | یہ بھی ہو جائے گا ہونا کچھ نہیں
میری تربت کی زیارت کے لئے جاتا ہے | | جو یہ سُنتا ہے کہ وہ فاتحے کو آئیں گے

تم تو محشر میں نہ ہوگے کہدو | | ورنہ اک اور قیامت ہوگی

آہ کا گریہ کا بیتابی کا کچھ عالم نہ پوچھ | | ڈر ہے یہ ناصح پیر مجھکو نہ سمجھانا مجھے
قد ہی خود قیامت تھا زلف کیوں بڑھائی ہے | | اور ساتھ محشر کے ایک بلا لگائی ہے

اقبال (اقبال) نواب اقبال یار جنگ بہادر کشنر محکمۂ انعام و تالیق بعہد حضرت نظام خلد اللہ ملکہٗ - معمر اور پاکیزہ صورت بزرگ تھے - کبھی کبھی اُردو شعر گوئی کی طرف بھی تفنناً مائل ہو جاتے تھے

اور اُسمیں حضرت داغ دہلوی سے مشورہ فرماتے تھے - دربار تاجپوشی ۱۹۰۳ء میں دہلی بھی حضور نظام کے ہمرکاب آئے تھے اُسی سال کے آخر میں انتقال فرمایا - کلام حاضر ہے ۵

لاکھوں کے اِک اشارے میں منجھیر دل ہوئے — کیا سحر تو نے اے نگہ یار کر دیا
گھر مرے آیا نہ وہ مہر رخشاں ابتک — ہوا اختر طالع مرا تاباں ابتک
دیکھکر اُس لب پانخوردہ کی سرخی کی بہار — خون ہوتا ہے دلِ لعلِ بدخشاں ابتک
گالیاں دیتے ہیں وہ مجکو مگر پیار کے ساتھ — اِس مروت کے کبھی دنیا میں ہیں انساں ابتک
ساتھ سوئے وہ مگر پہلو میں رکھکر آئینہ — مرے حق میں ہوگیا سد سکندر آئینہ
بوسہ جب اقبال نے مانگا تو اِک انداز سے — ہنس کے فرمانے لگے ہوگا کمر آئینہ
کسی کی چشم فتاں زلف پیچاں میں مرے دلکو — پھنسا کر خود الگ ہے دیکھئے ہشیار کیسی ہے
دکھا کر تازیانہ زلف پیچاں کا وہ کہتے ہیں — تجھے معلوم ہے اقبال اسکی مار کیسی ہے

اقبال

اقبال شیخ محمد اقبال ایم اے سابق پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور - آپکی ولادت ۱۸۷۶ء میں ہوئی وطن مالوف سیالکوٹ ہے - لاہور کالج میں تعلیم پاکر ایم اے کی ڈگری حاصل کی ابتدائے سن تمیز سے آپکی طبیعت شاعری کی طرف مائل تھی - فن سخن کا نہایت شستہ وصحیح مذاق سخن آذیں نے آپکی طبیعت میں ودیعت کیا ہے - یہ خداداد صفت آجکل کے شعرا میں کم پائی جاتی ہے - لاہور کے ایک مشاعرہ میں جو آپ نے پہلے پہل غزل پڑھی اُسکا ایک شعر سنکر مرزا ارشد گورگانی کو جو اتفاق سے شریک بزم مشاعرہ تھے نہایت حیرت ہوئی اور بے اختیار اُنکی زبان سے نکلا کہ ہیں اقبال ایسی عمر میں اور ایسا شعر اور وہ شعر یہ ہے ۵

موتی سمجھ کے شان کریمی نے چن لئے — قطرے جو تھے مرے عرق انفعال کے

یہ پہلا موقعہ تھا کہ لاہور کے باذاق لوگوں کو اس نوجوان اور ہونہار شاعر سے شناسائی ہوئی ورنہ ایام طالب علمی میں انکی طباعی اور ذکاوت کا شہرہ صرف اونکے ہم جماعت طلبا اور دوستوں تک محدود تھا - ۱۸۹۹ء میں دوستوں کے اصرار سے انجمن حمایت اسلام کے

سالانہ جلسہ میں آپنے نالۂ یتیم کے عنواں سے ایک قابل قدر نظم نہایت میٹھے سر میں پڑھی یہ نظم درد انگیز و موثر ہونیکی وجہ سے کچھ ایسی مقبول خاص و عام ہوئی کہ بار بار پڑھنے کی فرمائش ہوئی اور یتیم خانے کے لئے چندے کی بارش ہونے لگی۔ اس نظم نے اُس شہرت کی بنیاد رکھ دی جو اب اطراف ہند میں پھیلی ہوئی ہے۔ آپکی حالت میں انگریزی دانی اور علوم مغربی کی تحصیل کا شوق زبان اُردو کیطرف متوجہ ہونے میں سدِ راہ نہیں ہوا۔ اور کیوں ہوتا جس حالت میں کہ آپ فارسی اور عربی میں بھی قابلِ تعریف قابلیت رکھتے ہیں۔ اور اُم الالسنہ سنسکرت سے بھی ناآشنا نہیں ہیں۔ ابتدا میں آپ نے چند غزلیں مرزا ارشد گورگانی کو دکھائیں اور پھر بلبلِ ہندوستان نواب فصیح الملک مرزا داغ سے بذریعہ خط و کتابت تلمذ اختیار کیا اُس دن سے آج تک آپکا کلام روز افزوں ترقی کر رہا ہے۔ جب سے نئے رنگ میں لکھنا شروع کیا اصلاح لینے کی پابندی جاتی رہی۔ کہتے کہتے خود اچھا کہنے لگے اور اپنے طرز خاص میں قابل امتیاز قابلیت حاصل کرلی۔ چونکہ غور و فکر کرنے والی خداداد طبیعت پائی ہے وہ خود ہی مصلح ہو جاتی ہے۔ نواب فصیح الملک انکی قدر کرتے اور رافوق العادت۔ لیاقت ذہانت۔ بلیغ اور رسا طبیعت کی داد دیا کرتے تھے۔ اگرچہ شیخ صاحب کا کلام ابھی خاص خاص باتوں میں کہن مشق اساتذہ کے درجہ پر نہیں پہنچا ہے مگر جو خاص بات اُسمیں ہے وہ سوائے نامور استادوں کے اور لوگوں کو کم نصیب ہوتی ہے۔ آپکے کلام میں بھرتی کے شعر کم پائے جاتے ہیں۔ کوئی شعر درد۔ وحدت اور اخلاق کی چاشنی سے خالی نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ دور دور سے داد آتی ہے چنانچہ مولانا شبلی فرماتے ہیں کہ جب آزاد اور حالی کی کرسیاں خالی ہونگی تو لوگ آپ کو ڈھونڈیں گے۔ آپکو تحقیق و تنقید میں خاص ملکہ حاصل ہے اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ تعلیم ختم کرنے کے بعد بھی تعلیمی شغل سے روز افزوں دلبستگی ہے۔ چنانچہ فی الحال تکمیل علوم اقتصاد و قانون کے لئے ولایت میں مقیم ہیں۔ آپکو تلمذ اگرچہ حضرت داغ سے رہا ہے مگر مشکل پسند طبیعت کے اقتضا سے اکثر مرزا غالب کی پیروی کرتے ہیں۔

اکثر اُنکے کلام کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں ۔ آپکے کلام میں ایک کمی ضرور ہے وہ یہ کہ کہیں کہیں خلاف محاورہ و روزمرۂ اہل زبان الفاظ نظم کر جاتے ہیں امید ہے کہ کثرت مشق سے یہ نقص بھی جاتا رہے گا ۔ یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ مذاق سلیم کے ساتھ ساتھ آپکی سرشت میں انصاف پسندی بھی ایسی ہے کہ آپ اپنے دیگر ہمعصروں کی برعکس واجبی نکتہ چینی سے کبھی کبیدہ خاطر نہیں ہوتے ۔ بلکہ اگر اتفاق سے کبھی کوئی صحیح اعتراض کرتا ہے تو اُسے بخوشی تسلیم کر لیتے ہیں اور ہٹ دھرمی کو مطلق دخل نہیں دیتے ۔ ناظرین کی تفریح کے لئے آپکے کلام کا تھوڑا سا انتخاب درج تذکیا جاتا ہے ۔ ملاحظہ ہو ۵

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا	ہم بلبلیں ہیں اسکی یہ گلستاں ہمارا
غربت میں ہوں اگر ہم رہتا ہے دل وطن میں	سمجھو ہمیں بھی دل ہو جہاں ہمارا
پربت وہ سب سے اونچا ہمسایہ آسماں کا	وہ سنتری ہمارا وہ پاسباں ہمارا
گودی میں کھیلتی ہیں اسکی ہزاروں ندیاں	گلشن ہے جنکے دم سے رشکِ جناں ہمارا
اے آبِ رودِ گنگا وہ دن ہیں یاد تجھکو	اُترا ترے کنارے جب کارواں ہمارا
مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا	ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا
یونان و مصر و روما سب مٹ گئے جہاں سے	اب تک مگر ہے باقی نام و نشاں ہمارا
کچھ بات ہے کہ ہستی مٹتی نہیں ہماری	صدیوں رہا ہے دشمن دورِ جہاں ہمارا
اقبال کوئی محرم اپنا نہیں جہاں میں	معلوم کیا کسیکو دردِ نہاں ہمارا
کبھی جو آوارۂ جنوں تھے وہ بستیوں میں پھر آبسے گے	برہنہ پائی وہی رہیگی مگر نیا خارزار ہوگا
کیا مرا تذکرہ جو ساقی نے بادہ خواروں کی انجمن میں	تو پیر میخانہ سُنکے کہنے لگا کہ مُنہ پھٹ ہے خوار ہوگا
دیارِ مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دُکاں نہیں ہے	کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زرِ کم عیار ہوگا
تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کریگی	جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائدار ہوگا
جو ایک تھا ایک نگاہ تو نے ہزار کرکے ہمیں دکھایا	یہی اگر کیفیت ہے تیری تو پھر کسے اعتبار ہوگا

خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اُسکا بندہ بنوں گا جسکو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا

میں ظلمتِ شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کارواں کو
شررفشاں ہوگی آہ میری نفس مرا شعلۂ بار ہوگا

عاشقِ دیدارِ محشر کا تمنائی ہوا
وہ سمجھتے ہیں کہ جرمِ ناشکیبائی ہوا

میری بینائی بھی شاید مانعِ دیدار تھی
بند جب آنکھیں ہوئیں تیرا تماشائی ہوا

ہائے میری بدنصیبی وائے ناکامی مری
پانوں جب لوٹے تو شوقِ دشت پیمائی ہوا

میں تو اُس عاشق کی ذوقِ جستجو میں مر مٹا
ماعرفناکہہ کے جو تیرا تمنائی ہوا

دیکھ ناداں امتیازِ شمع پروانہ نہ کر
حسن بنکر عشق اپنا آپ سودائی ہوا

کوئی دل ایسا نظر نہ آیا جسمیں خوابیدہ ہو تمنا
الٰہی تیرا جہان کیا ہے نگارخانہ ہے آرزو کا

ریاضِ ہستی کے ذرے ذرے سے ہے محبت کا جلوہ پیدا
حقیقتِ گل کو تو جو دیکھے تو یہ بھی پیمان ہے رنگ بو کا

تمام مضموں مرے پرانے کلام میرا خطا سراپا
سخن کوئی دیکھتا ہے مجھ میں تو عیب ہے ہیر عیب جو کا

قوم گویا جسم ہے افراد ہیں اعضائے قوم
منزلِ صنعت کے رہ پیما ہیں دست و پائے قوم

شاعر

محفلِ نظمِ حکومت چہرۂ زیبائے قوم
شاعرِ رنگیں نوا ہے دیدۂ بینائے قوم

جسنے ڈھونڈا تھا آسمانوں زمینوں
وہ نکلے میرے ظلمت خانۂ دل کے مکینوں

تمنا درد دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

کسی ایسے شرر سے پھونک اپنے خرمنِ دل کو
کہ خورشیدِ قیامت بھی ہو تیرے خوشہ چینوں میں

پھلا پھولا رہے یارب چمن میری امیدوں کا
جگر کا خون دیکر یہ بوٹے میں نے پالے ہیں

نہ دیکھا اے دیدۂ خونبار دل کو کم نگاہی سے
ترے آنسو اسی اُجڑے ہوئے گلشن کے لالے ہیں

نہ پوچھ مجھسے لذت خانماں بربادرہنے کی
نشیمن سینکڑوں میں نے بنا کر پھونک ڈالے ہیں

بلاکشانِ محبت کی یادگار ہوں میں
رسا ہوا خطِ لوحِ سرِ مزار ہوں میں

فنا ہوئے پہ بھی گویا وفا شعار ہوں میں
جو مٹ گیا تو حسینوں کا اعتبار ہوں میں

نسیم صبح نہ چھیڑ مجھے کہ دامن سے
کسیکے ہاتھ کا جھاڑا ہوا غبار ہوں میں

نشے میں مست سمجھتا ہے مجھکو کیوں واعظ
وہ اپنا وعظ کہے جائے ہوشیار ہوں میں

تڑپ کے شانِ کریمی نے لے لیا بوسہ
کہا جو سر کو جھکا کر گناہگار ہوں میں

رہی نہ زہر میں اقبال وہ پرانی بات
کسیکے ہجر میں جینے سے شرمسار ہوں میں

جاں دے کر تمہیں جینے کی دعا دیتے ہیں
پھر بھی کہتے ہو کہ عاشق ہمیں کیا دیتے ہیں

ایسی ذلت ہے مرے واسطے عزت سے سوا
خود وہ اٹھ کر مجھے محفل سے اٹھا دیتے ہیں

علم کے دریا سے نکلے غوطہ زن گوہر بدست
وائے محرومی صدف چین لب ساحل ہوں میں

تم نے ناکا دل کو لیکن اُف رے شوق تیرِ عشق
دل سے کہتا ہے جگر تو دل نہیں ہے دل میں ہوں

مبتلائے درد کوئی عضو ہو روتی ہے آنکھ
کسقدر ہمدرد سارے جسم کی ہوتی ہے آنکھ

حباب آسا سرِ موجِ نفس باندھا ہے محمل کو
ذرا دیکھ اے سترا ذوقِ فنا تجکو کہاں تک ہے

وہی اک شعلہ ہے تربت بھی ہے اور شمع تربت بھی
مزار مرنے کا کچھ پروانۂ آتش بجاں تک ہے

چمن زار محبت میں خموشی موت ہے بلبل
یہاں کی زندگی پابندیٔ رسمِ فغاں تک ہے

وہ چیز نام ہے جسکا جہاں میں آزادی
سُنی ضرور ہے دیکھی کہیں نہیں مینے

خدا تو ملتا ہے انسان ہی نہیں ملتا
یہ چیز وہ ہے کہ دیکھی کہیں کہیں مینے

کہتا ہے خضر دشتِ جنوں میں مجھے کہ چل
آتا ہوں میں بھی پاؤں سے کانٹے نکال کے

اے حباب بحرِ اے پروردۂ دامانِ موج
کچھ پتہ ملتا ہے تجھسے اپنی ہستی کا مجھے

کھل گئی چشمِ تماشا اپنی جسدم اے کلیم
طور ہر ذرے کے دامن میں نظر آیا مجھے

موت یہ میری نہیں میری اجل کی موت ہے
کیوں ڈروں اس سے کہ مر کر پھر نہیں مرنا مجھے

یوں تو اے صیاد آزادی میں لاکھوں ہیں مزے
دام کے نیچے پھڑکنے کا تماشا اور ہے

بیٹھا کے عرش پہ رکھا ہے تو نے اے واعظ
خدا وہ کیا ہے جو بندوں سے احتراز کرے

مری نگاہ میں وہ رند ہی نہیں ساقی
جو ہوشیاری و مستی میں امتیاز کرے

مدام گوش بہ دل رہ یہ ساز ہے ایسا
جو ہو شکستہ تو پیدا نوائے راز کرے

جوانی ہے تو ذوقِ آرزو بھی ہو ہمارے گھر کی آبادی یہ ممکن ہی نہیں ورنہ جوں تک بے

کوئی یہ پوچھے کہ واعظ کا کیا بگڑتا ہے
جو بے عمل پہ بھی رحمت وہ بے نیاز کرے

نہیں ہے فرق محبت میں اور غلامی میں
یہ عشق وہ ہے کہ محمود کو ایاز کرے

سخن میں سوز الٰہی کہاں سے آتا ہے
یہ چیز وہ ہے کہ پتھر کو بھی گداز کرے

اس عشق خانہ سوز کا شاں کرم یہ ہے مدار
یاں قیدِ کفر و دیں نہیں جسکو وہ بے نیاز دے

غافل تجھے خبر نہیں لذت فراغ میں ہے کیا
دنیا دو یا وہ کر فدا عقبےٰ بھائے نماز دے

بکتا نہیں جہاں میں ارزاں متاع کافری +
قیمت میں اسکی خرقہ و تسبیح دی نماز دے

تارے میں وہ فمر میں وہ بجلی میں وہ شجر میں وہ
چشم نظارہ بیں نہ تو سرمۂ امتیاز دے

واعظ کمال ترک سے ملتی ہے یاں مراد
دنیا جو چھوڑ دی ہے تو عقبےٰ بھی چھوڑ دے

سوداگری نہیں یہ عبادت خدا کی ہے
او بیخبر جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے

لاؤں وہ تنکے کہیں سے آشیانے کیلئے
بجلیاں بیتاب ہوں جنکو جلانے کیلئے

دیکھ لیتا ہوں جہاں تنکا کوئی پیچتا ہوا
میں اُٹھا لیتا ہوں اپنے آشیانے کیلئے

جمع کر خرمن تو پہلے دانہ دانہ چنکے تُو
آہی نکلے گی کوئی بجلی جلانے کے لئے

اس چمن میں مرغِ دل گائے نہ آزادی کا گیت
آہ یہ گلشن نہیں ایسے ترانے کے لئے

اکبر

(اکبر) شاہ اکبر عرف مرزا بھجو۔ شعرائے قدیم میں سے تھے۔ شیخ ظہور الدین حاتم کی شاگردی کا فخر حاصل تھا۔ مصحفی کا بیان ہے کہ اکبر محمد شاہ بادشاہ کے نقیبوں میں تھے۔ خوش طبع رنگیلے اور طرار لطیفہ گو آدمی تھے۔ جب مصحفی نے شاہجہاں آباد میں مشاعرہ مقرر کیا تو اول یہ بھی اُس میں شریک ہوئے مصحفی انکے کلام کو ناپسند کرتے اور یہ الزام دھرتے ہیں کہ استاذہ مشہور کے اشعار اپنے نام سے پڑھ دینے میں انہیں کچھ تامل نہ تھا اُس زمانے کے عام مذاق کے موافق متوسط درجہ کا کلام ہے جسکا انتخاب درج ذیل ہے ؎

دل میں جو آج درد ہے اکبر کے دوستاں
کس کی نگہ کے تیر کا پیکان رہ گیا

ہے بر میں میرے یار کے کیا جامہ پھبن کا
جو پاٹ ہے جامے کا سو تختہ ہے چمن کا

ہمارے دل میں خنجر ناز کے کیا کیا نہ گرتے ہیں
یہ کافر خوب رو جس وقت تن تن کر کے اڑتے ہیں

یہ جتنے خوب و سرکش ہیں انکو خوب دیکھا ہے
گئے پر جس کے اک ایک کے یہ پاؤں پڑتے ہیں

خدا چاہے سو ہووے اب ہمارے حق میں اے اکبر
صنم سے اپنے ہم بھی آج اک بوسہ پا اڑتے ہیں

سینے میں دل کہاں ہے تو اسکو مت ٹٹولے
پیارے بجائے دل ہیں یاں سیکڑوں پھپولے

(اکبر دہلوی) مکرم الدولہ سید اکبر علیخاں بہادر مستقیم جنگ برادر حقیقی نواب تاج محل بیگم صاحبہ محل خاص حضرت شاہ عالم ثانی و عموی مادری مرزا جواں بخت جہاندار شاہ ولیعہد نیک سیرت خوش رو اور رنگین طبع امیر تھے۔ علم موسیقی میں اچھا دخل تھا۔ تمام عمر عیش و عشرت سے بسر کی۔ شعرائے ریختہ کا ایک نہایت عمدہ تذکرہ جسمیں چالیس تذکروں سے مدد لی تھی مرتب کیا تھا۔ ایک اُردو مثنوی نلدمن۔ اور ایک دیوان فارسی آپکی یادگار ہے۔ ریختہ گوئی کیطرف بھی منسوب ہو جاتے تھے۔ مگر دیوان اب نہیں ملتا۔ تین شعر لے وہی لکھے جاتے ہیں عین عالم شباب ۱۸۰۳ء میں وفات پائی ؎

کب میں کہتا ہوں تجھے آ کے مسیحائی کر
ایک دم تو بھی آ اس دلِ بیمار کے پاس

کچھ اپنی زندگی نظر آتی نہیں خدا
ہوں نیم جاں میں اُس بتِ عیار کے لئے

طوفاں سے کم نہیں ہے اکبر کا دیدۂ تر
دیکھا اسکو ابر بھی یہاں پانی بھرا کرے ہے

(اکبر دہلوی) نواب محمد اکبر خاں برادر خورد نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ رئیس جہانگیر آباد دہلی حکیم مومن خاں کے شاگرد تھے۔ فکرِ سخن بہت کم کرتے تھے مگر جو کچھ کہتے تھے اچھا کہتا تھا۔ ۱۸۸۰ء میں بعمر ۷۵ سال راولپنڈی میں انتقال کیا۔ یہ آپکے کلام کا خلاصہ ہے ؎

اکبر

سوچیے حضرتِ ناصح کوئی تدبیرِ وصال
حیف چارہ نکرے آپ سا نادان کا

دیکھ اچھی نہیں ظالم یہ ہوا دارئے غیر
شمع الفت کو بجھا دے نہ جلانا دل کا

خانۂ غیر میں گر لگنے لگا آپ کا جی
مجکو بھی اور سے آتا ہے لگانا دل کا

نہ تھا سارا جہاں دشمن عبث تو نے جہاں کھویا
جہاں کو تو نے کیوں اے نالۂ آتش فشاں کھویا

اثر لیلیٰ کو کیا ہو جب تری فریاد نے مجنوں
جلایا پائے ناقہ کو نہ دستِ ساربان چھونکا

دیا نہ رنج ستم سوز دل سے کام لیا
یہ خاک ہونے کا احساں ہے چرخ پر اپنا

جنونِ عشق کا درماں نہ کسی سے کبھی
کہو علاج کرے جا کے چارہ گر اپنا

قتل کرا شۂ اکبر کو چھپایا گھر میں
بارے اُسنے مجھے جانے نہ دیا اور کہیں

دشتِ ملک پہ دیکھ کے نعش شہیدِ عشق
حوروں کو یہ گماں ہے کہ عرشِ بریں نہو

اکبر تباہ دیکھ کے دشمن کو ہنس دیا
اُس بے وفا کو مجھ سے محبت کہیں نہو

الحذر سے سوزِ سینہ کہ دامانِ چرخ میں
شعلہ لپٹ گیا نفسِ آتشیں کے ساتھ

ہم مر گئے اور اُسنے بجانا کہ مر گئے
ہر زخم پر جو ہلتے تھے لب آفریں کے ساتھ

واں رسمِ اختلاط سے انکار و عذر تھا
یاں جان ہی نکل گئی اہنی نہیں کے ساتھ

طوفانِ نوح و گریۂ اکبر میں فرق ہے
یعنی کہ آسماں کو ڈبویا زمیں کے ساتھ

ہم تو یہیں رہے جو خفا ہو تو خوش رہو
آئی نہ تھی طلب سے کہ رخصت کیا چلے

اکبر (اکبر) حاجی سید شاہ محمد اکبر ابو العلائی سجادہ نشین خانقاہ دانا پور۔ اوائل سن تمیز سے آپکو فنِ سخن کیطرف میلان رہا۔ مگر اپنے والد بزرگوار کے ارشاد کے بموجب عشقیہ مضامین ترک کرکے زیادہ تر تصوف۔ اخلاق اور معرفت کے رنگ سے کلام کو رنگتے رہے۔ اب اچھے کہنے والوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ مولانا وحید الہ آبادی سے آپکو رشتۂ تلمذ حاصل ہے۔ آپکو قدیم طرز کے علاوہ طرزِ جدید میں بھی معقول دسترس ہے چنانچہ اکثر قومی مجالس میں بیچرل مضامین پر برجستہ فی البدیہہ نظمیں پڑھی ہیں۔ آگرہ میں اکثر قیام کا اتفاق رہتا ہے چنانچہ وہیں سے آپکا دیوان ۱۳۱۵ھ میں شائع ہوا تھا۔ سن شریف اسوقت ۷۰ برس سے متجاوز ہے۔ آپکے کلام میں سوز و گداز کے علاوہ فصاحت اور بلاغت بھی موجود ہے۔ اور اس بات کو دیکھتے کہ آپکی مادری زبان اُردو نہیں ہے زبانداں بھی قابلِ ستایش ہے۔ دیوان مطبوعہ کا انتخاب پیشِ کش ناظرین ہے ملاحظہ ہو ۵

پڑ گئے نور کے پردے جو اُٹھا رخ سے نقاب
روئے روشن رہا ہر رنگ میں پنہاں تیرا

لطف اسکا کوئی مجھ سا ہو تو مکے دل سے پوچھے
لذتِ درد کی ہے جاں نگراں تیرا

کھل گئی آنکھ ہوئی محو یہ آتی نہیں نیند
زندگی دیکھ لیا خوابِ پریشاں تیرا

مرضِ عشق کا کرتے نہیں عشاق علاج
اے دلِ زار یہی درد ہے درماں تیرا

جان بھی تیری ہے دل بھی ترا ایماں تیرا
جو مرے پاس ہے سب کچھ ہے یہ گماں تیرا

تیرے تڑپنے میں تو ہیجان خطا تیرا ہے
میرے دامن نے تو میرا ہے یہ پیماں تیرا

مزاج اک روز اے خورشید منشور ترا پوچھیں گے
ذرا اچھا ہمارے داغِ ہجراں کا

فقیرِ بینوا ہوں آسرا ہے فضلِ یزداں کا
اُسی پر مجھکو بھی تکیہ ہے جو مالک ہے سلطاں کا

شکل جب بس گئی آنکھوں میں تو چھپنا کیسا
دل میں گھر کر کے مری جان ہے پردہ کیسا

کھو دو دنیا سے کر دو سے الگ بیٹھ رہے
کسی زاہد سے یہ اخوا سے جنازہ اپنا

لیٹنے دیتی نہیں آرام تری نوکِ مژہ
دل میں چبھ جاتا ہے رو رو کے بغل کیسا

مرے دامن کو کیوں اس رخ کا پرتو آپ نے ڈالا
یہ کہہ دے اے چراغ اے شمع تو کیوں جلتا تھا

رنگ اترتا ہی نہیں عشق کا جب چڑھ جائے
جینے دنیا میں اسی رنگ کو پکا دیکھا

کان وہ جسنے کڑی بات کسی نرمی سے
آنکھ وہ جسنے بری شے کو بھی اچھا دیکھا

ان سا جھوٹا نہ کریں ملنے پہ اُسکے
وہ رُوہ ہے ہو سو بار بھی ملکر نہیں ملتا

جو لوگ ہیں دنیا کے بھروسا نہ کرو ان پہ
ہر وقت یہ رخ دیکھے رہتے ہیں ہوا کا

تکیہ انہیں اسپر ہے توکل انہیں اُس پر
دولت اُمرا کی ہے خدا ہے فقرا کا

محو ایسا تری صورت میں ہے شیدا تیرا
دیکھتا ہے وہ ہر اک شکل میں جلوہ تیرا

تھمرو اے اک پر اتنا نہ ہو منعم تجھے فخر
دینے والا تو وہی ایک ہے میرا تیرا

ابھی کھل جائیں طلسماتِ ہمانگے اسرار
اے رخِ یار اُٹھا دوں جو میں پردا تیرا

جو اُس کے ہیں وہ ہو ہم سے جدا کیا
جو بندے سے جدا ہو وہ خدا کیا

جدا ہے فہم سے اور وہم سے وہ
سمجھ لے جس کو بندہ وہ خدا کیا

کسے تو ڈھونڈا پھرتا ہے زاہد
نظر آتا نہیں تجھ کو خدا کیا

بدلجائے جو تھوڑے رنج و غم میں وہ طبیعت کیا
کیا ہو شکر جس سے کریں اُس سے شکایت کیا

ہمراہ مرنے والے کے ہیں چند گام لوگ
ساتھ اُسکا کون دے جو مسافر ہے دور کا

بت بن گئے ہم چل گیا جادو یہ بتوں کا
بت خانہ سے ابکعبہ کو جایا نہیں جاتا

کیا دلربا متاع ہے دنیا میں جنس حسن
ہے لوٹ پوٹ جس کو خریدار دیکھ کر

اللہ اللہ یہ ناظلم ہے اُس شوخ کا
حکم ہوتا ہے کہ دلمیں بھی نہیں یاد نہ کر

پھولوں میں رنگ آگیا دیکھ کے تیرا رنگ رخ
باغ میں آگئی بہار تیری بھلی دیکھ کر

لگا دے آگ اے بلبل چمن میں
یونہیں یہ بے اثر فریاد کب تک

دم نکلتا ہے نہ ہوتی ہے کسی صورت صبح
تو ہی بتلا اے شب فرقت کہ اب میں کیا کروں

محمد قدا پنے بازوؤں کا اور اک ہلکا سا ہاتھ
خاک دھوں میں کبتک اے سفاک میں تڑپا کروں

زاہد کفر کی کیا تجھ پہ حقیقت ہو عیاں
ابھی معلوم تجھے معنی اسلام نہیں

کفر و اسلام کے جھگڑے سے رہائی پائی
جب سے دل اک بت کافر سے لگا بیٹھے ہیں

رتبہ میں آستانوں سے کم نہیں
وہ چیز ہے یہاں جو سیان حرم نہیں

او زاہد ریائی کدھر جا رہا ہے تو
بتخانے کی طرف ہے یہ سمت حرم نہیں

موسے ہیں ہمیں جلوۂ دیدار ہیں ہیں
ہیں طور ہیں نور ہیں نار ہیں ہیں +

فردوس اگر ہے تو ہمارے ہی لئے ہے
دوزخ کے اگر ہیں تو سزاوار ہیں ہیں

لیلے دو ئی نہیں رہی ارباب عشق میں
مجنوں نہیں تو ہم ترے محمل کے ساتھ ہیں

مجلس تمام عالم تصویر بن گئی +
تم آئے کیا کہ ہوش میں کوئی رہا نہیں

جب وہ پردہ رخ روشن سے اُٹھا دیتے ہیں
کیا کہوں کیا مری آنکھوں کو دکھا دیتے ہیں

جاتا ہوں تہی دست سوے ملک عدم میں
ہے کوئی جو کچھ باندھ دے داماں کفن میں

اپنی ہستی کو ہم مٹاتے ہیں
بوں پتہ یار کا لگاتے ہیں

دل سے نقشِ دوئی مٹاتے ہیں
وصل کا رنگ یوں جماتے ہیں

حسن کو عشق سے ہے ربطِ قدیم
شمع و پروانہ ساتھ آتے ہیں

ناوک فگن ہوا و ہدف پر نظر نہیں
جاتا ہے تیر ناز کدھر کچھ خبر نہیں

تصور لیلیٰ محمل نشین کا یہ بندھا اُسکو
کہ مجنوں چیختا پھرتا ہے میں لیلیٰ کا محمل ہوں

بس کہہ چکے خاموش اب اے ماہ لقا ہو
کچھ منہ سے ہمارے بھی نکل جائے تو کیا ہو

عاشقی نے بھی دکھائے ہیں بلا کے یہ رنگ
پاؤں ہیں اک بت کافر کے مسلمان کے ہاتھ

نکلا جائے ترپ کر اسکا قیدی غیر ممکن ہے
کہ دیواریں بہت اونچی ہیں زندانِ محبت کی

بلا میں ڈال رکھا ہے گنہ گاروں کو واعظ نے
الٰہی بخشدے سب کو دکھا دے شانِ رحمت کی

جفائیں جھیلتے ہیں ظلم سہتے ہیں مگر چپ ہیں
کسی نے کیں وفی ہے کیا زباں اہلِ محبت کی

کریں ہم دشمنی کس سے کوئی دشمن بھی ہو اپنا
محبت نے جگہ رکھی نہیں دل میں عداوت کی

کوچۂ زلف میں آئے تو بڑے شوق سے ہم
اب نکل جانے کا ملنا نہیں رستا کوئی

جسکو دیکھا وہ ہے اپنی ہی غرض کا بندہ
حق تو یہ ہے نہیں دنیا میں کسیکا کوئی

پینے دے موسمِ گل میں تو شراب اے واعظ
توبہ کرلیں گے جو توبہ کی ضرورت ہوگی

یک بہ یک آہی گئی سر پہ وہ رخصت کی گھڑی
اس سفر کا نہ کیا تھا ابھی ساماں کوئی

آنکھیں دیکھیں نہیں منہ سے کسی سنانے کی
واعظو قدر ہو کیونکر نہیں پیمانے کی

پڑھ سکیں ہم تو ہر اک برگ ہے تاریخ چمن
لکھنے والے نے کوئی بات اُٹھا رکھی ہے

فنا ہو کر کسیکی ذات میں حاصل بقا کی ہے
حقیقت میں ہماری نیستی ہستی خدا کی ہے

نہیں بے اختیاری عاشقی سے بڑھکے دنیا میں
بتوں کی بندگی کرتے ہیں ہم قدرت خدا کی ہے

کسی کے سامنے پھیلاؤں کیا میں دستِ سوال
یہ ہاتھ تو کبھی اُٹھے نہیں دعا کے لئے

عاشق نہ پھرا تا دمِ مرگ اپنی وفا سے
جی چھوٹ گیا قاتلوں کا شوقِ جفا سے

مٹتی نہیں تجھ کی لکیر اس کو سمجھنا
جو بات نکلجائے زبانِ فقرا سے

لیلیٰ ہے کہاں اور ترا دشت کہاں ہے
اے قیس تجھے عشق نہیں ہے خفقاں ہے

وہ مسیحا ہونے کا دعوے کرے
ہمسے بیماروں کو جو اچھا کرے

دوست ہی جب کام دشمن کا کرے
پھر کوئی دشمن کا شکوا کیا کرے

شوق آسکے دیکھنے کا ہے اگر
پہلے انساں اپنا نظارا کرے

دوئی محال ہے اہل وجود کے نزدیک
تو جسکو کہتا ہے بندہ وہی خدا بھی ہے

مرد خوش خو نہیں تو پھر کیا ہے
پھول میں بُو نہیں تو پھر کیا ہے

کون بستا ہے کعبے کے اندر
عالم ہُو نہیں تو پھر کیا ہے

صورت آباد ہے یہ اور وہاں ہو کا مقام
شیخ کیا جانے کوئی کعبے کو بت خانے سے

جو مٹا عشق میں تا حشر رہا نام اُس کا
ہمیں ثابت یہ ہوا قیس کے افسانے سے

شاعر ہے داغ اور ہے اُستاد فن آمیر
اکبر وحید قبلۂ اہل کمال ہے

رحمت کے واسطے بھی تو کچھ عذر چاہیے
اے عاصیو گناہ سے بچنا گناہ ہے

یہ حسن کی خطا ہے کہ دل تم پر آگیا
میرا گناہ ہے نہ تمہارا گناہ ہے

تری آنکھیں کہیں ہیں دل کہیں ہے
تو میرے پاس ہے لیکن نہیں ہے

مرا دل وہی دلربا بھی وہی ہے
جو ہے مدعی مدعا بھی وہی ہے

سُنا ہے یہ اللہ والوں سے ہم نے
جو سب سے جدا ہے ملا بھی وہی ہے

وجود ایک ٹھیرا تو پھر کیا ہے دھوکا
صنم بھی وہی ہے خدا بھی وہی ہے

کسے غیر سمجھا ہے تو غیر کیسا
جو بیگانہ ہے آشنا بھی وہی ہے

تو وہ شمع بزم ہے عالم ترا پروانہ ہے
تو چراغ کعبہ ہے تو رونق بت خانہ ہے

کسی کشتے میں یہ قوت نہ اکسیر میں ہے
خاصیت جو نظر صاحب تاثیر میں ہے

ڈھونڈتا ہے دل میں اُسکو اس میں پتہ لگے گا
کعبے میں کیا دھرا ہے خالی مقام ہُو ہے

آنکھوں میں دم ہے اپنا امید کا بُرا ہو
اِسوقت بھی کسی کے ملنے کی آرزو ہے

میخانہ سے ہم کعبۂ مقصود کو ہو پہنچے
اکسیر بنے خاکِ درِ پیرِ مغاں سے

کھلتا نہیں کچھ حال طلسماتِ جہاں کا
یہ لوگ کدھر جاتے ہیں آئے تھے کہاں سے

کچھ دور نہیں ملکِ عدم پیشِ نظر ہے
دم بھر میں پہنچ جائیں گے اُٹھے جو یہاں سے

زاہد کھلا یہ ہم کو ترے اجتناب سے
بیشک تو نا امید ہے اُسکی جناب سے

وہی عشق میں نیک انجام ہے
جسے رنج میں لطفِ آرام ہے

ہمارے قتل کا یہ ذکر جا بجا کیا ہے
جو کچھ ہوا سو ہوا اسکا تذکرہ کیا ہے

بری ہے فکر بشر سے صفات و ذات اسکی
جو آئے فہم میں اپنے تو وہ خدا کیا ہے

وجود اُسکا ثابت ہوا چاہتا ہے
مرا نقشِ ہستی مٹا چاہتا ہے

وہ بے پردہ مجھ سے ملا چاہتا ہے
حجابِ دوئی اب اُٹھا چاہتا ہے

آپ تلوار اُٹھائیں میں جھکا دوں گردن
پوچھتے کیا ہو کہ انجامِ محبت کیا ہے

اکبر (اکبر) عالیجناب معلی القاب فضیلت مآب کمالات انتساب خان بہادر مولوی سید اکبر حسین صاحب رضوی سابق جج عدالت خفیفہ و رئیس الہ آباد۔ ۱۶ نومبر ۱۸۴۶ء آپکی تاریخ ولادت ہے آپکا سلسلۂ نسب امام رضاؑ سے ملتا ہے دیسی مکاتب اور سرکاری مدرسوں میں تعلیم پاکر آپنے ۱۸۶۶ء میں امتحان وکالت درجہ ادنیٰ پاس کیا۔ اور نائب تحصیلداری کے عہدے پر مقرر ہوئے۔ پھر ترقی پاکر ۱۸۷۰ء میں ہائی کورٹ میں مسلخوان ہوئے ۱۸۷۲ء میں وکالت درجۂ اعلیٰ کی سند حاصل کرکے ۱۸۸۰ء تک وکالت کرتے رہے۔ ۱۸۸۰ء میں دوبارہ سرکاری ملازمت اختیار کی اور منصفی کے عہدے سے درجہ بدرجہ ترقی کرکے ۱۸۸۸ء میں سب جج اور ۱۸۹۴ء میں جج عدالت خفیفہ درجہ اول اور سشن جج مقرر ہوئے۔ اور کئی سال تک ہزار بارہ سو روپیہ ماہوار مشاہرہ پاتے رہے ۱۸۹۸ء میں خان بہادر کا خطاب پایا۔ آپ الہ آباد یونیورسٹی کے فیلو بھی ہیں عنفوان شباب سے آپ کو فن سخن سے ایک خاص لگاؤ ہے

خواجہ آتش کے شاگرد منشی غلام حسین صاحب وحیدالہ آبادی کے شاگرد رشید بلکہ سرمایۂ ناز اور فخر اُستاد ہیں - چونکہ عربی و فارسی زبانوں میں کامل دستگاہ رکھنے کے علاوہ زبان انگریزی اور اُسکے علم ادب سے بھی بخوبی ماہر ہیں اسوجہ سے جہانتک ممکن ہوتا ہے مغربی خیالات کو بطرز احسن ایشیائی لباس پہنانے میں ساعی رہتے ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ بدرجۂ احسن کامیاب بھی ہوتے ہیں - اکثر مشاہیر انگلستان کے کلام کا اُردو میں بہت ہی خوش اسلوبی اور عمدگی کے ساتھ ترجمہ کیا ہے - ایشیائی طرز قدیم میں بھی بہت بلند پایہ ناظم و شاعر ہیں - قوت متخیلہ و ممیزہ دونوں میں اعلیٰ درجہ کا حصہ فطرتاً آپکی طبیعت میں ودیعت ہوا ہے - چنانچہ تعلیم و تہذیب مغربی کا جو روز افزوں اثر ہمارے ہندوستانی نوجوانوں پر ہو رہا ہے اور اُس سے جو نتیجے پیدا ہوئے اور ہو رہے ہیں اُنکے متعلق آپ اکثر نہایت قابل قدر خیالات ظاہر فرماتے رہتے ہیں - زبان نہایت صاف اور پاکیزہ اور طرز بیان بالخصوص حد درجہ دلچسپ و دلکش ہے لغو گوئی اور بذلہ سنجی آپکی شوخ طبیعت کا ایک ادنیٰ جوہر ہے مگر ساتھ ہی مضمون آفرینی اور نازکخیالی سے خالی نہیں عاشقانہ رنگ کے شعر میں بات پیدا کرنی انکی جدت پسند طبیعت کا ایک خاص مذاق ہے کلام میں صفائی و سادگی اپنے اپنے محل و موقعہ پر دلاویز جھلک دکھاتی ہیں الغرض جسقدر کلام ہے برگزیدہ و پسندیدہ خاص و عام ہے عیوب شاعری سے مبرا و نقائص سے سراسر معرّا ہے - ہر رنگ میں ہر بحر میں ہر زمین میں کامل دسترس ہے - پولیٹکل اور سوشل معاملات میں آپکی رائے نہایت متین و صائب ہوتی ہے - خیالات بھی نہایت سلجھے ہوئے اور اکثر اچھوتے ہیں - اپنی طرز خاص میں اسوقت مسلم الثبوت استاد مانے جاتے ہیں - الغرض آپکی ذات والاصفات کو اخلاق حسنہ اور اوصاف حمیدہ کا جامع کہنا بیجا نہیں - اب پنشن لیکر وطن قدیم الہ آباد میں رونق افروز ہیں - راقم تذکرہ پر بڑی مہربانی فرماتے ہیں حضرت کا عطیہ گرامی یعنی کلام ذیل نظر افروز ناظرین کیا جاتا ہے ؎

غنچۂ دل کو نسیم عشق نے وا کر دیا	قطعہ	میں مریض ہوش تھا مستی نے اچھا کر دیا

شاہدِ بزمِ ازل نے اک نگاہِ ناز سے
عشق کو اس انجمن میں مسند آرا کر دیا

شورِ شیریں کا مزہ رکھا سرِ فرہاد میں
قیس کو دیوانۂ انداز لیلےٰ کر دیا

گردنِ پروانہ میں ڈالی کمندِ شوقِ شمع
رنگِ گل کو دیدۂ بلبل کا پھندا کر دیا

ذوقِ نظارہ سے جانوں کو ملایا خاک میں
گردشِ چشمِ بتاں سے حشر برپا کر دیا

جس نے یہ سب کچھ کیا اکبر میں تجھ سے کیا کہوں
اُس نے مجھ کو کیا کیا دل کو مرے کیا کر دیا

قطعہ

قدیم وضع پہ قائم رہوں اگر کہتر
تو صاف کہتے ہیں سید یہ رنگ سے میلا

جدید طرز اگر اختیار کرتا ہوں
خود اپنی قوم مچاتی ہے شور واویلا

جو اعتدال کی کہیئے تو وہ ادھر نہ ادھر
زیادہ حد سے دیئے پاؤں سب نے ہیں پھیلا

ادھر یہ ضد ہے کہ لنڈ بھی چھو نہیں سکتے
اُدھر یہ دُھن ہے کہ ساقی صراحی مئے لا

ادھر ہے دفترِ تدبیر و مصلحتِ ناپاک
اُدھر ہے وحیِ ولایت کی ٹوک کا تھیلا

غرض دوگونہ عذابست جانِ مجنوں را
بلائے صحبتِ لیلیٰ و فرقتِ لیلا

قطعہ

رسوا وہ ہوا جو مستِ پیمانہ ہوا
لپکا جو سایہ پردہ و دیوانہ ہوا

انگلنڈ سے اپنا دل جو لایا نہ درست
محروم اُدھر ادھر سے بیگانہ ہوا

نفس کے تابع ہوئے ایمان رخصت ہو گیا
وہ زمانے میں گئے مہماں رخصت ہو گیا

مے انہوں نے پی اب اُنکے پاس کیونکر کل لگے
جانور اک رہ گیا انسان رخصت ہو گیا

رباعی

اونچا نیت کا اپنی زینا رکھنا
احباب سے صاف اپنا سینا رکھنا

غصہ آنا تو نیچرل ہے اکبر
لیکن ہے شدید عیب کینا رکھنا

وفائے وعدہ سے چشم پوشی ہمیشہ شام و پگاہ کرنا
حضور نے کیا تو اب سمجھا ہے منتظر کو تباہ کرنا

کہا جو میں نے نہ توڑ دل کو تجھے مناسب ہے دلنوازی
تو سن کے بولا کہ سہل ہوگا دلِ شکستہ میں راہ کرنا

جہانِ صورت کا ذرہ ذرہ جمالِ معنی کا آئینہ ہے
مگر اُنہیں کو وجود کہتے ہیں جو جانتے ہیں نگاہ کرنا

کہے کوئی شیخ سے یہ جا کر کہ دیکھئے آ کے بزم سید
یہ رونق اور یہ چہل پہل ہو تو کیا بُرا ہے گناہ کرنا

وہ دورِ چرخ آرہا ہے اگر کہ اہلِ تقویٰ ہیں زیرِ مضطر
بزرگ بھی طفلِ دل کو اپنے سکھا رہے ہیں گناہ کرنا

جنابِ شیخ سے جا کر ذرا للہ کہہ دینا
کہ گمراہی تھی مجھ سے رند کو گمراہ کہہ دینا

بہت مشکل ہے بچنا بادۂ گلگوں سے خلوت میں
بہت آساں ہے یاروں میں معاذ اللہ کہہ دینا

دلِ مرا جس سے بہلتا کوئی ایسا نہ ملا
بُت کے بندے ملے اللہ کا بندا نہ ملا

گل کے خواہاں تو نظر آئے بہت عطر فروش
طالبِ زمزمۂ بلبلِ شیدا نہ ملا

بزمِ یاراں سے پھری بادِ بہاری مایوس
ایک سر بھی اسے آمادۂ سودا نہ ملا

واہ کیا راہ دکھاتے ہیں ہمارے مرشد
کر دیا کعبہ کو گم اور کلیسا نہ ملایا

وہ ادا کی کہ قضا آگئی خودداری کی
وہ نظر کی کہ اثر کر گئی جادو کی طرح

بہار آئی ہے اِک آئینہ معنی نشاں ہو کر
چمن میں پھرتے گل ہیں نرگسِ حیراں ہو کر

بنوگے خسرو افلیم دل شیریں زباں ہو کر
جہانگیری کرے گی یہ ادا نورِ جہاں ہو کر

کیا اچھا جنہوں نے دار پر منصور کو کھینچا
کہ خود منصور کو مشکل تھا جینا زیرِ داں ہو کر

میں بچتا یا تلاشِ پیر کی دیکر صلاح اُنکو
ہوئے وہ اور بھی ظالم مرے آساں ہو کر

مجھی سے سب یہ کہتے ہیں کہ نیچی رکھ نظر اپنی
کوئی اُن سے نہیں کہتا نہ نکلو بیباں ہو کر

زبانیں دیکھتے ہی آفتِ تقریر کو چپ ہیں
نگاہیں داستانیں کہہ رہی ہیں بیزباں ہو کر

فضائے منزلِ ہستی سے کیا تفریح ہو دل کو
مجھے زیرِ زمیں جانا ہے زیرِ آسماں ہو کر

یہ ارشاد آپکا بالکل بجا ہے حضرتِ واعظ
مگر میں کیا کہوں کچھ بن نہیں پڑتی جہاں ہو کر

پھری قسمت ہوا کی آپکی زلفوں کے صدقے میں
پریشاں ہو کے اُلٹی چل گئی عنبر فشاں ہو کر

خیالِ عزتِ مجنوں نہ چھوڑ اے دامنِ محمل
نہیں ہے ہوش اُسکو خود تو اور جا دامن کشاں ہو کر

نگاہیں کاملوں پر پڑ ہی جاتی ہیں زمانے کی
کہیں چھپتا ہے آکر پھول پتوں میں نہاں ہو کر

نہیں جنا کسی کا نقش اس دنیائے فانی میں
حباب آسا مٹا آخر ہے جو آیا جہاں ہو کر

حباب اپنی خودی سے بس یہی کہتا ہوا گزرا
تماشا تھا ہوا نے اک گرہ دیدی تھی پانی میں

ادائے شکر کر کے احتراز اولیٰ ہے اے اکبر
ہزاروں آفتیں شامل ہیں اُن کی مہربانی میں

لاکھ نعمت ہے اتنی آزادی
سانس لیتا ہوں بات کرتا ہوں

بنائے ملت بگڑ رہی ہے لبوں پہ ہے جان مر رہے ہیں
مگر طلسمی اثر ہے ایسا کہ خوش ہیں گویا اُبھر رہے ہیں

اِدھر ہے قوم ضعیف و بیکس اُدھر ہیں کچھ مرشدانِ خود بیں
اِدھر نشاں اسکا مٹ رہا ہے وہ نام پر اپنے مر رہے ہیں

کٹی رگِ اتحادِ ملت رواں ہے میں خونِ لکی رگوں میں
ہمارے سکو سمجھے ہیں آبِ صافی نما ہی ہیں نکھر رہے ہیں

صدائے اتحاد اُٹھ رہی ہے خدا کی اب یا اُٹھ رہی ہے
دلوں سے فریاد اُٹھ رہی ہے کہ دین سے ہم گزر رہے ہیں

قفس ہے اکہتی کا سیمیں پرے ہیں کچھ دانہ پائے شیریں
اُسی پہ مائل ہے طبعِ شاہینِ بال میں اب پر رہے ہیں

اگرچہ یورپ بھی مبتلا ہے وہاں بھی پھیلی ہے جی بلا ہے
خیالِ مغیر کا بڑھ چلا ہے۔ خدا کا انکار کر رہے ہیں

مگر وہاں کی بنا ہے نیشن رکھا ہے ملحد کا آپ رشن
نہیں ہے گم لفظ سالویشن خدا سے اب بھی وہ ڈر رہے ہیں

یہاں بجائے نماز گبر ہے وہاں وہی عزت بشپ کی ہے
یہاں مساجد اُجڑ رہی ہیں وہاں کلیسا سنور رہے ہیں

جنابِ اکبر سے کوئی کہدے کہ لوگ مجھے ہیں ہر طرح سمجھے
اس انجمن میں اور ایسی باتیں یہ آپ کیا فکر کر رہے ہیں

یہ طفلِ ناداں غریقِ غفلت ہوئے ولایت میں تن رہے ہیں
سمجھ نہیں ہے نظر نہیں ہے بنائی جاتی ہیں بن رہے ہیں

بہار ہی سے نہیں ہیں واقف خزاں کے ظلمت کو کیا وہ سمجھیں
یہ داغ تو ہیں اُنہیں کے دل میں جو محوِ رنگِ چمن رہے ہیں

بخشیں فضول تھیں یہ کھلا حال دیر میں
افسوس عمر کٹ گئی لفظوں کے پھیر میں

ہیں غش میں شیخ دیکھ کے حسنِ بتِ فرنگ
بج بھی گئے تو ہوش اُنہیں آئیگا دیر میں

چھوٹا اگر میں گردشِ تسبیح سے تو کیا
اب پڑ گیا ہوں آپ کی باتوں کے پھیر میں

داخل مری دانست میں یہ کام ہے پُن میں
پہونچائے گا قوت شجرِ ملک کی بن میں

تحریکِ سُدیشی پہ مجھے وجد ہے اکبر
کیا خوب یہ نغمہ ہے چھڑا دیس کی دُھن میں

مذہب نے پکارا اے اکبر اللہ نہیں تو کچھ بھی نہیں
یاروں نے کہا یہ قول غلط تنخواہ نہیں تو کچھ بھی نہیں

---

۵۱ ادبیات ۵۲ قومیت ۵۳ عمل ۵۴ نجات ۵۵ پارسی ۱۲

سب ہو چکے ہیں اُس بُتِ کافر ادا کے ساتھ
رہ جائیں گے رسول ہی بس اب خدا کے ساتھ

بیدؔ صحیح ہے جھوٹ سچ کی بڑی بحث ہند میں[۵۱]
رباعی
سچ کہتے ہیں جو جھوٹ کہیں ہم تو رو سیاہ
جھوٹے سہی پر آپ تو ہم پر ہیں حکمراں
جھوٹے ہیں ہم تو آپ ہیں جھوٹوں کے بادشاہ

اپنی ہستی جو حجابِ رخِ جاناں نہ رہے
واں رہیں ہم کہ جہاں پر کوئی ارماں نہ رہے
چشمِ نرگس سے کوئی حالِ حزیں کا پوچھے
دیکھتے دیکھتے کیا کیا گلِ خنداں نہ رہے
شوق کیا نظمِ سخن کا مجھے ہوائے اکبر
وہ زمانہ نہ رہا اور وہ سخن داں نہ رہے
یہ دردِ دل بھی نہ تھا سوزشِ جگر بھی نہ تھی
اِن آفتوں کی تو الفت میں کچھ خبر بھی نہ تھی
فلک نے کیوں شبِ فرقت مجھے ہلاک کیا
جمالِ یار نہیں تھا تو کیا سحر بھی نہ تھی
جو آپ ہوتے ہیں منکر تو خیر ہیں جھوٹا
مرا جگر بھی نہ تھا آپکی نظر بھی نہ تھی
نگاہِ قہر سے دیکھا یہ ہی غنیمت ہے
مجھے تو آپ سے امید اسقدر بھی نہ تھی
زخمی کیا سینے کو نظر ہے کہ غضب ہے
خوں ہو کے بھی قائم ہے جگر ہے کہ غضب ہے
گزری ہے شبِ وصل کہ آئی ہے مری موت
ہوتے ہیں وہ رخصت یہ سحر ہے کہ غضب ہے
وہ کہتے ہیں مے پینے کو تو بی نہیں سکتا
اے شیخ یہ اللہ کا ڈر ہے کہ غضب ہے
سینے سے لگا کر مجھے وہ آج یہ بولے
اکبر تیری آہوں کا اثر ہے کہ غضب ہے
عشوہ بھی ہے شوخی بھی تبسم بھی حیا بھی
ظالم میں ادا اک بات ہے اس کے سوا بھی
سالک کو دمِ تیغ ہے قطع رہِ توحید
دو ہو گیا اک آن میں چوکا جو ذرا بھی
سچ بات کا انکار میں کیونکر کروں اے بت
بیشک مجھے آتی ہے کبھی یاد خدا بھی
کچھ قدر نہ کی عہدِ جوانی کی صد افسوس
ہم رہ گئے غفلت میں یہ آیا بھی گیا بھی
سنتے ہیں کہ اکبر نے کیا عشقِ بتاں ترک
اس بات سے تو خوش نہ ہوا ہو گا خدا بھی
کہوں کس سے قصۂ درد و غم کوئی ہمنشیں ہے نہ یار ہے
جو انیس ہے تری یاد ہے جو تخیل ہے دلِ زار ہے

[۵۱] اشارہ ہے لارڈ کرزن کی مشہور سچ جلسہ کانووکیشن کلکتہ یونیورسٹی کی طرف جس میں ہندوستانیوں پر بالطبع جھوٹ بولنے کا اتہام لگایا

تو ہزار کرتا لگاوٹیں میں کبھی نہ آتا فریب میں
مجھے پہلے اسکی خبر نہ تھی تراد وہی دلکا یہ پیار ہے

یہ نوید اوروں کو جانفزا ہمہ اسیر دام ہمیں سے اے صبا
ہمیں کیا چمن ہے جو رنگ پر ہمیں کیا جو فصل بہار ہے

مجھے رحم آتا ہے دیکھکر ترا حال اکبر نوحہ گر
تجھے وہ بھی چاہے خدا کرے کہ تو جسکا عاشق زار ہے

قطعہ

سبحث میں مولوی نہ ہاریں گے
جاں ہاریں گے جی نہ ہاریں گے
مبتلائے بلا تو ہوں غافل
یہ بھی اللہ کو پکاریں گے

قطعہ

معنی کو بھلا دیتی ہے صورت کے تو یہ ہے
ٹیچر بھی سبق سیکھ لے زینت کے تو یہ ہے
کمرے میں جو ہنستی ہوئی آئی مس رعنا
ٹیچر نے کہا علم کی آفت ہے تو یہ ہے
پیچیدہ مسائل کے لئے جاتے ہیں انگلنڈ
زلفوں میں الجھ آتی ہیں آفت ہے تو یہ ہے
آپس میں موافق رہو طائف ہے تو یہ ہے
دیکھو نہ بہم عیب محبت ہے تو یہ ہے
تم اپنے طریقوں سے بنو عمدہ مثالیں
سچ کہتے ہیں ہم قوم کی خدمت ہے تو یہ ہے
اکبر کی غزل حسن کے یہ فرماتے ہیں جواب
حکمت ہے تو یہ ہے ظرافت ہے تو یہ ہے

رباعی

باغوں میں تو بہار درختوں کی دیکھ لی
کالج میں آکے کانووکیشن کو دیکھئے
لیموئے کاغذی تو بہت دیکھے آپنے
اب کاغذی ترقی نیشن کو دیکھئے
سنیئے حکمت جو مری گفتار میں ہے
اک حد ادب ہر ایک سرکار میں ہے
پروانے نے شمع سے لپٹنا چاہا
پہلے تھا نور میں اب نار میں ہے

جہاں نے ساز بدلا سازنے نغموں کی گت بدلی
گنوں نے رنگ بدلا نگنے باروں کی مت بدلی

نہ گلوں میں گلوں کی سی بو وہ رہی - نہ غزلوں میں لطف کی خو وہ رہی
نہ جیسوں میں رنگ وفا وہ رہا - کہیں اور کی کیا وہ ہمیں نہ رہے
نہ وہ آن رہی نہ امنگ رہی - نہ وہ رندی و زہد کی جنگ رہی
سوئے قبلہ نگاہوں کے رخ نہ رہے - در دیر پہ نقش جبیں نہ رہے

جو پیشوا خود ہوں رند مشرب تو کیا جمے رنگ وعظ مذہب
قلوب شیطاں کے منبع ہیں زبان قرآں پہ چل رہی ہے

خدا کی ساعت ہیں ماں کی صدیاں جی نہیں بہلتا ہماری بیباں
بلائیں آئیں اور آرہی ہیں کوئی گھڑی ہے کہ ٹل رہی ہے

اور بھی دورِ فلک ہیں ابھی آنے والے
ناز اٹھا نہ کریں ہم کو مٹانے والے

ہوائے دنیا بدل رہی ہے سرورِ روحِ اجل نہیں ہے
علوم کے باغ کو کھلے[۱] ہیں وہ بوئے رازِ ازل نہیں ہے

نظر کو حیرتِ بدن کو سکتہ نہ دل منوّر نہ روح شاداں
فروغ زورِ عمل ہے بے شک ظہورِ حسنِ عمل نہیں ہے

قطعہ

یہ دربار ہے خالقِ دو جہاں کا
ادب اپنا سکہ بٹھائے ہوئے ہے

نہ سمجھو کہ حاضر نہیں حق تعالےٰ
یہ عالم خود آنکھیں جھکائے ہوئے ہے

سدھاریں شیخ کعبے کو ہم انگلستان دیکھیں گے
وہ دیکھیں گھر خدا کا ہم خدا کی شان دیکھیں گے

بتانِ مغربی سے ہیں تعارف کی تمنائیں
میں دیکھوں گا انھیں اور وہ مرا ایمان دیکھیں گے

اکبر

(اکبر) خواجہ اکبر حسین صاحب اکبر - خواجہ خواجگان چشت خواجہ معین الدین اجمیری کی اولاد امجاد اور خواجہ ڈپٹی امام الدین صاحب آنرر کے برادر ہیں - آپکو فنِ سخن میں بھی غالباً انہیں سے استفادہ ہے - چالیس برس کے قریب عمر ہے طبیعت میں شوخی اور کلام میں بلند پروازی ہے - زبان بھی صاف ستھری ہے - انتخاب کلام ملاحظہ ہو ؎

خدا سے جو انکا گلہ ہو رہا ہے
وہ کہتے ہیں "ہیں ہیں یہ کیا ہو رہا ہے"

مجھی کو تو آتی ہیں تیری ادائیں
مجھی پہ تو عالم فدا ہو رہا ہے

فقط آپ ہی مجھ سے برہم نہیں ہیں
مرا دم بھی مجھ سے خفا ہو رہا ہے

دل اڑائے لئے جاتا ہے پریرو کوئی +
چل گیا چشمِ فسوں ساز کا جادو کوئی

بزم میں غیر کے پہلو سے وہ بچ کر بیٹھے +
یہ بھی اک چال ہے اسمیں بھی ہے پہلو کوئی

مرضِ دل کا بجز اسکے نہیں کوئی علاج
گلِ عارض کی سنگھاوے مجھے خوشبو کوئی

جلوۂ حسن سے معمور ہوا ہے عالم
نہ مسلماں ہے کوئی نہ ہے ہندو کوئی

دل تو دل تیری طرف میں بھی کھنچا جاتا ہوں
مجھ پہ چلتا نہیں اب میرا بھی قابو کوئی

حسرت اے ذوقِ طپیدن کہ ہے جینا دشوار
ذبح کرتا ہے و باکر تہِ زانو کوئی + +

[۱] اسمیں یہ مژدہ رعایت ہے کہ ہندوستان کے مشہور مجسٹریٹ اور پولیٹکل لیڈر کا یہی نام ہے ۱۲

رہ گئی اُس قدر انداز کی چٹکی میں قضا
نہ وا تیر مرے دل میں ترازو کوئی

گالیاں کھاتے ہیں اکبر تو کچھ ہے اسکا سبب
ورنہ طاقت سے کسیکی جو کہے تو کوئی

آزردہ ہو کے آپ نہ اے جان جائیے
مَن جائیے خدا کے لئے مان جائیے

یا پھینک دیجئے چیر کے پہلو سے دل کو آپ
یا دل کے سب نکال کے ارمان جائیے

تقصیر تھی کسیکی کسی پر خفا ہوئے
اِس آپ کی سمجھ کے بھی قربان جائیے

میں سخت جاں ہوں کٹ نہ سکے گا مرا گلا
ناحق کو ہونگے آپ پریشان جائیے

تو کہتے کہتے گالیاں دینے لگے حضور
کیا خوب بول چال ہے قربان جائیے

دشمن سے صاف ہمسے مکدر رہے مدام
اس آپ کی صفائی کے قربان جائیے

اکبر

(اکبر) منشی محمد اکبر نام ہے۔ منشی فیروز خاں فیروز باشندہ رام پور تلمیذ حضرت داغ مرحوم کے شاگرد رشید ہیں۔ موزوں طبع بھی ہیں اور مذاق بھی اچھا معلوم ہوتا ہے اپنے اُستاد کے رنگ پر چلتے ہیں۔ ۳۳ و ۳۴ برس کی عمر ہے۔ منتخب کلام درج ذیل ہے ؎

لازم ہے رحم بلبلِ شیدا کی جان پر
فصلِ بہار ہے نہ کتر باغبان پر

اب موت ہی نہ آئے تو پھر اسکا کیا علاج
سو بار ہم تو کھیل چکے اپنی جان پر

دوستی کے جو کیا کرتے ہیں دعوی اجاب
وقت پڑتا ہے تو سب آنکھ چرا لیتے ہیں

جب قاصدِ خیال کا واں تک گزر نہو
پھر کیا شکایت اپنی رسائی اگر نہو

یوں آنکھ میں رہو کہ نہو پتلیوں کو بار
اس طرح دل میں آؤ کہ دل کو خبر نہو

ہر دم ترفیاں ہیں تمہارے جمال کو
آئینہ بار بار نہ دیکھو نظر نہو

اکبر

(اکبر) منشی محمد اکبر خان باشندہ کانپور شاگرد سالم لکھنوی۔ دور موجودہ کے شعرا میں اِن کا شمار ہے نتیجہ فکر ملاحظہ ہو ؎

دُھن ہے اُنہیں ایجاد کوئی طرزِ جفا ہو
بیداد کا انداز نرالا ہو نیا ہو

یہ بوٹا سا قد اور یہ رفتار ستم خیز
کس طرح قیامت نہ بپا ہو

جس حشر کو ہم روز جزا سمجھے ہوئے ہیں — وہ بھی نہ اُسی کافر بدخو کی ادا ہو
جب آ کے نہ دیں زہر بھی وہ ہاتھوں سے اپنے — بیمار تپِ ہجر کی کیا خاک دوا ہو
دشمن کو عطا بوسۂ لب ہو مرے ہوتے — ہونٹوں پہ تو دم کس کے ہو اور کسکی دوا ہو
شکوہ ستم بار کا سُنکے سے ہوا اکبر — ہو شکر بہر حال وفا ہو کہ جفا ہو

اکبری (اکبری) دیوان پنڈت امرناتھ صاحب مدن اکبری مغفور خلف اکبر امارت و ایالت پناہ گاہ خیر اندیش دولت عالیہ دیانت وار مشیر خاص مدار المہام راجہ دینا ناتھ صاحب راجہ کلانور دیوان صاحب اوائل میں سرکار مہاراجہ رنجیت سنگھ مشیر پنجاب اور مہاراجہ دلیپ سنگھ میں اور بعد الحاق پنجاب سرکار انگلشیہ میں عمدہ ہائے جلیلہ پر ممتاز رہے - آپکے بزرگوں کا وطن دہلی تھا مگر آپ نے لاہور میں نشو و نما پائی تھی - انجام کار یکم اگست ۱۸۶۶ء کو بمرض ہیضہ بعمر بیالیس سال سُرگباش ہوئے دیوان صاحب مغفور نہایت باخبر مطالعہ پسند لایق - فقیر دوست امیر تھے سیاحی کا بڑا شوق تھا چنانچہ اکثر بلاد ہندوستان مثل بنارس - گیا - لکھنؤ - دہلی کی سیر کی تھی علم ہندسہ و حساب میں وحید زمانہ تھے فارسی بیشتر اور ریختہ کم کہتے تھے دیوان فارسی معہ غزلیات اُردو پنڈت صاحب کے خلف الرشید دیوان پنڈت رام ناتھ صاحب مرحوم سابق ڈسٹرکٹ جج نے شایع کرادیا تھا - اُسکا انتخاب حاضر کیا جاتا ہے ۵

یادِ وحدت میں تعلق کا جو پردہ اُٹھا — صاف ہستی کا ہمیں آپ ہی دھوکا اُٹھا
انساں کو حق نے نور کا مظہر بنا دیا — اِک مشتِ خاک تھا جسے جوہر بنا دیا
خونِ جگر سے ہمنے کیا دل کو لالہ زار — داغِ جنوں سے دل کو مشجر بنا دیا
کون وہ ہے جو ترا طالبِ دیدار نہیں — کون اِس چشمِ سیہ مست کا بیمار نہیں
مردانِ خدا خواہشِ دنیا نہیں کرتے — آزاد رہِ و رسم کی پرواہ نہیں کرتے
کیوں ہمکو دکھاتے نہیں تم دستِ حنائی — ہم خوں کا کچھ آپ پہ دعوے نہیں کرتے
زاہد نہ کریوا اپنی عبادت کا کچھ گھمنڈ — شیطاں کی ایک دم میں خدا سے بگڑ گئی

اکرام

(اکرام) حکیم اکرام اللہ خاں ولد حکیم ہدایت اللہ خاں - علم طب میں اپنے چچا حکیم سعادت اللہ کے شاگرد تھے - دہلی کی جامع مسجد کے قریب آپکا مکان تھا - مومن اور ذوق کے آپ ہمعصر تھے اس سے زیادہ نہ تو حال معلوم ہوا نہ کلام ملا - دو شعر دستیاب ہوئے جن میں سے ایک اپنے رنگ میں لاجواب ہے ؎

میرے رنج دل کو تم ہرگز نہ پوچھو دیکھ لو — جائے آنسو کے رواں خونِ جگر ہونے لگا
آرزو وصل کی مٹانی تھی — کیا ہوا گر مٹا دیا دل کو

اکرم

(اکرم) مرزا محمد اکرم - نواب عماد الملک غازی الدین خاں فیروز جنگ وزیر عالمگیر ثانی کے مصاحبت کی بدولت اپنے اقران و اماثل میں ممتاز تھے اور خود بھی وہ قابل صاحب استعداد زندہ دل - بذلہ سنجی اور لطیفہ گوئی میں فرد تھے - چند اشعار تذکرہ قدرت اللہ شوق میں نظر سے گزرے درج تذکرہ کئے گئے - انکے بیٹے مرزا ابلاقی بھی فکر سخن کرتے تھے - اٹھارویں صدی کے آخر میں حیات تھے اور شاہجہاں آباد میں سکونت تھی ؎

یہ داغِ دل کسیکو دکھایا نہ جائے گا — اس آبلہ کو ہاتھ لگایا نہ جائے گا
دل تڑپے ہے اور دیدہ تکے راہ کسیکی — یارب نہ کسی دل کو لگے چاہ کسی کی
یوں اشک کے آتا ہے ہر اک لخت جگر سے — جیسے کہ ندی آتی ہو بنگاہ کسیکی

اکرم

(اکرم) محمد اکرم متوطن موضع موئی - جوان قابل - صاحب طبع سلیم تھے - اکثر جنگ نامہ کہا کرتے تھے - شاہ عالم ثانی کے زمانہ میں حیات تھے - تذکرہ قدرت اللہ شوق میں انکا ذکر آیا ہے - ریختہ کیطرف توجہ کم تھی - چند اشعار نتائج افکار سے درج کئے جاتے ہیں ؎

امید وصل ہی میں کٹی عمر یا نصیب — ارمان دل میں رہ گیا بوس و کنار کا
جب کبھی بنکے وہ بانازو ادا آتا ہے — دیکھ اُس بت کو مجھے یاد خدا آتا ہے
قاصد سچ کہہ تجھے اپنے خدا کی سوگند — اُس کی محفل میں کبھی ذکر مرا آتا ہے
کہنے لاگا کہ میں زیادہ تو نہیں واقف لیک — غیر دشنام نہ واں نام ترا آتا ہے

قطعہ

اکرم (اکرم) تخلص ہے کسی خوش فکر باشندہ محمد آباد ضلع اعظم گڑھ کا - زمانہ حال کے موزوں طبع شعرا میں سے ہیں - یہ خلاصۂ افکار ہے ؎

مسی پردہ کیا پان کھائے ہوئے ہیں	دھوئیں سے وہ شعلہ اُٹھائے ہوئے ہیں
نہیں پاس دل بھی کروں پیش کش کیا	مرے گھر وہ مہمان آئے ہوئے ہیں
مر کر بھی تیرے زیر قدم گھر بنائیں گے	قبر اپنی تیرے در کے برابر بنائیں گے
کہتا ہے ناز اُنسے ذرا تم جوان تو ہو	طرز ستم سکھا کے ستم گر بنائیں گے
ہنس کر وہ بولے تجھکو رُلاتے ہیں اسلئے	ہم تیرے اشک چشم سے گوہر بنائیں گے
دنیا کی کج ادائی سے گھبرا گیا ہے دل	دور فلک سے گھر کہیں باہر بنائیں گے

اکمل (اکمل) محمد مبین جان نام اورالہ آباد کے رہنے والے تھے زیادہ حال معلوم نہیں کلام حاضر ہے ؎

زندگی منظور تھی میری تو آتے نزع میں ✣	قبر پر اب آکے پچھتانے سے کیا حاصل ہوا
ہزاروں پھرتے ہیں دیر و حرم میں آوارہ	ہمیں کچھ ایک ترے عشق میں خراب نہیں
زندگی کا لطف بے عشق بتاں ملتا نہیں	دل لئے پھرتے ہیں کوئی دلستاں ملتا نہیں
دیدۂ حق بیں نہ تھے محتاج دیدار حبیب	کوئی ایسی جا نہیں ہے وہ جہاں ملتا نہیں
لائی ہمیں اس وادی پُرخوف میں جنت	غالب ہے قضا بھی نہ جہاں بھول کے جھانکے
کچھ نہیں گل کو خبر بلبل کے حال زار کی	باغباں کیسی ہوا بدلی ہے اس گلزار کی
اس کا بنانا اور بگڑنا یار کے ہاتھوں رہا ✣	خانۂ دل کو ضرورت کب ہوئی معمار کی

اکمل (اکمل) حکیم محمد اکمل خاں ملازم دربار نیپال - مولانا شوکت میرٹھی سے ارادت رکھتے ہیں یہ آپکا کلام ہے ؎

قدم رکھنا سمجھ کر سوچ کر نفع و ضرر اپنا	فقط ایک سودا سودے کا ہے بازار محبت میں
رضا پر تیرے راضی یا الٰہی میں رہوں ہر دم	تمنا ہو نہ جنت کی نہ کچھ ڈر ہو جہنم سے

بہت ارماں ہیں دل میں اک نظر دیکھا تو کیا دیکھا
اجی پیاسے کی ہوتی ہے کہیں تسکین شبنم سے

ریا گر چھوڑ دے زاہد تو خود کعبہ ہو دل تیرا
دھلی بھی ہے کہیں دل کی سیاہی آبِ زمزم سے

وہ ہی ہیں فخرِ آدم جو برائے قوم حاضر ہیں
قلم سے جان سے دل سے زباں سے مال و درہم سے

اکمل (اکمل) مولانا قاضی محمد ظہور الدین خان باشندہ گولکی نواح گجرات پنجاب - مولانا شوکت میرٹھی سے اصلاح لیتے ہیں مولوی فاضل کے درجے تک تعلیم پائی ہے - اخبارات میں بھی اکثر مضامین شایع کرتے رہتے ہیں - یہ آپ کا کلام ہے ؎

لو دل کی لگی رہتی ہے کیوں شمع رخوں سے
ان سے تو سوا داغ کے حاصل نہیں ہوتا

ہوا میں خاک پھر بھی آئینہ رو کو دورت ہے
ستارا خاکساری کا مری اب بھی نہیں چمکا

گاہ بجلی شعلہ زن ہے گہ ہوا بر باد کن +
تختۂ مشقِ ستم ہے آشیانِ عندلیب

وہ شوخ چشم مست کو گردش بھی دے ذرا
ہو دم کے دم میں دہر کا نقشہ الٹ پلٹ

ہے بوسہ کے سوال پہ ہر دم نہیں نہیں
کب تک رہے گی تیری یہ لے نازنیں نہیں

ہر رخنے میں جلوہ گر ہے مکاں ہو کہ لامکاں
آنا نظر وہ پھر بھی کسی کو کہیں نہیں

اکمل (اکمل) منشی اکمل علی اکمل - کلکتہ کے ایک خوشگو موزوں طبع نوجوان ہیں طبیعت کا رنگ مفصلۂ ذیل اشعار سے آشکار ہے ؎

یہ زبانی غمگساری چھوڑ دے
ہم کو حالت پر ہماری چھوڑ دے

اے جنوں دیوانگی ایسی بھی کیا
دامنِ بادِ بہاری چھوڑ دے

مدتوں میں جسکے ہاتھ آئی ہو وہ
آستیں کیونکر تمہاری چھوڑ دے

خونِ اکمل اپنی گردن پر نہ لے
یہ نہ کہہ امیدواری چھوڑ دے

الحمد (الحمد) مولوی الحمد نام - مولانا نظام الدین مجذوب کے شاگرد اور مولانا فخر الدین کے مرید با ارادت تھے - ایک عرصۂ دراز تک اُنکی خدمت میں رہکر علوم باطنی حاصل کئے - زیادہ وقت درس تدریس میں صرف ہوتا تھا فارسی کی استعداد عالمانہ تھی - نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ کے احباب میں تھے - کلام ملاحظہ ہو ؎

بسمل مجھے نہ چھوڑ تو اے یار دیکھنا — ایسا ستم نہ کیجیو اے یار دیکھنا
جاں لب تشنہ جگریاں سے چلا جاتا ہوں — لے خبر جلدی سے ساقی کہ مُوا جاتا ہوں
مت ہم آغوشی کو آتا مری اے سیلِ سرشک — اپنی ہی موج میں میں آپ بہا جاتا ہوں

الطاف (**الطاف**) منشی محمد لطافت حسین الطاف ۱۸۷۸ء میں جالندھر کی چھاؤنی میں ملازم تھے اور گاہ گاہ شعر گوئی بھی کیا کرتے تھے مذاق سخن کا نمونہ حاضر ہے ؎

کیوں جھوم جھوم آتا ہے ابر بہار روز — ہوتا ہوں اسکی یاد میں میں اشکبار روز
راتوں کی نیند اُڑ گئی کیوں مدتوں سے ہائے — رہتا ہے کس کی یاد میں دل بیقرار روز
کب تک سیئے گا جیب و گریباں کو چارہ گر — دستِ جنوں کرے گا یونہی تار تار روز
الطاف لطفِ وعدہ کو اُسکے نہ جان سچ — کیا ایسے دیکھتا نہیں قول و قرار روز

الطاف (**الطاف**) منشی محمد الطاف حسین خاں معروف بہ چندا خاں صاحب باشندہ رام پور منشی محمد احسان علیخاں آحساں شاگرد رشید حضرت داغ کے عزیز و افر تمیز اور شاگرد ہیں اور اُنھوں نے انہیں متبنیٰ بھی کر لیا ہے۔ ریاست رامپور میں آپکا خاندان بڑا شریف اور معزز مانا جاتا ہے۔ فکر معاش سے بدرجہ اوسط فارغ البال ہیں۔ فارسی کی استعداد اچھی ہے اور فن موسیقی کا بھی شوق ہے چنانچہ ستار اچھا بجاتے ہیں۔ ۲۱ و ۲۲ برس کی عمر اور جوان وجیہ و خوبرو ہیں۔ اگرچہ ابھی نوعمقفی کا عالم ہے مگر طبیعت کی روانی اور فکر کی رسائی آیندہ ترقی کی گواہی دیتی ہیں زبان بھی صاف ستھری پائی ہے۔ بروقت ترتیب کچھ کلام ملا اُسکا انتخاب درج ذیل ہے ؎

تھا رقعہ ڈال دیا دستِ جنوں نے ایسا — کہ گریباں کا مرے تار سے ہے تار جدا
وہ خلش دوست ہوں رکھ لیتا ہوں پھر چھپا کہیں — جب مرے تلووں سے ہوتا ہے کوئی خار جدا
اپنے سرمست کی عشاق بلا لیتے ہیں + — دے کے دل جان کو خود روگ لگا لیتے ہیں
ایسی بھی داد و ستد دیکھی ہے دنیا میں کہیں — گالیاں دیتے ہیں معشوق دعا لیتے ہیں
یہ تھا معلوم اتنی مختصر ہو جائے گی — وصل کی شب بات کرنے میں سحر ہو جائیگی

محکو رسوا کر کے ہوائی سے بچنا ہے محال
تو بھی بدنام اے نگاہِ فتنہ گر ہو جائیگی

اسکو لذت درد کی کاوش کا ہے اسکو مزا
زخم و ناخن کی بہت اچھی بسر ہو جائیگی

آؤ آنکھو نہیں بچھالوں میں جو ہے خوفِ نظر
سات پردوں میں تمہیں کس کی نظر ہو جائیگی

کیوں نظربازوں کی نظروں سے لڑاتے ہو نظر
کچھ نظر اسپر بھی ہے صاحب نظر ہو جائیگی

دیکھنا ہر وقت یہ آئینہ کا اچھا نہیں ✤
کیا کروگے میری سی حالت اگر ہو جائیگی

کیا شفا ہو ہمکو خود بیمار ہے چشمِ مسیح
اچھے ہو جاینگے جب اچھی نظر ہو جائیگی

جانا **الطاف** تم قہرِ خدا نازل ہوا
مہربانی ان حسینوں کی جدھر ہو جائیگی

مری جاں خوب دل زلفوں میں پھانسا
بلا کو باندھ کر رکھا بلا سے

جوانی میں غضب ڈھائیں نہ کیونکر
وہ جب ہی فتنہ تھے جب تھے ذرا سے

تیر ارے ہیں کس قرینے کے
نہ جگر کے ہوئے نہ سینے کے

برسیں گر زیر نظر نہیں آتے
آپ ہیں چاند کس مہینے کے

چارہ گر زخم دل کے رہنے دے
رفو کرنے کے ہیں نہ سینے کے

ہمارا کام اچھا بھی بُرا ہے ✤
عدو کی بات بیجا بھی بجا ہے

ترقی پر ہے ایسا سوزِ الفت
کہ دل کا داغ دل سے بڑھ گیا ہے

ہر کلی باغ میں اک پھول نظر آتی ہے
گل کھلاتی ہوئی یہ بادِ سحر آتی ہے

(الفت) منشی منگل سین کایستھ عظیم آبادی شیخ قلندر بخش جرأت کے شاگردوں میں نامور ہوئے ہیں اُسی زمانہ میں دہلی آئے تھے کلام دستیاب نہیں ہوا ایک شعر تبرکاً لکھا جاتا ہے اسی ایک شعر سے انکی مضمون خیز طبیعت کی قابلیت اور شوخی کا پتہ چلتا ہے ۵ الفت

ہر قدم پر یاں تلک آنے میں سو موانع ہیں
کیونکہ گھر جانے لگے شام و سحر دو چار کے

(الفت) منشی آنند رام الفت - باشندہ عظیم آباد ۱۸۰۳ء میں حیات تھے زیادہ حال معلوم نہیں ۵ الفت

دل پیش کش ہے نذر ہے یہ جانِ زار بھی
لکھدیں مگر حضور پہلے نباہ کا

بیعت مجھے بھی مشربِ پیرِ مغاں میں ہے		ساقی ادھر بھی دورِ کرم کی نگاہ کا
آباد یہ میکشی رہیں ساقی کا بھلا ہو		پھر قلقلِ مینا کی بلند آج صدا ہو
پھر زخمِ کہن آج مرے دل کا ہرا ہو		قاتل دمِ شمشیر دمِ بادِ صبا ہو

الفت (الفت) منشی شیونرائن الفت ورما مختار ساکن بھیل پور - دورِ موجودہ کے شعرا میں سے ہیں - کلام کا انتخاب درج ذیل ہے ؎

جی سے ہم جائیں اُنہیں پروا نہیں		ہے یہ کیا گر غمزہ بھی جانہیں
خواب میں بھی رہتے ہو تم دور و دور		اسقدر کھنچنا تمہیں زیبا نہیں
بن بن کے تم آئینہ عبث دیکھ رہے ہو		ہم مرتے ہیں جس پر وہ ادا اور ہی کچھ ہے
ڈرتے ہیں کہ تم کھینچ نہ لو ہاتھ ستم سے		کیا تم سے کہیں لطفِ جفا اور ہی کچھ ہے

الفتی (الفتی) راجہ پیارے لال ولد لالہ سکھن جی کایستھ دہلوی - فارسی انشا پردازی میں مہارتِ کامل حاصل تھی - چنانچہ وجاہت خاندانی و ذاتی لیاقت کے سبب کئی برس حضرت اکبر شاہ ثانی کے میر منشی رہے - پھر ترکِ وطن و روزگار کر کے عظیم آباد جا بسا تھا - شعرا کے بڑے قدر دان تھے - انکی ایک مثنوی نیرنگ تقدیر جامع تذکرہ کے پاس موجود ہے - پٹنہ میں ابتک آپکا خاندان باعزت و آبرو موجود ہے آپکا کلام ضائع ہو گیا ہے تبرکاً ایک شعر درجِ تذکرہ کیا جاتا ہے ؎

خاکساری سے مثالِ نقشِ پا		جس جگہ بیٹھے وہیں کے ہو گئے

الم (الم) خواجہ صاحب میر دہلوی خلف خواجہ میر درد - ۱۹۴۵ھ میں بطریق سیر مرشد آباد بھی تشریف لے گئے تھے اور راجہ دولہ رام کی قدر دانی سے چند سے وہاں قیام بھی کیا پھر کچھ دن عظیم آباد بھی رہے عاشق مزاج رند مشرب شخص تھے مگر بہ لباس فقر زندگی بسر کرتے تھے - اپنے چچا خواجہ میر اثر کے بعد درگاہ آبائی کے سجادہ نشین بھی رہے - مسترقمین بحوالہ مصحفی لکھتے ہیں کہ مرشد آباد میں ایک خواص دولت رام سے الفت ہو جانے کے باعث وہاں رہ پڑے تھے - ۱۱۹۶ھ عزیں آپکا عالم شباب تھا کلام بہر رسیدہ کا انتخاب درج ذیل ہے ؎

میں پھروں کیوں نہ بیقرار ہوا — تجھ سے بدقول سے قرار ہوا
مثل آئینہ محوِ حیرت ہوں — آہ کس مکھڑے سے دوچار ہوا
اب تو اُس بت کو ہے نے رام کیا — بس خدا تجکو بھی سلام کیا
نے دل کو قرار بے قراری کے سبب — نے چشم کو خواب اشکباری کے سبب
واقف نہ تھے ہمتوان بلاؤں سے کبھی — جو کچھ دیکھا سو تیری یاری کے سبب

دھمکاتے ہیں بس آپ فقط مجکو اکڑ کر — باتکے ہو تو مونڈھا چلو مونڈھے سے رگڑ کر
ہنگامِ فغاں تھا خس و پنبہ قفس دوام — تارِ رگِ گل نے ہے رکھا ہمکو جکڑ کر
جب نامِ خدا دور سے وہ جلوہ نما ہو — مرجائیں صفوں کی صفیں حیرت سے بچھڑ کر
مندیل کا تو بیچ اُٹھا بیٹھے گا اے شیخ — چھُٹ اسکے نہ کچھ پاوے گا زنّاروں سے جھگڑ کر
آجاتا ہے دکھ درد بھلانے کو الم یاں — کیا اس سے مزا تم ہو اُٹھاتے بھلا لڑ کر

کیا کہیئے الم ایک گھڑی چین نہیں — معلوم ہوا کہ جیتے جی چین نہیں

(الم) صاحبزادہ محمد سعید خاں ابن صاحبزادہ امداد اللہ خاں تاب اوائل میں فردوس مکان نواب یوسف علیخاں ناظم رائی رامپور کے شاگرد تھے پھر اُنکے انتقال کے بعد صاحبزادہ عباس علیخاں بیتاب سے اصلاح لینے لگے۔ خوش فکر و باذاق آدمی تھے۔ نقاشی کا بھی شوق تھا۔ ۳۶ برس کی عمر میں ۱۵ جمادی الآخر ۱۲۸۲ھ کو انتقال فرمایا۔ کلام موجود ہے ؎

عشق بازی کے لئے چاہیئے پتھر کا جگر — ہمنے اس کام کو سب کاموں سے مشکل پایا
ہوا رُخ ادھر اُس کی زلفِ دوتا کا — بچائے خدا سانپ سا ہے بلا کا ؎
ہمنے تیری زلف و رُخ کی یاد میں — روتے روتے صبح کردی شام سے
الم کو کہتے ہو شاد کسی پر مرتا ہے — وہ مبتلا ہے تمہیں پر تمہیں خبر بھی ہے
کس دن الم نصیب ہوئی تھی وفائے یار — کمبخت ہم جفا کے بھی ارماں میں رہ گئے

(الم) مولوی سید احمد شاہ الم تلمیذ خواجہ ولایت علی سرور لکھنوی پشاور کے رہنے والے

سنہ ۱۸۸۱ء تک کلکتہ میں مقیم تھے - زیادہ حال معلوم نہیں - یہ آپکا کلام ہے ؎

نرغے میں ان بتوں کے میں بیطرح پھنس گیا	تو ہی بچانے والا ہے پروردگار دل
دن بھر ہے مجکو روز قیامت کا سا سما	شب بھر تمہارے ہجر میں ہے بیقرار دل
جان شیریں مفت کیوں دیتا ہے تو	اتنا سمجھا دے کوئی فرہاد کو
دیکھتے ہی خون میرا وقت ذبح	گر پڑا غش آگیا جلاد کو
بیطرح عشق دست حنائی ہے اے الم	چھوڑینگے اب یہ خاک میں ہمکو ملا کے ہاتھ
باہیں گلے میں ڈال کے دیتا ہے جام مے	صدقہ میں اپنے اُس صنم بادہ خوار کے

الم

(الم) حکیم میر مہدی حسین رضوی متخلص بہ الم و علم ڈاکٹر قلعہ گولکنڈہ حیدرآباد دکن خلف میر جعفر علی مرحوم جو میر حشمت علیخاں مرحوم عزیز نواب محترم الدولہ مغفور عرض بیگی کے بیٹے تھے - انکا سال ولادت ۱۲۸۳ھ ہے آپکے نانا نواب میر محمد حسین خاں عرف مغل صاحب نواب میر عالم صاحب دیوان دکن کے بھتیجے تھے آپنے حیدرآباد میں پرورش اور تربیت پائی - مڈیکل کالج واقعہ بلدہ میں کئی سال پڑھکر سند طبابت حاصل کی - چودہ برسکی عمر سے شاعری کا شوق ہے شروع کا کلام مرزا مہدی حسین خاں حنا بریلوی کو دکھایا اُنکے انتقال کے بعد ۱۳۰۵ھ میں حضرت داغ کی خدمت میں حاضر ہوئے - اور اُنکے زمانہ حیات تک مسلسل طور پر اپنا کلام اُنہیں دکھاتے رہے - فارسی میں آپ کو آقا سید علی شوستری طوبی سے فیض تلمذ حاصل تھا - علاوہ دیوان گلبن تاریخ - رسالہ معاشرت اور رسالہ ہادی آپکی تالیف سے ہیں - جسمیں سے اول الذکر چھپ گئی ہے - اب اکثر مرثیہ گوئی کا اتفاق ہوتا ہے ہنگام ترتیب کچھ کلام عنایت کیا اُسکا انتخاب حاضر ہے ؎

تجھ سے کافر سنگدل کو موم آخر کر دیا	کیوں اثر دیکھا ہمارے نالہ و فریاد کا
ان بتان سنگدل کی سختیوں کیواسطے	سینہ پتھر کا کلیجہ چاہیئے فولاد کا
اللہ اللہ بیکسی کی موت بھی کیا موت ہے	لے گئیں حوریں جنازہ عاشق ناشاد کا

شام وصالِ غیر ادھر ان کو پھیر لائے		امید تجھ سے اتنی بھی اے آسماں نہیں
میں ہی نہیں ہوں بدظن اس بزم میں سبھی ہیں		ہر اک سے آپ ایسی کیوں کرتے دل لگی ہیں
وعدہ کیا تھا تم نے آئیں گے ہم کسی دن		اُس دن سے میری آنکھیں دروازہ ہے لگی ہیں
دیکھا نہیں ہے تم کو گزری ہے ایک مدت		دیدار کو تمہارے آنکھیں ترس رہی ہیں
چاہا الم نے اُسکو تو اسمیں کفر کیا ہے		عشق آدمی سے کرتے دنیا میں آدمی ہیں
دل ہے مشتاقِ وصال آنکھیں ہیں مشتاقِ جمال		دیکھئے حشر اب اِن دونو کا کیا ہوتا ہے
اے الم جسکا توکل پہ رہے دار مدار		اسکا حامی و مددگار خدا ہوتا ہے

اے الم عاشقی بُری شے ہے		دیکھ جی کا ضرر نہ ہو جائے

جب دیکھئے بلند سوئے آسماں ہیں ہاتھ		زاہد قبول بھی ہوئی تیری دعا کبھی
یہ قیامت تو مری جان نہ ڈھائی ہوتی		دل چُرا کر نہ نظر تو نے چُرائی ہوتی
تو شبِ وصل ہوئی چار پہر میں رخصت		ایسے آنے سے تو بہتر تھا نہ آئی ہوتی

نہیں پاس کوئی ہیں تماشہ دیں	انتخاب	ادہر دیکھتے ہیں اُدہر دیکھتے ہیں
ہوئی انتہا صبر اہلِ حرم کی	ارسلام	عزیزوں کے نیزوں پہ سر دیکھتے ہیں

(الم) سید محمد زکی الم لکھنوی شاگرد جناب مونس مرحوم - اگرچہ دورِ موجودہ کے شعرا میں ہیں - مگر زیادہ حال معلوم نہ ہو سکا - انتخاب کلام درج ذیل ہے ؎ الم

ہاتھ اُٹھ کر رُکا جو قاتل کا		بڑھ گیا اضطراب بسمل کا
توڑیئے پھول دستِ نازک سے		بے چھری خوں ہو عنادل کا
قیس ناقے کے ساتھ ہے لیلیٰ		دیکھ پردہ اُٹھا کے محمل کا
سختیاں کرنے لگے نام وفا جانا رہا		اے بتو بالکل تمہیں خوفِ خدا جاتا رہا
لوٹنے کو دولتِ وصل آئے تھے اس بزم میں		نقدِ دل بھی ہاتھ سے اے دلربا جاتا رہا

(الہام) شیخ شرف الدین عرف شاہ ملول لکھنوی - بلادِ شرقیہ میں اُستاد مانے جاتے تھے الہام

پہلے ملول تخلص تھا پھر الہام رکھ لیا - لکھنؤ کے شیخ زادوں میں تھے - اور لباس فقر میں زندگی کے دن ٹیر کرتے تھے - زود گو اس درجہ تھے کہ روانیٔ طبع سے دریا کی طرح بہتے تھے فارسی اکثر کہتے تھے چنانچہ دو دیوان بھی مرتب کر لئے تھے - لکھنؤ میں انکے معتقد بکثرت تھے بقول مسٹر فیلن ۱۷۹۳ء میں ۱۰۰ برس سے زیادہ عمر تھی - منتخب کلام ملاحظہ ہو ؎

تری جدائی نے یاں تک ہمیں ملول کیا — کہ زندگی کے عوض موت کو قبول کیا
دیکھا نہ جس نے کبھو سیماب کا عالم — آ دیکھے وہ میرے دلِ بیتاب کا عالم
اے ابر مژہ ناصحوں کی ضد سے تو یکبار — سب ارض و سما دے نظر آب کا عالم
یاقوت کی رنگت پہ کبھی آنکھ بجا دے — دکھلاؤں اگر چشم کے خونناب کا عالم
کل پر تو حسنِ رخِ دلدار کے آگے — پھیکا نظر آیا ہمیں مہتاب کا عالم
مانی ترا وا اللہ یہ الہام ہو بندا — کھینچے تو اگر دل کے تپ و تاب کا عالم

اری میں کسی تیرے قربان ہوں — بُرے وقت میں ایک تو رہ گئی
قدر تو نے کچھ نہ جانی کوئے یا نیک تھے — نازبردار و نمیں پر ظالم ترے ہم ایک تھے

الٰہی (الٰہی) الٰہی بخش - الٰہی - سوداگر ریوان شاگرد امیر مینائی - غالباً یہ وہی شخص ہیں جنکا ذکر پہلے اثر تخلص کے ضمن میں آچکا ہے - کلام حاضر ہے ؎

بدگماں کیا وہ ستمگر ایجاد ہے — کی دعا بھی تو کسا فریاد ہے
بلبلوں کیوں شکوۂ صیاد ہے — اور کچھ دن قید کی میعاد ہے
دے چکے بوسہ گلے سے بھی ملو — ایک نکلی ایک حسرت اور ہے
بن سنور کر آتے ہیں وہ حشر میں — اک قیامت میں قیامت اور ہے
حسنِ مکمیں شیخ حوروں میں کہاں — ان حسینوں کی ملاحت اور ہے

الیاس (الیاس) سید مہر علی صاحب نبیرۂ نواب جہانگیر یار جنگ بہادر رئیس حیدرآباد دکن - آپکو میر خورشید علی نفیس کے نواسے جناب عارف سے تلمذ ہے ؎

حسن صورت آفریں ہو جائے تجھ پر آئینہ		دیکھ لے یوسف لقا صورت اُٹھا کر آئینہ
جائے حیرت ہیں جبیں و ابرو و عارض ترے		زیرِ خنجر آئینہ بالائے خنجر آئینہ
آپ سے بگڑے نہ اکدن ہے برابر کی یہ چوٹ		دیکھئے گا سورۂ اخلاص پڑھ کر آئینہ

امامی

(**امامی**) سید محمد خورشید بلگرامی خلف سید افتخار علی ذرہ - محرم ۱۲۱۱ھ میں پیدا ہوئے تھے اسلئے امامی عرف رکھا - پہلے اپنے والد سے پھر فرخ آباد جا کر مولوی ولی کے مدرسہ میں تعلیم پائی وہاں سے فارغ التحصیل ہو کر مذاق سخن بھی ساتھ لائے - فارسی میں صاحبِ دیوان و مثنوی تھے اُردو میں بھی کئی مثنویاں آپ نے نظم فرمائی تھیں - کلام ہدیۂ ناظرین ہے ؎

گلہ کرتا نہیں کچھ میں تری نامہربانی کا		مجھے شکوہ ہے اے ظالم تو بنی سخت جانی کا
آ کے وہ داغ دے گئے دل کو ٭		میٹھی باتوں سے لے گئے دل کو ٭
ہے احتیاج مجھکو نہیں قید بند کی		پابستہ تیرے عشق کا زنجیر کیا کرے

امانت

(**امانت**) میر امانت علی خلف کرامت علی ناگوری - جوانی میں کرنل سکنر صاحب کے یہاں میں سوار تھے بعد برخاستگی رسالہ جے پور جا کر ملازم ریاست ہوئے اور وہیں وارفتا سے عالم بقا کو سدھارے نتیجۂ فکر ملاحظہ ہو ؎

دیکھا نہ حور کو بھی امانت نے آنکھ اُٹھا		مارا ہوا تھا کس کی خدنگِ نگاہ کا
اللہ رے رسائی دستِ جنوں کہ اب		دامن کی راہ لی ہے گریباں کے چاک نے
ہم مرتے ہیں نشنگی سے ساقی کب سے		ظالم لبِ جام کو بھڑا دے لب سے

امانت

(**امانت**) سید آغا حسن خلف میر آغا رضوی لکھنوی روضۂ مشہد مقدس کے کلید بردار سید علی رضوی کی اولاد سے تھے - ان کی ولادت ۱۲۳۱ھ ہجری میں ہوئی ابتدا و اوائل مشقِ سخن میں مرثیہ گوئی کا شوق ہوا - میاں دلگیر سے جو اُس زمانے میں لکھنؤ کے مرثیہ گویوں میں نامور تھے تلمذ حاصل کیا - چند روز بعد غزل گوئی کی طرف توجہ فرمائی چونکہ میاں دلگیر نے عذر کر دیا کہ میں اب غزل نہیں کہتا - اس وجہ سے اُنہوں نے بھی اصلاح لینی ترک کر دی

بیس برس کی عمر میں کسی عارضہ کی وجہ سے آمانت کی زبان بند ہو گئی - اور مجبوراً بذریعہ تحریر کلام کرنا اختیار کیا - اس عالم میں ۱۲۶۰ھ ہجری تک گنگ رہے - آخر کار پروردگار کا فضل شامل حال ہوا اور کسی علاج سے یہ مرض کچھ جاتا رہا - بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ کربلا جاکر خود بخود زبان کھل گئی تھی سو دوبارہ گویائی پانے کے بعد بھی تادمِ مرگ زبان میں لکنت رہی - فنِ سخن میں معمے اور چیستاں کا بہت شوق تھا - ان کی تصانیف سے دیوان خزائن الفصاحت - گلدستۂ امانت - اندر سبھا - اور اکثر مرثیے شائع ہو چکے ہیں - رعایتِ لفظی و صنائع بدائع کا خیال انتہا کو پہنچا ہوا تھا چنانچہ اس وجہ سے اکثر لوگوں کے نزدیک اِن کا کلام عام فہم شاعری سے گر کر محض صنعتِ جگت یا رعایت لفظی کا مجموعہ سمجھا جاتا ہے بہرحال اپنے وقت میں لکھنؤ کے مشاہیر شعرا میں سمجھے جاتے تھے - اسیر - خواجہ برق - رشک - بحر - سحر - گویا کے ہمعصر تھے دیوان تمام کلام میں سے انکی دو تصنیفیں سب سے زیادہ مشہور و مقبول ہوئیں - ایک واسوخت دوسری اندر سبھا امانت - واسوخت کی شہرت محض رعایت لفظی سے (جو حقیقت میں اپنے رنگ کے لحاظ سے نہایت اعلیٰ درجے کی ہے) امید سے زیادہ ہوئی - اور اندر سبھا کو ایک انوکھی اور دل چسپ کتاب ہونے کے سبب قبول عام کی سند ہوئی - انکے دونو صاحبزادے لطافت - اور فصاحت - شعرائے لکھنؤ میں قدر و منزلت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں - اسمیں شبہہ نہیں کہ اُردو کے شعرا میں ذرا ما کی اشاعت کا موجد اگر کوئی ہو سکتا ہے تو امانت ہے انکی یادگار میں یہ ایجاد بہ کیفیت وقعت کی نگاہ سے دیکھنے کے قابل ہے - ۲۸ - جمادی الاولے ۱۲۷۵ھ میں بعارضۂ استسقا انتقال کیا اور بمقام لکھنؤ آغا باقر کے امام باڑہ میں مدفون ہوئے کچھ کلام انتخاباً درج ہے

پریوں کی محبت میں ایک حال ہے دونو کا	فرزانہ ہوا تو کیا دیوانہ ہوا تو کیا +
میخانۂ عالم میں دونو ہیں دلا یکساں	ہشیار ہوا تو کیا مستانہ ہوا تو کیا
دیدۂ تر میں مرے پھرتی ہیں لیفیں یار کی	دیکھ لو پانی میں لہراتا ہے جوڑا سانپ کا
نرگس کو باغباں سے محل ہے حجاب کا	چوری گیا چمن سے کٹورا گلاب کا

لطف اب زلیست کا ہے گوشِ ایام نہیں
مئے نہیں یار نہیں شیشہ نہیں جام نہیں

شرابِ محفلِ ساقی میں شیخ جی نے پی
کب ایسی جا پہ حلال و حرام دیکھتے ہیں

آنسو رواں ہیں زلف کے خیال میں
موتی پرو رہا ہوں ترے بال بال میں

سُرمہ کا دنبالہ ہو مشاطہ چشمِ یار میں
ہے عصا در کارِ دستِ مردمِ بیمار میں

عشق کا خنجر لگا ہے دل پہ کاری اندنوں
زخم کی صورت سے خوں آنکھوں سے جاری اندنوں

قاتل نہ بچے نہ جان گنہ گارِ زلف کی
تلوار کو بچھا لکفِ مارِ سیاہ میں

اندھیر ہے کہ آنکھ میں سرمہ کی جا نہیں
اتنے حسیں سمائے ہیں اپنی نگاہ میں

پردہ اُٹھاؤ در سے محرّم میں لو ثواب
رکھو سبیلِ شربتِ دیدار راہ میں

فصلِ گل میں رات دن بس ہم ہوں اور میخانہ ہو
ساقیٔ مہوش ہو مے ہو شیشہ ہو پیمانہ ہو

اے دلِ روشن فدائے جلوۂ جانانہ ہو
اے چراغِ چشم شمعِ طورکا پروانہ ہو

محوِ گلشن گر نگاہِ نرگسِ مستانہ ہو
شیشہ ہو تسمہ دشبنم مئے ہو گل پیمانہ ہو

صحنِ گلشن میں جو رقصاں ساقیِ مستانہ ہو
کبک سودائی ہو طاؤس چمن دیوانہ ہو

بزمِ عالم کے اسیروں میں عجب اندھیر ہے
جان یوں پروانہ دے اور شمع کو پروا نہ ہو

خالِ زیرِ زلف پر مرغِ دلِ عاشق ہے لوٹ
صید کی پھر کیا کمی جس دام میں یہ دانہ ہو

بزمِ عالم میں یہ ہر شب ہے امانت کی دعا
شمعِ روئے یار سے روشن مرا کاشانہ ہو

جو کھائیں نعمتِ دنیا کو ہم دلِ بے حلاوت ہو
اگر نوکِ زبان پر چاشنیٔ ترکِ لذت ہو

جلاتے ہو مجھے اغیار کا دل رکھتے ہو ٹھنڈا
کہیں برقِ غضب ہو اور کہیں بارانِ رحمت ہو

تصور چاہئے ہر صبح اُسکے مصحفِ رخ کا
سحر کے وقت بہتر ہے جو قرآں کی تلاوت ہو

نہا دھو کر کفن پہنے لحد میں جس سے سوئے
ترے بیمارِ الفت کو کہیں جلدی سے صحت ہو

کھڑے ہونے نہ پاتے تھے امانت جو کہ محفل میں
برابر وہ بیٹھے ہیں وبائے اُسکے زانو کو

شیریں لبوں کے عشق میں ہے تلخ زندگی
الفت کی چاشنی کا امانت مزہ ہے یہ

ہوں ناتواں چلونہ قیامت کی چال سے ٹھوکر لگاؤ قبر کو پائے خیال سے
لب جاں بخش کی الفت میں لب پر جان آئی ہے مریضِ عشق مرتا ہے مسیحا کی دوہائی ہے
مرتا ہوں ترے ہجر میں اے یار خبر لے اب جان سے جاتا ہے یہ بیمار خبر لے
خدا کی یاد کرتے ہیں تیوں سے گرم صحبت سے یہی مذہب یہی تقوی یہی اپنی عبادت ہے
فی سبیل اللہ پانی ان کو دو اے آبلو کانٹے اب دیکھے نہیں جاتے زبانِ خار کے
کوچۂ قاتل تلک اے دل رسائی کیجئے کاسۂ سر ہاتھ میں لے کر گدائی کیجئے

امانی (امانی) خواجہ امامی شاہجہاں آبادی خلف خواجہ آتشی بناہ گردی میں وطن چھوڑ کر مرشد آباد جا رہے تھے مرثیہ خوانی کو کسب معاش کا ذریعہ ٹھیرایا تھا چنانچہ وہیں ۱۱۷۶ھ میں شدت گریہ سے کسی مجلسِ عزا میں بیہوش ہو کر عالم بقا کی راہ لی آپکے طباع اور شوخ کلام ہونے میں شبہ نہیں شستہ اور لطف نے انکا تخلص امانی لکھا ہے اور بعض دیگر تذکرہ نویسوں نے امامی لطف کے قول کے بموجب ۱۱۸۷ھ سال وفات ہے یہ آپکے کلام بہم رسیدہ کا انتخاب ہے ۵

گھیرا ہے مجھے غم نے عجب حال ہے میرا اے نالۂ دل وقت ہے فریاد رسی کا
سینے میں جدھر رُو ہو ترا پھونکدے اے آہ ٹک دل سے خبردار کہ یہ گھر ہے کسی کا

اُسکے کوچے سے جو اک غبار اُٹھا کون ساواں سے خاکسار اُٹھا
عنہ لیبو سا و اب صحرا باغ سے موسمِ بہار اُٹھا
ہچکیاں لے گلا بیاں رویں بزم سے جب وہ میگسار اُٹھا
نہیں جو قدرِ اشک - عالم سے مویتوں کا مگر وقار اُٹھا

راہ تکتے تکتے آخر جی سے آیا تنگ دل آنکھیں تو پتھرا گئیں - پر وہ نہ آیا سنگدل
ہو چکا ہے غم سے خوں - اب جلد یہ جاتی کہیں خوف ہے یارب نہ بدلے اور بھی کچھ رنگ دل
وائے اپنی اس بصارت پر کہ ہر ذرہ میں آہ جلوہ گر ہے آفتاب - اور تاب بینائی نہیں
چمن سب لہلہاتے ہیں پڑے - بادل برستے ہیں شتاب آ ساقیا! ہم بادہ نوشی کو ترستے ہیں

مساوی جسا نبو خوش طالعی و کم نصیبی کو
امانی تو ہوا تیغ تغافل ہی ستی بسمل
ہم تر انزع فلک جو رہے جاتے ہیں
اثر ہو سنگ میں کیا - کیونکہ ان کو رام کریں
دو ایک بار بھی تیری نظر پڑے زاہد
زباں پر راز عاشق کا نہ لانا سر کٹا دینا

امانی ! منعم و مفلوک سب کے دن گذرتے ہیں
بھلا بتلائیے کس پر کہ اب آپ کستے ہیں
یاد آویں گے بہت اتنا کہے جاتے ہیں
بتوں کے دل ہوئے یارب تو آہیں کام کر کریں
صلاح و زہد رہے یہ - تو ہم سلام کریں
شستہ کس سے اٹھ آیا ہے یہ شمع شبستاں کو

مینے پہلو سے گم کیا تجھکو
اشک آوارگی سے تو نہ تھما
الہدر ے صنم یہ تری خود نمائیاں
چاہ میں کسکی دل ڈبو بیٹھے
کیوں امانی گیا نہ آخر دل
خوش خواب میں ہیں مگر جو اب نک

آہ دل - کن نے لیا تجھکو
مینے آنکھوں میں گھر دیا تجھ کو
اس حسن چند روزہ پہ اتنا غرور ہے
آہ ! ہم کیسے دل کو رو بیٹھے
کف افسوس اب ملو بیٹھے
جاگے نہیں خفتگان عدم کے

آنکھیں نہیں مندتی ہیں عجب جی پہ تعب ہے
مدت سے سر و کار غم ہجر سیتی ہے
بارہا منع کیا چھوڑ دے بے رحم کی چاہ
سیر گلشن کو میں جاتا تھا تو صیاد مجھے

یارب دل حیراں کو مرے کس کی طلب ہے
کچھ عیش سے تو کام نہ آگے تھا نہ اب ہے
باز نہیں آتا - امانی بھی عجب کوئی ہے
دیکھ کر دور سے بولا کہ شکار آتا ہے

نامہ بر کیوں زبانی کہ تڑپتے تجھ بن
شمع شب دیکھ مجھے صبح تلک روتی ہے

امجد

(امجد) مولوی علی احمد حسین امجد خلف فضل حسین متوطن بدایوں حضرت مذاق مرحوم کے ممتاز تلامذہ میں ہیں صاحب دیوان فارسی و اردو ہیں - کلام حاضر ہے ؎

جسکو ہم سمجھے تھے اپنا وہ ہی دشمن ہو گیا
بیگانے ہوئے اپنوں کے ہم آپ سے مل کر

رہنمائے راہ الفت ہائے رہزن ہو گیا
چھوڑا نہ وے آپ نے بیگانہ پن اپنا

اوروں کو مئے پلانے سے حاصل ہوا ثواب	اِک گھونٹ کیا مجھی کو پلانا گناہ تھا
حالِ امجد کا نہایت ہے بُرا	دیکھ جاؤ اُسے اچھا ہوگا

امجد (**امجد**) مولوی سجاد علی خلف مولوی ماجد علی چودھری انصاری باشندہ گنور - دور موجودہ کے شعرا میں ہیں - یہ آپکا کلام ہے ؎

دہر میں پھولا پھلا ہے گلستاں توحید کا	جا کے سُن ہر مرغ گلشن سے بیاں توحید کا
ہر اک جا سُنی ہے کہانی تمہاری	حسینوں میں شہرہ ہے جانی تمہاری
غضب جھیلا ہے جب کم سنی میں	تو ہوگی قیامت جوانی تمہاری
جو اک بوسہ مانگا ملیں گالیاں دس	یہ کیا کم ہے کچھ مہربانی تمہاری

امجد (**امجد**) شیخ امجد علی بنارسی اوائل میں منشی سرفراز علی رفعت بریلوی کو کلام دکھایا پھر اُن کے اُستاد جناب رحمت سے تلمذ اختیار کیا اور اب آخر میں حضرت داغ کے معتقد ہو گئے - کلام بہم رسیدہ کا انتخاب درج ذیل ہے ؎

جب میں کہتا ہوں وفا وعدہ مرے جاں نہ ہوا	ہائے کس ناز سے کہدیتے ہیں "جی ہاں نہ ہوا"
آئے تو آئے وہ تربت پہ مری بعد فنا	زندگی میں تو یہ پورا مرا ارماں نہ ہوا
دیکھ جاتے کبھی آکر مری بیتابی کو	تم سے اتنا بھی کسی رات مری جاں نہ ہوا
وصل کی اُس بت کے ساعت ہے تبارک آئینگی	غور سے تو ہاتھ میرا اے برہمن دیکھکر
غیر کے سر کی قسم بھی کھائیے اتنا پر	خالی وعدے سے تو اب تسکیں مری ہوتی نہیں
کسی کا ہائے یہ کہنا سرِ محفل قیامت ہے	یہ ہم پر جان دیتے ہیں یہ ہم پر مرنے والے ہیں
بیٹھا ہے کرنے رندوں سے تعریف حور کی	مئے پی کے آج شیخ کو سوجھی ہے دور کی
جسکی جھلکی سے ہوئے طور پہ موسیٰ بیہوش	لطف جب تھا کہ نقاب اسنے اُٹھائی ہوتی
چال ہی تو نے زمانے سے جدا رکھی ہے	اپنی رفتار قیامت سے ملا رکھی ہے
ہائے کہتا ہے کوئی ذکرِ وفا پر میرے	آپ ہی میں تو زمانے کی وفا رکھی ہے

شیخ صاحب سے عبث آپ کو انکار اس سے | لیجئے لیجئے پی لیجئے یہ پانی ہے ؂

امداد

(امداد) نواب ناصر جنگ امداد حسین خانصاحب بہادر خلف نواب مظفر جنگ نبیرہ نواب احمد خان بخشی فرخ آبادی - تذکرہ شوق میں انکا حال نظر سے گزرا - تبرکاً درج تذکرہ کیا گیا ؎

اوجانے والے یہ بھی ہے کوئی ادا کیطرح | جاتا ہے منہ چھپائے ہوئے آشنا کیطرح

امداد

(امداد) حاجی امداد علی خان نبیرہ نواب فیض اللہ خاں والی رامپور احمد خاں غفا کے شاگرد تھے پچھتر برس کی عمر پاکر ۱۲۸۴ ہجری میں انتقال کیا - یہ اُنکے شعر ہیں ؎

شب خفا بیٹھے بٹھائے ہمسے دلبر ہو گیا | گھر کیا اپنا یہاں واں غیر کا گھر ہو گیا

گلرخوں سے نہ مل آمداد بقولِ ناسخ ؂ | داغ حسرت کے سوا خاک نہ حاصل ہوگا

کردے شب تاریکی روشن | جب جانیں تجھے کہ مہ لقا ہے

امداد

(امداد) مرزا امداد علی لکھنوی مقیم مٹیا برج کلکتہ - مرزا علی جان شفق سے تلمذ تھا ۱۸۷۳ء میں کلکتہ میں زندہ وسلامت موجود تھے مندرجہ ذیل اشعار آپکے طبعزاد ہیں ؎

فراق میں لطف اُٹھا چکے ہیں کسے کہے ہم رُلا چکے ہیں | اثر یہ نالے دکھا چکے ہیں کہ دل تو کے ہلا چکے ہیں

سچ تو یہ ہے گر پسندِ خاطرِ عالی نہو | پھیر دیجئے آپ دل امداد کا امداد کو

پڑھتے ہی نامہ مرا کہنے لگا وہ رشکِ گل | مجکو بوئے عاشقی آتی ہے اس تحریر سے

امداد

(امداد) منشی سید امداد علی خلف سید بہادر علی مرحوم ساکن قصبہ رسولپور تحصیل سلون ضلع رائے بریلی اِن کا دیوان ۱۳۱۳ھ کا مطبوعہ نظر سے گزرا - نہایت جانکاہی سے یہ چند شعر اُس میں سے انتخاب کرکے درج تذکرہ کئے جاتے ہیں محض موزوں طبع ہیں کلام میں کوئی خاص بات نہیں ہے ؎

ہو گیا ہمسے جدا ہائے وہ دلبر اپنا | اب تو قابو میں نہیں ہے دلِ مضطر اپنا

گرمیٔ الفت سے کوئے یار کی ؂ | آگ دیتے ہیں لگا گلشن میں ہم

عنایت نامہ جو اُنکا دیا ہے نامہ بر مجھ کو | پڑھوں اسکو میں کیونکر خود نہیں اپنی خبر مجھکو

رازِ مخفی کی اگر ہوتی سمائی ہم کو | جلوۂ کون و مکاں دیتا دکھائی ہم کو

سامنے بورے کے تختِ سلیماں کیا تھا | کاش ملتی درِ جاناں کی گدائی ہمکو

امداد **(امداد)** شیخ امداد علی خیرآبادی برادر شیخ امید علی - زمانۂ حال کے شعرا میں ہیں - کلام حاضر ہے ؎

وہاں سینے پہ یہ اُبھرے یہاں دلمیں یہ اُبھرے ہیں | ہمارے داغ ملتے ہیں تمہارے اُبھرے جوبن سے
شگفتہ مثلِ گل دل بلبلِ قیدی کا ہوتا ہے | قفس تک نکہت گل جب صبا لاتی ہے گلشن سے
شہیدِ حسنِ جاناں ہوں کلیم اللہ سے کہدو | جلانے کو مرے مدفن پہ لائیں شمع ایمن سے
تمنا یہ ہے مرکو حسرتِ خاک اُڑاتی ہے | لپٹ کر روہی ہے بیکسی عاشق کے مدفن سے
ہوا جب سامنا تو بھی نہ لے امداد انہیں دیکھا | پڑے آنکھوں پہ پردے وہ نکل آئے جو چلمن سے

یہ قدموں سے حسینوں کے لگی ہے | نصیب اب تو چمک اُٹھے حنا کے

امداد **(امداد)** مولوی سید عنایت حسین باشندہ عظیم آباد پٹنہ - خان بہادر مولوی سید علی محمد صاحب شاد کے تلامذہ میں نامور ہیں - اچھا کہتے ہیں طبیعت میں درد اور کلام میں مزا ہے - اشعار ہم رسیدہ کا انتخاب حاضر ہے ؎

ہزار حرص نے جا تا کہیوں سے کام لیا | جو تھا نصیب میں اُس سے مگر سوا نہ ملا
تمام عمر کوئی در و آستاں نہ ملا | تلاش جسکی تھی دل کو وہ دلربا نہ ملا
دکھا دیا ہمیں کیا کچھ نہ چشمِ باطن نے | یہ کس طرح سے کہوں اپنا مدعا نہ ملا
یہ دوست چھٹا آج تو کل وہ ہوا سا ہی | آتی نہیں کانوں میں سوا اسکے خبر اور
وہاں گزر کہاں اس اپنے جسم خاکی کا | لباس تن اسی باعث بدل کے جاتے ہیں

اب عدم جانے کی تیاری ہے | مر چکا قیس مری باری ہے
تیرے دیوانے تجھے ڈھونڈھتے ہیں | یہ بھی اک طرح کی ہشیاری ہے
چھپے باغ میں کرے بلبل | پھر تو قسمت میں گرفتاری ہے
بسر عمر کی عشق میں مثل شمع | اُٹھے بزم ہستی سے جلتے ہوئے
دمِ نزع وہ آئے غیروں کے ساتھ | دیا اور اک داغ چلتے ہوئے

چلے نالے مانند تیرِ شہاب	خود اپنے ہی شعلوں میں جلتے ہوئے
کیوں غنی ہوں نہ ہم فقیری میں	ہیں گدا تیرے آستانے کے

امراؤ علی

(**امراؤ علی**) منشی امراؤ علیخاں - کوئل کے باشندے مگر اکثر آگرہ میں رہا کرتے تھے - چرب زبان ایسے تھے کہ حریفوں کو سامنے بولنے کی مجال نہ ہوتی اگرچہ اُجڈ تھے - مگر قوت بیانیہ - ذہن رسا اور تیزیِ حافظہ کی بدولت کاملوں کے پہلو بہ پہلو بیٹھتے تھے - اور کسی سے بند نہ ہوتے تھے صدہا الفاظ انگریزی - فرانسیسی اور ترکی کے ازبر تھے - ستر برس کی عمر میں قبل از غدر انتقال کیا

نزع میں دیکھ تو بولے ضعف آہا اسے	مرگ تک ہمسے رہیں کافر کی ٹھٹھے بازیاں
دو پھول کر کسی نے چڑھائے اُڑا دیے	بادِ صبا کو گورِ غریباں سے لاگ ہے

اَمّن

(**اَمّن**) میر امان دہلوی - بڑے نامور اور خاندانی شخص گزرے ہیں - فنِ شعر میں کسی سے اصلاح نہیں لی - اپنی طبیعت کی موزونی سے آپ ہی آپ شاعر بن گئے - بقول مسٹر فیلن - میر اَمّن خود فرمایا کرتے تھے کہ شاعری میرا پیشہ نہیں ہے - نہ میں کسی شاعر کا بھائی ہوں میری اُردو نکسالی اُردو ہے کیونکہ میں دلّی شاہجہاں آباد کا روڑا اور یہیں کا پروش یافتہ ہوں - میر اَمّن کے آباؤ اجداد ہمایوں بادشاہ کے وقت سے مغلیہ بادشاہوں کی خدمت میں باعزاز رہے - جب مغلیہ سلطنت کو زوال آیا اور سورج مل جاٹ کی حکومت کا ڈنکا بجا تو آپکی جاگیریں ضبط ہوگئیں - احمد شاہ درانی کے عہد میں جب انکا گھر تک لٹ گیا تو اُسوقت سے میر اَمّن نے اپنا وطن چھوڑ کر عظیم آباد کی سکونت اختیار کر لی کچھ دنوں بعد سلسلۂ روزگار کلکتہ گئے چند ہی روز گزرے ہونگے کہ ۱۸۰۱ء میں منشی میر بہادر علی صاحب نے ڈاکٹر گلگرسٹ صاحب کے روبرو پیش کر دیا اُس روز سے بے روزگاری کی شکایت رفع ہوئی اور کلکتہ مسکن ہو گیا چار درویش کے قصہ کا اُردو ترجمہ موسوم بہ باغ و بہار انہیں کا کیا ہوا ہے اور اسقدر مقبول ہوا ہے کہ صدہا مرتبہ مختلف مطبعوں میں چھپ چکا اور ابھی چھپے جاتا ہے - اُس زمانے کے مذاق کے موافق یہ قصہ نہایت دل چسپ اور بہت مرغوب ہے - اس کی اُردو صاف و سلیس

اور عام فہم ہونے کے علاوہ مستند و با محاورہ ہے۔

میر مومن پکے اور پورے شاعر تھے۔ مگر افسوس ہے کہ انکی پوری غزلوں کا پتہ نہیں لگتا مجبوراً انتخاب کلام میں بطور نمونہ ان کے وہ اشعار لکھے جاتے ہیں جو انھوں نے باغ و بہار کے آخر میں بطور خاتمہ تاریخ خود درج فرمائے ہیں اس سے بھی ان کی اندرونی طبیعت کا اندازہ ہو سکتا ہے اگرچہ کہیں کہیں اشعار میں اپنا تخلص لطف بھی ظاہر کیا ہے۔ مگر زیادہ تر مومن ہی مشہور ہے

مرتب ہوا جب کہ باغ و بہار	تھے سن بارہ سو سترہ در شمار
کرو سیر اب اسکی تم رات دن	کہ ہے نام و تاریخ باغ و بہار
خزاں کا نہیں اسمیں آسیب کچھ	ہمیشہ تر و تازہ ہے یہ بہار
مرے خونِ دل سے یہ سیراب ہے	یہ لختِ جگر کے ہیں سب برگ و بار
مجھے بھول جائینگے سب بعدِ مرگ	رہے گا مگر یہ سخن یادگار
اسے جو پڑھے یاد مجھکو کرے	یہی قاریوں سے ہے میرا قرار
خطا گر کہیں ہو تو رکھیو معاف	کہ پھولوں میں پوشیدہ رہتا ہے خار
ہے انساں مرکب ز سہو و خطا	یہ چوکے گا ہر چند ہو ہوشیار
میں اسکے سوا چاہتا کچھ نہیں	یہی ہے دعا میری اے کردگار
تری یاد میں میں رہوں دم بدم	کٹے اسطرح میری لیل و نہار
نہ پرسش کی سختی ہو مجھپر کبھو	نہ شب کو رکی اور نہ روز شمار
تو کونین میں لطف پر لطف رکھ	خدایا بحق رسولِ کبار

اُمّی (اُمّی) مرزا رحمت اللہ بیگ کیس برادر حمید اللہ ولد دارو غہ منصب مرسکا باشندۂ مرہٹہ و شاہ رایام دلی ہندی علم سے بے بہرہ اور شاہ نصیر کے شاگرد تھے۔ ترتیب گلشن بیخار سے پیشتر جوان دہلی میں انتقال کیا

جہاں زنجیر ہم سنتے ہیں منگوا مول لیتے ہیں	تری زلفوں کے سودے میں یہ سودا مول لیتے ہیں
جی دھڑکتا تھا کہ پہنچے میں نہ آجائے تپک	ہاتھ سے چھوڑ دیا مینے ترا جان کے ہاتھ

گرمیٔ مے سے زباں پر آبلے پڑتے ہیں کیا؟	اے مغاں اس میں مغیلاں کی بھی پرورش جہاں ہے

امید

(امید) مرزا محمد رضا معروف بہ تربیاش خاں۔ انکا اصلی وطن ہمدان تھا۔ ایام شباب میں اصفہان آکر مرزا اطاہر وحید کے شاگرد ہو کر کسب کمال کیا اور عالمگیر بادشاہ کے آخیر زمانہ میں وارد ہندوستان ہوئے۔ بہادر شاہ کے زمانہ میں منصب ہزاری پایا مگر اس اعزاز پر شاکر نہ ہوئے چنانچہ فرماتے ہیں ؎

مثل بلبل۔ کہ ہوں سدا نالاں	یہ مرا منصب ہزاری ہے

معزالدین جہاندار شاہ کے عہد میں دکن میں کسی خدمت پر مامور ہوئے۔ چنانچہ جب امیرالامرا حسین علیخاں نے داؤد خاں ناظم برہانپور پر فتح پائی تو یہ معرض تخفیف میں آئے اور حاضر دربار امیرالامرا ہوئے۔ چونکہ سلیقہ علم مجلس و مزاحدانی امرا میں ملکہ راسخہ حاصل تھا۔ امیرالامرا چند ہی روز میں ایسے خوش ہوئے کہ صوبہ کرناٹک کا داروغہ کر دیا۔ چنانچہ ارکاٹ جا کر کئی برس وہاں رہے بعد زوال دولت سادات بارہ نواب مبارز خاں ناظم حیدرآباد کی رفاقت اختیار کی۔ چنانچہ ۱۱۳۷ھ میں جب نواب نظام الملک آصفجاہ نے مبارز خاں کو میدان جنگ میں شکست دی تو یہ بھی اسیر ہوئے۔ چند روز میں ایک غزلی منظوم اور غزل نواب کی تعریف میں لکھ کر بھیجی جس پر از راہ قدر انی جاگیر قدیم بدستور بحال ہوئی۔ اور قلعہ داری منی سرک کی جہاں پہرے کی کان تھی مزید عنایت عطا ہوی — چنانچہ چند سال نہایت تزک و احتشام سے بسر کئے۔ انہیں ایام میں سعادت حج سے بھی مشرف ہوئے ۱۱۵۰ھ میں جب نواب آصفجاہ دہلی طلب ہوئے تو یہ بھی ہمرکاب حاضر دربار ہوئے۔ چنانچہ میر غلام آزاد اپنے تذکرہ میں بمقام بھوپال ان سے ملاقی ہونے کا ذکر کرتے ہیں۔ اور لکھتے ہیں کہ باوجود ولایت زادی ہندی راگوں کے گانے اور سمجھنے میں نہایت درجہ کمال حاصل تھا۔ اور لطیفہ گوئی میں بےمثل تھے۔

جس زمانہ میں نادر شاہ نے دارالخلافہ کو لوٹا آپ وہیں موجود تھے۔ جب بعد مراجعت نادر شاہ آصفجاہ واپس دکن جانے لگے تو یہ دہلی کی محبت کے مارے نوکری چھوڑ کر یہیں کے ہو رہے

آخر ۱۱۵۹ھ میں سکتے کی بیماری سے انتقال کیا۔ فارسی میں ۸۰۰۰ بیت کا دیوان ہے ہندی میں گاہے گاہے بطور تفریح شعر کہتے تھے ؎

تیری آنکھوں کو دیکھ ڈرتا ہوں	الحفیظ الحفیظ کرتا ہوں
یار بن گھر میں عجب صحبت ہے	در و دیوار سے اب صحبت ہے
درد دل اُس سے جو ہمنے کہا	ایسی حاصل ہوئی کب صحبت ہے
دستِ اغیار ہے زیرِ سر یار	آج امید کو بھی صحبت ہے

امید (امید) مرزا محمد اعظم علی امید مرحوم خلف مرزا فتح علیخاں ہروی رسالدار شاہی۔ نواسہ میر شجاعت علی بہادر رئیس مدراس۔ علم عروض و فن سخن کی تحصیل مولوی محمد صادق زہت لکھنوی اور مرزا حسن علیخاں بہادر حسن دہلوی سے کی تھی ملا محمد شریف ویرانی کے مرید تھے ۱۲۳۵ھ میں سرکار حیدرآباد میں ملازم ہوئے اور درجہ بدرجہ ترقی کر کے ۱۲۵۳ھ میں عہدہ جلیلہ تعلقہ داری صدر تعلقہ۔ فرخندہ بنیاد حیدرآباد پر زمانِ وزارت مہاراجہ چندولال میں سرفراز ہوئے فارسی کا ملکہ اچھا تھا اور زیادہ تر اسی زبان میں سخن طرازی کرتے تھے خمسہ اکثر کہتے تھے حافظ کی اکثر غزلوں پر مصرع لگائے ہیں ۱۲۷۵ھ میں آپکا مجموعہ نظم و نثر موسوم بہ مجموعۂ اعظمی امید شائع ہوا تھا وہ راقم کے پاس موجود ہے۔ انتخاب ملاحظہ ہو ؎

دل میں جسکے میں آنکھ میں تصویر جسکی ہو	ہر چند بھولے وہ بھلایا نہ جائے گا
یار اچھا ہے مگر ساتھ ہیں اغیار بہت	گل تو خوشرنگ ہے پر گرد خس و خار بہت
تیرے ہونٹوں میں شفا آنکھ میں امرت ہے بھرا	باہر آ بہر خدا بیٹھے ہیں بیمار بہت
فانوسِ دل سے بہتر کیونکر ہو آبگینہ	اشراف کے برابر ہرگز نہ ہو کمینہ

اگرچہ حسب ظاہر اب یہاں ہوں	تمہارا ہی دعاگو ہوں جہاں ہوں
نہیں اک خس جلانے کی بھی طاقت	اگرچہ سوز دل سے شعلہ ساں ہوں
یہی آئینِ دلداری ہے پیارے	جو ناحق مجھ پہ تو ایسا خفا ہے ؎

بجز اس کے دیدار کے اور جہاں میں
کسی شے کی مجھکو تمنا نہیں ہے
عاشق شبِ فراق نہ رو دے تو کیا کرے
اشکوں سے اپنے منہ کو نہ دھو دے تو کیا کرے

امید

(**امید**) امید تخلص اور شاید منشی فرحت علی نام تھا - نواب دُبّی کلب حسین خان بہادر کے تلامذہ میں ممتاز اور نامور ہونے کے علاوہ اپنے استاد سے بیحد الفت رکھتے تھے - اور اکثر اُنہیں کے ہمراہ رہا کرتے تھے - اُردو میں صاحب دیوان تھے چنانچہ انکا قلمی دیوان راقم تذکرہ کے کتب خانے میں موجود ہے - جسقدر کلام نظر سے گزرا اُس سے انکی نازکخیالی اور خوش فکری ظاہر ہے - زبان بھی صاف ستھری ہے اور بندش بھی درست کبھی کبھی فرحت تخلص بھی کیا کرتے تھے زیادہ حال معلوم نہیں - اب کلام ملاحظہ ہو ؎

بے فائدہ کرتے ہیں دوا میری اطبا
بیمار تری چشم کا اچھا نہیں ہوتا

سینہ میرا جو داغ داغ ہوا
دیکھکر یار باغ باغ ہوا
باز و ئے قاتل کو جب تکلیف ہو کیا لطف ہے
آپ بندہ کشتۂ تیغ ادا ہو جائیگا

دوشِ اغیار پر اُٹھوایا جنازہ پس مرگ
شیوہ چھوڑا نہ صنم تو نے دل آزاری کا
فرقتِ لیلیٰ میں مجنوں نے جو کھینچی آہِ گرم
خاک سا بس جلکے سارا نخلِ کاہن ہو گیا
سینہ کو داغدار کیا تم نے کیا کیا
لالہ کو شرمسار کیا تم نے کیا کیا
سجدہ کروں بت خانہ میں کیونکر نہ صنم کا +
نقشہ خمِ ابرو میں ہے محرابِ حرم کا
دستِ قاتل میں کل جو خنجر تھا +
اک جہاں ہاتھ میں لئے سر تھا +

ساربان روک ناقۂ لیلےٰ
قیس سے اب چلا نہیں جاتا
بیوفا ہیں کہ باوفا ہیں آپ
نہیں معلوم ہے کہ کیا ہیں آپ
بیوفاؤں سے آشنا ہیں آپ
آشناؤں سے بیوفا ہیں آپ
مٹّی کے مول خونِ عاشق ہے
ہاتھوں میں ملتے کیوں حنا ہیں آپ
سر کاٹکر تن سے اب جدا کیجے
درد سر کی مرے دوا ہیں آپ

اُسکو میں ساتھ لئے جاؤں گا اپنے تہ خاک
تیر سینہ پہ جو مارا ہے کماندار نہ کھینچ

وعدۂ وصل کیا ہے تو کرا اب اُسکو وفا
دلِ اُمید کی امید کو اے یار نہ توڑ

زنجیرِ زلف ہاتھ نہ آئی کسی طرح
پاؤں میں بہنے پہنیں ضم ہیڑیاں تلک

بلبلے وحشت واہ رے دیوانگی ✤
اپنے سایہ سے بھی رم کرتے ہیں ہم

دیکھتے ہیں جب وہ بکھرا چاند سا
سورۂ والشمس دم کرتے ہیں ہم

بسمل مجھے کیا ہے تو اب قتل بھی کر دو
بسمل چلے ہو چھوڑ کے اے دیدۂ جاں کہاں

باغباں ہمکو ہے اب طاقتِ پرواز کہاں
اونچی کیوں کرتا ہے تو باغ کی دیواروں کو

یہ خوف ہے کہ نہ ساتھ اسکے دل بھی آئے نکل
ہمارے سینے سے قاتل نہ کھینچ پیکاں کو

تشنگی ہے زیادہ زخمی کو
پانی خنجر کا دو ثواب کرو

تمنے تو فراموش کیا ہم کو ولیکن
ہم کرتے ہیں اے یاد تمہیں یاد ہمیشہ

یہ آپ ہی تھے کہ یوں مفت لیگئے ہمسے
ہر اک حسین کو دل ہم دیا نہیں کرتے

پسِ مردن بھی لی دیوانہ پن کی
اُڑائیں دھجیاں سینے کفن کی ✤

گراں حد سے زیادہ ہے ترا ہجر
مری چھاتی پہ سل ہے لاکھ من کی

پتہ لیلیٰ کا مجنوں نے نہ پایا
بہت ہر چند چھانی خاک بن کی

قیدِ بلبل آہ بے سعادے ہے
کس قدر بے رحمی صیاد ہے

بلبلیں شاید کہ چھوٹیں قید سے
باغ میں شور مبارک باد ہے

بلبلو فصلِ بہار آئی ہے کیا
اندنوں زنداں بہت آباد ہے

عہد میں تیرے یہ ہے اولیٰ مثل
دوست پامال اور دشمن شاد ہے

جانِ شیریں جانگی شیریں نہ ہاتھ آنیکی ہے
تیشۂ فرہاد سے آتی یہی آواز ہے

جلا تا برق تجلی سے حضرتِ موسے
اگر نظارہ کی ہم اُس کے آرزو کرتے

حسیں ہیں باغِ جہاں میں کدو رتوں سے بری
کہ گل قبا کی نہیں اپنی شست و شو کرتے

جان سے اپنے گنہ گار کو مارا تو نے
ایک بوسہ پہ کوئی ایسی سزا دیتا ہے

اپنے بیمار کی صورت نہیں پہچانتے ہو
اے صنم یوں کوئی دل لیکے بھلا دیتا ہے

حشر کا کُل سرِ بازار بپا ہوتا ہے
آج قیدی ترے گیسو کا رہا ہوتا ہے

مُنہ پہ ڈالے ہوئے آتا ہے نقاب اپنے وہ شوخ
ہائے یوں وعدۂ دیدار وفا ہوتا ہے

کیا ہے وصل کا اُس نے امیدوار مجھے
ضرور حشر کے دن تک انتظار مجھے

بند آنکھیں نہیں ہوتیں جو پسِ مرگ مری
اب تلک ہے مجھے دیدار کی حسرت باقی

کیوں نہوں قانعِ میں قسمت پر کہ مٹ سکتا نہیں
لکھ چکا جو کاتبِ تقدیر اپنے ہاتھ سے

ہمارے خوں بہا کی فکر میں ہو جو قاضی ہے
کہ ہم قاتل سے راضی در قاتل ہے راضی ہے

تو ناحق تیغ و خنجر کو جنبش فقط ابرو کی کافی ہے
ہمارے قتل کو ہمکو دکھلاتا ہے اے قاتل

امید (امید) مولوی سید محمد جعفر امید لکھنوی آپ لکھنؤ کے مشہور خاندان اجتہاد کے ایک رکن تھے اور نواب عاشور علیخاں صاحب مرحوم سے فن سخن میں استفادہ کیا کرتے تھے عاشقانہ مضامین کی طرف کم توجہ تھی زیادہ تر حمد و نعت کہتے تھے - اشعار ذیل انکی طبیعت کا نتیجہ ہیں آپکے تلامذہ میں مولوی سید اصطفےٰ علی صاحب خورشید نامور گزرے ہیں - بارہ پندرہ برس ہوئے انتقال فرمایا ؎

ایک دن روح بھی رخصت تنِ خاکی سے ہوئی
صاحبِ خانہ جسے سمجھے تھے مہماں نکلا

روح رونے سے عزیزوں کے نہ ٹھیری دم بھر
منہ برستے ہی میں گھر سے مرے مہماں نکلا

کیا ہے لن ترانی نے دعوی بصیرت کا
وہی بینا ہے جو قائل ہوا ہے نفی رؤیت کا

بڑھے تھے جو جو قبضِ سرِ رحمت سے بھی کچھ آگے
نہ ان پر بھی کھلا پردہ تری کُنہ حقیقت کا

چلے قلم اُسیکو کیا باغبان نے
جس شاخ پر چمن میں ہمیں آشیاں ملا

ترا کرم بھی تو ہے بیحساب اے غفار
مرے گناہ نہیں گو شمار سے قابل

شوق یہ سیرِ عدم کا کم نہیں
وہ چلے جاتے ہیں جنہیں دم نہیں

امید

(اُمید) منشی سید محمد علی امید متوطن ایٹھی نواح لکھنو - زمانۂ حال کے شعرا میں ہیں - شوکتِ الفاظ اور رعایت لفظی کی طرف زیادہ میلان طبع ہے جس سے آپکی استعداد علمی کا ثبوت ملتا ہے - گہنہ مشق اور نازکخیال سخن سنج ہیں - آپکے کلام میں فارسی کی ترکیبیں زیادہ ہوتی ہیں مگر نہ ایسی کہ غیر موزوں یا نامانوس معلوم ہوں - کلام کا انتخاب ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے ۵

کیا تصور اے عرض مطلب حسرتِ پُرجوش کا
چشمِ حیراں کا گلہ ہے بالبِ خاموش کا

حیرت آباد تجلی میں نہیں اُس دل کا کام
صدمہ پروردہ ہو جو محنت سرائے ہوش کا

تیغ قاتل میں ترے قرباں بڑا احساں کیا
جسم بارِ اک روح کا تھا سر وبال اک دوش کا

پائے نازک کو ذرا دے زحمتِ مشقِ خرام
کب سے تکتی ہے قیامت مُنہ تری پاپوش کا

ہستیِ حسن و تغافل پیشگی کا ہے گواہ
جاں بلب ہونا تمہارے عاشقِ مدہوش کا

کم نہو گا شورِ نوشا نوشِ صہبا واعظو
دم سلامت چاہیئے امید صہبا نوش کا

یادگارِ دلِ وارفتہ ہے یہ رہنے دے
پہلوئے خستہ سے اوتیرِ فگن تیر نہ کھینچے

شکلِ تصویر یار اب کون ہے حیراں مانی
میں نہ کہتا تھا کہ اُس شوخ کی تصویر نہ کھینچ

جسے اے جیب دواماں ذوقِ عریانی میسر ہو
وہ کیوں منتِ کشِ دستِ جنونِ فتنہ پرور ہو

ارے او رونے والے یہ کنا جانفشانی ہے
کہ جلد اگر شریکِ نالہ ہائے قلبِ مضطر ہو

برنگِ بوئے گل رہتا ہے پھرے صحنِ گلستاں میں
غمِ گل سے تنِ بلبل بھلا اتنا تو لاغر ہو

ضیا پر اپنی نازاں آفتابِ صبحِ محشر ہے
سحر ہو جائے وہ مہوش اگر پردہ سے باہر ہو

پریشاں خاطری صیاد کی لائے جو رنگ اپنا
چمن میں دفترِ اوراقِ گل یک لخت ابتر ہو

ادھر رُخ سے نقاب اُلٹی اُدھر حیرت نے کام اپنا کیا
عروسِ آرزو سے دیدۂ پردے سے نہ باہر ہو

اُٹھا ہے ابر اے امید واعظ کے جلانے کو
لباسِ توبہ نذرِ آتشِ صہبائے احمر ہو

تکلم خیز ہے ہمدم مرا اندازِ خاموشی +
بیانِ دردِ دل منت کشِ تاب بیاں کیوں ہو

تماشائے مظاہر ہے گلِ داماں کا نظارہ +
عیاں ہو جو چمن پیرایۂ آنکھوں سے نہاں کیوں ہو

حرم اور دیر کیا کم ہیں عدو کی جبہ سائی کو
لگے جسکو یہ داغ اسے بت تو تیرا آستاں کیوں ہو

لوٹی پہلو جفا کا ہو نہ ہوا میں بھی ہے مضمر
یہ آج آمید پر آخر تم اتنے مہرباں کیوں ہو

برا ہونا امیدی کا کہ دل آخر لہو ہو کر
برنگِ اشکِ حسرت گر پڑا چشمِ تمنا سے

بھلا دیکھوں تو کیونکر شوق وصل اس شوخ بدخو کا
نکلجاتا ہے میرے وسعت آبادِ تمنا سے

لگ بیگانہ وش وہ دیکھئے آمید بیٹھا ہے
مری جاں چشم بد دور آپ کی بزمِ تماشا سے

آتے ہی اس فتنۂ محشر کے برپا ہو گئی
اک قیامت اور بھی اہلِ قیامت کیلئے

ذکر سے آج اس بتِ اطہر کے واعظ فائدہ
جو اٹھا رکھی ہو فردائے قیامت کیلئے

حسرتیں کس کی نکالیں کس پہ احساں کر چکے
کیا یہ حال اپنی تبسم کا تم مرجاں کر چکے

ذوقِ لذت کی طلب کا دیں لبِ زخم اب جواب
وہ پشیماں ہیں کہ ہم جسمانی نمکداں کر چکے

وہ ستمگر اور یارب پارۂ دردِ نہاں
خود یقیں آتا نہیں آج اپنی قسمت پر مجھے

بھول جاؤں ماسوا کو ایک تیری یاد میں
او تغافل خو لگالے اپنی عادت مجھے

رہیں بادۂ گلرنگ و لبِ پارسایاں ہے
یہاں تک جلوۂ گل پردۂ سوزِ دین و ایماں ہے

دلِ بلبل ہلاکِ جلوۂ الفت فریبِ گل
لبِ غنچہ شکر ریزِ تبسم ہائے پنہاں ہے

(امید) منشی سید رشید الزماں قادری آپکے والد منشی سید ناظر حسین رود ولی کے باشندے ہیں مگر آپ خود بچپنی سے اپنی ننہال اجودھیا میں اقامت گزیں ہیں آپنے انٹرنس کے درجہ تک تعلیم پائی ہے دس برس سے ہاتھ پاؤں سے معذور ہیں جناب کمال سے تلمذ تھا

اب منشی عباس حسین صاحب فصاحت سے استفادہ کرتے ہیں کلام ہم رسیدہ کا انتخاب درج ذیل ہے

کبھی کعبہ تو کبھی دیر کلیسا دیکھا
تجھکو ڈھونڈا نہ کہاں اور نہ کس جا دیکھا

حرم و دیر و کلیسا کی نہیں کچھ تخصیص
جس جگہ دیکھا وہاں تیرا ہی جلوہ دیکھا

جان لے لیتا ہے یہ عشقِ بتاں کا آزار
پیش آیا وہی جو ہمنے کہا تھا۔ دیکھا

مسکرا کر کوئی بولا طلبِ بوسہ پر
منہ بھی ہے آئنہ میں آپنے اپنا دیکھا

پلاتے عدو کو ہیں مے و مبدم
مرے مانگنے پر کہا - ہو گئی

فقط اک ترے شربتِ دید سے
مریضوں کو تیرے شفا ہو گئی

کہاں جاتی ہے دل سے اے یادِ یار
اری بے مروت خفا ہو گئی

امیر (امیر) نواب محمد یار خاں امیر خلف نواب علی محمد خان برادر نواب عبید اللہ خان - جب نواب فیض اللہ خاں ان کے بڑے بھائی کو نواب شجاع الدولہ نے رامپور کی ریاست عطا فرمائی تو پچاس ہزار روپیہ سالانہ انکے مصارف کے لئے بھی مقرر فرمائے - جوان مرزا منش - نازک طبع - صاحب مروت و خوش سلیقہ - جرأت و سخاوت میں اپنے اماثل میں ممتاز - عالی حوصلگی و فیضرسانی میں زبدۂ روزگار تھے - فن موسیقی میں یکتائے روزگار سمجھے جاتے تھے - نکتہ فہم و نکتہ سنج و قدردان اہل کمال تھے - تھوڑی ہی مشق میں ریختہ میں بھی اچھا ملکہ حاصل کر لیا تھا - خوش تلاش اور مضمون آفریں تھے - مصوری کا بہت شوق تھا فن شعر میں مصحفیؔ اور قائمؔ سے مشورہ فرماتے تھے - بہت سے اہل کمال مثل قدوسی لاہوری اور میر محمد نعیم ان کی سرکار میں ملازم رہے بعالم شباب ۱۸۲۷ء میں انتقال کیا کلام ملاحظہ ہو ؎

بیٹھے بٹھائے کو چۂ قاتل میں لے گیا
یارب بُرا ہو اس دلِ خانہ خراب کا

ساقی گزک کی کچھ نہیں حاجت شراب دے
ہم دل جلوں میں آپ مزہ ہے کباب کا

کوئی گزرتے کُو میں نہ گر گیا ہو گا
جو گزرا ہو گا تو جی سے گزر گیا ہو گا

نہ جانے شور ہے دریا میں کس تابندہ اختر کا
کہ محراب صدف میں محو سجدہ سر ہے گوہر کا

کیا تو نے دیا تھا مجھ کو ساقی
شیشہ میں تو واہ کچھ نہ نکلا

جس سر میں ہے چیں جبابِ عُجب
واں زیرِ کلاہ کچھ نہ نکلا

شکست و فتح میاں اتفاق ہے لیکن
مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا

یاد کرتا ہی مرا آپ کو منظور نہ تھا
گو کہ شب تھی پہ میں اتنا بھی تو کچھ دور نہ تھا

شوخیاں اپنے لڑکپن کی نہ کچھ پوچھ میاں
کونسا دل تھا کہ ہاتھ سے ترے چور نہ تھا

اٹکے ہے آج صبح سے در پر مری نگاہ
کیا جانے منتظر ہوں میں کس کے قدوم کا

کیا بوسہ جس پہ شام سے ہے اتنی مال مال
لیجے نہ نام صبح کو بخشے تو شوم کا

سایہ ترا میں چھوڑ کے جاؤں کہاں امیر
ہوتے ہما کے کوں ہو مشتاق بوم کا

کہاں کی عمر کس کی زیست یہ سب
حباب آسا ہے جھگڑا یک نفس کا

کیوں سرد کسکی چال میں دیکھی ہے یہ پھبن
چلتا ہے جس ادا سے مرا خوش خرام آج

کس زیست پہ مانند حباب اتنی ہوس آج
ہونا ہے ہوا کل کو جو ہے تن میں نفس آج

کیا جائے تامل ہے مرے قتل پہ پیارے
ہم سارے کے موجود ہیں بندے نہیں دس آج

کرتا تو ہے تو مجھ پہ ستم لیک یہ ڈر ہے
یہ آہ مری کرتی ہے کم بخت اثر جلد

پستی طلب کر آپ کو چاہے ہے گر بلند
جب تخم زیر خاک ہو تب ہو شجر بلند

ڈریو اے دل نہ جان کی خاطر
مرد مرتے ہیں آن کی خاطر

جی بھی دے ہے کوئی پہ ہنسنے دیا
کیا کریں اُس جوان کی خاطر

داغِ دل لے چلے گلی سے تری
چاہئے کچھ نشان کی خاطر

قطعہ

میں دردِ دل لکھا تھا اُسے پڑھ کے یوں کہا
املا ترا غلط ہے اور انشا ترا غلط

مینے کہا امیدِ وفا ہے مری صحیح
بولا بتاں سے شیوۂ مہر و وفا غلط

ہے فردا کا یہ وعدہ کیا قیامت
نہیں عاشق کو تیرے آج ہی کل

ترے بندِ قبا کیوں کر کروں وا
عجب عقدہ یہ پیش آیا ہے لاحل

کیوں سیل کچھ تجھے بھی خبر ہے کہ مثل آج
جائیں گے کس طرف کو ہم آئے کہاں سے ہم

ماہیتِ خلق خوب سمجھے
پر آپ سے بے خبر گئے ہم

سب خبر رکھ پر ایسی کر باتیں
جیسی کرتے ہیں بے خبر باتیں

آپ کچھ غیروں کو چھپ چھپ کے رقم کرتے ہیں
یہ اگر جھوٹ ہو ہم ہاتھ قلم کرتے ہیں

آج کیوں دیتے ہو ہونٹوں میں چبا کر گالی
آپ تو روز یہ بندے پہ کرم کرتے ہیں

کرتے نہیں کبھی جو قدم رنجہ اس طرف
آتا کچھ اپنا عیب ہے کیا بندہ خانہ میں
جز عشق اور بھی ہے کوئی ذکر لے امیر
دیکھوں ہوں جب تجھے تو اسی ہی فسانہ میں

قطعہ

کرنیکو اے شوخ میرے قتل کے
پوچھ تو تو لوگ تجھے کیا کہیں
دو ربخا پاس بیٹھے ہیں امیر
دیکھ تو اس امر میں وے کیا کہیں

اپنی ہستی پہ ہیں موقوف جھمکڑے
مٹ گئے آپ ہی جس وقت تو پھر نام کہاں
مثل حباب گو کہ سبک سر ہوں پر امیر
ہے حل عقدہ ہر مرے دم قدم کے ساتھ
تاب کیا آئینہ کو ہووے مقابل تیرے
سامنے ہو کے ترے شمس و قمر دیکھیں تو
جو حالت درد دل کی دل پہ گزرے ہے سو دل جانے
یہ دل کی بات ہے دلبر کسی بیدل سے مت کہیو
نوح کے طوفان کی شدت کو عالم بھول جائے
ہر پرتم اپنے ٹک اے چشم تر آجاؤ تو
جی سو کیا ہے کرے ایثار جو تجھ پر امیر
ایسے اک مفلس کے ہاں گر بھول کر آجاؤ تو
جی میں جو آوے سو کیجے پہ میں یہ پوچھوں ہوں
کچھ تجھے ہاتھ بھی آتا ہے دل آزاری سے
بس میں آیا جو تمہارے اُسے چاہو سو کرو
کیا ستم آدمی ستا نہیں لاچاری سے
تیرے گھر جانے سے بس اپنا تو گھر جاتا ہے
اے مری جان کے دشمن تو کدھر جاتا ہے
ہائے سرخی ترے رخسار کی ہنگام عتاب
جتنا بگڑے ہے تو اتنا ہی سنور جاتا ہے
گر وقت ذبح نالہ کیا مینے کیسا ہوا
پیارے کسی کا ہاتھ کسیکی زباں چلے
کن حسرتوں سے چھوڑ کے ہم یہ جہاں چلے
آئے تو حد سبک تھے پہ کتنے گراں چلے
بھول کر بھی نہ کبھی عشق کا لوں گا پھر نام
آج اگر جان سے چھوڑے ہے تری یاد مجھے

دیکھو ست ایذا ہمیں اے شور حشر
خوش پڑے ہیں اپنے اک آرام سے

پوچھا میں میاں دل تو نہیں زلف میں تیری
بل کھا کے لگا کہنے "کہیاں لیتے ہو ہاں ہے"
جوں نقش قدم نام کو ہستی ہے ہماری
اک باد کے جھونکے میں نہ ہم ہیں نہ نشاں ہے
پوچھا میں کبھی ہمسے بھی ملنے گا کہا خیر
بولا میں جو مر جاؤں لگا کہنے بلا سے

سچ کہیو آمیر آج ملا کیا نہیں وہ شوخ
کچھ تو نظر آتے ہو ہمیں یار خفا سے

جاہِ دنیا پہ اعتماد ہے کیا
مہر بعد از عروج ڈھلتا ہے

آگے اُس بت کے شیخ تو کیا ہے
گر خدا آوے رام رام کرے

لے وہ مجرا ترا کر آج آمیر
تو پیمبر تجھے سلام کرے

نہ سجدے سے خوشی ہوں نے عبادت سے کبھی راضی
نئی اک طرح کی مہرباں کی بھی خدائی ہے

اہلِ فنا کو سانس بھی لینا ہے یہاں محال
رو بیٹھے زندگی سے جو تک دم جا ہے

اُس مُنہ پہ کھُلے زلف تو از بہر قدمبوس
شام آوے ادھر سے تو اُدھر سے سحر آئے

امیر

(امیر) حافظ امیر الدین - شرفائے قصبہ بدایوں میں ممتاز اور باوصف کم گوئی نہایت شیریں کلام اور نازکخیال سخن سنج تھے - فارسی میں ایک مختصر دیواں آپ سے یادگار ہے بروقت ترتیب تذکرۂ شوق حیات تھے - امتدادِ زمانہ کے باعث بعض الفاظ جو اُس زمانہ میں رائج تھے اب متروک ہو گئے ہیں - کلام ملاحظہ ہو ؎

پھر چمن کی سیر کو امسال آئی ہے بہار
سو رہے تھے فتنہ جنوں کے کو جگاتی ہے بہار

کیوں نہ آپس میں کریں بحثِ سخن ہر صبحدم
گلستاں کا درس غنچوں کو پڑھاتی ہے بہار

نوعروسانِ چمن کی گر یہ شاطر نہیں
کیوں گلوں کے ہاتھ پر مہندی رچاتی ہے بہار

باغ میں کسکے دہان و زخ کی کل تقریر تھی
گل پریشاں ہو رہا تھا اور کلی دلگیر تھی

پہنچتے ہی کر دیا اُس سنگدل کو بد دماغ
واہ واہ اے آہ بس تجھ میں یہی تاثیر تھی

دے چکا تھا اپنے در سے بار رہا تو تو اُٹھا
پر وفاداری ہی اپنی ہمکو دامن گیر تھی ؎

قطعہ

خانہ بدوشی ہے عجب گھر امیر
جس کو نہ دیوار نہ در چاہیئے

پاس مرے تک وہ آ بیٹھا آمیر
رات اپنے بخت نے کی یاوری

بیخودی میں مینے جامِ شوق کے
ایک بوسے کی طلب اُس سے کری

کر کے رکھی تیوری مہرو اُٹھ چلا
رکھ کمر میں خنجرِ کینہ وری

اُسکے دامن کو پکڑ کر میں کہا مسکرا کر ناز سے کہنے لگا ؎		اب کوئی چھوڑ دوں ہوں ترک پری عاشقی کرتے ہو یا زور آوری	
اِن دنوں کچھ بن نہیں آتا تک آیندہ بہار باغباں لالہ پر اتنا بیٹھتا ہے پھول پھول		چھیں لوں مجنوں سے تعلیم بیاباں تو سہی داغ سینہ کا کروں میں بھی نمایاں تو سہی	

امیر (امیر) مرزا امیر بیگ - دہلوی - غدر سے بیشتر ریاست گوالیار میں ملازم تھے - زیادہ حال معلوم نہیں - کلام ملاحظہ ہو ؎

آنکھ وہ کافر کہ قتل عام جس کی اک ادا کب تلک رو کے کہو کوئی کہ تم کو نوا میر		لب وہ روح افزا جسے مرے جلانا بات ہے مار مرنا سہل ہے اور زہر کھانا بات ہے	

امیر (امیر) امیر الشعرا مولوی مفتی منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی خلف اکبر مولوی کرم محمد مغفور - شاہ نصیر الدین حیدر بادشاہ اودھ کے عہد میں ۱۹ شعبان ۱۲۴۴ھ ہجری دوشنبہ بمقام لکھنؤ پیدا ہوئے آپ کا نسبی سلسلہ بہت ہی قریب حضرت مخدوم شاہ مینا صاحب نور اللہ مرقدہ سے ملتا ہے - جن کا مزار مقدس لکھنؤ میں زیارت گاہ خاص و عام ہے - یہی وجہ ہے کہ جناب امیر کے نام نامی کے ساتھ مینائی لکھا جاتا ہے - آپکو صرف خاندانی فضیلت ہی حاصل نہ تھی بلکہ اپنی ذات سے خود بھی صاحب زہد و تقویٰ - صوفی مشرب - خدا پرست درویش صفت - منکسر المزاج آدمی تھے - خاندان چشتیہ صابریہ کے سجادہ نشین حضرت امیر شاہ صاحب سے بیعت رکھتے تھے - اور بعد میں خرقۂ خلافت سے بھی سرفراز ہوئے تھے - آپ کا ابتدائی زمانہ تحصیل علوم و فنون میں بسر ہوا - آپکی تعلیم قدیم دار العلوم فرنگی محل لکھنؤ میں ہوئی تھی - فہم سلیم و ذہانت فطری کی امداد سے عربی و فارسی میں کامل دستگاہ رکھتے تھے - اسکے علاوہ طب جفر - نجوم وغیرہ میں بھی معلومات اچھی تھیں اور شاعری کے لئے تو ایسی خداداد طبیعت پائی تھی کہ آپ کی نازک خیالی ضرب المثل اور آپکی ہمہ دانی مسلم ہے - اس فن میں آپ کو مدبر الدولہ مدبر الملک سید مظفر علی خاں بہادر جنگ اسیر سے تلمذ تھا - مگر انصاف یہ ہے کہ اپنی خداداد طبیعت

اور قابلیتِ علمی کی بدولت آگے نکل گئے تھے - یہ بالکل سچ ہے کہ آپ خاندانِ مصحفی کے آفتابِ رخشاں تھے بچپنے میں حضرتِ ناسخ کی بلند پروازی - حضرت آتش کی آتش بیانی نے اپنا جلوہ دکھا کر انکی نوخیز طبیعت میں عاشقانہ رنگ پیدا کردیا اور عالمِ شباب میں صبا - وزیر - رند - خلیل کی جادو بھری نغمہ سرائیوں نے فریفتہ بنا کر محفلِ سخن میں لا بٹھایا میر انیس اور میرزا دبیر کی معرکہ آرائیوں اور اُس وقت کے نامی شاعروں میں شرکت بھی آپکے حق میں رہبرِ کامل سے کچھ کم نہوئی - ان نامی بزرگوں کی فیضِ صحبت سے یہاں تک شہرت حاصل کی کہ ۱۲۶۹ھ ہجری میں آپکو سلطانِ عالم واجد علی شاہ اختر کے دربار و دربار میں باریابی ہوگئی اور حسب الحکم سلطانی دو کتابیں اشارالسلطان و ہدایۃ السلطان تصنیف کیں - جن کے جلدو میں خلعت فاخرہ اور انعام عطا ہوا - اُسی وقت سے آپ کی عالمگیر شہرت کا زمانہ شروع ہوا جو بے روک ٹوک ترقی کرتا گیا اسی اثنا میں اودھ کا الحاق ہوگیا چند [illegible] قیام رہے - بعد ازاں ۱۲۷۵ھ ہجری میں آپ کی معجز بیانی کا شہرہ سُنکر فردوس مکان نواب محمد یوسف علیخاں بہادر ناظم نے طلب فرمالیا - اُس وقت سے آپکی مستقل سکونت بجائے لکھنؤ کے رام پور میں منتقل ہوگئی ریاست کی طرف سے عدالت دیوانی کے ایک رکن ہو گئے یہ وہ زمانہ ہے کہ جب شاعری کا پھیلا پھولا سدا بہار چمن سلطنت دہلی و لکھنؤ کی بساط اُلٹ جانے کی وجہ سے سرزمین رامپور پر جو اپنی قدردانی سے گلشن سخن بننے کی قابلیت پیدا کرچکی تھی پھر نئے سر سے شگوفے کھلانے کے لئے آباد ہوا - رفتہ رفتہ تمام اہلِ کمال نواب صاحب کی قدردانی و قدرافزائی کے سبب یہیں آکر جمع ہو گئے - جن میں سے اکثر آخر وقت تک وہیں رہے - نواب فردوس مکان کے انتقال کے بعد ۱۲۸۱ھ میں نواب خلد آشیاں کلب علیخاں بہادر کا عہد حکومت آیا - اُردو شاعری کو اور بھی فروغ ہوا شاہدانِ زبان اُردو کی قسمت کھُل گئی سخن فہم و ریختہ شناس رئیس نے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر تمام ہند کے نامی گرامی شعرا کو بلا کر اپنے دامنِ دولت کے سایۂ عاطفت میں لے لیا - پھر کیا تھا مصاحب منزل میں باکمال شعرا کا جمگھٹا ہو گیا تغزل کا شاداب تختہ گوناگوں پھولوں سے

صحنِ چمن کی طرح مکمل گیا ہر نازکخیال سخنور جدا جدا اپنی بہار دکھانے لگا یہ وقت جناب امیر مینائی کے آفتابِ اقبال و کمال کے عروج کا تھا - یہانتک کہ حضرتِ امیر کو نواب کی اُستادی کا فخر حاصل ہوا - یہ وہ زمانہ ہے کہ مرزا داغ - اسیر - حیا - منیر - بحر - زکی - فلق - عروج - جلال - شاغل - تسلیم - رسا - وغیرہ کا رامپور میں جمگھٹا ہے کبھی کبھی حضرت غالب بھی دہلی سے تشریف لاکر اس یادگار بزم کو اپنی صدارت سے اعزاز بخشتے تھے - آپکی تصانیف کرشمہ ہوگئیں اور بعض مستور ہیں ازاں جملہ سُنا ہے کہ ایک اُردو دیوان موسوم بہ غیرت بہارستان جو اُس زمانے میں مکمل و مرتب ہوگیا تھا ایام غدر کی دست بُرد کی نذر ہوا وقتاً فوقتاً جو اشعار یاد آتے گئے وہ دوسرے مسودے میں درج ہوتے گئے جس کا کچھ حصہ دیوان منتخب میں مل کر شائع ہوا - غدر کے بعد دوسرا دیوان موسوم بہ مراۃ الغیب جو دراصل پہلا دیوان سمجھا جاتا ہے نعتیہ دیوان اور مولود شریف کے ساتھ چھپا - ۱۸۹۱ء میں دوسرا عاشقانہ دیوان موسوم بہ خانۂ عشق چھپا اسمیں اکثر جگہ جہاں اُستاد نواب فصیح الملک حضرتِ داغ کی مقبولِ زمانہ طرز کا تتبع کیا ہے وہی خیالات - وہی مضامین وہی سلاست وہی معاملہ بندی قریب قریب موجود ہے اسی وجہ سے یہ دیوان زیادہ مقبول ہوا کہ آپ نے اپنا پہلا رنگ بالکل بدل دیا - اصنافِ سخن پر زبردست قدرت رکھنے کے علاوہ آپکے کلام میں اور ایک خوبی ہے یعنی اوس میں اکثر جگہ ہمواری اور موزونیت اس غضب کی ہے کہ دوسری جگہ کم دیکھنے میں آتی ہے - غزل قصیدہ - رباعی مسدس - مخمس - غرض جو کچھ بھی ہے ایک رنگ میں ڈوبا ہوا ہے معانی کی جدت - الفاظ کی مناسبت - خیالات کی بلندی - نکات کی برجستگی اشارات کی شوخی - بیان کی صفائی - الغرض وہ کونسی خوبی ہے جو امیرِ قلمروِ سخن کے کلام میں اپنے اپنے محل موقع پر نہیں پائی جاتی پھر اُسپر تصوف اور اخلاق کی چاشنی سونے پر سہاگا اور طعام میں نمک کا کام دیتی ہے - حسرت و یاس اور عبرت کے مضامین آپ بالخصوص جیسے خوش اسلوب اور موثر پیرایہ میں لکھتے تھے وہ آپ ہی کا حصہ تھا - حضرتِ امیر کی قابلیت میں شبہ نہیں اور ساتھ ہی یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ آپکی طبیعت میں

انصاف پسندی کو بھی معمول سے زیادہ دخل تھا - چنانچہ اپنے اُستاد اور اُستاد الاستاد حضرت صفی کی طرح ہمیشہ بالکمال اہلِ دہلی کے طرزِ کلام کے دلدادہ و فریفتہ رہے اور کبھی بیجا اور فضول بحثوں میں پڑکر اپنے دامنِ کمال کو آلودہ نہ کیا - ہمیں اس امر کے تسلیم کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں ہے کہ دورِ آخر میں آپ لکھنؤ کے شاعروں میں اپنا نظیر آپ تھے - اور اساتذہ زبان اُردو کے زمرہ میں آپکا نام ہمیشہ ایک خاص وقعت سے یادگار رہے گا - کیونکہ دورِ موجودہ میں (سوائے نواب فصیح الملک مرزا داغ دہلوی اُستاد حضور نظام) آپ اپنے ہمعصروں میں ہر طرح ممتاز اور سربرآوردہ رہے - آپکے پُرجوش شاگردوں نے ہر چند آپ کو حضرت داغ سے بھڑانا چاہا مگر آپ ہمیشہ ایسی کوششوں کو بے سود اور قابلِ احتراز سمجھتے رہے یہ وہی بات ہے کہ پیراں نمی پرند و مریداں مے پرانند - اور واقعی بنظرِ انصاف اگر دیکھا جائے تو کیا بلحاظ زبان - طرزِ بیان اور شوخیٔ مضمون آپکو حضرتِ داغ پر فوق دینا انصاف اور حق پسندی کی گردن پر کُند چھری پھیرنے سے کم نہیں - دیگر امور سے قطع نظر ایک قبولِ عام ہی کے اعتبار سے جو بات حضرتِ داغ کو نصیب ہوئی وہ اُردو شاعری کی تاریخ میں عدیم النظیر ہے - خود حضرتِ امیر ہمیشہ اپنے معزز اور باکمال ہمعصر کے زورِ طبع کے تحریراً و تقریراً معترف و مداح رہے -

علاوہ تصانیف نظم مذکرہ شعرائے رامپور معروف بہ انتخابِ یادگار جو نواب کلب علیخاں کی فرمائش سے لکھا گیا تھا عرصہ ہوا شائع ہو چکا ہے - اسکے علاوہ آپ نے ایک اور قابلِ قدر تالیف یعنی فرہنگ زبانِ اُردو معروف بہ امیر اللغات کا سلسلہ اخیر زمانہ نواب کلب علیخاں میں شروع کیا جسکا باقاعدہ کام نواب مشتاق علیخاں کے عہد تک جاری رہا - اس فرہنگ میں آپ نے اُردو زبان کے تمام لغات اختلافی و غیر اختلافی و محاورات نہایت محققانہ اصول سے لکھنے شروع کئے تھے مگر افسوس کہ یہ تالیف ناتمام رہی اور صرف دو جلدیں جنمیں حرف الف محدودہ اور مقصورہ کے الفاظ ہیں شائع ہوئی تھیں کہ آپ کا جامِ حیات لبریز ہو گیا - اس لغت کی تکمیل کے خیال سے آپکو سیاحت حیدرآباد دکن کا شوق دامنگیر ہوا چنانچہ اپنے

دوست نواب فصیح الملک مرزا داغ کی تحریک اور توسل سے بنارس میں حضور نظام کی تشریف آوری کے موقع پر آپ کو باریابی کا اعزاز حاصل ہوا اور قصیدۂ تہنیت[۵۱] کے پیش کرنے کا بھی موقعہ ملا۔ پھر اگلے سال ۱۳۱۵ھ میں رامپور کو خیرباد کہہ کر چند روز بھوپال میں قیام فرمایا۔ معتبر ذریعہ سے سُنا گیا ہے کہ وہاں سے روانگی کے وقت آپ سے ایک قابلِ استجاب امر سرزد ہوا یعنی آپ نے اپنے مشیروں کے مشورہ سے براہ راست بذریعہ تار حضور نظام کو اپنی روانگی کے ارادہ سے مطلع کیا۔ بہرحال ۱۰۔ جمادی الاول کو آپ وارد حیدرآباد ہوئے۔ آپکے صاحبزادے منشی لطیف احمد آختر اور جناب جلیل اس سفر میں آپکے ہمرکاب تھے۔ نواب فصیح الملک نے نہایت خلوص و محبت سے استقبال کرکے اپنا مہمان کیا۔ مگر افسوس اور ہزار افسوس کہ یہ سفر راس نہ آیا اور وہاں پہنچتے ہی ایسے علیل ہوئے کہ پھر نہ سنبھلے۔ نواب فصیح الملک اور پنڈت رتن ناتھ سرشار وغیرہ احباب شبانہ روز آپکی تیمارداری میں مصروف رہے بلکہ سُنا ہے کہ مہاراجہ سرکشن پرشاد مدبر و وزیر بھی کئی مرتبہ مزاج پُرسی کے لئے آئے مگر کوئی تدبیر راس نہ آئی اور روز بروز حالت بگڑتی چلی گئی۔ کم و بیش ایک مہینہ کی علالت کے بعد ۱۹۔ جمادی آخرہ ۱۳۱۸ھ مطابق ۱۳۔ اکتوبر ۱۹۰۰ء کو ہزاروں آرزوئیں اور ارمان ساتھ لیکر بیگانۂ عالمِ باقی ہوئے۔ اور وہیں پیوندِ زمین ہوئے ؎

افسوس تجھ کو رحم نہ آیا کچھ اے اجل		مارا کہاں امیرِ غریب الدیار کو

آپکے انتقال کی یوں تو صدہا تاریخیں کہی گئیں مگر یہاں بخوفِ طوالت صرف دو تاریخیں درج کیجاتی ہیں

منشی صاحب شاگردوں کے معاملہ میں نہایت خوش نصیب تھے لکھنؤ اور اطراف مشرق کے اکثر خوش فکر حضرات آپکے دامنِ کمال سے وابستہ ہیں۔ شاگردوں کی تعداد اگرچہ حضرتِ داغ سے بہت کم ہے مگر پھر بھی دو تین سو سے کم نہیں۔ جنمیں سے اچھے کہنے والوں میں حضراتِ ذیل یعنی (۱) ریاض (۲) جلیل (۳) مضطر (۴) کوثر (۵) نواب (۶) صفدر (۷) پنڈت رتن ناتھ سرشار (۸) حفیظ (۹) آہ (۱۰) جاہ (۱۱) وسیم (۱۲) اختر (۱۳) قمر

[۵۱] یہ قصیدہ اپنی نازکخیالی اور لطافت بندش و مضمون میں بےمثیل ہے ۱۲

اپنے نامور استاد کی قابلِ فخر یادگار ہیں - منشی صاحب کثیر العیال تھے - آپکے چار صاحبزادے ہیں منشی محمد احمد محمود و قمر - منشی ممتاز احمد آرزو - منشی مسعود احمد ضمیر - منشی لطیف احمد اختر حال میں حضرت امیر کے بعض خطوط بھی شائع ہوئے ہیں جنمیں اکثر مقامات پر لطف زبان کے ساتھ ساتھ طرزِ ادائے بیان نہایت دلکش اور بے ساختہ ہے - کاش منشی صاحب کے لائق صاحبزادے اپنے نامور باپ کی غیر مطبوعہ تصانیف کو مرتب کر کے جلد شائع کرا دیں تاکہ ہماری زبان ایسے گراں پایہ سخنور کی آخری نغمہ سنجیوں سے محروم نہ رہے -

تاریخ وفات حضرت امیر از نتائج افکار نواب فصیح الملک مرزا داغ دہلوی ؎

وائے ویلا چل بسا دنیا سے وہ		جو مرا ہم فن تھا میرا ہم صغیر	
مصطفےٰ آباد سے آیا وکن ؎		یہ سفر تھا اُس مسافر کا اخیر	
کیا کہوں کیا کیا ہوئیں بیماریاں		کیا لکھوں تفصیلِ امراضِ کثیر	
مبتلائے حدتِ صفرا و تپ		موردِ آزارِ اسہالِ زحیر	
گو بظاہر تھا امیر احمد لقب		درحقیقت باطناً پایا فقیر	
شاہ مینا سے ہے نسلی سلسلہ		شاعری میں خاص تلمیذِ اسیر	
ہے دعا بھی داغ کی تاریخ بھی		قصرِ عالی پائے جنت میں امیر	۱۳۱۸ھ

مادّہ تاریخ از منشی جلیل حسن ؎ امیر کشور معنی امیر مینائی ؎ اب آپکے کلام فصاحت التیام کا انتخاب ملاحظہ ہو سب سے پہلے وہ رباعیاں لکھی جاتی ہیں جو آپ نے بحالت بیماری مہاراجہ کشن پرشاد شیفتہ کی خدمت میں بھیجی تھیں ؎

ہے آپکا اخلاق جو ہمدرد مرا	رباعی	رشکِ دمِ عیسیٰ ہے دمِ سرد مرا	
فرماتے ہیں ہر روز عیادت میری		درماں مرے حق میں ہو گیا درد مرا	
مشتاق کو ملنے کی تمنا نہ ملی	رباعی	غنچہ ہی رہی اب تک طبیعت نہ کھلی	
امراض نے دم بھر کو نکلنے نہ دیا		گھٹ گھٹ کے رہی دل میں تمنائے دلی	

انتخاب از مراۃ الغیب

حضرتِ عیسیٰ بھی کیا دیکھتے ہو میری نبض
پہلے اُسکو دیکھ آؤ پھر مجھے تم دیکھنا

ضعفِ دل نے اثر یہ دکھلایا
درد سے بھی اُٹھا نہیں جاتا

نہ ہوگا بند جب تک نقدِ جاں باقی ہے قالب میں
سخی کے گھر کا دروازہ ہے چاک اپنے گریباں کا

جگر کو دوں کہ دلکو دوں بتا اے ناوکِ قاتل
کہ دو پیاسوں میں ہے یہ ایک قطرہ آبِ پیکاں کا

وہ زخمی ہیں تڑپ کیسی مچھر کتا گر نمک قاتل
دہانِ زخم سے ہم چوم لیتے منہ نمکداں کا

مزا عاشق کے دل سے پوچھ حسن شعلہ رویاں کا
تماشا دیکھ پروانوں کی آنکھوں سے چراغاں کا

کہیں ضبطِ فغاں سے عشق کے آثار چھپتے ہیں
لبِ خاموش سے پیدا ہے صدمہ دردِ پنہاں کا

مکرا تی ہوئی پریاں پھنسانے کا ارادہ ہے
ہوا پر جال پھیلایا ہے کیوں زلفِ پریشاں کا

جب کہا اُس سے شبِ غم کوئی غمخوار نہ تھا
درد نے اُٹھ کے کہا کیا یہ گنہگار نہ تھا

قریب ہے یار روزِ محشر چھپے گا کشتوں کا قتل کرنکر
جو چپ رہیگی زبانِ خنجر لہو پکاریگا آستین کا

آنے تو دو بہار یہ دونوں ہیں رہن مئے
خرقہ نہ پیر کا ہے نہ جبہہ مرید کا

میں خاک بھی ہوا تو ہوا اُسکی در کی خاک
چھوٹا نہ دستِ عجز سے دامن غرور کا

مرغِ عصیاں اُڑ کے صیدِ باز رحمت ہوگیا
دنگ شاہینِ ترازو ہے عدالت ہوگیا

اب عفو وہ کریں نہ کریں اختیار ہے
امیدِ عفو میں میں گنہگار ہو چکا

ٹھیریں کبھی کجوں میں نہ دم بھر بھی راست رو
آیا کہاں میں تیر تو سن سے نکل گیا

مرغانِ باغ تم کو مبارک ہو سیرِ گل
کانٹا تھا ایک میں سو چمن سے نکل گیا

ہلال و بدر ہیں دونوں تیری تصویر کے خاکے
یہ صورت ہے لڑکپن کی وہ نقشہ ہے جوانی کا

قدم یہاں پھونک کر رکھتی ہے بجلی بھی جو آتی ہے
ہنسی سمجھا ہے گلچیں پھونکنا میرے نشیمن کا

اُٹھاؤں سختیاں لاکھوں کوئی بات اُٹھ نہیں سکتی
میں دل رکھتا ہوں شیشہ کا جگر رکھتا ہوں آہن کا

نکیریں اک ذرا دم لینے دو پھر لڑ جھگڑ لینا
ابھی تو میں تھکا ماندا چلا آتا ہوں منزل کا

چشمِ نرگس نہ ملی دیدۂ آہو نہ ملا
اے حیا تجھ کو انہیں آنکھوں میں کیا رہنا تھا

تو وہ ہے ناوک فگن تیرا ہمک جائے جو ہاتھ
آپ اڑ کر تھام لے نخچیر پلۂ تیر کا

حلقۂ گیسو میں پائی نقدِ دل دیکر جگہ
دے دیا پہلے کرایہ خانۂ زنجیر کا

آئینہ سکتے میں آجاتا ہے مجکو دیکھکر
منہ تکا کرتی ہے حیرانی مری تصویر کا

وادیٔ ایمن میں تھی برقِ تجلی بے حجاب
حیرتِ موسیٰ تھی پردہ جلوہ گاہِ طور کا

روزِ خلقت سے وہیں ہیں باہر آسکتی نہیں
کہتے ہیں جنت جسے ہے قید خانہ حور کا

آدمی کا منہ ہے جو دعویٰ خدائی کا کرے
بولتے ہیں آپ حضرت نام ہے منصور کا

ہم کہاں دنیا کہاں کچھ یوں ہی دل میں آگئی
دیکھتے چلتے تماشا اس تماشا گاہ کا

ہٹاؤ آئینہ ہمکو بھی دیکھنے دو گے
کہ خود ہی دیکھو گے حسن اپنی خودنمائی کا

بہار آئی ہے پھر خیر ہو خداوندا
جنوں کے ہاتھ میں دامن ہے پارسائی کا

ہوش میخواروں کا بھی شاید کوئی سیماب تھا
آتشِ تر سے جو اے ساقی گریزاں ہو گیا

جب نقاب الٹی نگاہوں کا ہوا ایسا ہجوم
پڑ گئے پردے وہ رخ آنکھوں سے پنہاں ہو گیا

فتنہ تھا قہر تھا جلوہ ترا اے یار نہ تھا
جب تلک دل کو سنبھالوں میں دلِ زار نہ تھا

نہ پوچھ ناز و نیاز اسکے میرے کب سے ہے
یہ حُسن و عشق تو اب ہے اُسے زمانہ ہوا

بندہ نوازیوں پہ خدائے کریم تھا
کرتا نہ میں گناہ تو گناہِ عظیم تھا

کرتا میں دردمند طبیبوں سے کیا رجوع
جسنے دیا تھا درد بڑا وہ حکیم تھا

دماغِ بحث تھا کس کو مگر نہ اے ناصح
دہن نہ تھا کہ دہن میں مری جواب نہ تھا

وہ کہتے ہیں شبِ وعدہ میں کسکے پاس آتا
تجھے تو ہوش ہی اے خانماں خراب نہ تھا

کلیم شکر کرو حشر تک نہ ہوش آتا
ہوئی یہ خیر کہ وہ شوخ بے نقاب نہ تھا

کمالِ اجتباب سے ہے شکوہ کیا نہ عرس ایک ان ہمارا
سرِ لحد ہی ہجوم ہوتا کبھی حسینانِ بے حجبیں کا

شوق سے لکھیں فرشتے میرے عصیاں رائگاں
ایک رحمت اُسکی ہے اس سارے دفتر کا جواب

پھینک دو خط لکھ کے قاصد سے جو تم بیزار ہو
اُس کے آنے کا جو ہے میرے مقدر کا جواب

وہ کھنچا تھا میں بھی کھنچ جاتا تو بہتی کسطرح
سر جھکا دینا تھا قاتل تیرے خنجر کا جواب

خشک سیروں تنِ شاعر کا لہو ہوتا ہے
تب نظر آتی ہے اک مصرع تر کی صورت

عمر گزری ہے مری وادیٔ غربت میں مگر
اب تلک یاد ہے کچھ کچھ مجھے گھر کی صورت

دیکھوں اے واعظ کسے سنتے ہیں دل سے سمجھیں
وصف نوفردوس کا کریں بیان کوئے دوست

بندہ ہوں تیری محبت کا میں جاؤں کہاں
بند کرتا ہے قفس میں مجھے صیّاد عبث

گلگشت کر رہا ہے جو وہ گلعذار آج
پھرتی ہے باغ باغ نسیم بہار آج

تڑپا رہی ہے ہجر میں لذت وصال کی
کل پی تھی جو شراب ہے اُسکا خمار آج

منظور کسکا قتل ہے تیغ نگاہ سے
پھر پھر کے دیکھتے ہو کسے بار بار آج

آزماؤ دل کو صاحب آزمانے کی طرح
کر ڈٹیں تم تو بدلتے ہو زمانے کی طرح

ایک بار اے برق تکلیف اور کر جھگڑا مٹے
پھونک دے مجکو بھی میرے آشیانے کیطرح

مخمور آنکھیں یہ نہیں ساقی کی میکشو
بلور کی پیالیوں میں ہے شراب سُرخ

ہجر کی شب ایک تو یوں ہی نہیں آتی ہے نیند
اور بک بک سے تری ناصح اُڑی جاتی ہے نیند

حال یہ اجداد و آبا کے تفاخر کیا امیر
ہیں وہ ناداں جنکو ہے قصّہ کہانی پر گھمنڈ

یہ میری طرف پاؤں محفل میں کیسے
ذرا آدمیت سے بیٹھو سنبھل کر

امیر اہل مسجد سے اظہار تقوے
ابھی آئے ہو میکدے سے نکل کر

ٹھہر گیا ہے ہمارے دلمیں ہزار منت سے دردِ الفت
مگر یہ ڈر ہے کہ اُٹھ نہ جائے مکان تنگی سے تنگ ہو کر

نہاں تھا آنا کہ ہو نہ ظاہر عیاں تھا جانا کہ سب جہاں ہم
وہ دلمیں آئے اُمنگ ہو کر گئے تو چہرے کا رنگ ہو کر

قدم کو لغزش زباں کو لکنت ہے رعشہ ہاتھوں کو سر کو جنبش
کہ ہر گئی ہائے نوجوانی ان آفتوں میں ہمیں پھنسا کر

خدا ہی یاد ہے ہوا کچھ ایسی کہ دل ہوا اس گرم خو کا پانی
کیا ہے لوگوں نے آگ اُسکو لگا لگا کر بجھا بجھا کر

اے روح کیا بدن میں بُری ہے بدن کو چھوڑ
میلا بہت ہوا ہے اب اس پیرہن کو چھوڑ

سیدھی نگاہ میں ہیں تیرے تیر کے خواص
ترچھی ذرا ہوئی تو ہیں شمشیر کے خواص

ترکش میں تیر میاں ہیں شمشیر بے قرار
دیکھو تو بیقراری نخچیر کے خواص

کہتا ہے شعر سنکے کوئی واہ کوئی آہ
کچھ میرزا کے مجمعہ میں ہیں کچھ تیر کے خواص

نہ رازِ خواہش کوئی جتائے وہ چہرہ بے پردہ کیا دکھائے
جو خواب عاشق میں بھی نہ آئے کبھی اُٹھا کر تقاضۂ عارض

ہوئے ہیں ہم محوِ حسن ایسے کہ علم سے اور طاقِ نسیاں
بیاض اپنی بیاضِ گردن کتاب اپنی کتابِ عارض

کرتا ہوں میں تو روز روانہ ادھر سے خط
لکھا نصیب کا نہیں آتا اُدھر سے خط

اُن کو غرورِ حسن ہے ہمکو غرورِ عشق
آئے کبھی اُدھر سے بجائے اِدھر سے خط

ہجوم گریہ رہا تھا منبر پر
ہم جو پہونچے تو پی گیا واعظ

آرہے بلغِ جناں سے جو زمیں پر آدم
فی الحقیقت تھی وہ اک لغزشِ مستانۂ عشق

ہم تھے اور چہرۂ محبوب کا نظارہ امیر
شعلۂ حسن تھا جس روز نہ پروانۂ عشق

جلد آجاؤ کہ ہیں گور کنارے مشتاق
دم میں آجائیں نہ حور و نکے تمہارے مشتاق

ظاہر میں دیا بوسہ تو کیا دل ہے مکدر
نیت ہی نہیں ٹھیک تو خیرات ہے حاصل

کیا دیر ہے امیر کے عفوِ گناہ میں
اللہ کیا کمی ہے تیری بارگاہ میں

کیا یہ شوق نے اندھا مجھے نہ سوجھا کچھ
وگرنہ ربط کی اُس سے ہزار راہیں تھیں

جب کبھی اُسکو نئی شان سے ہم دیکھتے ہیں
دل ہی واقف ہے جس انسان سے ہم دیکھتے ہیں

ہے اگر طالبِ مقصود تو مٹ جا اے دل
نفع تیرا ترے نقصان سے ہم دیکھتے ہیں

مدح کرتا ہے جو تو غیر کی دانائی کی +
پھروں مُنہ کو ترے نادان سے ہم دیکھتے ہیں

وا کردہ چشم دل صفتِ نقشِ پا ہو نہیں
ہر رہگزر میں راہ تری دیکھتا ہوں میں

مطلب جو اپنے اپنے کہے عاشقوں نے سب
وہ بُت بگڑ کے بول اُٹھا کیا خدا ہوں میں

کہتی ہے ہر لٹک تری زلفِ دراز سے
چھوٹے سے قد پہ میرے بجا نا بلا ہوں میں

رسا ہوئے جو آپ تو میرا قصور کیا
جو کچھ کیا وہ دل نے کیا بیخطا ہوں میں

زندہ کئے ہیں مینے دلِ مردہ سیکڑوں
فیضِ سخن سے عیسیٰ معجز نما ہوں میں

میں جانتا ہوں بلبلِ جو ہے تیری حقیقت
اک شتِ استخواں میں دو پر لگے ہوئے ہیں

بجلی چمک رہی ہے فلک پر سحاب میں
اب دخترِ رز کو چین کہاں ہے حجاب میں

اے برق تو ذرا کبھی تڑپی ٹھہر گئی
یہاں عمر کٹ گئی ہے اسی اضطراب میں

ملنے کا وعدہ مُنہ سے تو اُنکے نکل گیا
پوچھی جگہ جو مینے کہا ہنس کے خواب میں

مثلِ نفس نہ آمد و شد سے ملا فراغ
جب تک رہی حیات رہی اضطراب میں

دنیا بھی دین ہے جو ہو لذت بشر سے ترک
کیوں ہو حرام نشہ نہ جس شراب میں

مردہ جو اہلِ دل ہوں تو زندہ اُنہیں سمجھ
عارف کی آنکھ رہتی ہے بیدار خواب میں

واماندہ دور سے یوں منزل کو دیکھتے ہیں
کشتی شکستہ جیسے ساحل کو دیکھتے ہیں

یہی حیرت کا عالم ہے تو نظارہ کہاں مجنوں
نکل بھی آئی محمل سے تو پھر لیلیٰ ہے محمل میں

کرامت ہے کوئی ساقی کہ تیری چشمِ میگوں ہے
چھلکایا ایک پیمانہ سے تو نے سب کو محفل میں

امیر اسکی تجلی گاہ ہے دنیا جو آنکھیں ہوں
وہی گل ہے گلستاں میں وہی ہے شمع محفل میں

بے حجابانہ اگر وہ لب آب آتے ہیں
شوقِ دیدار میں آنکھوں سے حباب آتے ہیں

جو نہ گنبد تسلیم و رضا بیٹھ رہے
غیب سے اُنکے سوالوں کے جواب آتے ہیں

مرگ کے بعد نہ آئیں گے کبھی ہم اُنہیں یاد
جن حسینوں کی تصور دمِ خواب آتے ہیں

رہتا ہے صبح شام گناہوں کا سامنا
فارغ جوان سے ہوں تو کبھی عذر خواہ ہوں

غضب کا ابر خوں افشاں ہے ابرِ تیغ قاتل بھی
رواں ہے خوں کا سیلاب لاکھوں سر کٹتے ہیں

وہ صاف دل ہیں رقابت کا کچھ خیال نہیں
جو تنکو پیار کرے اُسکو پیار کرتے ہیں

فرشِ استبرق کی کچھ حاجت نہیں اے باغباں
بادہ کش ہیں پڑ رہیں گے سایۂ انگور میں

ہٹاؤ آئینہ امیدوار ہم بھی ہیں
تمہارے دیکھنے والوں میں یار ہم بھی ہیں

جو لڑکھڑا کے گرے تو قدم پہ ساقی کے
آمیر مست نہیں ہوشیار ہم بھی ہیں

تنگدستی کے ہوں ساماں ہزار غربت میں
پر ایک ہی ہے خزاں و بہار غربت میں

کیا مست نگاہیں مجھے دکھلا گئیں آنکھیں
دو جام تھے لبریز کہ چھلکا گئیں آنکھیں

آفت کی سفیدی تھی قیامت کی سیاہی
نیرنگِ دو عالم مجھے دکھلا گئیں آنکھیں

اوروں سے تو بیباک سرِ بزم لڑا کیں
عاشق سے ہوئیں چار تو شرما گئیں آنکھیں

اس ناز سے دیکھا کہ بہم کٹ گئے عاشق
ایک ایک کو ایک ایک سے لڑوا گئیں آنکھیں

نیچی نظر حیا سے کریں کیا وہ جنگ جو
جو اک نظر میں خونِ ہزار آرزو کریں

جب تک کہ دل ہے چاہئے ہمکو تری تلاش
جب تک چلے زبان تری گفتگو کریں

کب زاہدوں کو مسئلۂ عشق کا ہے فہم
نامحرموں سے راز کی کیا گفتگو کریں

ہے غنچہ ساں ہزار خموشی میں اے امیر
بلبل کی طرح باغ میں کیا ہائے ہو کریں

ظاہر میں کو فریفتہ حسنِ بتاں کے ہیں
پر کیا کہیں نگاہ میں جلوے کہاں کے ہیں

گھبرا کے جب فراق میں نکلی دعائے وصل
آئی صدا یہی تو مقامِ امتحاں کے ہیں

دنیا میں بھی سفر ہیں عقبیٰ میں بھی سفر
ہم لوگ رہنے والے الٰہی کہاں کے ہیں

دل و جگر دونو جل گئے ہیں فرقتِ جہاں میں ہائے
تمہارے سرمہ میں اے تپ کیا پسی ہوئی بجلیاں ملی ہیں

کہاں ہوگی امیر ایسی ادائیں حور و غلماں میں
رہے گا خلد میں بھی یاد ہم کو لکھنؤ برسوں

کریگا یاد اے غم ہمکو بعدِ مرگ تو برسوں
کھلایا ہے جگر برسوں پلایا ہے لہو برسوں

کوئی میرے برابر کیا کرے گا ضبطِ الفت کو
نہیں آتا زباں تک دل سے حرفِ آرزو برسوں

بت میں بھی دیکھتے ہیں نورِ خدا کا جلوہ
واعظ حق کسے جانیں کسے باطل سمجھیں

پوچھتے ہو کس سے جو چاہو کرو منتار ہو
دل ہمارے ہاتھ میں ہے یا تمہارے ہاتھ میں

ہے باغ باغ بلبل جس طرح تو چمن میں
پھرتے تھے یوں ہیں خوش خوش ہم بھی کبھی وطن میں

کیا جانیں جز خموشی تیرے گرفتہ خاطر
کہنے کو سو زبانیں ہیں غنچہ کی دہن میں

راتوں کو شبنم چھپ کے باغباں سے
ہر پھول سے لپٹ کر روتا ہوں میں چمن میں

بے نشانی تو گزر جنت کی گلشن میں نہیں
داغ مے ایک بھی زاہد ترے دامن میں نہیں

حور و غلماں میں جو ہے حسن بشر میں بھی وہ ہے
کم یہ تصویر گلی رنگ میں روغن میں نہیں

دل جو صد چاک ہے اس میں ہے خیال رخ دوست
شاہد پردہ نشیں کون سی چلمن میں نہیں

کیا زمانہ ہے نہیں صاف کسی سے کوئی
دوست کے دل میں وہ ہے جو دل دشمن میں نہیں

وصل بت ہوتا نہیں ہے یا خدا ملتا نہیں
ڈھونڈھنے پر آدمی آئے تو کیا ملتا نہیں

اے امیر اول تو وہ نا آشنا ملتا نہیں
مل گیا جس کو کہیں اس کا پتہ ملتا نہیں

اک مجھی سے رہ گیا سارے زمانے کا حجاب
کون ہے جس سے وہ عالم آشنا ملتا نہیں

دیر میں بھی ہے اسی کا فیض اے اہل حرم
برہمن کو بت بھی بے اذن خدا ملتا نہیں

منکر یکرنگی عشق و عاشق تھے جو لوگ
دیکھ لیں کیا رنگ کاہ و کہربا ملتا نہیں

ہجر کے حرفوں میں بھی ایسا اثر ہے ہجر کا
لب سے لب وقت تلفظ اک ذرا ملتا نہیں

خضر کیا جانیں مرگ کی لذت
اس مزے سے وہ آشنا ہی نہیں

ہماری بیخودی نسبت ہے تیری نمائش کی سے
مٹا کر نقش ہم اپنا ترا نقشہ جماتے ہیں

امیر افسردہ ہو کر غنچۂ دل سو کھ جاتا ہے
وہ میلے ہم کو قبر باغ کے جب یاد آتے ہیں

نزاع کفر و دیں ہے دور دور زلف و عارض میں
مسلمانوں سے ٹوپی آج کل ہندو بدلتے ہیں

امیر اس باغ میں رہ کر کریں کیا دل الجھتا ہے
نہ غنچے چھوڑتے ہیں گل نہ کانٹے خود بدلتے ہیں

وہ بت آئے گا تو بت بن جائینگے واعظ ابھی
حاکموں کے سامنے چلتی ہیں تقریریں کہیں

بغیر جرم ہوں پامال شرم ہم جنسی
کوئی گناہ کسی سے ہو شرمسار ہو نہیں

بزم کثرت نور وحدت سے کبھی خالی نہیں
چشم بینا ہو تو یوسف سیکڑوں بازار میں

نہیں معلوم وہ مہمان ہوئے ہیں کس کے
آج گھر گھر لئے پھرتا ہے تو ہم مجھ کو

خلوت وصل میں کچھ کام نہیں ساقی کا
جام مے بھر کے پلاؤں میں تمہیں تم مجھ کو

میں تو میں عکس سے وہ آئینہ رو کتا ہے
پیار کی آنکھ سے دیکھا نکرو تم مجھ کو

صاف کہہ وہ نہیں دیدار دکھاتا ہے اگر
کعبہ و دیر میں دوڑاتے ہو کیوں تم مجھکو

اے خوشا وحدت خوشا کثرت خوشا نیرنگِ عشق
دیکھتا ہوں ہر مرقع میں تری تصویر کو

رنگِ وحدت دل میں کثرت سے سما جائے اگر
ایک برگِ گل پہ کھینچوں باغ کی تصویر کو

گھر گھر تجلیاں ہیں طلب گار بھی تو ہو
موسیٰ سا کوئی طالبِ دیدار بھی تو ہو

دل دردناک چاہئے لاکھوں ہیں خوبرو
عیسیٰ ہیں سیکڑوں کوئی بیمار بھی تو ہو

وہ حسن کیا ہے حسن جو خاطر نشیں نہ ہو
کس کام کا وہ نام جو نقشِ نگیں نہ ہو

ساقی میں نشۂ مئے عریاں سے مست ہوں
افلاس میں جو بادہ میسر نہیں نہ ہو

شمع آسا کبھی جلتے کبھی روتے گزری
آگ پانی سے بنایا ہے خدا نے ہمکو

آج محفل سے تم آئے ہو اُٹھانے ہمکو
ہائے وہ دن کہ اُٹھتے تھے بٹھانے ہمکو

سارے عالم میں یہ شہرت ہے قضا نے مارا
واہ کس پردہ میں مارا ہے ادا نے ہمکو

وصال پر جو ہے وصل امتحان کر دیکھو
امیر یونہی سہی چند روز مر دیکھو

چھپا چھپا کے نظر بازیاں ہوں غیروں سے
ہمیں سے آنکھ چرانا ذرا ادھر دیکھو

عکس سے بخشو نہ آئینہ میں اتنا دیکھو
جانے دو اپنی طرف اے گلِ رعنا دیکھو

اے ضبط دیکھ عشق کی اُن کو خبر نہ ہو
دل میں نہاں رہو رہ اُٹھے آنکھ تر نہ ہو

آیا تھا سوئے حشر میں تفریح کے لئے
یاں تو شروع پُرسشِ اعمال ہو گئی

ترکِ لذت بھی نہیں لذت سے کم
کچھ مزا اس کا بھی چکھنا چاہئے

چلا تو ہوں بے اظہارِ دردوں دیکھوں
حضور یارِ مجالِ بیاں رہے نہ رہے

وہ چاٹ دوں کرے نہ ندامت شراب کی
واعظ کے مُنہ پہ مُہر لگا دوں کباب کی

خلقت کو ہے یہ اُسکے نظارہ کا اشتیاق
کھڑکی ابھی کھلی نہیں بازار بند ہے

جو چاہئے سو مانگئے اللہ سے امیر
اِس در پہ آبرو نہیں جاتی سوال سے

شیخ صاحب اُٹھا کے دیکھو آنکھ
دخترِ رز سلام کرتی ہے

کیوں وہ صیاد کسی صید پہ توسن ڈالے
خود بخود صید چلے آتے ہیں گردن ڈالے

سارا پردہ ہے وہ دوئی کا جو یہ پردہ اٹھ جائے
گردنِ شیخ میں زنّار برہمن ڈالے

یہ کہوں گا یہ کہوں گا یہ ابھی کہتے ہو
سامنے اُنکے بھی جب حضرتِ دل یاد رہے

حشر میں عذرِ جفا کیا ہے بنا تو رکھو
کہ بہانا اُنمیں بھولے تو مجھے یاد رہے

نہ مست ہے نہ کوئی ہوشیار باقی ہے
حجاب کس سے اب اے چشمِ یار باقی ہے

پیری میں کس مزے کو جوانی کے رویئے
سو داغ دے گئے ہمیں دو دن بہار کے

کہا ہم نے جو دل کا درد تم اس کو گلہ سمجھے
تصدق اس سمجھ کے مرحبا سمجھے تو کیا سمجھے

ہے بجا کہئے اگر دولتِ دنیا کو پری
ہوشیاروں کو یہ دیوانہ بنا دیتی ہے

نصیحت کرنیوالوں کو اگر کچھ بھی سمجھ ہوتی
جو سمجھاتے ہیں مجھ کو وہ مرے دلبر کو سمجھاتے

صلح کل میں ہے ابھی ننگِ کفر میں تھوڑی سی
اور اے پیرِ خرابات نشیں تھوڑی سی

ایک قطرہ بھی نہ پینا مگر اے جانِ جہاں
اسی انداز سے کہدے کہ نہیں تھوڑی سی

کوچۂ یار میں ہوں لاکھ تپش کے ساماں
پھر ہو تسکین ہے دل کو تو یہیں تھوڑی سی

تُو ہی یاں رہنے کو آیا ہے نہ میں او غافل
جو ہے دنیا میں مسافر ہے یہ گھر کس کا ہے

انتخاب صنمخانۂ عشق

ہاتھ رکھ کر مرے سینے پہ جگر تھام لیا
تم نے اسوقت تو گرتا ہوا گھر تھام لیا

دیر کی تخصیص کر اتنی نہ اے شیخِ حرم
آج کعبہ بن گیا کل تک یہی بتخانہ تھا

وعظ کی مجلس میں بھی آئے تو یوں مستانِ عشق
مے کی بوتل تھی بغل میں ہاتھ میں پیمانہ تھا

نیند کے جھونکے چلے آتے تھے کیوں بیگانہ وار ذبح
تیغِ قاتل کی زباں پر کوں سا افسانہ تھا

مدہوشِ عشق ہو کر جب بزمِ معرفت میں
پردہ نہ بیچ میں ہو غافل شعورِ تیرا

ترے بندوں سے کرتے ہیں یہ بت جو خودنمائی کا
تماشا دیکھتا ہوں میں تری شانِ کبریائی کا

خدا نے ان بتوں کو کچھ نئی طینت عنایت کی
خمیر ان کا بنا ہے کھینچکے جوہر بے وفائی کا

یہ کس بیدرد نے دستِ نگاریں خواب میں چوما
کہ فریادی ہے اب تک نیل اُن نازک کلائی کا

گروں تنِ بسمل سے جدا ہو گئی کب کی
گروں سے جدا خنجرِ قاتل نہیں ہوتا

کھینچکر چادر جو پھر تربت پہ میری ڈالدی
ہیچ بتا کیا تجھکو اے وزدِ کفن یاد آ گیا

خواہشِ وصل تو کیونکر کہوں لیکن ناصح +
دیکھ لینے کا تو حضرت کو بھی ارماں ہو گا

وہ مزا دیا تڑپ نے کہ یہ آرزو ہے یارب
مرے دونو پہلوؤں میں دلِ بیقرار ہوتا

جو نگاہ کی بھی ظالم تو پھر آنکھ کیوں چرائی
وہی تیر کیوں نہ مارا جو جگر کے پار ہوتا

ایک دل ہمدم مرے پہلو سے کیا جاتا رہا
سب تڑپنے تلملانے کا مزا جاتا رہا

کھو گیا دل کھو گیا رہتا تو کیا ہوتا امیر
جانے دو اک بیوفا جاتا رہا جاتا رہا

غنچہ ساتھ دینا سے کیا لے گیا
مگر جو کسیکو دیا لے گیا +

ناوکِ ناز سے مشکل ہے بچانا دل کا
درد اُٹھ اُٹھ کے بتاتا ہے ٹھکانا دل کا

قیس کی خاک اُڑانے کو ہوا آندھی تھی
پردۂ محمل لیلیٰ کو اُٹھایا نہ گیا

تصور مژہ کا تری رات بھر
رگِ جاں میں نشتر چبھویا کیا

حسن کھلتا ہے سینکڑے جتنی نگاہ
جسقدر دیکھو اُبھرتا ہے بدن تصویر کا

دیکھ جو کچھ سامنے آجائے منہ سے کچھ بھول
آنکھ آئینے کی پیدا کر دہن تصویر کا

آئینہ دیکھ کے آئے ہیں مزے میں ایسے
خود وہ منہ چومتے ہیں اپنے تماشائی کا

تو بھی آئے تو نہ وہ آنکھ اُٹھا کر دیکھے
اور ہی رنگ ہے اب تیرے تماشائی کا

سب کی نظروں پہ نہ چڑھئے اتنا
دیکھئے دل سے اُتر جائیے گا

صورت تری دکھا کے کہونگا یہ روزِ حشر
آنکھوں کا کچھ گناہ نہ دل کا قصور تھا

بیوفائی کو تیری لگتا داغ
وعدہ اچھا ہوا وفا نہ ہوا

کیوں ملائیں وہ آنکھ اب ہمسے
لے چکے دل نکل گیا مطلب

خاک میں بھی ملا چکے ہمکو
نہ ملے اب تو کب ملینگے آپ

زندۂ محبت ہے ہوں میں ناتواں — ہے یہ ہوا سینے میں دم کی طرح
خدا کو دل ہی میں ڈھونڈو اِدھر اُدھر پھرو — نہیں کتاب کا مطلب کتاب کے باہر
بوسہ ملا جو اُس لبِ شیریں کا مر گئے — دی جان ہنسنے چشمۂ آبِ حیات پر

تہی دستوں کو کیا خوف بلائے آسمانی ہے — کفِ افسوس ملکے رہ گئی برق اپنی خرمن پر
گہ دورت کب جگہ پاتی ہے دلمیں صاف طینت کے — نہ دیکھا گرد کو جمتے کبھی دریا کے دامن پر
گلا کٹوا مزے لے لیکے پھر ایدل کہاں یہ دن — کبھی گردن ہو خنجر پر کبھی خنجر ہو گردن پر
جب آئی گردش میں چشمِ ساقی اُڑا دیے ہوش میکشوں کے — نکل پڑے میکدے سے باہر ہزاروں میکش بہک بہک کے
جو مینے آنکھوں سے پوچھے آنسو اُبل پڑی اور اشک خونیں — لہو کی دو بوندیں بھری تھیں لگا جو ہاتھ آرہیں ڈھلک کر
کبھی کعبہ میں صرفِ سجود ہو سر کبھی دیر میں جا کے حرم سے بھڑ — ہے دین میں کفر بھی مدِ نظر نہ ضم سے بگڑ نہ خدا سے بگڑ
گھبرا نہ قیسِ ناتواں لیلیٰ خود آئے گی یہاں — الجھے گا ناحق ساربان جانا ہے کیوں محمل کے پاس
کر تو ہی رحم اب اے قضا تڑپے یہ بیکس تا کجا — قاتل خفا خنجر کھچا کوئی نہیں بسمل کے پاس
مینے کہا بیکس ہوں میں بولے ہیں تیرے ہو دم — حسرت ہماری ہے ابھی باقی تمہارے دل کے پاس
فردوس میکدہ ہے میکش بلا رہے ہیں — اب بھی اگر نہ آئے دوزخ میں جائے واعظ
ہیں بیچ میں وہ جلوہ گر میں ہوں اِدھر اور غیر اُدھر — اِک بت ہے اور دو برہمن اِک اِسطرف اک اُسطرف

تری سفا کیاں پہونچیں یہاں تک — کہ ڈرتی ہے حیاتِ جاوداں تک
کڑی ہے اس قدر منزل عدم کی — کہ مر مر کر پہنچتے ہیں وہاں تک

نہ جلا تجھ سے قفس مینے چمن پھونک دیا — دیکھ ہیں گرم ترے یا مرے نالے بلبل
ہاتھ گلچیں کے کٹے باغ میں کانٹوں نے لگا — خوب ہی پھوٹے ترے دل کے بھی چھالے بلبل
دھیان صیاد کا گلچیں کا خطر خوفِ خزاں — ہو بلا ایک تو سر سے اُسے ٹالے بلبل
جانا تو اسکے کوچے میں ہے بار بار دل — کھائے نہ چوٹ یاس کی امیدوار دل

ملا جب وہ کھلا تب یہ مقابل — کیا کرتے تھے اپنی جستجو ہم

بے مانگے دے رہے ہو زمانے کو گالیاں
تم سا کہاں جہاں میں کوئی دوسرا کریم

باغِ جہاں میں سیر کو آئے ساتھ ہے لیکن قسمت بھی
ہاتھ ہے کوتہ شاخ ہے اونچی پائیں گے کیونکر کوئی ثمر ہم

اچک ہے شاخوں میں جنبش ہوا سے پھولوں میں
بہار جھول رہی ہے خوشی کے جھولوں میں

کوئی پوچھے تو محبت سے یہ کیا ہے انصاف
وہ مجھے دل سے بھلا دے میں بھلا بھی نہ سکوں

واعظ اب چھیڑ کے رندوں سے سنا کرتے ہیں
کچھ مزہ ملنے لگا ہے انہیں صلواتوں میں

کس طرح فریاد کرتے ہیں بتا دو قاعدہ
اے اسیرانِ قفس میں نو گرفتاروں میں ہوں

جب تڑپتا ہے دل میں ڈرتا ہوں
جسم پر جا پڑے زمیں نہ کہیں

مانندِ شمع تاج ہی سے ہے بقائے شاہ
ہے اس کلاہ پوش کی جاں اس کلاہ میں

ہم ہیں سیاہ کار تو رحمت ہے پردہ پوش
مے پیتے ہیں تو سایۂ ابرِ سیاہ میں

آنکھ اپنی فتنہ ہائے قیامت پہ کیا پڑے
جسکے یہ فتنے ہیں وہ ہے اپنی نگاہ میں

حقیقت عاشقوں کی مرگ کی ہے کوئی پوچھے
بہت جب نیند آئی سو رہے جا کر مزاروں میں

جدا ہے دخترِ رز کا نام ہر صحبت میں اے ساقی
پری ہے میکشو نیں حور ہے پرہیزگاروں میں

ہوئے ہم قتل جب جلسہ نظر آیا حسینوں کا
بٹایہ خونِ ناحق چلو چلو گلعذاروں میں

نگوئد کوئی پھولے گا یہ صحبت رنگ لائیگی
امیر اچھا نہیں ہے بیٹھنا ان گلعذاروں میں

کلیاں یہ سرخ سرخ نہیں لالہ زار میں
مہندی لگی ہے دستِ عروسِ بہار میں

شرم آتی ہے کہ یار کو میں بیوفا کہوں
اچھا کہا ہے جسکو اُسے کیا بُرا کہوں

مجھ سے تو ایک نے بھی نباہی نہ دوستی
پھر آشنا کسے کسے نا آشنا کہوں

کہا جو مینے کہ رخ سے ذرا نقاب اُلٹو
تو ہنس کے بولے کہ منظورِ قتلِ عام نہیں

دُنیا ہے طرفہ میکدۂ بیخودی امیر
سب مست ہیں کسی کی کسی کو خبر نہیں

پھر اُس کی شانِ کریمی کے حوصلے دیکھے
گناہ گار یہ کہدے گناہ گاروں میں

الہٰدرے ناز دیکھ کے کہتے ہیں آئینہ
ہم نازنیں نہیں تو کوئی نازنیں نہیں

شیخِ حرم سے ملکے ہو اسقدر انفعال
کتنے ذلیل ہم نگہِ برہمن میں ہیں

عزیز احباب ساتھی دم کے ہیں ہمدم چھوٹ جاتے ہیں
جہاں یہ تار ٹوٹا سارے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں

میں کہتا ہوں تمہیں نے دل لیا میرا تو کہتے ہیں
کہ ہاں ہاں لے لیا اچھا کیا ہم کب مکرتے ہیں

میں کسکی دید کا طالب ہوں کسکے وصل کا خواہاں
یہ کسکی حسرتیں ہیں آپ جنکا خون کرتے ہیں

انہیں کا مال تھا اچھا کیا دل لے لیا میرا
کوئی چھینے نہیں لیتا ہے اُن سے کیوں مکرتے ہیں

ملا کر خاک میں بھی ہائے شرم اُنکی نہیں جاتی
نگہ نیچی کئے وہ سامنے مدفن کے بیٹھے ہیں

بنجاں کر کے مجھے سر پہ کھڑے ہیں چپکے
ہاتھ اُٹھانے بھی نہیں ہاتھ لگاتے بھی نہیں

پھیر دو دل جو نہیں دیتے ہو بوسہ ہی کیا
مال پر لوٹ بھی ہو دام لگاتے بھی نہیں

آنکھ اُس آنکھ سے دیکھو نہ مقابل ہو امیر
اِسی کھڑکی سے اُترا آتا ہے جادو دل میں

حکم ہے ضبطِ محبت کا کہ ہو راز نہ فاش
آ کے آنکھوں میں پلٹ جاتے ہیں آنسو دل میں

یوں تو سلجھے گا نہ اُلجھا ہوا بوسوں کا حساب
سہل ساگر میں بتا دوں تجھے تو گن ہی نہیں

جذبِ دل اُن سے یہ کہتا ہے کہ اب کیوں آئے
تم تو کہتے تھے کہ آنا مرا ممکن ہی نہیں

الفت میں برا برہے وفا ہو کہ جفا ہو
ہر بات میں لذت ہے اگر دل میں مزا ہو

آنے جو مری لاش پہ وہ طنز سے بولے
اب ہم ہیں خفا تم سے کہ تم ہم سے خفا ہو

یہ زباں چلتی ہے ناصح کہ چھری چلتی ہے
ذبح کرنے مجھے آیا ہے کہ سمجھانے کو

جب پوچھتا ہوں میں کوئی تدبیر وصل کی
کہتے ہیں بت کہ اپنے خدا سے دعا کرو

پردہ میں تم رہو اُسپہ یہ عالم ہے حسن کا
پردہ سے باہر آؤ تو کیا جانے کیا کرو

جب پوچھتا ہوں اُن سے دوا اور دِش کی
کہتے ہیں پہلے ہوش کی اپنے دوا کرو

حُسن و وفا کا ساتھ تو اے دل ہوا نہو
معشوق نام اُسی کا ہے جسمیں وفا نہو

کہتی ہے یادِ وطن مجھے نہ روٹھ اب من جا
چھوڑ غربت کو پلٹ چل مرے پیارے گھر کو

دم نکلتے ہی ہوئی لاش جو دو بھر ایسی
کیا ہوئی ہمسے محبت تھی جو سارے گھر کو

کیا خبر تھی کہ گراں ہوگا ہمارا آنا
ہم تو گھر اپنا سمجھتے تھے تمہارے گھر کو

سخت ناداں ہے کہ ملتا ہو وہ پاؤں کے تلے
کچھ بھی سمجھے تو کلیجے سے لگائے دل کو

ہو رہے ہم تو اے صنم تیرے
تو ہمارا خدا کی شان نہو

اس ادا سے کیا شہید اُس نے
خوں بسمل گیا شہیدوں کو

کچھ اس انداز سے وہ ناز بھرے ہاتھ چلے
آگئی نیند نہ جنجر قاتل مجھ کو

نزع میں جاتے تو ہو بالیں سے مجھ بیمار کے
اک نظر آنکھوں کا صدقہ ادھر کر دیکھ لو

پردے میں آئینہ کے یہ دل ہے امیر کا
پہچان لے جو وہ تو کبھی رو برو نہو

خدا نے دن یہ دکھلایا کہ وہ بت میہماں آیا
ملے تو شیخ سے کہہ سنکے دو دن کو حرم لیلو

سوا اب خاک ہونے کے نہیں حسرت کوئی باقی
کہ مٹی ہو گیا جی دیکھ کر گرد غریباں کو

جسنے یہ درد دیا ہے وہ دوا بھی دے گا
لا دوا ہے جو ہو درد جگر ہونے دو

کہتا تھا قاتل آپ ہی مرتے تھے جاں نثار
بدنام ہائے منت ہوتے ہم لگا کے ہاتھ

آنکھیں کھولیں بھی بند بھی کیں
وہ شکل نہ سامنے سے سرکی

کیا ننگ سے جلاد مری سختیٔ جاں سے
ہر دار پہ کہتا ہے کہ ظالم کہیں سرکی

آمد جو شب وصل کی سن لی مرے گھر میں
اللہ ری ضد شام سے پہلے سحر آئے

اللہ رے ستم بیخودیٔ شوق کے ہم پر
ہم آپ میں آئے تو کہا تم کہ ہر آئے

کوٹھے سے نزاکت تو اُترنے نہیں دیتی
تم آنکھوں سے دل میں مرے کیونکر اُتر آئے

آئے وہ دم باز پسیں یوں مرے گھر میں
جس طرح کہیں چاندنی پچھلے پھر آئے

ہمسائے ہی کے کوٹھے پر آئے وہ شب ماہ
چاند اوروں کے گھر چاندنی ہی میرے گھر آئے

موت سے وہ جھڑک کے کہتا ہے
ہٹ نہ آ پاس میرے بسمل کے

کہہ رہی ہے حشر میں وہ آنکھ شرمائی ہوئی
ہائے کیسی اس بھری محفل میں رسوائی ہوئی

کہہ تو اے گلچیں اسیران قفس کے واسطے
توڑ لوں دو چار کلیاں میں بھی مرجھائی ہوئی

گرد اُڑی عاشق کی تربت سے تو بہکا کر کہا
واہ سر چڑھنے لگی پاؤں کی ٹھوکر کھائی ہوئی

گھر بیٹھے ہمیں ہاتھ لگی منزلِ مقصود
جب توڑ کے ہم بیٹھ رہے پاؤں طلب کے

باقی ہے امیر اب تو حفظ جان کا جانا
ہوش و خرد و تاب و تواں جا چکے کب کے

خلش نوکِ مژہ کا نکرے دل شکوہ
کیا مزے کی ہے یہ پھانس اسکو چبھا رہنے دے

واے قسمت جو سب کی سنتا ہے
وہ بھی عاشق کی اِلتجا نہ سنے

کوئے جاناں میں ہوئی ہے جو شہادت میری
دامنِ حور کے سائے میں ہے تربت میری

دل سے بھی باتیں میں کرتا ہوں تو وہ کہتے ہیں
سُن رہا ہوں میں کہے جاؤ شکایت میری

عشق میں جی سے گزرتے ہیں گزرنیوالے
موت کی راہ نہیں دیکھتے مرنے والے

عجب عالم ہے اُسکا وضع سادی شکل بھولی ہے
کُھبی جاتی ہے دل میں کیا رسیلی نرم بھولی ہے

ادائیں کھیلتی ہیں رنگ تلوار اُس نے تولی ہے
لہو کی چھٹ رہی ہیں پچکاریاں مقتل میں ہولی ہے

وہ کہتے ہیں کہ ہم آنکھوں میں سب کو تاڑ لیتے ہیں
محبت ساری دنیا کی اسی کانٹے میں تولی ہے

صبا ان غنچہ بندی کلیوں نے شب کو کی چوری کی
کہ تو نے صبح کو ایک ایک کی پونجی لوٹ لی ہے

گھٹا کی سیر حجرے سے نکلکر دیکھ اے زاہد
نہانے کو یہ چوٹی حور نے جنت میں کھولی ہے

خوشا مدا ے دلِ بیتاب اس تصویر کی کب تک
یہ بولا چاہتی ہے پر نہ بولے گی نہ بولی ہے

وصل ہو جائے یہیں حشر میں کیا رکھا ہے
آج کی بات کو کیوں کل پہ اُٹھا رکھا ہے

محتسب پوچھ نہ تو شیشے میں کیا رکھا ہے
پارسائی کا لہو اس میں بھرا رکھا ہے

ہم چلے دیر سے کعبے کو تو وہ بت بولا
جا کے لے لیجئے کعبے میں خدا رکھا ہے

دمِ آخر تو ظالم ذرا آ جا ملے
کچھ اس غریب مسافر کو زاد راہ ملے

بڑھاپے نے ہرن سب کر دئے نشے جوانی کے
ترنگیں مستیوں کی ہو چکیں اب فاقہ مستی ہے

خودی سے بیخودی میں آ جو شوقِ حق پرستی ہے
جسے تو نیستی سمجھا ہے اے غافل وہ ہستی ہے

نہ شاخِ گل ہی اونچی ہے نہ دیوارِ چمن بلبل
تری ہمت کی کوتاہی تری قسمت کی پستی ہے

بڑھ لے آہِ رسا اب کنگرے پہ عرش کے پہنچی
بلندی کو بلندی جانا تمہت کی پستی ہے

بتوں کو دیکھ کے ہم کلمۂ توحید پڑھتے ہیں
خدا راضی ہے نہیں وہ ہماری بت پرستی ہے

انگوریں تھی یہ مے پانی کی چھاربوندیں
جسدن سے کچھ گئی ہے تلوار ہوگئی ہے

بحرِ الفت کے کنارے تک نہ پہنچا ایک بھی
دست و پا کتنے ہی پیراکون نے مارے گئے

شیخ جی یوں ہی جو مے پینے کی عادت ہوگی
ایک دن رہن یہ دستارِ فضیلت ہوگی

رتبہ شہیدِ عشق کا گر جان جائیے
قربان ہونے والے کے قربان جائیے

بیجان پر ہے ناز تو جان جائیے
کیا ہے ہمارے ولیں بھلا جان جائیے

آخر ہوئے نہ حضرتِ دل آپ دال ذلیل
ہاں اور وڈر روڈ کے مہمان جائیے

بُرائی مرسی سُن کے غیروں سے بولے
یہ سب سچ مگر ہائے کیا آدمی ہے

ایک سیدھی نگاہ پر تیری
لاکھ بانکوں کا بانکپن ہدقے

جبیں قہر ہے ہلال ابرو تو چہرہ غصہ سے لال بھی ہے
بتوں سے ظاہر ہے شانِ خالق جمال بھی ہے جلال بھی ہے

لینے آئی ہے اجل کسکو عدم کو جائے کون
اتنی طاقت اب کہاں فرقت کے بیماروں میں ہے

رُکا خنجر جو دستِ نازنیں سے
چھری جھنجلا کے لی چینِ جبیں سے

نہ گھبرا تہ خنجرِ عشق دم لے
مرے کا تو وقت اسمیں ایدل بھی ہے

ترے بیمار کا کام اب بڑی مشکل سے چلتا ہے
کہ درد اٹھکر بدلواتا ہے تب کروٹ بدلتا ہے

پوچھتا کیا ہے کہاں دل جگر اے جان گئے
جانے کمبخت کہاں سب ترے قربان گئے

خود ترے ہونٹ یہ کہتے ہیں کہ بوسے لو
اور معشوقوں کی ہوتی ہے اجازت کیسی

لپٹا میں اُٹھلے غش سے تو بولے فریبیے
مطلب کے وقت کیسے بجا ہوش ہوگئے

ہے بخشنے نہ بخشنے میں اسکو اختیار
تو ہے گناہگار کہے جا خطا ہوئی

تجھ سے مانگوں میں تجھی کو کہ سبھی کچھ مل جائے
سو سوالوں سے ہیں ایک سوال اچھا ہے

چودھویں سال میں ہے نام خدا دخترِ رز
پڑھ دے قاضی کہو دولہا یہ سال اچھا ہے

مانگئے بوسہ تو کہتے ہیں وہ دے کر دشنام
کیوں جواب اسکا ہے اچھا کہ سوال اچھا ہے

خانقاہوں میں جو یہ بجلی ہے سبکی سبکی
توبہ بھی پی کے مگر نکلی ہے میخانے سے

اجل آئی ہے نذر اسکی کریں کیا
ہماری جان تو تم میں پڑی ہے

ہیں قتل گہ ناز میں سب زندۂ جاوید
شمشیر قضا توڑ کے رکھدی ہے قضا نے

وہ کہتے ہیں نکلنا اب تو دروازے سے مشکل ہے
قدم کوئی کہاں رکھے جدھر دیکھو ادھر دل ہے

کہیں ایسا نہ ہو تجھ پر بھی کوئی وار چل جائے
قضا ہٹ جا کہ جھنجلایا ہوا اسوقت قاتل ہے

سخی کا دل ہے ٹھنڈا گرمی روز قیامت میں
کہ سر پر تیر رحمت سایہ دامان بسمل ہے

نہ کر معشوق کو بے پردہ آنکھیں بند کر مجنوں
کہ لیلیٰ انکھ کی پتلی ہے آنکھ آغوش محمل ہے

اندھیری رات میں بجلی کو بھی ترس آیا
غریب لے کے چراغ آئی آشیاں کیلئے

پھر تبسم سے چھڑک قاتل نمک
زخم بھی ہم تشنہ لبوں کے بھر چلے

عاشق اب ایجان جی کر کیا کریں
مرنے کو آئے تھے تم پر مر چلے

کسکی چاہ بھی دل میں مرے اے نازنیں نکلی
ترے تیروں نے گھر بھر کی تلاشی لی کہیں نکلی

دل بسمل سے نکلی آہ بالکل کوئی چیز نکلی
کہ محمل سے تڑپ کر لیلیٰ محمل نشیں نکلی

الٰہی کس شہید ناز نے ساتا کھڑا یا
کہ ننگے پاؤں فردوس بریں سے حوریں نکلی

نہ چوک وقت کو پا کر کہ ہے یہ وہ معشوق
کبھی امید نہیں جس سے جا کے آنے کی

بری ہو نہ قسمت الٰہی کسی کی
کہ جو سوجھتی ہے بری سوجھتی ہے

شیرۂ انگور کو کرتی ہے آب آتشیں
آگ پانی میں لگاتی ہے ہوا برسات کی

جب دوپٹہ سادھ کر ہاتھ نے دھانی ہو گیا
واہ کیا تاثیر رکھتی ہے ہوا برسات کی

جب چمن میں آگیا مستوں کو ساون کا خیال
ساذنی گانی ہوئی آئی گھٹا برسات کی

ہر روش پر ہے چمن میں اک پری ساغر بکف
ایک دن یوں دیکھیں اے ساقی فضا برسات کی

ہجر میں سب سے مزا ہے وصل میں سب بامزہ
فصل گرمی کی ہو یا جاڑے کی یا برسات کی

تری شبیہ میں کی حرف استد طاقت
سکت نہ پھر قلم صورت آفریں میں رہی
عجب رسائی قسمت ہے اے حنا تیری
چمن جو چھوٹ گیا دست نازنیں میں رہی

ذبح کے وقت اُسکی گھبراہٹ
دیکھکر مجھ کو پیار آتا ہے
دل کو اب کب قرار آتا ہے
سُن لیا ہے کہ پار آتا ہے
تم کو آتا ہے پیار پر غصہ
مجکو غصے پہ پیار آتا ہے

امیر

(امیر) صاحبزادہ امیر اللہ خاں ولد صاحبزادہ حبیب اللہ خاں فرحت رام پوری ابتدا میں شیخ کرامت علی شہیدی اور شیخ علی بخش بیمار سے فیض سخن پایا۔ اخیر میں میر احمد علی رسا کو کلام دکھایا۔ کچھ تو طبیعت پہلے ہی رسا تھی حضرت رسا کی فیض صحبت سے اور بھی رسا ہو گئی۔ سنہ ۱۲۹۰ ہجری میں صرف ۴۵ سال کی عمر پاکر انتقال کیا یہ تین شعر بطور یادگار درج تذکرہ ہوتے ہیں ؎

سوز غم سے داغ غم سینے میں ہے روشن چراغ
اپنے گھر میں رات دن جلتا ہے بے روغن چراغ
نکیسی: ہ مژہ جو یاد آئی دست وحشت میں
تو پھر چبھتا پھرا آنکھوں سے میں خار بیابان کو
پڑھنے کو آئے فاتحہ غیروں کے ساتھ ساتھ
شعلہ نکل گیا مرے لوح مزار سے

(امیر) نواب حسین علیخاں عرف آغا صاحب امیر خلف نواب امانت علیخاں ابن نواب جعفر علیخاں ابن نواب سعادت علیخاں مغفور صوبہ اودہ نواب احمد حسن خاں جوش کے شاگرد اور خوش کلام شاعر تھے ۱۹۰۶ء میں آپ کا شباب تھا منتخب کلام حاضر کیا جاتا ہے ؎

خود فروشی کو جو وہ یوسف ثانی آیا
راستہ بند ہوا مصر کے بازاروں کا
ہمارے نالہ تو عرش خدا ہلاتے ہیں
بتوں کے دل میں کیا ہے اثر نہیں ہوتا
نالے کئے وہ ہجر میں پیہم تمام شب
ہل ہل گیا ہے عرش معظم تمام شب
کشتہ سمجھ کے شمع رخ بے مثال کا
پروانوں نے کیا مرا ماتم تمام شب
جاگے ہو میری جاں کہاں جاکے رات کو
آنکھوں میں نیند کا ہے جو کچھ کچھ خمار آج

امیر

جان جاتی ہے مگر کچھ نہیں کہتے ہیں امیر | ان کو اس قاتلِ عالم سے محبت کیا ہے

امیر

(**امیر**) نواب میر حسن علی خاں حیدرآبادی - خوش باش جاگیردار ہیں - چالیس پچاس برس کے درمیان عمر ہے - آدمی نیک اور خلیق ہیں - شعر و سخن کی طرف بھی طبیعت مائل ہے ابتدائے عمر میں اصلاح سخن کسی و شاعر سے لیتے تھے مگر اخیر میں نواب فصیح الملک مرحوم کو کلام دکھانے لگے تھے - داغ مرحوم کے خاص ہم جلیس و دوستوں میں تھے - اکثر شبانہ روز اُنہیں کے مکان پر رہتے تھے حضرت داغ بھی ان سے بیگانگت کا برتاؤ کرتے تھے طبیعت کا رنگ کلام مندرجہ سے ظاہر ہے ؎

آنکھوں میں رہے شوق سے دل ہو جو پسند | دنیا میں پھرے ملے گا نہ ایسا مکاں کہیں
دل ہو گیا وارفتہ مرا ایک نظر میں | جادو ہے غضب چشمِ بتِ شعبدہ گر میں
سب رازِ جلی سرِ خفی اس پہ ہویدا | پھر غور سے دیکھو تو نہیں کچھ بھی بشر میں
اس سے خم و پیچ تری زلفِ دوتا کا | بل کھا کے لپٹ جاتی ہے ناگن بھی کمر میں
اے ہم صفیر تجھ کو مبارک چمن کی سیر | ہم تو اسیر ہو گئے فصلِ بہار میں
کیونکر جنوں میں دشت نوردی نہ پسند | پایا ہے آبلوں نے مزا نوکِ خار میں
جلا ئینہ کی گرد کدورت سے نہیں منتی | صفائی ظاہری کس کام کی ہے دل مصفا ہو
زادِ سفر کی خیر منا ؤ مسافرو | رہزن کھڑے ہیں گھات میں منزل کے سامنے

دم ہمارے جسم میں باقی نہیں | خون کی پیاسی تری تلوار ہے
ہو گیا ہے تار بستر میں شریک | اسقدر لاغر ترا بیمار ہے
سہل ہے ملنا نگاہ ہو کا مگر | دل سے دل ملنا بہت دشوار ہے

ہو گئی اُن کو شکایت شکوہ بیداد کی | کیا تماشا ہے وہاں فریاد ہے فریاد کی
شوقِ دیدار میں ہے سارا زمانہ بیتاب | اب تو چہرہ سے نقاب اپنے اُٹھائے کوئی
سر بکف میں بھی ہوں اور تیغ بکف قاتل ہے | میری مشکل اگر آساں ہو تو کیا مشکل ہے

کون سنتا ہے کہ دعوے ہی مرا باطل ہے | اب تو فا بو میں ہے جسکے یہ اوسی کا دل ہے

امین

(**امین**) میر علی نام - قوم سے سید اور شاہجہاں آباد دہلی کے رہنے والے تھے - اخیر میں ایران کی طرف چلے گئے - طبقہ اول کے شعرا میں ان کا شمار ہے - اور یہ چند اشعار یادگار ہیں ؎

عجب کیا ہے جو تربت میری اک مخزن ہو پیکاں کا | کہ دل پر ہے جراحت اب تلک اُس تیر مژگاں کا
جلا دیویں قفس اور دام - آتش باتماہوں سے | اگر اک دم ہمیں صیاد دیوے حکم افغاں کا
جب وہ دل لے کے چلے میں نے کہا آؤ گے پھر | ہنس کے یوں کہنے لگے جان و جگر یاں ہے کہاں

امین

(**امین**) مرزا محمد اسمعیل ابتدا میں وحشی تخلص کرتے تھے طبقہ دوم کے آخر شعرا میں گنے جاتے ہیں آدمی خوش فکر نیک اخلاق اور پاکیزہ رائے تھے کلام ملاحظہ ہو ؎

گلشن میں جب اُس گل کا دا بند قبا ہوگا | کیا جانیے بلبل کی پھر جان پہ کیا ہوگا
اپنی تو وہی عید ہے جس روز کہ ہمدم | گھڑ انظر آجائے لب بام کسی کا
نزاکت پر تک اُس دستِ نگاریں کے نظر کرنا | کہ گجرے سے گلوں کے ہاے جس کا مڑ گیا پہنچا
لپٹ بادِ صبا کب طرۂ سنبل نے یہ پائی | خدا جانے کہ بوے زلف تو کس کی اُڑا لائی
کیا غضب تیری آن ہے پیارے | میری تو اُس میں جان ہے پیارے

امین

(**امین**) میر محمد امین نام ہے - مسٹر فیلن نے انہیں دکھنی لکھا ہے - اور مولف جلوۂ خضر نے بنارسی مگر قرین قیاس یہی ہے کہ انکا اصلی وطن دکن تھا - میر غلام علی آزاد بلگرامی حسان الہند کے شاگرد تھے - ان کی تصنیف میں سے ایک ساقی نامہ اور ایک مثنوی یوسف زلیخا زبان فارسی میں مشہور ہے - یوسف زلیخا کے قصہ کو دکھنی زبان میں بھی نظم کیا تھا اور ریختہ گوئی کی طرف بھی طبیعت مائل تھی - اگرچہ انکے اُردو کلام میں سے صرف دو شعر دستیاب ہوئے ہیں - مگر چونکہ ان کا ایک شعر قبول عام کا رتبہ حاصل کر چکا ہے اس لئے ہم نے محض اُس مشہور شعر کی خاطر انکا ذکر اپنے تذکرہ میں مناسب جانا وہ شعر یہ ہے ؎

جی سے کہمدو کہ آہ سرد کے ساتھ | ٹھنڈے ٹھنڈے چلے تو جیل نکلے

کیوں شعلہ رخو مجھکو جلاتے ہو کہ سینہ	رکھتا ہوں میں گل خوردہ مثال پرطاؤس

امین

(**امین**) خواجہ قاضی محمد امین الدین خان خلف وحید الدین خاں ۔ جو نجیب الدولہ کے عہد میں دہلی کے قاضی القضاۃ تھے ۔ امین مرد صلاحیت شعار اور برگزیدہ اطوار تھے اور مرزا جہاندار شاہ کی سرکار میں دواخانہ کے داروغہ تھے ۔ اپنے زمانہ کے اچھے شاعروں میں شمار ہوتے تھے ۔ ۱۱۹۳ھ ہجری تک زندہ اور مصحفی کے ہمعصر تھے چنانچہ اکثر انکے مشاعروں میں شریک ہوا کرتے تھے ۔ چار اشعار بطور یادگار درج تذکرہ ہیں ؎

سخت کاوش میں ہوں برنگِ نگیں	ایسی نام آوری کا منہ کالا
ہمکو کیا گر بہار آتی ہے	دل وہ غنچہ نہیں جو وا ہوگا
مل گیا ہوگا خاک میں جیوں اشک	تیری آنکھوں سے جو گرا ہوگا
کون آتا ہے یہ کس کے پانوں کی آواز ہے	ہر صدائے پا میں جس کی سو طرح کا ناز ہے

امین

(**امین**) نواب امین الدولہ معین الملک بہادر عرف مرزا مینڈو خلف الرشید وزیر الممالک نواب شجاع الدولہ صوبہ اودہ ۔ بعض تذکروں میں ان کا خطاب امیر الدولہ ناصر جنگ لکھا ہے آپ توپ خانۂ شاہی کے منتظم نواب آصف الدولہ بہادر والی اودہ کے بھائی اور حضرت شاہ عالم ثانی کے دلی رفیق تھے ۔ آپ کا اکثر دہلی میں قیام رہتا تھا ۔ بہت خلیق صاحب ہمت اور نیک خو امیر تھے ۔ غلام قادر روہیلے کے فتنہ و فساد سے پہلے دہلی میں اپنے مکان پر بڑے تزک و شان سے مشاعرہ کیا کرتے اور شعرا کے ساتھ ہر طرح سے مسلوک ہوتے تھے مفصلہ ذیل اشعار سے آپکی طبیعت کی روانی کا اندازہ ہو سکتا ہے ؎

حاجت نہیں ہے شمع کی میرے مزار پر	ہر شب ہے سوزِ آہ سے روشن چراغ دل
شاید کہ سیلِ اشک نے اس کو بہا دیا	سینے میں اب تو خاک بنا یا سراغ دل
کل جو ہم نے بغیچہ کے ساتھ سیر و بر کی	لڑکھڑایا تھا ہی پا لیکن خدا نے خیر کی
یاس و غم و آرزو و جمع یہ سب چیز ہے	دل بے سمائی تری دل بھی عجب چیز ہے

امین

(**امین**) خواجہ امین الدین عظیم آبادی - ملازم سرکار نواب ناظم مرشد آباد - کچھ دنوں نواب مظفر جنگ سید محمد رضا خاں کے مصاحب بھی رہے تھے - علی ابراہیم خاں صاحب تذکرہ کے یار دیرینہ اور ۱۸۰۴ء کے قریب تک زندہ تھے - بلاد شرقیہ میں اُستاد مانے جاتے تھے - ان کی طبیعت کا رنگ کلام ذیل سے آشکار ہے ؎

دنیا میں جو اگر نہ کرے عشق بتاں کا
نزدیک ہمارے ہے یہاں کانہ وہاں کا

مانندِ نگیں آپ سے کاوش میں پڑا ہے
مشتاق جو کوئی ہے یہاں نام و نشاں کا

پردہ سے جو وہ شعلۂ ایما نکلتا
تب دیکھتے خورشید کا یہ نام نکلتا

گالیاں جو دیں سو دیں - بس کیجیے
سُن چکے ہم جب تلک مقدور تھا

جس کا دل آپ نے لیا ہوگا
خاک میں لے - ملا دیا ہوگا

گالیاں غیر سے سُناتے ہو
ہاں میاں! تم سے اور کیا ہوگا

وہی مقصود دل ہے - اور وہی منظور آنکھوں کا
سرورِ سینہ میں اُسکو کہوں - یا نور آنکھوں کا

کیا ایک مجھ کو بھاتی ہے برسات کی ہوا
کس کو نہیں خوش آتی ہے برسات کی ہوا

گر ارادہ نہیں ہے آنے کا
فاتحہ اس قدر رہانے کا؟

سخت[1] کاوش میں ہوں بزنگِ گیں
ایسی نام آوری کا منہ کالا

خورشید تیرا دیکھ کے منہ کانپ کے نکلا
مہ چادرِ مہتاب میں منہ ڈھانپ کے نکلا

ہمکو[1] کیا گر بہار آتی ہے
دل وہ غنچہ نہیں کہ وا ہوگا

بوسہ دیا تھا جی میں جو آوے تو پھیر لو
اتنے خفا ہو کس لئے اس ذرا سے پر

یہ نہیں جوہر نمایاں تیغ تیز یار پر
کھُد رہا ہے نام مقتولوں کا اس تلوار پر

دل خیالِ زلف میں بے خواب و آرام ہے
رات ہوتی ہے امیں بھاری ہر اک بیمار پر

ڈر سے ترے نالہ بھی نکلتا نہیں لب سے
ظالم ہے ترے ظلم کی تاثیر ہوا پر

اُس شمع رو کے سامنے آتا ہے تو پتنگ
بھاری ہوئے ہیں کیا تجھے اپنے دو چار پر

[1] یہ دونو شعر خواجہ امین الدین خان آئین کے نام سے بھی تذکروں میں درج پائے گئے -

بار کے مژگاں سے لڑجاتا ہے یوں تیرِ نگاہ
جس طرح تردار کوئی آ لگے تروار پر

آئی بہار ہو گئے ہر خار راہ سبز
لیکن ہوئے نہ آہ یہ بختِ سیاہ سبز

کیا کہوں یار سے اپنی سی کئے جاتا ہوں
گالیاں کھاتا ہوں غصہ کو پیئے جاتا ہوں

جی نکلتا ہے یہ لب یار میں ہلتے ہیں ترے
مرتے مرتے بھی ترا نام لئے جاتا ہوں

فائدہ کیا ہے بھلا ہم جو کریں فکرِ معاش
غم کو کھاتے ہیں امیں خون جگر پیتے ہیں

سر پر اتنا پھول مت قسری
ہم بھی اک نونہال رکھتے ہیں

دل تو کیا ہے آمیں جو آوے یار
جان آگے نکال رکھتے ہیں

مجھے بیچین رکھنا ہے دلِ افگار پہلو میں
وہ سوئے کسطرح جسکے رہے بیمار پہلو میں

مجھے تو کبھی عمر بھر غم نہ ہو
ملاقات تیری اگر کم نہو

ہم آنے کو مانع نہیں غیر کے
پر اتنا بھی خلوت میں ہمدم نہو

امیں کی غذا آرہی ہے یہی
الٰہی یہ خونِ جگر کم نہو +

ہوئی ہے آشنائی جب سے اُس مے نوش سے مجھ کو
جو صاحب عقل ہیں کہتے ہیں اہل ہوش سے مجھ کو

کیا کہیں دودِ آہ کی تاثیر +
گھر کا گھر ہے سیاہ مت پوچھو

مفت مارا گیا ہزار افسوس
تھا امیں بے گناہ مت پوچھو

دل باندھنے تو یار کی کاکل سے باندھیے
بلبل کو باندھیے تو رگِ گل سے باندھیے

خضر نے اک دم پیا تھا لے کے آبِ زندگی
مانگتے ہیں اب ملک اُس سے حسابِ زندگی

کیا بھلا اس میکدے میں جی کسی کا شاد ہو
مر گیا آخر کو پی جس نے شرابِ زندگی

غیر سے کیونکہ وہ چھوڑے ملتا
چھوڑتا ہے کوئی اپنی بانی

جتنے تجھ محفل میں تھا سب سے پاک اور اخلاط
ایک ہم کمینت گویا داں گنہ گاروں میں تھے

بھر عمر گدائی میں بھی کرتے ہے شاہی
دنیا میں جو بیٹھائی تھی میاں - ہمنے بنا ہی

تمہاری آنکھیں جو دیکھتے ہیں تو پیٹ ہی لگتی ہیں پیاری پیاری
پر اسقدر ہیں جوخوں کی پیاسی - کیا فرانکھیں ہیں یا کٹاری

تری نگہ کے جو ہونگے مارے نہ مانگا ہوگا اُنوں نے پانی
نہ ایسی دیکھی ہے تیغ ہنسنے نہ ایسی دیکھی ہے آبداری
دن کٹا فریاد میں اور رات زاری میں کٹی
عمر کٹنے کو کٹی پر کیا ہی خواری میں کٹی
صبح گر صبحِ قیامت ہو تو کچھ پروا نہیں
ہجر کی جب رات ایسی بیقراری میں کٹی

رنگ چہرے کا زعفرانی ہے
عاشقی کی یہی نشانی ہے
کس سے تشبیہ دیں بھلا تجھکو
ایک یوسف سو تیرا ثانی ہے
جلوہ تیرے حسن کا کہاں ہے
یوں کہنے کو آفتاب ہاں ہے
کیا شہر میں آج مجھ پر ہے ہولی
پھرتے ہیں لئے عبیر بھر بھر جھولی
وعدے سے کیا کروگے دلخوش کبتک
ہولی کا قرار تھا سو یہ بھی ہولی

رباعی

کیا بُرا وقت تھا اُس شوخ سے جب آنکھ لگی
جب تلک جیتے رہے روزنہ شب آنکھ لگی
حیاتِ جاوداں بخشے ہے تیغ آبدار اُس کی
اگر باور نہ آوے جا کے کھاوے جسکا جی چاہے

چشمِ گریاں کی دیکھئے خوبی
ساتھ اپنے مجھے بھی لے ڈوبی
یار بھی اب گلہ لگا کرنے
یہ بھی اپنے نصیب کی خوبی
صبح اور شام سب بہانہ ہے
آئیے آئیے جو آنا ہے

زاہد کبھو تو گرد نہ پھیرو شراب کے
یاں آگ ہے چھپی ہوئی پردے میں آب کے
کیا چشمِ سنعاں سے رکھیں مفلسانِ دہر
دریا نے تو بھرے نہیں کاسے حباب کے
رشکِ گلزار ہوا داغ سے سینہ میرا
یار کے بھاویں تماشا ہے تماشہ یہ ہے
اُس ماہرو کے سامنے آتی ہے چاندنی
اپنے تئیں اب آپ ہشاتی ہے چاندنی
دو دن کی چاندنی ہے پھر آخر اندھیری رات
ساقی پلا شراب کہ جاتی ہے چاندنی
غیروں سے اختلاط ہماری بلا کرے
گر آشنا کرے تو تجھی سے خدا کرے
دنیا میں کہنے کو سبھی کہلاتے ہیں بھلے
پر ہے وہی بھلا - جو کسیکا بھلا کرے

(امین) حافظ محمد امین باشندۂ کانپور تاجر کتب کلکتہ - شاگرد شیخ عبد الاحد عزم کانپوری امین

پہلے ثروت تخلص تھا - بعد میں امین اختیار کیا - زیادہ حال معلوم نہیں اشعار ذیل ہدیۂ ناظرین ہیں ؎

صفائی ہاتھ کی قاتل جب ہی ہے — نہ خالی جائے کوئی وار تیرا
دوبارہ مانگا جب بوسہ تو بولے — لکھا کیا پتہ ہے عمر بھر کا
حجاب یار کا کشتہ ہوں یارب — دھواں نہاں ہے آہ جگر کا

عالم کا بھی خوں کر کے پشیماں نہیں دیکھا — بیرحم کوئی تجھ سا میری جاں نہیں دیکھا
جان آجائے تن بیجاں میں شاید ہمدمو — لے چلو میرا جنازہ کوے جاناں کیطرف

انتخاب (انتخاب) نام باوجود تلاش گمنامی کی حالت میں رہا - آپ ایک خوش فکر نوجوان دہلی کے رہنے والے اور خاقانی ہند ذوق کے شاگرد تھے حضرت ظہیر دہلوی کی زبانی دو شعر سنے وہی درج ذیل ہیں ؎

اُنہیں سات پردے لگے وائے قسمت — ہوئے سامنے جب وہ آنے کے قابل
مجھے پہلے ہی منہ لگایا نہ ہوتا — اگر میں نہ تھا منہ لگانے کے قابل

انتظار (انتظار) علی نقی خاں خلف علی اکبر خاں دہلوی - شاہ آبرو و فغاں کے ہمعصر میں تھے - نواب علی دردی خاں کے عہد میں مرشد آباد بھی گئے تھے ۱۱۷۵ھ میں فوت ہوئے چار شعر حاضر ہیں ؎

نہ زر نہ زور نہ طالع مدد میں تیرے رحم — جو چاہے تجھ سے یہ دل کامیاب ہو معلوم
وقف ہے خانۂ دل قصداً گر اُس کا ہے — کہدو ناوک سے کہ آ بیٹھے یہ گھر اُس کا ہے
جو ہیں بہار گل کی قفس میں خبر گئی — بلبل یہ سُنکے ایسی ہی تڑپی کہ مر گئی
کُنج قفس میں جا کے بناتا ہوں آشیاں — سیر چمن کی دل سے ہوس اسقدر گئی

انتظار (انتظار) حکیم عطاء اللہ قریشی شاگرد قدرت اللہ بلیغ - انکے والد حکیم غلام رسول حکمت (بعد میں غمیں تخلص رکھ لیا تھا) بڑے جید عالم اور ایک خوش تقریر بزرگ کشمیری الاصل تھے اور نواب غازی الدین خاں فیروز جنگ کی مصاحبت کی بدولت بڑے کروفر سے زندگی بسر کرتے تھے کچھ دنوں نواب فیض اللہ خاں والئ رامپور کے یہاں بھی ملازمت کی - انجام کار دہلی میں انتقال کیا - انکے مورث محمد حسن فانی کشمیر کے شعراء مشاہیر میں گزرے ہیں - انتظار رامپور

میں پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم پائی - اور نواب فیض اللہ خان کے صاحبزادوں کے مصاحب رہے - اُردو فارسی دونوں زبانوں میں داد سخنوری دیتے تھے - شوق کے تذکرہ کی ترتیب کے وقت جوان تھے ؎

پھاگیا گلعذار آنکھوں میں — کیا ہے پھولی بہار آنکھوں میں
مثل عینک کے اُٹھ گیا ہے حجاب — تو ہی ہے وار پار آنکھوں میں
گر سنا دے گی یونہی تیری جدائی مجکو — کل موا آج اگر موت نہ آئی مجکو
پہنچے گا ہاتھ نہیں اپنا کبھی زلف تلک — خوب معلوم ہے طالع کی رسائی مجکو
اِن آنکھوں سے میں دیکھوں ترا بھی گھر خوں ہو — اللہ کرے ظالم تو بھی کہیں مفتوں ہو
یہاں تک تو ہوئی ہے ناتوانی ؛ — کرنے لگی روح بھی گرانی ؛
شاید کہ ہوا مرا جگر خوں — آتے ہیں جو اشک ارغوانی
ایک تہمت ہر آن رکھتا ہے — مجھ پہ تو کیسا گمان رکھتا ہے
مت ستا دیکھ مان لے کہنا — اور کوئی بھی جان رکھتا ہے
مٹ چکا ہے یہ مثل نقش قدم — نام کو اک نشان رکھتا ہے
کل تو تھی ہی بہار کافر پر — آج کچھ اور آن رکھتا ہے
ہو چکا انتظار تو ناحق — زندگی کا گمان رکھتا ہے

نہ شکوہ تیغ ابرو سے نہ رنجش تیر مژگاں سے — مری خاطر پریشاں ہے تری زلف پریشاں سے
خدا سے ڈر جھٹک مت رحم کر ہم خاکساروں پر — کہ رکھتے ہیں علاقہ کچھ تو ظالم تیرے داماں سے
نہیں مفتوں کسی پر آنتظار اُسکی بلا جانے — کہ کیا گزرا دل نالاں پہ میرے درد ہجراں سے
مت اُٹھا ہاتھ مرے دل کی دوا ہونے دے — ہے یہ بیمار بہت اس کو شفا ہونے دے
آہ و نالہ کا نہ مانع ہو کہ دل ٹوٹتا ہے — توڑتا ہے جو تو شیشہ تو صدا ہونے دے
ڈرتے ڈرتے جو کیا درد دل اُس سے ظاہر — ہاتھ رکھ دل پہ مرے کہنے لگا ہونے دے

؎ یہ شعر آحمدی (صفحہ ۱۹۶) کے نام سے مشہور ہے - غالباً تو اردو ہوا ہو ۱۲

نورِ قفس کا تو عبث بند کرے ہے صیاد	ہم گرفتاروں کو کب خواہشِ آزادی ہے

انجام

(انجام) عمدۃ الملک نواب امیر خاں صوبہ دار الہ آباد - خلف امیر الامرا نواب امیر خاں عالمگیری صوبہ دار کابل - اصلی وطن یزد واقع ایران تھا - انکے بزرگ ایران میں سلاطین صفویہ کے دربار میں ہمیشہ معزز و ممتاز رہے اور انکے والد عالمگیر کے عہد میں صوبہ داری کے منصب جلیلہ پر سرفراز تھے - اور یہ خود اپنے زمانے کے ممتاز اور معتمد امیروں میں گنے جاتے تھے - خلق - مروت سخاوت - اور سپہ گری میں مثل اور نہایت بذلہ سنج شیریں کلام امیر تھے - آپ ۱۱۵۲ھ میں بخشی گری کے عہدے پر ممتاز ہوئے - محمد شاہ بادشاہ کو ان سے ایسا اُنس تھا کہ خلوت و جلوت میں کسی وقت انہیں حضوری سے علیحدہ نہ کرتے تھے - اور انہوں نے بھی اپنی حاضر جوابی اور اشتباسی اور نکتہ سنجی سے بادشاہ کے دل میں گھر کر لیا تھا اور ایسا رسوخ پیدا کیا تھا کہ دیگر امرا کی نظروں میں خار کی مانند کھٹکتے تھے - انکی شوخ طبعی اور بذلہ سنجی کے اکثر لطیفے مشہور ہیں - اور فی الحقیقت آپ اُس رنگیلے دربار کی روح رواں تھے - فن سخن میں مرزا بیدل کے شاگرد تھے اُردو فارسی کے علاوہ ہندی زبان سے بھی واقفیت تھی چنانچہ پہیلیاں اور مکرنیاں اکثر کہا کرتے تھے - علم موسیقی میں آپ کو ایسا دخل تھا کہ اس فن کے اچھے اچھے اُستاد آپ کا نام سُنکر جھجکتے تھے اور آپ کی خداداد ذہانت اور قابلیت کے قائل اور معترف ہوتے تھے افسوس کہ محفل خاص کی بے تکلفانہ صحبتوں میں آپ واب شاہی کا پورا پورا لحاظ نہ رکھ سکے جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ انکے مخالفوں نے بادشاہ کے دل میں انکی جانب سے ایسی کدورت پیدا کر دی کہ انجام کار اُنہیں کے ایما سے ۱۱۶۹ھ میں دیوان خاص دہلی کے صحن میں ایک غلام نے بضرب کٹار ان کا کام تمام کر دیا - ہمراہیوں نے اُسی وقت اُس قاتل کٹار کو پکڑ کر کیفر کردار کو پہونچایا مگر بادشاہ نے اُس غلام کا جنازہ بڑی دھوم دھام سے اُٹھوایا - غم عمدہ آپ کی تاریخ وفات ہے دہلی میں روح اللہ خاں کی سرائے کے قریب آپکا مزار ہے - شعرائے ریختہ گو کی ایک بیاض آپکی یادگار ہے جو راقم تذکرہ کی نظر سے بھی گزری - مختلف تذکروں میں جو کلام ملا اُسکا انتخاب درج تذکرہ کیا جاتا ہے

دُور سے آئے تھے ساقی سُنکے میخانے کو ہم
پر ترستے ہی چلے اب ایک پیمانے کو ہم

ہم کو پھنسنا تھا قفس میں کیا کہیں صیاد کو
سرپٹک کتے ہیں اپنے آب و دانہ کو ہم

کیوں نہیں لیتا ہماری تو خبر اے بے خبر
کیا ترے عاشق ہوئے تھے درد و غم کھانے کو ہم

ٹک تو رخصت دے کہ ہو لیں رخصتِ صیاد ہم
مدتوں اس باغ کے سایہ میں تھے آباد ہم

اب یہی احساں ہے جو ہرگز نہوں آزاد ہم
پھر چمن میں جائیں کیا مُنہ لیکے اے صیاد ہم

مُنہ ترا تکتے ہیں سب اقلیمِ حسن و عشق کے
تو ہی بتلا دے کریں کس سے تری فریاد ہم

دل تو ہے داغِ غلامی سے ترے طاؤس وار
سامنے قمری کے گو ہیں سروساں آزاد ہم

اب کسی نے دل جلایا مہربانی سے تو کیا
عمر مانندِ شرر جب کر چکے برباد ہم

ساتھ اپنے سر کے تھا انجام کارِ تمکنت
شکر ہے تر پے نہ زیرِ خنجرِ جلاد ہم

کیوں بُلایا بھیڑ میں کیا مجھ سے نادانی ہوئی
دخترِ رز بزم میں آشرم سے پانی ہوئی

کل محیطِ عشق کے صدموں سے پائی تھی نجات
کشتیِ دل بے طرح کچھ آج طوفانی ہوئی

ہر پری تمثال جوں آئینہ رکھتا تھا عزیز
ٹوٹتے ہی دل کے مجھ کو سخت حیرانی ہوئی

نقش میری دیکھ کے مقتل میں یوں کہنے لگے
کچھ تو یہ صورت نظر آتی ہے پہچانی ہوئی

کیا کہوں انجام میں اس عشق کے آغاز کو
دوستداروں کی محبت دشمن جانی ہوئی

نہ سُن تو پندِ واعظ کی جو اپنی دُھن میں پکا ہے
خدا حافظ ترا دوزخ بھی اک شرعی دھڑکا ہے

خاکساری پر نکر موذی کے ہرگز اعتبار
جونک پانی میں رہے تو بھی لہو پیتی رہے ہے

چاک کو تقدیر کے ممکن نہیں ہرگز رفو
سوزنِ تقدیر بھی گر سو برس سیتی رہے

(انجم) نواب ہمایوں قدر سید محمد علی مرزا عرف امیر صاحب مرحوم - آخیر نواب ناظم بنگال نواب منصور علیخاں بہادر کے خلف الرشید اور والی حال مرشد آباد کے حقیقی چچا تھے - صورت ظاہری کے علاوہ جملہ صفاتِ حسنہ سے متصف تھے خلق و مروت اور سیر چشمی رگ رگ میں بسی ہوئی تھی - بعالم شباب ۱۲ ستمبر ۱۸۸۳ء کو بمقام لکھنؤ انتقال فرمایا اور مرشد آباد میں دفن ہوئے

موزونیٔ طبع کے اقتضا سے کبھی کبھی شعر و سخن کی طرف بھی توجہ مبذول ہو جاتی تھی چنانچہ اشعار ذیل آپ کے طبعزاد ہیں ؎

کر گیا مجکو وہ ظالم دمِ رخصت برباد
اب رہو تنگا میں یوہیں تا بقیامت برباد

اپنے مرنے کا ہمیں غم نہیں لیکن اے جاں
ہم نہوں گے تو یہ ہو جائے گی صحبت برباد

جوشِ گریہ سے نمو تخم اثر کا نہ ہوا
کر دی اس کثرتِ بارش نے زراعت برباد

ساتھ غیروں کے بجایا کرو کنتا مانو
کوچہ گردی سے ہوا کرتی ہے عزت برباد

کبھی ہوتا نہیں کوشش سے خلافِ تقدیر
ساری تدبیروں کو کرتی ہے یہ قسمت برباد

جان دی پینے وہ بولے مجھے بدنام کیا
یہ مثل وہ ہے گنہ لازم و محنت برباد

دل کو پہلو میں جگہ دی تو وہ دشمن نکلا
سچ ہے یہ خانۂ اخلاق و مروت برباد

پوری نہ سرگزشت کبھی آپنے سُنی
رہ جاتا ہے یہ قصہ مرا ناتمام روز

پردہ محمل گرا دیتی تھی لیلیٰ وا نصیب
جب کبھی جاتا تھا مجنوں دوڑ کر محمل کے پاس

انجم (انجم) صاحبعالم مرزا آسماں جاہ بہادر خلف الرشید سلطان عالم واجد علیشاہ سابق تاجدار اودھ آپکی ولادت بزمانۂ سلطنت ۱۸۵۳ء میں بمقام لکھنؤ واقع ہوئی۔ بحالت صغر سنی بادشاہ کے ہمراہ کلکتے گئے اور وہیں ساری عمر گزار دی باعتبار عمر شاہ مرحوم کی وفات کے موقع پر فرزند ارشد تھے چنانچہ اسی لحاظ سے اپنے اور بھائیوں کی نسبت زیادہ وظیفہ پایا۔ یعنی ۱۱۰۰ ماہوار پنشن مقرر ہوئی صاحبعالم مرحوم کی شادی اپنے حقیقی چچا جنرل سکندر حشمت مرحوم کی صاحبزادی سے جو پرنس مرزا جہانقدر مرحوم کی حقیقی بہن تھیں ہوئی تھی۔ آپ کو علوم و فنون متداولہ میں اچھی مہارت حاصل تھی بادشاہ اودھ نہیں خاص طور پر عزیز رکھتے تھے۔ دربار گورنر جنرل میں بھی آپ کو پرائیوٹ انٹری کا اعزاز حاصل تھا۔ راقم تذکرہ کلکتہ میں دو مرتبہ فیضیاب خدمت ہوا تھا کمال نوازش فرماتی تھی۔ افسوس بمقام مونگیر ۱۴۔ اپریل ۱۹۰۶ء کو ۵۳ سال تک دنیا کی ہوا کھا کر عازم سیر جناں ہوئے اور بھاگلپور میں دفن کئے گئے۔ کثیر العیال تھے۔ آپکے خلف اکبر صاحبعالم مرزا محمد میتھم بہادر

راقم تذکرہ کے بڑے عنایت فرما ہیں - دیوان مطبوعہ سے جو انہیں کا عطیہ ہے کلام منتخب ہو کر زیبِ تذکرہ کیا جاتا ہے - طبیعت کی رنگینی - معاملہ بندی اور صفائی روزمرہ کے ساتھ ساتھ اسلوب بیان قابل داد ہے - مذاقِ سخن آپ کو وارثتاً ملا تھا لیکن کبھی کبھی میر علی حیدر صاحب طباطبائی سے مشورہ بھی فرما لیا کرتے تھے کلام فصاحت التیام حاضر ہے ؎

یوں اٹھتی ہے ہمارے دلِ ناتواں سے آہ
جسطرح سے چراغ دھنواں دے بجھا ہوا

بیت الصنم کو چھوڑ کے کعبے کو جائیں کیوں
زاہد تو ہی بتا ہے وہاں کیا دھرا ہوا

بکھرے ہوئے بالوں میں بھی ہیں لاکھ ادائیں
الجھڑ کو ابھی میرے سنور نا نہیں آتا

ایک عالم کو کر دیا بیخود و بے
میرے ستِ خمار کیا کہنا

دلیں سو چٹکیاں نہ لینی تھیں
ایک نشتر چبھو دیا ہوتا

غیر سے الفت جو تھی مدِ نظر
پھر ہمیں کیوں آپ نے رسوا کیا

دوست اپنا نہ یار ہے اپنا
وہی پروردگار ہے اپنا

یہ بھی اپنا نصیب ہے ورنہ
درد تو لادوا نہیں ہوتا

دفورِ الفت میں ان بتوں کو بیاں کریں کیا کہ کیا نجانا
مگر بڑی خیر کی خدا نے کہ ہمنے اپنا خدا نجانا

سینے کو چاک کر کے میری جان دیکھ لے
مجھے سبب نہ پوچھ مرے اضطراب کا

کیا سیدھی نگاہوں نے تو بسمل
کرے گی دیکھنے ترچھی نظر کیا

جاتے جاتے لوٹ آئے آپ کیوں
لیجئے یاں دم میں دم پھر آگیا

تم ستاؤ کوئی اُف تک نہ نکالے منہ سے
منہ میں رکھتا ہوں زباں اور نہ بولے کیا خوب

وہ اور ستائیں گے زیادہ تمہیں انجم
گر کچھ بھی زباں سے کیا اظہارِ محبت

ہمارے تیرے نہیں لیجاتی ہے کروٹ
آ آ کے صبا اوسکو بدلواتی ہے کروٹ

کام قاتلوں کے نہ آیا ماں وزر
نغمو بیجا ہے دولت پگھنڈرا

حال کھلجائے زمانہ میں محبت کا مری
قاتلا تجکو مرے سر کی قسم اتنا تو کر

ہاتھ ٹوٹیں جو چھوا بھی ہو ہاتھ — دُکھ گئی ان کی کلائی کیونکر
دلِ بیتاب کو تسکیں تو ہو — دے بوسہ مگر اقرار تو کر
ہے آپ سا کوئی تو بتا دیجئے ہمیں — جائیں کہاں ہم آپکے صاحب قبلہ کو چھوڑ
میں بھی نہ بولونگا اب تسے خدا کی قسم — دیکھوں تو رہتے ہو تم مجھسے خفا کب تک

ضرور ڈھائے گا کوئی آفت مرورِ فتنہ برپا کریگا — یہ تیرا اٹھکیلیوں سے چلنا جھکا کے گردن ٹھاکے بانکپن
دل تو میرا لے لیا دے دے کے دم — اُس پہ کہتے ہو نہیں دمباز ہم
کیسا خطا مجھ سے ہوئی جو آپ نے — کر دیا موقوف آنا یک قلم
نہیں صاحب یہ اچھا روز کا عذر فراموشی — کرو پھر وصل کا وعدہ کرو دو پہلے آنکل میں
ابھی سے دلکو اے انجم چکچاہٹ درد کی لذت — یہ کیسا قہر ڈھایا گھن لگایا اُٹھتی کوپل میں
یوں تو خدا کے فضل سے کہنے کو کیا نہیں — پر تو نہیں تو جینے کا اپنے مزا نہیں
اگر یہی ہے تلون اُنکا خدا ہی ہے وعدہ ہو جو پورا — کھا تھا کل آج وصل ہوگا وہ آج پھر کل ٹالتے ہیں
کیسے کے انجم؟ نہیں سکھائے تو ہیں نیارنگ آج لائے — کر چکے بیٹھے ہیں سر جھکائے نہ بولتے ہیں نہ چالتے ہیں
جدھر دیکھتا ہوں اُنہیں کا ہے جلوہ — وہ نظروں میں ایسے سمائے ہوئے ہیں
اگر انصاف سے پوچھو تو انجم دو تو حق پر ہیں — یہ ہے بیکار کا جھگڑا پڑا گبر و مسلماں میں

نخلِ امید بار و ر نہوا — پھوں آئے نہ پتیاں آئیں
مینے فرقت میں آہیں کیں دو چار — لوگ سمجھے کہ آندھیاں آئیں
روا نہ رکھ کہ جہاں میں ذلیل و خوار ہوں میں — جو ہوں سو ہوں پہ ترے در کا خاکسار ہوں

خدا خدا کر کے آئے بھی تو وہ منہ پھیلے پڑے ہوئے ہیں — نہ کہتے ہیں کچھ نہ سنتے ہیں کچھ کسی سے جیسے لڑے ہوئے ہیں

ہاں بھلا کسطرح وہ منہ سے کہیں — اُنکے سر پر تو ہے سوار نہیں
جب کہا مینے تم پہ مرتا ہوں — ہنس کے بولے کہ اعتبار نہیں
مانگا بوسہ تو بولے جھنجلا کر — کہہ چکے ہم ہزار بار نہیں

ہمیں جانکنی سے مفر ہو تو جانیں
دِلا آج کی شب سحر ہو تو جانیں

کہاں وہ یار کہاں تو کہاں وصال اُسکا
یہ اور کیا ہے دِلاگر خیال خام نہیں

آپ کیوں مجھسے لپٹتے ہیں قسمیں
دل تو میرا ہے آپ کے بس میں

کب کہتا ہوں میں بوسہ تم دیکے چلے جاؤ
دل لیکے مرا بدلے بوسے کے چلے جاؤ

یہ خون بھرا دامن دیکھے نہ کوئی دشمن
تم پاس سے اب میرے لاشے کے چلے جاؤ

جاتے ہو جو کعبے کو جاؤ مگر اے انجم
یہ کس نے کہا تیغ کے گھر پار چلے جاؤ

اسی بیباختہ پن نے تو مجھے مارا ہے
اور ایسی کوئی تلوار لگاتے جاؤ

نام قاتل اگر خدا پوچھے
کیا بتاؤں مجھے بتا دے تُو

دربدر ہوں تلاش میں تیری
راہ سے اب مجھے لگا دے تُو

مر کے باقی رہا نشان تو کیا
اے صبا خاک تک اُڑا دے تُو

اپنے در سے اگر اُٹھانا ہے
دوسرا کوئی در بتا دے تُو

کعبۂ دل میں گھر بنایا ہے
ہو گئے بُت بھی باخدا اب تو

جو مسیح آئے بھی تو کیا ہوگا
ہو گیا دردِ لا دوا اب تو

دیکھ لو کیسی ہوتی ہے چاہت
دل کسی سے ذرا لگاؤ تو

ناصحا جی نہ جلا میرا ہوا خواہی سے
ناحق آ بیٹھا دلی آگ کے بھڑکانے کو

ہے غضب ظالم اُسے تو بھولا جائے
مرتے دم تک جو تجھے بھولا نہو

عالم بیخودی میں جا کر ہم
کیا کہیں دیکھ آئے کیا کیا کچھ

کھیل گئے کیوں جان پہ انجم ایسی بھی کیا دنیا دیکھی
مرنے لگے خوبانِ جہاں پر تیری میری دیکھا دیکھی

ایک ذرا سے حشر پہ واعظ اُس کو دوڑانا اللہ اللہ
جسنے بتوں کی گلی میں برسوں روز قیامت بپا دیکھی

آنے کا آپ نے وعدہ جو کر بھیجا
کیوں ہم پڑے سسکتے مدت کے مر بھی جاتے

یہ عشقِ بتاں غضب نہ ڈھائے
کافر نہ کہیں ہمیں بنا دے

یا نام نہ رکھ مسیح اپنا
خاک میں ہمکو ملا رکھا ہے

یا درد جگر مرا مٹا دے
کچھ ابھی اور اُٹھا رکھا ہے

شوق سے تو پیش کر دامن کے پرزے جنمیں
ہم بھی ٹکڑے دل کے لائے ہیں دکھانیکے لئے

میری بگڑی ہوئی بنا ورنہ
ہوئی خیر آیا نہ دیوانہ تیرا

کارسازی میں فرق آتا ہے
قیامت میں کیا کچھ قیامت نہوتی

حقیقت میں تفاوت کچھ نہیں شیخ و برہمن میں
سنا ہے ہمنے بھرتے ہیں ترا دم اسکو بھی اُسکو بھی

پُرسش روز قیامت سے ڈرایا تو کیا
ہم جو چاہیں تو وہاں بھی نہ ملے داد تجھے

لے کے دل پھیرتے ہیں اور کل دیکر سنگدلت
پھینکدو چاہو جہاں لو واہ واہ اچھی کہی

سینے کہاں مرجاؤں گا فرقت میں تمہاری
جھنجھلا کے وہ بولے کہیں جھگڑا چکے مرکے بھی

کچھ کسیکا گلہ نہیں انجم
دل سوا سب سے اپنا دشمن ہے

تو اُسکی یاد نہ دل سے بھلائیو انجم
اگر وہ بھول گیا ہے تو بھول جانے دے

یا الٰہی بھرے نہ زخم جگر
میرے قاتل کی یہ نشانی ہے

بیمار محبت ہوں میں بیکار دوا ہے
خاک در جانان ہی مجھے خاک شفا ہے

جفاؤں سے تری بھرتا نہیں دل
تڑپنے میں مزا کیا جانے کیا ہے

بہت چاہا نہ بولوں یار تجھ سے
مگر ظالم یہ دل کب مانتا ہے

روز تم بیٹھے کھلاتے ہو نکو فے نازے
یہ تو بتلاؤ تمہیں اور کوئی کام بھی ہے

یہ صورت اور یہ چیلی بھولی باتیں
تمہیں بتلاؤ پیار آئے نہ کیسے

کسے تھی جان دو بھر اپنی ایسا کوں بیدل خدا
خدا جانے جہاں میں عاشقی ایجاد کی کس نے

سچ تو کہتے ہو بھلا کیونکر نہ جانو تم غلط
جب غلط ہو جائے دل کاغم تمہارے سامنے

یہ بھی نہ پوچھا تمنے انجم جیتا ہے یا مرتا ہے
واہ جی واعاشق سے کوئی ایسی غفلت کرتا ہے

نئی جوانی نئے نویلے ناداں الڑھ اور البیلے
سچ پوچھو تو تمکو صاحب دل دیتے جی ڈرتا ہے

کسیکا نام برا ہو کسیکی ذات بڑی | بڑائی جس کو خدا دے اُسی کی بات بڑی

ظلم سے ہاتھ کیوں اُٹھاتے ہو | جان جاتے میں اب رہا کیا ہے
بے پڑھے خط کے آگیا غصہ | دیکھ تو لیجئے لکھا کیا ہے
درد ہو تو دوا کرے کوئی | عشق گر ہو تو کیا کرے کوئی
تم نہ مانو تو دل کو سمجھالے | دل نمانے تو کیا کرے کوئی
باوفا سے سبھی نباہتے ہیں | بے وفا سے وفا کرے کوئی
بُت بھی انجم کہیں ہوئے ہیں خدا | کہنے کو یوں کہا کرے کوئی

مراد تجھ سے نہ مانگوں تو کس سے مانگوں میں | ٹکڑ گدا ترے در کا گدا بھی شاہ بھی ہے
جو عاشق نہ سمجھو تو اتنا تو سمجھو | تمھارے لئے کوئی رُسوا ہوا ہے

انجم

(**انجم**) نواب سید ہادی حسین خاں انجم نیشاپوری ابن نواب سید حسین خاں سالار بن نواب افتخار الدولہ امتیاز الملک سید احمد علیخاں عرف نواب میر آفتاب داماد ہمشیرۂ نواب منتظم الدولہ وزیر نصیر الدین حیدر - فن شاعری میں ان پر میر نواب صاحب مونس لکھنوی نے سات برس تک بہت ریاضت کی اور ہمہ نکاتِ شاعری بڑی دلسوزی و توجہ سے انکے ذہن نشین کئے اُنکے انتقال کے بعد آپ نے تدبیر الدولہ حضرت آسیر سے تلمذ اختیار کیا وہ بھی نہایت توجہ سے آپ کا کلام درست فرمایا کرتے تھے - آپ ذاکر بھی ہیں اور مرثیہ بھی پڑھتے ہیں مرثیہ گوئی میں اچھا دخل رکھتے ہیں - صورت معاش یہ ہے کہ گھر سے آسودہ ہونے کے علاوہ آپ امام باڑہ حسین آباد میں بزمرۂ ذاکران وظیفہ خوار ہیں - شبانہ روز شاعری کا مشغلہ ہے - اب ۱۳۲۵ھ میں آپ کی ۵۴ برس کی عمر ہے - عرصۂ دراز سے آپ کو فوٹوگرافی کا شوق ہے چنانچہ اس فن میں کثرت مشق سے دستگاہ کامل بہم پہنچائی ہے - دیوان جس میں غزلیات کے علاوہ چند مراثی اور سلام بھی ہیں ہنوز مرتب نہیں ہوا - ایک مثنوی موسوم بہ پرستان خواب بھی چار ہزار بیت کی آپکی تصنیف ہے مقامی مشاعروں کے ماسوا آپ بیرونجات کے مشاعروں میں بھی بڑے شوق سے

شرکت فرماتے ہیں۔ حاضر جوابی اور نکتہ سنجی میں فرد ہیں۔ خوش فکر اور طباع شاعر ہیں۔ کلام کا رنگ مفصلہ ذیل اشعار سے ظاہر ہے ؎

عبث وہ شاد ہوئے توڑ کر ہمارا دل
کہ آئینہ تھا انہیں کی یہ خود نمائی کا

نہ ذکرِ خلد خرابا تیوں میں کر اے شیخ
اُنہیں یقیں کہاں اِس سُنی سُنائی کا

میدانِ حشر گو کہ نہایت وسیع تھا
دیکھا تو سب تمہارے شہیدوں سے پٹ گیا

انجم فراقِ یار میں تڑپو نہ اسقدر
مرجاؤ گے جو زخم کلیجہ کا پھٹ گیا

وہ کیوں کھڑے ہیں قیامت میں سر جھکائے ہوئے
کہ عشق میں جو کیا وہ قصور مینے کیا

دیکھا جب اُس صنم کو کیا کہئے حال کیا تھا
ایمان کی تو یہ ہے اسلام کا خدا تھا

شکرِ خدا جو غنہ سے نکلا قصور کیا تھا
میری زبان کا ٹو گر شکوۂ جفا تھا

خود حال پوچھ کر وہ بگڑا ہے اُف رے ظالم
یہ کیوں کہا کہ میں تھا اور رات بھر خدا تھا

کیوں نظر ہے طرفِ گنجِ شہیداں قاتل
وہ بھی بستی کہیں ہو جائے نہ ویراں قاتل

لبِ ہر زخم پہ اب آگئی ہے جاں قاتل
اِک چھری اور پلٹ کر ترے قربان قاتل

زندوں نہیں جب رہے نہ بتوں کی جفا سے ہم
پھر موت کس امید پہ مانگیں خدا سے ہم

قدرت خدا کی ہے کہ ہلا دیں دعا سے ہم
کتنا بڑا ہے عرش اور اتنے ذرا سے ہم

واں کیا ہے خوفِ حشر جہاں یہ خیال ہے
کچھ کم نہیں ہے فتنۂ روزِ جزا سے ہم

وہ بحرِ غم میں کشتیٔ دل کیا ڈبوئیں گے
سر پر خدا نہ ہو تو ڈریں نا خدا سے ہم

آتے ہیں لاش پر وہ منانے کے فکر میں
اب کچھ اونہیں دکھائی دئے ہیں خفا سے ہم

نشتر ہی درد کا دلِ مبتلا تپِ غم علاج میں کیا کروں
نہ طبیب ہوں کہ دوا کروں نہ فقیر ہوں کہ دعا کروں

بال کھولے تم سوئے گورِ غریباں کیوں گئے
اور بھی روحیں اندھیرے میں پریشاں ہوگئیں

یاں بھی آنکھیں پھر گئیں اب کیا غرض ہے نرگسیں
ہم بھی میلے ہو رہے ہیں جو برگشتہ وہ مژگاں ہوگئیں

بن گئیں بدمستیاں آخر پسینہ شرم کا
چھن گئیں جب کفر کی باتیں تو ایماں ہوگئیں

دل جلاتے ہیں وہ ابرو تو بجھا بھی دینگے
کہ جہاں آگ ہے پانی بھی ہے تلوار و نہیں

اُسکا بلبل ہوں جو خو بو پہ نہ بھی کرتا ہے ستم
پھول بھی چھید کے گوندھے گئے ہیں ہار و نہیں

اور اندھیر کیا قبر پہ تم نے آکر
بال کیوں کھول دئے میرے عزادار و نہیں

پس گیا خاک ہوا آہ نکی واہ رے دل
مرحبا یار محبت کے اُٹھانے والے

مے و اعظا حرام ہے پھر کیا کرے کوئی
کیونکر تلافیٔ غم دینا کرے کوئی

پردہ دوئی کا دیدۂ مجنوں سے اُٹھ گیا
یوں ہو سکے تو الفت لیلےٰ کرے کوئی

دیوانگانِ عشق کی بخشش عذاب ہے
پیدا کہاں بہشت میں صحرا کرے کوئی

سب روزِ حشر تشنہ دیدار جمع ہیں
اب تو وفائے وعدۂ فردا کرے کوئی

اللہ رے جہاں میں سب کچھ مگر نہ دے
وہ دل کہ جسمیں تیری تمنا کرے کوئی

اللہ رے درد شوق کہ پھر عرض حال ہے
سو بار سُن چکا ہوں کہ "پھر کیا کرے کوئی"

توفیق اپنی اپنی ہے انجم شب وصال
ہم تو دعائیں دیتے ہیں کو سا کرے کوئی

شرم کس سے آرہی ہے آپ ہی تو یاں بھی ہیں
دل کے آئینے سے آنکھیں چار رہنے دیجئے

حلق تک دم آچکا ہے اشتیاقِ دید میں
اب چھری کا کام ہے تلوار رہنے دیجئے

یہاں سے قابض ارواح جائیں دشمنوں کے گھر
وہ آ بیٹھے تو مرنے کی ہمیں اب کیا ضرور ہے

پسینے میں نہ کیوں لہرائیں زلفیں رو کے رنگیں کے
یہ جوڑا سانپ کا ہے چاٹنے شبنم نکلتا ہے

ہمارے داغِ دل مٹتے ہیں اُٹھتی ہے نقاب اُسکی
ستارے ڈوبتے ہیں تیرا عظم نکلتا ہے

تمھیں بھی کچھ محبت آزمانی ہے دم رخصت
ہمیں بھی دیکھنا ہے آج کیونکر دم نکلتا ہے

رو رہا ہوں میں شب ہجر جو اے نخلِ امید
پانی دیتا ہوں تیرے پھولنے پھلنے کیلئے

وائے میرے حال پر گھر ترے ویرانہ ہے
ہائے اُسکا بخت جسکا تو چراغ خانہ ہے

نیند وقت ذبح قاتل آئی جاتی ہے مجھے
تیرے خنجر کی زباں پر کون سا افسانہ ہے

واعظا ہم کو غم دنیا و عقبیٰ ہے معاف
رند ہیں بوتل بغل میں ہاتھ میں پیمانہ ہے

انجم (**انجم**) شیخ ذاکر حسین انجم رئیس غازیپور - آپ کو غالباً حضرت تشنہ سے تلمذ رہا ہے - ۴۰ برس کے قریب عمر اور یہ نمونۂ کلام ہے ؎

قتل گہ میں عجب تماشا تھا — وہی قاتل وہی مسیحا تھا
تو ہے گل خوشرنگ گلستانِ زمیں کا — یا پھول ہے کوئی چمنِ خلد بریں کا
میخانہ کہاں اور کہاں حضرتِ واعظ — کچھ اور ارادہ تو نہیں قبلۂ دیں کا
پوچھو نہ کہ جاتا ہے کہاں رہروِ ہستی — جس شہر سے آیا ہے ارادہ اُدھر ہی کا
تو اپنے آشناؤں سے ناآشنا نہ ہو — قطرہ سے بحر بحر سے قطرہ جدا نہیں

تلوار سے ڈرنے کے نہیں عاشقِ جانباز — کچھ تیز نہیں ابروئے قاتل کی چھری سے
اے آبِ دمِ تیغ ذرا پیاس بجھا دے — بیتاب ہے جانباز کوئی تشنہ لبی سے

انداز (**انداز**) میر غلام حسین خلف میر زاہد ایت علی گورگانی - علم موسیقی و مرثیہ خوانی میں کامل تھے فن سخن میں خاقانی ہند ملک الشعرا ذوق مرحوم سے مستفید ہوئے - عرصہ ہوا کہ انتقال فرمایا انتخاب کلام ملاحظہ ہو ؎

دیکھئے آگے آگے کیا ہووے — دل لگی میں تو ہے ابھی سے رنج
جور و جفا کی اُسکے شکایت کریں تو کیا — سو شوخیاں نکلتی ہیں جسکے حجاب میں
انداز یادِ عارضِ جاناں میں روز و شب — سُلگی ہے آگ ہی دلِ خانہ خراب میں
خزاں ہوتی نہ دامن گیر گل کی ..... — نہ دن برگشتہ گر بلبل کے ہوتے
نہ بہکاتے اگر اغیار اُن کو ✣ — تو کیا کیا عیش بھر مل جُل کے ہوتے
نیم بسمل مجھے رکھنے سے تمھیں کیا حاصل — ایک ہاتھ اور بھی خنجر کا لگاتے جاتے
تیور آج اور نظر آتے ہیں اُن کے ہمدم — تیر کچھ چلچکے ہی چکے ہیں پڑھاتے جاتے

انداز (**انداز**) حافظ نظام احمد صاحب آنداز خلف منشی نیاز احمد صاحب مرحوم تعلقدار میرپور حسن گنج آپکے دادا منشی کرم حمد خیرآبادی سررشتہ اختر لونی رزیڈنٹ دہلی کے رشتہ دار تھے -

حافظ صاحب ۱۲۷۱ھ میں پیدا ہوئے - عربی فارسی گھر پر اپنے نانا منشی قدرت حسین سے پڑھی - والد کی زندگی میں کچھ دن تجارت کا مشغلہ رہا - پھر گوکھرو جا کر ریاض الاخبار جاری کیا اب چند سال سے وطن میں مستقل سکونت ہے - اور وہاں کے میونسپل بورڈ کے ممبر ہیں - فن شعر میں آپ کو حضرت امیر مینائی سے تلمذ حاصل ہے - شعر و سخن میں کافی مشق ہے - طبیعت رسا ہے - یہ آپکے کلام کا انتخاب ہے ؎

نیتیں ہیں کہ دمِ حشر گلا رہنے دے — کہتے تھے دل میں ذرا خوفِ خدا رہنے دے
بھول کے دل کے طرف آج یہ آنکلا ہے — اپنے ناوک کو ابھی اور ذرا رہنے دے
جو ہے مشتاق رُخ تو آئے آگے — یہ چولی کس لئے پیچھے پڑی ہے

خلشِ خارِ پاستانہ نہیں — کھنچے ماندے پڑے ہیں منزل کے
وہی کعبہ وہی میخانہ اپنا — جہاں ابرِ کرم دن رات برسے
یہ ہائے اور قیامت سے نہ جھیلے اپنے بس کا کو — تمہارے ساتھ قیامت بھی اٹھکھڑی ہوگی
سوجھتی ہی نہیں بوتل کے سوا کچھ ہمکو — لطف ہوتا ہے جو مکنو گمنا ہوتی ہے
سر کو سجدے میں جھکا دیتے ہیں اللہ والے — ان بتوں میں بھی عجب شانِ خدا ہوتی ہے

اندوہ

(اندوہ) نواب علی حسین خاں خلف شمس الدولہ بارگاہ قلیخاں امیر عہد شاہ عالم ثانی - گاہے ماہے شعر و سخن کیطرف بھی رجوع کیا کرتے اور اُسمیں حضرت مصحفی سے مشورہ لیا کرتے تھے - آپکے ہاں مجلس مشاعرہ بھی منعقد ہوا کرتی تھی - کلام کا نمونہ درج ذیل ہے ؎

گور پر مجھ دل جلے کے مت کرو روشن چراغ — لطف کیا ہے گر جلایا بر سرِ گلخن چراغ
غیرتِ مہتاب خود ہے چہرۂ روشن ترا — چاہئے کیا گھر میں تیرے اے بتِ پُرفن چراغ
صیاد نے رکھے گل پژمردہ قفس پر — ابھی ہوس مرغ گرفتار نکالی
مارا تھا ہمیں عشق نے اک پردہ نشیں کے — کیوں نعش ہماری سرِ بازار نکالی

انس

(انس) میر مہر علی لکھنوی خلف میر مستحسن خلیق فرزند میر حسن - صاحب بدر منیر - اپنے

والد مرحوم کے شاگرد اور اکثر مرثیہ کہتے تھے - آپ میر انیس مغفور کے حقیقی بھائی تھے - ان کے بیٹے میر وحید و میر تعشق بڑے خوش فکر و شیریں زبان شاعر گزرے ہیں - آٹھ دس برس کا عرصہ ہوا کہ نوے ۹۰ برس سے زیادہ عمر پاکر راہی دار البقا ہوئے افسوس کہ باوجود تلاش صرف یہی چند شعر ملے ؎

لو قسم وصل ہوا ہو جو کبھی تم کو نصیب	اک نظر دیکھنے کی تو ہیں گنہگار آنکھیں
رُخ روشن کو نہ دامن سے چھپاؤ للہ	اب نظر بھر کے جو دیکھیں تو گنہگار آنکھیں
مر گئے جاگتے ہی جاگتے فرقت میں تری	سو میں اب چل کے بہت ہو چکیں بیدار آنکھیں

انسان (انسان) اسد الدولہ نواب اسد یار خاں - محمد شاہی عہد کے امرائے پایہ تخت میں سے تھے - اکثر اکبر آباد میں قیام رہا کرتا تھا بعارضۂ شباب ۱۱۵۵ھ میں بمقام دہلی انتقال فرمایا اور اکبر آباد میں دفن ہوئے - فارسی کا مذاق زیادہ تھا - ریختہ گوئی کی طرف طبیعت مائل تھی اسطرح فرماتے تھے ؎

زمین و آسماں دہر و سب تجھ میں ہیں انسان	نظر بھر دیکھ مشت خاک میں کیا کیا جھلکتا ہے

انسب (انسب) میر ابو طالب ولد میر اکرام علی لکھنوی - شاگرد میر کلو عرش ۱۲۷۷ھ ہجری کے گلدستۂ شعراء لکھنو میں ان کا کلام چھپتا تھا اُسی سے انتخاب کیا جاتا ہے ؎

ہے فرط داغ سے انسب کا سینہ تختۂ باغ	بر نگ گل ہے گل زخم سے بدن کی بہار
آئی نہ مثل مرکز عالم نظر کہیں	ڈھونڈا کیا میں شام سے تا صبح کہیں

انسخ (انسخ) مولوی عصمت اللہ ولد چودھری رحمت اللہ مرحوم - قصبہ پنڈوہ نواح ضلع ہوگلی کے باشندے اور مولوی عبد الغفور خاں نساخ کے تلامذۂ ارشد میں شمار ہوتے تھے - ان کا سال ولادت ۱۲۵۳ھ ہجری ہے - اوائل عمر سے شعر گوئی کا شوق رہا - پہلے پہلے مجبور تخلص رکھا تھا پھر حضرت نساخ کی شاگردی میں آکر انسخ بن گئے - لڑکپن کے زمانہ سے کلکتے میں رہتے ہیں ایک دیوان اور رسالہ طومار اغلاط انکی یادگار ہے - بنگالہ میں انکی شاعری کا بڑا چرچا تھا تذکرۂ شعرا کی ترتیب کے وقت حیات تھے - کلام حاضر ہے ؎

روشن ہو چراغ اپنے اگر داغ جگر کا	خورشید پہ ہو جائے گماں شمع سحر کا

ایک ہی صیاد زیرک زاہد بسکار ہے | سُبحۂ صد دانہ گویا دام ہے تزویر کا
نہ پوچھ حال تو اغماز عشق کا انشا | یہ مبتدا ہے وہ جسکی خبر نہیں پیدا
ہو گیا جو مجھ سے دریا نوش کو ذوق شراب | آسماں شیشہ بنا اور مہر ساغر ہو گیا
ہیں جواے طفلِ معنی لاشۂ عاشق پری | تیرا کوچہ آج دخمہ کے برابر ہو گیا
کس بادہ نوش کو ہے صبوحی کی احتیاج | دستِ سحر میں ہے جو قدح آفتاب کا
اس کا سُننا نہیں اچھا کہ بشر کو انشا | کرتی ہے حُسن و محبت کی حکایت برباد
سربلندوں کو کیا ہے کس نے عالم میں پست | طائر سدرہ ہوا ہے کب گرفتارِ قفس
ایک دن یہ ہے کہ پابندِ سلاسل پاؤں ہیں | ایک شب وہ تھی کہ تھی زلفِ معنبر ہاتھ میں
مخاطب جس سے ہو قاتل شہیدِ بے اجل وہ ہو | زباں تیغ کیا چلتی ہے گویا تیغ چلتی ہے

ق

جسم یوں روح سے لگا کہنے | تن سے جب ہو گئے بیقرار چلی
چھوڑ کر ساتھ ایک عمر کا آج | حیف اے جانِ غمگسار چلی

انشا

(انشا) سید انشاء اللہ خاں خلف الرشید حکیم ماشاء اللہ خاں مصدر دہلوی - اگرچہ خاندانی اعتبار سے ان کے والد نامی گرامی شخص تھے مگر انشا کی ذاتی ناموری نے اپنے باپ کیا بلکہ تمام خاندان کی عظمت کو فرطِ شہرت سے دوبالا جلوہ گر دکھایا - ان کے بزرگ بخف اشرف سے ہندوستان میں آئے تھے - بعض کہتے ہیں کہ خطۂ کشمیر کے صحیح النسب سیّدوں سے ہیں جہاں کسی زمانے میں سمرقند سے آکر بسے تھے پھر دلّی میں اقامت گزیں ہوئے - رفتہ رفتہ امراے شاہی میں داخل ہو گئے جن میں سے بعض کی شہرت طبل و نقارہ سے بلند آوازہ ہوئی اپنے خاندانی پیشہ کے لحاظ سے میر ماشاء اللہ خاں دربار شاہی میں طبیب اور زمرۂ امرا میں شامل تھے آخر عمر میں انکے والد نے مرشد آباد جاکر نواب ناظم کی سرکار میں تعلق پیدا کر لیا تھا - ان کی خاندانی خوبیوں اور چال چلن کو دلّی اور لکھنؤ کے سب سرفا مانتے تھے - اِن کے خاندان میں پرانے مراسم و آئین کا یہ اثر تھا کہ گھر کی عورتوں کا لباس دھوبی کے گھر نہ جاتا تھا - اُس زمانے میں

اس قسم کی باتیں آشنائے حیا داری سمجھی جاتی تھیں۔

سید انشا کو ان کے والد نے تمام ضروری علوم وفنون سے ماہر کر دیا تھا مگر جو خداداد جوہر طبیعت کا خزانہ ازل سے لیکر آئے تھے اُس کی مثال زمانے میں نہیں۔ فن سخن میں انھوں نے کسی سے اصلاح نہیں لی ابتدا میں اپنے والد ہی کو کچھ کلام دکھا لیا تھا۔

حق یہ ہے کہ ان کی شعر وشاعری کا رنگ ڈھنگ جہان سے نرالا ہے۔ شوخی ظرافت انشا کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔

سید انشا کی ولادت مرشد آباد میں ہوئی۔ وہاں سے عام تباہی کے وقت دلّی میں آئے اُسوقت دلّی کا دربار ایک ٹوٹی پھوٹی درگاہ سے مناسبت رکھتا تھا جسکے سجادہ نشین شاہ عالم بادشاہ تھے۔ حضرت موصوف نے جو خود بھی شاہ تھے شاعرانہ قدردانی کے لحاظ سے یا اُس عام نظر شفقت سے جو بادشاہوں کو اپنے متوسلین پر ہوتی ہے (اور یہ خاندان تیموریہ کا خاصہ تھا) اس نوجوان پر خلعت وعزت کے ساتھ شفقت کا دامن ڈالا۔ اور سید انشا اہل دربار میں داخل ہوئے۔ اپنے اشعار کے ساتھ لطائف وظرایف سے کہ ایک چمن زعفران تھا گل افشانی کر کے محفل کو لٹا دیتے تھے۔ اب تو یہ عالم ہوا کہ شاہ عالم کو ان کی جدائی ایک دم کے لئے بھی ناگوار ہوتی تھی۔ اُسوقت دلّی میں میر اور سودا سے لوگ نہ تھے مگر انہیں بزرگوں کے نام لینے والے بوڑھے شوقین موجود تھے۔ حکیم ثناء اللہ خاں **فراق** شاگرد میر درد حکیم قدرت اللہ خاں **قاسم** شاگرد میر درد۔ شاہ **ہدایت**۔ میاں **شکیبا** شاگرد میر۔ مرزا عظیم بیگ **عظیم** شاگرد سودا۔ میر قمر الدین **منت** والد میر ممنون ساکن سونی پت۔ شیخ ولی اللہ **محب** وغیرہ حضرات کا دور دورا تھا جو فعت شاعری کے علاوہ دربار شاہی میں خاندانی اعزاز رکھتے تھے حضرت آنشا کا جب دلّی سے دل اوچاٹ ہوا تو لکھنؤ جانے کا ارادہ کیا۔ آصف الدولہ کی قدردانی اور سخاوتوں کا حال سُن چکے تھے۔ دلّی سے لکھنؤ پہنچے۔ اور میرزا سلیمان شکوہ کی سرکار میں اپنی بذلہ سنجی وشاعری کی شہرت کے ذریعے سے باریاب ہو گئے۔ مرزا سلیمان شکوہ

پہلے مصحفی سے اصلاح لیتے تھے - جب یہ پہنچے تو اُن کا چراغ گل ہوگیا اِن سے اصلاح لینی شروع کردی چنانچہ ۱۲۱۵ھ تک اُنہیں کی سرکار میں رہے - مرزا سلیمان شکوہ کی مصاحبت کے بعد رفتہ رفتہ نواب سعادت علی خاں کے دربار میں رسائی ہوئی اور مدتوں اپنی خلقی بذلہ سنجی وطبیعہ گوئی سے اُن کو محظوظ کرتے رہے - مگر زمانہ کا دستور ہے کہ کبھی ایک حالت اور ایک رنگ پر کسی کا حال قائم نہیں رکھتا - اسی بے تکلفانہ مصاحبت میں ہنسی ہنسی میں رنج ہوگیا اور رنج کے بعد مخاصمت کی آگ ایسی بھڑکی کہ وہ چمکتا ہوا بلبل اپنے گھر کے پنجرے میں بند کردیا گیا اور وہاں سے اس گمنامی کے ساتھ زمین کا پیوند ہوا کہ کسی کو خبر بھی نہوئی -

سید انشا کی قابل حیرت زباندانی - وسیع معلومات علمی لیاقت - فرط شہرت سے محتاج بیان نہیں اِنکے لطائف وظرائف عموماً ہر علم دوست اور خصوصاً طبقۂ شعرا میں سب کو معلوم ہیں - مرزا عظیم بیگ عظیم اور مصحفی کے مخالفتوں اور ہجوں کا حال سب پر روشن ہے - ان کی حاضر جوابی اور طلاقت لسانی کے واقعات تذکرہ آب حیات میں مفصل درج ہیں - مزاج کی بیباکی اور ذہانت کا یہ عالم تھا کہ اچھے اچھے اُستادوں کا کلام سُن کر اعتراضوں کی بھرمار کردیتے تھے اور اپنے اقوال کی تائید میں اساتذہ کے صدہا اشعار سند میں پیش کردیتے تھے حقیقت یہ ہے کہ میر انشا اُردو شاعری میں ایسا مجموعہ کمال شخص گزرا ہے جس کی مثال اور شاعروں میں نہیں ملتی - مگر افسوس ہے کہ فطرتی ظرافت اور مزاج نے فصیل سخن میں اور اساتذۂ ماضی کی طرح قابل استناد واعتبار نہ بننے دیا - لیکن یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ ظرافت آمیز کلام کے علاوہ دیگر اصناف سخن میں ان کا کلام کسی سے رتبے میں گھٹا ہوا ہے جو طرز جو جدت جو رنگینی - جو اسلوب بیان ان کے کلام میں پایا جاتا ہے وہ ضرور قدر کی نگاہوں سے دیکھنے کے قابل ہے - ترکی - عربی فارسی میں قابل قدر تصانیف علمی کے علاوہ ہندوستان کی مختلف زبانوں کشمیری - پنجابی - مارواڑی - بھاکا میں اچھی دسترس تھی ان کی قادر الکلامی کے جھنڈے گڑے ہوئے ہیں - جس پُرخار وادی میں ان کے شبدیز قلم نے قدم رکھا اُس کے سب جھاڑ جھنکاڑ صاف کردئے - بہرحال میر انشا دلوں عشیر

عشرت اور کچھ دنوں تنگی و عسرت سے اپنی زندگی کے دن پورے کر کے ۱۲۳۳ ہجری میں بمقام لکھنؤ اس دنیائے فانی سے عالم بقا کو سدھارے منشی بسنت سنگھ شاد نے تاریخ انتقال اس طرح موزوں کی ؎

سال تاریخ او ز جان اجل	عمر فی وقت بود انشا گفت

اس تاریخ میں اجل کی جان یعنی جیم کا قصیہ ہے۔

میر انشا کے انتخاب کلام سے پہلے ہم ایک قطعہ فارسی درج کرتے ہیں۔ یہ وہ قطعہ ہے جو فائق نامی شاعر کے لفظ ید کے مشدد لکھنے پر بطور تمسخر و تضحیک لکھا تھا۔ کسی تذکرے میں اس کی نقل نہیں ملے گی۔ اور نہ اُنکے موجودہ کلیات مطبوعہ میں یہ اشعار دیکھے گئے مگر ایک پرانی بیاض میں مل گیا۔ چونکہ از بس پُر لطف ہے اس لئے جی نہیں چاہتا کہ ہم آپ ہی آپ اس کا حظ اُٹھائیں۔ دیکھیئے کس مزے سے تشدید کا جواز قائم رکھ کر تعریض کی ہے ؎

چہ خوش گفت فائق شاعر غرا	کہ چون ذہن باد ذہن رسا نباشد
یکے شعر نادر کہ در چند وزن	شود خواندہ و شک معنی نباشد
دراں لفظ ید را بدال مشدد	نوشت است و ایں غلط اصلا نباشد
شنید ایں سخن را چو گرد سخن	ز انشا کہ ہمرنگ اصلا نباشد
بگفتا کہ من شاہ خوش فکرم	چو من ہیچ مغل گویا نباشد
تو گلستاں۔ اندانی درست	ترا ہیچ شعور و ذکا نباشد
سند یاد از استاد است مارا	بکلام ما ہیچ خطا نباشد
چو تشدید در شعر ضرورت افتد	تشدید صحیح چرا نباشد

اسی طرح ان کا ایک مصرع مشددیہ بھی مشہور ہے ع در میاں بچوک سعد اللہ خاں۔ میر انشا کی تصانیف میں دیوان و دیگر کلام نظم کے علاوہ ایک کتاب موسوم بہ دریائے لطافت بھی ہے۔ جس میں مصطلحات بیگمات۔ روزمرہ دہلی قواعد عروض رسالہ منطق یا صطلاحات

ہندی قواعد اُردو وغیرہ شامل ہے - اگرچہ انداز بیان میں وہی مسخرا اور شوخی ہے - مگر بقول جناب آزاد قواعد اُردو کی یہ پہلی کتاب ہے جو ہمارے کسی اہل زبان نے اُردو میں لکھی ہے - اُس میں اول اُردو بولنے والوں کے مختلف فرقوں کی زبانوں نے نمونے دکھائے ہیں اور اُن میں زباں دانی و سخن فہمی کا حق ادا کیا ہے - پھر قواعد بیان کئے ہیں - اور ظرافت سے لیکر فحش تک کوئی بات باقی نہیں چھوڑی - عروض کے بیان میں اُسکی تقطیع اپنی ظریف طبیعت سے عجیب و غریب ایجاد کی ہے مثلاً مفاعیلن مفاعیلن کی جگہ "پری خانم پری خانم" اور فاعلن فاعلن کی جگہ "چت لگن چت لگن چت لگن" ارکان قائم کئے ہیں - اب انتخاب کلام ملاحظہ ہو

لگا کے برف میں ساقی صراحیٔ مئے لا
جگر کی آگ بجھے جلد جس سے وہ شئے لا

قدم کو ہاتھ لگاتا ہوں اُٹھ کہیں گھر چل
خدا کے واسطے اتنے تو پاؤں مت پھیلا

نخل کے وادیٔ وحشت سے دیکھ اے مجنوں
کہ زرد دھوم سے آتا ہے ناقۂ لیلا

گرا جو ہاتھ سے فرہاد کے کہیں تیشہ
درون کوہ سے نکلی صدائے واویلا

نزاکت اس گلِ رعنا کی دیکھیو انشا
نسیم صبح جو چھو جائے رنگ ہو میلا

برق چشمک زن ہے ساقی ابر ہے آیا ہوا
جام مئے دے تو کدھر جاتا ہے مچلایا ہوا

وہ جو محمود دشت نظارہ ہیں یہی آہ بھر کے کہیں ہر دم
کہ اسی تجلی نور نے ہمیں مثل طور دیا جلا

یہ جو کہتے کہیے میں ہے فقط سو غلط ہے محض اسی نمط
جدھر آنکھ اُٹھا کے نظر کروں نظر آئے مجھکو وہ ہر جا

کہا یہ صبر نے دل سے کہ لو خدا حافظ
کہ حق بندگی اپنا تمام جینے کیا

مقیم کعبۂ دل جب ہوا تو زاہد کو
روانہ جانب بیت الحرام جینے کیا

مزا یہ دیکھئے گا شیخ جی رُکے اُلٹے
جو اُن کا بزم میں کل احترام جینے کیا

ہوس یہ رہ گئی صاحب نے پر کبھی نہ کہا
کہ آج سے تجھے انشا غلام جینے کیا

پوچھا کسی نے مجھکو اُن سے کہ کون ہے یہ؟
تو بولے ہنس کے یہ بھی ہے اک غلام میرا

کیا خدا سے عشق کی میں رونمائی مانگتا
مانگتا بھی اُس سے تو سارا خدائی مانگتا

اس سے خلوت کی ٹھہر جاتی تو میں اللہ سے — واسطے دُودن کے عرشِ کبریائی مانگتا
یہ عجب ماجرا ہے کہ بروزِ عیدِ قرباں — وہی ذبح بھی کرے ہے وہی لے ثواب اُلٹا
ہنوئے وعدہ پر جو جھوٹے تو نہیں ملاتے تیور — اے لو دیکھا کچھ تماشا یہ سنو عتاب اُلٹا
نہیں اب جو دیتے بوسہ تو سلام کیوں لیا تھا — مجھے آپ پھیر دیجے وہ مرا سلام اُلٹا
فقط اس لفافے پر ہے کہ خط آشنا کو پہنچے — تو لکھا ہے اُسنے **انشا** یہ تیرا ہی نام اُلٹا
گو روپ بدلتا ہے ہر روز نئے آنشا — صحبت میں کبھی اُس کی پر بار نہیں پاتا
آنجور سے برف کے انشا کو بھیجے آپنے — اسکے یہ معنی کہ لو نقشہ تمھارا جم گیا
بلا پھر آج ہمکو وہ غضب اٹھکھیلیوں والا — بھبوکا برق شعلہ نور کا آتش کا پرکارا

دل میں سو لاکھ چٹکیاں لیں — دیکھا بس ہمنے پیار تیرا
آنشا سے نرو مُحت خفا ہو — ہے بندۂ جاں نثار تیرا
صبح رخسار اُسکے نیلے تھے — شب جو گزرا خیال بوسے کا
گالیاں آپ شوق سے دیجے — رفع کیجے ملال بوسے کا
خرابات کی جب سے لذت پڑی ہے — چھٹا بیٹھنا مسجد و خانقہ کا
رکھتے ہیں کہیں پاؤں تو پڑتا ہی کہیں اور — ساقی تو ذرا ہاتھ تو لے تھام ہمارا
اے بادِ سحر محفلِ احباب میں کہیو — دیکھا ہے جو کچھ حالِ تہِ دام ہمارا

مل گیا سینے سے سینہ پھر یہ کیسا اضطراب — مرمٹے پر بھی گیا اپنے نہ دل کا اضطراب
عشق وہ پھل ہے کہ جسکے تخم میں یہ تلخیِ سخ — بیخ دی ہے مغز اُسکا اور چھلکا اضطراب
نمودِ سطوتِ پروردگار کو دیکھو — جہاں تلک کہ کرے کام یہ نظر کا سوت
گُل برگِ تر سمجھ کے لگا بیٹھی ایک چونچ — بلبل ہمارے زخمِ جگر کے کھرنڈ پر
کیا ہنسی آتی ہے مجھ کو حضرتِ انسان پر — فعلِ بد تو خود کریں لعنت کریں شیطان پر
گیا یار آفت پڑے اس سحر پر — اُو داسی برسنے لگی بام و در پر

آئے نہ رات آپ جو اپنے قرار پر
گزری قیامت اس دلِ امیدوار پر

نہ سوئے گلا دو رہ و یاں سے شبنم
نمک کیوں چھڑکتی ہے زخمِ جگر پر

سلطنت بیچتے ہیں مُردہ کشاں خاک کے مول
ہے یہاں سایۂ ہما کا خس و خاشاک کے مول

خمر کے خم تو لنڈھائے یوں ساقی
اور یوں ترسیں ایک جام کو ہم

خلوت میں یوں جو چاہیئے کر لیجئے مجھے
لوگوں میں لیکن آپ کی میری ہنسی نہیں

حیف ایام جوانی کے چلے جاتے ہیں
ہر گھڑی دن کی طرح ہم تو ڈھلے جاتے ہیں

ہے نہاں لطف و کرم چینِ جبیں کی تہ میں
ہاں مگر صاف ہے اک اُنکی نہیں کی تہ میں

حرم میں دیر سے یاں آب و دانہ لے آیا
ترے کعبہ مرا اسمیں کچھ گناہ نہیں

کمر باندھے ہوئے چلنے کو یاں سب یار بیٹھے ہیں
بہت ہیں جا چکے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

نہ چھیڑ اے نکہتِ بادِ بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹھکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

تصور عرش پر ہے اور سر ہے پائے ساقی پر
غرض کچھ اور ہی دھن میں اس گھڑی میخوار بیٹھے ہیں

بیانِ نقش پائے رہروانِ کوئے تنہا میں
نہیں اُٹھنے کی طاقت کیا کریں لاچار بیٹھے ہیں

کہاں صبر و تحمل آہ ننگ و نام کیا شے ہے
یہاں رو پیٹ کر ان سب کو یاں اک بار بیٹھے ہیں

نجیبوں کا عجب کچھ حال ہے اس دور میں یارو
جہاں پوچھو یہی کہتے ہیں ہم بیکار بیٹھے ہیں

بھلا گردش فلک کی چین دیتی ہے کسے انشا
غنیمت ہے کہ ہم صورت یہاں دو چار بیٹھے ہیں

گر یار مئے پلائے تو پھر کیوں نہ پیجئے
زاہد نہیں میں شیخ نہیں کچھ ولی نہیں

ادا و ناز و حجاب غمزہ کرشمہ شوخی حیا تغافل
تمھاری چتوں کے آگے آگے یہ کرتے ہیں تام اُلٹوں

دل کو لے بھاگی کدھر تا تم سے تیرے انشا
کوئی کھڑکی بھی تو اس گنبدِ بے در میں نہیں

مت کیجے رد کھی پھیکی ہم سے اُچاٹ باتیں
دھیان آپ اُنکا رکھیئے بتور جدھر لڑے ہوں

شیخ و برہمن دیر و حرم میں ڈھونڈتے ہو کیا لاحاصل
موندھ کے آنکھیں دیکھو تو ہی ساری خدائی سینے میں

آنشا کو بھی دے ڈال ندا اے عیسیٰ مریم
گر کچھ مرضِ عشق کی تجھ پاس دوا ہو

انشا تو اینڈتے ہیں پڑے میکدے کے بیچ
کیسو سلام زاہدِ شب زندہ دار کو
جی میں کیا آگیا انشا کے یہ بیٹھے بیٹھے
کر پسند اُس نے کیا عالمِ تنہائی کو

کون کہتا ہے بولو۔ مت بولو
ہاتھ سے میرے ایک جام تو لو

چھیڑنے کا تو مزہ تب ہے کہو اور سنو
بات میں تم تو خفا ہو گئے لو اور سنو
توڑی جو اُس نے تجھ سے تو چوڑی قریب ہے
انشا تو اپنے یار کے یہ توڑ جوڑ دیکھ
نیند مستوں کو کہاں اور کدھر کا کنکیہ
خشتِ خمخانہ ہے بالیں اپنے تو سر کا نکیہ
گالی سہی ادا سہی چینِ جبیں سہی
یہ سب سہی پر ایک نہیں کی نہیں سہی
گر ناز نیں کہے سے بُرا مانتے ہو تم
میری طرف تو دیکھیئے میں نازنیں سہی
کوئی دنیا سے کیا بھلا مانگے
وہ بچپاری تو آپ ننگی ہے
چند مدت کو فراقِ صنم و دیر تو ہے
چلو پھر کعبہ بھی ہو آئیں بھلا سیر تو ہے
یہ پیاس اپنی مجھے برف سے نہ شورے سے
مجھے تو نرگسِ ساقی کے آبخورے سے
دیں گالیاں ہزاروں سُن مطلع اس غزل کا
کہنے لگا کہ انشا اسکا یہی صلہ ہے
عجیب لطف کچھ آپس کی چھیڑ چھاڑ میں ہے
کہاں ملاپ میں وہ بات جو بگاڑ میں ہے
اک طفلِ دبستاں ہے غلاطوں مرے آگے
کیا منہ ہے اسے جو کرے چوں مرے آگے
کیا مال بھلا قصرِ فریدوں مرے آگے
کانپے ہے پڑا گنبدِ گردوں مرے آگے
ہوں وہ جبر و قدر کہ گروہ حکما سب
چڑیوں کی کرتے ہیں چوں چوں مرے آگے
بولے ہے ہی خامہ کہ کس کس کو میں باندھوں
بادل سے چلے آتے ہیں مضموں مرے آگے
گالیاں سینکڑوں دیں پاؤں جو بابے ہنے
محنتیں خوب سی کیں خوب سے انعام لئے
غصے میں ترے ہنسے بڑا لطف اُٹھایا
اب تو عمداً اور بھی تقصیر کریں گے
کھب گئی آنکھوں میں کل جلوہ نمائی تیری
مجکو کیا جانے کہ کیا بات خوش آئی تیری
نگہ ہے اُس پری کی سحر چتوں ایک آفت
معاذ اللہ دیکھنا جو اُدھر کسی کی طاقت

ہوئے ہیں خاکِ سرِ راہ اُسکے ہم انشا — بڑا غضب ہے جو یہ بھی فلک نہ دیکھ سکے

لگا کر گلے رفعِ دل کی تپش کی — بڑی آپ نے آج یہ پرورش کی

رشک کرتی ہیں سدا اُن سے ارم کی حوریں — تیری دیوار کے جو سایہ تلے بیٹھ گئے

گلے میں ڈالکر زنّار قشقہ کھینچ ماتھے پر — برہمن بنئے اور طوفِ دیر بیت الصنم کیجے

آزادگی خوش آئی انشا کو جب سے یارو — وہ سب کو چھوڑ بیٹھا سب اُسکو چھوڑ بیٹھے

گالیاں سُن کے جی میں آتا ہے — لہجہ تیری زبان میں جچتا

غنچۂ گل کی صبا کو دیکھ ہی جاتی ہے — اک پری آتی ہے اور ایک پری جاتی ہے

انور (**انعام**) حافظ انعام اللہ دہلوی - حکیم محمد سجاد تمو ہانی کے شاگرد ہیں اور چڑے کی سوداگری کرتے ہیں - کھلتے میں سکونت ہے یہ کلام کا رنگ ہے ؎

نشانہ اُڑ گیا تیر جو میری نظر کا — پتا ملتا نہیں دل کا جگر کا

دل جو اُس زلف میں پابند رہے اچھا ہے — میں ہوں دیوانہ مرے پاس سے کھو جائیگا

ساتھ میرے قتل ہوگی حسرت داماں کی فوج — میں چلا مرنے کو لیکن ساتھ لشکر لیچلا

در بند ہے اور رند ہیں میخانہ کے اندر — شیشے کی پری آج سلامت نہیں جاتی

ہاں آپ کہیں اپنی زباں سے تو ابھی جائے — میرے تو کہے سے شبِ فرقت نہیں جاتی

انعام (**انعام**) منشی انعام اللہ بیگ دہلوی شاہ جی کے چیتہ کے مدرسہ میں کسی جماعت کے معلم تھے - مرزا سالک کو چند غزلیں دکھائی تھیں - اب عرصہ سے بہت کم شعر گوئی کا اتفاق ہوتا ہے ۵۰ برس سے زیادہ عمر اور یہ اُن کا کلام ہے ؎

بقا ہے باغ جہاں میں کسکو فنا کہاں ہے سمجھ کے اسکو — لگی ہے اسکی ہوا بھی جسکو وہ رنگ و بو ہی نہیں ہے گا

شباب تک ہے ادائے رنگیں کہاں یہ پھر جلوہ آئے گیں — سفید ہونگے یہ موئے مشکیں یہ رنگ و بو ہی نہیں رہیگا

بنائے زمیں تھی نہ فلک زیب زمیں تھا — کُن کہتے ہی سب کچھ یہ ہوا کچھ بھی نہیں تھا

وہ گئے غیر کے گھر اور یہاں ہم شب کو — صبح تک لیتے رہے راہ گزر کی آہٹ

انعام (انعام) لکھنؤ کے کسی خوش بیان شاعر کا تخلص ہے رسالہ گلشن بہار مولفہ منشی منصب علی منصب میں ایک غزل نظر سے گزری - چند شعر انتخاب تذکرہ کے لائق پائے درج کئے گئے ؎

دل کو چہ صنم میں گر ہم مزار ہیں	کیا دخل ہے مشیت پروردگار میں
اہل زمانہ ڈھونڈتے ہیں جس کی روشنی	وہ ماہ ہے چھپا ہوا اپنے غبار میں
انجام بعد مرگ اگر ہو گیا بخیر	سوئیں گے پھیل پھیل کے پھولوں کے مزار میں
دو پھول بھی چڑھائیگا روکر وہ گل اگر	پھولا نہ میں سماؤں گا کنج مزار میں
کرتا ہوں کوئی بات نکلتی ہے منہ سے آہ	دل اختیار میں نہ زباں اختیار میں
لاؤں کہاں سے بے صفائی کے میں گواہ	ساری خدائی تو ہے ترے اختیار میں
آنکھیں کھلی ہوئی ہیں مری بعد مرگ بھی	ایسا مزا ملا ہے تجھے انتظار میں
انعام اس صنم کی محبت کو ترک کر	مصروف اب ہو طاعت پروردگار میں

انعام (انعام) سید انعام اللہ صاحب انعام الہ آبادی شاگرد کوثر خیر آبادی - گیا میں سکونت اختیار کر لی ہے - یہ کلام کا نمونہ ہے ؎

بیٹھ کر اپنے بتوں نے برہمن چھین ہے شراب	خانقہ میں آج واعظ نے جو منبر رکھ دیا
کانٹیں ہجر کی اب پھولوں کی بھی یاد نہیں	نفسِ شوق نے کس کا رخ تاباں دیکھا
خوب میخانے پہ رحمت کی گھٹائیں برسیں	بادہ نوشوں کو ہوا تو بودۂ عصیاں دیکھا
توبہ خلاف وضع ہے پیری میں منصب	وہ کام کیوں کریں نہ کیا جو شباب میں

انور (انور) شیخ حافظ انور الدین - موضع منو محمد آباد اصلی وطن تھا مگر یہ خود شاہجہاں آباد میں پیدا ہوئے اور یہیں بڑے ہوئے - انکے والد مدشاہ کے وقت میں منصب داران شاہی میں سے تھے - یہ خود فن سخن میں میر سوز سے مشفید ہوئے - خوش گوئی ملنساری اور زندہ دلی نے ہر دلعزیز بنا رکھا تھا - شاہ عالم ثانی کا زمانہ تھا - تذکرۂ شوق میں انکا حال نظر سے گزرا - چند شعر انتخاب ہو کر درج ذیل کئے جاتے ہیں - معاملہ کے شعر خوب کہتے تھے اور روزمرہ کو

نہایت صفائی سے بناتے تھے طرزِ بیان دلچسپ اور زباں صاف ہے شوق نے انکا تخلص قانع لکھا ہے مگر مقطع میں انور ہی تخلص پایا لہذا اسی لحاظ سے تذکرہ میں درج ہوا ۵

یہ بعدِ وفات میری مزار پر قطعہ
خوبانِ جہاں کی دوستی کا
نقشِ لوحِ مزار کرنا تو
ہرگز مت اعتبار کرنا

نہیں ہم جانتے گل کس طرح کا ہے سمن کیسا
ندیکھیں یار کا منہ جس جگہ باغ و چمن کیسا
شہیدِ تیغِ نازِ دلربا ہم ہو گئے **انور**
کہاں کا غسل کاہے کی لحد گور و کفن کیسا
مجھے کہنے لگا وہ دیکھ رکھ شیشہ کو میری
ابے ورنا رہ کر ورنہ بسمل ایکدن ہوگا
چلو جاؤ مت جھوٹی باتیں بناؤ
اگر ہم سے ملنے تو ڈر تھا کسکا
پوچھتا کیا ہے کہ جاؤں یا نہ جاؤں یار پاس
مت ستا تو مجکو دل میری بلا سے جا نجا
گو ہمیں بوسہ نہ دے پر سامنے آنکھیں تو کر
جان یہ کیا طور ہے اتنا بھی تو شرما نجا
حالِ دل **انور** کا سن بیرحم تک انصاف کر
راست کہتا ہوں تو میری بات پر ہنسنا نجا
اب تو کرتا ہے مرے بول کو تو حیران بھلا
میں بھی سمجھوں گا بھلا رہ تو مری جان بھلا
کچھ تجھے رحم نہ آیا میری تنہائی پر
یوں مجھے چھوڑ گیا او دلِ نادان بھلا
اور تو تجھ سے کسی چیز کی امید نہیں قطعہ
پر مرے پیارے اب اتنا تو کہا مان بھلا
آن کر مجھ سے کبھی پوچھ کہ کیا ہے تجکو
جی سے نکلے تری باتوں ہی کا ارمان بھلا
یہ کیا قد و قامت ہے حضرت سلامت
کہ دل پر قیامت ہے حضرت سلامت
نہیں دیکھا تم نے اُسے شیخ صاحب
جو ہمپر ملامت ہے حضرت سلامت
رقیبوں سے خوش ہم سے بیزار ہے ہے
بھلے کا نہیں دو حضرت سلامت
جامہ زیبی میں کیا قیامت ہے
اُس سجیلے کی شان کے قرباں
انور نے کہا تک شب آؤ تو ہمارے گھر
ہنس ہنس کے لگا کہنے آنے دو بڑی راتیں

(**انور**) مولوی امام الدین خاں ولد غلام حسین خاں باشندہ رامپور کے شاگرد تھے اُردو کے سوا

فارسی بھی کہتے اور اُسمیں امام تخلص کرتے تھے ۱۲۵۹ھ میں پینسٹھ سال کی عمر میں انتقال کیا نتیجۂ فکر حسب ذیل ہے ؎

اور سب محشر کو بیٹھے تھے جہاں وہ اُٹھے — ایک میں بے سر اُٹھا بیجاں اُٹھا بیدل اُٹھا
لے پری آدمی کیونکر نہوں اس چال پہ غش — یہ اِسایہ ہے تیری چال پہ لوٹا جاتا
بنی تربت دِ قاتل پہ یارب خنجر ہے تیرا — کہ سر جس آستاں پر تھا رہا وہ آستاں سر پر

چشم ہمارا آئینہ سے ہے — عکس تجکو نظر آتا ہے
ہے دل یہ کچھ کسیکی حرکاں — اس شیشہ میں بال آگیا ہے

انور (انور) شیخ ولی محمد خاں دہلوی۔ انکے بزرگ سرکار شاہان مغلیہ میں داروغہ تھے۔ فارسی میں بھی طبع آزمائی کرتے تھے عرصہ ہوا انتقال کیا چند اُردو کے شعر درج کئے جاتے ہیں ؎

انتظاری میں تمہاری چشم ہوا گوش ہوا — مژدہ آنے کا ترے سنتے ہی بیہوش ہوا
ایسی جاں بخش ہوا موسم گل کی آئی — قصد پرواز میں ہیں بلبل تصویر کے پر
ہوا اشک خونی ہمارا گریباں — رگ گل بنے تار تار گریباں
رہ رو آئینہ رو کے کیوں نہ زمیں لگیں ہوں — حیرت نظارہ سے جوں غنچۂ تصویر ہوں

انور (انور) میر انور علی انور عظیم آبادی۔ نذر کے بعد تک عظیم آباد میں زندہ و سلامت موجود تھے۔ یہ اُن کا کلام ہے ؎

اس فصل بہار میں وہ گل ہے جدا ہو — اے گردش ایام نہ یوں تیرا برا ہو
ہر سمت سے ہو سایہ فگن یار کی صورت — آئینۂ خاطر میں اگر کچھ بھی جلا ہو
لائی نہ کبھو پیرہن یار کی خوشبو — اے باد صبا چل مرے آگے سے ہوا ہو
اُڑتی سی خبر ہم قفسو پائی ہے مینے — معلوم نہیں کون رہے کون رہا ہو
پابند نے الفت کا تقاضا ہے مگر یہ — صیاد اگر چھوڑ دے خود رشتہ بپا ہو

انور (انور) منشی سید محمد کا تخلص نام۔ نواب باقر علیخاں لکھنوی کے شاگرد اور صاحب دیوان

مطبوعہ تھے۔ انکی موزوں طبعی اور شاعری میں شبہ نہیں۔ الفاظ کی نشست اور تلاش دونو درست ہیں تشبیہ و استعارہ بندی کے ساتھ ساتھ کہیں کہیں سادہ سادہ عاشقانہ رنگ بھی کلام میں موجود ہے۔ زیادہ حال معلوم نہوا۔ اب انتخاب ملاحظہ ہو ؎

افسوس چار دن میں نگہ اُن کی پھر گئی — دعوے تھا عمر بھر جنہیں ہمسے نباہ کا
مصحف روے صنم یاد کیا کر زاہد — ہے جو منظور تجھے حافظ قرآں ہونا
مجھ نیم جاں کو دیکھ کے کوچہ میں کہتے ہیں — پھرتا ہے ڈھونڈتا ہوا جائے مزار کیا
بڑھ گیا لیلیٰ کا ناقہ نجد سے مثل صبا — دیکھتا حسرت سے مجنوں ہوئے محمل رہ گیا
مے خوار اُسکے بادۂ عرفاں سے مست ہیں — ساقی نے گر یہ جام پلایا تو کیا ہوا
عمر گزری خانہ صیاد میں — یاد نقش بھی نہیں گلزار کا
کہدے کوئی کہ فاتحہ پڑھنے کو آئے — مرقد مریض ہجر کا تیار ہو چکا
اس درجہ ترے حسن کا بازار ہوا گرم — اب آئے جو یوسف بھی تو سودا نہیں بنتا
جہاں میں نور ظلمت ہے جمال یار سے پیدا — ہوئی ہے خام زلفوں سے سحر خسار سے پیدا
ہوتا نہیں ہے نالۂ عشاق کا اثر — پتھر بتوں کا دل مری تیر داں نہ دیا

توڑیئے گا نہ دل عاشق کو — ہے یہ کعبہ نہ اسے ڈھایئے گا

کعبہ کی راہ چھوڑ کے جاتا ہے دیر میں — عشق بتاں میں شیخ کا ایماں بدل گیا
جذبۂ عشق یہ ہے دور تلک قتل کے بعد — ساتھ قاتل کے تڑپتا ہوا بسمل آیا
کیا بتائیں ڈھونڈتے کسکو ہیں کوچہ میں ترے — نقد دل جو پاس تھا وہ بھی نچھاور ہو گیا
واعظوں سے سنکے تیرا ذکر رحمت اے رحیم — میکشوں کو آتش دوزخ کا ڈر جاتا رہا
جا ہی پہونچی ایک دم میں بند آنکھیں جب ہوئیں — راستہ تک عدم کا دور کیا تھا کچھ نہ تھا
اُٹھے گی نہ عاشق سے جفائے شب فرقت — اللہ نہ دکھائے بلائے شب فرقت
جیسا ہے ترا پان کی سرخی سے دہن سرخ — ایسا کوئی دیکھا نہیں یاقوت میں گلرخ

دستِ صیادِ ستمگر سے ہوئے بیکار پر
فصلِ گل میں آئی آفت عندلیبِ زار پر

واعظا کس کو ڈراتا ہے عذابِ حشر سے
ناز ہے بادہ کشوں کو رحمتِ غفار پر

یکایک غیر کا چھٹنا تو اُن سے غیر ممکن ہے
مگر اتنا ہے کچھ کچھ ہنسے بیباں ہوتے جاتے ہیں

گیسو ہوا سے چہرے پہ بل کھلائے جاتے ہیں
دو سانپ گنجِ حسن پہ لہرائے جاتے ہیں

نہیں معلوم تسکوزاہد و توقیرِ منبر کی
رہی گھر میں خدا کے مدتوں تصویرِ منبر کی

کام کیا خانۂ کعبہ سے اُسے اے زاہد
جس کو محرابِ عبادت خمِ ابرو ہو جائے

زلفِ تا عارضِ دلدار نہ آنے پائے
صبحِ صادق میں شبِ تار نہ آنے پائے

دم تو کہتا ہے کہ میں گھٹ کے لبوں تک آؤں
ضبط کہتا ہے خبردار نہ آنے پائے

زلیخا عاشقِ شیدا فقط تھی ماہِ کنعاں کی
نمودِ یوسفِ اک عالم کا تجھ پر دم نکلتا ہے

الفت کی پوچھے سختیاں فرہاد سے کوئی
ڈھا کر پہاڑ کو دلِ شیریں میں راہ کی

ہزار بار کہا پر نہ ایک بار آئے
تمھاری بات کا کیا خاک اعتبار آئے

جلائیں گے ہمیں اے شیخ کیا شعلے جہنم کے
بجھا دیں گے اُسے قطرے ہمارے دیدۂ نم کے

عشق کامل بعد مر جانے کے بھی جاتا نہیں
خاک مجنوں کی تلاشی صاحبِ محمل میں ہے

یار کے آگے نہ دم نکلا یہ حسرت رہ گئی
موت سے ہم کو فقط اتنی شکایت رہ گئی

انور (انورؔ) نواب سید محمد علیخاں بہادر انورؔ موسوی صفوی ملقب بہ نواب دوطھا رئیس قصبہ شمس آباد ضلع فرخ آباد روسائے رامپور کی اولاد میں تھے انکے والد ماجد نواب حفیظ اللہ خاں ولد نواب غلام محمد خاں بہادر سابق والی ریاست رامپور بڑے نامی رئیس گزرے ہیں۔
انور موصوف نواب اعتماد الدولہ فضل علیخاں بہادر دہلوی - وزیر نصیر الدین حیدر بادشاہ اودھ کے صاحبزادی جعفری بیگم سے بیاہے گئے تھے - اور انہوں نے انکو گھر داماد کر لیا تھا چنانچہ ان کی وفات کے بعد یہی انکی ریاست شمس آباد کے مالک ہوئے تمام عمر خوش حالی اور فارغ البالی کے ساتھ بسر کر کے ۱۲۸۵ھ مطابق ۱۸۶۸ء میں انتقال کیا منشی آمیر حسین منیر نے تاریخ کہی ؎

پاک گوہر آہ نواب بہشت آرام گاہ ❁ نواب صاحب بعد غدر کچھ دنوں نظر بند بھی رہے تھے ریختہ گوئی کی طرف طبیعت مائل تھی اور اُسمیں تسنیر شکوہ آبادی سے مشورہ لیا کرتے تھے - انکے صاحبزادے نواب سید مہدی علی نے انتخاب کلام اساتذہ معروف بہ بہارستان اشعار ۱۲۹۱ھ میں شائع کیا تھا - اُسمیں سے چند شعر منتخب ہو کر درج تذکرہ کئے جاتے ہیں ؎

زندگی میں مری تعریف نہ کر اے ہمدم	ہاں مگر بعد فنا دیکھ کر انجام بخیر
رند ہوتے تو ہر اک جلسہ میں ہو جاتے شریک	لطف دُنیا ہی گیا زہد کی پابندی سے
اب خدا جانے کہ اس بت کو اکیلا پا کر	غیر کیا کیا مری جانب سے لگاتے ہونگے
احتیاط اتنی تو اے زاہد ناحق نہ کرو	ہند و کس کے ہیں بتاؤ یہ مسلماں کس کے
دل اُلجھتا ہے جو ہر شب نہیں معلوم انور	یاد آجاتے ہیں گیسوئے پریشاں کس کے

(انور) سلطان الشعرا سید شجاع الدین عرف امراؤ مرزا مرحوم دہلوی - آپ سید جلال الدین حیدر مرصع رقم خوشنویس و اُستاد ابو ظفر بہادر شاہ ثانی کے خلف اصغر اور مخزا سانندہ مولانا ظہیر دہلوی کے چھوٹے بھائی تھے - آنور مرحوم بڑے ذکی اور طباع شاعر تھے - اوائل مشق میں خاقانیٔ ہند شیخ ابراہیم ذوق سے استفادہ حاصل کیا - اُنکے انتقال کے بعد مرزا غالب سے مشورہ لیتے رہے طبیعت نہایت دقت پسند اور مضمون خیز واقع ہوئی تھی -- کلام کی شوخی خیال کی چلبلاہٹ - فکر کی رسائی - روزمرہ کے نئے نئے نوٹ فرینگان سخن کے دماغ میں عجیب سرور اور عاشق مزاجوں کے دلوں میں غضب کا درد پیدا کرتے تھے - جو شعر دیکھو پھڑکتا ہوا حسن خیال - بلندیٔ مضمون پر نظر ڈالو تو ایک خوش آیند حیرت پیدا ہوتی ہے - اس جوان طبیعت کو خدا نے وہ مضمون آفرینی بخشی تھی کہ شعر سُنکر بوڑھوں کے ٹھنڈے ہوئے دلوں میں عشق کی اُمنگ پیدا ہو جاتی تھی - افسوس ہے کہ اس جوان مرگ نے عالم شباب میں اپنے دائمی جدائی کا داغ دیا - اگر آج آنور زندہ ہوتے تو ہر جگہ انکا ہی نور جھلکتا نظر آتا اور انکے سامنے کسی کا چراغ روشن نہ ہونے پاتا - مگر اس مرحوم کا کلام اس ناپرسی اور ناقدری کے

انور

زمانے میں بھی انصاف پسند طبائع کو اپنے کمال کا معترف بنائے بغیر نہیں چھوڑتا - اسقدر دقت پسند اور نازک خیال ہونے کے باوجود مشاقی اور پُرگوئی کا یہ عالم تھا کہ کیسی ہی مشکل زمین کیوں نہ ہو تعداد اشعار میں کمی نہ آتی اور ایک ایک قافیہ کو کئی کئی طرح سے ادا کرتے - اکثر مشاعروں میں مصرع طرح پر سہ غزلہ اور چوغزلہ کی نوبت آجاتی - جس بحر اور جس قافیے میں مضمون کی گنجایش ہوتی اُسی میں گوہر مضمون نکال کر دکھا دیتے - غدر سے دس برس بعد جو دتی میں مشاعرے کا سلسلہ ہوا تھا اُس کی روح رواں انہیں کہنا چاہیے - حضرت داغ - مولانا ظہیر - حالی - فگار - سالک - عزیز - آرسٹ - مشتاق - ان مشاعروں میں شریک ہو کر داد سخن دیا کرتے تھے - ثقات سے سُنا گیا ہے کہ اکثر تو یہی ہوا کہ انکی غزل سب پر فوق لے گئی - حکیم مومن خاں صاحب مومن نے خیال گوئی کی جو ایک خاص طرز ایجاد فرمائی تھی جسکا اُنکے زمانے ہی میں شہرہ ہو گیا تھا اگر اُسکے موجد مومن خاں تھے تو پورے پورے مقلد حضرت انور - اگر نگاہ غور سے دیکھا جائے تو جیسا انکی طرز کو حضرت انور نے نباہا ہے اور کسی سے نہ بن پڑا اسیطرح مرزا غالب کی استعارہ بالکنایہ کی خوش اسلوب ترکیب کی تقلید انور مرحوم کے برابر کسی سے نہیں ہوئی - الغرض ذوق - غالب - و مومن کے جداگانہ طرزوں کو سمو کر مرحوم نے ایک رنگ خاص ایسا ہر دلعزیز پیدا کیا تھا جو سب کے دلوں میں نقش ہو گیا - حضرت انور کو افکار زمانہ نے نہایت تکلیفیں پہنچائیں - دستبرد غدر سے ایسے پریشان ہوئے کہ ترک وطن کر کے جے پور جا رہے اور وہیں ۳۸ برس کی عمر میں انتقال فرمایا - انکے دو مکمل دیوان تلف ہو گئے - جنمیں سے ایک تو خاص حمد و نعت اور تصوف کے رنگ میں ڈوبا ہوا تھا مولف تذکرہ نے بڑی محنت اور مشقت سے متفرق و پریشان مسودوں سے ایک دیوان مرتب کر کے چھپوایا ہے مگر یہ اُنکے کلام کا آٹھواں حصہ بھی نہیں ہے اور اسمیں بیشتر ایسا کلام ہے جو نظر ثانی سے محروم رہا - یہ بھی امر قابل ذکر ہے کہ اُستاد ذوق کے مروجہ دیوان کی اشاعت میں انور مرحوم کا نام شکریہ کے ساتھ یاد رکھنے کے قابل ہے کیونکہ یہ دیوان حافظ ویران

حضرت ظہیر اور انور کی متحد سعی و کوشش کا نتیجہ ہے خوشنویسی میں ید طولےٰ رکھتے تھے منظمی و محترمی شمس العلما مولانا حالی نے راقم کی تحریک سے جو تقریظ انکے دیوان پر لکھی ہے قابلِ دید ہے۔ اب انتخاب کلام ملاحظہ ہو ؎

تری صورت کو دیکھا اور آنکھیں کھل گئیں کیا کیا
نظر آیا جمالِ معنیٔ حسن آفریں کیا کیا

اجل ہے مرثیہ تو بھی زیست کا ساماں نہیں کیا کیا
اُمیدیں رکھتی ہیں دل کو مرے ماندوگیں کیا کیا

نظر ملتے ہی وہ کچھ ہو گیا جو کچھ کہ ہونا تھا
پشیماں ہو رہا ہے دیدۂ انجام بیں کیا کیا

کیا غمّاز اپنا ہم نے پیدا ہاتھ سے اپنے
زباں بنکر کہے دیتا ہے چاکِ آستیں کیا کیا

تیرے کوچہ میں ہر ہر نقشِ پا پر سجدہ کرتا ہوں
ملاتا خاک میں ہے مجھکو یہ شوقِ جبیں کیا کیا

تیرے آنے کی سُنکر ساتھ ہی آنکھوں میں دم آیا
مگر سرگرمِ استقبال ہے جانِ حزیں کیا کیا

دو چار اس چشم سے ہوتے ہی اک چُپ لگ گئی گویا
خدا جانے نگاہیں چپکے چپکے کہہ گئیں کیا کیا

نہ لب پہ ہو ذکر مہر و کیں کا نہ دیکھے اک ٹک مُنہ زمیں کا
وہ ضبط ہو عاشقِ حزیں کا یہ ربط ہو چشم و آستیں کا

وہ جلوہ رخسارِ آتشیں کا وہ عکسِ رخ تابِ اُس جبیں کا
یہ ساعقہ رختِ کفر و دیں کا چراغ وہ خلوتِ یقیں کا

کہیں سرِ طور جلوہ افگن کہیں در و بامِ ایماں سے روشن
وہاں تو ہی جائے جائے مسکن ہمیں تو رکھا نہیں کہیں کا

یہ طعنہ کم ہے کہ بے دہن ہو یہ شرم کیسی کہ چپکے بیٹھو
زبان کو دشنام ہی پہ کھولو دہن تو ہو بند نکتہ چیں کا

نظر ہے یاں تیرے اوجِ دشناں پہ فخاں سے پر پا کیا مجھ حشر
کہ سر کو چہ تیرا اُٹھا کر بنا دیا آسماں زمیں کا

جو کہنے اظہارِ مطلب اُن سے تو چاہے پہلے مدح کر کے
یہ مستِ مدہوشِ حسن کیجے کہ ہوش باقی نہ ہو نہیں کا

پی بھی جا شیخ کہ ساقی کی عنایت سے ہے شراب
میں ترے بدلے قیامت میں گنہگار رہا

کچھ خبر ہوتی تو میں اپنی خبر کیوں رکھتا
یہ بھی ایک بے خبری تھی کہ خبردار رہا

خدنگِ نگہ دل کُشا ہو گیا
ستم قابلِ مرحبا ہو گیا

محبت میں بھی کیا سے کیا ہو گیا
ستم عاشقوں کو وفا ہو گیا

بشر ہوں نہ کھاؤں تو کیونکر جیوں
غم و غصہ میری غذا ہو گیا

شب غم میں کس کس کی ہوئی یاد کا قیام — جو دل من گیا دم خفا ہو گیا
مجھ سے یہاں جو قہقہہ بڑھ گئی — وہ اتنا ہی نا آشنا ہو گیا

دیکھا جو بعد مرگ تو مرنا زیاں نہ تھا — بدلے فنا کے ملک بقا کچھ گراں نہ تھا
کیسی حیا کہاں کی وفا پاس خلق کیا — ہاں یہ سہی کہ آپ کو آنا یہاں نہ تھا
کچھ اپنے دل کے ولولے کچھ زاہدوں کی ضد — سر پھوڑنے کو ورنہ وہی آستاں نہ تھا
حسن جہاں فروز سے جس جا نہ تھے وہ تھے — میں بے نشانیوں سے جہاں تھا وہاں نہ تھا
مرتا ہوں یوں کہ کیوں نہ رہا دل میں تیر یار — آرام جان تھا کوئی آزار جاں نہ تھا
خالی در اس کا پایا تو دل وہم سے مرا — تھا پاسباں میں آپ جو واں پاسباں نہ تھا
کوئی اک گردش تو ہوا ایسی بھی ہاں اے چشم یار — شیخ پوچھے مجھ سے رستہ خانۂ خمار کا
لے چلو واعظ کو ہاتھوں ہاتھ اٹھائے میکدہ — پاسباں چل کر بنا دو خانۂ خمار کا
جان سننے والوں کی واعظ لبوں پر آ گئی — واہ کیا کہنا ہے حضرت آپ کی گفتار کا
ملتی ہے آخر کو کچھ کیفیت سوز و گداز — صاعقہ حصہ ہے پہلا طالب دیدار کا
اللہ رے ذوق شوق اسیری کہ شوق میں — پہروں اٹھا اٹھا کے سلاسل کو دیکھنا
تقلید خاکساری ہوتی ہے خاک ہو کر — مٹ مٹ کے ہم نے سیکھا انداز نقش پا کا

ہے انا الحق سر پہ کیوں بیداد — گر نہیں ہے رواج باطل کا
جز و ذات حبیب ہے عاشق — نام دریا ہے نام ساحل کا
غرق واں ہوں جہاں لگاؤ نہیں — کشتی و بادبان و ساحل کا
کچھ تو ہو مزد رنجش بازو — کچھ تماشا تو دیکھ بسمل کا

کیا جانے کس کے دم سے ہے آباد میکدہ — ساقی وظیفہ بند نہ کر بادہ خوار کا
مسیحا کی کرو مرتے ہیں تم پر — خلاصہ ہے یہ اپنی داستاں کا
بلائے درد کو دل پر خوشی خوشی لیجے — بڑا گناہ ہے الفت میں دل چرانے کا

ہائے کیا کیا نہ وہ اس گریہ پہ نازاں ہوگا
جس کی آنکھوں پہ تیرا گوشۂ داماں ہوگا

تم کسی وعدہ سے پھر جاؤ کہ ہو جاؤں تمام
ہو اگر پھرنے میں میرے حق پہ خنجر خراب

تم آج ہی چل پھر کے مٹا دو نہ یہ جھگڑا
کیوں کل پہ رکھو شورشِ غوغائے قیامت

وہ دن گئے کہ مصر کو پہنچا کوئی بخیر
تم ورنہ آفت رہ صد کارواں ہو آج

کوئی تڑپے نہ کیوں تاب و تواں تک
نہ پوچھیں گے نہ دیکھیں گے کہاں تک

دل کے کھوٹے ہیں سب یہ سیم اندام
خوب ہم آزمائے بیٹھے ہیں

حسن نظارہ سوز ہے پردہ
گو وہ پردہ اٹھائے بیٹھے ہیں

تجھ سے دل کا غبار مٹ نہ سکا
اپنے کو ہم مٹائے بیٹھے ہیں

پامال اک جہاں ہے اور کچھ جبا نہیں
کھلتے ہی کچھ یہ معنیٔ نازِ ادا نہیں

گو سب رہا ہوئے کوئی قیدی رہا نہیں
ہوں وہ اسیرِ شوق کہ دل چھوڑتا نہیں

اپنے خدا سے وصلِ صنم مانگتا ہوں میں
ناصح نہ مر کہ تجھ سے تو کچھ مانگتا نہیں

دوزخ یہ کیوں رکھی ہے سزائے صنم پرست
گرمی بتوں کے حسن میں کیا اے خدا نہیں

دل ہم نہ دیں گے اور کسی کے دینے کیواسطے
یہ تو نہ ہوگا اور کبھی حاشا ہوا نہیں

تکلیفِ دست و بازوئے قاتل کا فکر ہے
قاتل سے دعوئے دیت و خوں بہا نہیں

بسم اللہ کہہ کے کود پڑوں بحرِ عشق میں
کشتیٔ ناخدا نہ سہی کیا خدا نہیں

قہر کا ظلم قیامت کا ستم کرتے ہیں
وہ خدا سے نہیں ہوتا جو صنم کرتے ہیں

جور پر جورِ جفا پر وہ جفا کرتے ہیں
اس پہ بھولے ہیں کہ ہم یاد کیا کرتے ہیں

موت کیا چیز ہے ہنگامِ قلق ہم دل پر
جان کو صدقے سے دفعِ بلا کرتے ہیں

کچھ کچھ وہ چھیڑ لطف کی کم کم عتاب میں
جی ہے امید و بیم سے کس کس عذاب میں

دریائے جرم ہو تو سکھا دے ہوائے عفو
تر دامنی مری ہے وہاں کس حساب میں

دیکھے گا جو رہے گا زمانے کے انقلاب
مرتا ہوں اس نگاہ کے اک انقلاب میں

کیا غم دراز دستیٔ نارسا سعید کا
دامن کو لیچلا ہوں بھگو کر شراب میں

ساقی نہ پوچھ دار و ئے افسردہ خاطری
آتش ملا دی آب کے بدلے شراب میں

خونفشانی مری داخل مرے نقصاں میں نہیں
اب تو دامن میں ہے وہ کچھ جو بخشاں میں نہیں

مجھسا دیوانہ دہر شیار ہو امکاں میں نہیں
خاک اڑاتا ہوں مگر کوچۂ جاناں میں نہیں

حوصلے تو نے بڑھائے ہیں دکھا کر جلوے
کچھ سماتا نظر صاحب عرفاں میں نہیں

جو کہے سچ ہے نہ مئے پی نہ کہیں دل اٹکا
گفتگو کچھ سخن ناصح ناداں میں نہیں

ہے تذبذب کہ انہیں دیکھ کے کچھ کہہ نہ اٹھوں
گرچہ اب تک کوئی لغزش مرے ایماں میں نہیں

مگر زاہد اڑے گا اب پری بنکر پرستاں میں
اڑا دی آدمیت سب ہوائے باغ رضواں میں

نہیں انجم یہ رو رو کر کسی کے یاد دنداں میں
بھرے ہیں ہنسنے موتی دامن شب ہائے ہجراں میں

ہر اک جانب سے ہے نقش عن المطلوب عکس آرا
دل اک آئینہ خانہ ہے تجلی گاہ عرفاں میں

طریق راستی مجھکو ملا برگشتہ راہی سے
خدا یاد آگیا یاد بت برگشتہ مژگاں میں

جدا اک دم گریباں سے نہیں ہوتا نہیں ہوتا
جنوں نے ہاتھ میرا ہی دیا شاید گریباں میں

میرا اور اس بت مخمور کا ہے ایک سا عالم
جو واں لغزش قدم میں ہے تو یاں ہے پائے ایماں میں

وہ چشم مدعا میں سکندر رہ ہوئی پردہ
اڑائی خاک جتنی جستجو نے آب حیواں میں

بڑھے ہے جو شوق کے ہاتھوں وہ ناکامی سے ہٹ آئے
قدم اک کشمکش میں پڑ گئے ہیں کوئے جاناں میں

ثبات سرمدی ہے خاک راہ یار میں ہونا
کیا ہے سعی کو مٹی تلاش آب حیواں میں

ہوا یاں اک نظارہ سے کلیم طور کا عالم
سمائی ہے تجلی کس طرح اس روئے تاباں میں

نظر ہو تو نظر آتی ہے کیفیت دو عالم کی
چلو انور تماشا دیکھ آئیں بزم رنداں میں

ٹیڑھی ترچھی کوئی پڑ جائے تو دیکھے واعظ
اور یوں کہنے کو ٹوپی نظر کچھ بھی نہیں

جب تواضع سے جھکے خجلت سے دشمن کٹ گیا
تیغ کا خم جانتے ہیں ہم خم تسلیم کو

دو ادھر سے آئینگے اور چار ادھر سے واخواہ
بن پڑے گی کیا تمھیں روز امید و بیم کو

دل میں بحرِ الفتِ ساقی ہے انور موج زن
جانتا ہوں ایک قطرہ کوثر و تسنیم کو

ملیں گے تم سے یہ کیونکر گماں ہو
گماں جس جا نہ پہونچے تم وہاں ہو

کیا مٹائیں گے ہم اُسکے دل سے نقشِ یادِ غیر
جب مٹا سکتے نہیں اپنے خطِ تقدیر کو

غیر کی تقدیر میں جو کچھ کہ چاہا لکھدیا
داد ہی ہے کیا کہوں میں کاتبِ تقدیر کو

کاوشوں ہی کاوشوں سے سر بسر لبریز ہے
دل سے لایا ہے مگر فرہاد جوئے شیر کو

اور جرم رہزنی پر ہو سزا انجیر کو
دل مرا اُڑ کر لپٹ جاتا ہے اُسکے تیر کو

نام زورِ بازوئے فرہاد اُسی کا ہی تو ہے
شمع بزمِ خودنمائی کیجئے جوئے شیر کو

یاس کیوں ہو غمِ فرقت کی وفا سے مجھ کو
اور کو آس ہے بندے سے خدا سے مجھ کو

میں گنہ کر کے گنہگار تمہارا ٹھہرا
نسبتِ خاص لگی ہاتھ خطا سے مجھ کو

جو رہا سہا کے یہ خوش خوش ہوں کہ محشر میں مگر
بخشوائیں گے جفا کار خدا سے مجھ کو

ہے ستم تو مگر اک لطف سے دیکھو کیا ہو
اُس نے مارا ہے محبت کی ادا سے مجھ کو

بندۂ محرم و بیگانہ اسیر اُسکا ہوں
کچھ تعلق ہیں تعلق سے خدا سے مجھ کو

آیا ہے میرے مرنے کی سُنکر وہ بدگماں
کوئی لپیٹ دو مجھے زندہ کفن کے ساتھ

اے جانِ زار کچھ تو رہے پاسِ ہمدمی
لب تک تو آ وصالِ صنم کی دعا کے ساتھ

بھولے ہیں کس خیال پہ زاہد دو پارسا
رشتہ نہیں ہے داورِ روزِ جزا کے ساتھ

تیرے ستم سے مجھکو ملا منصبِ کلیم
اک وجہ گفتگو نکل آئی خدا کے ساتھ

مئے بے طلب ملی تو ہوئی یار کی طلب
بندوں کے ناز بھی ہیں نرالے خدا کے ساتھ

لیلیٰ کا نام زندہ ہے اب تک جہاں میں
تم بھی نباہ دو کسی اہلِ وفا کے ساتھ

کچھ جو عزت ہے تو پھر کوچے میں اسکے ہے کہ موت
دو قدم آن کے لیجاتی ہے توقیر کے ساتھ

کچھ تو مل جائے لبِ شیریں سے
زہر کھانے کی اجازت ہی سہی

دل میں یاں آ کے نکلنا کیسا
اے وہ ارمانِ شہادت ہی سہی

تیرے کشتوں کا روزِ حشر حساب
غیرت اور فتنہ گر نہیں آتی

بے طرح پڑتی ہے نظر اُن کی
خیر دل کی نفس نہیں آتی

برگ برگ سبزۂ قدرت سے تیرے سطور ہے
جس زباں پر دیکھتا ہوں نعرۂ منصور ہے

اور کچھ دنیا سے کھنچ جا اور بڑھ جائے سوئے حق
تیر جتنا کھنچ گیا پلہ میں اُتنا دور ہے

نیک ہوں بد ہوں تمہارا ہوں تمہیں کو پاس ہے
تم نے لکھا ہے مری قسمت میں جو مسطور ہے

ربط بڑھ جائے تو حسن و عشق کی ہے شان ایک
جو نفس ہے سینۂ عاشق میں شمع طور ہے

کاتبِ اعمال جو چاہیں لکھیں کچھ غم نہیں
ہے نظر اُس پر کہ جس سے قہر کوسوں دور ہے

وہ گناہ کرتا ہوں اب جی کھول کر جو رہ گئے
جانتا ہوں خیر مجھ سے قہر تجھ سے دور ہے

جو اُٹھا پردہ نظر سے واں حجابِ رو ہوا
جتنی یاں آنکھیں کھلیں اتنا ہی وہ مستور ہے

ہر فنا پر منحصر دیدار پر بینا رہے
واقعی عاشق مگر ناچار ہے مجبور ہے

کچھ نہیں سنتے کسی سے ہم کہ ہے واں رنگ کیا
کیا زباں بندی تمہاری بزم کا دستور ہے

اس مقامِ لاتعین پر وصولِ انور کہاں
آ کے منزل پر جہاں سنتے کہ دلی دور ہے

تیرے جلوے دم خجالت جو نمودار ہوئے
حیرت آگیں مرے گھر کے در و دیوار ہوئے

صلح کل مشرب مذہب ہے تو کیا دشمن و دوست
دل میں وہ پھول ہوئے آنکھ میں جو خار ہوئے

کیفیت کوئی دم تو رہے گا نظر سے دور
خوش ہوں جو اُن کے در پہ عدو پاسباں رہے

مٹی خراب ہے تیرے کوچہ میں ورنہ ہم
اب تک تو جس زمیں پہ رہے آسماں رہے

مرتے ہیں تڑپتے ہیں تری یاد میں ہر دم
بیکار کسی دم کو بھی جانے نہیں دیتے

نہ میں سمجھا نہ آپ آئے کہیں سے
پسینہ پونچھئے اپنی جبیں سے

میں اس برہم مزاجی کے تصدق
اُلجھتے ہیں وہ زلفِ عنبریں سے

کہاں کی دل لگی کیسی محبت
مجھے اک لاگ ہے جانِ حزیں سے

اِدھر لاؤ ذرا دستِ حنائی
پکڑ دیں چور دل کا ہم یہیں سے

ضعف میں مرنا بھی مشکل ہو گیا — جان الجھی ہے نفس کے تار سے
قہر ہیں مستی میں وہ انگڑائیاں — خالی ہاتھوں لڑتے ہیں تلوار سے
جمع اپنا خرمنِ دل جب ہوا — بجلیاں تو ہیں نگاہِ یار سے
خدا کی بے نیازی مانتا ہوں — ذرا پرسش نہیں نازِ بتاں کی پر
چلے دشمن کے گھر خود رفتہ ہو کر — طبیعت آگئی ایسی گماں کی

کیا اسکی ہے خوشی کہ وہ رخ بے نقاب ہے — اک تیرے ساتھ چشمِ جہاں کامیاب ہے
جاں بخش ہے گفتار تو لب چشمۂ حیواں — پھر کیجئے کہ اُن پر کوئی کس بات پہ مر جائے
یہ خوشی کم ہے کہ ہم اُس بزم میں — اک طرف بیٹھے تو ہیں ناشاد سے
اسقدر محوِ تحیر ہوں کہ میں — مل گیا تم میں تمہاری یاد سے
دل میں کیوں کھٹکا رہائی کا رہے — مول لے لیجے قفس صیاد سے

انور

(انور) حافظ حکیم سید انوار احمد صاحب انور دہلوی خلف حافظ سید خیر الدین احمد خلف سید محمد باقر قوم سے صحیح النسب سید اور دہلی کے رہنے والے تھے شاہانِ مغلیہ انکے اسلافِ کرام کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے چنانچہ بہادر شاہ ثانی سید خیر الدین احمد صاحب کو اپنی طرف سے شاہ سلیماں چشتی صاحب سجادہ تونسہ شریف کی خدمت میں لعہ نذرانہ بھیجا کرتے تھے حکیم صاحب موصوف کے بڑے بھائی حکیم سید نیاز احمد مرحوم شاگرد رشید حکیم حسن اللہ خاں صاحب طبیب شاہی ریاست پٹیالہ میں بزمرہ اطبا ملازم تھے حضرت انور طب میں اپنے برادر مرحوم کے شاگرد تھے۔ اور فن ڈاکٹری میں پنجاب یونیورسٹی کے امتحان زبدۃ الحکما کے سند یافتہ تھے علم رمل اور نجوم میں بھی اچھا دخل تھا۔ نہایت ذکی اور خوش اخلاق تھے۔ تشخیص مرض کے علاوہ شافی مطلق نے ہاتھ میں شفا بھی عطا کی تھی شروع میں چند غزلیں حافظ غلام رسول ویراں کو دکھائیں پھر حضرت داغ سے تلمذ اختیار کیا کئی برس حیدر آباد دکن میں نواب لائق الدولہ غالب جنگ کی سرکار میں بصیغہ طبابت ملازم رہے۔ مگر گردشِ قسمت نے کہیں زیادہ ٹکنے نہ دیا۔

آخر سنہ ۱۳۲۲ ہجری میں اپنے وطن آبائی دہلی میں انتقال فرمایا۔ چند اشعار انتخاباً درج ہوتے ہیں ؎

حسرتوں سے دم نکلنے میں جو دشواری ہوئی
موت میری دیکھ کر اُن کو بھی سکتا ہو گیا

دورِ آخر ہے پلا دے پھر کہاں بزمِ طرب
تیرے ہی دم سے ہے ساقی گردشِ پیمانہ آج

شیخ صاحب کل تو میرے حال پر تھے طعنہ زن
شمع رُو سے لو لگا کے خود بنے پروانہ آج

ناتواں ہوں میں بہت جذبۂ دلدارانہ کھینچ
مجھ میں کیا باقی ہے اب حسرتِ بیمارانہ کھینچ

اب تک ہے انتظار کسی کے خرام کا
اُٹھ بیٹھتے ہیں قبر میں آوازِ پا سے ہم

تمھارے کشتۂ بیداد کو مسیحائے
ہزار بار جِلایا مگر جیا ہی نہیں

مجھے کیا کام ہے دیر و حرم سے
مری آنکھوں میں ہے صورت صنم کی

انور (انور) سید انور علی انور نبیرۂ مولوی امجد مقیم بھوپال۔ حضرت داغ دہلوی سے ارادت رکھتے ہیں۔ اور شعر خاصہ کہہ لیتے ہیں۔ یہ کلام کا نمونہ ہے ؎

دیکھتے کس کو ہو کچھ ہوش سنبھالو اپنے
کیا سمائی ہے یہ اے حضرتِ موہوم دل میں

اس دلِ کوئے تری اُلفت کا سودا جو نہ ہوتا
کاہے کو میں پھنستا شبِ فرقت کی بلا میں

کٹتی ہے ترے ہجر میں یوں اپنی شبِ روز
دن نالہ و فریاد میں شب آہ و بکا میں

اندھیری رات میں اے مہ لقا تم
یہ بن ٹھن کر کہاں جاتے ہو گھر سے

تمنا حور کی کرتے ہیں حضرت
کوئی صورت تو دیکھے شیخ جی کی

کہیں دور ہو ہجر کا غم الٰہی
کہیں جان لے درد فرقت ہماری

انور (انور) منشی محمد انور لکھنوی۔ خوشنویس و مصلح سنگ۔ کلکتے کے امیر الاخبار کے مطبع میں کتابت کرتے تھے۔ دو تین سال ہوئے دہلی میں انتقال کیا۔ حضرت داغ کے شاگردوں میں تھے۔ کلام ہدیۂ احباب ہے ؎

شرارت ہے شبِ وصلت میں وہ کہتے ہیں کیوں انور
اگر ہم آج بھی فرقت میں تڑپاتے تو کیا ہوتا

نازِ ہر گام پہ شیریں سے یہی کہتا تھا
نہ بھرے پاؤں میں خونِ سرِ فرہاد کہیں

شاید اے بلبلِ شیدا یہ تری تاک میں ہے
آج گلشن سے جو ہلتا نہیں صیاد کہیں

یاس سے دیکھا جب۔ وہ کہنے لگے
دل میں کیا ہے بتائیے تو سہی

انور (انور) منشی گل محمد انور بنگلور کے رہنے والے ہیں گاہے گاہے حضرت داغ کو کلام دکھایا ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے ؎

کیا تھا ناز جس قاتل نے خنجر کی روانی پر
ہوا ہے آج وہ حیراں ہماری سخت جانی پر

کہاں سنتے ہیں اے ناصح تری عشق و محبت میں
وہی کرتے ہیں ہم آتا ہے جو اپنی طبیعت میں

یہ وہ منزل ہے اس میں فکر کی ہی عقل حیراں ہے
قدم رکھو سنبھل کر حضرتِ دل راہِ الفت میں

دورنگی کا سبق تم کو پڑھایا ہے زمانے نے
کبھی میری محبت میں کبھی میری عداوت میں

انور (انور) مولوی نور محمد مدرس مدرسہ ہاشمیہ بمبئی شاگرد مولانا نظامی اصلی وطن غازیپور ہے مگر یہ خود عرصہ سے بمبئی میں رہتے ہیں۔ ۲۵-۲۶- برس کی عمر اور یہ کلام کا خلاصہ ہے ؎

کچھ اشارہ ابرو اور چتون میں ہو کر رہ گیا
رہ گئی شمشیر اٹھ کر کھنچ کے خنجر رہ گیا

ناتوانی اور وہ بھی عشق کے بیمار کی
ہے گماں مجھ پر ابھر کے نالۂ بستر رہ گیا

دل سے تھی ساری خوشی یہ مبتلائے غم ہوا
عیش کا سب کارخانہ درہم و برہم ہوا

آشنا تیرا ہوا بیگانہ ساری خلق سے
تجھ سے جو محرم ہوا عالم سے نامحرم ہوا

یہ ہمارا ہی جگر ہے لے دیئے دیتے ہیں دل
اب تو راضی اب تو خوش لے گیسوئے برہم ہوا

حاصل اس در پہ اگر ناصح رسائی ہوتی
دور قسمت کی مرے ساری برائی ہوتی

حکمتیں ترکِ محبت کی سمجھائیں ناصح
وصل کی بھی کوئی تدبیر بتائی ہوتی

انور (انور) منشی سید نور الحسن بلگرام ضلع ہردوئی اصلی وطن ہے حضرت امیر مینائی کے شاگردوں میں ہیں۔ ۲۵-۲۶- برس کی عمر اور یہ سلسلہ روزگار دکن میں اقامت ہے۔ یہ آپکا کلام ہے ؎

پھریں آنکھیں جو وقتِ نزع میری ہنس کے وہ بولے
کہو اب بے وفا ہم ہیں کہ صاحب بے وفا تم ہو

ناصح بھی دم بخود ہیں ہر ایک ہمنشیں خموش
میں آپ میں نہیں کوئی سمجھائے کیا مجھے

ہوتا ہے جو لکھا ہے مقدر میں نیک و بد — شکوہ ہے دوست کا نہ عدو کا گلہ مجھے
یہ کیسی تہمت ہے مجھے پاک دامن پر — جناب شیخ تمھارا خیال کیسا ہے
اگر خیال ہے کچھ آ کے دیکھ جا و تو — عبث ہو پوچھتے غیروں سے حال کیسا ہے

انور (انور) مرزا علی حسین لکھنوی مقیم کلکتہ سید علیجان شفق مصاحب سلطان عالم کے شاگرد اور ریختہ میں اسطرح فکر کرتے تھے ؎

وعدہ تو کر دیا پہ خیالِ وفا بھی ہے — دینے کو کہتے ہیں کوئی بوسہ دیا بھی ہے
کیوں منت اپنی جاں تمھارے لئے کروں — نقصان کے سوا ہمیں کچھ فائدہ بھی ہے
کیا پوچھتے ہو تیمتِ دل کا معاملہ — تم سے بھلا کبھی کوئی سودا بنا بھی ہے

انیس (انیس) امیر الدولہ نواز ش خاں شاہجہاں آبادی - شاہ نواز خاں مختار کار حضرت شاہ عالم ثانی کے حقیقی بھانجے اور خود بھی سرکار شاہی میں خدمات شائستہ سے مشرف اور فن سخن میں فخر الشعرا میر نظام الدین ممنون کے شاگرد تھے - تذکرہ گلشن بیخار کی ترتیب کے وقت ان کی ضعیفی کا عالم تھا - شعر و سخن سے عشق تھا چنانچہ اپنے گھر پر مجلس مشاعرہ بھی منعقد کیا کرتے تھے - اشعار ذیل انکی طبیعت کا نتیجہ ہیں ؎

درد دل سوز جگر - کاوش تن کاوش جاں — حضرت عشق نے کیا کیا مجھے انعام کیا
پرکالہ آفت تھا وہ رخسار انیس آہ — چہرہ جو غضبناک ہوا اور بھی چمکا
کشتی سے اپنی چرخ جفا زار رکھ کہ آج — رکھتے سر شکِ دیدۂ طوفاں فشاں نہیں
جب تک نہ دم سرد بھروں دل کو نہ چیریں — کیا نیند بھلا آوے جو ٹھنڈی نہ ہوا ہو
آہ یہ کس کی یاد گاہی ہے — آج جو دل کو بے قراری ہے

انیس (انیس) سلطان الشعرا ابو علی خلف الرشید میر مستحسن خلیق خلف جناب میر حسن دہلوی صاحب مثنوی سحر البیان - اردو علم ادب کا ایسا کونسا شائق ہے جو اس نامور اور باکمال استاد فن سے واقف نہیں - اور وہ کونسا دل ہے جو اس ادیب کامل کے کلام فصاحت

الیتام سے متاثر نہیں - افسوس بلکہ ہزار افسوس کہ موجودہ زمانے کے اہل قلم نے اب تک ایسے نامور اور فخر روزگار شاعر کی سوانح عمری مرتب کرنے میں کوتہ قلمی کی اور سب سے زیادہ تعجب انگیز اور افسوسناک یہ بات ہے کہ خاص میر صاحب کے لائق اور قابل اعزا بجائے اسکے کہ خود اس کام کا بیڑا اُٹھاتے دیگر محبان فن کو اپنی معلومات سے مستفید کرنے میں بخل فرماتے ہیں - پروفیسر آزاد نے آب حیات میں انکا حال لکھتے وقت ہر طرح کوشش کی مگر افسوس کہ وہ بھی کما حقہ کامیاب نہوئے پھر بھی جو کچھ اُنھوں نے لکھ دیا آج وہی غنیمت ہے سچ ہے جب اعزا و متوسلین ہی توجہ نکریں تو مورخ کیا کر سکتا ہے - ہم بھی اسی مجبوری میں گرفتار ہیں مختصراً جو حالات معلوم ہوئے یہ ہیں کہ میر انیس نے لکھنؤ میں تعلیم و تربیت پائی اور ابتدائی کتابیں مولوی حیدر علی صاحب منتہی الکلام سے پڑھیں - شاعری تو انکی خاندانی میراث تھی جسطرح بعض مہاتما مائیں کے پیٹ ہی سے ولی کہلاتے ہیں اسیطرح پنجر نے انہیں شاعر بنایا تھا - اول اول غزل گوئی کی طرف مائل ہوئے چند ہی غزلیں کہی تھیں کہ باپ کو خبر لگی - اگرچہ دل میں انکی طباعی دیکھ کر خوش ہوئے اور شوق کو روکنا نچاہا مگر ایک مرتبہ غزل سُنکر فرمایا کہ میاں اس غزل کو سلام کرو اور اُس میدان میں توسن طبع کی جولانیاں دکھاؤ جس میں دنیا و دین دونو حاصل ہوں - چنانچہ اس فرمائش کو نازیانہ ہدایت سمجھ کر مرثیہ گوئی کے میدان میں شبدیز فکر کی باگ موڑ دی - پھر ساری عمر اسی سرمایۂ آخرت کے جمع کرنے میں صرف کردی اور اس ہی کو توشۂ آخرت سمجھ کر ساتھ لیگئے اپنے والد ماجد کی حیات تک جو کچھ کہا اُنہیں دکھا لیا - اُنکی وفات کے بعد بطوع خود کہنے لگے - انکے صفائی کلام - سلاست - حسن بیان - لطف محاورہ روز مرہ اہل زبان - سوز و گداز محتاج بیان نہیں - جس طرح یار لوگوں کا شیوہ ہے کہ باکمالوں میں خواہ مخواہ نقیض کرا دیتے ہیں اسیطرح ابنائے زمانہ نے مرزا دبیر مرحوم میں ان کا تدمقابل پیدا کر دیا یہ معرکہ آرائیاں جنکی تشریح و تفصیل باعث طوالت ہے جب تک یہ دونو بزرگوار زندہ رہے برابر ہوتی رہیں - ان کا ایک مفید اور بدیہی فریضہ ضرور ہوا کہ لکھنؤ کے عالی حوصلہ اور قدردان امیر انعام و اکرام کی امید

دلاکر دونوں کمالوں کی حوصلہ افزائی کرتے رہے جس سے ان کا کلام روز بروز منجھتا اور چلا پاتا چلا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ دونوں صاحبوں نے اپنی اپنی قادر الکلام طبیعت کے زور سے ایجادِ مضامین کے دریا بہا دیے اور ایک محدود اور مخصوص مذہبی مضمون کو سینکڑوں رنگین دلنشین رنگوں میں اس خوبصورتی سے ادا کیا کہ مرثیہ گوئی کو ایک جداگانہ علم بنا دیا - رزم - بزم - صبح شام - غرض جس چیز کو لیا اسی میں اپنے انتہا نے کمال کو دکھا دیا۔ مجتہد العصر جناب مفتی سید محمد عباس لکھنوی کا قول دربارہ موزانہ کلام میر انیس اور مرزا دبیر قابل ذکر ہے آپ فرماتے ہیں "کلام مرزا دبیر دقیق و رکین است و کلام میر انیس فصیح و شیریں و بوجہ اختلاف ہر دو ذائقہ و ہر دو مزہ محل ترجیح باقی نماندہ زیرا کہ بعض مردم شیرینی را پسند مے کنند و بعض نمکیں را" اگر شاعری کے اصل موضوع پر نظر ڈال کر غور سے دیکھا جائے تو غالباً کسی صاحب فہم کو اس امر کے مان لینے میں تامل نہ ہوگا کہ میر انیس مرحوم صرف مرثیہ گو ہی کے درجہ نہ تھے بلکہ زبان اُردو کے ایک بڑے محترم اور مستند سرپرست فن سخن کے مسلم الثبوت اور قادر الکلام اُستاد۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ میر انیس صرف مرثیہ گو تھے دیگر اصناف سخن سے انہیں تعلق نہ تھا اور کسی کا یہ عامیانہ مقولہ پیش کرتے ہیں کہ بگڑا شاعر مرثیہ گو اور بگڑا گویا مرثیہ خواں جاتا ہے ہمیں اس خیال سے مطلق اتفاق نہیں - اُنکے مرثیوں اور سلاموں کو دیکھیے - کیا چیز اُن میں نہیں ہے - رباعیوں کا تو کچھ پوچھنا ہی نہیں - اُنکی عمدگی کا اس سے بڑھکر اور کیا ثبوت ہوگا کہ صدہا ضرب المثل کی طرح زبانوں پر چڑھی ہوئی ہیں - ہمارے خیال میں تو جملہ اصنافِ سخن میں سے مرثیہ گوئی ہی ایک ایسی دقیق - جامع اور مشکل چیز ہے جس پر قدرت رکھنے والا تمام اصنافِ سخن پر قادر ہونے کا ثبوت دے سکتا ہے۔

اس مبحث میں منشی امیر احمد صاحب بی اے کا قول قابل ذکر ہے آپ فرماتے ہیں "یہ نظم اُردو کی خوش قسمتی تھی کہ جب وہ نہایت سرعت سے عروج و کمال کے مدارج طے کر رہی تھی۔ لکھنؤ میں بایں خستہ حالی حکومت قائم ہوگئی جسکے مذہبی اثر سے اظہار محبت اہلبیت کے ساتھ ساتھ

کے مصائب پر نوحہ خوانی اور مجالس ماتم میں گرمی پیدا کرنے کے لئے کاروان کربلا کے واقعات نظم کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی اور اس بحث پر جسقدر سرمایہ اُسوقت تک موجود تھا ناکافی معلوم ہوا ۔ اسطرح ہمارے شعرا کو میدان جنگ کا نقشہ کھینچنے کا موقع ملا تھوڑے ہی عرصہ میں چند ماہران فن نے اسطرح توجہ کرکے جوہر شناسوں کے لئے لعل و جوہر کے بیش بہا انبار لگا دئے اور اس صنف سخن میں وہ وہ صناعیاں اور نازک خیالیاں صرف کیں اور اپنے زور طبع سے شستگی زبان اور لطافت بیان کے ساتھ ساتھ تشبیہوں اور استعاروں کے وہ بیدا گنا دریا بہادیے کہ یورپ و ایشیا کے کل شاعروں نے زمنہ مظلمہ کے انتہائی کنارے سے اسوقت تک میدان جنگ کی پرشور و ہیبت انگیز تصویر دکھانے یا قتل و خونریزی کا قیامت خیز نمونہ پیش کرنے یا شجاعت و جوانمردی ۔ سفاکی و بیرحمی کا نقشہ اُتارنے میں برسوں خون جگر کھا کر جو کچھ رطب و یابس لکھا تھا انہوں نے چند سال میں گرد باد کرکے ایک طرف فردوسی اور نظامی کا کاروبار سرد کردیا اور دوسری جانب ہومر ملٹن کو صرف اپنے منہ میاں مٹھو بننے کے قابل رہنے دیا ۔

ہم یہ اوپر بیان کرچکے ہیں کہ مرثیہ گوئی وہ صنف شاعری ہے جسمیں تمام اصناف سخن نہایت عمدگی اور خوش اسلوبی سے بیان ہو سکتے ہیں ۔ میر انیس مرحوم نے جو اس صنف شاعری کو معراج کمال پر پہنچانے میں حصہ لیا وہ محتاج تشریح نہیں ۔ غرضکہ فصاحت ۔ بلاغت ۔ شستگی زبان ۔ خوش اسلوبی و مناسبت تشبیہات ۔ خیالات کی متانت ۔ بیان کی سنجیدگی نفیس بندشوں اور جذبات انسانی سے کامل واقفیت اور عمدہ منظروں کی دلچسپ اور پُراثر الفاظ میں تصویر کھینچنے کی وجہ سے میر صاحب کو نہ صرف ہندوستان کے بلکہ دنیا کے مشہور شعرا میں درجۂ امتیاز حاصل ہے اور کیوں نہو آخر کس سحر البیان دادا کے پوتے اور کس معجز نشان باپ کے بیٹے تھے ۔ اُردو زبان انکی خانہ زاد کنیز اور فصاحت بیان ایک ادنی پرستار بلکہ پرستار زادی تھی ۔ اللہ اللہ کیا سحر بیانی تھی کہ جسکے سامنے فصحا و بلغاء سلف کی توصیف ایک بار نہ کہانی تھی

مرثیہ گوئی کو ایسے معراج کمال پر پہنچا گئے کہ اُسے ایک جداگانہ علم بنا دیا رزم کے بیان سے رستم دلوں کو ہلا دیا بزم کے ذکر سے شاہی درباروں کو شرما دیا۔ فطرت نے وہ بلا کی ذہانت و ذکاوت عطا کی تھی کہ بات میں بات نکالتے تھے۔ جس محاورہ کو چاہا باندھ کر چار چاند لگا دیئے ایسے لوگ اب کہاں ہیں جو لطف زبان کے دلدادہ اور ظرافت ہیں وہ آج تک انیس کو روتے ہیں اور ہمیشہ روتے رہیں گے۔

ایک اور امر بھی میر صاحب مرحوم کے متعلق قابل ذکر ہے وہ یہ کہ گو میر صاحب تمام لکھنؤ میں رہے مگر اپنی خاندانی دہلوی زبان کے تحفظ کے لئے ہمیشہ غیر معمولی کاوشیں فرماتے رہے۔ چنانچہ اکثر ایسا ہوا کہ لوگوں نے میر صاحب سے خاص خاص محاورات مستعملہ میر صاحب کی نسبت استفسار کیا تو آپ نے ہمیشہ یہ جواب دیا کہ "اہل لکھنؤ کا یہ محاورہ نہیں ہے بلکہ وہ اسطرح بولتے ہیں اور فقیر کے گھرانے میں اسطرح بولا جاتا ہے" گویا بمبور لکھنؤ سے ہمیشہ اپنے آپ کو علیحدہ تصور فرمایا کرتے تھے۔

جب تک لکھنؤ آباد رہا (یعنی سلطنت قائم رہی) اسوقت تک جب کسی اور شہر میں جانے کا ذکر ہوتا تو میر صاحب یہی کہتے کہ اس کلام کو اس شہر کے لوگ سمجھ سکتے ہیں اور کوئی اسکی کیا قدر جانے گا۔ اور ہماری زبان کے لطف کو کیا سمجھے گا۔ لیکن لکھنؤ کی تباہی کے بعد ۱۸۵۹ء میں میر صاحب کے قدم لکھنؤ سے اُٹھے۔ اور اول اول نواب قاسم علیخاں کے اصرار سے عظیم آباد تشریف لے گئے اور وہاں کی محفل عزا کی رونق بڑھائی۔ پھر ایک مرتبہ ۱۸۷۱ء میں سید شریف حسین خاں صاحب کی تحریک اور نواب مہدی خنگ بہادر کے اصرار سے حیدرآباد گئے۔ ان ہر دو مقامات میں آپکا نہایت خلوص و عقیدت سے خیر مقدم کیا گیا۔ سامعینوں اور مشتاقوں کی مجلسوں میں یہ کثرت ہوتی تھی کہ صدہا مشتاق بار پاتے تھے جسطرح میر صاحب کا کلام لاجواب ہے اسیطرح ان کا پڑھنا بھی بےمثل تھا۔ انکی آواز۔ قد و قامت۔ صورت کا انداز غرض ہر شے اس کام کے لئے ٹھیک اور موزوں واقع ہوئی تھی۔ انکا اور انکے بھائیوں

میر انس و میر مونس کا قاعدہ تھا کہ ایک بڑا آئینہ سامنے رکھ کر خلوت میں بیٹھتے اور مرثیہ پڑھنے کی مشق کرتے تھے ۔ ۔ وضع حرکات سکنات اور بات بات کو دیکھتے تھے اور آپ ہی اُسکی موزونی و ناموزونی کو اصلاح دیتے تھے ۔ بقول ذوق ؎

بنا کے آئینہ دیکھے ہے پہلے آئنہ گر	ہنر ورا پنے بھی عیب ہنر کو دیکھتے ہیں

میر صاحب کی ذات تو مل ۔ استغنا ۔ خودداری اور زہد و پرہیزگاری کا ایک قابل تقلید نمونہ تھی میر صاحب اور مرزا صاحب کے تلامذہ اور معتقدین کی باہمی تکراروں اور ناقشوں کی کیفیت باعث طول کلام سمجھ کر ہم نظر انداز کرتے ہیں ۔ ان میں سے بعض اصحاب تعصب و سخن پروری کے جوش میں حد اعتدال سے متجاوز ہو کر قابل شرم و افسوس حرکات کیا کرتے تھے اور طرفہ تر مزا یہ ہے کہ ثقات اسطرح بھی بیان کرتے ہیں ۔ کہ میرزا دبیر مرحوم کو میر صاحب مغفور کی ذات سے ایک خاص عقیدت و الفت تھی ۔ اور ہمیشہ اُن کا حد درجہ ادب و احترام فرمایا کرتے تھے ۔ اور اپنے شاگردوں کو ان ناگوار مباحثوں سے محترز رہنے کی فہمایش کیا کرتے تھے ۔ ایک اور امر خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ باوجود حیرت انگیز قادر الکلامی و خوش گوئی کے بیحد پُرگو تھے بے تعداد مرثیہ و سلام و رباعیات عجیب و غریب صنعتوں اور باریکیوں سے مملو در صنع آپ سے یادگار ہیں ۔ عاشقانہ دیوان کے علاوہ سنا گیا ہے کہ چھ ضخیم جلدیں مراثی کی جو شائع ہوئی ہیں فی الحقیقت آپکی تصانیف کا عشر عشیر ہیں ۔ اور بیشتر حصۂ کلام ہنوز قلمی مسودوں کی صورت میں اُنکی اولاد کے پاس محفوظ ہے ۔ میر صاحب کی سال ولادت کا پتہ نہ چلا البتہ یہ معلوم ہے کہ تقریباً ۷۴ برس کی عمر پاکر آپ نے ۲۹ شوال ۱۲۹۱ھ بروز جمعہ اس جہان فانی سے کوچ فرمایا ۔ اور عجب اتفاق ہے کہ جسطرح زندگی میں ساتھ رہے اُسیطرح موت میں بھی مرزا دبیر نے ان کا ساتھ دیا چنانچہ چند ہی ماہ بعد ۲۹ محرم ۱۲۹۲ھ کو اُنہوں نے بھی عالم قدس کی راہ لی ۔ منشی محمد میرزا جان محمود نے تاریخ کہی ؎

غم انیس میں سہتے ہے ۔ دیا دبیر کا غم ۱۲۹۱ھ	میر صاحب نے تین صاحبزادے اپنی یادگار چھوڑے

(۱) میر خورشید علی صاحب تنفیس - (۲) میر سلیس - (۳) میر انیس - جنمیں سے اول الذکر بحیثیت کمالِ آبائی فی الحقیقت خلفِ ارشد کہلانے کے مستحق اور باعثِ فخر و نازش خاندان تھے - ہنگام قیام لکھنؤ میں مکرمی مسٹر حامد علیخاں صاحب بیرسٹر کی معیت میں میر انیس و میر تنفیس کے مسکن قدیم اور خاندانی قبرستان دیکھنے کا بھی اتفاق ہوا تھا -

اب ہم اُنکے ذکرِ خیر کو ختم کرتے اور اُنکے جواہر منظوم کے بحر ناپیدا کنار سے تھوڑے سے موتی اس کاغذی کشتی میں رکھکر ناظرین کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کرتے ہیں ؎

راحت کا مزا عدوئے جانی نکلا	رباعی	دل سے نہ کبھی غمِ نہانی نکلا	
پیاسے رہے آبِ چاہِ دنیا پہ انیس		نکلا بھی کبھی تو شوربانی نکلا	
بالیدہ ہوں وہ اوج مجھے آج ملا	رباعی	ظلِ علم صاحبِ معراج ملا	
ممبر پہ نشست سرِ چھت کا علم		اب چاہیئے کیا تخت ملا تاج ملا	
قریب فجر ہم آئے کہاں کہاں پھر کر		تمام عمر ہوئی جب تو اپنا گھر دیکھا	
کچھ عقل کی میزان میں تولا نہ گیا	رباعی	چُپ ہو گئے اسطرح کہ بولا نہ گیا	
عقدے سب حل ہوئے مگر آہ انیس		یہ بندِ اجل کسی سے کھولا نہ گیا	
سمجھتا ہوں سبب کافر ترے آنسو نکلنے کا	قطعہ	دھنواں آنکھوں میں لگتا ہے کسیکے گھر کے جلنے کا	
مکیں رہے نہ مکاں طرفہ کارخانہ ہوا		زمیں اُلٹ گئی کیا منقلب زمانہ ہوا	
کشاں کشاں مجھے جانا پڑا وہاں آخر		جہاں جہاں مری قسمت کا آب و دانہ ہوا	
مضمونِ انیس کا نہ جربا اُترا	رباعی	اُترا بھی تو کچھ بگڑ کے نقشا اُترا	
نقاش نے سطح کی خفت کھینچی		تصویر نہ کھچ سکی تو چہرا اُترا	
یارب چمنِ نظم کو گلزار ارم کر		اے ابرِ کرم خشک زراعت پہ کرم کر	
تو فیض کا مبداء ہے توجہ کوئی دم کر		گمنام کو اعجاز بیانوں میں رقم کر	
جب تک یہ چمک مہر کے پرتو سے بجا ہے		اقلیمِ سخن میرے قلمرو سے بجائے	

صبح

پھاڑا جو گریبان شب آفت کی سحر نے
پردے میں چھپایا رخ روشن کو قمر نے

پیمانۂ خورشید لگا نور سے بھرنے
گردوں سے سفر فوج کواکب لگی کرنے

تابان جو رخ نیّرِ افلاک ہوا تھا
ذرّوں سے زر افشاں ورق خاک ہوا تھا

پھیلا ہوا تھا نور سحر ارض و سما میں
مصروف تھی سب خلق خدا یادِ خدا میں

چمکا صفت شعلۂ جوّالہ مہ جبیں تاب
شبنم کی طرح سیم کواکب ہوئے بے آب

مائل بہ سپیدی ہوا رنگِ رخِ مہتاب
اور دیدۂ مردم سے سفر کرنے لگا خواب

طاقت نہ رہی شمع میں سوزِ جگری کی
پروانوں سے رخصت تھی چراغِ سحری کی

وہ سرد ہوا صبح کی اور نور کا عالم +
اور زمزمے مرغانِ خوش الحاں کی وہ باہم

وہ سبزۂ صحرا پہ پڑے گوہرِ شبنم
اور صبح کی نوبت کی صدا آئی وہ ہر دم

چلنا وہ بادِ صبح کے جھونکا دمبدم
مرغانِ باغ کی وہ خوش الحانیاں بہم +

وہ آب و تابِ نہر وہ موجوں کا پیچ و خم
سردی ہوا میں پر نہ زیادہ بہت نہ کم

کھا کھا کے اوس کی اور بھی سبزہ ہرا ہوا
تھا موتیوں سے دامنِ صحرا بھرا ہوا

وہ صبح نور اور وہ صحرا وہ سبزہ زار
تھے طائروں کے غول درختوں پہ بیشمار

چلنا نسیم بادِ سحر کا وہ بار بار +
کوکو وہ قمریوں کی وہ طاؤس کی پکار

واں تھے جو پیچ باغِ بہشتِ نعیم کے
ہر سو رواں تھے دشت میں جھونکے نسیم کے

وہ دشت وہ نسیم کے جھونکے وہ سبزہ زار
پھولوں پہ جا بجا وہ گہرہائے آبدار

اٹھنا وہ جھوم جھوم کے شاخوں کا بار بار
بالائے نخل ایک جو بلبل تو گل ہزار

اس باغ میں چشمے ہیں ترے فیض کے جاری
بلبل کی زباں پر ہے تری شکر گزاری

ہر نخل برومند ہے یا حضرتِ باری
پھل ہم کو بھی مل جائے ریاضت کا ہماری

وہ گل ہوں عنایت چمنِ طبع نکو کو
بلبل نے بھی سونگھا نہ جن پھولوں کی بو کو

تعریف میں چشمے کو سمندر سے ملا دوں
قطرہ کو جو دوں آب تو گوہر سے ملا دوں

گلدستۂ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھوں — ایک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں
مصرع ہوں صف آرا صفتِ لشکرِ جرار — الفاظ کی تیزی کو نہ پہونچے کوئی تلوار
نقطے ہوں جو ڈھالیں تو الف خنجرِ خونخوار — مدآ کے بڑھیں برچھیوں کو تول کے اک بار
غل ہو کبھی یوں فوج کو لڑتے نہیں دیکھا — مقتل میں رن ایسا کبھی بڑھتے نہیں دیکھا

تصویر لکھی اُس کی مصور تو پڑے جھوم — سرعت — سرعت قدمِ تو سمنِ تصویر کو لے چوم
کوڑا پئے تعزیر جو چاہے کرے مرقوم — اسپ — اک آن میں تصویر کا سب رنگ ہو معدوم
نقاش کا دل نقش پہ آمادہ ہی رہجائے — اور ہاتھ میں اُسکے ورق سادہ ہی رہجائے

نمود و بود کو عاقل حباب سمجھے ہیں — رباعی — وہ جاگتے ہیں جو دنیا کو خواب سمجھے ہیں
ارے نہ آبِ بود بنائے دوں کے دھوکے میں — سراب ہے یہ جسے موجِ آب سمجھے ہیں
دولت کا کبھی خیال آتا ہی نہیں — رباعی — یہ نشۂ فقر ہے کہ جاتا ہی نہیں
تسبیر نہیں یہ ساغرِ استغنا سے — آنکھوں میں کوئی غنی سماتا ہی نہیں
دل اپنا ہے بند قفلِ ابجد کی طرح — جب حرف فنا سا ہو تو کھلتا ہو نہیں

گلشن میں پھروں کہ سبز صحرا دیکھوں — رباعی — یا معدنِ کوہ و دشت و صحرا دیکھوں
ہر جا تری قدرت کے ہیں لاکھوں جلوے — حیران ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں
یہ اشکِ تاک ہی کہتے ہیں جسکو آبِ طرب — یہ خونِ گل ہے جسے سب گلاب کہتے ہیں
شباب کھو کے بھی غفلت وہی ہے پیروں کو — سحر کی نیند کو بھی شب کا خواب کہتے ہیں
رنجِ دنیا سے کبھی چشم اپنی نم رکھتے نہیں — سلام — جز غمِ آلِ عبا ہم اور غم رکھتے نہیں
در پہ شاہوں کے نہیں جاتے فقیر اللہ کے — سر جہاں رکھتے ہیں سب ہم وہاں قدم رکھتے نہیں
دیکھنا کل ٹھوکریں کھاتے پھرینگے انکے سر — آج نخوت سے زمیں پر جو قدم رکھتے نہیں
یہ دوات خامہ ہے ملکِ فصاحت کا نشاں — کوں کہتا ہے کہ ہم طبل و علم رکھتے نہیں
زور سے اسکے لیا ہے ہمنے میدانِ سخن — اور نیزہ ہاتھ میں غیر از قلم رکھتے نہیں

نقطے کی جگہ ہو منظور سے ہلاکوں پہ مخالف کی نزاکت میں گرے ہے ہلاکوں

ایک کشکولِ توکّل ایک نقدِ جاں ہے پاس — ہیں غنی دل کے کوئی دام و درم رکھتے نہیں
جو سخی ہیں مالِ دنیا سے ہیں خالی اُنکے ہاتھ — اہلِ دولت جو ہیں وہ دستِ کرم رکھتے نہیں
یہ مکاں محبوبِ حق کا ہے نہ آتا اس طرف — بے اجازت یاں ملائک بھی قدم رکھتے نہیں
گردنیں بارہ اسیروں کی ہیں اور ایک سن — جسطرح رشتہ گلدستہ میں گلہائے چمن

کس جسم پہ بل کروں کہ شہ زور ہوں میں — رباعی — دیکھو کہ ضعیف صورتِ مور ہوں میں
تن پر یہ پڑی ہے گرد بازار کساد — ہوتا ہے یقیں کہ زندہ در گور ہوں میں
رونے سے جو بہرہ مند ہوں گی آنکھیں — رباعی — خالق کو وہی پسند ہوں گی آنکھیں
ہے عینِ یقیں کہ آنسوؤں کا عقدہ — کھُل جائے گا سب جو بند ہونگی آنکھیں
ہر وقت زمانے کا ستم سہتے ہیں — رباعی — حاسد جو بُرا کہتے ہیں چپ رہتے ہیں
جو نیک ہیں وہ بدوں کو بھی کہتے ہیں نیک — جو بد ہیں وہ نیکوں کو بُرا کہتے ہیں
مثلِ بوئے گل سفر ہوگا مرا — وہ نہیں میں جو کسی پر بار ہوں
نافہم سے کب دادِ سخن لیتا ہوں — رباعی — دشمن ہو کہ دوست سب کی سن لیتا ہوں
چبھتی نہیں بوئے دوستاں بگرنگ — کانٹوں کو ہٹا کے پھول چن لیتا ہوں
کس مُنہ سے کہوں لائقِ تحسیں میں ہوں — رباعی — کیا لطف جو گل کہے نگیں میں ہوں
ہوتی ہے حلاوتِ سخن خود ظاہر — کہتی ہے کہیں شکر کہ شیریں میں ہوں

گرداب پر تھا شعلۂ جوالہ کا گماں — شدت گرما — انگارے تھے حباب تو پانی شرر فشاں
مُنہ سے نکل پڑی تھی ہر اک موج کے زباں — تہ میں تھے سب نہنگ مگر تھی لبوں پہ جاں
پانی تھا آگ گرمیٔ روزِ حساب تھی — ماہی جو سیخِ موج تک آئی کباب تھی

قبضہ ہر ایک تیغ سے ہر تن سے سر لیا — توصیف تیغ — برچھی سے پھل تو زینِ فرس سے تبر لیا
ڈھالوں سے پھول لیگئی پھولوں سے زر لیا — اپنا خراج تیغ نے ہر طرح بھر لیا
بہرِ حصولِ جزیہ جو وہ تیغ تُل گئی — ایک اک گرہ بندھی ہوئی نیزے کی کھلگئی

سر سے عدو کے خود جدا تن سے سر جدا
شانوں سے ہاتھ۔ ہاتھ سے تیغ و سپر جدا
سینے سے پسلیاں تو شکم سے کمر جدا
گھٹنوں سے دونوں پائے ضلالت اثر جدا
ٹکڑے تھے عضو قطع تھا جامہ حیات کا
عالم مرکبات میں تھا مفردات کا

کل چل رہی تھی کہ تلوار چلی فوج پہ سن سے
ڈھالیں لو تو رہیں ہاتھوں میں سر اڑ گئے تن سے
طائر بھی ہوا ہو گئے سب ظلم کے بن سے
آگے تھا ہرن شیر سے اور شیر ہرن سے
غل تھا یہ جری شنل یداللہ لڑے گا
تر ہوگی زمیں خون سے وہ رن آج پڑیگا

کیا ہاتھ تھا کیا تیغ تھی کیا ہمت عالی
دم بھر میں نمودار صفیں ہوتی تھیں خالی
جب جھوم کے ڈھالوں کی گھٹا آتی تھی کالی
بجلی سی چمک جاتی تھی شمشیر ہلالی
ملتا تھا نشاں رن میں صفوں کا نہ پروں کا
تھا شور کہ منہ آج برستا ہے سروں کا

کٹ کٹ کے ہر اک ضرب میں مرکب تھے پر پر
برچھی پہ نہ پھل تھا نہ کوئی پھول سپر پر
پھر جاتی تھی گردن کبھی گاہ جگر پر
مرکز کی طرح تھی کبھی دشمن کی کمر پر
نکلی جو کمر سے تو چلی خانۂ زیں پر
زیں سے گئی مرکب ہی تو مرکب سے زمیں پر

نے خود نہ چہرہ نہ جھلم چھوڑتی تھی وہ
نے حلق نہ سینہ نہ شکم چھوڑتی تھی وہ
نے خوں نہ رگیں تن میں نہ دم چھوڑتی تھی وہ
آجاتی تھی آواز زرہ ضرب کی زد سے
غل تھا کہ یہ کڑیاں نہیں اٹھنے کی رزہ سے

واں شامیوں میں شب تھی ادھر نور کا تڑکا
قرنا کی وہ آواز کڑکنیوں کا کڑکا
تڑپا تا تھا ہر قلب کو سر کٹنے کا دھڑکا
اک غل تھا کہ دو لاکھ پہ بھاری ہے یہ لڑکا
تن جلتے ہیں بھڑکے ہیں جگر سینے میں سب کے
سر جسم سے اڑ جانے کی فرق ہمیں نہیں ہے

اللہ رے زباں آوری تیغ بلا نوش
زد میں ہمہ تن چشم تھیں ڈھالیں ہمہ تن گوش
گھاٹ ایسا کہ ڈر سے لب دریا بھی ہیں خاموش
باڑھ ایسی کہ ہیں مچھلیاں پانی میں زرہ پوش
کٹتے ہیں گلے تیز زبانی سے اسی کی
دریا بھی ہے چکر میں روانی سے اسی کی

اڑنے جو پڑا بول کوئی بول کے آیا ✣
شہباز اجل صید پہ پر کھول کے آیا

یہ شیر بھی شمشیر دو دم تول کے آیا
اُڑتا ہوا اس بیچ میں اُس غول کے آیا

حق جس کی طرف ہے وہ زبردست رہا ہے

سچ ہے کہ بڑے بول کا سر پست رہا ہے

سو سو کا سراک ضرب میں کٹتے نہیں دیکھا
بڑھ کر کبھی جرار کو ہٹتے نہیں دیکھا

یوں غیظ میں شیروں کو جھپٹتے نہیں دیکھا
گھوڑے کو کسی باک پہ ہٹتے نہیں دیکھا

جب ہاتھ اُٹھا جھپوں تھرّاتا ہے گھوڑا

پتلی کے اشارے کو سمجھ جاتا ہے گھوڑا

خیال خاطرِ احباب چاہیئے ہر دم — قطعہ
انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو
لگا رہا ہوں مضامینِ نو کے پھر انبار
خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینوں کو

افسوس جہاں سے دوست کیا کیا نہ گئے — رباعی
اس باغ سے کیا کیا گلِ رعنا نہ گئے
تھا کونسا نخل جس نے دیکھی نہ خزاں
وہ کون سے گل کھلے جو مرجھا نہ گئے

اب گرمِ خبر موت کے آپکی ہے — رباعی
ناداں تجھے فکرِ آب و دانہ کی ہے
ہستی کے لئے ضرور اک دن ہے فنا
آنا ترا دلیل جانے کی ہے

رتبہ جسے دیتا ہے خدا دیتا ہے — رباعی
وہ دل میں فروتنی کو جا دیتا ہے
کرتے ہیں تہی مغز ثنا اپنی آپ
جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے

خود نویدِ زندگی لائی قضا میرے لئے — رباعی
شمع کشتہ ہوں فنا میرے بقا میرے لئے
ہر نفس آئینۂ دل سے یہ آتی ہے صدا
خاک ہو جا تُو تو حاصل ہو جلا میرے لئے

وجد ہو بلبلِ تصویر کو جس کی بُو سے
اس سے گل رنگ کا دعویٰ کرے پھر کس رو سے
شمع کے رونے پہ بس صاف ہنسی آتی ہے
آتشِ دل کہیں کم ہوتی ہے چار آنسو سے

وہ شاہ کہ شاہوں سے لیا باجِ نبی — رباعی
اور عرش پہ تھا شریکِ معراجِ نبی
فرماتے ہیں میں تن ہوں علی سر میرا
اب کہیے کہ زیبا ہے کسے تاجِ نبی

مال و زر و اسپ و چشم و خدم ملتا ہے ✣ — رباعی
ممکن ہے نگیں طبل و علم ملتا ہے

عنقا کو گردِ رخ۔ پارس۔ اکسیر
یہ سب ملتے ہیں دوست کم ملتا ہے

زباں پر مدح ہے شاہِ ولی کے نوتماشوں کی
سلام
گلستاں سے ہیں رنگیں مجلسیں نازکخیالوں کی

کمر کس کر علی اکبر نے جب سر پر رکھا سہرا
بلائیں لے لیں اُٹھکر ماں نے گھونگرو والی بانو کی

جوانانِ حسینی نے صفیں توڑیں پرے اُلٹے
نہ بھولے گی لڑائی تا قیامت مرنے والوں کی

قلم بھی رہ گیا ہر بار نقطے دے کے ناخن پر
نہ سوجھی جب کوئی تشبیہ روئے نہ کے خالوں کی

جوانانِ علی کو دیں تو پھر تشبیہ کس سے دیں
کہاں سے ڈھونڈ کر لائیں مثالیں ہمتالوں کی

معاذ اللہ رعبِ دلبرانِ حضرتِ زینبؑ
علی کا رعب چھٹوں شیر کی آنکھیں غزالوں کی

جُھکا تھا پشت پر ہر اک کے سر ہر ایک بی بی کا
یہ نقشہ قیدیوں کا تھا یہ صورت پردہ والوں کی

عزادار اسطرف سب تعزیہ نہ کا اُٹھاتے ہیں
وہاں نقلیں لکھی جاتی جنت کے قبالوں کی

غمِ اصغر میں بانو کہتی تھیں مرتی ہوں اے بیٹا
سنگھاؤں اُٹھ کے خوشبو اپنے گھونگرو والے بالوں کی

یوں برچھیاں تھیں چار طرف اُس جناب کے
متفرق
جیسے کرن نکلتی ہے گرد آفتاب کے

یوں روح کے طائر تن و سر چھوڑ کے بھاگے
جیسے کوئی بھونچال میں گھر چھوڑ کے بھاگے

آئی جس غول پہ لاشوں سے زمیں پاٹ گئی
در وصیفِ تیغ
ہاتھ منہ صدر و کمر سینہ و سر کاٹ گئی

جس پہ جاتی تھی نہ بیجان لئے پھرتی تھی
ایک بجلی تھی مگر لاکھ جگہ گرتی تھی

کیں صفیں صاف مگر تہ کی صفائی نہ گئی
کج ادائی کو نہ چھوڑا وہ لڑائی نہ گئی

کاٹ چھانٹ اور وہ لگاوٹ وہ رکھائی نہ گئی
سینکڑوں خوں کئے اور کہیں آئی نہ گئی

شورِ غبارِ برق پئے جلوہ گری نکلی ہے
جان لینے کو اجل بنکے پری نکلی ہے

دنیا جسے کہتے ہیں بلا خانہ ہے
رباعی
پامال ہے جو عاقل و فرزانہ ہے

ما بین زمیں و آسماں یوں ہم ہیں
جیسے دو آسیا میں اک دانہ ہے

جینے رستے میں نہ ملتا تو یہ فرماتے تھے شاہ
سلام
ہم سا غربت زدہ آرام و وطن کیا جانے

قیدِ زنداں کی سکینہ متحمل نہ ہوئی
ناز پروردہ غم و رنج و محن کیا جانے

یہ شعر اس وقت کہا جاتا ہے جب کسی چیز کی بہت بڑی مقدار ضائع ہو جائے

کس طرح قدر تجھے اپنے سخن کی ہو نہ انیس
مرتبہ مشک کا آہو سے ختن کیا جانے

دل دیدیا ہے یار کو تسلی میں بند ہے
کھلتا نہیں پسند ہے یا ناپسند ہے

ہمیں تو دیتا ہے رازق بغیر منت خلق
وہی سوال کریں جو خدا نہیں رکھتے

فقیر دوست جو ہو ہم کو سرفراز کرے
کچھ اور فرش بجز بوریا نہیں رکھتے

خاکساری نے دکھائیں رفعتوں پر رفعتیں
اس زمیں سے واہ کیا آسماں پیدا ہوئے

نوبت جمشید و دارا و سکندر اب کہاں
خاک تک چھانی نہ قبروں کے نشاں پیدا ہوئے

یک بیک ایسا زمانے میں ہوا ہے انقلاب
قدرداں سب اٹھ گئے ناقدرداں پیدا ہوئے

پھڑک پھڑک کے مروں گا وہ نیم بسمل ہوں
فلک نے کند چھری سے کیا حلال مجھے

گناہ کا بوجھ جو گردن پہ ہم اٹھا کے چلے (شرم گناہ)
خدا کے آگے خجالت سے سر جھکا کے چلے

طلب سے عار ہے اللہ کے فقیروں کو
کہیں جو ہو گیا پھیرا صدا سنا کے چلے

کسی کا دل نہ کیا ہم نے پائمال کبھی
چلے جو راہ تو چیونٹی کو بھی بچا کے چلے

بلا جنہیں انہیں افتادگی سے اوج ملا
انہیں نے کھائی ہے ٹھوکر جو سر اٹھا کے چلے

مقام یوں ہوا اس کارگاہ دنیا میں
کہ جیسے دن کو مسافر سرا میں آ کے چلے

انیس دم کا بھروسہ نہیں ٹھہر جاؤ
چراغ لے کے کہاں سامنے ہوا کے چلے

دل سے طاقت بدن سے کس جاتا ہے (رباعی)
آتا نہیں پھر کر جو نفس جاتا ہے
جب سالگرہ ہوئی تو عقدہ یہ کھلا
یاں اور گرہ سے اک برس جاتا ہے

یہ اوج یہ مرتبے ہما کو نہ ملے (رباعی)
یہ دلق مرقع امرا کو نہ ملے +
بخشی ہے خدا نے ہمکو یہ دولت فقر
برسوں ڈھونڈے تو بادشاہ کو نہ ملے

عزت رہے یار آشنا کے آگے (رباعی)
محجوب نہوں شاہ و گدا کے آگے
یہ پاؤں چلیں تو راہ مولا میں چلیں
یہ ہاتھ اٹھیں جب تو خدا کے آگے

مرکے مسافر نے بسایا ہے تجھے (رباعی)
رخ سب سے پھرا کے منہ دکھایا ہے تجھے

کیونکر نہ لپٹ کے تجھ سے سوؤں اے قبر		مینے بھی تو جان دے کے پایا ہو تجھے
جو تجھ سے ہے فنا اُسے بقا سمجھا ہے	رباعی	جو چیز ہے کم اُسے سوا سمجھا ہے
ہے بحرِ جہاں میں عمر مانندِ حباب		غافل اس زندگی کو کیا سمجھا ہے
کیونکر دلِ غمزدہ نہ فریاد کرے	رباعی	جب ملک کو چرخ پیر برباد کرے
مانگو یہ دعا کہ پھر خداوند کریم ✣		اُجڑی ہوئی مملکت کو آباد کرے
کیا قدر زمیں کی آسماں کے آگے	رباعی	جھکتے ہیں قوی بھی ناتواں کے آگے
نرمی سے مطیع سنگدل ہوتے ہیں		دندان صف بستہ ہیں زباں کے آگے
راحت کیا حاسدوں سے حاصل ہوتی	رباعی	لذت دنیا کی زہر قاتل ہوتی
اسوقت ہیں گر خضر و مسیحا ہوتے		دو چار گھڑی زیست بھی مشکل ہوتی
گر لاکھ برس جیئے تو پھر مرنا ہے	رباعی	پیمانۂ عمر ایک دن بھرنا ہے
ہاں توشۂ آخرت مہیا کر لے		غافل تجھے دنیا سے سفر کرنا ہے
کیا کیا دنیا سے صاحب مال گئے	رباعی	دولت نہ گئی ساتھ نہ اطفال گئے
پہونچا کے لحد تک پھر آئے سب لوگ		ہمراہ اگر گئے تو اعمال گئے

انیس (انیس) منشی انیس الدین احمد باشندہ بانده حضرت نامی کے شاگرد اور موزوں طبع شاعر ہیں یہ چار شعر اُنکے ہیں ۵

غم و اندوہ جدائی کا ہے نزغہ مجھپر		اے اجل کر تو ہی کچھ آکے حمایت میری
آپ دیکھا کئے اور مجھکو قضا نے مارا		حشر تک تم سے رہے گی یہ شکایت میری
چاند سورج سے ترے جلوہ کو دُونا سمجھے		مثلِ خالق تجھے ہم حسن میں یکتا سمجھے
رات دن دیکھتی رہتی ہے قضا آنکھوں کو		وہ بھلا آپ کا کیونکر نہ اشارہ سمجھے

انیق (انیق) منشی حافظ محمد یعقوب - اِن کا اصل وطن جون پور ہے - حیدرآباد دکن میں رہتے ہیں - موجودہ زمانہ کے موزوں طبع شاعر ہیں اشعار حاضر ہیں ۵

۵ رباعی اختراع سلطنت اودھ کے وقت کہی گئی تھی ۱۲

بعد مرنے کے مجھے مل گئی راحت کیسی
رنج سے فکر سے غم سے ہوئی فرصت کیسی

جو تیری یاد میں ہستی سے گزر جاتے ہیں
غم کونین سے پا جاتے ہیں راحت کیسی

یوں تو ظاہر میں حسینانِ جہاں بھولے ہیں
دل کے لینے کی نہیں یاد ہے حکمت کیسی

آ کے آغوش میں بوسہ کا نہ دینا کیسا
آپ یہ تو فرمائیے حاضر میں یہ حجت کیسی

(اوباش) شیخ امیر الزماں نام ہے - ان کے وطن میں اختلاف ہے کوئی انکو بجنور کا رہنے والا بتاتا ہے کوئی لکھنؤ کا - اسیطرح فضلین صاحب نے ان کو شیخ زادہ لکھا ہے اور دیگر تذکرہ نگاروں نے پیرزادہ - بہرحال فن سخن میں مصحفی کے شاگرد اور اپنے زمانے کے خوش گو شاعروں میں امتیازی درجہ رکھتے تھے ۱۷۹۳ء میں جوان تھے یہ اُنکا کلام ہے ؎ اوباش

دین و دنیا سے ہم پھرے پر آہ
اپنی خو سے وہ بدگمان نہ پھرا

یار مجھسے وہ مہ جبیں نہ ہوا
میری خواہش پہ آسماں نہ پھرا

ہو گئے پیر انتظار میں ہم
تو بھی اوباش وہ جوان نہ پھرا

خون ہو دل کاوش سے اُسکی یہ گیا
ٹوٹ کر سینہ میں پیکاں رہ گیا

مجھ سے مت منزل کی پوچھو سرگزشت
ہمرہاں آگے گئے میں رہ گیا

فقیرانہ جو کل جا نکلے ہم اُس بت کے کوچہ میں
لگایا ہمنے تھا واں اور ہی اک تاک پر بستر

وہ شاہِ گلرخاں آ ہمسے حسن خلق سے بولا
ہمارے گھر میں چل کر کیجئے جائے پاک پر بستر

کہا ہمنے میاں صاحب فقیروں کو برا ہے
سریر عرش پر بسرام ہو یا خاک پر بستر

دل و دیدہ جو اپنے یار تھے سو وہ دو غم میں پھنسا گئے
ہمیں جن سے چشم امید تھی وہی آنکھ ہمسے چرا گئے

(اوج) منشی عبداللہ خاں نام - ساکن سرمنہ - مقیم شاہجہاں آباد - اگرچہ انکی استعداد علمی معقول نہ تھی مگر طبیعت میں رسائی اور فکر میں خداداد تیزی تھی سنگلاخ زمینوں میں زور طبع دکھاتے - عارضۂ خلل دماغ میں مبتلا تھے - اکثر شعرائے مشاہیر مثل ذوق - مومن - غالب آزردہ - وغیرہ جوان کے ہم عصر تھے - مزاحۃً اُنکو اُستاد کہا کرتے تھے - اور یہ بھی اپنے آپ کو ایسا ہی اوج

سمجھتے تھے۔ سچ ہے۔ دیوانہ رہوے بس است۔ مرزا منگو محزوں کی سرکار میں ملازم تھے سنہ ۱۲۷۰ ہجری میں انتقال کیا۔ فکرِ رسا میں اور تلاش الفاظ میں تن بدن کا ہوش نہ رہتا تھا مشاعروں میں غزل سناتے تھے تو صفِ مجلس سے گوگڑ بھرا گے نکل جاتے تھے۔ پروفیسر مولوی محمد حسین صاحب آزاد لکھتے ہیں کہ میں اُن دنوں میں مبتدی شوقین تھا اپنا مشتاق سمجھ کر مجھ سے بہت خوش ہوتے اور کہتے تھے کہ بس تم ہمارے کلام کو سمجھتے ہو۔ رستے میں ملجاتے تو دس قدم دور سے دیکھکر کھڑے ہوجاتے اور جو نیا شعر کہا ہوتا اُسے وہیں سے اکڑا کر پڑھتے ایک دن رستے میں ملے دیکھتے ہی کہنے لگے۔ آج کیا تھا اُنہیں بھی سُنا آیا مینے کیا کیا؟ کڑک کر کہا ؎

ڈیڑھ جز پر بھی تو ہے مطلع و مقطع غائب	غالب آسان نہیں صاحبِ دیواں ہونا

پھر بیاں کیا کہ ایک جلسے میں مومن خاں بھی موجود تھے۔ مجھ سے سب نے شعر کی فرمائش کی میں نے تاسخ کی غزل پر غزل کہی تھی وہ سنائی۔ مقطع پر بہت حیران ہوئے ع

کہ جس کو کہتے ہیں چرخِ ہفتم ورق ہے دیوانِ ہفتمیں کا

پوچھنے لگے کہ کیا آپ ساتوں دیواں لکھتے ہیں۔ میں نے کہا کہ ہاں اب تو آٹھواں ہے"۔ عام واقعات پر اکثر شعر کہا کرتے تھے۔ مومن خاں کو کنور اجیت سنگھ نے منتنی دی آپ نے کہا ؎

جہنموں میں وہ مومن سکان لیتا ہے	نجومی بن کے جو منتنی کا دان لیتا ہے

دلی میں شیریں جاں ایک بڑی نامی رنڈی تھی وہ حج کو چلی انہوں نے کہا ؎

بجا ہے شیریں اگر چھوڑ دلی حج کو چلی	مثل ہے نو سو چوہے کھا کے بلی حج کو چلی

اگر اوج کا یہ بیان صحیح مان لیا جاوے کہ انہوں نے ریختے میں آٹھ دیوان کہہ لئے تھے تو اُنکی قادرالکلامی اور پُرگوئی میں کیا کلام ہے افسوس اب اُنکا کوئی دیوان نہیں ملتا۔ کچھ اشعار پروفیسر آزاد وغیرہ کے لکھے ہوئے درج کئے جاتے ہیں ؎

بھاتا ہے جوشِ عشق شیریں دشوں میں رونا	ہے آبِ شورِ گریہ آبِ زلال اپنا

غیر جنس ایک جگہ رہ کے جو ہوتا ہم جنس
شعلۂ آتش کا بر و بالِ سمندر ہوتا

ہیں مچھلیاں بھوؤں کی جبیں پر شکن کے اندر
الٰہی ہے بتی گنگا - مچھی بھون کے اندر

دنیائے منقلب کا اُلٹا ہے کارخانہ
ہے مہر شمع واٹوں - اس انجمن کے اندر

وحشت مجھے زنجیر بناتی ہی تھی اکثر
طفلی میں بھی ہنسلی مری جاتی ہی تھی اکثر

جب تھا زرِ گل کیسۂ غنچہ کی گرہ میں
بلبل پڑی گلچھرے اُڑاتی ہی تھی اکثر

سخن اپنا نہیں یہ اوج کچھ الہام غیبی ہے
لکھی ہے کاتبِ قدرت نے موروثی مقدر میں

ہے آوج مردمکِ دیدۂ مردم آبی
نکال دیدۂ تر سے سبیلِ دریائی

(اوج) آغا نواب اشرف علی خان لکھنوی - شاگرد آغا جوشرف لکھنوی سنہ ۱۲۷۶ ہجری میں زندہ تھے - گلدستہ شعرا لکھنؤ میں انکا کلام اکثر چھپا کرتا تھا - اُنکے اشعار کا انتخاب یہ ہے ۵ اوج

بے بہا حسن ہے وہ یوسفِ ثانی ابدل
فقدِ جاں تک بھی ٹھہر جائے تو سستا ٹھہرا

خدا ہی جانے کہ کل کیا ہو تو بہ کر لیویں
زبان کہنے میں ہے ہمکو اختیار ہے آج

تمہارے گھر میں یہ کس مہ لقا کی آمد ہے
کہو تو اوج تمہیں کس کا انتظار ہے آج

جاں بلب ہوں دیر سے دم توڑنا ممکن نہیں
کس قدر غالب ہے مجھ پر ناتوانی وقتِ نزع

(اوج) میرزا جعفر بیگ آوج - بلاد شرقی کے رہنے والے تھے - یہ آپکا کلام ہے ۵ اوج

راہِ مقامِ یار تصور سے ہے قریب
جب آنکھ بند کی وہیں طے راستہ ہوا

چمن میں جا کے جو میکش وہ آفتاب ہوا
پیالہ گل ہوا غنچہ خمِ شراب ہوا

نہ پایا داغِ حسرت کے سوا کچھ عہنے قسمت میں
دل اپنا بیچ دیکھا بارہا بازارِ الفت میں

نہ دیکھا قتل گہ میں دیر تک جب ہمکو قاتل نے
گلا خود رکھدیا خنجر پہ ارمانِ شہادت میں

تر ابرو نہیں چشمِ صنم میں پُتلیاں زاہد
مسیح و خضر استادہ ہیں محرابِ عبادت میں

(اوج) مرزا محمد حسین نام - آپ کو حضرت عشق لکھنوی مرحوم سے شاگردی کا فخر حاصل تھا بسیط دیوان لکھا ہے - کلام سے خاصے مشاق اور فنِ عروض سے ماہر معلوم ہوتے ہیں - اوج

ہمکو زیادہ غور کا موقعہ نہیں ملا۔ ایک سرسری نگاہ میں جتنے اشعار پسند آئے انتخاب کرکے سید حاسا دامزید یار کلام ہے ؎

خونِ بیگرم سے کیوں ابتو ہوا دل ٹھنڈا — لے تڑپ کر ہوا آخر ترا بسمل ٹھنڈا
میری بے جرمی پہ حکمِ قتل جب اُسنے دیا — شرم سے پھر پھر گیا مُنہ خنجرِ فولاد کا
ہمسے اے بیدرد جو تونے کیا بہتر کیا — کیا زباں پر لائیے شکوہ تری بیداد کا
گزرا نہ عشقبازی سے اور خود گزر گیا — دیکھو کہ سر گیا پہ نہ یہ دردِ سر گیا
تیرے قدم پہ دم مرا اے جان نکل گیا — صد شکر کے ایک تو ارماں نکل گیا
فعلِ عبث ہے کیجئے کیوں عرضِ مدعا — محرم ہے خود وہ آپ ہی اس دل کے راز کا
کل کے آنے کی قسم کھاتے ہیں وہ — خیر کچھ دل کو سہارا ہو گیا
تمام خلق میں رسوا ہوئے خراب ہوئے — اب اور اے دلِ خانہ خراب کیا ہوگا
قصدِ حرم کا کیوں کریں دیر بتاں سے کیا غرض — اپنا تو مدعا ہے تو سارے جہانسے کیا غرض
تو گزر جاتی ہے یا جی سے گزر جاتے ہیں ہم — اے شبِ فرقت سحر تک تو نہیں ہاہم نہیں
صبا نکلے ادھر ہو کر تو روکیں ہم بشر کیا ہے — یہ باہم مشورے روزانکے دربانوں میں رہتے ہیں
نفاقِ کفر و دیں کیسا غلط کہتا ہے تو واعظ — وہ ہیں زنار جو تسبیح کے دانوں میں رہتے ہیں
کب تک تزک و عیش کے ساماں میں رہیگے — قصر آج ہے کل گورِ غریباں میں رہیگے

یوں دل نے کیا پھر ستانا — مجبور تھے سہنے ور گزر کی

اوج (اوج) مولوی سید محمد عابد حسین خلف الصدق سید محمد احمد علی صاحب رسا تخلص مرحوم رئیس رام پور۔ تکمیل علمی کے بعد آپ کئی سال تک الور کے عربی مدرسے میں ہیڈ ماسٹر رہے۔ اپنے والد بزرگوار کی وفات کے بعد رام پور آکر ریاست میں ملازم ہو گئے چنانچہ اب مدار المہام صاحب کے اجلاس میں اہلکار ہیں شعر و سخن کا مذاق بچپن ہی سے ہے آپکی طبیعت کو اس فن سے خاص مناسبت ہے۔ فنِ سخن میں اپنے والد مرحوم سے فیض

پایا ہے - مخدومی منشی امیر اللہ تسلیم لکھتے ہیں کہ آپکی استعداد علمی معقول اور معلومات فن شعر میں دستگاہ کامل حاصل ہے - اس وقت آپکی عمر ۴۹ - ۵۰ برس کی ہے کلام کا انتخاب ملاحظہ ہو ۵

وہ شوخ مسکرا کے جو آنکھیں چرا گیا
میری نظر سے کیا مرے مطلب کو پا گیا

مرتا ہوں میں غیوری طفل سرشک پر
آنکھوں سے گر گیا تو زمیں میں سما گیا

بے اختیاریوں جو سر بزم رو دئے
کہئے تو اوج آپ کو کیا یاد آ گیا

میں بھی نہیں محروم کہ ساقی ہو طلبگار
جھڑکی مجھے ملتی ہے جو ساغر نہیں ملتا

اس فرط لاغری سے بس اتنا خیال ہے
ایسا نہو کہ اٹھ نہ سکے ناز یار کا

پنجرے کی تیلیاں بھی رگ گل نظر میں ہیں
آنکھوں میں چھا رہا ہے جو عالم بہار کا

تیری ہی چشم شوخ کا صدقہ ہے بیخبر
یہ اضطراب میرے دل بیقرار کا

گنبد بناؤں گردن مینا کے واسطے
دورا اگر ملے رگ ابر بہار کا

لو اوج اب تو صورت مقصود دیکھ لو
پیش نظر ہے آئینہ رخسار کا

یار ملتا ہے نہ کچھ عرض تمنا کا جواب
کیا کہوں نا کامئ تقدیر میں ہوں لاجواب

یہ تو مانا قتل عالم اک تماشا ہے مگر
حشر کے دن داور محشر کو دوگے کیا جواب

کہہ رہی ہے اُن سے میرا مدعا میری نظر
دیکھئے دیتی ہے وہ چشم سخن گو کیا جواب

کچھ خبر بھی ہے تجھے چین سے سونیوالے
کیا گزرتی ہے شب ہجر کے بیداروں پر

ایسے دمساز کے فقروں میں ذرا آؤ دیکھو
آ وج اتراؤ نہ اُس شوخ کے اقراروں پر

بڑا ہو ضعف کا وہ پوچھتے ہیں حال میں چپ ہوں
زباں کہنے کو ہے لیکن نہیں تقریر کے قابل

لئے بوسے عدو نے مجھ سے دیکر گالیاں تم سے
کسی سے ہو خطا ٹھیرے کوئی تعزیر کے قابل

اسی سے کچھ شب غم پہلے کٹتی تھی مگر ہمدم
کہاں ہوں ضعف سے اب نالۂ شبگیر کے قابل

صبا کیوں آتش گل تو نے بھڑکائی ہے گلشن میں
کوئی پھول اڑ کے پڑ جائے نہ بلبل کے نشیمن میں

کہوں کیا رشک ظالم ہر طرح مجھ کو ستاتا ہے
تصور میں بھی پاتا ہوں اُسے آغوش دشمن میں

اِسے کیا جستجو ہے خنجرِ خونریزِ قاتل کی
لہو یوں دوڑتا پھرتا ہے کیوں رگ ہائے گردن میں

پلانا ہے تو ساغر بھی لگا دے آپ ہی مُنہ سے
پڑے رہنے دے میرے ہاتھ ساقی اپنی گردن میں

آنکھیں اگر لڑیں تو بشر ہوں خفا نہ ہو
بگڑو تو اپنے حسن سے بگڑو کہ ہے غضب

آہوں کے ساتھ مُنہ سے نکلتا ہی کیوں نہ دل
سوزِ غمِ نہاں سے جگر جل رہا نہ ہو

آنسو ہے، چلے بھی کہیں دل سوزِ نہاں سے
اے دیدۂ تر اشک فشاں تیری بلا ہو

کچھ نو دلِ بیتاب کو ہوتی ہے تسلی
وعدہ تو وہ کر لیتے ہیں چاہے نہ وفا ہو

قرباں میں تم روٹھ کے جاؤ نہ یہاں سے
آنکھوں میں چلے آؤ اگر دل سے خفا ہو

کچھ تڑپنے ہی سے تسکین کی صورت ہوگی
یہی بیتابیٔ دل باعثِ راحت ہوگی

چٹکیاں یوں جو کلیجے میں کوئی لیتا ہے
یہ اُنہیں شوخ نگاہوں کی شرارت ہوگی

حضرتِ شیخ نہ پینا مگر آؤ تو سہی
میکدے میں قدمِ پاک سے برکت ہوگی

اے اجل کیوں ہیں تقاضے کہ مریضانِ قلق
دم بھی توڑیں گے تڑپنے سے جو فرصت ہوگی

تم نہ آؤ گے تو کیا پاس نہ ہوگا کوئی ؟
شبِ فرقت مری ہمدم مری حسرت ہوگی

اوج ہم خلد میں کیوں جائینگے مطلب کیا ہے
گلشنِ کوچۂ دلبر میں جو تربت ہوگی

آڑے نہ آتی اُنکی نزاکت تو ہاں مجھے
دل سے اُتارتے وہ گراتے نگاہ سے

نجھے ملا کے آنکھ مجھے بت بنا گئے
گویا وہ منہ کو سی گئے تارِ نگاہ سے

وہ خوش ہیں یوں کہ اسکو اذیت ستم سے ہے
ہم شاد ہیں کہ اُنکو تعلق تو ہمسے ہے

تیری بلا کو ہو دلِ اغیار سے غرض
اے حسرتِ وصال تجھے کام ہمسے ہے

ہم خوب جانتے ہیں خوب چھپاتے ہو ہمسے کیوں
جو مدعا جناب کا طوفِ حرم سے ہے

چین ہو موت ہو آئے شبِ ہجراں کوئی
کاش نکلے دلِ ناشاد کا ارماں کوئی

دل میں آتو سہی خلوت بھی ہوئی جاتی ہے
میرا ذمہ جو ہے حسرت دارماں کوئی

توڑ کر غنچۂ گل کس لئے خوش ہوتے ہو
یہ مرا دل ہے نہ یہ آپ کا پیماں کوئی

اوج اب داغ تمنا بھی نہیں ہے دل میں
ہائے مجھ سا بھی نہو بے سر و ساماں کوئی

بغل میں اب نہ وہ دل ہے نہ وہ دل میں تمنا ہے
ہجوم یاس اس اجڑے ہوئے گھر میں جو آیا ہے

بھلا ہو بیخودی دل کہ یہ تیرا ہی صدقہ ہے
غم امروز ہے مجکو نہ کچھ تشویش فردا ہے

مرا ابھرا ہوا داغ جگر ہے دید کے قابل
یہ وہ ذرہ ہے جو مہر رخ جاناں سے چمکا ہے

ترے بیمار ہجراں کو اسی سے کچھ توقع ہے
یہی درد جگر کروٹ بدلوانیکو اٹھتا ہے

جو پھرتے ہیں مری آنکھوں نہیں چھپتے ہیں وہ مجھ سے
جو رہتے ہیں مرے دل میں انہیں کا مجھ سے پردا ہے

کہاں جاؤں کہوں کس سے کہ یہ بتائی خاطر
کسیکی شوخیٔ چشم فسوں گر کا کرشمہ ہے

میں صدقے فائدہ کیا اس حیا سے
غضب ڈھاؤ نگاہ فتنہ زا سے

اُسے ہے آپ میری فکر اے اوج
کروں لب آشنا کیوں التجا سے

کچھ خبر بھی تجھے اے محو خود آرائی ہے
ٹکٹکی باندھ کے آئینہ تماشائی ہے

آنکھ میں ہے کبھی دل میں ہے کبھی پہلو میں
کسقدر شوخ مرا شاہد ہرجائی ہے

آہ پیری میں جوانی سے سوا ہوں غافل
نیند کیسی مجھے ہنگام سحر آئی ہے

دل کو کیا سمجھے ہو دیکھو تو کلیجا اس کا
تم سے پرکالۂ آفت کا تمنائی ہے

اوج اس دور محبت میں لبسر کی ہے یوں میں
داغ کھایا ہے کبھی تیغ ادا کھائی ہے

(اوج) منشی میر محمود جان اوج - دہلی کے قدیم متوطن اور شیریں کلام و خوش فکر شاعر تھے - بہادر شاہ ثانی کے زمانے میں نشو و نما پائی تھی - ایک قلمی بیاض سے آپ کا کلام انتخاب ہو کر درج تذکرہ کیا جاتا ہے ۵ اوج

کون ہے دوست اب یہاں اپنا
دشمن جاں ہے اک جہاں اپنا

ہزار بار گیا وہ رقیب کے گھر پہ
ہمارے پاس نہ افسوس ایکبار آیا

روانہ ہوئی جان بھی تیرے ساتھ
ترا یاں سے جانا غضب ہوگیا

اے غیرتِ مسیح ذرا چل کے دیکھ لے
اتر بہت ہے اب ترے بیمار کا مزاج

کس کس طرح سے اُسکی خوشامد نہ ہم نے کی
پایا کبھی نہ اُس بتِ عیار کا مزاج

یہ کہتا نہیں روز میرا کہا کر
گر اک دن جفا کر تو اک دن وفا کر

عجب حال دونوں میں میرا ہوا ہے
ذرا دیکھ تو پاس اپنے بلا کر

کہوں کیا میں اُس چشمِ جادو کی باتیں
لڑایا مجھے آنکھ سب سے لڑا کر

کیا ساقیا تو نے بیہوش کیسا
مجھے جامِ الفت کا اپنی پلا کر

نہ غیروں پہ کر اے ستم گار ناز
اُٹھائیں گے ہر گز نہ ایسا اٹھا ناز

بلا دے مئے وصل کا جام ساقی
بھلا دوں ہمارا کرنا سے حاصل

نہیں بوسۂ لب اگر دیتے ہمکو
ہمیں گالیاں پھیر سنانے سے حاصل

عشاق کو زمانہ میں دیکھا نہ بیوفا
معشوق میں وفا کا نہ دیکھا اثر کہیں

وعدہ ہر روز کیا کرتے ہیں ✤
کب جفا کار وفا کرتے ہیں

وہ صورت اور باتیں پیاری پیاری یاد آتی ہیں
بھلا میں کس طرح بھولوں جمالِ یار جانی کو

کیا کہیں اپنے ستمگر زندگی بسر کرنے کو
ماہرو سے نہ ملایا نہ ملایا ہم کو

کیوں پھیرا تا ہے کو بکو ہم کو
رہنے دے اپنے روبرو ہم کو

آرزو ہے یہی خدا مجھ کو
اُس صنم سے کہیں ملا مجھ کو ✤

شبِ وصل کی کیا بیاں کیجے حالت
سناتا تھا جوں جوں وہ مجھ سے خفا تھے

ادا کرتی تھی مجھ میں اُس میں یہ صحبت
کبھی میں خفا تھا کبھی وہ خفا تھے

وضع کیا آپ نے نکالی ہے
بات پیچھے ہے پہلے گالی ہے

یا الٰہی کیا ہوا وہ کیوں نظر آتے نہیں
رات دن رہتے تھے جو اپنی نظر کے سامنے

ترا دشمن جہاں ہوا چاہتا ہے
جسے جان سے تو ہوا چاہتا ہے

آنے میں اُس جا جا بچے دیر ہے
کچھ مقدر کا ہمارے پھیر ہے

ہے شبِ حساب اور سامانِ عیش	گر نہ آیا ماہرو اندھیر ہے
ہے یقین وہ جانِ جاں آئیں نہیں	موت کے آنے میں پھر کیوں دیر ہے

اوج

(اوج) سرتاج مرثیہ گویاں حال مرزا محمد جعفر صاحب خلف الرشید وجانشین حضرت دبیر مرحوم مرثیہ گوئی میں اپنے والد ماجد کے قدم بقدم ہیں - قابلیت علمی معقول رکھتے ہیں مرثیہ گوئی و مرثیہ خوانی ان کا آبائی شغار ہے - شروع محرم سے چہلم تک مختلف مقامات میں جاکر اپنے تازہ مرثیوں سے اہلِ مذاق کو محظوظ کرتے ہیں - ہنگام قیام لکھنؤ میں راقم کو بھی مکرمی مسٹر حامد علیخاں کے ہمراہ شرفِ نیاز حاصل ہوا تھا - اثنائے گفتگو میں جناب نے یہ بھی فرمایا تھا کہ ہمارا اصلی وطن دہلی ہے اور ہمارے اجداد کی سکونت قاضی کے حوض کے پاس تھی - چنانچہ آپ خود بھی ایک مرتبہ خاص اسی غرض سے کہ مسکن قدیم کا کچھ نشان لگائیں دہلی تشریف لائے تھے مگر انقلابِ زمانہ سے اُس محلہ کی صورت ایسی تغیر ہوگئی کہ کوئی پتہ آپکے بزرگوں کے مسکن کا نہ پہنچا نہایت خلیق - خوش مزاج - زندہ دل بزرگ ہیں - سن شریف ۶۰ سال سے متجاوز ہے حضرت جعفری بیگم صاحبہ رئیسہ عظیم آباد کے اوقاف سے بہ صلہ مرثیہ خوانی دو ہزار سالانہ آپکا مقرر ہے - اسکے علاوہ اکثر حیدرآباد دکن کی مجالس عزا کو بھی قدوم میمنت لزوم سے رونق بخشتے ہیں - اودھ کے بعض رئیسوں اور ریاست رامپور سے بھی آپکی معقول قدر ہوتی ہے - فی زمانہ آپکی ذات بابرکات مغتنمات سے ہے - اساتذہ سلف کی آپ ایک عمدہ یادگار ہیں - فن عروض میں آپکو زبردست مہارت حاصل ہے چنانچہ ایک مبسوط رسالہ اسی فن میں آپکی تصنیف سے شایع ہو چکا ہے - اب آپکے کلام گوہر نظام میں سے چند اشعار زیبِ تذکرہ کئے جاتے ہیں ؎

چار سو عالمِ امکاں میں اندھیرا دیکھا	تو جدھر ہے اُسی جانب کو اجالا دیکھا
اُسپہ قربان کہ جسنے تری آواز سُنی	صدقے اُس آنکھ کے جسنے ترا جلوہ دیکھا
خلوتِ قدس کی بے پردہ تجلی کو نہ پوچھ	شوقِ نظارہ میں صد رنگ کا پردہ دیکھا

آنکھ جب بند ہوئی کھل گیا رازِ قدرت
شانِ معبود اندھیرے میں اوجالا دیکھا

پردہ اُٹھ جائے گا جب روئے تجلی سے کلیم
آپ خود مُنہ سے کہیں گے کہ ابھی کیا دیکھا

روئے گل رنگِ خزاں جوشِ جنوں فصلِ بہار
چار دن کے لئے اس باغ میں کیا کیا دیکھا

اوج کچھ بحثِ اربابِ سخن سے کیا بحث
دامنِ گل کبھی کانٹوں میں نہ اُلجھا دیکھا

خواہشیں دنیا کی بارِ دوش و گردن ہوگئیں
رفتہ رفتہ منزلِ عقبیٰ کی رہزن ہوگئیں

یہ ہوا کیسی چلی اس نغمنائے دہر میں
شہرِ جنگل ہو گئے آبادیاں بن ہوگئیں

چل بسے کورِ غریباں اے حریصِ مالِ زر
دیکھ کتنی آرزوئیں نذرِ مدفن ہوگئیں

کیسی رنگا رنگ تھیں ہونگی اے جوشِ بہار
مٹ کے جو گلگونۂ رخسارِ گلشن ہوگئیں

مُنہ نہیں سکتی کبھی کیفیتِ بغض و حسد
میرے آہیں پردۂ ناموسِ دشمن ہوگئیں

میرے نغموں نے جو پائی قلبِ گلشن میں جگہ
شاخِ گل پر بلبلیں بارِ نشیمن ہوگئیں

جب مرے نالے ہوئے قدِ صنوبر سے بلند
بلبلیں ساکت سرِ دیوارِ گلشن ہوگئیں

جامۂ ہستی ہوا صد چاک جب مثلِ سحر
زینتیں دنیا کی گرد اگرد دامن ہوگئیں

ہو سکے عون و محمد سے نہ سربرزہ پوش
حق میں بیٹوں کے دعائیں ماں کی جوشن ہوگئیں

سلامی سوزِ ماتم سے نہ سرگرمِ فغاں کیوں ہو
نہوں آتش فشاں نالے تو مجلس میں خموشاں کیوں ہو

حقیقت کہنہ خالق کی عیاں کیوں ہو نہاں کیوں ہو
نہ سننے کا تحمل ہو تو کہنے میں زباں کیوں ہو

اُسیکے لطف سے ہے ارتباطِ عالمِ امکاں
جو وہ نامہرباں نکلے تو کوئی مہرباں کیوں ہو

زمیں کیسی کہاں کے آسماں سب اُسکی جولانیں
کہیں ملتا نہیں وہ بے نشاں خاطر نشاں کیوں ہو

حجابِ نور ہو یا آنکھ کا پردہ ہو جو کچھ ہو
تمہیں تم ہو اگر دل میں تو کوئی درمیاں کیوں ہو

شہادت دے رہا ہے امتزاج اپنے عناصر کا
نمو گر مرتبط کوئی تو ربطِ جسم و جاں کیوں ہو

جو آئی دوست کی جانب سے کوئی شے خوش سر آنکھوں پر
بلا میرے مقدر کی نصیب دشمناں کیوں ہو

فشارِ سرزمینِ حرص بربادی کو کافی ہے
ملا کر خاک میں ہمگونہ گاں آسماں کیوں ہو

لہ لکھنؤ کی تباہی و ویرانی کی طرف اشارہ ہے جہاں زمانِ شاہی میں ۸ لاکھ کی بستی تھی ۱۲

اطاعت اور خداوند یکے جب نسبت ہم ٹھہری
تو اس ناچیز مشتِ خاک کا پھر امتحاں کیا ہو

رباعی
بیم شب ہجر نیند کھونے آئی ✤ پلکوں میں دُر اشک پرونے آئی
چونکا تو نہ ابتک اوج سوتے سوتے ✤ دن ڈھل گیا اور رات ہونے آئی

اوج

(اوج) منشی محمد یعقوب خلف شیخ قادر بخش مرحوم تاجر کتب گیا - ۲۵ برس کے قریب عمر اور تجارت وجہ معاش ہے - استعداد علمی خاصی ہے اکثر اخباروں کے نامہ نگار بھی رہے ہیں - پہلے آپ کو منشی سید ضمیر الدین عرش سے تلمذ رہا اب حضرت کوثر خیرآبادی کو اپنا کلام دکھاتے ہیں - طرز قدیم و جدید دونوں میں طبع آزمائی کرتے ہیں - ناول موسوم بہ خواب غفلت اور بیاض انتخاب نوبہار آپکی تصنیف سے ہیں - یہ آپکا کلام ہے ؎

جورِ فلک سے ہائے مٹے نامیوں کے نام
باقی نہیں نشان بھی لوحِ مزار کا ✤

ابر چھایا ہے مینہ برستا ہے
پہنو پوشاک آسمانی آج

گورِ غریباں
ہمنے دیکھا جب پڑی گورِ غریباں پر نظر ✤ وحشت گل کے سونے والے سو رہے ہیں خاک پر
مونس و غمخوار جتنے تھے کنارہ کر گئے ✤ آج کوئی نوحہ گر ان کا نہیں آتا نظر
فاتحہ کو بھی نہ آئے قبر تک وہ آشنا ✤ زندگی میں جو کہ رہتے تھے ہمہ شیر و شکر
مال و زر یونہیں پڑا رہجائے گا سب ہمیں ✤ کام آئے گا وہی رکھا ہے جو زادِ سفر
ایک دن ہے خاک میں ملنا یہ سب کچھ خاک ہے ✤ دولتِ دنیا پہ نازاں کیوں ہیں انساں اسقدر
کسی غریب سے ہردم کی چپیڑ ٹھیک نہیں ✤ سُنو سنو نہ سنو ہم جتائے دیتے ہیں

ملیں اغیار کو ہر وقت بوسے
مرا دل دیکھنے کو ہائے ترسے

دلِ پُر سوزِ نہاں سے بسکہ پیاس مجھے ✤ خدا کے واسطے ساقی کوئی گلاس مجھے
کوئی بھی ساتھ نہیں اوج کوئے قاتل میں ✤ گئے ہیں چھوڑ کے تنہا مرے حواس مجھے
کبھی مفلس کو ان آنکھوں سے دیکھا ہے غنی ہوتے ✤ کبھی اہل دول کو ہمنے بے اسباب دیکھا ہے
بہت دن تک رہے ہیں اوج اس قصرِ طلسمی میں ✤ بہت کچھ ہمنے حال عالم اسباب دیکھا ہے

کیسا ہے یہ دل میں داغ کس سے کہئے — رباعی — پژمردہ ہے کیوں یہ باغ کس سے کہئے
اے کاش کوئی ادھر مخاطب ہوتا — گھر کیوں ہے یہ بے چراغ کس سے کہئے
جیسے کوئی گل توڑ کے بھجائے چمن سے — اسطرح نکالا مجھے غربت نے وطن سے
اوج ایسی خوشنما دیکھی نہ ہنستے چاندنی — رباعی — چار سو پھیلی ہوئی ہے آج جیسی چاندنی
جو ہیں اعلےٰ مرتبت رہتے ہیں پستی میں منیر — خاک پر پڑنے سے کب ہوتی ہے میلی چاندنی

اوحد (اوحد) مولنا محمد عبدالودود خلف مولینا محمد عبدالرؤف وحید - ان کے بزرگوں کا وطن دہلی تھا مگر یہ خود بمقام کلکتہ نومبر ۱۸۵۰ء میں پیدا ہوئے اور وہیں نشو و نما پائی - علم ادب فارسی و اردو میں ماہرانہ نظم و نثر دونو پر قادر تھے - زبان انگریزی میں بھی خاصی دستگاہ حاصل تھی - اپنے والد مولانا وحید منشی دفتر لیجسلیٹو کونسل کے توسل سے اُسی محکمے میں مترجم ہو گئے تھے - مگر زندگی نے وفا نکی ۳۲ سال کی عمر پاکر ۱۸۸۲ء میں راہی ملک بقا ہوئے اِن کے والد نے ایک مرثیہ اور کئی تاریخیں نہایت پر درد اور پر تاثیر انکے داغ مہاجرت میں کہی ہیں - اُنکے کلام کا انتخاب درج ذیل ہے ؎

گہ وید شہر گاہ بیاباں کی سیر ہے — مت پوچھو حال اس دلِ خانہ خراب کا
زاہد بیچو شراب کسی ماہ رخ کے ساتھ — صحن چمن میں فرش بچھا ماہتاب کا
فصل بہار صحن چمن یار سے بکنف — کیوں زاہد و حرام ہے پینا شراب کا
ہیں حضرت وحید دلی نعمت سخن — اوحد ہے ریزہ چین سی عالیجناب کا
ہووے جو اُنکے روئے منور کے روبرو — ذرے سے بھی فروغ میں کمتر ہو آفتاب
دریا میں مکس آپکے رخ کا پڑے اگر — ہو جائے ہر صدف میں ہر اک گوہر آفتاب
دو آفتاب کا ہے قراں وقتِ سیکشی — چہرہ ہے آفتاب ترا ساغر آفتاب

آستاد (آستاد) میر یار علی نام - ایک پرانی بیاض میں چند اشعار نظر سے گزرے اُن کا نمونہ درج تذکرہ کیا جاتا ہے - مزاج میں شوخی و ظرافت خلقی تھی ؎

کریں کس منہ سے عرض اُن سے کہ عاشق ہیں تمہارے ہم
کہاں وہ صاحبِ حسن اور کہاں آفت کے مارے ہم

مشاطہ کو ہے خوف لگانے میں حنا کے
ہاتھوں کو جلا دیتے ہیں شعلے کفِ پا کے

ہرجائی پن اُس شوخ ستم گر کا ہے پیشہ
آستانہ پہ یہاں ہیں بہت دل کو لگا کے

قتل وہ کرتی ہیں اب سرمگیں آنکھیں مجھ کو
پہلوانی کے ارادے ہوئے بیماروں کے

ہم فقیروں کی صدا اک نہیں سنتے بیدرد
سیم بر میں ہیں الٰہی یہ ستم زرداروں کے

شاید اغیار کے گھر سے اُنہیں ڈالی آئی
میرے بھیجے ہوئے رونے نہ لئے ہاروں کے

الاماں کہنے لگے دیکھ کے تیرِ مژگاں
ہوش اُڑے دیکھ کے ابرو کو کمانداروں کے

جب تھا عشق تو کٹتی تھی مزے میں اُستاد
رات دن کٹتے تھے جلسے میں مہ پاروں کے

اُستاد

(اوگھٹ) حضرت اوگھٹ شاہ وارثی - آپ قصبہ بجھرایوں ضلع مرادآباد کے باشندے اور سلسلہ چشتیہ وارثیہ میں بیعت رکھنے کے علاوہ خود بھی بحر ذخار معرفت کے شناور ہیں - آپکی تصنیف فیضانِ وارثی نام رسالہ نظر سے گزرا اُسکے مطالعہ سے یہ امر آشکار ہے کہ آپ کو کتب بینی میں عمر معمل ہونیکے علاوہ تصوف و معرفت میں ایک خاص مذاق ہے - جب کبھی سخن گوئی کا اتفاق ہوتا ہے تو اکثر اسی رنگ میں کہتے ہیں - زبان ہندی سے بھی بخوبی ماہر ہیں - اور اکثر دوہے اور کبت بھی کہتے رہتے ہیں - اب آپ کے کلام کا انتخاب حاضر کیا جاتا ہے ؎

کرامت یہ بھی ہے پیرِ مغاں کی
کہ زاہد نے در میخانہ دیکھا

بوسۂ رخ کا جو میں سائل ہوا
ہنس کے بولے تو بھی اس قابل ہوا

نہ اس سا ہے نہیں تصویر میری
ہوا دل خود بخود بند اس کا دیکھا

مجھ کو کر کے قتل گیا پر ہم یہ سمجھا نہ ہائے
دل میں ارمان شہادت نہ نکل جائیگا

دل کا عالم معشوق میں کیا کہوں کیا ہو گیا
[illegible] کا کچھ ہو گیا

جو محبت کو دل لگی سمجھے
اُس سے کیا دل لگانا تھا

یہ تیری آنکھ ہے یا بادۂ وحدت کا ساغر ہے
ہوا بیہوش دیکھو جسکو تو نے اک نظر دیکھا

سُنا ہے شیخ جی آئے ہیں کعبے سے چلو پوچھیں
نظر آیا خدا بھی یا خدا کا خالی گھر دیکھا

گلی میں اُس ترک بتیں کے عجیب یہ انقلاب دیکھا
نماز ہندو کو پڑھتے واعظ کو ہنتے پیتے شراب دیکھا

غنی ہے وہ مست ناز میرا ہے اُسکی سرکار لاابالی
کبھی کرم ہے کسی پہ بیحد کبھی کسی پہ عتاب دیکھا

ہے خالق ایک ہی سب بت پہ اپنی قسمت ہے
تو بے نیاز ہوا میں نیاز مند ہوا

لحد پہ آیا جو بعد مردن لگا کے ٹھوکر یہ بولا پُر فن
اسی پہ دعویٰ تھا عاشقی کا کہ بھاگے دنیا منہ چھپا کر

عشق رہبر ہے پیشوا ہے عشق
اپنی کشتی کا ناخدا ہے عشق

مکیں بھی ہیں لامکاں بھی ہیں ہیں
کسی بے نشاں کے نشاں بھی ہیں ہیں

برہمن بھی آوازِ ناقوس بھی ہم
موذن بھی ہم ہیں اذاں بھی ہیں ہیں

ہمیں بت پرست اور ہمیں بت شکن ہیں
ہمیں بُت ہیں محبوباں بھی ہیں ہیں

فنا و بقا کا بیاں کیا ہو اودھ
نہیں بھی ہیں اور ہاں بھی ہیں ہیں

کُھل گئی اپنی حقیقت جس کو وہ
جز سے کل قطرہ سے دریا کیوں نہو

یہ دل ہے وہ مکاں جو لامکاں والے کی منزل ہے
وہ لیلیٰ ہے اسی میں یہ اُسی لیلیٰ کا محمل ہے

ایک خوش رو سے محبت ہوگئی
دل لگی کی اچھی صورت ہوگئی

سکو کیا خستہ روحیاں میں لاکھ ہوں
ہوگئی جس سے محبت ہوگئی

لاکھ پردہ کیجئے ہوتا ہے کیا یہ
آپ کی ظاہر حقیقت ہوگئی

سنتے ہیں واعظ کی میخانے میں آج
رہن دستارِ فضیلت ہوگئی

رہا نہ ہوش کیا عشق میں یہ کیا ہمنے
بتوں کو سجدہ کیا جانکر خدا ہمنے

بتوں کا عشق ہوا جب نصیب اے واعظ
کہ مدتوں کیا پہلے خدا خدا ہمنے

اودیس

(اودیس) منشی میر ناصر علی اودیس بلگرامی خلف اکبر میر غلام علی مغفور آپنے اپنے چچا میر حیدر علی کی زیر نگرانی تعلیم و تربیت پائی عنفوان شباب سے فن سخن کی طرف توجہ ہوئی مگر

زیادہ تر مرثیہ کوئی کا شوق رہا ۱۸۹۹ء میں آپ کا مجموعہ مراثی شائع ہوا تھا - چند بند بطور نمونہ کلام درج ذیل ہیں - ان سے آپکی طبیعت کا اندازہ ہو سکتا ہے ؎

طوبیٰ و خلد و کوثر و تسنیم و آسماں		ذراتِ ریگ و اختر و مہر و مہ و کتاں
آب و ہوا و آتش و گل دشت و بوستاں		درباں خلد و حور و ملک گلشنِ جناں
یہ سب مطیع امر امامِ جلیل ہیں		کعبہ پکارتا ہے یہ حق کے خلیل ہیں
وہ کہنہ پڑا دشت ہوا خون کا تھالہ		لشکر و ہن موت بلا تھا ایک نوالہ
بچھ بچھ گئے پیادل ہوا پامال سالہ		کہنے کو تو نا گن تھی پہ تھا منہ میں خچالہ
دم وہ تھا کہ اژدر بھی دبک جاتے تھے اُس سے		موذی نہ کبھی جانکی اماں پاتے تھے اُس سے
ہاں اے زمینِ نظمِ فلک سے بلند ہو		اے کلکِ نور طور سے تو بہرہ مند ہو
ہاں اے ورق بیاض میں قرطاس دہند ہو		ہاں سطر بہرِ صید مضامیں کمند ہو
ہاں ہر ورق پہ خازنِ جنت نثار ہو		ہر جزو ہشت خلد کی زیب بہار ہو

اویسی

(**اویسی**) منشی غلام محی الدین خاں متوطن سرہند - حضرت سید حسن رسول نما صاحب کے خاندان کے عزیز اور مرد قابل و ذہین - صاحب فکر سلیم - خوشنویس کامل اور درویش سیرت بزرگ تھے قرآن شریف کی ایک تفسیر نظم میں خوب لکھی تھی جس میں طرح طرح کے صنائع بدائع ملحوظ رکھے تھے - اُردو - فارسی - عربی - تینوں زبانوں میں داد خوش کلامی دیتے تھے - تذکرۂ شوق کی ترتیب کے وقت زندہ و سلامت تھے شیفتہ نے انہیں بریلی کا باشندہ لکھا ہے اور ان کا دکن جانا بھی درج کیا ہے ؎

دل کی چوری پہ ترا خال ہے کالا کالا		لے گیا قد ترا لیکن اُسے بالا بالا
یک طرف تھی نگہ چشم حبیبی دل میں مرے		دوسری ہر مژہ کرتی اُٹھی بھالا بھالا
ذکر و شغل اب تو اویسی کا یہی آٹھیدا		کچھ کٹی رونے میں کچھ تری حکایات میں رات
لائق ترے ہم تو کہیں سیر و سفر کے		جیوں نقش قدم چلنے نشیں ہیں ترے در کے

ہم اپنے تجمل میں نہیں آپ کو پاتے — جس دن سے ہوئے محو میاں تیری کمر کے
کس طرح چھوڑ سکوں تیری گلی کو جانا — سر اگر جائے تو جاوے یہ قدم رکتا ہے

اس آفتاب سے چہرہ پہ زلف کالی — پناہِ سوختگاں مدظلہ العالی
تین روز عید بھی قرباں کیا نہ میرا دل — ہزار حیف یہ ذی الحجریوں ہی گیا خالی

ایاز

(ایاز) منشی عبدالعلی - حیدرآباد دکن کے نومشق موزوں طبع نوجوانوں میں ہیں - مولانا حالی کے جشن جوبلی نظام پر حیدرآباد تشریف بری کے موقع پر آپ نے ایک نظم اُن کی ستائش میں لکھی تھی - اُسکے چند بند بطور نمونۂ کلام حاضر کئے جاتے ہیں ؎

یہ وہ حالی ہیں جنکی آج شہرت ہے زمانے میں — درجہ مولانا حالی — زمانہ اِن کا قومی راگ گاتا ہے ترانے میں
انہیں کی کوششیں سے قوم مُردہ کے جلانے میں — انہیں کی شاعری کی روح ہے قومی فسانے میں
ہر اک شعر انکا قومی سوز کا دمساز ہوتا ہے — ہر اک ساز اُسکا قومی راز کا ہمراز ہوتا ہے
یہ وہ حالی ہیں جو پیدا کریں امت کو زہروں میں — ہیں اِنکے نام کے قائم کلب یورپ کے شہروں میں
معانی کی جگہ جادو بھرا ہے انکی بحروں میں — مہذب لیڈیاں گاتی ہیں جنکو اپنی لہروں میں
اِنہیں کے نام کا حالی کلب قائم ہے لندن میں — اِنہیں کی نظم کے ترجمے ہوتے ہیں پیرس میں
مسلّم شاعرانِ ہند میں ہے انکی اُستادی — نئی نظموں کا رکھا ہے انہیں نے سنگ بنیادی
انہیں نے شاعری کو قید سے دلوائی آزادی — ہیں قدرت کے مناظر شاعری میں انکی ایجادی
موثر نظم دلکش شعر درد انگیز مضمون ہے — زباں میں انکے جادو ہے قلم میں انکے افسوں ہے

ایجاد

(ایجاد) شاہزادہ مرزا رحیم الدین گورگانی - تلمیذ رشید صاحب عالم مرزا قادر بخش صابر صاحب تذکرہ گلشنِ سخن مرزا حسین بخش کے بیٹے بڑے خلیق اور ملنسار آزاد منش نوجوان تھے - غدر کے زمانے میں ۲۵ - ۲۶ برس کے سن میں پھانسی پائی - فنِ سخن میں طبیعت نہایت رسا اور عالی پائی تھی - انتخابِ کلام ملاحظہ ہو ؎

تنہا نہ میں تھا یا کہ میں کعبہ کے قریں تھا — اے زاہدِ ناداں تجھے کیا میں کہیں تھا

۵۲ پرتگال کے دارالخلافہ کا نام ہے ۱۲ ۵۳ بمعنی تونے ۱۲

ہر چند کے میں دوست کے ہمراہ نہیں تھا
پر دل وہ بلا ہے کہ جہاں تھا یہ وہیں تھا

ہے ہے غلط انداز ئے عیارِ ستمگر
جس جا پہ میرا دھیان گیا واں وہ نہیں تھا

اب آئے وہ اب جاں کو ہوئی میری تسلی
تھا دھیان یہ اور لب پہ دمِ بازپسیں تھا

دیکھو تو مری ضد کہ کسی شب وہ ستمگر
آیا بھی تصور میں تو دشمن کے قریں تھا

دو دن میں ہوا حال یہ اُسکا کہ مری جاں
دیکھا تو وہ ایجاد ہی گویا کہ نہیں تھا

شب جا کے وہاں اپنا تو کچھ دل سا بھر آیا
سب تھے تری محفل میں پر ایجاد نہیں تھا

لب اُسکے زخمو نپہ چھڑکا کیا نمک جوں توں
نگاہ دلپہ کیا کی سناں گزاری رات

لے اب جنازہ پہ ایجاد کے تو چل ظالم
تری ہی یاد میں تھا وقتِ دم شماری رات

تیرے خنجر کے شکر نے قاتل
کی ہے زخموں سے سوزباں ایجاد

اس فصل میں کھو لینگے جو زنداں کے نہ در کو
مرجائیں گے دیوانے تیرے پھوڑ کے سر کو

یہ باتوں میں بہلائے وہ دل چھین کے لیجائے
کیا باد ہیں ڈھب لب کو تیری اور نظر کو

ہمکو نہ اُٹھا بزم سے اپنی کہ میری جاں
ہم آپ ہی بجھ جائینگے جوں شمع سحر کو

لگے ہم سے نظر اپنی چرانے
وہ سمجھے جس گھڑی لطفِ نظر کو

سبب سمجھا جو بیماری کا وہ شوخ
نہ آیا پھر کبھی میری خبر کو

نظر کی برق مجھ پر ہی گرے گی
وہ دیکھے گو ادھر کو یا اُدھر کو ✣

ظالم ہیں سزاوار تو کچھ لطف کے ہم بھی
دیکھو کبھی تم ایک نگہ سے ہی ادھر کو

سکھایا دختِ رز کو منہ چھپانا
کوئی کیا روئے جانِ شیشہ گر کو

جتنی ہو پلا دے کہ پیاسا ہوں میں ساقی
ظالم میں سمجھتا نہیں کم اور زیادہ

کرتے ہیں میرا چارہ غم جتنا ایجاد
اُتنا ہی یہ ہوتا ہے الم اور زیادہ ✣

کتنا ہی کروں خشک پہ یہ دامن تر ہائے
خجلت سے ہوا جاتا ہے نم اور زیادہ

(ایجاد) شیخ الٰہی بخش ایجاد ساکن صاحب گنج علاقہ گیا شاگرد مولانا کوثر خیرآبادی صمولی ریاست

کے تجارت پیشہ آدمی ہیں - اب ۳۳ برس کی عمر ہے اور کم و بیش ۱۲ برس سے شاعری کا شوق ہے - کلام کا انتخاب درج ذیل ہے ؎

ہیں وہ میکش مفلسی میں بھی نہ چھوٹی میکشی
رہن دو پیالوں پہ ہمنے حوضِ کوثر رکھدیا

مئے گلرنگ سے ساقی چمکا دے
گھٹا چھائی ہے اُودی آسماں پر

یہ کہہ کے رُخ سے وہ پردہ اُٹھائے دیتے ہیں
تجھے بھی طُور کا عالم دکھائے دیتے ہیں

دیکھنے والوں سے پردہ کہیں ہو سکتا ہے
نگہ شوق نے روزن کئے دیواروں میں

اسطرف رُخ ترحی رحمت کا جو دیکھا دمِ حشر
لگئے دوڑ کے زاہد بھی گنہ گاروں میں

وہی ہم ہیں کہ ہنسے پڑتے تھے بلبل کی فغاں سُنکر
وہی ہم ہیں کہ اب بے زات لب پر آہ و نالے ہیں

نہیں جس بات پر ہوگی قیامت تک نہیں ہوگی
خدا اس ضد کو رکھے اب وہ کسکی سننے والے ہیں

کسیکی یاد نے کیا کیا نئے تحفے دئے ہمکو
جگر میں ٹیس - دل میں درد - لب پر آہ و نالے ہیں

چھپائے مُنہ جناب شیخ نکلے بزمِ رنداں سے
انہیں کی دُھوم تھی پہلے بڑے اللہ والے ہیں

لگا کر دل کسی سے جان ہے ایجاد آفت میں
امیدِ وصل کیسی زندگی کے اب تو لالے ہیں

ناتوانی سے بیٹھتے اُٹھتے
لب تک آتی ہے آہ مشکل سے

جو پسند آئے لیئے ہاتھوں میں
خونِ عاشق بھی ہے حنا بھی ہے

ایجاد

(ایجاد) منشی سرفراز علی ایجاد باشندہ رودلی اودھ یہ آپکا کلام ہے ؎

درد کہتا ہے کہ ہوں ضبطِ فغاں تک لیں
ساتھ نالوں کے میں کانٹا سا نکل جاؤں گا

صدمۂ ہجر یہ کہتا ہے کہ جلدی کیا ہے
جان لے لونگا تو پہلو سے نکل جاؤں گا

ہزاروں حسرتیں رہتی ہیں دل میں
ہے گھر چھوٹا سا گنجایش بڑی ہے

رو کے ہمنے جو کہا جاں ہی اب دیدینگے
ہنسکے وہ بولے کہ نقصان ہمارا کیا ہے

عاشقِ حسن بتاں ہوں اے جناب شیخ میں
مجھ سے ذکرِ کافر و دیندار رہنے دیجئے

بن چکیں باتیں بس اب تکرار رہنے دیجئے
بوسۂ لب ہو عطا انکار رہنے دیجئے

ایجاد

(**ایجاد**) مولوی قمرالدین صاحب بھوپال سے ایک رسالہ آپ کی زیر نگرانی شائع ہوا کرتا تھا یہ آپ کا کلام ہے ؎

آئے نہ وہ تو بھیجدیں آنکھیں نکال کے — ہم نے نیا علاج کیا انتظار کا
دل نے بھی آہ اُن سے میرا حال کہدیا — اب اعتبار کیا ہو کسی رازدار کا
ہم نے نہ پی شراب جو قحط شراب میں — اللہ نے ثواب دیا روزہ دار کا

ایران

(**ایران**) مسٹر ایران جیکب - عیسائی مذہب اور گورکھپور کے رہنے والے ہیں - شاید حضرت ریاض سے اپنے کلام میں مشورہ کرتے ہیں - بہرحال یہ اُنکے کلام بہم رسیدہ کا انتخاب ہے ؎

ہاتھ میں سبحہ ہے لب پر ہے ترا نام اے بت — بس یہی دیں ہے میرا یہی ایماں میرا
خبر اسکی نہیں کیا ہو گیا دل — مگر یہ یاد ہے پہلو میں تھا دل
ترا تیر دل سے جدا ہو رہا ہے — یہ ظلم اوکماندار کیا ہو رہا ہے
یہ کیا چپکے چپکے نکالے ہے ایدل — خبردار کسکا گلا ہو رہا ہے
لگی چوٹ ایران کے دل پر یہ کیسی — کہ ہر وقت ذکر خدا ہو رہا ہے
محبت سے رکھنے کے قابل یہی ہے — حسیں جسپہ مائل ہوں وہ دل یہی ہے
مرے بت سے اچھی سہی حور جنت — مگر پیار کرنے کے قابل یہی ہے

ایما

نکلتی کسطرح ہے دیکھ جائیں جان بسمل کی — نظارہ ہو دم آخر برآئے آرزو دل کی
ستم ایسا نہ کرلے باغباں فصل بہاری میں — گرائیں بجلیاں ایسا نہ آہیں عندلیل کی

(**ایما**) میر یحییٰ مخاطب بہ عاشق علیخاں - صبیہ زادہ خوشحال خاں قاقشال - عالمگیر بادشاہ کے عہد کے حضور رس امیروں میں تھے - دولت و تمول کا یہ حال تھا کہ ایک بنگلہ جواہر سے مرصع تیار کرایا تھا جس پر حضور شاہی سے مورد عتاب ہوئے - شوخ طبعی خلقی تھی - دکن آپ کا مولد تھا اور وہیں زندگی کے دن پورے کئے - علم ہندی میں کامل مہارت رکھتے تھے - نواب نظام الملک آصفجاہ کے ہم دمساز و ہمعصر تھے - ریختہ میں کبھی ایما اور کبھی عاشق تخلص کرتے تھے - یہ

آپ کا کلام ہے ؎

طبیبِ عشق سے پوچھا زلیخا نے علاج اپنا
کہا تجھ پر بھلا ہے سورۂ یوسف کا دم کرنا

وقتِ بد میں کیا کسی سے ہو رفاقت کی امید
بھاگتا ہے جب زوال آتا ہے سایہ بھی رفیق

رزّاق یا جب بولا میرا آنا روپے پر ہے
تو ہم بولے کہ مُنہ دیکھو روپے کے سولہ آنے ہیں

عاشق نہیں ہے تجکوں کچھ خوفِ معصیت کا
موئے حلقے رضا سین ہیں گے امام ضامن

صاف دل آرسی سا کوئی نہیں
لیک مُنہ دیکھی آشنائی ہے

کیوں نہ گھر آوے وہ کماں ابرو
واسطے جسکے کھینچے ہیں چلّے

ایما (ایما) میر حسین علی خاں مغفور - باشندۂ اورنگ آباد دکن - نواب سکندر جاہ نظام الملک والی دکن کی سرکار میں بزمرۂ شعرا منسلک اور پانسو روپے ماہوار کے وظیفہ خوار تھے - شعر ریختہ کا شوق حدِ اعتدال سے بڑھا ہوا تھا - مہاراجہ چندو لال دیوان دکن کی قدر دانی سے ہم عصروں میں ممتاز اور ہمیشہ مورد انعام و اکرام رہے - نہایت خوش تقریر و شیریں کلام بزرگ تھے حضور نظامِ وقت کی فرمائش سے فی البدیہہ یہ تضمین کی تھی جو درج ذیل ہے - ۶۰ برس کی عمر پاکر ۱۲۳۰ھ ہجری میں راہیِ ملکِ بقا ہوئے ؎

ایما میں ساکنانِ چمن سے کیا سوال
ہم بھی تو تھے خزاں میں تمہارے شریکِ درد

کیفیتیں بہار کی ہم سے بھی کچھ کہو بلبل
اردی بہشت دوی کی ہوئی کسطرح نبرد

غنچہ نے مُسکرا کے دیا چٹ وہیں جواب
تو نے سُنی نہیں کسی اُستاد کی یہ فرد

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز ما سباں
بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد

ایما (ایما) حکیم سید حسن ایما شاگرد نواب فصیح الملک داغ دہلوی یہ خود دہلی کے متوطن ہیں مگر مدت مدید سے کلکتہ میں قیام رکھتے ہیں گلدستہ نتیجہ سخن میں کچھ کلام نظر سے گزرا اُس کا انتخاب ضبطِ تحریر میں آیا ؎

حال بیتابیِ دل نخلِ جگر کہتے ہیں
چلی آتی ہے جو آنسوؤں کے تاروں پر

یہ لبِ زخم تیری تیغ کا بوسہ لیں گے | بدگماں ایسا گماں اپنے نمک خواروں پر
حضرتِ ایماں درِ جاناں وہ آتا ہے نظر | دیکھو ہمت کو نہ ہارو آچکے منزل کے پاس
ٹھیک بیٹھا جگر پہ تیرِ نگاہ | بل بے ظالم تری نظر کی تلاش

ایمان

(ایمان) شیر محمد خاں خلف محمد عاقل نائک - نواب سکندر جاہ نظام الملک کے دورانِ حکومت میں حیدرآباد کے شعرائے مشاہیر میں شمار کئے جاتے تھے - اخبار نویسی ریاست کے زمرہ میں تعلق تھا - سرزمین ملک دکن کے حالات سے واقفیت کامل حاصل تھی - عروض و قافیہ سے خوب ماہر تھے - اور اکثر اشعار میں ضلع جگت کی طرف طبیعت کی توجہ مبذول رہتی تھی - ایک رسالہ جگت اور مثنوی برسات اِن کی یادگار ہے - شطرنج بھی خوب کھیلتے تھے - امیرالامراء وزیراعظم کی مصاحبت میں اکثر رہتے تھے - سنہ ۱۱۷۱ھ میں وہیں انتقال کیا - یہ اِن کا کلام ہے ؎

جو داغ ہے دل کا سو برنگِ پرِ طاؤس | ہو کیوں نہ خجل دیدۂ تنگِ پرِ طاؤس
روا ہے کون سے مذہب میں یہ عشقِ ناصنیف | دلِ پریزیز خوش ہو خاطرِ فرہاد محزوں ہو
مئے گلگوں کا جسدم بزم میں ساغر چھلکتا ہے | ٹپک پڑتا ہے خونِ دل مرا ایماں آنکھوں سے
قدر یاقوت نہیں لعلتِ جگر کے آگے | ابر بھی پانی بھرے دیدۂ تر کے آگے
ہے بنا گوش سے مستر سندہ ترے آبِ گہر | شمع کو تاب نہیں نورِ سحر کے آگے
سرمہ گر چشم سے اپنی وہ خوش ابرو پونچھے | گردِ خجلت کو سدا دیدۂ آہو پونچھے
آستیں کا میں کسی کی نہ ہوا دستِ نگر | میرے ہی ہاتھوں نے آخر مرے آنسو پونچھے

ایمان

(ایمان) منشی محمد علیخاں ایمان مقیم سنگار پور ضلع بلند شہر - آجکل کے شعرا میں ہیں اور یہ کلام ہے ؎

ناآشنا بھی ہیں یہ صنم آشنا بھی ہیں | بندے بھی ہیں خدا کے یہ کافر خدا بھی ہیں

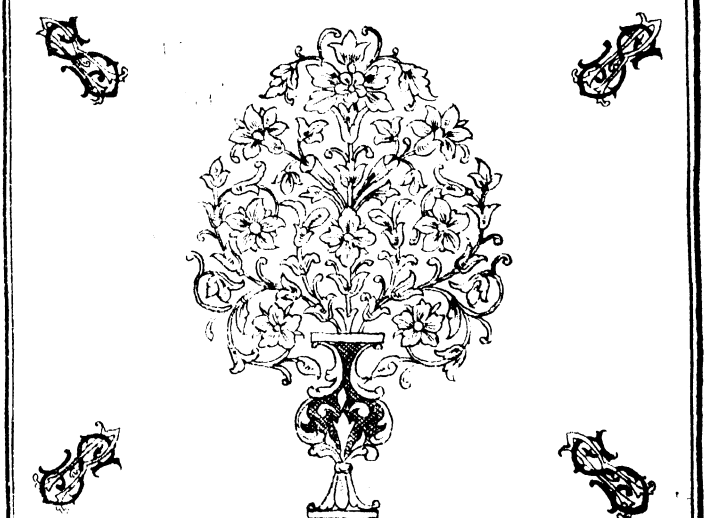
مٹا دو ہمارے نشانِ لحد کو | نہ چھوڑو زمین پر نشانی ہماری
مٹاؤں تجھے دل سے کیا داغِ ہجراں | وہ پوچھیں گے کیا کی نشانی ہماری

ایمان (ایمان) نواب تجمل حسین خاں رئیس مدراس جناب جلال لکھنوی سے مشورۂ سخن فرماتے ہیں

دیکھو دُھنگ اُس پری شمایل کا — روز خواہاں ہے اِک نئے دل کا
بوسہ لجائے روئے قاتل کا — خوبنہا ہے یہی مرے دل کا
اثر ہوتا جو کچھ اپنی وفا میں — گئی کرتا وہ ظالم کیوں جفا میں
نہیں مُدت سے دل سلامت ایماں — بتوں کو دیدیا راہِ خدا میں

ایمن (ایمن) حکیم حافظ مولوی محمد احمد سکندر پوری - دورِ موجودہ کے شاعر ہیں - یہ آپکا کلام ہے

ہائے رو رو کے جتانے پہ یہ ان کا کہنا — روٹھ کر ہمسے چلے ہیں یہ منائیں کیونکر
ناتوانی کا یہاں عذر نزاکت کا وہاں — وہ نہیں آتے تو ہم ہوش میں آئیں کیونکر
تم جفاکیش عدو چرخ فغاں بے تاثیر — آہ زو میں دلِ مضطر کی برآئیں کیونکر
خون منظور ہے عاشق کی تمناؤں کا — آپ مہندی شب وعدہ نہ لگائیں کیونکر
تو ہی اے دیدۂ تر اب کوئی تدبیر بتا — لگ گئی آتشِ غم دل میں بجھائیں کیونکر



ب

بادشاہ

(بادشاہ) میر بادشاہ علی نام دہلی کے متوطن اور شاہ عالم ثانی کے عہد میں حیات تھے ؎

بلبلِ شیدا نے پوچھا گل سے یوں روزِ بہار	اے گلِ رعنا ترے دامن سے کیوں لپٹے ہیں خار
گل نے کر چاکِ گریباں یوں کہا رو کے حال	چشمِ گل کو نوکِ مژگاں کی جگہ ہے نوکِ خار

باران

(باران) منشی سید ولایت علی باشندہ بلند شہر علمی استعداد رسمی اور ایک خوش گو شاعر ہیں بلند شہر اور اُسکے نواح میں خاصی شہرت حاصل ہے۔ یہ آپ کا کلام ہے ؎

جو کہئے اُن سے مشاقِ جفا تم ہوتے جاتے ہو	تو فرماتے ہیں شوخی سے کہ ہاں ہاں ہوتے جاتے ہیں
لگاتا ہے نشانہ کون سا ناوک فگن دل میں	نکل کر تیر چتکی سے رگِ جاں ہوتے جاتے ہیں
بہار آتی ہے شاید۔ پھر وہی شورش ہے سینے میں	کھلی جاتی ہیں بخیے زخمِ دل نکہت بدلتا ہے
خزاں بھی ہو چکی اور فصلِ گل بھی جا چکی آکر	یہ نخلِ آرزو کیا جانے کس موسم میں پھلتا ہے
نہ ملئے وصل کا وعدہ نہ کیجے خیر کیا ڈر ہے	مگر یہ بھی سمجھ لیجے کہ ہونا ہو کے ٹلتا ہے
سرِ محفل یہ کیسا ٹمٹماتا مژگاں انکھیوں سے	یہ کیسی بجلیاں گرتی ہیں خنجر کس پہ چلتا ہے
پھر وہی بے باکیاں پہلی ہی دکھلانے لگے	پھر مجھے چھیڑا تصور میں مرے آنے لگے

بارق

(بارق) مرزا مظفر حسین بیگ نام ہے۔ مرزا صفدر علی بیگ رسائیدار انجینئر نظام کے صاحبزادے ہیں۔ خود بھی فوجی ملازم رہ چکے ہیں۔ اصل میں ضلع علی گڑھ کے رہنے والے ہیں مگر اب عرصۂ دراز سے حیدرآباد دکن میں مقیم اور قلعۂ گول کنڈہ کے مدرسہ میں فارسی کے مدرس ہیں۔ امامیہ مذہب ہے۔ اہل و عیال کے جھگڑے سے آزاد اور تن تنہا مزاج میں وارستگی اور بے تکلفی حد سے بڑھی ہوئی ہے۔ طبیعت میں سپاہیانہ جوش و خروش پایا جاتا ہے ساتھ ہی شوخ طبعی بذلہ سنجی سے ہر دل عزیز اور یار شاطر ہیں۔ پچاس برس کے قریب عمر ہے۔ فنِ سخن میں حضرت داغ دہلوی سے مستفید اور اُنکے عقیدت مند شاگردوں میں ہیں۔ حضرت

داغ بھی اِن پر خاص نظرِ عنایت رکھتے تھے کلام میں شوخی - صفائی - پختگی - جدت - روانی - سب کچھ موجود ہے جیسا کلام مندرجہ سے ظاہر ہے ؎

شکوہ بیجا ہے بے وفائی کا
یہ تو شیوہ ہے دل ربائی کا

سب میں مشہور ہو گئے کافر
اور دعوے کرو خدائی کا

حشر میں ہے خدا بھی وہ بت بھی
اب ہے موقعہ مری دوہائی کا

کیا زمانہ ہے یہ کہ ہے دشمن
باپ بیٹے کا بھائی بھائی کا

اس حسن پہ بھی اُس کو دئے ناز و ادا اور
سچ یہ ہے کہ بھرتے ہی کو بھرتا ہے خدا اور

یہ سہل ہیں ہے گر جاں تو پھر دیکھنا کیا ہے
تیغِ نگہِ ناز کا ایک وار لگا اور

ساتھ اس بتِ کافر کے خدائی ہے خدایا
مجھ عاشقِ یکتا کو نہیں تیرے سوا اور

بھر زاہد میکدے سے لے چلیں نہ دو شراب
لاؤ کوئی صاف ستھرا پاک برتن دیکھکر

صبح کعبے میں گزرتی ہے تو شب کو دیر میں
دنگ ہیں مذہب مرا شیخ و برہمن دیکھکر

آؤ بس مل لو اب چھوڑو رنج و ملال
لوگ ہنستے ہیں تمہاری میری ان بن دیکھکر

رسا گردوں تک آہیں ہیں قریبِ عرش نالے ہیں
تری فریادیوں کے آجکل تو بول بالے ہیں

بری باتوں کا اُنکی پھیر لانے کوئی کیونکر
کہ وہ تو گالیاں دے کر دعائیں لینے والے ہیں

جو دنیا میں نہیں ملتے وہ محشر میں ملینگے کیا
یہ سارے عہد و پیماں آپکے حیلے حوالے ہیں

کبھی مطلب کو اپنے ہاتھ سے جانے نہیں دیتے
ہمارے دیکھے بھالے ہیں وہ جیسے بھولے بھالے ہیں

یہ تم ہر بار کس کو کھینچکر خنجر ڈراتے ہو
وہ کب مرنے سے ڈرتے ہیں جو تم پر مرنیوالے ہیں

عشق چھوڑا ہے نہ چھوڑینگے کبھی اے ناصح
اس بہانے ہی سے آجائے جو موت آنی ہے

تیرا بیمار مسیحا کی دوا کیوں کھانے
اس کو منظور تو جنت کی ہوا کھانی ہے

آپ کا وعدہ وفا ہوگا مگر
گر قیامت تک سلامت ہم رہے

دو روز تو جینے دو جوانی میں خوشی سے
کیا تم پہ فدا ہو کے میں مر جاؤں ابھی سے

طالب نہیں ہوتے کبھی اسکے وہ خوشی سے
دل دیتا ہے انسان اُنہیں آپ خوشی سے

رکھے کبھی امید نہ دنیا میں کسی سے
بگڑی ہوئی بندے کی سنورتی ہے اُسی سے

خنجر سے کریں قتل کہ تلوار سے تجھکو
میری وہ سزا پوچھتے ہیں آج مجھی سے

دیکھی فلکِ پیر کی جب سفلہ نوازی
نفرت ہوئی دل کو مری ثروت طلبی سے

وصل کا کرتے ہی آنکھ اُسکے اشارہ لیکن
قائم اقرار پہ رہتے ہیں کہیں تو اسے

حضرتِ زاہد اگر دیندار ہیں
میکشوں میں کون دنیادار ہے

شوخیوں کا دلِ بیتاب کی وہ قاتل ہے
یہ تو بجلی ہے اسے کون کہے گا دل ہے

(بارق) حکیم میر عنایت حسین لکھنوی - زمانہ حال کے شعرا میں ہیں ؎ بارق

مرا ہر اشکِ غم ہے ایک نقشِ حسرتِ مردہ
قطار نخلِ ماتم کا ہے ٹک موہائے مژگاں پر

نیازِ عشق اسی نامنصفی کا نام ہے ایدل
خود اپنی جان دینا اور دعویٰ نازِ جاناں پر

(بازغ) ابوالحیات محمد عبدالحی بازغ فرزند حاجی حافظ محمد حسین فارغ سابق سرگروہ فوج کوتوالی بلدہ حیدرآباد - مرزا امیرالدین گورگانی ضیا دہلوی کے شاگرد اور سرکار نظام کے وظیفہ خوار ہیں - طبیعت اچھی پائی ہے - زبان اور بندش کا خیال رکھتے ہیں یہ شعر انکے ہیں ؎ بازغ

جاگزیں ہے جب سے زانوئے بتاں پر آئینہ
ہو گیا ہے روکشِ خورشیدِ خاور آئینہ

اپنی صورت دیکھنے میں اتنے مستغرق ہیں وہ
آئینے کے سامنے بیٹھے ہیں بنکر آئینہ

نرکھ لباس کا اوجھاڑ تن پہ دستِ جنوں
کیا ہے چاک گریباں تو پھاڑ دہن بھی

لحد پر میری آکے وہ کہہ رہے ہیں
کسی کی خبر بھی ہے اے سونے والے

وہ حُسن سے ہیں مست تو ہم عشق میں بیخود
پروا نہ دو عالم نہ اُدھر ہے نہ اُدھر ہے

لے لیجئے جو آپ کی منظورِ نظر ہے
یہ جان یہ ایمان ہے یہ دل یہ جگر ہے

(باسط) منشی سید باسط علی صاحب انکے والد کا نام سید محمد علی تھا آپ رمضان ۱۲۹۹ھ کو پیدا ہوئے - ٹھٹھوار ضلع بارہ بنکی کے متوطن ہیں - ۱۵ - سال کی عمر سے شعر گوئی کا شوق ہے باسط

آجکل ریاست بھٹوا ضلع سیتاپور میں راجہ صاحب کے شتر دار ہیں - اوائل میں چند غزلیں منشی علی محمد صاحب آرم کو دکھائیں پھر حضرت داغ سے رجوع لائے یہ کلام ہے ؎

مجھسے کیا پوچھتے ہو حشر کے دن کیا ہوگا
سب کو آنے گا خدا یاد کچھ ایسا ہوگا

کسیکے وعدۂ فردا پہ صبر کیا معنی
ہمیں تو اپنے ہی جینے کا اعتبار نہیں

کرو رقیب کے ملنے سے تم ہزار نہیں
خطا معاف مگر ہم کو اعتبار نہیں

بسمل تو ہزاروں ہی ترے آئے نظر میں
دیکھی نہ کبھی تیغ بندھی تیری کمر میں

فرقت میں یہ لیلی کے تصور کا تھا عالم
تاریک شب و روز تھے مجنوں کی نظر میں

اے پیر فلک شمس و قمر پر ہے تجھے ناز
داغ ایسے ہیں صدہا مرے اتنے سے جگر میں

وہ آتے ہی رہے شب وعدہ کہ ہوگئی
صبح قیامت آج شب انتظار میں

کہتے ہیں قتل کیا اس لئے ہمنے تجھ کو
خوں میں دیکھیں ترے رنگ فا ہو کہ نہیں

آنکلتے ہیں وہ جب گور غریباں کی طرف
بیکسی بڑھ کے بتا دیتی ہے تربت میری

باطن (باطن) حکیم برہان الدین مولف تذکرہ گلستان بیخزاں و شاگرد نظیر اکبرآبادی گو آپ نے نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ کے تذکرہ گلشن بیخار کے جواب میں یہ تذکرہ لکھا مگر افسوس کہ وہ بھی اُن عیوب اور نقائص سے پاک نہیں نکلا جو انہوں نے شیفتہ مرحوم کے تذکرہ میں نکالے تھے - آپ میاں کالے صاحب دہلوی کے مرید تھے - دیوان اور مثنوی غم دلربا ان کی یادگار ہیں - انتخاب کلام درج ذیل ہے ؎

جی گیا مرنے سے مرنے نے جلایا مجھ کو
ملک الموت میرے حق میں مسیحا آیا

آنکھوں میں رہتے دلمیں جگہ کرتے بے حجاب
پردہ نشین تھے آپ تو پردہ کہاں نہ تھا

تیرے در سے خالق انس و جاں جو ہی تو ہوں میں بلا طلب
دے چلے یہ پائے ہوس طلب بڑھے یہ دست سائل طلب

ضبط کے معنی ہیں یہ کرتے نہیں ہم منہ سے اُف
شور شِ ہنگامۂ محشر ہمارے دل میں ہے

ہر اک جانب ظہور نور روئے یار جانی ہے
کہاں اونی کہاں موسیٰ کہاں کی لن ترانی ہے

باقر

(**باقر**) میر باقر علی ولد میر علی حسین - حکیم مومن خاں وغیرہ کے ہمعصر تھے - مہاراجہ غمبیر سنگھ کے زمانہ میں مدت تک لاہور اور اطراف پنجاب میں رہے - شعر و سخن کی طرف طبیعت مائل تھی اور اچھا کہتے تھے اُن کا کلام یہ ہے ؎

تجھے تو مشغلہ اغیار سے رہا تا صبح	تری بلا سے کسیکو گر انتظار رہا
اگر وہ شب کو نہ آئے تو کیا کیا ہم نے	یہ ہی نہ اُن کے نہ وعدہ کا اعتبار رہا
چکھا ئینگے تجھے نازک مزاجیوں کا مزا	اگر ذرا ہمیں دلبر کچھ اختیار رہا

باقر

(**باقر**) اعتضاد الدولہ سید محمد باقر علی خاں برادر خرد ذوالفقار الدولہ ولد سید محمد نقی علی خاں شاگرد مرزا مظفر علی ہنر واجد علی شاہ کے زیر سایہ میٹیا برج (کلکتہ) میں رہتے تھے - تذکرہ سخن شعرا کی ترتیب کے وقت زندہ تھے - صاحب دیوان ہیں اشعار ذیل اُنکی فکر کا نتیجہ ہیں ؎

خاک پروانوں کی تھی بس اور لگن میں کچھ نہ تھا	صبح کے ہوتے ہی ہوتے اُنمیں میں کچھ نہ تھا
کسیطرح سے یہ کم ظرف ہونگے عالی ظرف	حباب لاکھ بڑھے آسماں نہیں ہوتا
نہ مرتا عشق میں تو عاشق دلگیر کیا کرتا	سوا اسکے وصال یار کی تدبیر کیا کرتا
نیش غم نے اسقدر رگ رگ میں سیر کی مخملش	مغز بنکر درد ہر اک استخواں میں رہ گیا
حیرت سانی کی یہاں تک آستان یار پر	مٹ گیا سنگ درجاناں سے خط تقدیر کا

باقر

(**باقر**) نواب محمد باقر خاں لکھنوی - خلف نواب ظہیر الدولہ غلام یحییٰ خاں بہادر وزیر محمد علی شاہ بادشاہ اودھ - کشمیری الاصل اور لکھنؤ کے رئیس تھے - خواجہ وزیر سے ذوق شعر میں مشورہ کیا کرتے تھے - بعد غدر انتقال کیا ؎

غیر کے کہنے سے گو اُس نے چرائیں آنکھیں	ہوگئی صلح جو اک بار لڑائیں آنکھیں
بوسۂ چشم کبھی ہمنے جو مانگا باقر	یار نے چین بجبیں ہو کے دکھائیں آنکھیں

باقر

(**باقر**) باقر خاں ولد عباس خاں رام پوری - شاگرد مرزا حسین علی خاں شاداں - تذکرہ انتخاب یادگار کی ترتیب کے وقت اِن کی عمر ۲۴ سال کی تھی - یہ چار شعر اُنکے ہیں ؎

آہ اک آہستہ کی تھی ہجر میں روزِ ازل
رنگ تیلا ہوگیا اُس روز سے افلاک کا

عطر آگیں ہے ہر اک جھونکا صبا کا دیکھنا
اُس نے زلفیں کھول کر شاید کیا ہے شانہ آج

چلے ہوا اپنے سائے سے بھی بچ کر ؛
وہ ظالم کیا کسی کا آشنا ہو

قبر میں کشتۂ رفتار کا کیا جی بہلے
چاہیے روز نئی ایک قیامت ہم کو

باقر (باقر) باقر علی خاں ولد امجد علی خاں - خویش سبحان علی خاں کمبوہ لکھنوی - شعر و سخن کی طرف مائل تھے - مگر رعایت لفظی کے دلدادہ معلوم ہوتے ہیں - کوئی شعر اس الزام سے خالی نہیں چار پانچ شعر انتخاباً ہدیۂ ناظرین ہیں ؎

حادث ہو کیوں نہ صورتِ عالم ترا دہن
لب بھی نئے نئے ہیں ترے اور نیا دہن

اے بحرِ حسن دانت ہیں سلکِ گہر ترے
موجیں ہیں گال لب ہے حباب آشنا دہن

آگے تو گالی دے کے زباں خوب صاف تھی
اب مُنہ چڑا کے بگڑا ہے کیا آپ کا دہن

باقر ریاضِ شعر میں جو مدفن کی ہے طلب
دا کر مزارِ منجر میں بہرِ دعا دہن

باقر (باقر) اسم نامعلوم - مجموعہ عشاق مولفہ منشی محمد اسمٰعیل ۱۲۰۹ھ میں چند غزلیں نظر سے گزریں اُنکا انتخاب درج ذیل ہے ؎

کلیجہ تھامے ہاتھوں سے مرے گھر روز آؤ گے
کسے دن تو انو کھلائے گا اندوہ و غم اپنا

تمھاری دید کی حسرت میں دیکھو جان جائیگی
کھلی رہ جائینگی آنکھیں نکل جائیگا دم اپنا

شکل تصویر ہو خامہ بشش نقاشہ کیا ہے
بیٹھے بیٹھے کھنچے جاتے ہو یہ نقشہ کیا ہے

باقی (باقی) راجہ کرد ھاری پرشاد معروف بہ محبوب نواز دنت راجہ بنسی بہادر مغفور - آپ قوم کے کایستھ سکسینہ اور راجہ زہری پرشاد خلف راجہ سوامی پرشاد کے فرزند تھے - سنسکرت اور فارسی سے بخوبی ماہر اور کسیقدر عربی سے بھی بہرہ ور تھے - آپ سلطنت آصفیہ کے ایک ممتاز رکن جاگیردار اور حضور نظام کے سچے خیر خواہ تھے فوج باقاعدہ دولت آصفیہ کے رشتہ دار اور دفتر خانسامانی کے منتظم تھے - حضور نظام کے مزاج میں آپ کو ایک خاص

رسوخ حاصل تھا اور اکثر سفر و حضر میں اُنکے ہمرکاب رہا کرتے تھے۔ شاہی تقریبوں اور دربار کا انتظام بھی آپ ہی کے سپرد ہوا کرتا تھا۔ آپ کو شعر و سخن سے دلی رغبت تھی۔ فارسی خوب کہتے تھے۔ فنِ سخن کے دلدادہ اور اربابِ کمال کے بڑے قدردان تھے چنانچہ نواب فصیح الملک مرزا داغ دہلوی کے ابتدائی قیام میں اُنکے بڑے ممد و معاون رہے ۱۳۰۵ھ میں جناب باقی کے دو صاحبزادے (جنمیں سے ایک ۲۵ برس کا نوجوان تھا) یکے بعد دیگرے داغِ مفارقت دے گئے۔ ۱۳۰۷ھ میں آپ کا اُردو دیوان موسوم بہ بقائے باقی منشی دوارکا پرشاد افق کے اہتمام سے چھپا تھا اُسکا انتخاب درج ذیل ہے۔ بھاگوت فارسی۔ کیشو نامہ۔ کلیات یادگار باقی۔ قصائد باقی۔ پرنس نامہ وغیرہ۔ ۱۵۔۱۶۔ رسالہ آپکی تصنیف سے ہیں۔ انکے علاوہ دو صغیر سن لڑکے آپنے یادگار چھوڑے۔ ۶۰ برس کی عمر پاکر ۱۹۰۰ء میں عالم کو سدھارے ؎

اپنے سے جدا خدا کو سمجھا	باقی دیکھا شعور تیرا
چشمِ بلبل سے بنا دو مرے مرقد کا غلاف	جسمیں سب جانیں کہ عاشق تھا کسی گلرو کا
آہ نالے سے نہ نکلا کچھ کام	آسماں تک اسے پہنچا دیکھا
یار کا پاؤں تو عالم کا وہاں سر ہوتا	کانٹے میں بھی دربار کا تھپر ہوتا
دلِ عاشق کے یہ سو ٹکڑے کہاں سے ہوتے	تیغِ ابرو میں جو غمزے کا نہ جوہر ہوتا
یوں تو ہونے کو ہزاروں ہی نئے عاشق ہیں	باقی اک بندۂ دیرین و کہن ہے اُنکا
جامہ زیبوں کی لٹک ان میں کہاں بادِ بہار	تو نے غنچوں کے لئے گو جیب داماں کر دیا
لفظ بسمل جائے بسم اللہ تھا تیرا سبق	تو نے مکتب ہی میں پہلے خوں کیا اُستاد کا
دیکھتے تم کہ شرارت سے یہ شر کیا کرتا	گر اجل سر پر نہ ہوتی تو بشر کیا کرتا
موت آئی ترے عاشق کی بڑی خیر ہوئی	مرضِ عشق ابھی کس کو خبر کیا کرتا
میرے زخموں سے جو چھلکا اُترا	بن گیا پنبۂ مینائے شراب
بات میں پیر جواں ہوتا ہے	زاہد اک دیکھ تماشائے شراب

کہہ رہا ہے دلِ شیدائے شراب — ہائے خُم - ہائے سبو ہائے شراب
پُتلیاں بھر رہی ہیں آنسو — میری آنکھیں ہیں یا کہ ہے پنگھٹ

رفیقو جاں دی ہے جینے کسکے روبرو روشن پر — کہ جائے شمع شعلہ طور کا ہے میرے مدفن پر
شوق سے کرتے مرے صیاد یہ دو چار پر — طاقتِ پرواز کب ہے ہیں کسے درکار پر

شہسواروں کا چھُو لیا دامن — اپنے مشتِ غبار پر ہوں غش

کاٹے کھاتے ہیں غمِ ہجر ضم میں باقی — شمع - سیارے - ستارے - شب دیجور - چراغ
قدرت نہیں جھپکے دمِ نظارہ کبھی آنکھ — تصویر بنا ہے تری تصویر کا مشتاق
لُطفوں سے بحرِ غم کے ہیں باقی ہمیں ہلاک — یاروں کی کشتی ہو نچی ہے ساحل کے متصل
دریا سے موج موج سے دریا نہیں الگ — ہمسے جدا نہیں ہے خدا اور خدا سے ہم
تُو نے مجھکو جو بھلایا تو کیا — میں تجھے یاد کیا کرتا ہوں +
عارضِ یار نہیں عکس فگن پانی میں — گُل شاداب کا پھُولا ہے چمن پانی میں
کیسکے ہے لبِ شیریں کی ہمسری کی سزا — جو نیشکر کے جدا بند بند کرتے ہیں
سب وہی وہ ہے کہاں میں ہوں کسے پوچھتے ہو — من و ما چھوڑ چکا ہوں کہوں کیونکر میں ہوں
نیمجاں خنجرِ قاتل سے میں تڑپا جس دم — بولی شمشیر نہ گھبرا ترے سر پر میں ہوں
تُو بھی سُنتا ہے کہ یہ سب تجھے کیا کہتے ہیں — کتنے بت کہتے ہیں اور کتنے خدا کہتے ہیں
جیتے جی مر گیا جو زندہ جاوید ہوا — وہ جو عارف ہیں فنا ہی کو بقا کہتے ہیں
دوستو مینے یہ مانا کہ شریعت والے — قطعہ — کفر و ایماں کو بُرا اور بھلا کہتے ہیں
لیکن ازراہ طریقت ہے مرا بے سوال — جو کہ دونو سے بری ہو اُسے کیا کہتے ہیں
چھوڑنا عشق کا آساں ہے نکرنا آساں — کیا قیامت ہے کہ عاشق کو ہیں مشکل دونوں

دل میں تو لگی ہے آگ اشکو — کیوں پانی سے گھر بہا رہے ہو
معلوم ہے زرگری تمھاری — کیوں سیم تنو تپا رہے ہو

سنتا ہے تمہاری کون باقی | دیوانے ہو غل مچا رہے ہو

رسم بازارِ محبت کی نرالی دیکھی ✣ | چور کی طرح سے کہتے ہیں خریدار کے ہاتھ
حُسن وہ جنس ہے بازارِ جہاں میں باقی | پھیلے ہیں جسکے لئے مفلس و زردار کے ہاتھ
کعبہ و دیر میں تھے شیخ و برہمن سرکوب | ہم تھے سنگِ درِ دلدار تھا پیشانی تھی
یاد جب کہ نہ تھا ٹھنڈی تھی محفل ساقی | منے گلرنگ صراحی میں تری پانی تھی
حضرتِ فیض کا سب فیض ہے باقی پہلے | نہ سخن گوئی تھی ایسی نہ زباں دانی تھی
چونوں میں تیری کیا کیا فتنے بھرے ہوئے ہیں | یاں سامری کا جادو چلتا نہیں ہے کونی ✣
اپنے کشتے کی زیارت کیجئے | شمع رُخ کو شمع تربت کیجئے
نزع تک بھی اُسکی بے پروائیاں باقی ہیں | جب کہا دم توڑتا ہوں میں کہاں تو نے
مژگاں کا ذکر آیا ابرو کے عاشقوں میں | خنجر یہ پہونچی نوبت تلوار چلتے چلتے
تمہارے حسن کا افسانہ گر مشہور عالم ہو | چھٹے وامق سے عذرا قیس سے لیلیٰ و من مل سے
مجھے انکوں سے رسوائی کا ڈر ہے | مثل ہے گھر کے بھیدی سے خطر ہے
کیا زبوں حال دل رنجور ہے | داغ دل میں داغ میں ناسور ہے
اُسکی مژگاں کا تصور نکرلے دل زنہار | کیوں تو توتا ہے یہ اپنے لئے دام کانٹے
ماہ نو جھکتا ہے مجرے کے لئے | مہرباں نیچے سے اوپر دیکھئے
مست و مجذوب میں نہیں کچھ فرق | مے پرستی خدا پرستی ہے ✣
صنم کا نور دیکھا ہے خدا کے نور کے بدلے | ہوا ہے داغِ دل روشن چراغِ طور کے بدلے

(بالا) سید رحم رسول عرف بالا میاں - ولد سید جمال علی عرف کلو میاں پرستار زادۂ سید شاہ نجات اللہ ماہروی ۱۱۸۰ھ ہجری میں پیدا ہوئے - فن تاریخ گوئی میں عجیب و غریب ملکہ حاصل تھا - بہت سی ایسی تاریخیں کہی ہیں جن کے مطول قطعوں میں متعدد صنعتوں کے ساتھ بے شمار تاریخیں نکلتی ہیں - چونکہ وہ سب فارسی میں ہیں اس سبب سے قلم انداز کی - بالا

گئین آپ ریختہ گوئی کی طرف بھی مائل تھے - چنانچہ اس زبان میں بھی پورا دیواں مرتب کیا تھا- اپنے وقت کی زبان کے موافق اچھا کہتے تھے ۱۲۵۵ ہجری میں انتقال کیا اُنکے قلمی دیواں سے کچھ اشعار انتخاباً لکھے جاتے ہیں ؎

پھر اُس کو دو جہاں میں کس چیز کی کمی ہے
ہے نام جس بشر کو وردِ زباں تیرا

معاصی ہم کچھ تو ہوں میں کیا کیا ترا گناہ
چاہے ہے قتل مجھ سے جو تو خیر خواہ کا

تو جو غیروں کو گلے لے ہے ہر اک آن لگا
اپنی چھاتی سے ہمیں بھی تو کبھی جان لگا

کیا کہوں دیکھنا اُسکا وہ نظر بھر کے آہ
تیر سا تھا کہ کلیجے پہ مرے آن لگا

نالۂ عشاق میں سنتے تھے اک تاثیر ہے
سو مری قسمت میں وہ بھی بے اثر پیدا ہوا

ہائے سُن نالہ مرا بولے وہ کل کس پیار سے
یہ مُوا جی کو مرے اِک نوحہ گر پیدا ہوا

دل سا تو کم جہاں میں گلستاں ہے دوسرا
مرجھائے داغ ایک تو خنداں ہے دوسرا

کیا ظلم ہے کہ دل پہ اِدھر لگ چکا خدنگ
موجود زخم پر دو ہیں پیکاں ہے دوسرا

اب غم ہمیں فلک یہ دکھاتا ہے دوسرا
بھاتے تھے ہم جسے اُسے بھاتا ہے دوسرا

نالاں ہوں زر و غم کے میں ہاتھوں سے اسقدر
ضبط ایک کو کروں تو ستاتا ہے دوسرا

دیتے ہیں اب تو ایک ہی بوسہ پہ دل کو ہم
لینا ہو لو نہیں لئے جاتا ہے دوسرا

باتیں یہ میٹھی میٹھی ہم کچھ نہیں سمجھتے
بوسہ بھی دو تو دل سے کرتے ہیں جاں بلا

یار جو تجھے سو چل بسے بالا ✤ تو بھی جلد اب قدم یہاں سے اُٹھا

دل جب سے لگا اُس بتِ ناداں سے اپنا
لگتا ہی نہیں جی کسی عنوان سے اپنا

آباد کر قدم سے اپنے کبھو تو پیارے
تجھ بن یہ خانۂ دل ویراں ہے ہمارا

جی تک جو چاہو لے لو دیں ہیں تمہیں مگر
روٹھو نہ ہمسے اسمیں نقصاں ہے ہمارا

سب چھوٹنے سے کیوں تو ہوتا ہے یار ناخوش
تیرا تو مصحفِ رُو ایماں ہے ہمارا

قطعہ

کیا ہی طمع ہیں بُرے اپنے کل اُس شوخ کے آہ
جو ہیں پاسے دم پا بوس مرا ہاتھ لگا

وہ ہیں کیا کہتا ہے جا اب تو تجھے چھوڑ دیا | مار ہی ڈالوں گا کبھو پھر جو ترا ہاتھ لگا +
لوگ کشتہ کو ترے دیکھ لئے جاتے ہیں | دو قدم اُس کو موئے پر تو بھلا ہاتھ لگا
جی اُٹھوں کیا ہے تعجب وہ دمِ آخر بھی | دیوے بالا مرے تن سے جو ذرا ہاتھ لگا +
دی ہے ہر گل کو صبا میں ہے یہ تاثیر کھلا | غنچۂ دل نہ مرا پر کسی تدبیر کھلا
سیر ہوتا ہی نہیں لذتِ دلدار سے دل | جانے دی عشق نے کیسی اسے اکسیر کھلا
آپ بیکل ہے رکھے ہے مجھے نت کل کل میں | جی میں ہے زہر دوں دل کو کسی تدبیر کھلا
دیکھ بے رحم وہ یوں کہتا ہے گریہ کو مرے | پڑ گیا ہے ترے کیا دیدۂ تر میں تنکا +
عید قرباں میں نہ کیوں اپنا گلا کاٹوں میں | اُسنے پکڑا تھا مجھے ذبح کو - پر چھوڑ دیا
دوسرا دل جو تو مانگے ہے کہاں سے تجھے دوں | ایک دل تھا سو میں صدقے ترے کر چھوڑ دیا
ہے یہ وہ چشم کہ تنہا نہ زمیں جاوے ڈوب | مُنگ جو روؤں بخدا عرش بریں جاوے ڈوب

بے لے دھڑک بال کھولے نکلے ہو | شام دیکھو نہ تم سحر صاحب

کیا جی کو خوش آتا ہے کہ جس وقت وہ سنکر | کہتا ہے مجھے آئے شیطاں کی صورت
کیا کہیں حالِ دلِ زار کہ کچھ پوچھو مت | غم سے ہے اب تو یہ بیمار کہ کچھ پوچھو مت
تھمتے نہ اشکِ خوں میں نہ مٹتا ہے سوزِ دل | بیطرح کچھ بھڑکتی ہے آتش جگر میں آج
نامہ و شوق و پیام و عجز سب کچھ کر چکے | نامہ بر تو ہی بتا کچھ اُسکے یہاں آنے کی طرح
جو جدائی میں جئے بن یار وہ عاشق نہیں | سیکھ لے بلبل تو پروانے سے مر جانے کی طرح
بے اختیار مجھکو ابھی چاہنے لگے | میرے جو حال سے ہو وہ محرم کسی طرح
کیا غضب ہے دیکھ کل چھاتی پہ میرے زخمِ گل | فحلہ یون لگا کہنے وہ کر چہرہ بتِ عیار سرخ
خوف چوری کر کے بیٹھے ہو کہیں مارے بخاؤ | سچ بتاؤ تمنے یہ پائیں کہاں دینار سرخ
لاش دیکھو مری لنکا در جاناں پے ضرور | ہو کسی پر نہ کوئی شیفتہ تا مرے بعد
قیس بھی چونک پڑا سنکے مرا شورِ جنوں | بولا شاباش بڑا نام کیا مرے بعد

میں دیکھنا تو اُسے ہوں پہ رشک آتا ہے
کہ خود نظر ہی نہ میری کہیں لڑائے نظر

یہی ہے جی میں کسُو کو نہ دیکھنے واں تجھے
رکھوں میں آنکھوں نکے بہتر تجھے بجائے نظر

ملاؤں کسطرح گل سے دلِ پُرداغ کو گلچیں
یہ گلدستہ بنایا ہے غم کے داغ سے سہ کر

ہزاروں نیک و بد ادھر اُدھر سے آتے جاتے ہیں
یہ کیوں ہنستا ہے میخانہ میں شیشہ اتنا قہقہ کر

صبا کیا دل میں گزرا کر یاد آتے ہی شب کو
رکھتا تھا بغچۂ غنچہ کو شبنم نے جو تہ تہ کر

جس شب نہیں آتا وہ یہاں وعدہ گسل ہائے
قسمت سے وہ شب بھی مری بر آجائے ہے کچھ اور

آپ کو خاک کر دیا تو بھی
پائی اُسکی نہ خاک پا ہرگز

یوں تو عشاق ہیں کتنے کو ہزاروں بالا
خاص بندے ہیں پہ اُس شوخ دلارام کے ہم

شب اُٹھائے گئے اُس بت کے جو دربار سے ہم
رہ گئے سوئے فلک دیکھ کے تا چار سے ہم

غرور و جور و ستم کج ادائیاں دیکھیں
سُنی تھیں جو جو کہ تجھ میں برائیاں دیکھیں

پھر ہجر کا جگر پہ لگا تیر کیا کریں
تقدیر جب اُلٹ گئی تدبیر کیا کریں

طالب ہیں اُسکے دیکھے سے جسکے ہو کشتہ دل
لیکر یہ سیم و زر کی ہم اکسیر کیا کریں ؛

جب میں مانگوں ہوں عوض دیکھ لبوں کا بوسہ
ہنس کے کس پیار سے کہتا ہے یہ دستور نہیں

جسکے لئے جاتے ہو حرم کو سو وہ تھا ہی پاس سے شیخ
چشم یقیں سے دیکھو بھری ہے ساری خدائی مسینیں

دختر رز کی خدا اِس دور میں حرمت رکھے
محتسب اور شیخ دونو لگ رہے ہیں تاک میں

جام مئے الفت سے دل مست ازل کا ہے
بیخود اسے کہتے ہیں مخمور اسے کہتے ہیں

ہمسایۂ تک یہ کہتے ہیں سنکر فغاں مری ؛
اِس بیقرار کو کہیں یارب قرار ہو

آنکھ لگا کر جی کو گنوایا لینا ایک نہ دینا دو
دام بلا میں دل کو پھنسایا لینا ایک نہ دینا دو

عجب سج دھج سے نکلا ہے وہ کافر گھر سے اے بالا
خدا کے نور کا منظر نہ دیکھا ہو تو یہ دیکھو ؛

ہائے بیمار پڑے تو بھی نہ اُس کافر کے
جی میں آیا یہ کبھو چل کے ذرا دیکھیں تو

چار دن کی بہار ہے پیارے
حُسن پر اتنا مت گمان کرو

اُسکا ہی لیویں دل اور اُسی کو کریں خراب
ان ظالموں سے پھر کوئی کیسے وفا کرے

جو صدائے قم باذنی لب نازنیں سے نکلے
موئی امتِ مسیحا وہیں سُن زمیں سے نکلے

بخدا نقاب کھینچے جو ذرا وہ مُنہ سے کافر
تو نہ پھر یہاں میں ہرگز کوئی اہلِ دیں سے نکلے

دل کیا یہ جی بھی تم پہ ہے قربان لیجئے
لیکن مرے کہے کو ذرا مان لیجئے

جس نام کے لئے سے ہو ہر درد کو شفا
نام اُس صنم کا کیونکہ نہ ہر آن لیجئے

دل و جاں دیا تجھکو تسپر بھی ہے یہ
نہ کی تو نے کچھ قدردانی ہماری

اُس نے دشمن کو مرے عشوہ گری دکھائی
دے مری چشم نہ کیوں خوں سے بھری دکھائی

سانس ٹھنڈی نہ یہ کیوں عاشقِ حیران بھرے
رات دن در پہ ترے رہتے ہیں دربان بھرے

خون سے کل تو نے تو تھے تیر دنکے پیکان بھرے
آج کیوں مجھ سے بھر آئے ہو مرے جان بھرے

ہووے گا ترا ورد زباں نام وہاں بھی
جب حشر کو ہم حکم سے داور کے اُٹھیں گے

کچھ پتنگا ہی نہ چھوڑے شمع کو آگے ترے
شمع خود تجھ پر ہو پروانہ لگن کو چھوڑ دے

ہو حسن کا تیرے کیوں نہ چرچا فلک کے اوپر زمیں کے نیچے
کہ نالۂ واشک اپنا گزرا فلک کے اوپر زمیں کے نیچے

اُدھر ہے نالوں سے عرش لرزاں اُدھر ہو اشکوں سے فرش بالا
کیا ہے غم نے یہ حشر برپا فلک کے اوپر زمیں کے نیچے

کوئے جہاں کا رہا ہی میں جو سارے دن خیال
رات بھر ہم خواب میں باغِ ارم دیکھا کئے

مرتے دم بھی ہم نہ مُنہ قاتل کا مارے شوق کے
تیغ سے جب تک یہ ہو گردن قلم دیکھا کئے

(بحر) شیخ امداد علی لکھنوی - خلف شیخ امام بخش - شاگرد رشید شیخ امام بخش ناسخ - آپ کے اُستاد اور اُستاد بھی مستند ہونے میں کسیکو کلام نہیں - تلاش اچھی - بندش چست - خیالات درست یہ تمام خوبیاں انکے کلام میں موجود ہیں - اور سب سے بڑھکر وہ صفت جو خاص ہی خاص شاعروں کو میسر ہوتی ہے یعنی درد - آپکی عمر کا بڑا حصہ لکھنؤ میں ہی گزرا مگر ہمیشہ آفات زمانہ کے ہاتھوں دق اور پریشان رہے لیکن طبیعت کی جولانی بڑھاپے میں بھی جوانی کا زور دکھاتی رہی - آخر عمر میں نواب کلب علیخاں والی رامپور نے دستگیری فرمائی اور رامپور طلب کرکے

بحر

فکر معیشت سے آزاد کر دیا - انکے کلام میں استعارہ بندی کے ساتھ ساتھ سلاست وصفائی بھی اپنا رنگ دکھاتی ہیں - کلام میں آورد کم اور بے ساختہ پن بلا کا ہے - عروض میں آپ کو اچھی دستگاہ حاصل تھی - انکے بحر سخن سے بہت لوگ سیراب ہوئے - ۷۵ برس کی عمر پاکر ۱۳۰۰ھ میں انتقال فرمایا - دیوان جسکی تدوین انکے دوست نواب سید محمد خاں رندنے کی تھی عرصہ ہوا چھپ چکا ہے - انتخاب زیب تذکرہ ہے ۵

کبھی جو باجے کی لہر آئی تو ہوش اُڑائے وہ شے بجائی
جُنوں کے بولوں پہ گت بتائی چھلا وہ نکسار آ

بتو خدا پہ رکھو معاملہ دل کا ۔ بُرا بھلا نہیں ہو جائے فیصلہ دل کا
بہک کے کوئی گیا دیر کو کوئی کعبے ۔ عجیب بھول بھلیاں ہے مرحلہ دل کا

رباعی

احباب سے کوئی ہم کو پیارا نہ ہوا ۔ بیخ اُن کا کسی وقت گوارا نہ ہوا
افسوس ہے دست و پا سے زور و زر سے ۔ ہم سب کے ہوئے کوئی ہمارا نہ ہوا

تارک دنیا کسی ملت میں بیگانہ نہیں ۔ لاکھ گلیوں میں گزرتا ہے فقیر اللہ کا
ہرگز نہ رُک سکے گا جو روکیں گے دو پہاڑ ۔ پونہچے گا بحر جو ہے تمہارے نصیب کا

حلاوت زندگی کی ہے ملاقاتِ احبا میں ۔ مزا مردے کو تنہائی کا ہے زندے کو صحبت کا
آدمی کیا دیو ہوتا ہے اطاعت سے مطیع ۔ یہ ہمارے تجربہ میں ہے عمل تسخیر کا

صندل کی نہ بو جائے گی پیسو کہ جلاؤ ۔ تمنا ہے منائے سے کہیں نام کسی کا
راز پوشی سے کبھی ہاتھ اُٹھایا نہ گیا ۔ نبض دکھلا کے مرض اپنا بتایا نہ گیا

جادۂ دل پہ قدم ماریہ ہے سیدھی راہ ۔ در گذر کوئے حرم سے وہ ہے رستہ اُلٹا
باغباں بلبل شیدا کی یہی ہے تعزیر ۔ شاخ گل میں اسے پر باندھ کے نکا اُلٹا

نہ تو وہ پھول نہ کلیاں نہ وہ سبزی نہ بہار ۔ رُت کے پھرتے ہی چمن زار کا تختہ اُلٹا
کیا کیا نہ مجھ سے سنگدل دلبروں نے کی ۔ پتھر پڑیں سمجھ پہ نہ سمجھا کسی طرح

آبرو کھوئی ہے محوِ رخِ زیبا ہو کر ۔ بیڑیاں پہنی ہیں اس زلف پہ شیدا ہو کر

دل کو اسوا سلے پہلو سے جدا کرتا ہوں
آرزو ہے کہ ملوں یار سے تنہا ہو کر

ق
مجھکو نہ سلائیں ساتھ اپنے
حسرت سے یہ کہدیں مسکرا کر
آرام کیا کروں میں جب تک
آنکھیں تلوؤں سے تو ملا کر

جبکہ فرہاد سے شیریں نے یہ ایکدن پوچھا
کیا بنی تجھ پہ ترا شنے گئے کیونکر تیشہ

ق
کوہکن نے یہ کہا جان حقیقت تو یہ ہے
نرم معلوم ہوا مجھکو سراسر تیشہ
ڈھا دیا کوہ مگر بس نہ چلا کچھ تجھ پر
سخت دیکھا نہ ترے دل کی برابر تیشہ

دوپٹے کو آگے سے دھرانا اوڑھو
نمود اچیزیں چھپانے سے حاصل

قسم کھاؤ انکی جنہیں چاہتے ہو
میرے سر کی سوگند کھانے سے حاصل

وصل جاناں نہ ہوا وقتِ وصال آپہنچا
وائے حسرت کہ رہی دل کی تمنا دل میں

شکر کیسے میں کلیسا میں بھٹکتے نہ پھرے
اپنے دلبر کا پتا ہمنے لگایا دل میں

جان کے دشمن نہ یہ ارمان کر
دل لگا کر آدمی پچتا نہیں

ظالم ہماری آج کی یہ بات یاد رکھ
اتنا بھی دل جلوں کا ستانا بھلا نہیں

دو باتیں کرلوں ایک نظر دیکھ لوں ترے
اسکے سوا کچھ اور میرا مدعا نہیں

مدت سے التفات مرے حال پر نہیں
کچھ تو کجی ہے دل میں جو سیدھی نظر نہیں

تری رکھائی کے صدقے ترے نثار ہونہیں
گلے سے آ کے لپٹ جا کہ بیقرار ہونہیں

بُرا مان جاؤ گے منہ پھیر لوگے
نہ پوچھو قسم دے کے کیا چاہتا ہوں

معاف کیجئے ایسی خطا نہ ہوگی کبھی
برا کیا تمھیں چاہا گناہ گار ہوں میں

ق
ایک پرزے پہ لکھ کے یہ دو حرف
دوستو یار کو روانہ کرو
جلد آؤ کہ دم نکلتا ہے
مجھکو پیٹو اگر بہانہ کرو
جاں نکلے ہجوم غم میں کیونکر
کچھ بھیڑ چھٹے تو راستہ ہو

کبھی نہ دنیا میں چین پایا ہمیشہ رنج و الم اُٹھائے
یہاں کے رہنے سے ہاتھ اُٹھایا چلے عدم کو قدم اُٹھائے

سرایئے دل جگر ہمارے وہ آگ بھڑکی کہ اُڑ گئے شرارے
فرشتے بھی لامکاں پکارے وہ داغ دیکھے وہ غم اُٹھائے

شراب ٹالینگے خضر سے بھی طلب نہ آبِ بقا کرینگے
سرور میں لطفِ زندگی ہے خمار میں جی کے کیا کرینگے

نہ مانیں گے ہم کسیکا کہنا کسیکا ہمیں ہے کیا اجارہ
یہ دل تو کیا ہے جو دل نے چاہا تو جان اپنی فدا کرینگے

اب اپنا انہیں نہیں گزارا ہوں سے دل پھٹ گیا ہمارا
کرینگے بتخانہ سے کنارہ حرم میں یادِ خدا کرینگے

کبھی ہے بُردا کبھی ہے پچھوا ہوائے دنیا کا کیا بھروسہ
یہاں کے پھولوں پہ ہو نہ شیدا نہ چار دن دیدہ وری کرینگے

مایوس نہ کوئی بشر فضلِ خدا سے
مرتے ہوئے بھی ہاتھ اُٹھائے نہ دعا سے

بخیر انجام ہے جس کا وہ ہے خود رنگی اپنی
چلے تھے ہم کلیسا کی طرف کعبے کو جا نکلے

صورتِ روح میرے دل میں گزر اُسکا ہے
صورتِ نور میری آنکھ نہیں گھر اسکا ہے

یار صیاد ہے اور اسکی نظر ہے شہباز
میں شکار اسکا ہوں طلمہ یہ جگر اسکا ہے

یکرنگ آشنا نہیں ہمنے پرکھ لیا
مُنہ پر کھرے ہیں آپ مگر دل میں کھوٹ ہے

جسکے عاشق ہیں تصور میں وہ ہر آن رہے
ہم رہیں وجد میں دل بار پہ قربان رہے

بے زری کا نہیں کچھ غم یہ بڑی دولت ہے
آبرو اپنی سلامت رہے ایمان رہے

محتسب شیشہ و ساغر کو سمجھ کر توڑے
دل نہ ٹوٹے کسی مسکیں کا ذرا دھیان رہے

میرا لہو چٹائے گا جب تک نہ تیغ کو
قاتل کو دہنے ہاتھ کا کھانا حرام ہے

شکوہ نہ کر ازل سے یہی کارخانہ ہے
آج اُسکا دور ہے تو کل اُسکا زمانہ ہے

اسکی نگاہِ قہر ہے اپنی نگاہِ مہر
ہم اُسکے ہیں ہدف وہ ہمارا نشانہ ہے

یہ دی ہے بیکلی تو نے کہ دلمیں ہے یہی کل ہے
میں دھو کر زندگی سے ہاتھ پونچھوں تیری آنچل سے

جو ڈھا کچھ اس ادا سے کھلا ہم تو مر گئے
بنفشیں چھٹیں جو بال کسی کے بکھر گئے

نکلے خزاں میں باغ سے یہ کہہ کے ہمصفیر
دیکھیں گے پھر بہار اگر آب و دانہ ہے

آسائشِ بجا سے مسرت نہیں ہوتی
سو جانیں اگر پاؤں تو راحت نہیں ہوتی

آنکھیں نہ جینے دیں گی تیری بیوفا مجھے
ان کھڑکیوں سے جھانک رہی ہے قضا مجھے

زلف کھولے ہوئے مقتل جو وہ یکبار چلے
ایک رسّی میں بندھے سارے گنہگار چلے

بھیجدے تھوڑا سا پانی اپنے اوپر وار کے
وقتِ آخر مُنہ میں ٹپکا دیں ترے بیمار کے

حُور بنکر ترے کشتے کی قضا آتی ہے
دامنِ تیغ سے جنت کی ہوا آتی ہے

بسملِ ہجر سے پوچھے کوئی مرنے کی خوشی
جان آتی ہے بدن میں کہ قضا آتی ہے

وہ مسیحا اگر آئے تو ٹھہر جاؤں میں
نفسِ بازپسیں سے یہ صدا آتی ہے

داغ کو کیوں نہ کلیجے سے لگائے رکھوں
مجھ کو اس پھول سے خوشبوئے وفا آتی ہے

جاؤں کسی طبیب کی خدمت میں کس لئے
جس نے مرض دیا وہی دیگا شفا مجھے

جان کیا چیز ہے آئی پہ نہ چُوکے انساں
مرمٹے بات پہ اتنی تو حمیت رہے

اے بتو ہم تو سمجھتے تھے مسیحا ہو تم
بے اجل مارا خدا تمکو سلامت رکھے

یہی لاتا ہے خرابی یہی کرتا ہے ذلیل
بادشاہی ہے اگر دل پہ حکومت رکھے

پردہ دوئی کا اُٹھ گیا وحدت کی آنکھ سے
دیکھا مجاز کو جو حقیقت کی آنکھ سے

اے بحرِ قلب روح کی تسخیر سیکھ لے
الطاف کی زبان خفقت کی آنکھ سے

نقاب میں نہیں ہو جہ مُنہ چھپائے ہوئے
کسی غریب کا آتے ہیں اُٹھ کھائے ہوئے

نہ پوچھو کس لئے آنسو ہیں ڈبڈبائے ہوئے
کسی جگہ سے ہم آتے ہیں چوٹ کھائے ہوئے

کسی کے مُنہ سے نہ نکلا ہمارے دفن کے وقت
کہ ان پہ خاک نہ ڈالو یہ ہیں ستائے ہوئے

خدا پناہ میں رکھے تمھاری پلکوں سے
ستم کی فوج کھڑی ہے پرا جمائے ہوئے

کہو یہ قافلہ والوں سے ہم بھی آتے ہیں
بڑھے بچاؤ خدارا قدم بڑھائے ہوئے

بچا نہیں کوئی گھائل تمھارے ابرو کا
یہ دونو نیچے ہیں زہر کے بجھائے ہوئے

بچھڑ گیا ہے میاں بحر سے کوئی شاید
اِدھر اُدھر پڑے پھرتے ہیں تلملائے ہوئے

کٹی برسات بحر اس سال بھی فریاد و شیوں میں
خبر ہمکو نہیں بادل کدھر آئے کدھر برسے

تصور میں اِک عالمِ بیخودی ہے
خبر یہ نہیں مجھکو میں ہوں کہ تو ہے

نجت (**نجت**) حکیم قیام الدین جونپوری شاگرد امیر مینائی - پہلے فکر تخلص تھا - جونپور سے ایک رسالہ بھی آپ نے شائع کیا تھا - مذاقِ سخن اچھا ہے - کلام ملاحظہ ہو ؎

گرائی بجلی جو اے چرخ ٹوٹ پڑ تو بھی
اُٹھا نہ رکھ کوئی بیداد آشیاں کے لئے
چڑھے ہے جو ابروئی پُرخم نظر ہے سیدھی
یہ تیر خوب ہی موزوں ہے اس کماں کے لئے

ایک بوسہ پہ مانگتے ہو دل
کبھی سودا کوئی لیا بھی ہے

نجت (**نجت**) منشی سید امیر حیدر صاحب نجت خلف الصدق میر صادق حسین نشنر باشندہ آگرہ رسالوں میں آپ کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے نو مشق نوجوان ہیں مشق سخن جاری رہی تو اچھا کہنے لگیں گے - کلام حاضر ہے ؎

شبِ وعدہ جھنجھلا کے لگانا کسی کا
نہ آنے کی خاطر بہانہ کسی کا
کچھ اچھا نہیں ہے ستانا کسی کا
بُرا ہوتا ہے دل دکھانا کسی کا
جو آئے تو کیا دی تسلی کسی کو
برابر ہے آنا نہ آنا کسی کا
بدلتے ہو بوتم آنکھ پل میں
بھروسہ کیا تمھاری دوستی کا
گلا ہم تیغ سے خود کاٹ لینگے
مری جاں کام اُنکا ہے کسی کا

راز اُسکے عشق کا عالم میں افشا ہو گیا
میں تو رسوا ہو چکا تھا وہ بھی رسوا ہو گیا
مر گیا عاشق تمھارا پائی سنہ مانگی مراد
دل میں خوش ہو لو تمھارا اب تو چاہا ہو گیا
کیا نوید جاں فزا تھی تیرے آنیکی خبر
یک بیک حالِ مریضِ عشق اچھا ہو گیا
بے مانگی سے غم کریں کیا اہلِ قناعت
رکھتے ہیں نظر سوئے خدا اہلِ قناعت
رہتے ہیں غنی فقر کی دولت سے ہمیشہ
خواہاں نہیں دولت کے ذرا اہلِ قناعت

نہیں مطلب نکلنا راستی سے
غلط تکذیب باطل فکر جھوٹ
کسی کو راست گوئی میں مزا ہے
کسیکے واسطے راحت فزا جھوٹ
چھپا لو جا ہے آج اے کاذبو تم
چھپے گا کسطرح روزِ جزا جھوٹ

عزو وقار ہم پہ مریں تب تو لطف ہے		یہ بات کیا کہ ہم مریں عز و وقار پر
وائے قسمت کب عبادت کیلئے آیا ہے وہ		جبکہ بیمارِ محبت میں رہا کچھ بھی نہیں
دیکھئے تو مل کے خوں بسمل کا اپنے ہاتھ میں		اسکے آگے شوخیٔ رنگِ حنا کچھ بھی نہیں
پائی بیگانگی یگانہ میں ✤		کوئی اپنا نہیں زمانے میں
بچا کر دامن اپنا آج بسمل سے نکل جاؤ		کہاں جاؤ گے تم دامن بچا کر دیکھیں محشر میں
جگر دوں خانۂ دل میں بچھاؤں ہر قدم مکھیں		خدا وہ دن تو دکھلائے کہ تم آؤ مرے گھر میں
یہ کیا کہتے ہو تم سے بخت ہو سکتا ہے برگشتہ		مقدر یہ نہیں اپنا کہ جو پھر جائے دم بھر میں
انداز وہ کہ فتنہ محشر نثار ہو		شوخی تو دیکھو بیٹھے ہیں کیسے غریب سے

بخشی (بخشی) میر محمد علی نام اور در بنولا حیدر آباد دکن جائے قیام ہے مرزا سالک دہلوی سے فیض پایا ہے یہ آپکا کلام ہے ؎

دلِ عاشق کا اب خدا حافظ		شوق ہے اُن کو دلربائی کا
کیا جا کے واں ہوا ہوں خجل اضطراب میں		وہ پوچھتے ہیں قصد کدھر ہے جناب کا
رہا بھی ہو کے کرینگے نہ قصد جانے کا		قفس میں لطف ملا ہم کو آشیانے کا
ذکرِ حورانِ دہر کر واعظ ✤		چھوڑ روزِ شمار کی باتیں
نہ کیجے مجھے دیکھ کر آنکھ نیچی ✤		کوئی تاڑے گا زمانہ بُرا ہے
عجب دشتِ وحشت میں بخشی نے دی جاں		ملا ہائے جسکو نہ دو گز کفن بھی

بخشی (بخشی) منشی خاکسار حسین نام - سلطانپور ضلع اودھ کے رہنے والے اور اُردو فارسی دونو زبانوں میں فکر سخن کرتے ہیں - کلام سے پایا جاتا ہے کہ تفنن طبع کے طور پر یا جذباتِ دل سے مجبور ہو کر شعر کہتے ہونگے ورنہ اس فن کی طرف کچھ خاص توجہ نہیں معلوم ہوتی مختصر سے دو دیوان بھی شایع کر چکے ہیں - بہرحال یہ انکا کلام ہے ؎

ہر باغ میں گلزار ہمارا نظر آیا		بلبل میں وہی یار ہمارا نظر آیا

عجب نامِ خدا محبوب ہے وہ — فدا جس پر مری جاں سر بسر ہے
حبیب تک اس دہرِ فانی میں رہے — بے خبر ہم زندگانی میں رہے

بدر (بدر) میرزا ابلاقی گورگانی - خلف شاہزادہ مرزا نصیر الدین شاگرد مرزا پیارے رفعت جوان زیبا شمائل و خوش اخلاق تھے - شعر و سخن کی طرف طبیعت مائل تھی کلام ملاحظہ ہو ؎

سُن لینا ایک دن کہ اسے غم نے کھا لیا — غم کھائے گا یونہیں جو یہ غمخوار آپ کا
اے بدر گاہ گاہ ہے اب تک تو دردِ دل — پکڑے کہیں نہ طول یہ آزار آپ کا
اِک کشتیٔ طوفاں زدہ گردوں کو بنایا — اے مدعے گریہ میرے اس دیدۂ تر کا
کہتا وہی ہے "اور محبت بتوں سے کر" — کہتا ہوں جس سے حال دلِ بیقرار کا
گھٹنا نہ خاک ہوئے پر بھی کچھ وقار اپنا — ہمیشہ دوشِ صبا پر رہا غبار اپنا
اپنی ہی پرسش میں ہو گا ختم وہ ہنگامہ سب — گر قیامت میں ہمارے حال کا دفتر کھلا

تو نہ آتا تری آواز تو آیا کرتی ؎ — گھر بھی قسمت سے تری گھر کی برابر نہ ہوا

در بدر مجھ کو لئے پھرتی ہے وحشت دل کی — گاہے گاہے تیرے کوچہ میں بھی آ جاتا ہوں
وہ لب اور ان سے مجھ کو ملانے کی آرزو — جن کو دعا بھی دوں تو کہیں یوں کہ مر کہیں
میں اگر جاؤں تو نکلے مطلبِ دل کچھ نہ کچھ — میرا جانا اور ہے قاصد کا جانا اور ہے
کیا ڈر ہے جو چرخِ ستم ایجاد غضب ہے — اپنی بھی یہ آہِ دلِ ناشاد غضب ہے
جادو ہے نگہ غمزہ ستم چال قیامت — انداز ترا قہر ہے بیداد غضب ہے
چارہ گر کھینچ لے اس دل کو بھی پیکان کے ساتھ — گر یہی دل ہے تو دل بھی نہیں درکار مجھے

بدر (بدر) نواب مرزا ہدایت علی خاں - نبیرۂ نواب مستقیم الدولہ مرحوم فروغ لکھنوی کے شاگرد حیدر آباد میں مقیم ہیں ؎

شبِ وصل میں ہائے کیا کیا نہ تھے — بگڑنا کسی کا منانا کسی کا
وہ نازِ دمِ نازِ محبت کی باتیں — وہ تیغ اُٹھنے ہی سر جھکانا کسی کا

لگاوٹ آپکو اے دلربا نہیں آتی
وفا کی جس میں ہو بو وہ ادا نہیں آتی
دل کو بیچین کئے دیتا ہے جوبن کا اُبھار
کسطرح سینہ سے آنکو نہ لگائے کوئی

(بدر) منشی سید امیر حسن آردی - حضرت صفیر بلگرامی کے شاگردوں میں نامور ہیں - اور یہ اُن کا کلام ہے ؎

بدر

تاثیر بارے اتنی تو دکھلائی یار نے
محفل سے اپنی غیر کو تم نے اُٹھا دیا
اے خفتگانِ خاک سناؤ تو کچھ مجھے
کس کا فسانہ کہہ کے اجل نے سُلا دیا

فغاں کا ہماری اثر دیکھ لینا
جہاں ہوگا زیر و زبر دیکھ لینا
نشاں دل کا اُٹھ اُٹھ کے تیرِ نظر کو
بتا دے گا دردِ جگر دیکھ لینا
تمام تیرا لے کے چلاتی ہے روح
جب ہجوم غم سے گھبراتی ہے روح
پیمانِ یار کیطرح ٹوٹے گی لاکھ بار
توبہ کا اعتبار نہیں کچھ شباب میں
رونا تمام شب ہے تڑپنا تمام دن
میں دل لگا کے ہائے پھنسا کس عذاب میں
خلش نوکِ مژہ کی کچھ نہ پوچھو
انی برچھی کی سینے میں گڑھی ہے

(بدر) منشی سید مصطفےٰ حسین عزیز و تلمیذ شبیر حسین نسیم بھرت پوری ارشد تلامذہ حضرت داغ مرحوم قصبہ ہرسر ریاست بھرت پور انکا وطن ہے مگر یہ خود اور اُنکے اباؤ اجداد بوجہ روزگار خاص بھرت پور ہی میں عرصہ سے قیام رکھتے ہیں - سنہ ۱۸۷۶ء سال پیدائش ہے عنوان شباب سنہ ۱۸۹۵ء سے جناب نسیم کے فیضانِ صحبت سے شعر کہنے لگے محکمہ محلات میں محافظ دفتر ہیں - اب کچھ عرصہ سے فکرِ سخن کا کم اتفاق ہوتا ہے تاہم خوش فکر ہونے میں شبہ نہیں - کلام مرسلہ کا انتخاب درج ذیل ہے - ملاحظہ ہو ؎

بدر

میں روزِ حشر شرکتِ عصیاں سے ہوں خجل
رحمت ہے شاد مجکو گنہ گار دیکھ کر
اچھے بُرے کا فرق رہے بزمِ غیر میں
لینا جو دل تو اے نگہِ یار دیکھکر
کوئی موقعہ محل ہو گر اے بدر
اُن سے کچھ اپنا عرضِ حال کریں

یوں ہیں کیا ہاتا پائی میں مرجاں صبح کردوگے
مزہ دیتی بھی ہے تو وصل میں تکرار تھوڑی سی

بھلا اک جام سے کیا سیر ہونگے رند ایساتی
خدا کے واسطے دے اور میرے یار تھوڑی سی

لگی ہوئی ہے سوئے جام تاک واعظ کی
چھٹک دو تھوڑی سی رند و نظر گزر کے لئے

چارہ گر خیر ہے ہوا کیا ہے
مرضِ عشق کی دوا کیا ہے

ایک دل تھا وہ دے چکا تم کو
میرے پہلو میں اب دھرا کیا ہے

کسی پہلو نہیں ہے چین اسے
دل کو کیا جانے ہو گیا کیا ہے

ہر دم نظرِ بد سے بچاتے ہیں یہ تجھ کو
ہو جاتی ہیں زلفیں تیرے رخسار کے آگے

دل بیچتے تھے تم تو یہ اے بدر ہوا کیا
کیوں ہو گئے خاموش خریدار کے آگے

بدر (بدر) منشی حسن افضل بدایونی - دور موجودہ کے موزوں طبع نوشق اور یہ اُنکا کلام ہے

ہمارِ محبت کو سنبھلتے نہیں دیکھا
آئی کو کسی کے کبھی مٹتے نہیں دیکھا

تصویر میں اُترا نہ فروغِ رخِ روشن
سانچے میں کبھی دھوپ کو ڈھلتے نہیں دیکھا

ہم خاک نشینوں سے ہے اس درجہ کدورت
مٹی کا انہیں عطر بھی ملتے نہیں دیکھا

ظالم کو بھی ہوتا ہے کسی شے کا سہارا
ھتیار کو بے ہاتھ کے چلتے نہیں دیکھا

جناب شیخ مٹے گا کبھی نہ داغِ جبیں
یہ روسیاہی کا دھبا ہے نقشِ پا تو نہیں

جو دل گیا تو گیا جاں کیوں نکلتی ہے
یہ بت حسیں ہیں طرحدار ہیں خدا تو نہیں

بس اب تو دردِ جدائی سے دل لگائینگے
بلا سے کچھ سہی تم سا یہ بیوفا تو نہیں

گلے میں ڈال کے باہیں وہ پیار سے کہنا
تمہیں ہماری قسم ہم سے کچھ خفا تو نہیں

برتر (برتر) نواب حامد الدولہ سید محمود علی خاں بہادر برتر لکھنوی - خلف الصدق آغا جلیس الدولہ مصاحب الملک لطافت رقم آغا سید علی خاں بہادر مستقیم جنگ مصاحب سلطان عالم واجد علی شاہ بادشاہ اودھ بادشاہ مذکور کے زیر سایہ عاطفت کلکتے میٹابرج میں امیرانہ شان سے رہتے تھے - جب ۱۸۸۴ء میں مرزا داغ مرحوم کلکتے گئے تھے اُسوقت

کے مشاعروں میں یہ بھی شریک ہوئے تھے - فنِ سخن میں خاص بادشاہ کے شاگرد تھے بادشاہ کی وفات کے چند ماہ بعد سٹیم لانچ میں شہر سے میٹا برج آتے ہوئے غرق دریا ہوئے اُنکے کلام کا انتخاب ہدیۂ ناظرین ہے ؎

بکھرے بالوں کو بٹھاؤ رو بے عالم تا بے	لوگ گھبرا کر کہیں گے ماہِ کامل کیا ہوا
اے فلک کیوں شبِ ہجر انکی درازی نہ گئی	ہو گئی باتوں ہی باتوں میں سحر وصل کی رات
پانی میں بھی تو آگ لگاتی ہے تری تیغ	نکلے شرر آبِ دمِ شمشیر باہر
آتے آتے رک گئے آنکھوں میں خونِ لخت جگر	بہتے بہتے لگ گئی کشتی مرے ساحل کے پاس
زمیں سے بھی خدا نے چرخ کو پیدا کیا پہلے	بنی ہے دانۂ گندم سے شاید آسیا پہلے
غضب کی شوخیاں تجھ میں چلبلاہٹ تجھ لڑکپن میں	تمھارے ہاتھ پر چڑھتا تھا رنگِ حنا پہلے
جو ہیں اہلِ وفا مر کر بھی ہیں ثابت قدم نکلے	بدن سے جاں نکلی پر نہ اُس کوچہ سے ہم نکلے
کھٹک ہوتی ہے دل میں درد بھی پہلو میں ہوتا ہے	مگر کچھ رہ گئے ہیں کچھ ترے تیرِ ستم نکلے

(برتر) مولوی نادر علی غازیپوری - ابتدا میں آپ مرزا غالب کے شاگرد ربط دہلوی کے تلمذ سے بہرہ ور ہوئے اب عرصہ سے فخر الاساتذہ مولانا ظہیر دہلوی کے ارشد تلامذہ میں ہیں آپ کا ابتدائی زمانہ ملازمت ریاست رجھنگہ میں گزرا پھر عرصہ تک ریاست بڑودہ میں رہے اب ۷، ۸ سال سے حیدرآباد میں مقیم اور راجہ رائے رایان امانت دنت بہادر کی سرکار میں مصاحب اور نوبلز کلب کے سکریٹری ہیں - ۳۷ و ۳۸ برس کی عمر ہے - شوخ طبیعت پائی ہے شعر اچھا کہتے ہیں اور اپنے اُستاد کے باعقیدت تلامذہ میں ہیں - فارسی کی استعداد اچھی ہے چند سال ہوئے فیسِ دکن نامی گلدستہ آپنے جاری کیا تھا اب عرصہ سے بند ہے - حیدرآباد کے مشاعروں میں آپ شوق سے شریک ہوتے ہیں اور وہاں کے شعرا میں آپ کو درجۂ امتیاز حاصل ہے - کلام ملاحظہ ہو ؎ برتر

تفرقے فرقتِ دلدار میں کیا ہوتے ہیں	دل کے دو حرف مگر وہ بھی جدا ہوتے ہیں

ہجر میں پاسِ وفا و ستم آرا کب تک
اب تو شرمندۂ احسانِ قضا ہوتے ہیں

انکی تکیں سے جھکے ہیں سرِ نخوت کیا کیا
بت بھی اللہ و غنی شانِ خدا ہوتے ہیں

بت بنے بیٹھے ہو کیوں دیر میں جا کر برتر
ڈھنگ مومن کے یہی مردِ خدا ہوتے ہیں

یہ کیا غضب کیا مرے شکوۂ رقیب سے
رسوا کرے تمھیں نہ تمھاری زباں کہیں

کچھ تو لگاؤ ہو پئے تسکین دردِ دل
نامہرباں ہی مجھ پہ رہو مہرباں کہیں

میرے مرنے پہ کیوں آئینہ حیرت نہ تمام ہو
حقیقت تو یہ ہے اس ابتدا کی انتہا تم ہو

نگاہِ ناز سے دیکھا جدھر لسمل ہوئے لاکھوں
مگر طرفہ قدر اندازِ تیرِ بیخطا تم ہو

غرورِ ناز میں بھی بے نیازی ہو نہیں سکتی
تغافل کیش ہو خواہانِ جانِ مبتلا تم ہو

مزہ آجائے پامالِ ستم کو پائمالی کا
اگر کچھ بھی شریک جورِ چرخِ فتنہ زا تم ہو

قیامت میں بھی ہو اک دھوم بزمِ عیش برتر کی
مزا ہو گر سزائے جرمِ الفت کی جزا تم ہو

پسِ چلمن یہ ایمائے جمالِ حیرت افزا ہے
تماشا ہو گئے کیوں حسنِ صورت دیکھنے والے

حقیقت میں ہمارا کفر بھی اسلام ہے زاہد
بتوں کو دیکھتے ہیں شانِ قدرت دیکھنے والے

تبسم غنچۂ لب کا نمکپاشِ جراحت ہے
تمھیں کہتے ہیں یوں کانِ ملاحت دیکھنے والے

گھڑی بھر دیکھ لینگے سیر آشوبِ قیامت کی
اگر جیتے بچے ہم طولِ فرقت دیکھنے والے

شبِ وصل انکا شرما کر یہ کہنا ناز سے برتر
کسی کی آج ہم میں آدمیت دیکھنے والے

ہے یہ افتادِ گراں جانی کہ بعدِ مرگ بھی
نعشِ لسمل سے نظر اٹھتی نہیں جلاد کی

اب نوا سنجی کے آئینگے گلستاں میں مزے
دل سے بلبل کے خلش جاتی رہی صیاد کی

وہ خاک پر ہے میں ہوں تہِ خاک ضعف سے
مجھ سے نہ دب سکے گا ترا نقشِ پا کبھی

کرم مجھ پر زیادہ تھا تو دشمن پر جفا کم تھی
تری بیداد یہ او بانی میداد کیا کم تھی

پردہ اٹھا کبھی جو رخِ رشکِ ماہ سے
آیا مجھے حجاب خود اپنی نگاہ سے

احساں ہے مجھ پہ جلوۂ نظارہ سوز کا
میری نظر لڑی نہ کسی کی نگاہ سے

ہماری خانہ ویرانی مگر وجہ سکوں ہوگی
ہوئی مدت رہائی کو مگر یہ رنگِ وحشت ہے

تڑپ جو کچھ ہے بجلی کی بقائے آشیاں تک ہے
ورنہ نداں یہ ابتک پھونک میں چھپائیاں میری

برتر

(برتر) مولوی انیس الدین فرخ آبادی۔ یہ آپکے کلام کا نمونہ ہے ؎

اقرار شرم سے جو کیا ہر گناہ کا
چوما خدا کے رحم نے منہ عذر خواہ کا

کمسن ہو ڈر بخاد ذرا ڈال لو نقاب
دم ٹوٹتا ہے بسمل تیغ نگاہ کا

بالیں پہ ہائے آکے کسیکا پکارنا
کس منہ سے تمنے وعدہ کیا تھا نباہ کا

حشر کے دن بھی تو سب نے اُس کو دیوانہ کہا
جو گنہگار اُن کا تھا گویا گنہ سے پاک تھا

تم اپنے بات کے پورے ہو مانا
مگر دل بھی ہے اپنے نام کا دل

ادھر بیٹھے سنگیں انکی باتیں
اُدھر شیشے سے نازک تر مرا دل

برجیس

(برجیس) صاحب عالم و عالمیاں شاہزادہ مرزا برجیس قدر بہادر خلف الرشید حضرت سلطان عالم و اجد علیشاہ آپکی والدہ نواب حضرت محل بادشاہ کی ممتاز بیگموں میں تھیں۔ انتزاع سلطنت کے بعد جب بادشاہ کلکتے چلے گئے آپ اپنی والدہ کے سایہ عاطفت میں لکھنؤ میں قیام پذیر تھے کہ غدر ہوگیا۔ آپکی عمر اُسوقت نو برس سے زیادہ نہ تھی۔ جب باغی فوج لکھنؤ میں داخل ہوئی تو اُسنے پہلے مرزا مصطفےٰ علی حیدر شاہ اودھ معزول کے برادر کلاں کو بادشاہ بنانا چاہا مگر انگریزوں نے اُنہیں بیلی گارد میں لے لیا۔ پھر فوج نے مرزا جمانقدر بہادر مرحوم کو بزور لینا چاہا مگر اُنکی والدہ نے یہ امر منظور نہ کیا اور اُنہیں لیکر بیلی گارد میں چلی گئیں۔ آخرش فوج نے مرزا برجیس قدر کو مسند حکومت پر متمکن کر دیا۔ شاہِ دہلی کی جانب سے باضابطہ تقرری منصب وزارت کے لئے ایک سفارت نواب حضرت محل نے دہلی روانہ کی انکے نام کا سکہ جاری ہوا جملہ تنظیم و نسق ریاست نواب حضرت محل صاحبہ کے حکم سے ہونے لگا۔ اور اکثر اودھ کے رؤسا اور سابق حکام شاہی نے اُنکا ساتھ دیا۔ الغرض نو ماہ تک اُنکی حکومت رہی آخر کو سرداران فوج میں ناچاقی ہوگئی اُدھر انگریزی فوج دہلی فتح کر کے اودھ

کی طرف متوجہ ہوئی اور شہر پر گولہ باری کردی - ایک تلاطم مچ گیا - اس ہنگامہ میں نواب حضرت محل اُنہیں لیکر مختصر جمعیت کے ساتھ شہر سے باہر نکلیں اور مختلف اضلاع میں کئی ماہ تک نہایت دلیری - تحمل اور استقلال سے مقابلہ کرتی رہیں لیکن تقدیر نے یاوری نہ کی اور انجام کار اُنہیں نیپال میں پناہ گزیں ہونا پڑا - مہاراجہ جنگ بہادر نے لوازم مہمانی بائیس شائستہ ادا کئے اور انکے گزارہ کے لئے معقول وظیفہ مقرر کردیا - اُس زمانہ میں ہر چند سرکار نے چاہا کہ بیگم صاحبہ علداری ہند میں قیام کریں اور سُنا گیا ہے کہ لاکھ روپیہ ماہوار بطور پنشن اُنہیں دئے جانے کی تجویز بھی ہوئی مگر بیگم صاحبہ نے کسیطرح اس امر کو قبول نہ کیا نیپال ہی میں باقی عمر گزار دی - اُنکے انتقال کے بعد صاحب عالم بہادر وہیں تشریف فرما رہے - چند پُرانے نمک حلال آپکے اس غریب الوطنی میں بھی رفیق رہے - شاہ اودھ کے انتقال کے بعد آپ ۱۸۹۰ء میں کلکتے چلے آئے اور اپنے استقرار حق کے لئے سرکار انگریزی میں کوشاں رہے سرکار نے تا تصفیہ حقوق آپکے خورد و نوش کے لئے چار سو روپیہ ماہوار مقرر کردیا - مگر برابر پولیس کمشنر کی زیر نگرانی رہے -

گورنمنٹ کے اکثر جلیل القدر حکام انکے زمانۂ حکومت کی باتیں اُنہیں یاد دلایا کرتے تھے مگر یہ حکایتاً ہوتا تھا نہ شکایتاً کیونکہ فی الواقع وہ اُسوقت بالکل مکس تھے آپ کا رنگ سانولا - ہاتھ پاؤں چھوٹے چھوٹے - قد پستہ - مزاج بہت سیدھا - انکسار اور خلق مجید تھا - موسیقی کا بہت شوق تھا - گاہ گاہ شعر بھی کہتے تھے - ابھی انکے معاملات سرکار کے زیر تجویز تھے کہ یکایک ۱۸۹۳ء میں سفر آخرت پیش آیا - انکے بیٹے بیٹیوں اور چند ہمراہیوں نے بھی انکے ساتھ ہی دم دیا - ۴۵ - ۴۶ برس کی عمر ہوئی - ایک متبنیٰ ایک لڑکی آپکی یادگار رہی اور ایک لڑکا بعد وفات پیدا ہوا جسکا نام مرزا خورشید قدر ہے - سرکار سے اب ۲۵۰ روپیہ ماہوار سب کو وظیفہ ملتا ہے چند شعر بہزار دقت دستیاب ہوئے - وہ درج تذکرہ کئے جاتے ہیں ؎

بلبل تو ہوں پر ایک گلِ یاسمیں سے دور	برجیس ہوں مگر بتِ زہرہ جبیں سے دور

ہوتا نہیں اثر تیرے دل میں تو سنگدل	یاں تیر آہ گزرا ہے عرش بریں سے دور
ہے شکر کردگار عقوبات سے بچے	خالق نے کر دیا مجھے تاج و نگیں سے دور
تکرار ایسے لفظ کی بوسہ کے وقت واہ	للہ آپ رکھیں زباں کو نہیں سے دور
مٹی خراب ہوگئی نیپال میں تری +	رہنا ہے کیوں مزار امام مبیں سے دور

برشتہ

(**برشتہ**) آغا حسین علی مرحوم - اُستاد الاساتذہ میر تقی میر مرحوم کے فیض تلمذ سے بہرہ ور اور اُردو فارسی دونوں میں صاحب دیوان تھے - دو شعر ملے تبرکاً درج کئے گئے ۵

ہر وقت مجھے کرتا ہے وہ نوجواں دماغ	اتنا دماغ اٹھانے کا مجکو کہاں دماغ
بوئے غیر سے جو سارا بھر گیا میرا دماغ	کوئے زلف یار سے باد صبا آئی نہ

برق

(**برق**) میاں شاہ جی - ایک موزوں طبع شاعر تھے - فن سخن میں شیخ غلام ہمدانی مصحفی سے مستفیض تھے - مزاج میں ظرافت اور طبیعت میں شوخی درجۂ اعتدال سے متجاوز تھی - ان کا کچھ کلام ایک قدیم بیاض میں نظر سے گزرا جس سے تین چار شعر انتخاباً درج ذیل ہیں ۵

یوں لاکھ ہوں دنیا میں تو کچھ کام نہیں ہے	واللہ کہ تجھ بن مجھے آرام نہیں ہے
ہو دے دل پژمردہ مرا کیونکہ شگفتہ	ہے باغ میں گل پردۂ گل اندام نہیں ہے
اے برق نہ جی اپنا جلایا دیں اُسکے	کچھ خوب تو اس کام کا انجام نہیں ہے
کیا دھوم سے اُڑی ہے گھٹا اسی ہوا میں	افسوس کہ ساقی دمے دو جام نہیں ہے

برق

(**برق**) فتح الدولہ بخشی الملک میرزا محمد رضا خاں ابن مرزا کاظم علی مرحوم مصاحب خاص و اُستاد حضرت سلطان عالم واجد علی شاہ اختر بادشاہ لکھنو - شاگرد رشید ناسخ مغفور - انتزاع سلطنت اودھ کے بعد برق مرحوم اپنے خلوص دلی سے بادشاہ کے ہمرکاب کلکتے گئے اور ہنگام غدر میں جب گورنر جنرل نے مزید احتیاط کے لئے بادشاہ کو فورٹ ولیم میں نظر بند کیا یہ مردانہ وار بادشاہ کی رفاقت میں رہے بادشاہ کو ان سے دلی انس تھا اور وہیں چند ماہ بعد ۱۸۵۷ء میں حق نمک سے ادا ہوئے یعنی انتقال کیا اور جو کہا تھا وہ کر دکھایا - چنانچہ یہ اُنکا کہا ہوا شعر ہے ۵

برق جو کہتے تھے آخر وہی کر کر اُٹھے	جان دی آپ کے دروازہ پہ مر کر اُٹھے

ایام شباب میں بڑے جری اور بانکے مشہور تھے۔ منتظم الدولہ حکیم مہدی علی خاں کی وزارت میں بڑے مقتدر اور باررسوخ رہے تمام عمر خوش حالی اور فارغ البالی سے بسر کی۔ صاحب دیوان اور نامی شعرائے لکھنؤ میں تھے۔ ایک شہر آشوب لکھنؤ کے حال میں بہت درد انگیز لکھا ہے بڑے پرگو شاعر تھے۔ ضخیم دیوان یادگار چھوڑا ہے۔ تشبیہ و رعایت لفظی سے کوئی شعر خالی نہ ہوتا تھا۔ غضب کے مشاق تھے۔ بیان میں صفائی و سلاست بھی ہے۔ اصناف سخن پر اچھی طرح قادر تھے۔ غزل کے علاوہ مخمس۔ مسدس۔ ترکیب و ترجیع بند مثنوی۔ رباعی۔ قطعہ غرض سب کچھ کہتے تھے۔ اپنے اُستاد کی دل سے قدر کرتے اور اُن سے ایک خاص عقیدت رکھتے تھے۔ حضرت برق کا دیوان عمدہ کاغذ پر نہایت خوشخط اور کمال صحت کے ساتھ اُنکے زمانے ہی میں چھپ گیا۔ اُنکے جامع صفات اور مخزن کمالات ہونے میں کچھ شبہہ نہیں۔ شاعری کے علاوہ پتنگ بوٹ بانک خوب جانتے تھے اور تلوار بہت اچھی لگاتے تھے۔ بذل و رحم بھی اُنکا مشہور تھا۔ انکے شاگردوں میں حضرت جلال لکھنوی یادگار اساتذۂ سلف ہیں۔ اب انتخاب دیوان ملاحظہ ہو ؎

بے پردہ دیکھنے کی تجھے کسکو تاب ہے	عاشق کو برق طور ہے گوشہ نقاب کا
گہر افشاں ہے نیسان کرم سلطان نعال کا	بہار آئی جوانان چمن کی لکھنؤ چمکا
سخاوت کے یہ معنی ہیں کریمی اسکو کہتے ہیں	کہ حاتم بھی گدائے کمتریں ہے میرے حاتم کا
راجہ اندر کا اکھاڑا صحبت اقدس ہے برق	نام رکھا ہے پرستاں بزم عشرت گاہ کا
جل بجھے گا طالب دیدار اپنی آگ میں	نام ہے برق تجلی شعلۂ ادراک کا
خواہان وصل یار ہے طالب محال کا	ممکن نہیں جواب ہمارے سوال کا
اسفل بھی انکسار سے پاتا ہے مرتبہ	گر کر بڑا ہنال سے سایہ نہال کا
دے کر سخی اُٹھاتے ہیں دنیا کی سختیاں	پتھر عوض ثمر کے ثمر ہے نہال کا

اتنا تو جذبِ عشق نے بارے اثر کیا
اُسکو بھی اب ملال ہے میرے ملال کا

لے گئی موت مجھے سوے عدم ہستی سے
بے طلب گھر میں خدا کے بھی تو مہماں ہوا

ہستی سے تا بملکِ عدم ایک جست تھی
جھپکی نہ آنکھ بھی کہ ادھر سے اُدھر گیا

تن تن کے میں گیا صفِ مژگاں کے سامنے
ہر بار نوکِ نیزہ سے سینا ملا دیا

نکلا غبار دل سے صفائی تو ہو گئی
اچھا ہوا جو خاک میں تم نے ملا دیا

برائی ہوئی مُنہ دکھانے سے کیا
ہزاروں کا اسمیں بھلا ہو گیا

بحرِ عالم میں رہی کشتیٔ امید تباہ
دمبدم موجِ حوادث نے طمانچہ مارا

اسی بہانے سے پوچھا تو جاؤ گے اے برق
ہزار شکر کہ بندہ گنہگار رہا

راحت بھی کم از غم نہیں دل جبکہ غمیں ہو
صرصر مجھے جھونکا ہے نسیمِ سحری کا

میرے مولا ہیں صنم میرے ہیں میرے محبوب
عاشق اُنکا ہوں غلام اُنکا ہوں بندا اُنکا

آنکلتا کبھی زاہد جو تری محفل میں
ہاتھ میں شیشۂ مے طاق پہ قرآں ہوتا

خیر گزری کہ چلے آئے کہاں لیلا
ورنہ تم دیکھتے اسوقت کہ پھر کیا ہوتا

سر پر اعلیٰ کے بلا آئی تو دنا بڑھ گیا
دھوپ جب بڑھنے لگی قامت سے سایہ بڑھ گیا

زینتِ اسلام اے زاہد سیاہی دل کی ہے
جامۂ کعبہ ہوا جب کفر اپنا بڑھ گیا

دیں و ایماں کہتے ہیں کسکو خدا کا نام لو
سب کو بھولے یہ اثر ہے اُس صنم کی یاد کا

اذاں دی کعبے میں ناقوس دیر میں پھونکا
کہاں کہاں ترا عاشق تجھے پکار آیا

سینہ داغوں سے رشکِ باغ ہوا
جسنے دیکھا وہ باغ باغ ہوا

مجکو ہر منزل پہ ہر جا دیکھنے آتی ہے خلق
لکھنؤ مجھ سے چھٹا کیا میں تماشا ہو گیا

تو نے اُسکو عزیزِ مصر کیا
ماہِ کنعاں غلام ہے تیرا

ناتوانی نے حیاتِ جاودانی دی مجھے
کیا اجل پائے نشاں عاشق کے جسمِ زار کا

گر قناعت سے آشنا ہوتا
جامِ جم کاسۂ گدا ہوتا

بیان کیا ہو رُخ و جبیں کا وہ مہر ہے چاند چودھویں کا
جو عکس پڑ جائے اُس حسیں کا ستارہ ہو زرد ہو رہیں کا

جو اہلِ رفعت ہیں صاف طینت بلند اُنکو ہو دلکی کلفت
ہمیشہ رہتے ہیں بے کدورت اثر فلک پر نہیں زمیں کا

بتاؤں کیا تجھے لذت نہ پوچھ اے زاہد چھٹے نہ حشر تلک مُنہ سے جو لگائے شراب
کہاں کی توبہ کسے خلد چاہیئے - توبہ قبول مجکو جہنم ہے کوئی لائے شراب

فراقِ یار میں لذت نہیں ہے جینے کی پلادے زہر مجھے ساقیا بجائے شراب
نہیں ہے مال سے اپنے بھی نفع موذی کو یہ دخل کیا ہے کہ کچھ گنج میں سے کھائے سانپ

تو آئے عیادت کو تو کہنے لگے عیسےٰ کیوں ہم نہ ہوئے آج کو بیمارِ محبت
ہر ایک نفس عشق میں ہے زندگیٔ خضر جینے کے لئے مرتے ہیں بیمارِ محبت

سب میں ہے جلوہ اُسیکا کیا میں دیکھوں سو دوست میری نظروں میں ہے یکساں ہے دشمن رو دوست
بوسہ لیتے ہی قرارِ دلِ مضطر نہ رہا بڑھ گیا درد جگر اور دوا کے باعث

اُس مسیحا نے قدم رنجہ کیا کیوں نہ کہوں اُتر آیا ہے فلک سے میرے گھر میں خورشید
باغباں خواب سے چونکا تو غضب لائے گا کھیلتی ہے اجل سے بلبل نالاں سر پر

پیکاں کے ساتھ ساتھ جو نکلے دل و جگر ناوک فگن بھی رونے لگا تیر دیکھکر
مانندِ تیر اور جھکا بڑھ کے عجز سے سر ہے نہ زمین پر تو قدم آسمان پر

وہ رازقِ کریم ہے تو اے کریم خلق کچھ قید نیک و بد کی نہیں تیرے خوان پر
کس مُنہ سے وصف تیرے لبوں کے بیان ہوں دنیا کی لذتیں ہیں ہماری زبان پر

وہ ہم نہیں کہ مٹیکے پھر اُٹھیں جیتے جی مٹ جائیں گے فقیر اسی آستان پر
گرمِ بازاریٔ معشوق تو عشاق سے ہے قدر موقوف ہے ہر شے کی خریداروں پر

فروغِ رتبۂ عالی جہاں میں خاکساری ہے یہ لازم ہے زمیں بنجائے انساں آسماں ہوکر
بچایا سختیوں سے دشمنوں کی ملکے چلنے نے رہا محفوظ دانتوں میں ہمیشہ میں زباں ہوکر

آتا نہیں قرار دلِ بیقرار کو غم میں پھنسا ہوں دامِ محبت سے چھوٹکر

عشق اگر منظور ہے اُس سیمتن سے آپکو
سہلے رکھ لیجے منگا کر برق توڑے زر کے پاس

رہین زمین پہ کیا زیرِ آسمان خاموش
فغان کہ خاک کے نیچے ہے اِک جہان خاموش

بیکسوں کے واسطے ہلتا ہے دل کس کا یہاں
کوں رکھتا ہے بھلا گورِ غریبان میں چراغ

چاند سورج کو ترستا ہوں سیہ خانے میں
کسکو پھر کہئے شبِ غم میں پکارے مشتاق

عجب بانکے کنھیا نوجواں سلطانِ عالم ہیں
کہ قالب ہے جہاں جانِ جہاں سلطانِ عالم ہیں

حسین و خوبرو شاہِ شہاں سلطانِ عالم ہیں
جوانمرد و جواں بخت و جواں سلطانِ عالم ہیں

زبانِ موج سے بادِ بہاری کہتی پھرتی ہے
کہ قیصر باغ کے سرو رواں سلطانِ عالم ہیں

بنا ہے لکھنؤ کنعاں درِ شکِ مصر میں کوچے
عزیز و یوسفِ ہندوستاں سلطانِ عالم ہیں

لبِ جاں بخش سے جیتے ہیں مردے باتوں باتوں میں
مسیحائے جہاں معجز بیاں سلطانِ عالم ہیں

صدقے کیونکر نہ بھلا تابعِ فرماں ہو جائیں
دیکھیں پریاں بھی جو حضرت کو تو قرباں ہو جائیں

پیشِ الفت درہم و دینار کو رتبہ ہے کیا
بندۂ بے زر ہیں ہمکو بیچ لو بازار میں

جب کہا مینے کہ تربیگی تربت خاک بھی روح
ہنسکے فرمانے لگے خلد میں کیا خور نہیں

بے عبادت نہ خدا بخشے گا سبحان اللہ
ایسی فردوس سے ہم گزرے کہ مزدور نہیں

لاکھ نعمت سے جو بے رنج ملے نانِ جویں
پانی پی لیں گے اگر بادۂ انگور نہیں

موت نے آکر چھڑایا قیدِ ہجر یار سے
غم رقیبوں کو ہو اسارے اقارب شاد ہیں

دے ڈالیں جان بات نہ دیں اپنی ہاتھ سے
نکلے نہ ہاں زباں سے کبھی اگر نہیں

ترکِ مے توبہ کرو کفر ہے لاحول ولا
قطعہ
برق موقوف اسی پر تو مزے سارے ہیں

روزِ فرہاد کو پلوا دو سبیلیں رکھو
اپنے نزدیک یہ اس جرم کے کفارے ہیں

ترے خنجر نے بھرے خوں میں نہلایا مجھے قاتل
تری تلوار نے کھنڈوایا زخموں کے دہانوں میں

فزوں طاقت سے نعمت ہو تو سم ہے ناتوانوں کو
کہ اکثر مور مر جاتے ہیں جا کر شکرستاں میں

ہو گئی اللہ کی مجھ پر عنایت خواب میں
بخت جاگے دیکھ لی اُس بت کی صورت خواب میں

روح سلطان واجد علی شاہ

اب جو حالت ہے کہ دنیا میں نہیں جینے کے پھر سے مرنے کی مجھے لوگ دعا دیتے ہیں

دل مکدر ہو تو سب عیش جہاں مٹی ہے — تو نہیں پاس تو پھر لطفِ چمن خاک نہیں
پارس سے بھی زیادہ ہے تاثیر پاؤں میں — چھوتے ہی خاک ہوتی ہے اکسیر پاؤں میں

کسقدر دور دور ساقی ہے — شیخ کہتا ہے مے حرام نہیں

عشق و غیرت شرم و خوت مانع گفتار ہیں — اُس طرف محبوب وہ ہیں ہم ادھر ناچار ہیں
طالبِ سجدہ وہ بت ہے مجھے معلوم ہوا — اب یہ منظور ہے ناراض خدا مجھ سے ہو
واہ رے رحم کریمی کے یہی معنی ہیں — عفو ہو اُنکی طرح سے جو خطا مجھ سے ہو
دل میں ہے عشقِ صنم نامِ خدا ہونٹوں پر — میں ہوں وہ رند کہ کہتے ہیں مسلماں مجھکو
لذتِ بوسہ نے لب بند کئے زخموں کے — دہنِ یار ہوا غنچۂ پیکاں مجھکو
میر کیا جائے گا تم آپ ہی رسوا ہوگے — یہ ہنسی خوب نہیں کیوں مجھے رلواتے ہو
زاہدا وہ تو رگِ جاں سے کہیں ہے نزدیک — کیوں بہکتے ہو ادھر آؤ کہاں جاتے ہو
آج ترساؤ نہ صورت کو مُوا جاتا ہوں — کل دمِ حشر نہ دیدار دکھانا مجھکو
شکل دکھلاؤ تو معلوم نہیں کیا ہو جائے — جانیں جاتی ہیں جو آواز سنا دیتے ہو
ایسا نہیں یہ سر کہ جھکے آگے غیر کے — پڑھتا نہیں نماز وہ جسمیں سلام ہو
اعجاز چال ہے بتِ محشر خرام کی — قدرِ خدا نے اُسکے قیامت تمام کی
خدا غریب کی سنتا ہے غیب سے فریاد — اثرِ عجیب دلِ دردمند رکھتا ہے

قطعہ

مٹانا اگر ان کو منظور تھا — یہ حیرت ہے پھر کیوں بنایا مجھے
فدا تھا جو میں خال و خسار پر — عجب واقعہ پیش آیا مجھے
یہ جھگڑا رہا کفر و اسلام کا — نہ گاڑا نہ اُسنے جلایا مجھے
سمجھتا ہوں اچھے سمجھا ہیں آپ — نہ مارا نہ تمنے جلایا مجھے
کچھ بن آتی نہیں یہ حیرت ہے — کیا کرے عاشق اور کیا نکرے

مرتبہ عالی نہیں پاتا ہے اہلِ مال سے — جانتے ہیں اہلِ دانش جگو عقل ہوش ہے

سرکار تبہ پاؤں کو ہرگز کبھی ملتا نہیں
اس سے کیا ہوتا ہے زر و زری اگر پاپوش ہے

عشق ہوگا جو کسی سے تو کھلے گا احوال
ہم بھی پوچھیں گے مزاج آج کہو کیسا ہے

قیامت اے اُٹھاؤ جو پردۂ عارض
نہ ماہتاب رہے پھر نہ آفتاب رہے

زہر امرت ہے کہیں آبِ بقا زہر کہیں
بے سبب کونسی شے عالمِ اسباب میں ہے

شہرت بے سبب جہان میں اُس خود نما کی ہے
ایسے بشر بھی ہوتے ہیں قدرت خدا کی ہے

بے دئے جان نہیں بزم سے جانیوالے
اب تو بیٹھے ہیں اُٹھائیں تو اُٹھانے والے

پھر کے للہ ادھر دیکھ کہاں جاتا ہے
قتل ہم ہو گئے اُو منہ کے چھپانیوالے

ایک ہے اللہ تو بندے بھی سارے ایک ہیں
پھر بتاؤ تفرقہ کیا زاہد و ہندو میں ہے

وہی اُسکا ہے جو دیتا ہے کسیکو کوئی
اپنی وہ چیز نہیں جو کہ پرائی نہ ہوئی

شکوہ مینے جو کیا جائے حکایت نہیں
جس سے ہوتی ہے اُمید اُس سے گلہ ہوتا ہے

خضر آگاہ لبِ یار کے بوسوں سے نہیں
جان تک دیتے ہیں عاشق یہ مزا ہوتا ہے

یوں تو ہر روز قیامت ہے قدِ جاناں سے
دیکھیں کب وعدۂ دیدار وفا ہوتا ہے

ہوش بس جاتے رہے جان پہ آفت آئی
پھر نہ میں آپ میں آیا جو طبیعت آئی

عیب میں کو ہنرِ اہلِ ہنر سے چڑ ہے
کیوں نہ آئینے سے بدشکل کو نفرت ہو جائے

گریۂ غم کی مجھے طاقت نہیں
کاروبارِ عشق اب کیونکر چلے

معجزہ دکھلائے گر عیسیٰ عشق
ساتھ قاتل کے تنِ بے سر چلے

اصل جس چیز کی جو ہے وہی ہے وصف اُسکا
بہرِ مے تلخیٔ مے کیوں نہ حلاوت ہو جاوے

اُٹھ گیا پردۂ دوئی تو کھلا
خود پرستی خدا پرستی ہے

منعم کوئی عمارت نہیں الفت سے زیاد
بیکس کو ستانا نہیں اچھا نہیں اچھا

بتوں سے جلوۂ حق کا ظہور ہوتا ہے
عجیب خاک کے پتلوں میں نور ہوتا ہے

عاشق کو طوافِ کوچۂ جانانہ چاہیئے
زاہد کو کعبہ رند کو میخانہ چاہیئے

اے صنم اپنی جو قدرت میں خدائی ہوتی
مسجدوں میں تری تصویر لگائی ہوتی

مانو ہماری بات بخشش کی چاہ ہے
اے زاہد و گناہ نہ کرنا گناہ ہے

کیا حقیقت داغ کے آگے چراغِ طور کی
رشکِ شمعِ طور ہے بتی مرے ناسور کی

صوم میں گزرے اگر دن مے پیا کر رات بھر
جام سے افطار کرنا روزے کا کفارہ ہے

جان دیں دو ہم داغ ایک اگر کم ہو جائے
بخل عاشق پہ خدا ہمتِ حاتم ہو جائے

فلک نے داغ دئے لالہ زار کے بدلے
لئے خزاں نے چمن سے بہار کے بدلے

اُٹھا کے آئینہ دکھلا دیا اُسے مجھ نے
نسو جھمی عارضِ گلگوں کی جب مثال مجھے

نگاہِ مست سے بیہوش کر دیا تو نے
پیالہ ہاتھ سے رکھ ساقیا سنبھال مجھے

ایسی قسمت تو کہاں سچ جو کوئی بات کہو
جھوٹ وعدہ بھی تمہارا سببِ تسکیں ہے

رنج ہوتا ہے جہاں میں صحبتِ نالجنس سے
جسم میں جب تک رہیگی روح بے آرام ہے

چشمِ حق بیں کو جہاں میں کفر سے کیا کام ہے
ہر صنم خانہ نظر میں کعبۂ اسلام ہے

جز غبارِ دل نہیں حاصل کسی کو چرخ سے
خاک جھڑتی ہے ہمیشہ کونہ سقفِ بام ہے

چاکِ جگر کو طاقِ دعائے حرم سمجھ
قبضے میں ذوالفقار ہے گردل دونیم ہے

کچھ حاجتِ لباس نہیں اہلِ حضر کو
دن چادرِ سفید ہے ہر شب گلیم ہے

جور و جفا اُٹھانے کی طاقت نہیں
آزاد کر کہ بندہ غلامِ قدیم ہے

جمتی نہیں ہے ران کسی شہسوار کی
کیا شوخیاں ہیں ابلقِ لیل و نہار کی

میں جو رونا ہوں تو کہتے ہیں مجھے ہنس ہنسکر
جو کرے عشق ہی اُسکی سزا ہوتی ہے

ناحق اپنے پاؤں توڑے یہ نہ سمجھا زاہدا
وہ رگِ جاں سے بھی ہے نزدیک کعبہ دور ہے

جوشِ وحشت کا تقاضا ہے کہ دل خوں کیجے
دشت میں روشن چراغِ نامِ مجنوں کیجئے

چاہیئے تدبیر بیجا شکوے ہیں تقدیر کے
یہ بڑی تقصیر ہے فاعل نہوں تقصیر کے

قوتِ بازو عدو کو جانتے ہیں اہلِ دل	طائرِ جاں کو پر پرواز ہیں پر تیر کے
جو کڑے ہیں چرخ سے انکو خطر مطلق نہیں	آسیا سے پستے ہیں دانے کہاں بچ کر کے
کام کچھ کسب و ہنر آتا نہیں اد با ر میں	زنگ سے جوہر عیاں ہوتے نہیں تیر کے
فیضِ نیسانِ کرم سے بیزباں تک سیر ہیں	رزق پہونچاتا ہے رازق منہ صدف کا چیر کے

برق

(**برق**) قاضی نجم الدین صاحب برق خلف قاضی سراج الدین از خاندان قضات سکندرآباد نواح دہلی - آپ کا بچپن اور شباب دہلی میں گزرا اور وہیں تعلیم پاکر حکیم مومن خاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہوکر فنِ شعر میں استفادہ کیا - چند ہی غزلوں کی اصلاح ہونے پائی تھی کہ انہیں کے اشارہ سے میر حسین صاحب تسکین (شاگرد رشید مومن) سے اصلاح لینے لگے - طبیعت قدرتاً شاعری کے مناسب پائی تھی - چند ہی روز کی مشق میں اچھا تام پیدا کرلیا - عاشقانہ مضامین بالخصوص معاملہ بندی میں فرد تھے - شوخیٔ طبع میں اسم بامسمی برق تھے - کلام بے ساختہ دل میں چٹکیاں لیتا ہے - غدر سے پیشتر آپ کا عین شباب کا عالم تھا مگر خداداد ذہانت اور زورِ طبع کی بدولت اُس زمانہ میں بھی آپ کا کلام دہلی میں زبان زد خاص و عام ہوگیا تھا - اکثر اربابِ نشاط آپ ہی کے کلام رنگین سے رقص و سرود کی مجالس کو گرم کرتی تھیں - اور فی الواقع آپکے نتائج افکار میں غضب کی دلفریبی اور بلا کی دل گرفتگی ہے - شروع جوانی میں جب ملازمت کی ضرورت محسوس ہوئی تو آگرہ اور الہ آباد کی عدالتوں میں امین رہے - بعد حصول پنشن مراد آباد میں وکالت اختیار کی - ۷۲ برس کی عمر پاکر انجام کار دہلی میں ۱۸۹۹ء میں انتقال کیا - چونکہ طبیعت کی لاپرواہی اور خلقی استغنا نے شاعری کو بطور فن مشغلہ نہ بنانے دیا اسلئے بیشتر حصہ کلام تلف ہوگیا اور جس شہرت کا فی الحقیقت مستحق تھا وہ حاصل نہ ہونے پائی - وجیہہ - خوشخو اور وضعدار شخص تھے - اپنی لطیفہ گوئی اور بذلہ سنجی کی بدولت جلسہ احباب کے روح رواں سمجھے جاتے تھے نفاست پسندی اور عمدگیٔ مضامین کے دلدادہ آپ کا طرزِ ادائے بیان غضب کا دلکش ہے

غزلوں میں آپ کا ایک خاص رنگ ہے اور اُن میں سے اکثر موسیقی کی دلفریب چاشنی سے مملو ہیں۔ ہنگام ترتیب تذکرہ جو کلام مختلف ذرائع سے بکوشش تمام ملا اس کا انتخاب درج ذیل ہے ؎

آج ارمان میرے دیدۂ تر کا نکلا
کہ ہر ایک اشک لئے لخت جگر کا نکلا

ہم تو کہتے تھے کہ جنت میں لگے گا کیا جی
بارے کچھ اُس میں بھی نقشہ ترے گھر کا نکلا

وہ بغل میں بھی رہا تو بھی نہ پایا آرام
دل سے کھٹکا نہ شبِ وصل سحر کا نکلا

اے فلک تجکو بھی سوزش کا چکھا دینگے مزا
ایک بھی نالہ جو اس تفتہ جگر کا نکلا

خط پہ خط بھیجے اُسے لیک یہ حسرت ہی رہی
کوئی قاصد نہ کبھی آن اُدھر کا نکلا

عمر تو ساری کٹی کسبِ کمالات میں برق[۵۱]
یاں[۵۲] نہ پرساں ہی کوئی اہل ہنر کا نکلا

جلایا گھر عدو کا اور نہ کاخ آسماں پھونکا
مجھی کو چپکے چپکے تو نے اے سوزِ نہاں پھونکا

اُٹھے کیونکر نہ دو دِل کہ اُس بدخو نے محفل میں
دیا حصہ عدو کو اور میری جانب دھواں پھونکا

بتوں کی گرم خوئی سے دلِ عشاق جلتے ہیں
ہمیں تو سرد مہری نے تمہاری مہرباں پھونکا

پری محفل میں ہل چل اُٹھ چلے وہ اک قیامت ہے
یہ کیسا صور تو نے نالۂ آتش فشاں پھونکا

کیا کیا آرزوئیں ہیں جیب و گریباں کی بیتابی
ہاتھوں سے جبکہ یار کا داماں نکل گیا

پوچھا جو اُس نے آپ ہمیں چاہتے ہیں کیا
بے ساختہ زباں سے مری ہاں نکل گیا

اے برق تیز دستی وحشت کو دیکھنا
دامن کے سیتے سیتے گریباں نکل گیا

میری خاطر پھر دکھا عالم رخِ پرنور کا
غش سے موسیٰ نے نہیں دیکھا ہے جلوہ طور کا

گر یہی ہے شوقِ بوسی تو بعد مرگ بھی
ٹھوکریں کھاتا پھرے گا لاشہ اس مغرور کا

گر کوئی محشر میں پرساں ہو تو فرمادی ترے
ہر دہانِ زخم سے لیں کام نفخِ صور کا

کیا لگی پھرتی ہے اُس پائے نگاریں سے بہار
جس جگہ اُس نے قدم رکھا گلستاں ہو گیا

صورتِ گل چاک چاک اپنا جگر ہے برق یہاں
چارہ گر کو فکر ہے نکڑے گریباں ہو گیا

---

۵۱ مرے کی عمر یونہی ۱۲ ۵۲ کوئی پرساں نہ یہاں ۱۲

دل چور تھا زخموں سے مرا نکڑے جگر تھا
شب زخم تری مژگاں کا خدا جانے کدھر تھا

کیوں ضبط کیا دیکھ کے بیتاب اُسے ہائے
شب لب پہ جو نالہ تھا سو سرگرم اثر تھا

یوں کاٹ لیا قاتلِ سفاک نے ہمدم
گویا کہ ازل ہی سے نہ تن پر مرے سر تھا

شب غیر میں اور رہم میں رہی یوں ہی لڑائی
دیکھا تو وہ بے دید ادھر تھا نہ اُدھر تھا

کس واسطے خوش آئی تجھے دل کی خرابی
اے خانہ برانداز یہ تیرا ہی تو گھر تھا

سودائے محبت میں کئے نالہ و افغاں
حاصل ہمیں ہر کام سے اک جی کا ضرر تھا

وہ بھی زہا جوشِ محبت میں الٰہی +
پہلے جو مری آہ میں تھوڑا سا اثر تھا

طالع جو بُرے تھے نہ مُوا تُو تمنے تو ورنہ
وہ کام کئے جس میں مرے جی کا ضرر تھا

وہ وقت نہ پایا کہ کہیں حالِ دل اپنا
جب دیکھا اُنہیں آئینہ ہی پیشِ نظر تھا

واں جا کے چھپا کوئی جہاں جانے نہ پائے
اے برق یہ نالوں سے ترے غیر کو ڈر تھا

میں تو ہوں محوِ تماشا اک بتِ مغرور کا
واعظِ ناداں مجھے دیتا ہے لالچ حور کا

اب نہیں تابِ تحمل تو اٹھا رخ سے نقاب
اک فسانہ ہو گیا عالم میں جلوہ طور کا

اُف رے گرمیٔ محبت عمر بھر مانگے پناہ
گر پڑے دوزخ پہ سایہ اس تنِ مہجور کا

جا رہ گروہ مہ وشاں آئے جو اس مجروح تک
چاندنی میں ہو اثر پیدا ابھی کافور کا

مے سے کی ہے گرچہ توبہ لیک ہو جاتا ہوں مست
جب خیال آتا ہے اُسکی نرگسِ مخمور کا

ہمنے جب طالع سے مانگا یار کا روزِ وصال
تیرہ بختی نے دکھایا مُنہ شبِ دیجور کا +

ہجر کی شب روتے روتے جان دی تھی سو کہیں
سیل گریہ لے گئی لاشہ ترے رنجور کا

گر نہیں جاتی بلا سے مار ہی ڈالے مجھے
یوں بھی تو احسان ہوتا ہے شبِ دیجور کا

پیرِ میخانہ ہے تسکیں برق اُسکا جُرعہ کش
ہے مزا اُسکے سخن میں بادۂ انگور کا

قلقلِ مینا ہے بے ساقی کے نالہ صور کا
آفتابِ حشر ہے ساغر جو ہے بلور کا +

کوئے جاناں سے نکلتے ہی یہ حالت ہو گئی
جس طرح ہارا تھکا آئے مسافر دور کا

ہے بظاہر ترکِ لذت دلمیں ہے حورِ شراب
زاہد و کچھ بھی ٹھکانا ہے تمہارے زور کا

میں نہ سوجھا موت کو سوآتشیں نالوں پہ بھی
کچھ اندھیرا سا اندھیرا تھا شبِ دیجور کا

وعدۂ دیدار ہے محشر پہ تو ہی کر مدد
انتظار اب نالۂ پرشور کب تک صور کا

وصل کی شب صبح ہوتے ہی قیامت آگئی
بانگ تھی مرغِ سحر کی یا کہ نالہ صور کا

جان دینے پر بھی عاشق بات سے ٹلتے نہیں
کیا ہوا گر دار پر سر رکھ دیا منصور کا

سوزِ دل جاتا رہا سینہ سے لگتے ہی ترے
گرم جوشی نے اثر پیدا کیا کافور کا

کیوں نہ ہو ہر دم جہنم سے صدا اہل سخن مزید
وحشی نے تیرے خاک اُڑائی یہاں تلک

جی چاہتا ہے خاک میں ملئے یہاں تلک
ملتا نہیں زمیں کا پتہ آسماں تلک

صیاد ظلم کرتے ہیں لیکن نہ یہاں تلک
پیدا نمود ے حشر کے دن بھی نشاں تلک

واں دل میں یہ کہ بوسہ پا بھی نہ دیجئے
میرا چمن سے پھینکدیا آشیاں تلک

حد و کے وصل کے وہاں عہد و پیماں ہوتے ہیں
ہاں شوق یہ کہ چوسئے انکی زباں تلک

مرا بڑھتا چلا ہے انکو بے باکانہ ملنے کا
ہماری جاں کے جانے کے سامان ہوتے جاتے ہیں

چھری پھیرے گا دم لے لیکے اُس سے کب تو قع تھی
نگہباں برطرف موقوف درباں ہوتے جاتے ہیں

تاثیر کچھ بھی ہووے تو رونے کا ڈر نہیں
یہ قاتل کی مری گردن پہ احساں ہوتے جاتے ہیں

وہ اشک کیا ہے جسمیں کہ لختِ جگر نہیں
ناحق تو کر خراب مجھے چشمِ تر نہیں

رشکِ عدو و حسرتِ وصل آرزوئے مرگ
کیا ہے وہ آستین کہ لوہو میں تر نہیں

گو تہر کی نگاہ ہے پر دیکھتے تو ہیں ✣
صدمہ ہے کونسا جو مری جاں پر نہیں

تیرے ستم سے موت کی خواہش ہوئی ہمیں
کیوں کر کہیں کہ آہ میں اپنی اثر نہیں ✣

جان جاتی ہے جو گردن سے جُدا ہوتا ہے
ورنہ ہمارے دل میں فقط تیری چاہ تھی

دیکھ لیں ہم بھی کہ دل لیتا ہے کیونکر کوئی
ہائے کیا خنجرِ قاتل میں مزا ہوتا ہے

ہاں اشارہ کرے وہ چشمِ فسونگر کوئی ✣

دستِ تسکیں وہ میرے سینہ پہ رکھکر بولے
لے گیا برق ترا کب دلِ مضطر کوئی

پیکاں نکالنا ہے اگر ہاں نکالئے
پر دل پہ ہاتھ رکھ کے مری جاں نکالئے

بت ہے تو کافرہ بھی جو دے ساقی محبت سے
غنیمت ہے جو گزرے کوئی دم غفلت میں حرمت سے

ترا قامت بنا کر صانع قدرت نے فرمایا
کہ یہ فتنہ رہے گا دو قدم آگے قیامت سے

واہ گلشن میں ترا عقدۂ گیسو ہو جائے
غنچہ غنچہ گرۂ نافۂ آہو ہو جائے

کب یہ ممکن ہے نہ معشوق جفا جو ہو جائے
ہم مسیحا کو بھی چاہیں تو بلا کو ہو جائے

نالے کرتا جو میں پھرتا ہوں تو خوش ہوتے ہیں
غش وہ اسپر ہیں کہ شہرت میری ہر سو ہو جائے

کیا گھر و دولت کو نہیں تصدق اسپر
کسی دل میں جو مؤثر کوئی آنسو ہو جائے

حرم و دیر کے جھگڑے ترے چھپنے سے پڑے
ورنہ تو پردہ اٹھاوے تو تو ہی تو ہو جائے

تو نہ ہو گا تو ترا درد رہے گا دل میں
یہ نہ ہو گا کبھی خالی میرا پہلو ہو جائے

بزم اغیار ہے دور ہے نہ خفا تو ہو جائے
ورنہ اک آہ میں کھینچوں تو ابھی تو ہو جائے

کشتۂ چشم فسوں گر کا جلانا کیسا
نہ کہیں اور مسیحا پہ یہ جادو ہو جائے

ناز تو اسکے اٹھاتا ہوں مگر ڈرتا ہوں
بے نیازی کی نہ اس بت میں کہیں خو ہو جائے

کچھ مزا ہے یہ ترے روٹھ کے من جانے میں
چاہتا ہوں یونہی ہر روز خفا تو ہو جائے

تو تو جس خاک کو چاہے تو کرے بندۂ پاک
میں خدا اسکو بناؤں جو خفا تو ہو جائے

پہنچے اس بت کے نہ در تک یہ ہی ہمت کا قصور
ورنہ چاہے جو بشر عرش پہ قابو ہو جائے

آپ انکار کریں وصل سے میں در گزرا
کچھ تو ہو جس سے طبیعت مری یکسو ہو جائے

در بدر پھرنے سے ملتا تو کسی کا معلوم
ہاں غنیمت ہے جو کچھ ہم سے نگاہو ہو جائے

منہ نکالا کرتا تھا اعجاز مسیحا جسکا
ہائے اوس پر ملک الموت کا قابو ہو جائے

نہ وہ بلبل ہوں کہ ہر گل پہ فدا جاں کر دوں
نہ وہ پروانہ کہ ہر شمع کا قابو ہو جائے

ق

ہاں یہ مانا کہیں دل بیٹھ کے بہلاؤں مگر
تو کہاں لا کر کسی میں تیری خو بو ہو جائے

ہو نو بس میں کوئی کچھ نہیں اسکی پڑا
دل بیتاب یہ اے برق جو قابو ہو جائے

جو دیکھ چکے نوح کا طوفان نظر سے
وہ آنکھ چراتے ہیں مرے دیدۂ تر سے

دن رات پڑا رہتا ہوں دروازہ پر اپنے
اس غم میں کہ کوئی کبھی آتا تھا ادھر سے

برق (برق) منشی محمد منظور احمد۔ وکیل شکوہ آباد فن سخن میں ابتدا سے حضرت داغ دہلوی کے ارادت مندوں میں ہیں پہلے منظور تخلص کرتے تھے۔ پھر برق تخلص اختیار کیا طبیعت تخلص کی موزونیت سے شوخ اور تیز پائی ہے۔ پھر اس پر استاد کی تقلید و اصلاح سونے پر سہاگہ ہو گئی۔ ترتیب تذکرہ کے وقت جسقدر کلام حاصل ہوا اسکا انتخاب درج ذیل ہے

دل بھی دیا جگر بھی دیا جان زار بھی
سہتے تو تیرے عشق میں سب کچھ گوارا تھا

سوا اسکے کہ تم پر جان دیدیں
ہماری آرزو کیا مدعا کیا

آبلے ٹوٹے ہیں نوک خار پر
سرکشوں کی موت آئی دار پر

وعدہ کرتے ہی تبسم آگیا
نا امیدی چھا گئی اقرار پر

بلائے ہجر ہے ضبط فغاں ہے
مصیبت میں جگر آفت میں جاں ہے

یہ ہے راز و نیاز حضرت عشق
کسیکا سر کسیکا آستاں ہے

تمہاری خوشی خرامی پر تصدق
قیامت کیوں نہیں ہوتی کہاں ہے

بیاں کرتے کو بلبل کی زبان ہو
عجب دلکش ہماری داستاں ہے

نظر پھیرتے ہی پھر جاگی ہے قسمت
تری آنکھوں میں رنگ آسماں ہے

آیا جہاں میں آتے ہی حسن بتان نظر
ہم پہلے ہوش آنے سے بیہوش ہو گئے

آرزوئیں نکلتی ہیں دل سے
گلے مل مل کے تیغ قاتل سے

برق (برق) جناب منشی ہری شنکر سہائے کالیسٹھ سریواستو کلرک اسپیشل فنڈ ہردوئی انکے والد منشی بلدیو سہائے لکھنؤ کے باشندہ ہیں۔ آپنے ایک رسالہ اصول اقلیدس پر شائع کیا ہے۔ فن سخن میں حضرت داغ دہلوی سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ ۴۰ برس کے قریب

عمر اور کلام مرسلہ کا انتخاب یہ ہے ؎

کچھ نہ پوچھو نازِ قاتل وقتِ قتل
ہر ادا پر اُسکے میں مر مر گیا

آئینہ دیکھ کے دیکھا یہ تماشائے عجیب
اک تماشا تھا اُسے اپنے تماشائی کا

آئی ہے بہار ابتو صیاد
بلبل کو قفس سے تو رہا کر

میں کہتا تو ہوں کہ ہے قیمتِ دل اک بوسہ
اسپہ حجت ہے تو پھر آپ ہی ارشاد کریں

جو تنک ہیں آپکے اُنکو مٹائے دیتے ہیں
لو آؤ چیر کے ہم دل دکھائے دیتے ہیں

جذبِ دل خود کھینچ لائے گا اُسے پروا نہیں
غیر بہکاتا ہے گر اُسکو تو بہکانے بھی دو

تم ہی سچے سہی آخر یہ جھگڑا طے بھی ہو صاحب
بگڑتے کیوں ہو اچھا بیوفا میں باوفا تم ہو

یہ چھپ کر روز جانا سیکڑے میں حضرتِ زاہد
ہمیں معلوم ہے واللہ جیسے پارسا تم ہو

اللہ رے بیخودی کہ تصور میں یار کے
تصویرِ یار ہی سے ہم آغوش ہو گئے

اے برق تم تو برق تھے پھر اک نگاہ میں
کیوں دیکھ کر حبیب کو بیہوش ہو گئے

آئینہ تمہارے روبرو ہے
سچ سچ کہو کوں خوبرو ہے

خطا کیا جو تو دیکھا نگاہِ شوق سے تمکو
کہ ہم ہیں صانعِ قدرت کی قدرت دیکھنے والے

بتِ طنّاز آئینہ سے یہ خوش فعلیاں کب تک
اِدھر بھی اک نظر اپنی صورت دیکھنے والے

مانا کہ اُسے تیغ لگانی نہیں آتی
ابرو بھی ستمگر کو ہلانی نہیں آتی

تمنا آج تیرے دل کی اے زہرہ جبیں نکلی
کہ خوش خوش تیرے قدموں پر پرِ بجاں جبیں نکلی

بندھی تھی یار کی ہچکی لگے اغیار بھی رونے
کچھ اس حسرت سے گھٹ گھٹکر بر بجاں حرفِ یقیں نکلی

(برق) منشی محمد اسحاق برق خلف مولوی محمد عبدالقادر مرحوم رئیس و مصاحب نواب کلب علیخاں والیٔ رامپور حضرت داغ کے تلامذہ میں سے ہیں۔ زیادہ حال معلوم نہیں ؎ برق

یاد میں اُس نگہ مست کے ہوں چشم پر آب
بن گئے ہیں مرے یہ دیدۂ تر جام شراب

ابھی بھر آئے گا پانی تیرے مُنہ میں زاہد
تو نے دیکھا جو کبھی بھر کے نظر جامِ شراب

حشر کے دن بھی یہ مجھ رند کو خواہش ہوگی
کچھ ملے یا نہ ملے مجھکو مگر جام شراب

برق (برق) منشی محمد باقر دہلوی کائی پلانٹر مقیم احسن ملک میسور۔ حضرت داغ سے تلمذ رکھتے ہیں خود بھی خاصہ کہہ لیتے ہیں ؎

چمن حسن میں آئی ہے جوانی کی بہار
آج محرم میں سماتا نہیں جوبن انکا

نثار دل کو کیا ابروئے ستمگر پر
طبیعت آگئی بیٹھے بٹھائے خنجر پر

غضب کی چال ہے اے شوخ اُسکا کیا کہنا
نثار فتنۂ محشر ہے تیری ٹھوکر پر

گناہ تھوڑا ہے زاہد ثواب افزوں ہے
دُرود پڑھتا ہوں سو سو میں ایک ساغر پر

نہ پرسانِ حال جب کوئی
جی جلانے میں پھر مزا کیا ہے

روز و شب اسمیں خیالِ عارضِ پرنور ہے
مختصر افسانہ ہی لکھا یار نے حشر کا جواب

طالبِ دیدار کا دل ہے کہ کوہِ طور ہے
آنکھ سے جو دور ہے دل سے کوسوں دور ہے

برق (برق) منشی محمد الیاس شاگرد مولانا شوکت میرٹھی۔ اب کچھ عرصہ سے منشی جلیل حسن صاحب جلیل کو اپنا کلام دکھاتے ہیں۔ یہ چند شعر آپکے کلام سے منتخب ہوئے ؎

تیغ وہ لائے ہیں ہم سر نہ جُھکائیں کیونکر
اجل آئی ہے بُلانے کو نہ جائیں کیونکر

سو رہے وہ مری قسمت کہ طرح وصل کی شب
آنکھ کھُلتی ہی نہیں ہائے جگائیں کیونکر

ایک ہی وار میں دل ہو گیا ٹکڑے ٹکڑے
اب جو آنکھ اُس سے لڑائیں تو لڑائیں کیونکر

برق (برق) منشی مہاراج بہادر ورما دہلوی شاگرد آغا شاعر۔ زمانۂ حال کے نوعمر شعرا میں ہیں۔ یہ چند شعر اُنکے ہیں ؎

ابرو کا وار اور دلِ بیقرار پر
کیوں رکھ لیا غریب کو خنجر کی دھار پر

اُس بارِیق وش نے ہنسکے مرے حال زار پر
بجلی گرائی خرمنِ صبر و قرار پر

سنیے تو کچھ نہیں یہ بُرا ماننے کی بات
دل دے تو کوئی آپکو کس اعتبار پر

لی ہوگی جیتے جی مری کچھ آپنے خبر
کچھ بعدِ مرگ آئینگے میرے مزار پر

گنجِ قفس سے ہائے رہائی نہ ہو سکی	ہر چند عندلیب نے مارے ہزار پر
جس طرف آئینگی یہ مثلِ قیامت آئینگی	رُک سکے گی کیا کسی پر جب طبیعت آئینگی
ہم اگر خاموش ہیں تو کچھ اسی میں خیر ہے	ورنہ اُف بھی کی تو یہ سمجھو قیامت آئینگی

برق

(**برق**) نواب سید عبدالحسین خان عرف جمو نواب - رئیس پٹنہ - شاگرد مولٰنا شاد عظیم آبادی - یہ آپکا کلام ہے ؎

کیا مفدر ہے واہ بسمل کا	چل کے رکتا ہے ہاتھ قاتل کا
ناامیدانہ تھک کے بیٹھ رہے	جب نہ پایا نشان منزل کا
ضبط کی آہ مرحبا اے قیس	رکھ لیا تو نے پردہ محمل کا

برق

(**برق**) منشی محمد یعقوب - باشندہ جالندھر - مولوی شوکت میرٹھی کے شاگردوں میں ہیں - یہ اُنکے کلام کا انتخاب ہے ؎

ہے اِن دنوں عروج پہ موسم بہار کا	گلشن میں ہر طرف ہے ترانہ ہزار کا
جو دم ہنسی خوشی میں گزر جائے خوب ہے	کیا اعتبار ہستیٔ ناپائیدار کا
مے پی کے گر گیا در دیر مغاں پہ میں	بے ہوشیوں میں کام کیا ہوشیار کا
جی چاہتا ہے خط سے وہاں جاؤں شیخ جی	اللہ رے شوق دیدۂ دل بیقرار کا
وہ دل میں اور دل تپش و اضطراب میں	رہتے ہیں یہ حسین ہمیشہ عذاب میں
زاہد ابھی تو پی نہیں مت کر نہیں نہیں	چکھ کے تو دیکھ کیسا مزا ہے شراب میں

برکت

(**برکت**) منشی برکت علی خاں - باشندۂ حیدرآباد - ملازم ریاست پٹیالہ - شعر و سخن سے نہایت ذوق رکھتے تھے - نصیر الدولہ جنرل اختر لونی رزیڈنٹ دہلی کے سررشتہ دار تھے اور اس عہدۂ ممتاز کی وجہ سے اپنے زمانے کے عمائد میں شمار ہوتے تھے - ان کی شاعری کا شوق حد بیان سے باہر ہے - قیام دہلی میں انکے ہاں تمام شہر کے ارباب کمال و معززین کا جمگھٹا رہتا تھا - اکثر مشاعرے بھی کیا کرتے تھے -

غدر سے بیس بائیس سال پیشتر اپنے وطن خیرآباد میں انتقال کیا - یہ اُنکا کلام ہے ؎

اشکوں کو بہا دیدۂ گریان سمجھ کر — گھبرائے نہ عالم کہیں طوفان سمجھکر
موسم گل ہے قفس ہی میں نہ جان ہوا — مت نسیم سحری مرغ گرفتار سے مل
پوچھے آسیب نہ اُسکو کہیں دلگیر نہو — نالۂ شب میں الٰہی مرے تاثیر نہو
دل بیتاب کسیطرح سے ٹھہرائے کوئی — مجھے سمجھائے کوئی یا اُسے سمجھائے کوئی
غم اُٹھانا میرے اس دل کا ٹھکانے لگجائے — ایک دم کے بھی لئے پاس جو بٹھلائے کوئی
تصور میں ترے کوئی چھیڑے ہے تو کہتا ہوں — ذرا دم لو کوئی آیا ہوا جاتا ہے قابو سے
مجھ کو رُکا رُکا سا جو پایا تو یوں کہا — پالے خدا نہ ڈالے کسی بدگماں کے
مٹی نہ سوزش دل اشک کے بہانے سے — یہ آگ وہ ہے کہ بجھتی نہیں بجھانے سے

برہم

(برہم) حکیم عبدالکریم نام - فتح پور ہنسوے کے رہنے والے ہیں - حضرت امیر مینائی کے خاص معتقدین اور تلامذہ خوش فکر میں ہیں - طبیعت میں رنگینی اور اُسکے ساتھ شوخی بھی ہے - نثر نگاری میں بھی اچھی دسترس ہے - گورکھپور سے صلح کل نامی اخبار آپ ہی کی اڈیٹری میں شائع ہوا تھا - رسالہ فتنہ کے بھی آپ ہی مالک و مہتمم ہیں - اخبارات میں اکثر آپ کے مضامین چھپتے رہتے ہیں - لیکن اکثر حرارت قومی و بیجا پاسداری کے جوش میں آپ حد اعتدال سے متجاوز ہوجاتے ہیں جیساکہ اُنکے ناول کرشن کماری کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے ؎

درد دل سے تڑپ نہیں سکتے — ضعف یہ ہے ہلا نہیں جاتا
لہو میں ہمارے جو پیسی گئی — بہت شوخ رنگ حنا ہوگیا
خدا تک یہ بت بھی ہیں پہنچے ہوئے — کہ جو کچھ زباں سے کہا ہوگیا
ہماری نعش پہ آنچل کا ڈالدے سایہ — کڑی ہے دھوپ ذرا سایہ کام کرتا جا
کس سوچ میں ہیں آئینہ کو آپ دیکھکر — میری طرف تو دیکھئے سرکار کیا ہوا

زخم بھرنے کے نہیں تیر نکلنے کے نہیں
چارہ گر سہل نہیں مجکو شفا ہو جانا

کیا رنگ دیکھتے ہو دلِ داغدار کا
رہتا ہے باں خزاں میں بھی عالم بہار کا

عالم شباب کا ہے زمانہ اُبھار کا
آیا ہے باغِ حسن میں موسم بہار کا

ہر دم ہے اُسکا وصف تمھاری زبان پر
دشمن کا کیوں دماغ نہو آسمان پر

پھر اُسی ناز سے کہنا کہ ہو غارت کوئی
ہاں مری عمر بڑھانے کی دعائیں کیونکر

نہ پوچھو اُس گھڑی شام وصال کا عالم
وہ آئی جب مرے گھر منہ چھپائے بالوں میں

صفر اک نازِ نفس پر ہے مدار
سچ تو یہ ہے کچھ نہیں انساں میں

بتاؤں کیا تمھیں اپنی حقیقت
مجھے خود ہی نہیں معلوم کیا ہوں

جان دیدیتے مگر سہتے نہ یہ رنجِ فراق
کیا کریں ہم موت اپنی بس میں انسکے نہیں

غیر کی صورت وہی ہے ہجر میں
آتشِ غم میں یہ جلنا کیوں نہیں

ملتا رہے کچھ لطف وفا کا بھی جفا میں
تسکین کا پہلو ہو ستانے کی ادا میں

تصویر تری سامنے ہوتی ہے تو اے بت
کچھ اور ہی آتا ہے مزا یادِ خدا میں

جب وصل ہوا اور تڑپ بڑھ گئی دلکی
جہ باں ہیں ترے ناز میں نشتر میں ادا میں

وہ چتون یہ کیا مجکو سمجھا گئی
کہ نکلی ہوئی جان پھر آگئی

عشق کی بات سمجھ میں نہیں آتی کوئی
اسمیں آسان سی آسان بڑی مشکل ہے

شبِ فرقت کی شکایت نہ کرو تم برہم
ایسی باتوں سے کہیں روٹھ بجائے کوئی

عید کے دن جسنے دیکھا اُن کو قرباں ہو گیا
عید سے عید اسکے قربانی سے قربانی ہوئی

تو دیکھ تو اپنی نگہِ ناز کو ظالم
کافر یہ وہ شے ہے کہ نکلتی نہیں جی سے

جنکی نظروں میں حسینوں کی ادا ہوتی ہے
وہ نہیں جانتے کیا چیز قضا ہوتی ہے

مارڈالا نگہِ لطف سے اک عالم کو
زہرِ قاتل مرے عیسیٰ کی دوا ہوتی ہے

لاکھ داغ ایک طرف عشق کا داغ ایکطرف
گل سبھی ہوتے ہیں بو باس جدا ہوتی ہے

نمک پاش اب نہیں انکا تبسم کل کا وعدہ ضرور ہو جائے	مزہ زخموں میں پھر آئے کہاں سے کہ قیامت تو دور ہو جائے
سیریں کی ہیں خوب ہم نے حسن کے بازار کی دامن تربت کا سبزہ نرم و نازک سے بہت	کچھ دنوں کھا لیں ہوا اب دشت کے بازار کی تاب لا سکتا نہیں وہ گرمیٔ رفتار کی

برہمن (برہمن) پنڈت چندر بھان - اکبر آباد اصل وطن تھا مگر دہلی آن بسے تھے - فارسی کی استعداد عالمانہ درجہ کی تھی چنانچہ پہلے شاہ جہاں کے دفتر میں خاص منشی رہے پھر شاہزادہ دارا شکوہ کے میر منشی ہو گئے طبیعت کی موزونی سے عاشقانہ و تصوف دونوں رنگوں میں نہایت اچھا شعر کہتے تھے - اور اُسوقت کے مشاہیر میں انکا شمار تھا - ایک دیوان فارسی اور منشات برہمن ان سے یادگار ہے شاہزادہ دارا شکوہ کے مزاج میں بہت دخل تھا اور وہ انہیں نہایت عزیز رکھتے تھے اور ہر وقت انکے اعزاز و ترقی کے خواہاں رہتے تھے - ایک دن شاہزادہ موصوف نے بارگاہ شاہی میں کہ مجمع کاملان عصر تھا عرض کیا کہ درنیوالا منشی چندر بھان سے عجیب شعر موزوں ہوا ہے - اگر حکم حضور ہو تو اگر عرض کرے - بادشاہ نے اجازت طلبی دی چنانچہ اُسیوقت حاضر ہوئے - بادشاہ نے فرمایا کہ آج جو تمھارا شعر ہمارا نے پسند کیا ہے سناؤ - اُنہوں نے یہ بیت پڑھی ؎ مرا دیست بکفر آشنا کہ چندیں بار ۔ بکعبہ بُردم و بازش برہمن آوردم بادشاہ کو یہ بیت سُنکر غصہ آیا اور حکم دیا کہ اس کافر متدکو گردن مارو - نواب سعد اللہ خاں وزیر اعظم نے جو برہمن کے مربی و قدردان تھے ہاتھ باندھ کر عرض کیا کہ جناب عالی حضرت شیخ سعدی چار سو برس پیشتر تردید میں فرما گئے ہیں ؎ خرِ عیسیٰ اگر بمکہ رود ۔ چوں بیاید ہنوز خر باشد اس شعر کے سننے سے بادشاہ کا غصہ فرو ہوا اور فرمایا کہ اگر اسوقت ایسا جواب بہم نہ پہونچتا تو آج ضرور اسے ہلاک کر ڈالتا شاہزادہ کو فہمایش کی کہ آئندہ ایسے اشعار کا تذکرہ ہمارے حضور میں نہ آیا کرے - بیچارے پنڈت جی جان بچا کر گھر آئے اور سجدۂ شکر انہ درگاہ خالق حقیقی میں بجا لائے دارا شکوہ کے قتل کے بعد برہمن تارک الدنیا ہو کر بنارس چلے گئے اور وہاں یاد خدا میں

مشغول ہو گئے - آخر ش ۱۸۷۳ء میں انتقال کیا - ریختہ میں اسطرح سخن سرائی کرتے تھے تبرکاً کلام درج تذکرہ کیا گیا - زبان اگرچہ قدیم اور مخلوط بہ ہندی ہے مگر مضامین کی نفاست خوبی صاف جھلک رہی ہے

خدا نے کس شہر اندر ہمیں کو لائے ڈالا ہے	نہ دلبر ہے نہ ساقی ہے نہ شیشہ ہے نہ پیالا ہے
خُوباں کی باغ میں رونق ہووے تو کسطرح یاراں	نہ دونا ہے نہ مرد اہے نہ سوسنبچ نہ لالہ ہے
پیا کے ناؤں کی سُمرن کیا چاہوں کروں کیسین	نہ تسبی ہے نہ سمرن ہے نہ کنٹھی ہے نہ مالا ہے
پیا کے نام (نام) عاشق کون قتل یا عجب دیکھے ہوں (کیسے)	نہ برچھی ہے نہ کرچھے ہے نہ خنجر ہے نہ بھالا ہے
برہمن واسطے اشنان کے پھرتا ہی کیا کیسین	نہ گنگا ہے نہ جمنا ہے نہ ندی ہے نہ نالا ہے

برہمن

(**برہمن**) نام و نشان معلوم نہو سکا (بانجھ) - یہ دو شعر گل وصنوبر کے اُردو ترجمہ مصنفہ منشی بھیم چند سے لئے گئے - تبرکاً درج کئے گئے ؎

یہ نجانوں کہ مری آنکھ سے آنسو ٹپکا	نشترِ عشق لگا جس سے کہ لو ہو ٹپکا
برہمن عشق بتاں کی ہوئی لذت معلوم	پکے پھوڑے کیطرح جب دلِ بدخو ٹپکا

بریاں

(**بریاں**) تخلص ہے ایک برہمن کشمیری نژاد بزرگ کا جنکا کلام ایک قدیم قلمی بیاض میں نظر سے گزرا - کاغذ بوسیدہ ہو جانے کے باعث نام پڑھا نہ جا سکا ؎

غیر کے پہلو صنم آٹھوں پہر جو نشست گھڑی	ہائے قسمت یہ ستم آٹھوں پہر جو نشست گھڑی
شاد اور خنداں پھریں ہیں روز و شب میرے عدو	میں پھروں با چشمِ نم آٹھوں پہر جو نشست گھڑی

بزم

(**بزم**) مرزا محمد عاشق حسین تخلص بزم رئیس اکبرآباد خلف مرزا محمد عباس ملیح برادر زادہ مرزا فصیح مرثیہ گو - ۱۲۷۸ھ آپ کا سال پیدائش ہے - دس برس کی عمر تھی کہ آپ کو داغِ یتیمی نصیب ہوا - مرزا علی حسین قیصر شاگرد رشید آتش نے جو آپ کے حقیقی چچا تھے آپکو اپنے ظل عاطفت میں لیا - ۱۶ برس کی عمر سے شاعری کی طرف طبیعت مائل ہوئی - فخر الاساتذہ منشی اسمٰعیل حسین صاحب میر شکوہ آبادی سے جو رشتہ میں آپکے دادا بھی ہوتے تھے رجوع کیا - اُنہوں نے خاص توجہ سے نکاتِ فن بتائے چنانچہ چند ہی برس میں اچھا کہنے لگے - اور تین چار برس

میں خاصہ سرمایہ فراہم ہو گیا۔ عرصہ ہوا آپکا دیوان موسوم بہ بزم سخن اور مثنوی تصویر سخن شائع ہوئی تھی
دوسرا دیوان بھی تیار ہے ۵

واں تیغ کھچ کے رہ گئی قاتل کے ہاتھ میں	یاں خون جوش کھا کے رگِ جاں میں رہ گیا
رقصِ بسمل سے مکدّر ہو گئے	خاک میں سارا تماشا مل گیا
حرمِ دل کے سوا اور نہیں کوئی مکاں	جھوٹ ہے مسجدیں اُنکی نہ شوالا اُنکا
ملکُ الموت و مسیحا ہیں یہاں دونو ایک	وہی جاں بخش ہے اپنا وہی جلّاد اپنا
مجھسے نقدِ دل و جاں نذر میں لیکر کوئے	تمکو اک بوسہ کا احسان رہا یاد اپنا
دُنیا سے ہمکو عشق نے آزاد کر دیا	پا بندِ دامِ گیسوئے صیاد کر دیا
کیا جانے مرنے والونکو آیا پسند کیا	ہستی نباہ کی عدم آباد کر دیا
سیماب ٹھہر جاتا ہے تھم جاتی ہے بجلی	پر تجھکو قرار اے دلِ مضطر نہیں ہوتا
سب سے چھُپ کر جو ہے دل میں وہ بتا بھی کیا	جو نہ آئے کبھی مُنہ تک وہ کلیجا کیسا
تجھی پر کچھ اے بت نہیں منحصر	جسے ہمنے پُوجا خدا ہو گیا
کسطرح وہ ٹھیریں مرے ٹوٹے ہوئے دلمیں	ویران مکاں رہنے کے قابل نہیں ہوتا
کسطرح کوئی ہو ترے اسرار سے آگاہ	یہ علم تو تحصیل سے حاصل نہیں ہوتا
جرأت گناہ کرنے کی عاصی کو بڑھ گئی	رحمت کو تیری اے مرے غفّار دیکھکر
کس قیامت کی ہے شمشیرِ ادا قاتل کے پاس	لوٹتے ہیں حسرتیں ہی پہلوئے بسمل کے پاس
کیوں نہ ٹھہرے جان بیتاب آکے اپنے دلکی پاس	پھر قرار آتا ہے بسمل کو تو کچھ بسمل کے پاس
دل سے عاشق کے نہ کھینچو بھی پیکانِ خدنگ	ٹھیرو ٹھیرو دہن زخم مزا دیتے ہیں
اس درجہ ہمکو تنگ زمانہ نے کر دیا	تقدیر بیچنے سرِ بازار آئے ہیں
تشنہ کامانِ شہادت کو تو کر دے سیراب	اتنا پانی بھی ترے خنجرِ خوں میں نہیں
جسکو سب اہلِ زباں مہر و وفا کہتے ہیں	آپکی بولی میں کہئے اُسے کیا کہتے ہیں

ہم بھلا بھی جو کہیں لوگ بُرا کہتے ہیں
آپ ہیجا بھی جو فرمائیں بجا کہتے ہیں

یہ جِنا جو جسے انداز وادا کہتے ہیں
ہم اُسے چاہنے والوں کی قضا کہتے ہیں

جامِ مے ہاتھ میں لو آنکھ دکھا کر پوچھو
کسکو ارباب خرد ہوش رُبا کہتے ہیں

بیوفا مینے کہا تم کو تو کیا تم سے ہوا
کہنے والے تو کچھ اس سے بھی سوا کہتے ہیں

اُنہیں منظور ہے یہ آج مقتل رشکِ محفل ہو
چلیں ساغر شرابِ موت کے اور رقصِ بسمل ہو

دلمیں آئے تو مجھے کیا یہ خدا کا گھر ہے
میرے گھر آؤ تو احساں یہ اے یار ہے

بند آنکھیں کئے جایئے کیوں ملکِ عدم کو
یہ راہ ہے پُرخوف و خطر دیکھتے چلیئے

بیخود دنکو کسیکی کیا پروا ہے
تم بھی آئے ہیں خبر ہوئی

شوقِ گیسو میں بسر عرصہ رواں ہوتی ہے
دیکھئے شام مسافر کو کہاں ہوتی ہے

دیکھنا حشر عدم والونمیں برپا ہوگا
آج وہ گورِ غریباں میں ہیں آنے والے

دیر و حرم کے سجدوں سے کچھ فائدہ نہیں
پھوٹے ہوئے نصیب کو پھوڑا نہ چاہئے

یارِ عالم جو سلاطیں نے اُٹھایا سر پر
بادشاہ ہو کے بھی مزدور کے مزدور رہے

دل نے اِک بوند لہو کی جو چھپا رکھی ہے
یہ امانت تری اے دردِ جنا رکھی ہے

صحبتِ غیر میں گھونگٹ نہ ڈوپٹہ نہ نقاب
کوں سے پردے میں شرم آج اُٹھا رکھی ہے

روز منبر پر کیا کرتے ہیں ذکرِ خلد و نار
دیکھئے زاہد کی صورت یہ ملینگے حور سے

بجز سختی اُٹھائے نام ممکن ہے کہیں نکلے
تراشا جائے جب ہو با تصرف نگیں نکلے

چلا ہوں میں حرم کو واں ہاں کسطرح چلے گا
خدا ایسا کرے بت خانہ کعبہ کے قریں نکلے

رنج و ایذا ہو مرے واسطے یا راحت ہو
آپ جس حال میں رکھیں وہی حال اچھا ہے

جب تو خاصاں خدا نے دیا دنیا کو طلاق
نہ رہی ہو کے کسیکی نہ یہ مردار رہے

(بزم) میر عباس حسین خاں بزم حیدرآبادی ۔ دکن میں وکالت کرتے ہیں ۔ یہ آپکا کلام ہے

جو زیرِ زمیں سوتے ہیں راحت میں وہی ہیں
آرام کسیکو نہیں دنیائے دنی میں

یہ رنج یہ افسوس ہے کیوں زاہد نافہم — کیا دم ترا ٹوٹا میری توبہ شکنی میں
اے بزم ہے معشوق بھی اور ساغر مے بھی — اب کیجئے تاخیر نہ توبہ شکنی میں
دیکھا جدھر دگار ہوے عاشقوں کے دل — تیر دلکا مینہ برستا ہے اُنکی نگاہ سے
پہونچی کہاں رسائی تو آہوں کی دیکھئے — لپٹی ہوئے ہیں پایۂ عرش الہ سے

بزم (بزم) شیخ خورشید حسین قدوائی - اودھ کے ایک مشہور خاندان کے ممبر ہیں - یہ آپکا کلام ہے

بگڑی ہوئی قسمت کو بنایا نہیں جاتا — ہاتھوں کی لکیروں کو مٹایا نہیں جاتا
وہ آئیں تو آئیں نہیں پھر موت ہی آجائے — اب صدمۂ فرقت تو اُٹھایا نہیں جاتا
ہے لطف کہ باندھی ہے کہ قتل پہ میرے — اور ہاتھ سے خنجر بھی اُٹھایا نہیں جاتا
دل بھی کہنے لگا ادھر کی سی — اپنا کوئی بھی آشنا نہوا

بزم (بزم) سید محمد یعقوب علی دہلوی مقیم رام پور شعر خوب پڑھتے ہیں گاہ گاہ شعر گوئی کا بھی اتفاق ہوجاتا ہے

پتھر پسیجنے لگے غم کے بیان پر — رحم آگیا باتوں کو مرے داستان پر
اتنا بھی عاشقوں سے تغافل نہیں ہے خوب — سُن لینا کوئی کھیل گیا اپنی جان پر
باتیں تو دیر تک رہیں اُس شوخ سے مگر — اک مدعائے دل ہی نہ آیا زباں پر

بزمی (بزمی) مرزا محمد اشرف بی اے خلف مرزا محمود اشرف گورکانی دہلوی - ابتدائے ملازمت میں آپکو ریاست بھاولپور کے شعبۂ تعلیم سے تعلق رہا - آجکل خاں پور میں ناظم اور ریاست کے ارکین میں شمار ہوتے ہیں شعر گوئی کی ابتدا ایام طالب علمی ہی میں ہوگئی تھی اور اُسمیں اپنے قابل بزرگ مرزا عبدالغنی ارشد گورگانی سے مشورہ لیا کرتے تھے کمال ظریف و شوخ طبع اور بلا کے ذہین ہیں - غزل کم کہتے ہیں باوجود کوشش آپ کا تازہ کلام دستیاب نہوا چند اشعار ابتدائی شق سے ہم پہنچے وہ درج کئے جاتے ہیں مزاج کی شوخی اُس میں بھی اپنی جھلک دکھا رہی ہے - بن باسی رستم کا قصہ انہیں کی شوخی طبع کا نثری نتیجہ ہے جو کسی انگریزی رسالہ سے ترجمہ کیا گیا ہے

شیخ نے جانے کیوں کی توبہ — مے سے اچھی کب تھی توبہ
کعبہ گر جا اور بت خانہ — گھر گھر جھانکی میری توبہ
زاہد پیر اول تو نہیں ہے — رنج ہے کیا گر ٹوٹی توبہ
واعظ کر لو گرمی گرمی ✣ ✣ — سانون آیا ٹوٹی توبہ
آخر زاہد کی بیٹی تھی — رندوں میں جی لگتی توبہ
میری صورت دیکھی آئی — سیرت دیکھی بھاگی توبہ
واعظ کہدیں اور ہم کر لیں — گھر کی لونڈی سمجھی توبہ
بادل گرجے بجلی چمکی — مینہ کے ڈر سے بھاگی توبہ
کس کو خبر ہے واں کی زاہد — تو نے ناحق کر لی توبہ
مولوی صاحب کیونکہ نہ کرتے — ق — اُن کی روٹی تھیں بی توبہ
میں اور ایسا کام کروں گا — توبہ توبہ کیسی توبہ ✣
واعظ اب تو جاڑا آیا — کس کی توبہ کیسی توبہ
لہری بندے ہی جو ٹھیرے — آگئی دل میں کر لی توبہ
واعظ اپنا دل تو دیکھو — یوں ہی خالی خولی توبہ
دیکھو بزمی اب بھی کر لو — کام وہاں پر دے گی توبہ

(بسمل) مولوی محمد مہدی ملقب بمیاں صاحب ایک فاضل بزرگ تھے مولانا فخر الدین قدس سرہٗ کے دوستوں میں اور اپنے زمانے کے عالم متبحر و فاضل اجل تھے۔ اکثر درس و تدریس میں مشغول رہتے۔ ساتھ ہی اسکے فن شعر و سخن سے بھی لگاؤ تھا۔ اُردو و فارسی دونو زبانوں میں صاحب دیوان تھے۔ مگر طبیعت کی بے پروائی سے وہ مجموعہ برباد ہو گیا کچھ اشعار درج ذیل کئے جاتے ہیں ؎ بسمل

تری گالیاں میں بہت کھا چکا — مزا عشق کا خوب ہی پا چکا

پھر اب پاؤں کو کیوں لگائی حنا — قیامت تو سر پر مرے لا چکا
ذرا اب تو مل کر مل اے مہرباں — بہت مدتوں تک تو شرما چکا
ہوا سبز اب تک نہ نخلِ امید — بہت بر کھا آنسو کی برسا چکا

ہائے اس دیوانے دل نے کام کیا بیجا کیا — آپ تو بدنام تھا ہی مجھ کو بھی بدنام کیا
دل مجروح ہے از بس کہ زخمی لذتِ غم کا — لہو اترے ہے چشمِ زخم میں سن نام مرہم کا
چلے ہم رکھ کے دوشِ بیکسی پر آشیاں اپنا — ہوا آزردہ دل اے باغباں اے گلستاں اپنا
اس لب کی صدا یاد میں پنجہ میں مژہ کے — کب اشک ہے تسبیحِ عقیقِ جگری ہے

بسمل (بسمل) منشی سید جبار علی - موضع جبار کھڑ کی نواح چنار گڈھ اصل وطن تھا مگر اکثر عظیم آباد اور بنارس میں رہتے تھے - کچھ دن مہاراجہ چیت سنگھ والی بنارس کی سرکار میں وکیل رہے - نواب علی ابراہیم خاں صاحبِ تذکرہ ۱۱۹۶ھ میں لکھتے ہیں کہ مذکور بنارس میں قیام رکھتا ہیں اور باعزاز و آبرو بسر کرتے ہیں - جوان سلیم الطبع اور سخن فہم آزاد منش ہیں - تذکرہ لطف میں بھی آپ کا کلام نظر سے گزرا - کلام بہم رسیدہ کا انتخاب کیا جاتا ہے ۵

کیا خیال آوے بلاؤں سے اُسے پرہیز کا — ہے جو بیمار اس تری چشمِ بلا انگیز کا

جب غمزۂ چشمِ یار دیکھا — سو تیرِ جگر کے پار دیکھا
یا دامنِ دشتِ خاک اپنی — اڑتے جو کہیں غبار دیکھا
دل خس و خاشاک کی صورت اُلجھتا ہی رہا — گو سدا دامن کو اپنے جھٹکتا ہی رہا
جستجو میں یار کی گم کردہ راہوں کی طرح — میں کبھی ادھر کبھی اُدھر بھٹکتا ہی رہا
کیا اُسکو جتا دیں ہم جو ہمنے کیا ہوگا — کیا کیا نہ کیا ہوگا جب دل کو دیا ہوگا
ہر دم مجھے نیاز اُسے ناز ہی رہا — انجام کار عشق کا آغاز ہی رہا
صیاد فائدہ ہے رہائی سے کیا مجھے — اُڑنے سے جب مرا پر پرواز ہی رہا

پہلو میں رہوں میں دلِ ناشاد کہاں تک — اے درد کروں نالہ و فریاد کہاں تک

در آج قفس کا ہے کھلا کیجیے پرواز
اے ہم قفساں خاطرِ صیاد کہاں تک

جز یادِ حق نہ ہو ترے دل میں کبھو گزر
دے سجدہ وار منہ پہ اگر اپنے تو گزر

یار تیری ہی ہے لف میں دیکھا
ایک زنجیر لاکھ دیوانہ

دل کی طلب ہے اور تمنا ہے جان کی
کیا مہربانیاں ہیں مرے مہرباں کی

کوئے بتاں تلک تو رسائی محال ہے
جب تک نہ خاک بر باد کیجیے

پیارے یہ وضع چشمِ مروت سے دور ہے
دل لے کے اس طرح بھی نہ آنکھیں چرائیے

آوارگی سے باز رکھوں آہ کس طرح
دل تو گزر چکا ہے مرے اختیار سے

تیری ہی یاد ذکر ترا ہی ہر آن ہے
گویا کہ اس لئے مرے منہ میں زبان ہے

عہد و پیماں بتاں بسکہ بے سا لوسی ہے
ایک امید تو سو باعثِ مایوسی ہے

داغ اتنے ہیں دئے عشق نے تیرے کہ تمام
مو بہ مو تن پہ مرے جلوۂ طاؤسی ہے

آیئے جلد کہ یہ بسمل مجروح ہنوز
ہر لبِ زخم سے مشتاق قدم بوسی ہے

گریہ افزا اسقدر اعضا مرے سارے ہوئے
ہر بُن مو جوش سے آنسو کے فوارے ہوئے

پیش آئی ہمارے وہ جو کچھ کہ تھی پیش آنی
اب یہ دردِ دل سے اور اپنی یہ پیشانی

(بسمل فیض آبادی) مرزا عنایت علی ولد مرزا سعادت علی شاگرد رشید آتش مرحوم - بسمل
اصلی وطن فیض آباد تھا - مگر بنارس میں رہتے تھے صاحبِ دیوان اور نامی شاعر گزرے ہیں یہ انکا کلام ہے

گناہ میرے خطائیں مری قصور مرا
وہی کہیں ہم انہیں کو گواہ کرتے ہیں

جفائیں سہتے ہیں جور و ستم اٹھاتے ہیں
ہمیں ہیں یار جو تجھ سے نباہ کرتے ہیں

نکرتے عشق اگر آہ گاہ ہوتے عادتِ دل سے
کہ لگ جاتا ہے آسانی سے اور چھٹتا ہے مشکل سے

محبت قطع کرتے ہو تو پہلے ذبح کر ڈالو
جدائی آپکی دیکھی نہیں جائیگی بسمل سے

(بسمل) پنڈت سندر لال شرشتہ دار محکمۂ پرمٹ کانپور - ولد بخشی ٹیکا رام - ان کا بسمل
اصلی وطن کشمیر تھا مگر لکھنؤ میں رہتے تھے - شیخ ناسخ مغفور کے شاگرد تھے - صاحبِ دیوان

گزرے ہیں - یہ چار شعر اُن کے ہیں ؎

یہ نہیں ناقوس اے طفل برہمن ہات میں	کر رہا ہے مرغ دل اپنا ذبح شیون ہات میں
گوری گوری انگلیاں یوں شب کو آتی ہیں نظر	شمعیں ہیں کافور کی گویا کہ روشن ہات میں
آئینے سے بھی کہیں شفاف تیرا ہاتھ ہے	آرسی بھی ہے کیوں اے شوخ برفن ہات میں
دانتوں کے نیچے دبا میں انگلیاں اغیار نے	میں جو چٹکانے لگا اُس سیمبر کی انگلیاں

بسمل (دہلوی) حافظ محمد حسین ولد حافظ محمد بخش ساکن حویلی خاندوراں خاں دہلی شاگرد میرزا فادر بخش صابر بہادر شاہ ثانی کے زمانے میں نشو و نما پائی تھی - اشعار سے رسائی فکر و خوش کلامی ہویدا ہے ؎

نہ آوے گا یہاں تک اور نہ مطلب لکے ہووے گے	نہ سمٹے گا قیامت تک کبھی دامن تمنا کا
دل تو نے ہمسے او بت کافر اُٹھا لیا	اس نازکی پہ بوجھ یہ کیونکر اُٹھا لیا
بار گرانِ عشق فلک سے نہ اُٹھ سکا	کیا جانے میرے دل نے یہ کیونکر اُٹھا لیا
کیا کام ہے بلا سے جو تو ہو اسیر زلف	جب تجھ سے ہاتھ اے دلِ مضطر اُٹھا لیا
پیرِ مغاں نے بسمل مے کش کو دیکھکر	شیشہ بغل میں ہاتھ میں ساغر اُٹھا لیا
تم بسمل کیوں نہ مجکو چھوڑتا ہنگام ذبح	یار کو میرے تڑپنے کا تماشا ہو گیا
شکوہ مت کر حال جو بسمل تیرے دل کا ہوا	شکر ہے ہر حال میں جو کچھ ہوا اچھا ہوا
میں نہ کہتا تھا نمود و کش تو اسکی زلف سے	اس خطا سے مُنہ ترا مشکِ ختن کالا ہوا
ہم گئے تھے دل کو لینے وہ طلب کرتے ہیں جاں	دل کو کیا روتے تھے ہم اب جاں کا رونا ہو
تم سے دل کی ناز برداری نہو گی دل نہ لو	جانِ من یہ دل بُرے نازونکے ہے پالا ہوا
دلبری کی بات گو انمیں نہیں اے دل مگر	عمر بھر اُن سا نہ ظالم بھی مجھے پیدا ہوا

بسمل (مولوی عبدالحکیم ولد حکیم بخش برادر زادۂ حقیقی مولوی امام بخش صہبائی - فارسی عربی اپنے چچا حضرت صہبائی سے پڑھی - علم طب میں مہارت کامل تھی اور اس فن میں

اپنے والد ماجد کے شاگرد تھے فنِ سخن میں حضرت صہبائی سے اصلاح لیتے لیتے۔
اس فن میں ایسا ملکۂ راسخہ پیدا کیا تھا کہ انکے طباعی و ذہانت کے سب ہمعصر معترف تھے کلام
سے صفائی زباں روزمرہ ۔ بندش کی چستی ۔ نزاکت خیال و معانی ۔ اور رسائی ذہن آشکارا
ہے جو اُن کی خوش مذاقی کی دلیل ہے ۔ علاوہ ان کمالات علمی کے نہایت ستودہ صفات
و پسندیدہ اطوار تھے ۔ غدر میں جوان فتنہ گوروں کے ہاتھ سے مارے گئے ۵

نوائے بلبل و بوئے چمن تو آجاتی
قفس کے گر مرے نزدیک گلستاں ہوتا

اگر نہ تیغ نگہ سے اُسے بچاتا میں
تو ہر ہدف کیلئے آج دل کہاں ہوتا

نہ اتنا بدگماں ہو تو نہ تڑپیں گے نہ تڑپیں گے
خدا کے واسطے مُنہ کھول خنجر پر نمکداں کا

میری بالیں پہ وقت نزع لاؤ ایک دم اسکو
رہے گا حشر تک سینہ میں ورنہ داغ ہجر ارمانکا

چین دیتا نہیں یہ آٹھ پھر میں اک دم
آفتِ جان ہوا یہ دلِ مضطر نہ ہوا

دیکھ دینا نہ بتوں کو تو دل اپنا بسمل
یہ وہ ہیں جنکے کوئی ہاتھوں سے جاں بر نہ ہوا

ہزار حیف کہ سمجھے نہ تم ہمیں اور ہم
ہمیشہ کرتے رہے دل تلک نثار اپنا

شبِ فراق میں آوے اجل شتاب کہیں
کہ کر رہی ہیں عدم والے انتظار اپنا

ہم ایسے کیا تھے کہ یوں سستے معنۂ اغیار
یہ کیا کریں کہ نہیں اسمیں اختیار اپنا

کس شوق سے پہونچے ہم اے پیرِ مغاں تجھ تک
پر خوبیٔ طالع سے ماہِ رمضاں آیا

یقیں نہ تھا مجھے کچھ فتنۂ قیامت کا
پہ تیرے قد کو جو دیکھا تو اعتبار آیا

قصہ سنئے ہے کون عذاب و ثواب کا
ساقی شتاب دے مجھے ساغر شراب کا

میں اور روز و شب کی اُٹھانی ندامتیں
یارب بُرا ہو اس دلِ خانہ خراب کا

ہے آج کون بام پہ جلوہ نما جو یوں
اُڑتا ہے رنگ میری طرح ماہتاب کا

ساقی ہے اور شراب ہے اور یار ہوش
اور اُسپہ لطف دے ہے ترشح سحاب کا

کعبہ اگر بنا ہے اسی سنگ سے تو کیا
زاہد کو بت کدہ سے سبب اجتناب کا

دَیر و حرم میں جا کے جو دیکھا بچشمِ غور
پایا کچھ ایک رنگ ثواب و عذاب کا

کر دیں گے ہم زمانۂ پیری کو صرفِ زُہد
اب کیوں نہ مے پئیں کہ یہی عالم شباب کا

انداز گر یہی رہے ظالم ترے تو گھر
اُجڑے گا آج کل کسی خانہ خراب کا

لائیے گا سر پہ دیکھئے کیا کیا قیامتیں
رُخ سے یکایک اُسکا اُلٹنا نقاب کا

عہدِ شباب حضرتِ بسمل ہے مے پیو
جھگڑا اُٹھا کرو نہ کسی شیخ و شاب کا

میں کیا کہ خبر اُسکو اپنی بھی نہیں ہمدم
کمبخت یہ دل اپنا آیا تو کہاں آیا

کیا بنتی ہے اب دیکھئے بلبل کے دل و جاں پر
پھر خار نظر آئے پھر وقتِ خزاں آیا

وحشت سی برستی ہے آوارہ سے پھرتے ہو
دل آپ کا اے بسمل سچ کہئے کہاں آیا

دیر و مسجد میں خرابی پڑ گئی دل کی طرح
جس طرف سے اے بتِ کافر گزر تیرا ہوا

حضرتِ بسمل کی حالت دیکھ کر بولا یہ قیس
پیر و مرشد خیر تو ہے آپ کو یہ کیا ہوا

عاشقوں پر تیرے کب حشر سا برپا نہوا
اک قیامت ہوئی ظالم ترا چلنا نہوا

ساقی ہے آرزو کہ تیرے لطف سے کبھی
بیٹھیں جو شام سے تو پئیں تا سحر شراب

دل نام کو تھا اپنے سو وہ بھی نہیں ہے اب
مدت ہوئی کہ داغ ہے بر میں بجائے دل

شیخ سے کو بُرا بتاتے ہو
اس کا تمکو مزہ چکھائیں گے ہم

ناصحا توبہ - لے خدا کا نام
دل لگانے سے باز آئینگے ہم

مری شوقِ شہادت کو تو دیکھو اُسکے کوچے میں
خود اپنے قتل کی خاطر لئے تلوار پھرتا ہوں

مجھے ڈر ہے کہیں عالم نہ ڈوبے جوشِ طوفاں سے
لئے جوں ابر ساتھ اب دیدۂ خونبار پھرتا ہوں

نہ جی چاہے ہے کعبہ کو نہ بتخانہ کو اے بسمل
کروں کیا اضطرابِ دل سے میں ناچار پھرتا ہوں

قاصد پھرا ہے یوں کہ خدا خیر ہی کرے
میری طرح سے کچھ اُسے اپنی خبر نہیں

تاثیر شوق کی مرے حق میں ہوئی ہے زہر
ٹکتا زمین پر قدمِ نامہ بر نہیں

سُنکر مرے فسانۂ ہجراں کو دیر تک
چُپ تھا وہ اس طرح سے کہ گویا خبر نہیں

ہر ہر جگہ ہے بسملِ شوریدہ سر کی دھوم
تیرے جگر فگار کے چرچے کدھر نہیں

ہر ہر نگہ میں نازِ فروشی ہے کس لئے
اپنا تو اب وہ دل ہی نہیں وہ جگر نہیں

اس بیکسی میں آبلۂ پا تھا اک فریق
دولت سے خارِ راہ کی وہ بھی رہا نہیں

سو بار آسماں کو جلایا یہ ہم نشیں
کچھ اِن دنوں میں ضعف سے نالہ رسا نہیں

بسملؔ تم اُس سیہ دل بے مہر کے لئے
وہ بت کبھی کسی کا ہوا آشنا نہیں

اللہ ری غفلتیں کہ ہوئے ہم تو مر کے خاک
اور تم نے اب تلک نہیں اُلٹا نقاب کو

بہائے خونِ عاشق کیا اور اسکا خون کیا صاحب
مجھے تم قتل کر کے کس لئے اب ہو پشیماں سے

کسی دن حضرتِ دل تیرہ بختی گل کھلاوے گی
اُلجھنا روز کا اچھا نہیں ہے زلفِ پیچاں سے

کھُلے گا جس جگہ حق ہم وہیں سر کو جھکا دینگے
نہ ہم کو رابطہ کچھ کافر سے نے نفرت مسلماں سے

بتوں کا گھر ہے کعبہ سبحہ سے زنار کو رشتہ
کھُلا یہ ماجرا زاہد ہمیں تحصیلِ ایماں سے

گلی کوچے میں پھرنا روز کا اچھا نہیں حضرت
ہوا کیا تم کو اے بسملؔ جو ہو ایسے پریشاں سے

اے بلبلانِ باغ رہائی سے فائدہ
سر پر خزاں بھی آگئی جب ہم رہا ہوئے

اُسکی گرہ بھی کیا مرے دل کی ہے اک گرہ
بندِ قبا جو ہم سے نہ اک روز وا ہوئے

بسملؔ اُنہیں کی یاد میں سب کچھ بھُلا دیا
نادان یہ صنم نہ ہوئے کچھ خدا ہوئے

بسمل

(**بسملؔ**) پنڈت موتی لال دہلوی کشمیری - پرانے دہلی کالج میں تعلیم پائی تھی اور وہانکے بڑے ممتاز و منتہی متعلوں میں تھے انگریزی اور فارسی زبانوں میں دستگاہ کامل رکھتے تھے - تمام عمر عہدہ ہائے جلیلہ پر ممتاز رہے - کئی سال تک گورنمنٹ پنجاب کی میر منشی گری کے عہدے پر ممتاز رہ کر جوڈیشل اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر درجہ اول مقرر ہوئے - اپنے وقت کے سر برآوردہ اور نامی بزرگوں میں تھے طالب علمی کے زمانہ میں ایک تذکرہ بھی لکھا تھا - اور دو کتابیں فنِ مسمریزم میں انگریزی سے اُردو میں ترجمہ کی تھیں - انگریزی کی استعداد درجۂ عالمانہ تک تھی - مسمریزم میں بھی اچھا دخل تھا تعلیم نسواں اور دیگر مضامیں کے صلہ میں سرکار سے تمغۂ خلائی انعام پایا - ۶۲ برس کی

عمر پاکر سنہ ۱۸۹۰ء میں بمقام لاہور سفر آخرت اختیار کیا ۔ رندانہ مزاج کے اقتضا سے ریختہ گوئی کیطرف بھی طبیعت مائل تھی ۔ چنانچہ ذیل کے اشعار انکی یادگار ہیں ؎

یہ سمجھے دیکھ کر ہم خالِ لبِ سرآفتِ جاں کا	بجائے خضر زنگی پاسباں ہے آبِ حیواں کا
بہت سا فرق تجھ میں اور انمیں ہے نکر دعویٰ	مٹہ نو ہمسری ناخن دابروئے جاناں کا
بہادیں اشک کے طوفاں سے کشتی نوح کی بھی ہم	اٹھادیں ایک پل کو ہم جو پردہ چشمِ گریاں کا
چمن میں سرو کہتے ہیں تمہارے سایۂ قد کو	فلک پر چاند رکھا نام عکس روئے تاباں کا
عاقبت تک رہے پابستۂ زنجیر بلا	دیکھ پائے جو تری زلفِ گرہ گیر کے بل
گھر پر آتے ہی تیرے پاس سے مرجاتا ہوں	بس ادھر آتا ہوں میں اور ادھر جاتا ہوں

بسمل (بسمل) خواجہ فضل الرحمن دہلوی خلف اصغر نواب موسیٰ خاں ۔ بعالم شباب سنہ ۱۲۸۳ھ میں سنگ شانہ کے عارضے سے انتقال کیا حافظ احسان کے پوتے اور اپنے خالو مولانا آزردہ مغفور سے فن سخن میں مستفیض تھے ۔ کلام ضائع ہوگیا صرف یہ شعر ملا ؎

بعد مرنے کے وصل ہوتا ہے	تم بھی بسمل کسی پہ مر دیکھو

بسمل (بسمل) شیخ محمد زماں عرف عبدالرحمن صدیقی ابن شیخ افضل الرحمن بجنوری نواح لکھنؤ میں ایک مقام ہے فرخ آباد عرف چلاواں وہ اُن کا مولد و ملن ہے ۔ مگر مدت سے شہر رام پور میں بود و باش ہے ۔ نواب کلب علیخاں کے عہد سے ملازم ریاست ہیں سنہ ۱۲۶۳ ہجری سال پیدائش ہے ۔ نہایت خلیق اور بڑے نیک ذات ہیں ۔ عربی کی کچھ کتابیں منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی مرحوم کے منجھلے بھائی مولوی عنایت احمد مغفور سے پڑھی تھیں فارسی میں امیر مینائی مرحوم سے مستفیض ہوئے ۔ شعر و سخن سے دلی شوق ہے مخصوص اُردو شعر گوئی سے بہت ذوق ہے ۔ حضرت امیر مینائی مرحوم کے شاگردوں میں ممتاز ہیں ترتیب تذکرہ انتخاب یادگار کے وقت عدالت دیوانی میں نائب سررشتہ دار تھے کلام بہ سیاق کا انتخاب ملاحظہ ہو ؎

چشمِ بینا ہو تو دیکھے وہ تماشا تیرا	کعبہ و دیر میں ہے ایک سا جلوہ تیرا

ہوں میں بیگانہ میری کون سُنے گا ساقی
میکدہ تیرا ہے مے تیری ہے مینا تیرا

مہ و مہر آنکھوں میں کیونکر سمائیں
تصوّر میں ہے روئے روشن کسیکا

غش میں گرے کلیم تو آئی ندائے غیب
وہ ذوق و شوق طالبِ دیدار کیا ہوا

کس غمزدہ نے آج جہاں سے سفر کیا
چلّا رہا ہے غم میرے غمخوار کیا ہوا

زبان پیغامبر کی قطع کر کے بھیجدی مجھ کو
جواب اچھا دیا ظالم نے پیغام زبانی کا

ہوں میں وہ افسردہ خاطر نغمۂ اہل طرب
کان تک میرے جو پہونچا نالۂ ماتم ہوا

قیامت سایہ بنکر پیچھے پیچھے ساتھ ہوتی ہے
گزر جس راہ سے ہوتا ہے میرے آفتِ جاں کا

بوجہ پرزے پرزے گریباں گل نہیں
یہ بھی تو ماتمی ہے تمہارے شہید کا

مرنے کا اپنے غم نہیں پر غم یہ ہے کہ غم
بیکس ہوا غریب ہوا بیوطن ہوا

کوئی بات سُنئے گا مطلب کی بھی
کہ قصہ کہانی میں جائے گی رات

ہے عشق جسم حُسن تو ہے حسن جانِ عشق
جو حسن کا مکان ہے وہی ہے مکانِ عشق

کچھ اُس نے کمی کی مگر انداز جفا میں
فریاد ہے کیوں مجمع ارباب وفا میں

پونچے جو صنم خانے تو دیکھے وہ کرشمے
بت بن گئے خود بیٹھ کے ہم یادِ خدا میں

پانی کی جگہ خوں شہیدوں کا ملا دو بہ
سنو خمی تمھیں منظور ہے گر رنگ حنا میں

لذت ہے جو آبِ دمِ شمشیر میں تسلیم
وہ خضر کو حاصل نہوئی آبِ بقا میں

ملیں گے زاہدانِ خشک کیونکر بادہ خوار نہیں
کبھی گنتی نہو گی ان پیادوں کی سوار نہیں

ادھر چلی اُدھر چلی یہاں تڑپی وہاں تڑپی
گنی جاتی ہے بجلی بھی تمہارے بیقرار نہیں

انداز کیا نرالے مرے دلستاں کے ہیں
دل کے پوچھتا ہے ارادے کہاں کے ہیں

کچھ ایسی بیخودی تھی سرورِ وصال میں
ہم کہہ گئے جواب کا مطلب سوال میں

تیرے دیوانے نے یہ پیدا کیا رنگِ اثر
جس پری سے ملگئیں آنکھیں وہ دیوانی ہوئی

دھو گئی ساری سیاہی نامۂ اعمال کی
جب گرے اشکِ ندامت جب پشیمانی ہوئی

عقیدت سے جو ساقی سے تو بے کھٹکے پیے جاؤ
کہاں کی گفتگوئے حلت و حرمت نکال ہے

دل کی طرح عزیز مجھے داغِ دل بھی ہے
اس پھول میں بسی ہوئی خوشبو وفا کی ہے

ٹھوکر لگا کے لاش کو قاتل نے یہ کہا
بسمل اٹھو اگر تمھیں ہمت وفا کی ہے

بڑھا ہے اُنس یہ دردِ جگر سے
تڑپ جاتا ہوں ذکرِ چارہ گر سے

ہوا آخر وہ ظالم جی کا دشمن
جسے دیکھا محبت کی نظر سے

یہی ہے حکمِ ضبطِ رازِ الفت
نہ گرنے پائے آنسو چشمِ تر سے

خود اپنے عکس سے آئینہ میں وہ کہتے ہیں
کہ دیکھ دیکھ غش آیا ذرا سنبھال مجھے

ڈہلا جو کاندھے سے وقتِ خرام ناز اس کے
کہا ادا سے ڈوپٹے نے تو سنبھال مجھے

اے بیخودی سلوک کرا تا کہ حشر تک
میری خبر رہو دل کو نہ دل کی خبر مجھے

بزم میں انکی کیا کرتا ہے مجھکو بیچین
دل سے کہدو میرے پہلو سے ذرا ہٹ بیٹھے

سمجھ عشرتکدہ غافل نہ عبرت گاہِ عالم کو
یہاں مثلِ حبابِ بحر اک دم بھر کی ہستی ہے

زباں واعظ کی بھی لڑکھڑا یا پاؤں زاہد کا
نگاہِ نازِ ساقی میں عجب عالم کی مستی ہے

جلا پروانہ کوئی شمع پر گر کر تو سمجھا میں
کہ مرجانا تامل مذہبِ شاہد پرستی ہے

خدا کا ہے اگر طالب خودی کو چھوڑ دے بسمل
گزرنا خود پرستی سے کمالِ حق پرستی ہے

نقشِ پا بس کے میں اُس در پہ پڑوں تو لیکن
ڈر ہے چل پھر کے مٹا دیں نہ مٹانے والے

لیں زمانے نے کروٹیں کتنی
رنگ بدلے نہ اُنکی محفل کے

بے محابا حسنِ مطلق کی تماشائی ہوئی
سات پردوں میں اسی سے قید بینائی ہوئی

دیکھکر آئینہ اپنے عکس سے بولا وہ شوخ
پڑتی ہے اب آپکی بھی آنکھ للچائی ہوئی

نشۂ حسن وہ کافر ہے کہ جس آنکھ میں آئے
نہ محبت نہ مروت نہ وفا رہنے دے

کیوں کروں قصدِ حرم کیوں ترے در سے اٹھوں
کیوں کروں کعبہ کو سجدہ ترے در کے ہوتے

کیا دخل پری آکے یہاں رنگ جمائے
دیوانہ ترا حور پہ بھی آنکھ نہ ڈالے

اے پیرِ مغاں تاک میں ہے محتسبِ شہر | بردے سے قدم دخترِ رز باب نہ نکالے
پیاسے ہیں بہت خیر ہو ساقی ترے دم کی | للہ پلا دے ہمیں دو چار پیالے

بسمل

(بسمل) مولوی رضی الدین بسمل خلف حکیم سعید الدین خان سعید سندِ وکالت حاصل کر کے نواب محمد علیخاں مرحوم معزول رئیس ٹونک کی سرکار میں داروغہ ہو گئے اور اسی وجہ سے بنارس میں سکونت اختیار کر لی تھی - چند سال بعد شاہجہاں پور جا کر وکالت شروع کر دی - فنِ سخن میں مولانا مذاق سے استفادہ کیا تھا یہ کلام ہے ؎

رُکا ہے آ کے دمِ سینہ میں باہر آ نہیں سکتا | نہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں بُرا ہو ناتوانی کا
مینے دیکھا ہے اُسکے ابرو کو | کیا سمائے ہلال آنکھوں میں
شب نہ آیا ترے تصوّر میں | خواب کا بھی خیال آنکھوں میں
ہنس ہنس کے وہ زخمِ دل نہ سیل | چھڑکیں جو نمک تو کیا مزہ ہو
واعظ یہ ترا ظاہر و باطن نہیں یکساں | لب پر تو خدا دل میں ترے یادِ بتاں ہے
بینا ہُوا گر دیدۂ باطن تو ہو معلوم | وہ پردہ نشیں دل ہی کے پردہ میں نہاں ہے

بسمل

(بسمل) حافظ سید محمد حسین بسمل خیرآبادی مولوی عبد الحق منطقی خیرآبادی کے حقیقی نواسے اور آجکل کے مشہور شاعر مضطر خیرآبادی کے بڑے بھائی اور امیر مینائی کے شاگرد تھے - دربارِ ٹونک میں پہلے بصیغہ سفارت و وکالت رہے پھر میر منشی بھی ہو گئے تھے - نواب ابراہیم علی خاں صاحب بہادر والیِ ٹونک اِن سے مشورۂ سخن بھی لیا کرتے تھے اور اُنکا نہایت ادب کیا کرتے تھے منکسر المزاج اور درویش صفت آدمی تھے - فارسی میں اعلیٰ درجہ کے مشاق تھے اُردو کی طرف کم میلان تھا چند سال ہوئے ۷۵ برس کی عمر میں بمقام اجمیر انتقال کیا - کلام کا انتخاب یہ ہے ؎

اس خموشی سے بھی سو باتیں نکلتی ہیں صنم | عین گویائی ہے چُپ رہنا تری تصویر کا
نزع میں خواہش نہیں کچھ اور اے قاتل مگر | چاہتا ہوں بُوند بھر پانی تری تلوار کا

اب لذتِ زخمِ جگری پوچھتے کیا ہو
جب تم ہو نمک پاش تو پھر کیوں نہ مزا ہو

دل اُسکو کہا کرتے ہیں جو تجھ پہ فدا ہو
دم وہ ہے کہ جو تیری محبت میں فنا ہو

نہیں رندوں نے یہ سر پر چڑھی ہے
خدا کی مار زاہد پر پڑی ہے

کسی کے گیسوئے بگوں سے بچا کر
سیہ بختی مری ٹکر لڑی ہے

جہاں دل تھا وہاں اب کچھ نہیں ہے
بنا لو گھر جگہ خالی پڑی ہے

گواہی دے رہا ہے روزِ محشر
بڑی ہے تو شبِ فرقت بڑی ہے

بسمل

(**بسمل**) منشی غلام اللہ بسمل خلف منشی سرفراز علی کنبوہ - بانس بریلی کے رہنے والے ہیں سرکار انگریزی میں ملازم تھے اب پنشن خوار ہو کر خانہ نشین ہیں حج بھی کر آئے ہیں مرزا غالب کو کلام دکھایا ہے - اور فکرِ سخن میں اُنہیں کی طرز کے مقلد ہیں جیسا کہ کلام ذیل سے ظاہر ہے - چار پانچ سال قبل تک زندہ تھے - اب حال معلوم نہیں ۵

غزل مسلسل

شب وفورِ اشک سے گردوں کفِ سیلاب تھا
دورۂ چشمِ کواکب حلقۂ گرداب تھا

واں حنا بندیِ عناں گیرِ خرامِ ناز تھی
یاں تنِ کاہیدہ غرقِ اشکِ خونناب تھا

شمع بزمِ عیش تھا واں خندۂ دنداں نما
اشک جو آنکھوں سے ٹپکا یاں درِ نایاب تھا

واں رخِ پرنور تھا صبحِ اُمیدِ زندگی
یاں ہر اک داغِ جگر خورشیدِ عالمتاب تھا

واں نگاہِ مرحمت آلودہ تھی گلچیں بہار
موجزن یاں چشمِ تر سے خوں کا سیلاب تھا

یاں دلِ شوریدہ کو سر پھوڑنا تھا خانماں
زیرِ سر واں غیرِ کاز انو برائے خواب تھا

دیدۂ بیخواب تھا یاں ہائے محوِ انتظار
استراحت کے لئے واں بسترِ سنجاب تھا

حسنِ تمکیں آزما کو پاسِ خودداری اُدھر
خانہ زادِ عشق کو ملحوظِ یاں آداب تھا

اُنکو پاسِ ننگ و ناموس انکو پاسِ وضع
وہ ادھر بیتاب تھے اور میں ادھر بیتاب تھا

ہو گیا بے ساختہ یوں آج سرگرمِ سخن
ایک مدت سے نوا سنجی کو دل بیتاب تھا

دیدۂ بیخواب کو شب تھا کسی کا انتظار
کان آہٹ پر رہا واں مژگاں سے خونناب تھا

ہائے ایسے ناتوان پر تو ہوا تیغ آزما — نشترِ فصاد جس کو دشنۂ قصاب تھا
کیوں نہ جھکتی زاہدِ مغرور کی گردن اکڑ — خنجرِ خمدار قاتل صورتِ محراب تھا
ساغرِ مل اب کہاں وہ شورِ قلقل اب کہاں — نغمۂ بلبل فسانہ جلوۂ گل خواب تھا
مینے دیکھا رات بسمل کو پڑا تھا خاک پر — بسترِ سنجاب تنہا نے بالش کمخواب تھا

بسمل

(بسمل) منشی واحد علی باشندہ کاکوری۔ حضرت امیر مینائی کے شاگرد اور بڑے طبّاع اور ہوشیار شخص ہیں۔ قریب ۴۰-۴۲ برس کی عمر ہے۔ زبان ستھری اور مذاق سلیم رکھتے ہیں عرصہ دراز سے رامپور میں بعہدۂ نائب میر منشی ممتاز ہیں نمونۂ کلام ملاحظہ ہو

دل میں مجمع ہے مرے یار کے پیکانوں کا — میزبان ہے یہ عجب نوک کے مہمانوں کا
غضب ہے جوانی میں جوبن کسی کا — قیامت ہے بے ساختہ پن کسی کا
جلوہ پردہ سے دکھاتا نہ اگر بیٹھ کے تو — نہ تو کافر کوئی ہوتا نہ مسلمان ہوتا
تو قتل گہ ناز میں دم بھر بھی نہ ٹھیرا — کشتے ترے تڑپا کیے آغوشِ قضا میں
ساقیا عید کا دن روز نہیں آتا ہے — آج دن بھر درِ میخانہ کھلا رہنے دے
زخم کہتے ہیں تیغ سے مل کر — آج نکلیں گے حوصلے دل کے
نوکِ مژگاں ذرا خیال رہے — پھوٹ جائیں نہ آبلے دل کے
ادھر کا گرم ہے پہلو ادھر سے — تڑپ دل میں سوا ہے کچھ جگر سے
نگاہیں ڈھونڈھتی پھرتے ہیں پیروں — نکل جاتا ہے وہ کافر جدھر سے
پھرے ہوئے گور غریبان وہ ہیں آنیوالے — پھر ہیں سوتے ہوئے فتنوں کو جگانیوالے
کیا ستم ہے رہے مالک کہیں گھر کے ہوتے — تیر پہلو سے نکل جائے جگر کے ہوتے

بسمل

(بسمل) مولوی فتح الدین صاحب مرحوم آپ پنجابی اخبار نویسوں میں درجۂ امتیاز رکھتے تھے اور بڑے ہوشیار۔ ذکی اور لئیق مضمون نگار تھے۔ کئی سال تک آپ پنجاب پنچ لاہور کے اڈیٹر رہے علاوہ ازیں علمی اور رفاہ عام کے دیگر کاموں میں بھی نہایت مستعدی

سے حصہ لیتے تھے - ظرافت کے مضامین لکھنے میں آپ کو اچھا ملکہ حاصل تھا - عالم شباب ستمبر ۱۸۹۱ء میں بعارضۂ تپ انتقال کیا - آپکا کلام تلف ہوگیا بمشکل یہ چند شعر ایک پولیٹیکل غزل کے ہاتھ لگے - درج تذکرہ کئے جاتے ہیں ؎

کابلی برسرِ پیکار ہیں لو اور سنو
اُن کی اب موت کے آثار ہیں لو اور سنو

جنکے صدقے سے پلے اور ہوئے اتنے بڑے
اُن سے ہی لڑنے کو تیار ہیں لو اور سنو

شاہ تھیا نہ تو اور ک نہ مصالح موجود
سونٹھ کی گانٹھ پہ عطار ہیں لو اور سنو

کل جہالت میں جو غرقاب تھے یہ کالا لوگ
سول سروس کے طلبگار ہیں لو اور سنو

دو قدم گو نہیں چل سکتے مگر اسپر بھی
جنگ میں چلنے کو تیار ہیں لو اور سنو

ہم نہ سے مولوی تھے آج طفیلِ سرکار
بیچ ہیں صاحب اخبار ہیں لو اور سنو

جیب میں نا فے پڑے رہتے ہیں بسمل کے مدام
آج ہم غیرتِ تاتار ہیں لو اور سنو

بسمل (رامپوری) صاحبزادہ محمد مرتضےٰ خان شاگرد جلال - رامپور کے عمائد میں سے ہیں بڑے خوش فکر شاعر ہیں کلام انکا بہت اچھا ہوتا ہے - ۴۰ - ۴۵ برس کی عمر ہے - ریاست سے گزارہ کے لائق وظیفہ پاتے ہیں یہ کلام ہے ؎

ہوش کیوں جاتے رہے کس کا تجلا دیکھا
طور پر آپ نے کیا حضرتِ موسیٰ دیکھا

جذب نظارہ مراد دیکھ تو اے حسرتِ دید
اٹھ گیا وہ رُخِ محبوب کا پردہ دیکھا

کیا کچھ بتوں کو روزِ ازل اے خدا دیا
مجھ کو بس ایک دل ہی یہ حسرت بھرا دیا

بزم سرور ہوگئی بزمِ عزا مری
اس گل کو لا کے پھولو نہیں کس نے بجھا دیا

دے کر خبر وصال کی تڑپا یا ہمکو اور
مژدہ اجل نے نزع میں یہ کیا سنا دیا

کہنا کسی کا ہائے پسِ قتلِ ناز سے
اللہ رے سخت جاں مرا بازو دکھا دیا

ہماری چشمِ نظارہ بین کو تاکے کیونکر نہ بدگمانی
یہ کسکو نرگس چمن میں یا رب نگاہِ حسرت سے تک رہی ہے

تمام مطلب ادا ہو کیونکر مرا بیان اور زبانِ قاصد
وہ پوچھتے ہیں کہاں سے آیا زبان اُسکی بک رہی ہے

بپا محشر ہوا آہ و فغاں سے ہوئے آگاہ سب دردِ نہاں سے
مزے تیرِ نگہ کے کوئی پوچھے ترے بسمل سے تیرے نیمجاں سے

بسمل ۔ منشی سید احمد شاہ صاحب شاکرد قیصر الہ آبادی دورِ موجودہ کے شاعر ہیں ۔ کلام کا رنگ مندرجہ ذیل اشعار سے ظاہر ہے ۔ بسمل

آپ نے وعدۂ دیدار کیا ہے جب سے دیدۂ شوق بنا ہے ہمہ تن دل اپنا
دیسا نہیں جب لبِ جاں بخش کے پی لیتا ہوں زہر میں بھی اثرِ آبِ بقا ہوتا ہے
شور کرتا نہیں ناقوس کلیسا غافل اسی پردے میں وہاں ذکرِ خدا ہوتا ہے
تیرِ نگاہِ ناز کسی خوش جمال کے پہلو سے لیگئے جگر و دل نکال کے
فتنے بھی پامال ہوں ٹھوکر سے راہ میں محشر بھی لے قدم تری مستانہ چال کے
کچھ پی گئے ہیں آج مقرر جناب شیخ ہو حق جو کر رہے ہیں عمامہ اوچھال کے
دو گھونٹ کیا پلائے کہ مدہوش کر دیا قائل ہیں ہم تو پیرِ مغاں کے کمال کے
اثر دیکھا صبا کا غنچۂ پیکاں میں قاتل کے گلِ خنداں بنا ہر اک دہانِ زخم کھل کھل کے
نہ چوکا انکوائے شورِ قیامت کنجِ مرقد میں تھکے ماندے مسافر سو رہے ہیں پہلی منزل کے
قضا سر پر کھڑی ہے ہنس کے وہ چرکے لگاتے ہیں تماشے کس ادا سے دیکھتے ہیں رقصِ بسمل کے

بسمل ۔ سید بنے میاں صاحب باشندۂ رامپور شاگردِ مولانا راسخ دہلوی ۔ نوجوان آدمی ہیں ۔ کبھی کبھی شعر بھی کہہ لیتے ہیں ۔ بسمل

بیقراری میں دلِ بیتاب سا موش ہے کون کوئے جاناں کی طرف مجکو یہ رہبر لیچلا
الدد شوقِ شہادت ہمت آزوقِ وصال رازِ دل اُس نازنیں سے برملا کہنے کو ہیں
کچھ اشارہ آنکھ کا ہے ملتے ہیں کچھ میرے لب دونو ملکر تجھسے کچھ اے بیوفا کہنے کو ہیں
ذرا تو ریخ الفت کا جوانی میں مزہ دیکھو پلے ہو مدتوں اے حضرتِ واعظ دو غمت میں
دیکھ لے آکے تماشا سرِ بالینِ مزار دل لگی کرتی ہیں حوریں ترے دیوانے سے

کیوں نگہ پھیرتے ہو آؤ چھری پھیر بھی دو | | لوگے کیا طالبِ دیدار کے تڑپانے سے

بسمل

بسمل منشی عبدالرحیم بسمل کلرک کورٹ آف وارڈز فیروزپور باشندہ کرانہ حضرت ارشد گورگانی کے تلامذہ سے ہیں۔ انکے والد شیخ ہدایت اللہ صاحب ریاست ممدوٹ میں وکیل ہیں۔ انکی عمر تیس سال کرانہ ضلع مظفرنگر کے رہنے والے ہیں طبیعت صوفیانہ ہے اپنے استاد کا کلام بہت جانفشانی سے فراہم کیا ہے خود بھی صاف صاف اچھا کہتے ہیں۔ مذاق سلیم ہے مندرجہ ذیل کلام سے آپ کی خوش فکری اور بلند نظری ظاہر ہے۔

محوِ خرامِ یار کو محشر سے کام کیا | | اے صورِ حشر کیوں مجھے ناحق جگا دیا
کعبے میں تیرا فیض ہے جاری دیکھا | رباعی | بُت خانہ میں ہر بندہ پجاری دیکھا
صد شکر کہ کی ترک دورنگی بسمل | | ہر گھٹ میں ہے اب شام مراری دیکھا
خوش وقت ہے وحدت کا جسے جام ملا | رباعی | کیا خوب یہ سرکار سے انعام ملا
آنکھوں سے اُٹھا اپنے دوئی کا پردہ | | ہر رنگ میں بسمل ہے سریرام ملا
ہمکو مزا جو ملتا ہے سوز و گداز میں | | زاہد تجھے کہاں وہ میسر نماز میں
سلجھے ہوؤں کی عین حقیقت پہ ہے نظر | | اُلجھے ہوئے ہیں حضرتِ زاہد مجاز میں
کس کو تمیز قبلہ و قبلہ نما رہے | | میں وقتِ سجدہ غرق تھا بحرِ نیاز میں
بسمل دہن پہ مجھ خموشی لگی رہے | | منصور وار دار ہے افشائے راز میں
تُو انتخابِ حسن کا نقطہ ازل میں تھا | | گو لاکھ ہوں حسین یہ تجسّما کہیں نہیں
تھا خوانِ فیض جنکا جہاں کے لئے کھلا | | آج اُنکے شب کے کھانیکو نانِ جویں نہیں
گھٹا کی آبرو لٹ جائے پانی پانی باراں ہو | | ہماری چشمِ تر رونے پہ گر آجائے ساون میں
ہر شان میں ہے شانِ نرالی تیری | رباعی | سر جھکتے ہیں درگاہ ہے عالی تیری
آباد ہے۔ ہر نام سے دلکا مندر | | آنکھوں میں ہے تصویرِ خیالی تیری

آپ تو اٹھکر ابھی سے گھر چلے | | عاشقوں کی کیا تسلی کر چلے

بار اُٹھکر بٹھا دیا دل نے — اُٹھکے کوچے سے ترے اکثر چلے
سحر بنگالہ ہے آنکھوں میں تری — ہم پہ بھی جادو کوئی منتر چلے
آپ اُٹھنے میں اِدھر بیہوش ہوں — بیٹھے بیٹھے کیا یہ جادو کر چلے
ہر نام سے اب عشق کا ساغر اُٹھے — رہی توحید کے بادل سے سمندر اُٹھے
ماتے پہ تلک کہتا ہے سُن لو بسمل — مالک کی نہ چوکھٹ سے کبھی سر اُٹھے

بسمل

بسمل - منشی محمد عبدالرحمٰن خلف مولوی حکیم قربان علی حنفی مذہب قادری مشرب نوجوان ہیں موضع منہار ضلع گیا آپ کا وطن اور ۱۲۹۹ھ سالِ پیدائش ہے - گیا میں بود و باش ہے اور کتابت کے مشغلہ سے اوقات بسری کرتے ہیں - شاعری کا عنفوانِ شباب سے شوق ہے جو کچھ کہتے ہیں اُس میں خواجہ محمد عبدالرؤف عشرت لکھنوی سے مشورہ کر لیتے ہیں اُردو اور فارسی دونوں میں طبع آزمائی کرتے ہیں - کلام مرسلہ میں سے چند شعر انتخاب ہو کر درجِ تذکرہ کئے جاتے ہیں -

سختی ہجر اُٹھائے دلِ مضطر کیونکر — رکھ لے سینے پہ الٰہی کوئی پتھر کیونکر
دیکھنا ہے کہ ملاتے ہی نظر دل کو مرے — چھین لیتی ہے تری چشمِ فسوں گر کیونکر
رو دوں صحرا میں سمندر میں اگر آہ کروں — مچھلیاں دشت میں پیدا ہوں ہرن پانی میں

ابھی باقی ہے حرصِ زندگانی — چراغِ گور روشن ہے ہوا میں
اودھ کر لیا دلِ عشاق چھوٹیں — بلا کے بیچ ہیں زلفِ دوتا میں

دل تو لیتے ہو مگر بوسہ تو دیدو پہلے — تم سمجھتے ہو کہ مجھ سا کوئی ہشیار نہیں
گوشِ گل تک کبھی فریاد نہ پہنچی افسوس — چیختے چیختے بلبل کی زباں سوکھ گئی
زیادہ دوستی میں دشمنی کا خوف رہتا ہے — عدو وہ بنگیا جس سے ذرا ہمنے محبت کی
نہ ترکِ عشق ممکن ہے نہ صبر آتا ہے فرقت میں — عجب آفت میں جانِ زار ہے بیمارِ الفت کی
فراق میں مجھے برسات تیرِ باراں ہے — ہوائیں ہوتی ہیں سینہ کے پار ساون کی

شمع لے کر مری تربت پہ نہ آئے کوئی | مر گیا ہوں مجھے اب تو نہ جلائے کوئی

بسمل - منشی اشرفی لال - آپ غالباً رامپور کے رہنے والے اور حضرت امیر مینائی کے شاگرد ہیں - یہ کلام کا خلاصہ ہے -

شورِ محشر مرے نالوں نے اٹھایا کیسا | ہو گیا سارا زمانہ تہ و بالا کیسا
حسرت و یاس و الم دم تو ذرا لینے دو | آخری وقت لگا رکھا ہے میلا کیسا
خود نما حسن نہیں جذبِ محبت بھی نہیں | پھر یہ بے پردہ تمہارا ہے نکلنا کیسا
وہ اثر ہے مرے نالو نمیں جو چاہوں بسمل | دل کو تھامے ہوئے وہ آئیں نہ آنا کیسا

بشناش - آغا کلب عابد خاں بہادر اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر درجہ اول امرتسر خلف اکبر نواب کلب حسین خاں مادر مرحوم ورئیس بنارس - بہت نیکنام منصف اور فیاض شخص گذرے ہیں امرتسر ہی میں اقامت اختیار کر لی تھی - ایک عظیم الشان سرائے رفاہِ عام کی غرض سے امرتسر میں تعمیر کرائی تھی وہ آپ سے یادگار ہے - پندرہ سال کے قریب ہوئے وہیں انتقال کیا - مندرجہ ذیل اشعار آپ کی موروثی موزونی طبع کا نتیجہ ہیں -

نہ میرے درپے ایذا ہے آسماں تنہا | ہزار دشمنِ جاں ہیں اور ایک جاں تنہا
اگرچہ دشمنِ جاں ہوں مرے رقیب ہزار | نہیں ہے خوف جو ہو دوست مہرباں تنہا
ہے صحبت آپکی ناصح مجھے عذابِ الیم | وہ بہتر اس سے بسر ہو جو مہرباں تنہا
میں عادت اسلئے کرتا ہوں گوشہ گیری کی | کہ کنجِ قبر میں رہنا ہے جاوداں تنہا

بشناش - منشی دیبی پرشاد خلف منشی نہتن لال بھجت قوم کایستھان کے بزرگ شہر بھوپال کے متوطن تھے یہ خود عرصے اجمیر میں سکونت پذیر ہیں اُردو انشاپردازی اور تالیف اور تصنیف کتب جغرافیہ - وتاریخ کا زیادہ تر شغل رہتا ہے - اوائل عمر میں صاحبزادگان ٹونک کی سرکار میں منسلک رہے اُسکے بعد ریاست جودھپور میں ملازم رہے - لطائف ہندی افسانۂ خرد افروز - گلدستۂ ادب - وقایع راجپوتانہ - احکام نوشیروانی - تاریخ ترک ہند - تذکرہ

شعرائے معہود۔ اُن سے یادگار ہیں۔ اسوقت آپکی عمر ۶۰ برس کے قریب ہے اور ریاست میں منصفی کے عہدہ پر ممتاز ہیں۔ یہ اُنکے اشعار کا خلاصہ ہے۔

ہر بزم میں ہے ذکر تری جلوہ گر یکا — لیتا نہیں اب نام کوئی حور و پر یکا
آفت ہی تجھپہ ڈھائینگی یہ بے نیازیاں — جب داد اپنی چاہینگے اے بُت خدا ہم
سیر ہو کر دیکھنے پائے نہ روئے یار ہم — جل گئے لالے نہ تاب گرمیٔ دیدار ہم
علاج ہجر بتاؤ مجھ کو خدا کے لئے — ہمیں تو موت بھی ملتی نہیں دوا کے لئے
بُرا نہ جانئے تو تقوے آب کیا جانے — نہ پی ہو جسنے وہ قدر شراب کیا جانے
بغل میں جسکے نہو ایک چاند سا معشوق — وہ لطف سیر شب ماہتاب کیا جانے
جسے نصیب نہو لذت وصال صنم — بھلا وہ لذت عہد شباب کیا جانے
دلکو لگی ہے شعلہ رخونکے وصال کی — کعبہ میں روشنی ہے تو نکے جمال کی
عشق میں پایا ہم نے کیا بشاش — جان کھو بیٹھے جی کھپا بیٹھے

بشیر

بشیر۔ شیخ بشیر احمد سرہندی ازاولاد شیخ احمد سرہندی۔ اکثر علوم و فنون مثلاً رمل۔ نجوم عروض۔ موسیقی میں مداخلت تمام رکھتے تھے۔ خوش وضع خوش خلق شخص تھے باقتضائے موزونی طبع صحبت احباب میں کبھی کبھی فکر سخن بھی کر لیتے تھے۔

رونق ہے غم کی ہمسے کہ گلشن میں دہر کے — جوں سرو سر بلند میں آہ کشیدہ ہوں
موج آب زندگی ہے جو ہر تیغ نگاہ — دیکے سر لے لیجئے یہ آب حیواں پھر کہاں
جب تلک ہے تو کمند زلف مشکیں کا اسیر — خواب راحت کرلے یہ شام غریباں پھر کہاں
غافلوں کی مت نصیحت مان اے شوریدہ سر — سلطنت اپنی نہ کھو یہ فوج طفلاں پھر کہاں

بشیر

بشیر۔ میر بشارت علی دہلوی شاگرد فخر الشعرا میر نظام الدین ممنون غدر سے بہت پیشتر لکھنؤ سے واپسی کے وقت سفر میں انتقال کیا۔ ۱۲۴۴ھ تک حیات تھے یہ اُنکے اشعار ہیں

دل بیتاب پہ ہم ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں — دیکھتے ہیں تجھے حسرت سے بھرے بیٹھے ہیں

یارب نہ کھلے زلفِ گرہ گیر کسی کی | دل بستہ ہے واں خاطرِ دلگیر کسی کی
شاید دلِ بیتاب کو تسکین ہو اپنی بڑھ | کھچوا کے رکھوں سینہ پہ تصویر کسی کی

بشیر ← بشیر

بشیر محمد بشیر خاں رامپوری ساٹھ باسٹھ برس کی عمر ہوگی۔ پرانے سپاہیانہ وضع کے آدمی ہیں۔ فنِ شناوری میں بھی اچھے بلکہ اوستاد ہیں۔ شعر شاعری کا شوق ابتدائے عمر سے رکھتے ہیں۔ بظاہر الف کے نام بے نہیں جانتے مگر مبدء فیاض نے اس فن میں انکو بھی خاصہ حصہ دیا ہے۔ شعر اچھا کہہ لیتے ہیں۔ یہ ہرگز نہیں معلوم ہوتا کہ کسی اَن پڑھ کا کلام ہے۔ بتیس برس کی مشق نے طبیعت میں پوری رسائی پیدا کر دی ہے۔ جو کچھ کہا نواب فصیح الملک مرزا داغ دہلوی کو دکھا لیا۔ رامپور سے انکے فیضِ صحبت کا لطف اُٹھایا ہے۔ اب آجکل حیدرآباد میں کسی رئیس کے ہاں ملازم ہیں یہ اُن کا کلام ہے۔

گردشِ چشم سے کب یہ دلِ مضطر بچتا | بُت وفا کرتے تو اُن سے کوئی کافر بچتا
یہ لگاوٹ یہ کرشمے جو نہ تجھ میں ہوتے | اے صنم کہہ تو خدا سے کوئی کیونکر بچتا
نقد دل میں نے چھپایا تو بُرائی کیا کی | کوئی رکھتا نہیں دولت کو تو نگر باہر
اُسکا وہ ناز سے کہنا کہ عبث رو رو کر | پانی کرنا تمہیں خوب اپنا لہو آتا ہے
دُھوم رندوں میں ہے مسجد سے نکلکر باہر | آج میخانہ میں کرنے کو وضو آتا ہے
تنہا لحد میں چھوڑ گئے آج وہ رفیق | ہوتے نہ تھے جو مجھسے گھڑی بھر جدا کبھی
وہ چیز تھی شراب کہ اس پر جہاں نہیں | سب فاتحہ دلاتے جو ہوتی روا کبھی
تیغِ قاتل پر گلو مقتل میں رکھدیں بڑھکے خود | کر دکھائیں آج ہم بھی جو ہمارے ولیں ہے
بتو نکو بیوفا تو نے بنایا کیا وفا کم تھی | کمی کسکی تھی کیا تیرے گھر میں ایخدا کم تھی
نگاہِ غور سے دیکھا تو یہ دونوں برابر تھیں | نہ فرقت تھی قضا سے کم نہ فرقت سے قضا کم تھی
بنایا آسماں بھی اور اک بہرِ ستم تو نے | الٰہی تیرے بندوں پر تو نکی کیا جفا کم تھی

بشیر

بشیر۔ شاہ بہاء الدین دہلوی معروف بہ عبداللہ شاہ بشیر۔ آپ شاہ نصیر کے چھوٹے بیٹے شاہ نجم الدین صغیر کے حقیقی نواسے تھے اور چونکہ انکی کوئی اولاد نرینہ نہ تھی اس لئے انہوں نے انھیں متبنےٰ بھی کرلیا تھا چنانچہ انکی وفات کے بعد درگاہ وجاگیر آبائی خانقاہ صدر جہاں (دہلی) کے مالک ہوئے۔ فن سخن کا مذاق موروثی تھا اور اس میں اپنے عزیز شاہ تنو پر سے مشورہ لے لیا کرتے تھے عربی فارسی کی تحصیل اچھی تھی تصوف اور فن سخن کی کتابوں کا اکثر مطالعہ کرتے تھے۔ افکار زمانہ نے کبھی دل جمعی نہ ہونے دی۔ ایک تذکرہ شعراء اردو کا لکھنا شروع کیا تھا مگر اسے پورا نہ کرسکے۔ سات برس کا عرصہ ہوا انتقال کیا۔ ۵۵-۶۰ برس کے قریب عمر پائی قلمی دیوان جو راقم تذکرہ کے کتب خانے میں موجود ہے اسکا انتخاب درج ذیل ہے۔

چراغ صبح ہوں اک دم کا مہماں تم ذرا دم لو
مجھے رخصت تو کر لو نام لینا بعد رخصت کا

جُدا یا گر نہیں ہے دل تو کیوں آنکھیں چراتے ہو
نہ شرماؤ کہ شرمانا تمہارا گھر ہے تہمت کا

دل مرا جانے ہے یا اسکو خدا جانے ہے
کہ ترے ظلم سہے اسنے ستمگر کیا کیا

ہوشمیں پھر یہ بختگ دل ناشاد آیا
اُسکا یہ کہنا نہ چھیڑو مجھے جب یاد آیا

رو کے سمجھے تھے کہ کچھ دل کو کریں گے خالی
چشم تر کرنے لگی اور یہ رسوا اُلٹا

غم میں سر و شوار بالیں سے اُٹھانا ہو گیا
دل لگانا سہل تھا مشکل چھڑانا ہو گیا

کیا یہ کیا لڑکپن اے بشیر خستہ دل تنے
یہ مانا وہ خفا تھے تم منا لاتے تو کیا ہوتا

اور تو کیا بخت برگشتہ سے ہے یہ ہی اُمید
آب حیواں بھی جو ہاتھ آئے تو سم ہو جائیگا

دیدیا دل اُسکو لیکن یہ نہ سمجھے تھے بشیر
دوستی میں دل کا دشمن وہ صنم ہو جائیگا

مصحف رخ پہ نہ لاویگا جو اُوسکے ایماں
وہ مسلمان نہ ہوگا کوئی کافر ہوگا

کہتا ہے آج ذوق طلبیدن کہ تو سہی
توڑوں تڑپ کے یار کی شمشیر دیکھنا

منہ کو چمن میں چومتی ہیں اُسکے بلبلیں
جھڑتے ہیں پھول کیا دم تقریر دیکھنا

خلد حوروں سے ہے پریوں سے پرستاں جیتا
تو نے وہ حسن کے اقبال سے میداں جیتا

خضر بھی جان چھپاتے یہ پھریں گے کب تک
انکو چھوڑیگی نہ یہ گردشِ دوراں جیتا

حسرتیں روز نئی روز ہیں ارمان نئے
یہ نہ رکھیں گے مجھے حسرت و ارماں جیتا

جھلاتی نزاکت نہ اُسے گردمِ رفتار
پامال یہ دل زیرِ قدم ہو ہی چکا تھا

نہ تیغ ہاتھ میں ہے نہ خنجر پہ نہیں ہزاروں سے تڑپ کر
اُٹھاتا ہے لحد کے اندر چپ ما قاتل کی تیں کا

وے پنک خاک پہ اے زلزلہ آ وے
ہے جو خورشید کلس گنبدِ مینائی کا

کون کہتا ہے وے تم نے ہیں داغ فرقت
نخل اُمید مرا لایا ہے بار آپ سے آپ

جرم کچھ تیرِ نگہ کا نہیں تیرے قاتل
جان دیتے ہیں ترے سینہ فگار آپ سے آپ

چاہتِ دل جب سے اُسپر کھل گئی ہے اے بشیر
اور بھی ہر بات پر کرتا ہے وہ دلبر مزاج

کچھ دم ہے پھر نگاہِ محبت سے دیکھ لو
صدقے ہزار جان سے ہوں اس امتحان پر

بے پر ہی پر تو ہیں نہم ہیں ہوا میں اُڑتے
کیا غضب ہوتا جو ہوتے کسی زردار کے پر

جلانے کا مزا جب آئے میرے
دل آجائے جو اُن کا بھی کسی پر

صندل وہی لگائینگے جاگے ہو جنکے گھر
کیوں لیں یہ منت در دسری دردسر ہم

ناخوش ہیں کیوں رقیب ملا ہے رشکِ گل
دیتے ہیں اُلٹے داغ درم اُنکو گھر سے ہم

عجب تسخیر دنیا میں شبابِ حسن دلکش ہے
کہ اس سے بس میں پریوں کو یہ آدم زاد کرتے ہیں

پہلے ہی پہل آئے ہیں جوں غنچے ہے منہ بند
کھل کھلیں گے ابدل ابھی سرشار ہوئے ہیں

مرجائیں وے پیونگے مے ہاتھ سے اسکے
ہم ساقیِ کوثر کی قسم کھائے ہوئے ہیں

منتوں پر تو کرو وصل کا انکار نہیں
ابتو اں منہ سے کرو ہو چکی سو بار نہیں

ق

کیوں میں نے یہ کہا کہ مجھے بھی دو جامِ مے
پوچھتا یا کہ کہے اُس صنم پر عتاب کو

شیشوں کو پھینکا توڑے سبو ہو کے پھر خفا
بولے کہ ایلو آگ لگاؤ شراب کو

نکلی ہے جان حسرتِ دیدار میں مری
بس شرم ہو چکی کہیں الٹو نقاب کو

مرجاؤں پہ توبہ نہ کروں عشقِ بتاں سے
اس سے بھی ہو گر بخ و محن اور زیادہ

جہاں ہے آگ الفت کی وہیں تو لاگ ہوتی ہے
زیادہ دوستی میں بھی عداوت آہی جاتی ہے

یہ مانا ہم نے راہِ عشق میں ہے جانکاہ خطرہ
ذرا مضبوط دل کرلے تو ہمت آہی جاتی ہے

کسی سے دیکھتے ہیں اُسکو ہنستے بولتے جب ہم
تو جیتی جان ہی ہمکو بھی حسرت آہی جاتی ہے

جو کچھ بچی تھی اُسی سے بنے یہ شمس و قمر
تمہارے محورخ بے نقاب کی مٹی

لواتی کروٹیں بادِ سحر ہے
ترا بیمار لاغر اس قدر ہے

اچھے اچھوں سے تری کاوشِ مژگانِ کافر
تنکے چنواتی ہے دیوانہ بنا دیتی ہے

کوئے قاتل کا پتا شوقِ شہادت مت پوچھ
سُنتے ہیں ہم تو اجل آپ بتا دیتی ہے

تجھے بھیجی حنا تحفے میں جس دوزخی نے اب
لگا منکو اُسی کے آگ پھر اے جانِ من اُلٹی

کسی کے بیٹھے بٹھلائے جو دن گردش میں آتے ہیں
تو ہو جاتی ہے اُسکی عقل سے پرخچ کہن اُلٹی

وہ کر کے کیا شکایتِ دورانِ سر گئے
لاکھوں دلونکے اُنپہ سے صدقے اُتر گئے

اس بھولے پن پہ مارلئے سینکڑونکے دل
سایہ سے اپنی زلف کے وہ آپ ڈر گئے

کیا انکار اک بوسے سے تُونے دل ہوا دکھی
یہ کچھ تلوار سے کم تھی ترے انکار کی برچھی

کیوں نہ اپنی غشی پہ میں غش ہوں
وہ چھیڑ کرنے گلاب آتا ہے

کبھو شام کہوے کبھو سحر جو سحر ہو کہوے وہ دوپہر
جو یہی ہے وعدہ وصل کی کوئی دمیں اپنا وصال ہے

نہ جام دے کوئی مجھکو مجھے شراب تو دے
جو یہ بھی ہو نہیں سکتا صنم جواب تو دے

کیا جو قتل تہ خاک اُسکو داب تو دے
کہ روزِ حشر کو کشتہ ترا جواب تو دے

بہت ہے تشنہ لبی تو خدا کا لے کر نام
گلے پہ پھیر مرے خنجرِ پرآب تو دے

نہ دے جو دیتا نہیں قول وصل کا ظالم
ہمارا پھیر دلِ خانماں خراب تو دے

کہونگا حال شبِ غم کا تجھسے اے ہمدم
پہ چین لینے مجھے دل کا اضطراب تو دے

جوشِ وحشت میں جھپک جاتی ہیں آنکھیں جو کبھی
خواب میں بھی تو بیابان نظر آتا ہے

ہے عجب مذہبِ الفت بھی کہ جسکو دیکھا
کوئی ہندو نہ مسلمان نظر آتا ہے

کیوں خفا ہوتے ہو خنجر بھی ہے میں بھی حاضر
کس لئے پھیر نہیں خنجر و بُراں دیتے

یہ نہیں ہو جو ایک بوسے پہ کرتے ہو نہیں
جان تک مانگتے ہم سے تو مر جاں دیتے

ہو گیا سینکڑوں آشفتہ دلوں کو سودا
کیوں نہیں رُخ سے اُٹھا زلفِ پریشاں دیتے

دل نہ بھلے گا اپنا حوروں سے
واں بھی تیری ہی جستجو ہو گی

زباں تیری بُتِ پیماں شکن کچھ اور کہتی ہے
یقیں کس کا ہو چشمِ سحر فن کچھ اور کہتی ہے

بشیر

بشیر جناب منشی بشیر احمد خانصاحب رئیس ملیح آباد خلف محمد احمد خانصاحب تعلقہ دار مرزا گنج۔ آپ لکھنؤ کے مشہور شاعر رسالہ دار فقیر محمد خاں گویا کے پوتے ہیں۔ اسطرح گویا مذاق سخن آپ کو میراث میں ملا ہے۔ شعر خاصہ کہتے ہیں۔ معاملہ بندی کیطرف زیادہ میلان خاطر پایا جاتا ہے۔ کلام ہمہ رسیدہ کا انتخاب ملاحظہ ہو۔

رقیب تم سے کرے آرزوئے بوسۂ لب
خط اسعاف مزہ ہے یہ منہ لگانے کا

بگڑ کے میں جو وہاں سے اُٹھا تو وہ بولے
کوئی منائے تو ہے لطف روٹھ جانے کا

کیسی مشکل ہے کریں آہ تو رسوائی ہے
منہ کو آتا ہے جگر ضبط اگر کرتے ہیں

کون دل لے گیا وہ پوچھتے ہیں
اور یہ طرفہ ماجرا دیکھو

عشق میں ہم نے تم سے حضرتِ دل
جو کہا تھا وہی ہوا دیکھو

دیکھو ہم جان دیتے ہیں کہ رقیب
باست ہی کیا ہے آزما دیکھو

شیخ جی بیٹھے تو کرتے ہو
تھوڑی پی لو تو پھر مزا دیکھو

درد ہے دل میں ہمارے آہ بے تاثیر سے
آپ بسمل ہے یہ تیر انداز اپنے تیر سے

تم ابھی دشمن کی قسمت کو جو کہہ اُٹھے بُرا
ہو جو ممکن تو بدلوا دو مری تقدیر کو

کھل گیا ہمپر کہ تھے فرد اہل دہلی بھی بشیر
رنگِ ذوق و غالب و سودا و درد و میر سے

تیری تیرِ نگہ کا کیا کہنا
دلنشیں بھی ہے دلربا بھی ہے

سن کے وہ دردِ دل مرا بولے
جھوٹ کی کوئی انتہا بھی ہے

جسے خیال کسیکا ہو اُسکو چین کہاں	کہانگا خواب کسیکا جو انتظار رہے

بشیر

بشیر۔ منشی محمد بشیر۔ موضع پھرسانا رکے رہنے والے اور منشی ظہیر احسن صاحب شوق کے تلمذ سے بہرہ ور ہیں۔ شوخیِ طبع آپکے کلام سے ظاہر ہے۔

کر گئی یہ نگہِ ناز تو بسمل مجکو	آپ فرماتے ہیں کیوں کہتے ہو قاتل مجکو
یہ ذکر شراب اور مسجد میں واعظ	تجھے بھی عجب بے تکی سوجھتی ہے
کروے کشی خوب کالی گھٹا ہے	کہاں اس میں نیکی بدی سوجھتی ہے

بشیر

بشیر۔ منشی بشیر مرزا دہلوی۔ مولانا عبد الرحمن راسخ کے شاگرد اور موزوں طبع نو مشق کہنے والوں میں سے ہیں۔ یہ آپ کا کلام ہے۔

اجل نے لی خبر میری نہ آئے آپ فرقت میں	یہ سچ ہے کام آتا ہی نہیں کوئی مصیبت میں
الٰہی درد خواہانِ ستم ہیں منتظر کب سے	لگا رکھی ہے آگ دیکھوں تو فی قیامت میں
ہمارا دل تمہارا ہے ہماری جاں تمہاری ہے	خیانت کب وفاداروں سے ہوتی ہے امانت میں
ادھر خواہش حسینوں کی اُدھر اصرار حوروں کا	شہید ناز پر برسوں رہی تکرار جنت میں
تم سے عزیز کب دل آشفتہ حال ہے	لیجاؤ لو اٹھاؤ تمہارا ہی مال ہے
کیوں داد اپنی چال کی لیتے ہو رخ سے	اس کا تو قدر دان کوئی پامال ہے

بقا

بقا۔ شیخ بقاء اللہ خان اکبرآبادی اصلی وطن انکا اکبرآباد مولد دہلی ہے۔ حافظ لطف اللہ خان خوشنویس کے بیٹے اور مرزا رفیع سودا۔ میر تقی میر اور درد وغیرہ کے ہمعصر تھے۔ ریختہ میں شاہ حاتم اور فارسی میں مرزا فاخر مکین کے شاگرد تھے۔ کثرتِ مشاقی سے میر اور مرزا دونو کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ طبیعت میں شگفتگی و رنگینی خداداد تھی کبھی کبھی اُس زمانے کے مذاق کیموافق ہجو گوئی بھی کرتے تھے پھر کچھ عرصہ تک نمکین بھی تخلص کرتے رہے پھر بقا بن گئے۔ علمی پایہ بھی بلند تھا۔ اس فنِ خاص سے مناسبت تمام رکھتے تھے۔ غزلوں کے سوا قصائد میں بھی اپنا زورِ طبع دکھایا ہے۔ آخری عمر میں لکھنؤ جا رہے ہے۔ اُردو میں ایک مختصر دیوان انکی یادگار ہے انکے شاگرد وحیم اللہ خاں نواب مشہور ہوئے ۱۲۰۶ھ میں مقام حجاز انتقال کیا یہ اُنکا کلام ہے

سرسری مِل کے مرے پاس سے جانا کیا تھا
راہ بس ناپنے آئے تھے یہ آنا کیا تھا

میر صاحب پھر اُس سے کیا بہتیرے
ق
اس میں ہووے جو نام شاعر کا
کے دیوان پکارتے پھرئے
پھرے گلی کوچہ کام شاعر کا

نوبت اب اُس بُت سے پہنچی نامہ و پیغام تک
قطعہ
جس سے نت غلطہ تھا مجکو اور ہم یارانہ تھا
آہ کانوں نے سُنا اُسکو جو تھا منظور چشم
چشم سے دیکھا جو کانونکے لئے افسانہ تھا
ہم نفس کوئی نہ دیکھا بیکسی کے دن بقا
آشنا صورت مگر معنی میں وہ بیگانہ تھا

وہ انگارا ہے پہلو میں دلِ بیتاب آتش کا
کہ دیکھے سے جسے ہو جائے تر یہ آب آتش کا

دستِ ناصح جو مری جیب کو یکبار لگا
پھاڑوں ایسا کہ پھر اُس میں نہ ہے تار لگا

یار کو پہونچی خبر نالۂ تنہائی کی
مُدعی کون کھڑا تھا پسِ دیوار لگا

گردش پہ تری چشم کے بحث ہے ہمسے یار
دعووں کی گفتگو سے قدح اور قدح سے ہم

چشم اپنی تک دکھاوے اُسے تا کہ باز آئیں
اس بحث دو بدو سے قدح اور قدح سے ہم

ساقی کو دو نوید بہار آئی باغ میں
سودے نے پھر خلل سا کیا ہے دماغ میں

اے عشق تو ہر چند مرا دشمنِ جاں ہے
مرنے کا نہیں نام کا اپنے میں بقا ہوں

آئینہ دیکھ جو کہتا ہے کہ اللہ رے میں
اُسکا میں دیکھنے والا ہوں بقا واہ رے میں

آہیں افلاک میں ملجاتی ہیں
مختیں خاک میں ملجاتی ہیں

میکشی غیر کی محفل میں جو کرتے ہو تو یار
باخبر رہیو کہ ہے بیخبری شیشے میں

گرمیٔ مے سے پڑا آبلہ یوں دلمیں بقا
جسطرح ہووے حبابِ جگری شیشے میں

سیلاب سے آنکھونکے رہتی ہے خرابی میں
ٹکڑی مرے دلکی بستی ہے وُو ابے میں

پنہاں ہی بھلا ہے خونِ عاشق
ق
جانے دو اب اِسپہ خاک ڈالو
گر قتل کیا بقا کو خوباں
اس بات کو مُنہ سے مت نکالو
تو نے اسطرح سے اے چرخ گرایا ہمکو
کہ موئے پر بھی کسی نے نہ اُٹھایا ہمکو

یاد میں تڑپے ہے دل اُس ابروئے خمدار کے
آج کچھ ناخن بدل ہے آہ اُس بیمار کی

عشق میں بو ہے کب ریائی کی
عاشقی جس نے کی خدائی کی

تھے ہم استادہ ترے در پہ و لے بیٹھ گئے
تو نے جا ہا تھا کہ ٹالے نہ ٹلے بیٹھ گئے

گھر سے نکلا نہ تو اور منتظروں نے ترے
در پہ نالے کئے اتنے کہ گلے بیٹھ گئے

یہ رخِ یار نہیں زلفِ پریشاں کے تلے
ہے یہاں صبح وطن شامِ غریباں کے تلے

آہ کی برق جو سینے میں چمکتی دیکھی
طفلِ اشک آن چھپے دامنِ مژگاں کے تلے

کیا کروں سینہ جو ناصح سے چھپائے نہ بنوں
نہیں ملنے کی بقا ہمکو بجز گنجِ مزار

داغ سے داغ ہیں کچھ میرے گریباں کے تلے
جائے آسودگی اس گنبدِ گردوں کے تلے

ان آنکھوں کا نت گریہ دستور ہے
دوآبہ جہاں میں یہ مشہور ہے

میر و مرزا کی شعر خوانی نے قطعہ
بسکہ عالم میں ہجوم ڈالی تھی

کھول دیوان دونو صاحب کے
اے بقا جبکہ ہم نے زیارت کی

کچھ نہ پایا سوائے اس کے سخن
ایک تو تو کہے ہے اک ہے ہے

مخ اُس کا صفائی ترے تلوے کی نہ پائے
خورشید ہزار اپنے تئیں چرخ چڑھائے

دل سے نکلے کہیں یا بوسۂ قاتل کی ہوس
کاش وہ خوں کو مرے رنگِ حنائی جانے

بقا۔ مستند شعرا خواجہ محمد مرتضیٰ خاں بہادر بقا دہلوی۔ مقیم لکھنؤ کتاب سرایا تاریخ کے صلہ میں پرنس آف ویلز نے خان بہادر اور مستند الشعرا کا خطاب ان کو عطا کیا تھا ۱۲۹۰ھ میں بطور سیر حیدرآباد اور کلکتہ بھی گئے تھے ۱۳۰۲ھ میں انتقال کیا انکے شاگردوں میں سید محمد جعفر صاحب آسان مشہور ہوئے۔ یہ اُنکا کلام ہے۔

باریابی کی توقع کسے درباں اُن کا
بختِ عاشق تو نہیں ہے کہ جو سو جائیگا

فروغِ کعبہ و بت خانہ میں ہوں
چراغِ خانۂ شیخ و برہمن کا

دبستانِ ازل میں قیس تک نے
سبق مجھ سے لیا دیوانہ پن کا

بجنبہ کرو ہے بجنبہ کی تلاش	یعنی اب دل کو ہے جگر کی تلاش
دور میں جام شراب خوشگوار آنے تو دو	قالب مینا میں جان بادہ خوار آنے تو دو
مہندی نے غضب دونو طرف آگ لگادی	تلووں سے اِدھر اور اُدھر دل سے لگی ہے

بقا

بقا - میر بادشاہ علی صاحب بقا خلف الرشید میر وزیر علی صبا لکھنوی آپ مرزا دبیر مرحوم کے داماد اور خاندانی شاعر تھے۔ ۷۰ برس کی عمر پاکر چند سال ہوئے لکھنؤ میں انتقال کیا۔ فنِ سخن کا شوق تھا مگر اپنے والد کے رتبہ کو نہ پہنچے یہ کلام کا انتخاب ہے۔

خدا کو بھول جاتے ہیں بتوں کی آشنائی میں	بہت ایسے بھی ہیں اللہ کے بندے خدائی میں
کہا مینے دکھا کر بخت دل اُس شاہ خوباں کو	ملی یہ عشق کی سرکار سے ٹکڑے گدائی میں
بنتی ہے جب تو یہ کہتے ہیں ہوا فضل خدا	جب بگڑتی ہے تو سب کہتے ہیں قسمت میری
یہ کہہ کے رنج کو دیتا ہوں اپنے دل میں جگہ	نہو مہمان کہیں جب کا میرے گھر میں رہے

بقا

بقا - مولوی عبدالرحمن بقا ۲۵ رجب ۱۲۸۱ھ کو آپکی ولادت ہوئی۔ ۹ برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کرلیا۔ کتب درسیہ کی تعلیم اعلےٰ درجے تک مولوی محمد عبدالاحد شمشاد سے پائی۔ اور علوم عربیہ کی تکمیل اپنے ماموں مولوی عبداللہ سے کی۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد مدرسہ چشمہ رحمت غازی پور میں عربی کے مدرس رہے لیکن چونکہ مزاج میں ملازمت سے تنفر تھا اسلئے جلد مستعفی ہوکر مدتوں آزادانہ زندگی بسر کرتے رہے لیکن سلسلہ تعلیم و تعلیم بیش جاری رہا۔ مذاق میں رسالہ تہذیب کی اُردو شرح آپ نے لکھکر شایع کرادی ہے عنوان شباب شعر و سخن کا بھی شوق رہا۔ آپ صاحب دیوان ہیں۔ اور حضرت شمشاد کے نامی شاگردوں میں گنے جاتے ہیں۔ کلام مرسلہ سے چند شعر انتخاب ہوکر درج ذیل ہیں۔

کبھی تو وہ آجا منگے بھولے بھٹکے	اگا ہے سرِ راہ بستر کسی کا
وہ بدنام ہونگے ہمیں رنج ہوگا	گلا کیجئے اے کیونکر کسی کا
بتوں کی محبت بھی قہر خدا ہے	نہ دل آئے یارب کسی پر کسی کا

کسطرح دیں تمہیں ہم آئینۂ دل اپنا
توڑ ڈالو گے جو دیکھو گے مقابل اپنا

پردہ رنج سے ہوتی ہے عیاں شکل خوشی
تا نہ غم سے کھلا عقدۂ مشکل اپنا

خاک عاشق نے جو کی اس سے لپٹنے کی ہوس
ناز بولا کہ اٹھا لیجئے دامن اپنا

ہوں وہ مجنوں کہ کہا جا کے بتا کعبہ میں
اے بت شوخ دکھا دے رخ روشن اپنا

دفتر معرفت ہے اے بلبل
صرف ورق مصحف گل تر کا

شوق دیدار کی یہ خواہش ہے
آنکھ پردہ بنے ترے در کا

میں بقا ہوں مجھے جو قتل کرو
زندہ ہو جائے نام خنجر کا

ہم نہ فتنہ ہیں نہ جادو ہیں نہ شوخی نہ حیا
اسکی آنکھوں میں جگہ پائیں تو پائیں کیونکر

شبنم سے ساری رات ہوئی شست و شوئے گل
پھر بھی نہ دل سے نکلا ترے تلوے سے روئے گل

اے عندلیب عقل و ادب سے بھی کام لے
گل کو بہت نہ چھیڑ کہ نازک ہے خوئے گل

وہ ارمانوں کے جھرمٹ دیکھکر دلمیں یہ کہتے ہیں
یہاں بھی لوٹنے والے ترے چور کی بیٹھے ہیں

یہ ہم نے سوچ رکھا ہے کہ لٹ جائیں راحت سے
متاع دل لئے رستے میں ہم رہزن کے بیٹھے ہیں

دکھا دے اے مری زہرہ ادا نکو بھی ایک جھلکی
حرم میں حضرت زاہد فرشتہ بن کے بیٹھے ہیں

خبر لے جلدی اب او ستمگر ورنہ کھلتا ہی بھید سب پر
کہ میری آنکھوں سے اشک بنکر تری تنا پک رہی ہے

شباب آیا گیا لڑکپن ابھار پر ہیں تمہارے جوبن
ہوئی ہے شوخی حیا کی شبنم خبر لو چولی مسک رہی ہے

لطف راحت بھی جو درد دل ناشاد میں ہے
کیا وفا کا کوئی پہلو ترے بیداد میں ہے

بقا شاہ محمد عبد الغفور فریدی کانپوری مقیم میرٹھ زمانہ حال کے شعرا میں ہیں چند انتخاباً درج تذکرہ کئے جاتے ہیں

قاتل یہ ستم اور ہے مجھپر نہ خنجر
عکس ابروئے پر خم کا ہے خنجر پہ خنجر

کیا منہ سے کہے عاشق مضطر نہ خنجر
دم لینے کا یارا نہیں دم بھر نہ خنجر

صد شکر دم قتل ہوا مجکو میسر
نظارہ کا ابروئے ستمگر نہ خنجر

تقصیر ہوئی عاشق ابرو سے بھلا کیا
کیوں اسکو کیا تو نے ستمگر نہ خنجر

بلاغت

بلاغت منشی علی احمد قریشی ساکن امروہہ حیدرآباد دکن میں مقیم اور جناب سلام سے اپنے کلام میں مشورہ کرتے ہیں یہ اُنکا کلام ہے۔

جانے والے عدم کے کیوں یارب — نام لیتے نہیں ہیں آنے کا
کوئی الیفا بھی ہو تو میں جانوں — وعدہ کرتے ہو روز آنے کا
اچھی نہیں ہے خوئے تکبر یہ چھوڑ دے — ایدل وہ چال چل جو عدو کو بنائے دوست
دلکو اگر پیرایا نہیں کیوں ہے پھر حجاب — کہدو نظر ہماری نظر سے ملائے دوست
ہر لحظہ یوں نہ حکایت ظلم و ستم نہ کر — ایدل زبان روک کہیں آنہ جائے دوست
اچھا ثمر نہال محبت سے مل گیا — وردِ زباں ہے شام و سحر ہائے دوست
وعدۂ وصل تمہارا کبھی الیفا نہوا — یا یوہیں ہمکو یہ اُمید دلا رکھی ہے
جسکو دیکھو ہے پرستارِ بتانِ مہرو — پردۂ حسن میں کیا شانِ خدا رکھی ہے

بلند

بلند مرزا صفدر علی بیگ خلف مرزا فضل علی بیگ ساکن کھاری باؤلی (دہلی) الور کے سررشتۂ تعلیم میں ملازم اور مرزا صابر دلاوری کے شاگرد تھے۔ نہایت دوست دوست نواز اور قابل شخص تھے علم حساب کے عدد نستعلیق اور شکستہ اچھا لکھتے تھے کچھ دنوں تھانہ داری بھی رہے طبیعت میں بیحد شوخی تھی یہ کلام ہے

یہی مبدا رہے رنج و محنت کا — ذکر مت کیجئے محبت کا
تھے ملکر بنا نشانہ بلند — درد کا رنج کا مصیبت کا
وہی بیگانہ وش رہا ہم سے — عمر بھر جسکو ہمنے پیار کیا
رنج و راحت ہے انتہا میں ایک — ہجر میں ہوگیا وصال اپنا
روز ہے اُسکو میرے قتل کی فکر — غیر سے دھیان ہے سوا اپنا
تیرے ہرجائی پن نے اے مہ مہر — مجکو عالم سے شہر سا رکیا
قیس و فرہاد و احمق اور بلند — عشق میں جو رہا خراب رہا

جان ہے یہ کچھ کشاکش آزار میں کہ آج — رویا کیا سرہانے مسیحا تمام شب

توبہ تو مدت سے کی تھی ہمنے پر اے محتسب
ہو گئی مے کی ہوس کچھ ابر و باراں دیکھکر

ایک بوسے پہ یہ لڑائی ہے
دس نہیں سو نہیں ہزار نہیں

میرے پہلو میں دل ہے یا بجلی
کہ کسی دم اُسے قرار نہیں

جو ہم دل کہیں دیں نہ رکھو بلند
تمہارا تو اس میں ضرر کچھ نہیں

سینکڑوں بندہ خدا مارے
کیا بتوں کے بھی گھر خدائی ہے

او کھڑا او کھڑا ہے مجھسے دل شاید
اسنے اپنی وہاں جمائی ہے

کہاں وہ اور کہاں دشمن مگر یہ
ہمارا ہی فقط دیوانہ پن ہے

بلیغ - منشی قدرت اللہ بلیغ متوطن قصبہ ایدن - پہلے غم تخلص کیا کرتے تھے پھر بلیغ تخلص اختیار کیا زمانہ کے ہاتھوں کبھی چین نہ پایا آخر حج کو چلے گئے وہاں سے واپس آکر دکن چلے گئے اور وہاں سلسلۂ معاش پیدا کیا - تذکرۂ شوق کی ترتیب کے وقت حیات تھے - جوان قابل خوش وضع تھے یہ انکے اشعار ہیں

جب ہاتھ میں قاتل کے وہ خنجر نظر آیا
دعوت کو لبوں پر مرا لختِ جگر آیا

کانوں میں کسی کے جو پڑا نام کسیکا
سُنتے ہی کسی کے گیا آرام کسی کا

دل کی کلفت چھپی نہیں رہتی
یعنی اُلفت چھپی نہیں رہتی

خون ہو نکلے اشک ہو بہ جائے
دلکی رقت چھپی نہیں رہتی

بلیغ - منشی سید عسکری مرزا خاں بلیغ باشندۂ لکھنؤ - دور موجودہ کے شعرا میں ہیں آجکل کے رسالوں میں آپکا کلام شایع ہوتا رہتا ہے - ۳۰-۳۴ کی درمیان عمر اور شاید جناب صفی سے تلمذ ہے کلام بہم رسیدہ کا انتخاب درج ذیل ہے -

دل سنبھالے ہوئے کرتا ہوں فریاد آیا
عرصۂ حشر میں یوں آپ کا ناشاد آیا

حق میں دارفتہ گیسو کے بلا ہو جانا
اے درازیِ شبِ ہجر سوا ہو جانا

اپنے قابو سے ہوئے جاتے ہیں باہر کیا خوب
دل لگی میں یہ بگڑنا یہ خفا ہو جانا

دل سے اس گیسوئے پرخم کی گرہ کھل جائے
اے مرے ناخن غم عقدہ کشا ہو جانا

نہ پوچھو ناتوانی اے مریضاں ایسے وحشی کی
نہ اٹھا بار جس سے بخیۂ چاکِ گریباں کا

چاہتے ہیں ایک عالم طالبِ دیدار ہو
گھر سے جب نکلیں زمانہ بھر پہ احساں کریں

موہنی ہے ان حسینانِ جہاں کی آنکھ میں
یہ نظر بھر کے جسے دیکھیں اُسے حیراں کریں

دُو طرح کی اُس نگاہِ شوخ میں تاثیر ہے
پھر گئی تو تیغ ہے سیدھی ہوئی تو تیر ہے

کلیجہ تھام لیں مشتاقِ دیدِ حشر میں بھی
اُسی ادا سے یہاں بھی ذرا نگاہ ملے

خط کا ہر فقرہ سوا ہے خنجرِ دشمشیر سے
ٹکڑے ٹکڑے دل ہے تری شوخیِ تحریر سے

خمِ قد کا ہے پیر میں اشارہ
محبت بڑھتی جاتی ہے زمیں سے

پڑا ہے مجنوں نے پہلے درسِ الفت
ادائے لیلیٰ مکتب نشیں سے

بہا - حکیم بہار الدین خانِ بہار شاگرد حضرتِ داغ دہلوی اصلی وطن جاورہ ہے تحصیل علم کے بعد پھر جودھپور میں رہے اب مہتمم شفاخانہ درگاہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی ہیں۔ فنِ سخن کیطرف اچھا میلان ہے اور کثرتِ مشق سے خاصی مہارت پیدا ہوگئی ہے۔ اُنکے مطلب کا بھی اجمیر میں اچھا شہرہ ہے۔ ۴۰-۴۲ برس کا سن ہے چند شعر انتخاباً درج کئے جاتے ہیں۔ بہا

کبھی جگر سے کبھی دل سے رسم و راہ رہے
مزہ تو تب ہے پلٹتی تری نگاہ رہے

وہ آنکھ کیا ہے کہ جو طالبِ نظارہ نہ ہو
وہ دل ہی کیا ہے نہ جس میں کسی کی چاہ رہے

مزہ تو یہ ہے کہ محشر میں ناصحِ ناداں
ترے ثواب سے بڑھکر مرا گناہ رہے

یہ بھی ارمان تھا تیرا گویا
دم بھی نکلا تو وہ بھی مشکل سے

آپ ہی کی ہے اس میں رسوائی
مجھکو اٹھوائے نہ محفل سے

ہاتھ سینے پہ کیوں دھرا تم نے
تم بھی مجبور کیا ہوئے دل سے

تمہیں کیا تم بُرا کیوں مانتے ہو
شکایت ہے مجھے گر آسماں سے

بہا کہتے رہے وہ کیوں ہو مضطر
نہ نکلا ہائے کچھ میری زباں سے

بہادر - راجہ بنی بہادر مغفور صوبہ بہار - عالمگیر ثانی شاہ عالم ثانی کے زمانہ میں بڑے نامی بہادر

اور صاحبِ اقتدار امیر گذرے ہیں۔ اُنکے بیٹے راجہ جسونت سنگھ پروانہ مشہور شاعر گذرے ہیں۔ تبرکاً ایک شعر درج تذکرہ ہوا۔

سیاہی مُو کی گئی دلکی آرزو نہ گئی	ہمارے جامۂ کہنہ سے مے کی بُو نہ گئی

بہادر

بہادر۔ راجہ بہادر سنگھ۔ کشمیری الاصل برہمن اور میر انشاء اللہ خاں کے ارادتمند تھے۔ تذکرہ شوق کی ترتیب کے وقت انکا شباب کا عالم تھا۔ نہایت خلیق خوش مزاج اور رنگیں طبع رئیس تھے۔ یہ اونکے اشعار ہیں۔

اے مشفقِ من ہم ہیں فقط بوسونکے نوکر	تم چاہو کہ تنخواہ کرو بندے کی سب سوخت
سودور رکھو دل سے ابھی لینگے بٹھا کر	نوکر وہ نہیں ہم کہ کریں اپنی طلب سوخت
جب جاتا ہوں آئینہ ہی دیکھے ہے وہ خود میں	اسطرف نہ دیکھے ہے مجھے ہے یہ عجب سوخت
یہ عرض مری سُن لے تو اے بارِ خدایا	یکبار سُنوں میں کہ ہُوا شہر حلب سوخت

بہادر

بہادر۔ بابو رن بہادر سنگھ مقیم اگرہ آپ کے والد بابو فتح سنگھ مہاراجہ بلوان سنگھ رئیس بنارس کے عزیزوں میں تھے آپ ۱۲۲۸ھ میں پیدا ہوئے تھے اور مرزا حاتم علی بیگ مہر سے مشورۂ سخن کرتے تھے یہ اُنکے شعر ہیں۔

مجھے رہتا ہے کھٹکا آپکی امروز فردا سے	کہیں صاحب قیامت پر نہ وعدے کی وفا ٹھہرے
ایک دم بھی جُدا نہیں ہوتا	کیا محبت ہے درد کو دل سے
اب وہ بے پردہ بام پر آئے	چاند کترا گیا مقابل سے
اپنے ہونگے کبھی یہ مت اے دل	درگذر اس خیالِ باطل سے

بہادر

بہادر۔ منشی راج بہادر رئیس شہر مرزا پور آجکل کے شعرا میں ہیں اور یہ کلام کا انتخاب ہے۔

گل چاک گریباں ہوئے نالاں ہوئی بلبل	یہ بادِ بہاری چلی گلشن میں کہاں سے
داغوں نے عجب سینہ میں ہیں رنگ جمائے	ایدل یہ کھلے گل تیرے گلشن میں کہاں سے
بتخانہ نظر آتا ہے زاہد کو دمِ دید	آئی ہے یہ خوبی بُتِ پرفن میں کہاں سے

جلوہ نہیں اُس بُت نے دکھایا جو بہادر	جھگڑے یہ پڑے شیخ و برہمن میں کہاں سے

بہار

بہار۔ لالہ ٹیک چند کھتری دہلوی۔ خوشگو اور سراج الدین علی خانِ آرزو کے دوست صادق۔ صاحبِ استعداد۔ سخن فہم۔ وقت پسند۔ نظم و نثر فارسی کے اُستادِ کامل اور جملہ محاوراتِ فارسی و علم لغت پر قادر و ماہر تھے۔ چنانچہ خانِ آرزو نے جو کتاب سراج اللغات لکھی ہے اُس میں اکثر اس بحرِ فنون شعر و زبان سے مشورہ کیا ہے۔ نہایت رنگین طبع اور خوش مزاج بزرگ تھے۔ محمد شاہ بادشاہ کا زمانہ پایا تھا چنانچہ نادر شاہی یورش کے زمانہ میں موجود تھے اور کسبِ کمال و تحقیق کا ذوق اس درجے بڑھا ہوا تھا کہ قتل و دار و گیر کے وقت میں بھی قزلباش سپاہیوں سے فارسی لغات محاورات کی تحقیق کرتے پھرتے تھے۔ اللہ اللہ ایک وہ سچے قوم اور ملک کیخدمت کرنے والے تھے اور ایک اِس زمانہ کے اہل علم ہیں کہ باوجود ہر قسم کے اسباب و اطمینان کے اپنی مادری زبان کی درستی اور تکمیل کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ بہرحال حضرتِ بہار کی تعریف فرطِ شہرت سے زیادہ محتاج بیان نہیں اپنے زمانہ کے عالم متبحر اُستادِ مسلم الثبوت تھے۔ آپ نے فارسی میں وہ ملکہ راسخ پیدا کیا تھا کہ بڑے بڑے ادیب وزباں داں باوب نام لیتے تھے۔ بہارِ عجم جو ایک مبسوط اور مشہور لُغت کی کتاب ہے آپ ہی کی محنت و قابلیت کا نمونہ ہے۔ رسالہ ابطال الضرورت بھی انکی تصنیف ہے فارسی کے علاوہ کبھی کبھی ریختہ گوئی کی طرف عنانِ توجہ پھر جاتی تھی۔ ایک قدیم قلمی نسخے میں جسکی تحریر کا زمانہ ۱۱۸۸ ہجری ہے چند اشعار ریختہ نظر سے گذرے۔ اُنکی زبان اگرچہ قدیم ہے اور اکثر الفاظ اب متروک ہیں تاہم بطور اُس زمانے کی زبان کے نمونے کے کچھ شعر بتبرکاً و تیمناً درج کئے جاتے ہیں۔ کہ ایسے قادر الکلام مشاہیر روزگار کے ذکر و کلام سے تذکروں کی رونق و زینت متصور ہے۔ آپ نے احمد شاہ بادشاہ کے عہد میں دہلی میں انتقال کیا۔

سبھی کرتے ہیں دعوے خوں کی قسمت سے تو دیکھینگے	صفِ محشر میں کِسکے ہاتھ دامن ہوگا قاتل کا

محبت کے قلمرو میں اگر جا گا تو سن لیگا
کوئی آرے تلے چیرا[1] گیا کوہ پر پٹکا

کرے وہ سلطنت یہ عشق میں شیریں کے سر دیوے
تکلف ہر طرف خسرو کو کیا فرہاد میں نسبت

منظور سیر لالہ جو ہو اُس بہار بیچ
پھولا ہے خوب دیکھہ دلِ داغدار بیچ

کہتے ہیں عندلیب گرفتار مجکو دیکھہ
اُمید جیونے کی نہیں اِس بہار میں

دل ہمارا لے کے کیوں انکار کرتے ہو سجن
کس سے سیکھے ہو تم لیکر کر جانیکی طرح

ناز استغنا عتاب اغراض سب جانکاہ ہیں
قرب میں خوباں کے کیا معنی کہ ہو دلکو نشاط

عیب تشویش کیوں دیتے ہو گل کی طبع نازک ہے
یہ گستاخی نہیں ہے خوبست کر شورے بلبل

نہیں اُس شوخ سا رنگیں ادا گل
اگر رنگیں ہوا تو کیا ہوا گل پھر

مہرباں ہو کر بلا ہے اہر و شبہائے حجاب
کیا مبارک ہے ہمیں یہ ماہ اب کے سال میں

تھی زلیخا مبتلا یوسف کی اور لیلی کا قیس
یہ عجب مظہر ہے جسکے مبتلا ہوں مرد و زن

وہی اک ریسماں ہے جسکو ہم تم تار کہتے ہیں
کہیں تسبیح کا رشتہ کہیں زُنّار کہتے ہیں

اگر جلوہ نہیں ہے کفر کا اسلام میں زاہد
سلیمانی کے خط کو دیکھہ کیوں زُنّار کہتے ہیں

ناز بیجا و لطف بے موقعہ
دلبروں کی ادا ہے کیا کیا کچھہ

کریں ہیں یہ ستمگر قتل بے تقصیر کیا کیجے
جو انکے ہاتھہ یوں مرنا ہوا تقدیر کیا کیجے

بنا کر عشق کی سنگیں کیا ہے ہمنے عالم میں
جو ہوتا کوہ کن یاں آج کرتا آکے مزدوری

دیکھکر کیونکر نہو دے دل رقیبونکا کباب
کس ادا سیتی صنم دیتا ہے ساغر واہ رے

کوئی کس ساتھہ ایسے فصلِ گل میں لطف پر جائے
نہ ساقی ہے نہ ساغر ہے نہ مُطرب ہے نہ ہمدم ہے

ہمیں واعظ ڈراتا کیا ہے دوزخ کے عذابوں سے
معاصی گو ہمارے بیش ہوں کچھہ مغفرت کم ہے

نہیں معلوم کیا حکمت ہے شیخ اِس آفرینش میں
ہمیں ایسا خرابانی کیا تجکو سنا جاتی

اگر مارا پڑا دل ہاتھہ سیں غمزے کیا غم ہے
سپاہی کی یہی معراج ہے رن بیچ سر دیوے

[1] مثل حضرت زکریا۔ [2] مثل حضرت موسیٰ۔

بہار

بہار۔ سوامی پرانند سرستی۔ سیالکوٹی۔ ۱۲۰۰ ہجری کے گلدستۂ شعرا لکھنؤ میں ان کی غزل چھپی ہوئی دیکھی اُسکے کچھ اشعار درج ذیل کئے جاتے ہیں زیادہ معلوم نہیں ہوا۔ کلام دیکھنے سے پایا جاتا ہے کہ طبیعت میں جولانی اور رسائی تھی آپ بہار اور عاشق دو تخلص کرتے تھے۔ یہ آپ کا کلام ہے۔

میں ناچیز اسطرح کا ہوں برنگِ کاہ اُڑتا ہوں
مرے اس درد کے درماں سے دلمیں موت عاری ہے

میں بہلاتا ہوں ہر اک کیل سے اپنی طبیعت کو
نہیں لگتا ہے لیکن دل یہ کیسی بیقراری ہے

چلے جائینگے کوچے سے خفا کیوں ہوتے ہو صاحب
ہمیں کیا عذر ہے اسمیں اگر مرضی تمہاری ہے

لگاتا ہے تو کیوں جراح مرہم میرے زخموں پر
اسے یہ وانع کوئی دن برائے یادگاری ہے

بہار

بہار۔ حاجی مرزا علی مرثیہ گو مخاطب بہ گلشن الدولہ خلفِ حاجی علی بیگ لکھنوی رشک مرحوم کے شاگرد اور واجد علیشاہ کے مقربوں میں تھے۔ میٹابرج کلکتہ میں رہتے تھے۔ فن سخن میں بھی حضرت سلطان عالم کے خوان نعمت سے بہرہ ور تھے۔ کربلا کی بھی زیارت کر آئے تھے۔ غالباً کلکتے ہی میں انتقال کیا۔ آپ کی چند غزلیں بہم پہونچیں اُنکا انتخاب درج ذیل ہے۔

نہ ادا کو نہ ترے ناز کو سمجھا جانا
جو بُرائی نظر آئی اُسے اچھا جانا

دل ہے آب آب گناہوں پہ خدا خیر کرے
یہ بھی بھیگے ہوئے دامن کو بھگو جائیگا

کعبہ و بتخانہ اہلِ معرفت کو ایک ہے
دو طریقے پر کھچا نقشہ عبادت گاہ کا

رفتہ رفتہ روح دُنیا کے مزے میں پڑ گئی
دیکھئے کب راہ پر آتا ہے بھولا راہ کا

ناتوانوں سے دبے سرکش تو تیرے زور سے
توڑ کر نکلا پہاڑوں کو ذخیرہ کاہ کا

اُٹھو گلے سے لپٹ جاؤ پھر نکل لینا
تمام رات پڑی ہے بناؤ کر لینا

روکوں حضور کو میں یا تمام لوں کلیجہ
پہلو سے آپ اُٹھے اک درد اٹھا جگر میں

حسینوں کی محبت اپنے آب و گل میں رہنے دو
ہزاروں فتنیں لاکھوں مرادیں دلمیں رہنے دو

تمہیں بھی درد دل کا ذائقہ معلوم ہو جائے
اگر دم بھر ہمارے دل کو اپنے دلمیں رہنے دو

تماشا دیکھنے آتے ہیں وہ میرے تڑپنے کا
فرشتوں اور تھوڑی دیر دم لبمل میں رہنے دو

نکالے تو نکالے عیب میرے دل کے داغوں میں
جب ہی جانوں نہ دیکھے بھی سہ کامل میں رہنے دو

جنازہ کوئے جاناں سے نہ آگے لیچلو یارو
تھکا ماندہ مسافر ہوں اسی منزل میں رہنے دو

ایک میں ہوں سر بازار دلیل و رسوا
ایک وہ ہیں جنہیں گھر بیٹھے حیا آتی ہے

بہار

بہار۔ منشی سید علی قادری باشندۂ مدراس۔ اکثر حیدرآباد دکن میں قیام رہتا ہے کچھ عرصہ جناب شریف مدراسی سے اصلاح لیتے رہے پھر حضرت امیر مینائی کے خوشہ چینوں میں داخل ہوئے۔ یہ چند شعر انکے ہیں۔

اسرار حسن و عشق ازل میں جگہ جگہ
راز و نیاز بلبل و گل ہر چمن میں ہے

یاد مژہ کی پھانس ہے دلمیں گڑی ہوئی
یہ چور بھی نیا مرے زخم کہن میں ہے

وہ کیا درد دل کا مداوا کریں گے
مسیحا ہمیں خاک اچھا کریں گے

بہار

بہار۔ جناب نواب سید محمد جعفر حسین عرف محمد صاحب لکھنوی آپ کو حضرت فصاحت سے تلمذ حاصل ہے کلام سے خوش فکر ہونا ثابت ہے۔

کیوں کسی محفل میں ذکر جلوۂ جاناں کریں
آپ بھی حیران ہوں اور دوسرے بھی حیراں کریں

ساری دقت تو یہی ہے مجھسے غافل ہیں خضور
مشکلیں پھر مشکلیں کیوں ہوں جو آپ آساں کریں

کچھ نہ کچھ دل ہی بہل جاتا ہے آؤ یا نہ آؤ
روز تم وعدہ کرو اور روز ہم ساماں کریں

قابل عبرت ہے اس گھر کی تباہی اے بہار
ہائے جسکے رہنے والے خود اسے ویراں کریں

بہجت

بہجت۔ منشی عبدالمجید۔ شیخ قلندر بخش جرأت کے زمانہ میں طالبعلم تھے اور مولوی لبمل سے علوم رسمیہ کے درس لیا کرتے تھے۔ یہ چند شعر انکے ہیں۔

خورشید ہے شرمندہ ترے منہ سے مہ بھی
ہے مشک بھی گیسو سے خجل سنبل تر بھی

تنہا نہ دہن نقطۂ موہوم ہے تیرا
جوں خط خیالی ہے میاں تیری کمر بھی

بہجت

بہجت منشی خیر اللہ پنجابی مقیم بریلی۔ غلام علی عشرت کے شاگرد اور بڑے ظریف مزاج

زندہ دل نوجوان تھے۔ ترتیب تذکرۂ شوق کے وقت نوجوان تھے۔ پڑھنے کا انداز ایسا تھا کہ اُنکے حرکات دیکھکر لوگوں کو بیساختہ ہنسی آتی تھی۔

ہر دم جو تجھکو کہتا ہے چل کوئے یار کو		ناصح یہ کیا ہوا ہے دلِ بیقرار کو	
جڑاؤ کان میں ہر چند ہر مہوش کے بالا ہے		ترے بالیکا پرا ے مہروش عالم نرالا ہے	

بہجت منشی نتھن لال ولد لالہ کرشن چند قوم کایستھ متوطن قدیم بھوپال بھادوں بدی سمت ۱۸۷۶ میں بمقام سرونج ضلع مالوہ پیدا ہوئے مگر تعلیم اور تربیت ٹونک میں پائی۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد نواب عبدالکریم خان مرحوم خلف نواب میر خاں بہادر کی سرکار میں ملازم ہوکر اجمیر آئے اور ۳۵ برس تک بکمال دیانت و دلدہی و راستبازی اُنکا کام کرتے رہے ۱۸۸۶ء میں اپنے آقا کے انتقال کے بعد پنشن یاب ہوکر متولی درگاہ خواجہ معین الدین چشتی کے دفتر میں ملازم ہوگئے بڑے حلیم الطبع پابند مذہب دیانتدار اور کارگذار شخص تھے۔ شعر گوئی میں اصلاح کسی سے نہیں لی۔ ذاتی استعداد اور موزونی ہی مصلح ہوجاتی تھی مندرجہ ذیل کتب اُنکی تصنیفات سے یادگار ہیں۔ انشار فارسی۔ دیوانِ فارسی۔ دیوانِ اُردو۔ قصاید اُردو فارسی۔ سنگیت مال منظوم جو ایک ضخیم کتاب ہے۔ کاتک بدی سمت ۱۹۵۹ کو بعمر ۸۴ سال جودھ پور میں انتقال کیا آپکے بیٹے لالہ دیبی پرشاد ریاست جودھ پور میں منصف ہیں اشعار ذیل آپکی فکر رسا کا نتیجہ ہیں ملاحظہ ہوں۔

ستمگروں کی گلی میں گیا سو پھر نہ پھرا		عدم کو جو کہ روانہ ہوا سو پھر نہ پھرا	
چلے ہیں ہوش و حواس اور طاقت و صبر و قرار		ساتھ دل کے کیا کہوں اک قافلہ جاتا رہا	
طفیل اہل انگلش ہند میں پیدا ہوئی ہے صلح		خدا جانے تجھے کیوں قصد ہے مجھسے لڑائی کا	
زیر فلک جو شب کو اک بدرسا اٹھتا تھا		دود سیاہ یار و اپنی ہی آہ کا تھا	
برق نظر سے تیرے کوچے میں حشر سا تھا		کوئی تو مر گیا تھا کوئی تڑپ رہا تھا	
یار آتا نظر نہیں آتا		غم یہ جاتا نظر نہیں آتا	
کوئی دشت جنوں کی سیر کے بعد		خاک اڑاتا نظر نہیں آتا	

حق کہا منصور نے تو بھی چڑھایا دار پر
اسلئے رہتے ہیں ہر دم واقفِ اسرار چپ

حشر برپا ہو اگر خرام نکر
ڈر خدا سے تو قتلِ عام نکر

یہ ستارے نہیں روشن ہیں ہزاروں بہجت
دیدۂ اوسکے فلک نے ہیں بنائیں آنکھیں

بندے ہیں بت کے پیرِ مغاں کے مرید ہیم
مذہب ہمارا عشق ہے اور کچھ خبر نہیں

غضب میں ہوں میرا اس سے دیکھ اب کس کو دوں دل
نگہ کو ناز کو ابرو کو لب کو رخ کو مژگاں کو

ہوا ہوں بت میں عاشق ہو نکا چھوڑ کر بہجت
پیمبر کو خدا کو دین کو ایماں کو قرآں کو

تلاشِ دل میں جاتا ہے یہ اے چشم
نہ روک اس قاصدِ اشکِ رواں کو

بیٹھے ہیں اس در پہ ہو نکے ہم اور دل نے دے دو
کوئی خدا لگتی نہیں کہتا انکو اندر آنے دو

ہے مجازی عشق میں جان و دل و دیں کا خطر
بہجت ایسی راہ چل جسمیں خطر کوئی نہو

اک گھٹا دل پہ چھا گئی غم کی
تیری بدلی ہوئی نظر کو دیکھ

بہرام - نواب خسرو قدر بہادر بہرام شاگرد میرزا یوسف علی ماہر۔ خاندان نواب ناظم مرشد آباد سے ہیں۔ اور کبھی کبھی اسطرح فکرِ سخن کرتے ہیں۔ بہرام

بے محل بیہودہ بکنے سے ہوا خالی دماغ
اسلئے ہو جائے واعظ کا نہ دیوانہ مزاج

قیس کو کچھ بھی نہ تھی اپنے سر و پا کی خبر
عشق نے ایسا بنا رکھا تھا دیوانہ مزاج

بیان - خواجہ احسن اللہ۔ انکا اصل وطن کشمیر تھا۔ مگر یہ خود دہلی میں پیدا ہوئے۔ اور یہیں کے کہلائے۔ حسن صورت و سیرت دونوں سے کافی بہرہ پایا تھا۔ فن سخن میں مرزا مظہر جانجاناںؒ کے شاگرد اور مسلکِ طریقت میں مولانا فخر الدینؒ سے بیعت تھے ۱۸۰۰ء میں سرکار نواب نظام علیخاں نظام الملک والیِ حیدرآباد دکن کے ملازم تھے۔ اور بڑے اعزاز سے رہتے تھے اصولِ فنِ شاعری سے باخبر اور بڑے خوش کلام۔ تیز طبع۔ شاق۔ سخن سنج و سخن ور تھے کلام میں نمکینی و رنگینی غضب کی ہے۔ تمام کلام میں دور از قیاس استعارات اور پیچیدہ بندشوں سے کام نہیں لیا۔ جو کچھ کہا ہے صاف ستھری زبان میں کہا ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ سادگی میں بیان

بھی وہ آن بان نکالی ہے کہ کیا کہئے حق تو یہ ہے کہ سیدھی سادھی زبان میں مضامین کا پایا نکا گرنے نہ پایا خالی از کمال نہیں ہوسکتا۔ بعض بعض جگہ تو ان کے کلام میں میر اور درد کے کلام کا رنگ دکھائی دے جاتا ہے گو انکے کلام کی شہرت کما حقہ نہیں ہوئی۔ لیکن اب وہ وقت آگیا ہے کہ اردو زبان کے پودے کو سینچنے والے ضرور اسکی داد دینگے۔ رباعیات میں خصوصیت کے ساتھ ایک انداز دل کشی پیدا کیا ہے۔ قصیدے بھی لکھے ہیں اور گو صرف دو ہی لکھے ہیں۔ لیکن دکھا دیا ہے کہ اس میدان میں بھی بیان کا توسن فکر رسا جیسی چاہیے جولانی دکھا سکتا ہے۔ آخر عمر پاکر حیدرآباد دکن میں وفات پائی۔ انکے شاگرد رے گلاب چند ہمدم نے تاریخ کہی ہے۔ استاد از جہاں رفت ۱۲۱۳ھ۔ معاملہ بندی کے ساتھ ساتھ اخلاقی مضامین بھی عجیب نفاست سے نظم کئے ہیں۔ ان کا قلمی دیوان راقم کے کتب خانے میں موجود ہے اور اسکا انتخاب یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

قفس میں ہوں پر شکستہ کیلئے کیا کیا نہیں کرتا
تڑپتا ہوں پھڑکتا ہوں کوئی پروا نہیں کرتا

ہمدم نہ فکر کر یہ میرا کام ہوچکا
جو دل یہی ہے تو مجھے آرام ہوچکا

آتا ہے ننگ تجکو مرے نام سے عبث
اے شوخ اب تو شہر میں بدنام ہوچکا

کیا کیجے بیاں اسکے وجوب اور قدم کا
طاقت نہ زباں کی ہے نہ مقدور قلم کا

بندے سے ثنا حضرت استاد[1] کی کیا ہو
منظر ہے خداوند کی وہ شان نم کا

مصلحت ترکِ عشق ہے ناصح
لیک یہ ہم سے ہو نہیں سکتا

گو کہ خسرو نے سو بنائے قصر
دلمیں شیریں کے ایک گھر نہ کیا

کیا غبار اسکے دل میں تھا کہ بیاں
خاک پر بھی مری گذر نہ کیا

سب کچھ بیان سے تب ہم جانیں ہو سکیگا
جب ہاتھ کو وہ اپنے دنیا سے دھو سکیگا

جس دل کو فرش گل پر آرام تھا نہ اک دم
بستر پہ خار و خس کے وہ کیونکہ سو سکیگا

[1] مراد ہے حضرت جانجاناں مظہر سے۔

تقلید کربیاں کی رویا بھی تو تو پھر کیا
پر لخت دل مژہ میں کیونکر پرو سکیگا

سیرت کے ہم غلام ہیں صورت ہوئی تو کیا
سُرخ و سفید مائی کی مورت ہوئی تو لیا

نکلا ہے لالہ خاک کے نیچے سے سُرخ سُرخ
رنگیں ہوا شہیدوں کے خوں میں نہانا

عالم کو لعل و گوہر و تاج دلوا دیا
اے آسماں بتا تو مجھے تو نے کیا دیا

اُسکا ادا سے شکر بیاں کیونکہ کر سکوں
جس نے اُٹھا کے خاک سے انسان کر دیا

کب تلک اُسکی شکایت ہو نہ سب سے آشنا
ایک بیگانہ ہے مجھسے اور سب سے آشنا

غیر کے کہنے پہ ست بیگانہ ہو مکبار گی
دیکھ تو اے شوخ میں تیرا ہوں کب کا آشنا

کیوں آج سماتا نہیں سینے میں خوشی سے
پھولا پھلا ہے مگر دل تجھے پیغام کسیکا

یہ لوگ منع جو کرتے ہیں عشق میں مجھکو
اُنھوں نے یار کو دیکھا ہے یا نہیں دیکھا

دیکھا تھا اپنے یار کو پہلو میں غیر کے
یہ طرفہ تر ترا ہے کہ خنجر بھی پاس تھا

انوکھا سنگدل تو ہی نہیں ہے
ہمارا دل بھی پتھر سا کبھی تھا

کُل کی حسرت سے مرے دلمیں سدا خار رہا
عمر بھر میں تو قفس ہی میں گرفتار رہا

میں ترے ڈر سے رو نہیں سکتا
گرو غم دل سے دھو نہیں سکتا

مرتا ہوں غمگساری جواب نہیں تو پھر کب
اے یار مجھ سے یاری جواب نہیں تو پھر کب

برسے ہے ابر رحمت ساقی کدھر ہے مینا
ہنگام بادہ خواری جواب نہیں تو پھر کب

جاتا ہے وہ کہ جس سے تھا لطف زندگانی
آتی اجل ہماری جواب نہیں تو پھر کب

دل تھا گھر ہمارا غم اے بیاں ہوا ہے
ہو مجکو بیقراری جواب نہیں تو پھر کب

یار نے جیسے اُٹھایا اپنے چہرہ سے نقاب
طعن کرنے سے مرے آتا ہے ناصح کو حجاب

یہ حساب دوستان در دل مثل مشہور ہے
پر عجب ہیں دوست جو دلمیں بھی کرتے ہیں حساب

خان وماں کچھ ہم بھی رکھتے تھے کبھو لیکن بیاں
اب یہی در ہے یہی گھر خانۂ الفت خراب

کل تو آویگا ہی آخر غرۂ ماہ صیام
آج تو پی لیجئے من مانتی ساقی شراب

اپنی مخموری نے اے واعظ نصیحت کی مجھے
واقعی ہے آج سمجھا بد ہے انجام شراب

تو تو ساقی جام تر سا کر پلاتا تھا مجھے
یار کی آنکھوں نے مجبور کر دیا کیا بادمست

کیا اُنگیں دلمیں آتی ہیں بیاں میں کیا کہوں
جب نظر پڑتا ہے تنہا مجھکو وہ میخوار مست

پوچھتا کون ہے ڈرتا ہے تو اے یار عبث
قتل کرنیسے مرے ہے تجھے انکار عبث

تو بزم سے اُٹھا کہ ہوئی تلخ مے کشی
میں سچ کہوں شراب کو سمجھا حرام آج

خم جسکے پاس ہے وہ فلاطوں سے کم نہیں
جمشید ہے وہ جسکو میسر ہے جام آج

کہتا نہیں میں عرش پہ اے نالے جا پہنچ
کانوں تلک تو اُسکے تو اے نارسا پہنچ

شتِ غبار کو مرے وہاں ہو گیا ہو پہنچ
جسکی گلی میں رکھتی نہو اے صبا ہو پہنچ

کہاں یہ اٹھرا اور کہاں وہ دامن پاک
تمہارے لطف و کرم نے مجھے کیا گستاخ

وہ کون دن ہے کہ غیروں کو خط نہیں لکھا
قلم کے بن کو لگے آگ اور جلے کاغذ

عرش تک جاتی تھی یا لب تک بھی آسکتی نہیں
رحم آتا ہے بیان اب مجھکو اپنی مستی پر

اے مسیحا مجکو تو زندہ نکر
اُن لبوں کے مُنہ سے شربت مر

جز خدا آشنا نہیں کوئی
کشتی ٹوٹی ہے اور ساحل دور

ہم سرگذشت کیا کہیں اپنی کہ مثل خار
پامال ہو گئے ترے دامن سے چھوٹکر

ازبس میں نہیں زباں پہ اپنی قادر
اکثر ہوتی ہیں دل کی باتیں ظاہر

صاف مُنہ پر میں نہیں کہتا کہ ہوگا اُسکے پاس
ورنہ کیا واقف نہیں میں دل ہر میر جسکے پاس

جو نہواُس شمعرو کے عشق کا سینے میں داغ
کون مجھ بیکس کی تربت پر کرے روشن چراغ

آتا ہے جی کو دیکھ کے جوشِ بہار حیف
اے عندلیب تو ہے قفس میں ہزار حیف

یا تنک ہوں خستہ حال کہ دیکھے ہے جو مجھے
نکلے ہے اُسکے مُنہ سے بھی بے اختیار حیف

میں لیکہ خاک میں ترے کوچے کی مل گیا
پر بھی ترے دل میں ہر مجھسے غبار حیف

ہو دیگا ذوق حسرت دیدار میں خلل
شیریں گذر نہ کیجئو فرہاد کی طرف

ہوئی آہ اب اسقدر نارسا
کہ سینے سے آتی نہیں بستلک

پنٹ یہ بیاں کا براحال ہے
تغافل ارے بے خبر کب تلک

یہی دن ہے ملنا ہے تو اُس سے مل
کہ جینا نہیں آجکی شب تلک

ادب سے یار کے دلمیں نفس خوں ہو گیا میرا
یہ بلبل نا تواں آخر قفس ہی میں ہُوا بسمل

تڑپنے کے تماشے کی ہوس باقی ہے قاتل کو
ڈرا جاتا ہے کیوں اتنا کہ اک تو پر ہلا بسمل

نکل سکتا نہیں ہے تیر کے عہدے سے قاتل کے
بیاں کس مُنہ سے مانگے اُس سے اپنا خونبہا بسمل

گو کہ ناصح کو اعتبار نہیں
دلپہ میرا کچھ اختیار نہیں

وہ نگاہیں جگر میں پیر گئیں
کونسا وار ہے کہ پار نہیں

وقت آنے کا اپنے تو مت پوچھ
مجکو کس آن انتظار نہیں

جھانک تک باغ دلمیں اپنے بیاں
اس چمن بھی کم بہار نہیں

چراغ صبح ہوں یا آفتاب وقت آخر ہوں
کوئی ساعت کا مہماں ہوں کوئی دم کا مسافر ہوں

ہوس اسباب آزادی کی سب برباد کرتی ہے
گرفتار علایق ہی ہوا میں تیری خاطر ہوں

گر میری خبر پوچھیں بیاں حضرت آصف
کہیو اوسی کوچے میں بدستور پڑا ہوں

کافر ہوں اس سے زیادہ اگر کوئی آرزو ہو
اک نے خلل سی جا ہو واں میرے ناں اور تو ہو

ہمیشہ کہتے ہو مجھ سے کہ یوں قائم ہو
خدا ہی جانے پر اے جانمیں ہوں یا تم ہو

ہرچند کہ گل بہتر گلزار بہت تحفہ
دل انکے اگر اپنا تو خار بہت تحفہ

جا کہو کوئے یار میں کوئی
مر گیا انتظار میں کوئی

وہ بھی کیا رات تھی کہ سوتا تھا
سر رکھے اس کنار میں کوئی

کون کہتا ہے بیوفا تجکو
جھوٹ ہے افترا ہے تہمت ہے

رخصت ہے عقل و ہوش کو چاہے جہاں رہے
اے ساکنان کوئے بتاں ہمتواں رہے

کیا دیکھتی ہو دلکو مرے تم اولٹ پلٹ
آیا ہے گر پسند تو اے مہرباں رہے

فرہاد و قیس نے تو لیا گھیر کوہ و دشت
اب کونسی جگہ ہے کہ جسمیں بیاں رہے

بیاں کون ہے اب تلک پوچھتے ہو
تغافل کے قرباں تجاہل کے صدقے

مت آئیو اے وعدہ فراموش تو اب بھی
جسطرح کٹا روز گذر جائیگی شب بھی

ظاہر میں وصل کا نہیں اسباب کچھ بیاں
نومید بھی نہو کہ خدا کارساز ہے

جادو تھی کہ سحر تھی بلا تھی
ظالم یہ تیری نگاہ کیا تھی

کید ہر ہے کہاں ہے خوشدلی تو
ہم سے بھی کبھی تو آشنا تھی

شیریں بھی تجھی سے تھی سنگمر
قطعہ لیلی بھی اگرچہ بیوفا تھی

فرہاد پہ اس قدر نہ تھا ظلم
مجنوں پہ نہ یہ غضب جفا تھی

مارا ہے بیاں کو جس نے اے شوخ
کیا جانئے کونسی ادا تھی

میں جانتا تھا وصل کی شب کچھ دراز ہے
آنکھیں جو کھل گئیں تو درِ صبح باز ہے

رسوا نکر خدا سے ڈرائے چشم تر مجھے
آتا ہے اُس کی بزم میں بار دگر مجھے

خدا کرے کہ تقاضا ہو کے جی نکل جاوے
کہیں شتاب یہ قصہ چکے نکل جاوے

میں وہ نہیں کہ ترا جا بجا کروں شکوہ
ترے فراق میں گو جی مرا نکل جاوے

ساقی تری نگاہ کے صدقے میں ایکبار
دونوں جہاں کی فکر سے کر بیخبر مجھے

آیا ہوں اُس گلی سے ابھی دم لیا نہیں
پھر لیچلا ہے یہ دلِ وحشی اُدھر مجھے

وصل کی شب کا ماجرا کیا کہوں تجھسے ہمنشیں
شام سے لیکے صبح تک وہ ہیں نہیں نہیں رہی

بھر عمر رہنے ضبط کیا ایک وقتِ نزع
بے اختیار آنکھ سے آنسو نکل پڑے

تھا حکم شرع عشق کہ ہرگز نہ رو بیاں
گو ضبطِ گریہ سے نہ ترے جی کو کل پڑے

شبِ فراق کی دہشت سے جان جاتی ہے
یہی ہے صبح سے دھڑکا کہ رات جاتی ہے

الجھہ دیکھو دامن سے اُسکے بھی ہاتھو
یہ مجھ ناتواں کا گریباں نہووے

بوسے کو نام ہی پہ لگے کاٹنے زباں
کتنی عمل سے آگے مکافات بڑھگئی

سو برس میں نہ نکلے دل کی خلش | اور نکلے تو آن میں نکلے

کون کہتا ہے چاہ مشکل ہے | لیکن اُسکا نباہ مشکل ہے
نزع مشکل نباہ مشکل ہے | سخت کافر یہ چاہ مشکل ہے
جو گل کی قفس میں خبر جائے گی | تو کیا سُن کے بلبل نہ مر جائے گی
بیاں کا یہ پیغام لے جایو | قطعہ | صبا اُسکے کوچے میں گر جائے گی
جو ہم بن تمہاری گذرتی ہے خوش | ہماری بھی تم بن گذر جائے گی
کیا ہو اعرش پر گیا نالہ | دل میں اُس شوخ کے تو راہ نہ کی
آفریں صبر کو بیاں تیرے | مر گیا ضبط سے پر آہ نہ کی
بُت خود کام چلا جاتا ہے | صبر و آرام چلا جاتا ہے
عمل نیک سدا رہتا ہے | جم نہیں جام چلا جاتا ہے
ہے کدھر قیس کدھر ہے فرہاد | عشق سے نام چلا جاتا ہے
عشق میں صبر کی دولت سے بیاں | بارے کچھ کام چلا جاتا ہے
مجھے غم سے اسواسطے پیار ہے | کہ میرے بُرے وقت کا یار ہے
مری ناؤ کھوپچی ہے آ منجھدھار | تری اِک توجہ سے بس پار ہے

ہزاروں قصر جنت کی برابر میں سمجھتا ہوں | اگر گردوں دوں آسودہ زیر خاک رہنے دے
فرشتونکی عبادت کا مصلی ہے مرا دامن | اگر آسود گی دنیا کی اسکو پاک رہنے دے
جس واسطے آئے ہیں وہ کام تو کچھ کر لے | آغاز اگر کھویا انجام تو کچھ کر لے
اپنے نہ دامن میں گہر چاہیے | اشک کے قطروں میں اثر چاہیے
پائے طلب کھینچ کے بیٹھوں کہاں | خانہ نشینی کو بھی گھر چاہیے
دام میں جو شخص کے اپنے پھنسے | اوسکی کبھو لینی خبر چاہیے
دل تجھے جیسا کہ خدا نے دیا | مجکو بھی ویسا ہی جگر چاہیے

بس ہے بیاں حسرتِ دیدار اور	کیا تجھے اب خاک بسر چاہیے

بیان سباح ملکِ ہمدانی سید محمد مرتضیٰ بیان یزدانی شاگرد رشید سید احمد حسن فوقاتی بیرسٹر کے نامور اور قابل شعرا میں تھے۔ استعداد علمی بہت معقول اور فن سخن میں دستگاہ کامل حاصل تھی مزاج بہت آزاد اور بے باکانہ پایا تھا نظم و نثر پر قادر تھے بیدہ فیاض سے شعر گوئی اور سخن فہمی کا نہایت شستہ اور صحیح مذاق آپ کو ملا تھا۔ فارسی کلام سے نہایت ذوق تھا اور اسمیں نہایت قابلیت کے ساتھ داد سخنوری دی ہے۔ جملہ اصنافِ سخن پر قادر تھے۔ ایک عجیب کمال ان کی قادر اور ہمہ گیر طبیعت میں یہ تھا کہ جس رنگ میں چاہتے فکر سخن کرتے اور پھر یہ نہیں کہ صرف قافیہ پیمائی ہو بلکہ فی الحقیقت اُس رنگ میں اپنی زور طبیعت سے وہ وہ اختراعیں کرتے کہ سننے والے حیران رہجاتے۔ مثلاً ان کے بعض شعر مرزا غالب کے رنگ میں ایسے لاجواب ہوتے تھے کہ اجنبی کو مرزا غالب کے کلام کا دھوکہ ہوجاتا تھا۔ الغرض یہ جوہر کامل گوشۂ خمول میں رہکر جس شہرت کا مستحق تھا اُسے حاصل نہ کرسکا ایک عرصے سے کچھ دماغی عوارض میں مبتلا تھے۔ وہ عارضہ بظاہر وہم سے منسوب کیا جاسکتا ہے۔ روشنی میں بلا وجہ بدرجہ غایت اذیت پہنچتی تھی۔ چنانچہ سالہاسال اس وہم میں حجرے سے باہر نہ نکلے اور آخر عمر تک اسکا اثر باقی رہا۔ اسی طرح بغیر میانہ کے پاپیادہ گھر سے کبھی باہر نہ جاتے تھے۔ عرصۂ دراز تک طوطی ہند کے اڈیٹر رہے اسکے علاوہ جلوۂ طور وغیرہ اخباروں میں مدتوں اپنے نام اور مضامین سے ارباب مذاق کی خدمت کرتے رہے۔ آپ کے مضامین نہایت وقعت و قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ باوجود امراض انکے ہمت و خیال پر ہزار آفریں ہے۔ کہ کسی وقت قلم ہاتھ سے نہ چھوٹا طبیعت ہر وقت حاضر رہتی تھی آخر میں لسان الملک نامی ایک رسالہ بھی جاری کیا تھا جس میں اکثر انکا اور انکے شاگردوں کا کلام چھپتا تھا اور کچھ نثر بھی ہوتی تھی۔ مولانا حالی کے مسدس کے جواب میں آپ نے بھی ایک مسدس لکھا تھا جو چھپ چکا ہے۔ اردو میں صاحب دیوان تھے مگر نہنو

شایع نہیں ہوا ہے تاہم اکثر غزلیں زبانوں پر چڑھی ہوئی ہیں - ساٹھ سال کے قریب عمر پا کر سنہ ۱۹۰۰ء میں بمقام میرٹھ انتقال کیا - اب کلام ملاحظہ ہو -

سارے جہاں کے دل میں تیرا مقام نکلا
تو ہمسے بھی زیادہ رسوائے عام نکلا

ہر ایک شے میں پنہاں تیرا مقام نکلا
توڑا جو بتکدہ کو بیت الحرام نکلا

اُنکا منجملہ اربابِ وفا ہو جانا
میرے نزدیک ہے بندے کا خدا ہو جانا

سرِ شوریدہ پائے دشت پیما شامِ ہجراں تھا
کبھی گھر تھا بیاباں میں کبھی گھر میں بیاباں تھا

گئے تھے رونے دلکو لیے بیٹھے ہیں تلوونکو
فرورگ رگ میں نشتر تھی نہاں نس نس میں پیکاں تھا

نکھولی آنکھ وقتِ نزع بیمارِ محبت نے
کسیکا پردہ رکھنا تھا کوئی آنکھوں میں پنہاں تھا

یہ ہے شامِ فرقت یہ ہے شامِ فرقت
تو ہوگی نہ ہوگی سحر دیکھ لینا

وہ پوشیدہ رکھتے ہیں اپنا تعلق
اِدھر دیکھنا پھر اُدھر دیکھ لینا

کروں ذبح میں صیدِ بے بال و پر ہوں
اوڑے گی نہ اصلا خبر دیکھ لینا

جو سوٹھیکیاں لیکے آئی ہے اب تک
اُسی آہ کا تم اثر دیکھ لینا

تو ہی اے تیشۂ فرہاد بتا دے کوئی چال
اِن تو نکے دلِ سنگیں میں ہوں راہیں کیونکر

شمع کہتی ہے میرے سر سے دھواں اُٹھتا ہے
تو نے روکیں دلِ پرسوز میں آہیں کیونکر

ہماری نعش کا احساں رہیگا محشر پر
کہ منحصر ہے قیامت کسی کی ٹھوکر پر

کبھی رُکا ہے اگر دستِ نازنیں اسکا
تڑپ کے ہمنے گلا رکھدیا ہے خنجر پر

اُسے قرار نہیں اور مجھے قرار نہیں
مرے قدم کے تلے آگ شمع کے سر پر

مجھے بھی نقدِ آمرزش کی محشر میں ضرورت ہے
شہنشاہا کمی کیا ہے تری سرکارِ رحمت میں

جہاں پُر شور ہے ابدال پڑا رہ کنجِ عزلت میں
کہیں مارا نجائے جنگِ ہفتا دو دو ملت میں

تعصب سینہ سوزِ شیخ ہے پانی چھڑک ساقی
پھنکا جاتا ہے زہدِ خشک مذہب کی حرارت میں

کلیسا میں بُت کی ادا بن گئی تو ہو
حرم میں پہونچکر خدا بن گئی تو

یہ پردے کی ہے بات سنلے نہ کوئی
کہ پردے میں کیا جانے کیا بنگئی تو

لگائی ہے لو تجھسے اُجڑے ہوؤں نے
اندھیرے گھروں کا دیا بن گئی تو

ہر اک رنج و غم کو کیا محو تو نے
ہر اک درد و دکھ کی دوا بن گئی تو

بیان کے سوا تو نے سب کے نباہی
یہیں آنکر بے وفا بن گئی تو

سمائی ہے آنکھوں میں کیتائی اوسکی
وہ احول ہیں جن کو دوئی سوجھتی ہے

تہمتِ قتل مٹائے سے نہیں جانے کی
خونِ ناحق مرا سُرخی ہے ہر افسانے کی

آپ مجھے کھوکے نہ رووکہ اگر روئیگی شمع
جان پڑجائیگی کیا راکھ میں پروانے کی

اثرِ سوزشِ تاثیرِ محبت مت پوچھ
ہوگئی شمع ستی آگ میں پروانے کی

جلوے سے ڈالدیا چشمِ تماشہ پہ نقاب
یہ نئی وضع ہے ظالم ترے شرمانے کی

جیت کیا جانے دمِ ذبح کدھر کی ہوتی
نگہِ یاس سے گر تیغِ نظر کی ہوتی

اے فلک گردشِ ایام کا کیا رونا تھا
وصل کی رات اگر چار پھر کی ہوتی

جگاتی ہے چھینٹوں سے تو غافلوں کو
رگوں میں لہو بنکے تو دوڑتی ہے

اُٹھاتی ہے شوخی سے تو کاہلوں کو
ترے ساتھ ساتھ آرزو دوڑتی ہے

اداوانِ فسوں کاری خمارینِ چشمِ قاتل ہے
رخشندانِ مکتبِ تعلیمِ سحرِ چاہِ بابل ہے

شہادت منزلِ مقصود ہے ملّاحِ قاتل ہے
یمِ متواجِ بیتابی دمِ شمشیرِ ساحل ہے

تگ و تازِ سمندِ جسم تا ایوانِ قاتل ہے
اُترلے اے سرِ شوریدہ اب نزدیک منزل ہے

فسادانگیزِ جسم و جاں ہوا ہے دشتِ الفت کی
جنوں قیسِ بیاباں گرد کو فرہاد کو سِل ہے

اگر پہونچے تو پہونچے تنگ گیسوؤں کا سلسلہ ہم تک
ازل سے پیشِ پا افتادہ مضمونِ سلاسل ہے

نگاہِ یاس نے کیا تاک کر چھُریاں لگائی ہیں
لہو میں لوٹتی ہے تیغ خنجر نیم بسمل ہے

چلی ارض و سما پر آتشیں تیغِ دو دم کس کی
کہ سینہ ماہ کا زخمی گلوماہی کا گھائل ہے

غمِ الفت گلوگیرِ نفس ہے پھیر دو خنجر
تمہیں آسان ہے مشکل ہمیں آسان مشکل ہے

ازل سے اکتساب اندوزِ استادِ ازل ہو نہیں — بیاں تائیدِ سبحاں ہو تو کیا سحبانِ وائل ہے
سیہ روزی سے میری چرخِ اسیرِ بند مشکل ہے — کہ طشتِ خوں میں کافورِ سحر کی پاس فلفل ہے
حجابِ قالبِ خاکی ہے جبتک دید مشکل ہے — مکانِ عاشق و معشوق میں دیوارِ حائل ہے
مزہ پھرتا ہے ہونٹوں پر تلاشِ خونِ بسمل ہے — زباں بگڑی ہوئی ہے کیا چھوری تیغِ قاتل ہے
چلی آتی ہیں نذریں دھوم سے دربارِ قاتل ہے — کسیکا سر ہتھیلی پر کسی کے ہاتھ میں دل ہے
تڑپ جاتے ہیں اُنکے خالِ رخ کو دیکھنے والے — نکردے نیم بسمل کیوں کہ تل بھی نیم قاتل ہے
نگاہِ یاس کی جھپکیوں نے چھوڑا قصاصِ بنا — جو قاتل تھا وہ بسمل ہے جو بسمل تھا وہ قاتل ہے
مری صورت ہے خود صورت سوالِ دیدِ جاناں کی — ہیں کجکولِ گدا آنکھیں تو مژگاں دستِ سائل ہے
ستارے صورتِ پروانہ کسکے گرد پھرتے ہیں — الٰہی کونِ فانوسِ فلک میں شمعِ محفل ہے
میرا دل اے بیاں مجنوں ہے اُس لیلیٰ شمائل کا — غبارِ عالمِ ایجاد جسکی گردِ محمل ہے
قیامت آگئی قاتل ترا کشتہ نکلتا ہے — غریقِ آبِ خنجر بربلبِ ساحل نکلتا ہے
خدا ملتا نہیں ہرگز خودی مٹتی نہیں جبتک — یہ پردہ عاشق و معشوق میں حائل نکلتا ہے
ازل سے جوہرِ آسا دل غریقِ آبِ خنجر ہے — ہزاراں صورتِ ماہی مرا گھائل نکلتا ہے
بیاں کہدو قیامت سے اوٹھالیجائے حشر اپنا — ہزاروں حسرتیں لے کر ہمارا دل نکلتا ہے
گھبرا کے جہانسے یہ ستم کش ترے گھر جائے — اور در ہو ترا بند تو بتلا کہ کدھر جائے
رشک آئے ہے غمخوارِ مرا حال نہ کہنا — میں جانسکوں واں تلک اور میری خبر جائے

بیباک - حکیم میر نجف علی - وطن ملک عرب اور مولد کوئل (علیگڈھ) تھا کچھ عرصہ دہلی میں رہے اور حضرت مصحفی کے تلمذ سے فیضیاب ہوئے - طب میں بھی دستگاہ تھی یہ اُن کے اشعار ہیں - بیباک

ہم کو لیل و نہار نے مارا — گردشِ روزگار نے مارا
ایک دن ہو تو کوئی صبر کرے — روز کے انتظار نے مارا

دادخواہوں سے گھر گئے رستے	اُس کا جس کوچے سے گذر ہوا
حیتا وہ ہوس ہے دل داغدار میں	گلپوش کر قفس کو مرے تو بہار میں

بیباک

بیباک - مولوی سید حسین احمد صاحب - آپکے والد شاہ تجمل حسین صاحب قادری شاہجہانپور میں صاحب سجادہ اور ایک معزز سرگروہ مانے جاتے ہیں - جناب بیباک کی زمانۂ طالبعلمی مختلف مقامات میں گذرا - اب ۳۵ - ۴۰ کے درمیان عمر ہے - شاعری کا اچھا مذاق ہے - فکر کی رسائی - اور زبان کی صفائی مزید برآں ہے - آپ کو حضرت داغ دہلوی سے ارادت تھی مشق کم ہے لیکن جب کہتے ہیں تو اچھا کہتے ہیں - معاش کیطرف سے بدرجۂ اوسط بے فکر ہیں - باوجود کوشش صرف چند ہی غزلیں ہم پہونچیں اونکا انتخاب درج ذیل ہے -

دنیا کی نہ کچھ فکر نہ کچھ رنج ہے دیں کا	مشرب ہے تو رندانِ خرابات نشیں کا
تو کوچۂ دلدار اگر دیکھ لے واعظ	واللہ کبھی نام نہ لے خلدِ بریں کا
کیا کیجئے بیباک وہ دل مانگ رہے ہیں	ہاں کرتے ہی بنتی ہے نہ موقع ہے نہیں کا
کہاتے کہاتے ترے ہجر میں اکتا گئے	اے فلک اب کہدے کتنا غم رہا
کچھ تذکرہ کسی کا احوال کچھ کہیں کا	دل چھیڑیے فسانہ میرے دل حزیں کا
واعظ کے دلمیں بھی اب گھر کر لیا تو نے	کعبے میں بھی عمل ہے ان دشمنانِ دیں کا
ساقی کے عکسِ رخ کی ادنی ہے یہ کرامت	پیمانہ میں دکھادے وہ چاند چودھویں کا
بس بس معاف رکھو ہم خوب جانتے ہیں	جو تم سے میل رکھے رہتا نہیں کہیں کا
آخر نہ رنگ لائی آشفتگی کسی کی	دیکھو تو حال اپنے گیسوئے عنبریں کا
کرتا ہوں کب سے سجدہ اُس بُت کے آستاں پر	مٹجائے یا تو یارب لکھا ہری جبیں کا
تجھکو تو پند واعظ اللہ تجھسے سمجھے	کرتا ہے جس مزے سے تو ذکر حور عیں کا
ناصح یہ سچ ہے لیکن کیا اپنا حال دیکھوں	آنکھوں نہیں تو ہے جلوہ اُس خسکل و نشیں کا
ہر شے تو کھنچ رہی ہے تیرے طرف مرجاں	مانا گیا ہے پھر کیوں ساکن گڑھ میں کا

دعوی خوں کہا نکلا اپنی تو یہ دعا ہے
رویاں بھی ہو نہ میلا قاتل کی آستیں کا

لو مری جانِ حزیں جاتی رہی
ہو گیا جو کچھ تمہیں منظور تھا

ناتواں قیس نازنیں لیلیٰ
کون پردہ اٹھائے محمل کا

موت آئی نہ مجھکو ہجر کی شب
درد اٹھا مگر دوا نہ ہوا

جواب حشر میں ہو شانِ کبریائی کا
خدا کے سامنے دعویٰ کرو خدائی کا

ایک کو ایک کے جلوے سے ہوئی ہے حیرت
عکس آئینہ میں حیران وہ ششدر باہر

کہاں تک اب نہیں ہوگی نہیں پر
کرم کیجے دلِ اندوہگیں پر

ہوا کیوں عشق میں دشمن ہمارا
مگر ناصح بھی مرتا ہے انہیں پر

کچھ لذتِ وصال اُسی کو ہوئی نصیب
جو نامراد کھیل گیا اپنی جان پر

آبِ بقا نہیں کہ دمِ جانفزا نہیں
مشتاق چاہیے ترے خنجر میں کیا نہیں

کیوں نگاہِ لطف کا احساں لوں
کیا مزا کم ہے مجھے بیداد میں

عیش عشرت میں گذرتی ہے عجب راحت میں ہوں
محفلِ جاناں میں ہوں یا جیتے جی جنت میں ہوں

نعرۂ مستانہ لب پر وجد کی حالت میں ہوں
جب سے دیکھی ہے وہ چشمِ مست کیفیت میں ہوں

اُسکے جلوے نے کہا نسے اب کہاں پہونچا دیا
عالمِ حسرت سے نکلا عالمِ حیرت میں ہوں

دل حشر میں بھی یار کے قدموں پہ پڑا ہے
آفت کی محبت ہے قیامت کی وفا ہے

وعدۂ فردا پہ وہ بیتاب مجکو دیکھکر
ہنسکے فرماتے ہیں کیا ایسی قیامت دور ہے

ہم کیوں نہ کہیں حالِ دلِ زار تجھی سے
جو دوست ہو ہوتی ہے شکایت تو اُسی سے

کیا غم ہجر آرزوئے وصل کہاں کی
اپنی تو خوشی ہے مریجاں تیری خوشی سے

اب اسکو وہ تڑپائیں کہ آرام سے رکھیں
کچھ ہم کو غرض دل کی بُری سے نہ بھلی سے

مجبور ہوئے حضرتِ ناصح تو یہ بولے
اتنی بھی کسی کو نہ محبت ہو کسی سے

وقت آئے مری جان تو پھر ناز سے چلنا
کیا حشر اٹھانیکا ارادہ ہے ابھی سے

اُسے جاتے نہ دیکھوں اپنے گھر سے
الٰہی موت دے پہلے سحر سے
محبت کر رہی ہے دستگیری
سنبھل جاتا ہوں گر گر کر نظر سے

بیتاب ۔ میاں محمد اسمٰعیل ۔ فقیر وارستہ مزاج ۔ آزاد منش اور مصطفےٰ خان یکرنگ شاعر دور اوّل کے تلامذہ میں تھے ۔ سرِ راہ گھوڑے سے گر کر جان بحق تسلیم ہوئے ۔ کچھ کلام ایک پرانی بیاض میں ملا چند شعر انتخاب ہو کر درج کئے گئے ۔ ان کے اشعار دلپسند ہوتے تھے ۔ بیتاب

نہ تو آرام کسی سے آشنا دل
تو کیا آرام سے رہتا مرا دل
تڑپ کر مر گئی بلبل قفس میں
پڑی تھی ہائے کس ظالم کے بس میں
وہ خفا مجھ سے میں خفا دل سے
بھلا کس بات کی خلاوت ہو
تمنّو[1] بیٹھے ہوئے پہ آفت ہو
اُٹھ کھڑے ہو تو کیا قیامت ہو

بیتاب ۔ شاہ حاتم کے کسی شاگرد کا تخلص ہے جنکا نام باوجود تلاش بہم نہ پہونچا ۔ تذکرہ گلشن ہنجار میں اُنکا یہ ایک شعر قابلِ درج ملا ۔ بیتاب

بیتاب بھی کیا جواں تھا اے وائے
ہو خانہ خراب اس اجل کا

بیتاب ۔ لالہ سیوک رائے ۔ بقاء اللہ خان بقا کے شاگرد اور خود بھی شعر کا اچھا مذاق رکھتے تھے ۔ کلام ملاحظہ ہو ۔ بیتاب

محبت کی بھی کچھ ہوتی ہیں کیا اے ہمنشیں راہیں
کہ خوباں یوں ہمیں دُکھ دیں ہم انکو اسطرح چاہیں
اِدھر نالہ کیا اُدھر وہ مضطر ہو چلا آیا
عجب دن تھے کہ جن روزوں میں رکھتی تھیں تمنّائیں

بیتاب ۔ افضل الدولہ نواب احمد بخش خاں عزیز نواب غازی الدین خاں وزیر عالمگیر ثانی مقیم کالپی صاحب دیوان گذرے ہیں ۔ یہ اُنکے اشعار ہیں ۔ بیتاب

نہیں ہے آج جو وہ گلعذار پہلو میں
اُچھل رہا ہے دلِ بیقرار پہلو میں
نہ منہ سے اُف کبھی نکلی ہمارے قاتل
لگائے گن کے جو خنجر ہزار پہلو میں
اُٹھا سکا جو نہ صدمہ فراق کا آخر
تڑپ کے رہ گیا دل ایکبار پہلو میں

[1] یہ شعر شاہ حاتم کے نام سے مشہور ہے ۔ یا تو سرقہ ہے یا توارد ہوا ۔ واللہ اعلم ۔

بیتاب

بیتاب - مرزا خدا وردی خاں دہلوی نواب سعادت یار خانِ رنگین (جو ایک مشہور شاعر اور میر انشا کے دوست تھے) کے حقیقی چھوٹے بھائی اور دہلی کے خوشباش لوگوں میں تھے فنِ سخن میں آپنے میر نظام الدین ممنون سے استفادہ کیا تھا۔ یہ دو شعر آپکے ہیں۔

آپکا قصد ہے پر غیر کے گھر جانیکا — فائدہ کیا ہے اجی ہمسے قسم کھانے کا
مجھسے کہتا ہے وہ ہر دم اپنا خنجر دیکھکر — قتل کیجے تجکو جی چاہے ہے اکثر دیکھکر

بینیاب

بیتاب - لالہ کشن نرائن بیتاب قوم کے کھتری اور بنارس کے رہنیوالے تھے۔ اکثر آگرہ میں بھی قیام رہا کرتا تھا۔ ایک عرصہ دراز تک سابق مہاراجہ نیپال مقیم بنارس کی سرکار میں مختار رہے خوش فکر اور موزوں طبع شاعر تھے۔ صفائی روزمرہ کے علاوہ اخلاقی مضامین میں اچھے اچھے نکالے ہیں۔ اور خوش کلامی کی داد دی ہے۔ بیس برس کے قریب ہوا انتقال کیا۔ دیوان کا انتخاب درج ذیل ہے۔

قضا سے دامِ تن میں ہے مقید مرغِ دل ورنہ — یہ وہ ہر گلشنِ جنّت میں جس کا آشیانہ تھا
کھو دیا دکھ در دِ چشمِ یار نے مجھ زار کا — کام نکلا دیکھنا بیمار سے بیمار کا
رشتۂ وحدت کی دیکھو تو دو رنگی کو ذرا — شیخ قائل سبحہ کا ہے برہمن زنار کا
پیشِ ابرو سر جھکا ہے گیسوئے پرتاب کا — کرتے ہیں کافر بھی سجدہ کعبہ کی محراب کا
آبرو کب پائیں وہ بیتاب جو بے علم ہیں — مرتبہ ہوتا نہیں کچھ گوہر بے آب کا
مجھ زار سے کہتا ہے وہ ہنس ہنسکے دمِ نزع — گل ہونا ہی اچھا ہے چراغ سحری کا
شمع رو کیا کہیں جو عشق میں تیرے دیکھا — ہمنے وہ دیکھا جو پروانے نے جلکر دیکھا
گھر سے باہر کبھی آنیکا وہ دلدار نہیں — خانگی شوخ ہے کچھ یوسفِ بازار نہیں
مار گیسو میں چھپا ہے جو دلارو صنم — صبح ہو جائیگی رہنے کی شبِ تار نہیں
میں تو سمجھا تھا صبا ساتھ کو تیرے بہتر — پر ہوا آہیں ضرر خاک بھی پہنچی مری نابدرِ یار نہیں
کہنے کو تو کہتا ہوں کوئی غیر نہیں ہے — مفت برباد ہوا پر و لے مرے اپنا پرایا نہیں جاتا

دوست بنجاتے ہیں دشمن جب بگڑتا ہے نصیب
تیشۂ فرہاد نے پھوڑا ہے پھوڑا ہے سر فرہاد کا

آپ اُسکے دام میں بیتاب پھنس جاتے ہیں ہم
دل دُکھانا کب ہمیں منظور ہے صیاد کا

ہے ستم میں پھنسنا ستمگر آپ
چرخ کھاتا ہے روز چکر آپ

ہے خوشی کسکے ملنے کی جو آج
جامے سے ہو رہے ہیں باہر آپ

ہوائے شوقِ گلستاں میں ہو نہیں سرگرداں
پھریگا ساتھ مرے تو کہاں کہاں صیاد

کھولدو دستِ کرم اے منعمو بیٹھے ہو کیا
ایک دن اُٹھنا پڑیگا سب یہ ساماں چھوڑکر

عاشقِ معنی کبھی ہوتی نہیں صورت پرست
شیخ جاتا ہے حرم کو کعبۂ دل چھوڑ کر

میں عاشق ہوں نہیں کرتا کبھی شکوہ
جفا کر اے پریرو یا وفا کر

دِلا ایمان مت لانا کہیں شیخ و برہمن پر
گماں رہبر کا مت کر بیٹھنا بھولے سے رہزن پر

یوں جان و دل ہیں سینے میں پیکاں کے آس پاس
جسطرح میزبان ہوں مہماں کے آس پاس

محوِ جمالِ یار کو مطلق خبر نہیں
آتا ہے کون بزم میں جاتا ہے کون شخص

پوچھتا ہے کون کسکو کام ہو جانیکے بعد
صبح ہوتی ہے بجھا دیتے ہیں خاص و عام شمع

رنج روشن طبع سہتے ہیں پئے شادیِ غیر
جل کے خود دیتی ہے دیکھو اورونکو آرام شمع

ہے ترے ہات اب مرا انصاف
کچھ تو کر بندۂ خدا انصاف

بوسہ غیر و نکو گالیاں ہمکو
یہ بھی ہے کوئی مہ لقا انصاف

تیرے کوچے کے لاکھوں راستے ہیں
بھلا کیونکر نہ دھوکا کھائے عاشق

تماشائے پری گر دیکھنا ہے
کہو دیوانہ بن کر آئے عاشق

پوچھتے کیا ہو مجھسے کیا ہے عشق
ظلم ہے قہر ہے بلا ہے عشق

نہ مرتی ہے نہ چھٹتی ہے قفس سے
پڑی ہے کس بلا میں اے بلبل

ساتھ دیگی نہ جب تلک تقدیر
بار تدبیر نہ آئیں گے

ذرا اے میکشو دیکھو مچلنا دخترِ رز کا
سبو سے آئی شیشے میں گئی شیشے سے ساغر میں

عبث ہے منع تم کو بھر و ساجاہ و ثروت کا
زمانہ کا دگرگوں رنگ ہو جاتا ہے دم بھر میں

لئے زلفوں کے بوسے ہمنے آج اک اک وعدہ
پھنسائے دیکھنا بیتاب دو سانپ ایک منتر میں

پاشکستہ ہیں ہمتوائے وحشت
کوئے جاناں سے مت نکال ہمیں

ایدل تجھے کیا بتاؤں کیا ہوں
تو درد ہے میں تری دوا ہوں

صحبت پیراں جواناں فیض سے خالی نہیں
یہ کماں کا زور ہے جو دیکھتے ہو تیر میں

جسم میں اے روح تو آئی ہے کسکے حکم سے
شمع روشن کی ہے کسنے خانۂ تصویر میں

آج کا کام چھوڑ مت کل پر
زندگانی کا اعتبار نہیں

تھا عرش پہ سر جنکا وہ خاک پہ بیٹھے ہیں
اقبال اسے کہتے ہیں ادبار اسے کہتے ہیں

جب روح لگی چلنے کچھ بس نہ چلا آخر
مجبور اسے کہتے ہیں ناچار اسے کہتے ہیں

مردہ کیا چالو نے زندہ کیا باتوں سے
رفتار اسے کہتے ہیں گفتار اسے کہتے ہیں

عاشق و معشوق میں کرنا تمیز
ایک دل دونوں کو ہو جانے تو دو

اے پریرو تیرا دیوانہ ہے سب بھولا ہوا
لے قسم دیر و حرم کا راستہ گر یاد ہو

ہماری خاک اوڑتے ہی ہوا کیطرح جا لپٹی
بچا یا لاکھ اس رشک پری نے اپنے داماں کو

گر یہی ہے زمزمہ سنجی تو اک دن دیکھنا
دام میں لاوینگے مرغان چمن صیاد کو

اپنے اپنے رنگ میں ہیں مست گلہائے چمن
کون سنتا ہے بھلا بلبل کی یاں فریاد کو

چل بسی روح جسم خاکی سے
ہو گیا دم میں کیا سے کیا دیکھو

اڑ گئی روح رہگیا قالب
کیا پیادہ چلے سوار کے ساتھ

کون ہوتا ہے وقت بد میں شریک
ابر روتا ہے برق ہنستی ہے

مغتنم جان صحبت احباب
یہ بھی اک اتفاق ہستی ہے

عشق میں زر کی نہیں حاجت کچھ
خاک ہو جا بس یہی اکسیر ہے

جس سے دم بھر جدا نہ ہوتا تھا
ہائے اس سے چھڑا دیا کس نے

مجکو دِکھلا کے حُسن کا عالم
محوِ حیرت بنا دیا کِس نے

زلف سرکا کے روئے روشن سے
رات کا دن بنا دیا کِس نے

غیر مُنہ تکو یا غیر کو اپنا نہ کریں گے
اے یار ترے عشق میں کیا کیا نہ کرینگے

کر ذبح ہمیں شوق سے تیغِ نگہ یار
اِس مرنے پہ جینے کی تمنا نہ کرینگے

شکایت کی جو ہم نے بیوفائی کی تو وہ بولے
کِسی اب اور کو ڈھونڈو اگر ہم بے وفا ٹھہرے

تو عاشقِ مردہ کو جِلاتا ہے کرم سے
ہے زندگی اے رشکِ مسیحا ترے دم سے

اکدم میں طلسماتِ جہاں کھُل گیا اونپر
رندوں نے ترے چھین لیا جام کو جم سے

مجمع ہے نہ رندوں کا نہ ہو حق کی صدا ہے
تھی زینتِ میخانہ جہاں میں مرے دم سے

بڑھے اُتنی ہے جتنی خرچ کیجے
کوئی دولت نہیں بہتر ہنر سے

اے دل یہ شبِ وصل نہ کل ہوگی میسر
جو کچھ کہ اُڑانے ہیں مزے آج اُڑا لے

واعظ سے کہو ہونا جو ہووے گا وہ ہوگا
ناحق مجھے اندیشۂ فردا میں نہ ڈالے

بیتاب رامپوری - صاحبزادہ عباس علیخان مرحوم خلف الرشید نواب عبدالعلیخان بن نواب غلام محمد خان و برادر زادۂ حقیقی نواب محمد سعید خان مغفور والیِ رامپور حضرتِ بیتاب کو فنِ سخن سے دلی عشق تھا۔ مومن خان مرحوم کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ ۱۲۸۳ھ کی برس سے دہلی میں رہتے تھے۔ نہایت پاکیزہ سرشت اور خوش مقال کمالاتِ ظاہری و باطنی سے پیراستہ تھے۔ آپکا دیوان ریختہ نواب کلب علیخان نے مرتب کراکر شایع کرادیا تھا عاشقانہ اور معاملہ کے شعر خوب کہتے تھے۔ تذکرۂ انتخاب یادگار کی ترتیب کے وقت (۱۲۹۸) میں ۶۶ برس کی عمر تھی پندرہ برس ہوئے انتقال کیا۔

میں مرا تو چارہ گر کو کیوں پشیماں ہوگیا
دردِ دل کا بے خبر یوں بھی تو درماں ہوگیا

تم ملا نچوں سے کردو سو سے ہم رسا لال
ہے مزے کا معرکہ تقصیر اور تعذیر کا

ہے بتوں کی سرنوشت اللہ پتھر کی لکیر
پھر خطا انکی خطا یا جرم ہے تقدیر کا

اُسی کافر کو سب کا حُسن تو نے دیدیا یارب
مگر اب حشر تک پیدا نہ کوئی بھی حسیں ہوگا

لڑ کر کبھی نہ اُن سے ملا ہمسے ہاتھ تو
ہمسے لڑا تو جا کے رقیبوں سے مل گیا

ضد تو دیکھو کہ نکی غیر کی جانب داری
بولنا یوں بھی اُنہیں ہم سے گوارا نہوا

ہل گئی وہاں کی زمیں ہوگئی آفت برپا
لے کے میں تجکو جدہر سے دلِ مضطر نکلا

ڈھونڈتے ڈھونڈتے جا پہنچے ہم اُسکے گھر تک
دلِ گم گشتہ مرے حق میں تو رہبر نکلا

آج شہرت ہے کہ عاشق ترا دنیا سے گیا
زُلف کے پیچ سے حیران ہوں کہ کیونکر نکلا

ہر بات میں برہم کوئی اتنا نہیں ہوتا
آپس میں ذرا سمجھو تو کیا کیا نہیں ہوتا

یوں کوئی ستانا ہے مری جان کسیکو
خوبی پہ جسے اپنا بھروسا نہیں ہوتا

کچھ بن گئی ہے ایسی ہی دم پر مرے ورنہ
مرنا تو کسی کو بھی گوارا نہیں ہوتا

اغیار کی کیوں بھیڑ دمِ ذبح لگی ہے
کچھ قتل میں عاشق کے تماشا نہیں ہوتا

کیا دوا نے تری کام زہرِ قاتل کا
مری تو جان چلی ہائے چارہ گر لینا

ملا کے خاک میں جاتے تو ہو مجھے لیکن
خدا کے واسطے پھر بھی مری خبر لینا

مارا ہے میرے دل نے مجھے ہائے ہائے
بر میں رہا وہ میرے اور اُسنے ملا رہا

خنجر پڑیں کلیجہ پہ قاتل تو ہے مزہ
اتنا سا دل میں تیر کا پیکاں ہو تو کیا

بس اب تو تمنا ہے یہی حشر تک اللہ
تڑپے یوہیں بر میں دلِ ناکام ہمارا

کس بت کے شہیدِ نگہِ ناز ہوئے تم
اب دیکھ لیا شیخ جی اسلام تمہارا

جرّاح اس علاج سے خوش ہوں کہ مفت میں
کس کس مزے سے پیتے ہیں زخمِ جگر شراب

بوسے کا لطف پا کے تو ہم آپ مر مٹے
بجز یز آپ کرتے ہیں اسکی سزا عبث

ساتھ لے چل مجھکو بھی قاصد یا لیگا کچھ جواب
وہ کہیگا کچھ نہ کچھ مجکو مقرر دیکھکر

کروں اللہ سے فریاد تمہارا ہو کر
تمہیں منصف ہو کہ پھر میں رہوں کسکا ہو کر

آئے بے نام و نشاں جائیں رسوا ہو کر
وائے تقدیر کہ ہم مٹ گئے پیدا ہو کر

شک مٹا عشق کا جب پائی جنوں نے شہرت
راز پوشیدہ ہمارا ہوا رسوا ہو کر

کہتے ہو جلد اُٹھاؤ کوئی اس مردے کو
النجا اوروں کی کرتے ہو مسیحا ہو کر

خیر گذری کہ ذرا چونک کے پھر لگ گئی آنکھ
رہ گیا یوں ہی سا کچھ حشر کا غوغا ہو کر

بیتاب درد عشق کہاں اور ہم کہاں
بیٹھے بٹھائے ٹوٹ پڑا ناگہاں فلک

قتل ہونا نہیں دشمن کا گوارا واللہ
ہائے محشر میں کہے وہ اُسے میرا قاتل

اِن بیوفائیوں کا دکھاتا ذرا مزہ
ہوتا ذرہ بھی دل جو مرا اختیار میں

یا بند ناصحوں کی زباں کر دے یا خدا
یا مجکو دے یہ صبر کہ بیٹھا سُنا کروں

پھر خدا بتا دے تو اتنا بھی ناصحا
اُسکو کروں نہ یاد تو پھر کیا کیا کروں

کون کہتا ہے کہ یہاں آنیکا دستور نہیں
بات تو یہ ہے کہ ملنا اُنہیں منظور نہیں

کہنا صبا جو جائے یاروں کے انجمن میں
ہم بھی کبھی ملیں گے آنکلے گر وطن میں

سامان واں عیش کے ولے کے لئے ہیں
یہاں ہجر کے صدمے دل مضطر کیلئے ہیں

مُنہ بھی نہ لگائے وہ مسیحا کی زباں کو
جس زخم نے بوسے ترے خنجر کیلئے ہیں

کیوں ہاتھ رُکا جاتا ہے دل کھول کر اے قتل
عشاق کے سر سب ترے خنجر کیلئے ہیں

اُٹھ یہاں سے جو کہا تو نے نکلجائیگا دم
مار ڈالیگا مسیحا یہ ترا قہر مجھکو

آخر فریب کھا کے کیا اُسنے مجھکو قتل
میں نے کہا تھا تجھسے اُٹھائینگے ہر کے ہاتھ

غیر بھی کہہ نہیں سکتا ہے کہ بیتاب ہو نہیں
نام سے میرے ہوئی ہے اُسے نفرت ایسی

لگیا راہ میں بت خانہ بھلے کو زاہد
کعبہ کو جا ہی چکے تھے ترے بہکانے سے

معمور ہے خدا کی عنایت سے میکدہ
ساقی اگر نہیں تو نہ ہو مے سے کام ہے

بیتاب پی خدا نے تجھے بھی دیئے ہیں ہاتھ
یہ خُم ہے یہ سبو ہے یہ شیشہ یہ جام ہے

رہیں نہ چین سے دشمن بھی یاں تلک بیتاب
ستم اُٹھا کہ ستانے کی اُسکو خو ہو جائے

زاہد کو بادہ نوشی سے نفرت کمال ہے
جنت میں بھی بجائے کہ وہاں مے حلال ہے

واعظ بھلا یہ ہوش کا تیرا کلام ہے — جنّت میں مے حلال ہے اور یاں حرام ہے
کس صفائی سے تصور ہے صنم کا دل میں — کعبہ میں لائے ہیں کافر کو مسلماں کر کے
نہ تھا کوئی نہ ہو پر بیکسی تو ہو — ہماری نعش کے صدقے ہوا کی
فرماتے ہیں بالیں پہ وہ بیمار کے آکر — کیا درد ہے کیوں اسکا مداوا نہیں کرتے
سینے سے جدا کروں میں جی کو ہو — چھاتی سے لگائے تو کسیکو ہو

اشعار — یہاں غم سے ہو دل جگر میرا خوں — منہدی سے وہاں ہوں ہاتھ گلگوں
مثنوی — یہ طور نئے ہوئے ہیں ایجاد — تم بھولتے جاؤ میں کروں یاد

بہ اندازِ غزل — اے فلک اب عیش و عشرت کے وہ ساماں کیا ہوئے — دلبری و شوخی و انداز خوباں کیا ہوئے
ہیں کہاں وہ لعلِ لب وہ روئے خنداں کیا ہوئے — کیا ہوئے وہ ناز اور اندازِ جاناں کیا ہوئے

شادمانی کی ہے جا ماتم دلِ ناشاد کا
قہقہوں کے بدلے غُل ہے ماتم و فریاد کا

بیتاب ۔ منشی دوست محمد خاں بیتاب دہلوی ۔ خلف منشی عبدالرسول خانصاحب شاگرد رشید امیر و مرزا آنور ۔ آپ حیدرآباد دکن میں ملازم تھے ۔ ۱۰ و ۱۲ برس ہوئے دہلی میں جوان انتقال کیا باوجود کم مشقی اچھا کہتے تھے

سر اُسکے آستاں سے اُٹھایا نہ جائیگا — تقدیر کا لکھا ہے مٹایا نہ جائے گا
ہنس ہنسکے بات بات میں مجھ سے وہ چھیڑ چھاڑ — ان شوخیوں کو دل سے بھلایا نہ جائیگا
یوں جائیگا کہ جیسے قضا آکے لیگئی — تیرِ نگہ سے دل کو بچایا نہ جائیگا
مجھکو رُکا رُکا سا جو دیکھا تو کہتے ہیں — ہمسے کسی کا ناز اُٹھایا نہ جائیگا

کیوں کی تری تلاش کہ پایا عدو کے پاس — کیسے خجل ہوئے ہیں ترے استہار سے
کبھی کہتا ہوں قیامت اُسکو — کبھی کہتا ہوں قیامت کیسی

بیتاب ۔ میر سید حسین لکھنوی شاگرد حضرت جاوید لکھنوی ۔ آجکل کے شعرا میں ہیں ۔

اوائل مشق ہی میں کلام کا یہ رنگ ہے ۔ طبیعت کی شوخی آیندہ ترقی کی گواہی دیتی ہے ۔ لاحظہ ہو

وار کچھ اوچھا سا شاید پڑ گیا تلوار کا — مسکراتا کہہ رہا ہے زخم دامندار کا
مر گئے ہیں مرنیوالے اتنی سی اُمید پر — حشر پر وعدہ کیا ہے یار نے دیدار کا
دیکھنا ہو جسکو آکر رات ہی کو دیکھ لے — غیر ہوگا صبح تک حال آپکے بیمار کا
وہ سر بالیں جو آئے ہیں عیادت کیلئے — موت بھی مُنہ تک رہی ہے دور سے بیمار کا
اسنے بھی چرچا سنا ہے سخت جانیکا مری — دیکھتا ہے مُنہ کبھی میرا کبھی تلوار کا
ہوشیاری سے بھی بڑھکر غش ہی موئے کو نیرنگ — دیکھتا ہے حال کوئی طالب دیدار کا
وہ زور کسی طرح کا چلنے نہیں دیتا — اُف کی بھی صدا منہ سے نکلنے نہیں دیتا
سو جاتا ہوں تو خواب میں آتا ہے ستمگر — دل کو کسی پہلو وہ سنبھلنے نہیں دیتا
مختصر جبکہ تھا مرنے ہی پہ اچھا ہونا — پھر تو بیکار ہی تھا اُنکا مسیحا ہونا
رو چکے دل کو تو پہلے ہی محبت میں تری — آگے تقدیر میں ہے دیکھئے کیا کیا ہونا

سو کھکر رہگئیں کانٹوں کی زبانیں اے دشت — برسوں آیا نہ کوئی آبلہ پا میرے بعد
تنگ آکے مر نہ جائے تو آخر وہ کیا کرے — سو درد جس غریب کی ہوں ایک جان پر
جور فلک نہ کم تھا کہ تم بھی جوان ہو گئے ہو — دو آسمان ٹوٹ پڑے میری جان پر
تمہاری ضد بھی پوری ہو مری بھی آرزو نکلے — عدو کے گھر چلے جانا مگر دم بھر یہاں رہکر
نکالے لیتے ہیں سینے سے پیکاں — ہمارے درد کا درماں سمجھکر

تیری تصویر کا انداز اسے بھایا ہے — کر اسی طرح سے رہتا ہے مرا دل خاموش
رنگ صحبت بھی بدلتے ہوئے دیکھا ہمنے — اُنکے چپ ہوتے ہی سب ہو گئی محفل خاموش
چوٹ جو کھا چکا ہوا اُسکو بھلا صبر کہاں — درد جسمیں ہو وہ ہوتا ہے کہیں دل خاموش
جان دیدیکے دُعا کرتے ہیں مرنیوالے — آپ آئینگے سوئے گور غریباں کبتک
جل چکا دل بھی مرا شمع تھا کب کی بجھ چکی — روئے جاؤ گے سر قبر مرجاں کبتک

مغرورِ حسن وہ تو ہمیں چاہنے پہ ناز
ہارآئیں وہ جفا سے نہ اپنی وفا سے ہم

پڑے ہیں داغ بھی اُتنے ہی بلبل کے کلیجہ پر
چمن سے پھول جتنے بھر لئے ہیں تم نے دامن میں

اسیری میں بھی ہے پیشِ نظر معشوق کا جلوہ
بنائیں جا بجا تصویریں دیوار و در و زنداں میں

خنجر بھی پھیرنا ابھی آتا نہیں اُنہیں
لیکن ہر اک سے داد کے خواہاں بھی ہیں وہی

منت کے طوق اُسنے گلے میں پہن لئے
دل کے اسیر ہونیکے ساماں ابھی سے ہیں

ارمانوں کے برآنیکی کوشش اب کرینگے ہم
ہمیں بھی دیکھنا ہے یہ کہانتک دلیر ہتے ہیں

جنوں تھا قیس کو جو در پئے دیدارِ لیلیٰ تھا
وہ خود پردہ اُٹھا دیتے ہیں جو محمل میں رہتے ہیں

مشکلوں کو ہجر کی کسطرح ہم آساں کریں
بڑھتی جائے شب جو ذکر گیسوئے جاناں کریں

توڑے جاتے ہیں یہ کہکر دل بیمار کا
درد جب حد سے گذر جائے تو کیا درماں کریں

خوگرِ ایذا جو ہیں راحت میں وہ بیچین ہیں
دردِ دل کم ہو تو بڑھجانے کا پھر ساماں کریں

ہجر کے صدمو نسے گو باقی نہیں ہے تن میں جان
رہ گیا ہے جو وہ صرفِ دعوتِ پیکاں کریں

پھر اسکے حلق پہ کیوں رو کتے ہو خنجر کو
جفا میں رحم نہیں چاہیئے ستمگر کو

دعائیں مانگتا ہوں درد دل کے بڑھنے کی
کبھی سکون جو ہوتا ہے قلبِ مضطر کو

مرے حالِ پریشاں کی کسی کو کیا خبر ہوگی
اسی جانب کو سب ہونگے جدھر اُنکی نظر ہوگی

پریشاں ہوگئیں زلفیں تو تم اتنا نہ گھبراؤ
کسی کی آہِ بے تاثیر جویائے اثر ہوگی

جوابِ خط نہ آیا موت آئی
یہانتک راہ دیکھی نامہ بر کی

دل و جگر کا ابھی ختم ولولہ ہوجائے
جو ایک تیر سے دونوں کا فیصلہ ہوجائے

بیتاب مولوی محمد بشارت اللہ۔ وطن آبائی آپکا مرادآباد ہے۔ سنہ ۱۲۷۲ھ میں بمقام لکھنؤ پیدا ہوئے آپکے والد اُس زمانے میں یہاں مفتی تھے۔ کتب درسیہ اپنے والد مرحوم سے پڑھیں۔ بعہد نواب کلب علیخاں بہادر رامپور میں منصب داری ملی سنہ ۱۸۹۰ء میں رامپور سے گوالیار گئے اور محکمۂ بندوبست میں سررشتہ دار ہوئے۔ آخر سال ڈیڑھ سال بعد یہانسے بھوپال پہنچے اور

بیتاب

ناظر محکمہ وزارت بنائے گئے بعد چندے عہدۂ نیابت وکالتِ ریاست پر ممتاز ہوئے۔ منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی لکھنوی سے تلمذ حاصل ہے۔ آپ کے کلام کا نمونہ حسب ذیل ہے

تھکے ہوؤں کو ترا ڈھونڈنا محال نہ تھا
جو پا لیا تو کوئی لوٹنے لگے تھے تو کیا خیال نہ تھا

دہن کو اُنسے جو پوچھا تو رہ گئے خاموش
جواب جسکا ہو ممکن یہ وہ سوال نہ تھا

نہ ناوک یہ جگر نذر سناں دل ہو گیا
پھل نہالِ عشق کا دونو نکو حاصل ہو گیا

کس قدر اپنے تصور پر مجھے آتا ہے رشک
مجھسے پہلے یہ تری محفل میں داخل ہو گیا

کچھ تاسف بھی نہیں اسکا نہ آئے بر اُمید
حیف تو یہ ہے دُعا کر کے میں سائل ہو گیا

بانکپن سے آگئی اسمیں روش تلوار کی
اسقدر کھنچکر ملا مجھسے کہ قاتل ہو گیا

فیضِ بخشش سے ترے وصل کی شب ہو اسے
بانٹ دیتا ہوں رقیبونکو سبھی غم اپنا

چور تو ہی ہے جو دل سینہ میں پایا نہ گیا
کہ یہاں تیرے سوا کوئی نہ آیا نہ گیا

دل کو توڑا مگر اکر کبھی تسکین نہ دی
گھر بگاڑا تو گیا تم سے بنایا نہ گیا

تجھسے بہتر ہے ترا در دکہ میرے دل میں
تو جب آیا نہ تھا اور جب آیا نہ گیا

بہت خوش ہوں ہے گر خاکِ دشمن کو ٹھکانے میں
کبھی تو اڑکے پڑ جائیگی وہ چشمِ نگہباں میں

عبث ہے بے نصیبونکو تقرب فیضِ بخشونکا
کہ بجلی خشک رہتی ہے ہمیشہ ابرِ باراں میں

اعانت کچھ نہیں درکار ہے روشن دماغونکو
کبھی روغن نہیں پڑتا چراغِ مہرتاباں میں

ڈرتا ہی یہاں کون ہے جو چاہیے سزا ہو
وہ سامنے بلوائیں کوئی ایسی خطا ہو

پڑا عجیب کشاکش میں آج سر میرا
وہ تیغ کیلئے سمجھا میں آستاں کیلئے

کیا ہوگی واں مرے دلِ پر آرزو کی قدر
انکو تلاش اک دلِ بے مدعا کی ہے

کیا مفت کا دل ہے جو یوہیں کر دیں حوالے
اُسکے لئے حاضر ہے جو ارمان نکالے

دل قابو سے باہر ہے جگر پہلو میں بیچین
اک جان اکیلی مری کس کس کو سنبھالے

مہمان کی خاطر میں کمی ہونے نہ پائے
چلتے ہیں مٹاتے ہوئے نقشِ کفِ پا کو
عاصی و گنہگار خطاوار ہے بیتاب
سرسبز ہو پھولوں کی طرح خارِ بیاباں

ورد اُٹھے جو دل سے تو جگر اسکو بٹھالے
ضد ہے کہ کوئی اسکو نہ آنکھو سے لگالے
ستار ہے تو دامنِ رحمت میں چھپالے
کرتے ہیں دعا پھوٹ کے یہ پاؤنکے چھالے

جہاں میں جسکا نہیں اعتبار دم بھر کا
خود تمہیں اسنے گرفتارِ بلا رکھا ہے
گرم بازاری بازارِ کرم سُن سنکر
ہمنے عصیاں کا اک انبار لگا رکھا ہے

ہماری توبہ ہے وہ یا کسی کا پیمان ہے
تمنے کاکل کو بہت سر پہ چڑھا رکھا ہے

بیتاب - مولوی سید علی جان عرف لاڈلے صاحب عظیم آبادی پٹنہ کے باشندے اور مولانا شاد کے فیضِ تلمذ سے بہرہ ور ہیں - ابھی نوعمری کا عالم ہے - چند شعر انتخاباً درج ہیں -

بیتاب

نثار ہوتے ہیں سات آسمان مجھ پر
جو اُنکے دل میں جگہ ہو تو صدر و پائیں کیا
جزائے خیر ملے میرے عشقِ کامل کو
دمِ نزع آخر نکل آئے آنسو بن
دل لئے اور دکھا دکھا کے لئے
کتنے الزام آخر اپنے سر
خود اُترتی ہے عرش سے تاثیر

ملی ہے کوچۂ جاناں میں کیا زمیں مجھکو
صفِ نعال بھی ہے پھر تو شہ نشیں مجھکو
جہاں کی خاک تھی بھیجا دیا وہیں مجھکو
کہاں جا کے چھوٹے وفا کرنیوالے
کی جفا اور مزے وفا کے لئے
تمنے غیروں کو سر چڑھا کے لئے
دل سے نکلی ہوئی دعا کے لئے

بیتاب - پنڈت نرائن پرشاد - دہلوی - آپ کے والد کا نام مہاراج ڈھلا رائے ہے - حکیم سردار محمد خانصاحب طالب تلمیذ مرزا غالب مرحوم سے علم بیان و عروض وغیرہ میں استفادہ حاصل کیا - اور کچھ کلام منشی نظیر حسین سخا کو بھی دکھایا ہے - اس وقت آپ کی عمر تقریباً ۳۵ سال ہے ڈراما نویسی ہی کا مشغلہ رہتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ بمبئی میں زیادہ قیام رہتا ہے - متعدد

بیتاب

ڈرامے آپ کی تصنیف سے ہیں۔ شیکسپیر نامی رسالہ آپنے بمبئی سے نکالا تھا جس میں شیکسپیر کے ڈراموں کے اردو ترجمے شایع ہوا کرتے تھے اب بند ہوگیا۔ ایشیائی شاعری کے علاوہ غزل مضامین میں بھی طبیعت کی روانی اپنا اثر دکھائے بغیر نہیں رہتی۔ دونوں قسم کی شاعری کے اشعار ہدیۂ ناظرین ہیں۔ ابھی کلام میں پختگی کا رنگ پیدا نہیں ہوا ہے مگر کثرتِ مہارت سے اُمید ہے کہ اچھا کہنے لگیں گے۔

عالمِ خواب

گزر ہے خطرناک صحرا میں میرا
کروں ایسے جنگل میں کیونکر بسیرا
درندوں کا ہے گوشہ گوشہ میں ڈیرا
گزندوں نے ہے چپہ چپہ کو گھیرا

ادھر بھیڑیوں کے پرے کے پرے ہیں
نہیں دور بس کوئی گز بھر پرے ہیں

نہ کچھ پوچھئے حال اب میرے جی کا
ہوا رنگ چہرے کا دہشت سے پھیکا
یہ چاہا کہ اب آسرا لوں کسی کا
نشاں ہی نہ آیا نظر آدمی کا

ٹھکانا رہا جب نہ دل کی تڑپ کا
اُدھار کھا دھندھلی ایک جانب کو لپکا

ہوئی اتفاقاً نظر میری اونچی
تو کیا دیکھتا ہوں کہ ہے ایک ہاتھی
وہ ہاتھی ہے یا صبح ہے رات اندھیری
سر اتنا بڑا ہے کہ تو بہ الٰہی

نظر آتے ہیں سر میں روز جیسے
نہیں ایک میں تین سو ساٹھ ایسے

دہن چھ ہیں اور پاؤں بارہ ہیں سارے
کھڑا ہے وہ اس غار ہی کے کنارے
ہوئے ہوش غائب مرے کرکے مارے
نظر مجھکو آنے لگے دن میں تارے

میں سمجھا یہاں سے ذرا بھی جو کھسکے
تو پھر ہڈی ہڈی ہے اور پاؤں اِسکے

پولیٹیکل کریما

تو برحق ہے اے حق مشکلکشا
سوا تیرے اب کون ہے ہند کا
تجھے بھولنا ہے سراسر خطا
کریما بہ بخشائے برحالِ ما ؏
کہ ہستم اسیرِ کمندِ ہوا ؏

نہ کچھ قافلہ ہے نہ بانگِ جرس
نہ ہے اب کوئی ہمدم و ہم نفس
نہ تیغ و سپر ہے نہ فیل و فرس
نداریم غیر از تو فریادرس
تو ئی عاصیاں را خطا بخش و بس

سیر کا اس باغِ عالم میں مزا کچھ بھی نہیں
خوشنما ہیں گل مگر بوئے وفا کچھ بھی نہیں
فرق کچھ اپنے پرائے میں نہیں آتا نظر
امتیازِ آشنا نا آشنا کچھ بھی نہیں ؏
رہ گئی ہے اب زمانے میں محبت نام کی
دل مٹولیں تو بجز مکر و دغا کچھ بھی نہیں

رباعی بہ غم انتقال سوامی رام تیرتھ صاحب - ایم - اے

دنیا سے عجب مردِ خوش اسلوب گیا
وہ ملک کا محب و محبوب گیا
اب ہند کے بیڑے کا خدا حافظ ہے
افسوس کہ رام ناخدا ڈوب گیا

رباعی

کیوں سر پہ نہ تیغ اصفہانی پھر جائے
کیوں در پہ سے نہ دورِ شادمانی پھر جائے
جب رام سا رہبر ہو غریق رحمت
اُمید و نہ کس طرح نہ پانی پھر جائے

بیجان - میاں عزیز خاں ساکن قصبہ بسولی - خوش سلیقہ و خوش اطوار شخص تھے - مولوی قدرت اللہ شوق رام پوری مؤلف تذکرہ کے خاص حبیب تھے - اور فنِ سخن میں اُنہیں سے مشورہ بیجان

لیا کرتے تھے۔ دیوان ریختہ مرتب کیا تھا۔ تذکرہ شوق میں بہت سا کلام ان کا نظر سے گذرا چند اشعار اُس میں سے انتخاب کئے جاتے ہیں۔ زبان سلیس اور صاف ہے۔ اچھے اچھے مضامین نکالے ہیں۔

کیا ہمسے کھلے بمید ترے رازِ نہاں کا
نے وہم میں طاقت ہے نہ مقدور گمان کا

کوئی دن ہے اگر شور یہی حسن کا تیرے
برہم نظر آتا ہے سب اسباب جہان کا

دل ہی نہیں مرا کسی مطلب سے آشنا
حرفِ دعا ہو کیونکہ مرے لب سے آشنا

قطعہ

اُس دشمنِ وفا سے جو بیجاں میں کل کہا
بیگانہ کیوں ہے مجھسے تو اور سب سے آشنا

کہنے لگا وہ میری طرف دیکھکر کہ ہاں
ہو دیں ہیں بلکہ گر سبھی یکڈھب سے آشنا

پر تم جو مجھکو بھیجو ہو پیغام ہر گھڑی
اتنے ہوئے ہیں آپ ہر کب سے آشنا

وہ چشمِ نم ہے مری ابر کیا کہوں تجھسے
کہ جسکو دیکھ گیا ڈوب آب میں دریا

نہ دنداں کی صفائی سے جگر ہے آب گوہر کا
ترے لب دیکھکر جی جلگیا یاقوتِ احمر کا

حدیثِ عشق یا مہر و وفا کی بات سُن ہمسے
دماغ قصہ یاں کسکو ہے دارا و سکندر کا

بوقتِ وعظ اُس واعظ پسر کی دیکھکر کاکل
میں تب مضطر ہو بولا نام لے خلاقِ اکبر کا

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی
الٰہی تو ہی بس والی ہے اب دینِ پیمبر کا

مقدور بشر ہو نہ جہاں خنبشِ لب کا
ایما رسخن کس سے ہو بوسہ کی طلب کا

ہو جا نہ کسی غرفہ سے سرگرم نظارہ
بیٹھا ہوں میں مشتاق ترے کوچے میں کب کا

کل ہی تو دمیچ سے قتل ترے اک جہاں ہوا
بن ٹھن کے پھر تو آج کدھر کو رواں ہوا

بیجاں جنابِ شوق کی صحبت سے فیض سے
ہر فن میں محترم و عزیزِ جہاں ہوا

ہے جو شیریں لبونکے لب میں مزا
کب ہے وہ دانۂ عنب میں مزا

دن کا ملنا بھی خوب ہے لیکن
ہے ملاقات کا تو شب میں مزا

بات میں جو بچونکے گالی سے
اُس سے بوسہ کی ہے طلب میں مزا

جذبۂ عشق بد بلا ہے کہ جو
تجھسے کافر کو میرے گھر لایا

کوئی کہتا ہے دوا کوئی مجنوں مجکو
عشق میں تیرے ہمارا تو گیا نام بدل

یہ طرب کے دن بھلا ملتے ہیں پھر ساقی کہاں
آج تو ظالم مچا دی خندۂ قلقل کی دھوم

ہنسی آتی ہے گل کو حال پر کسکے خدا جانے
ادھر ہے نالہ کش بلبل اُدھر ہے چشم پر شبنم

ہو گیا ہے نقش دل پر شام سے کسکا خیال
دیدۂ تصویر کی مانند ہے محراب چشم

بھیک مانگیں ہیں کھول کر دامن
دیکھ گلشن میں تجکو اہل چمن

پرورش گو زیر دامانِ فنا ہو لیک یار
کون بجز زیستن یاں مثلِ گل خنداں نہیں

میں کشتۂ ابروئے بتاں ہوں
انگشت نمائے اک جہاں ہوں

جبکہ مستی میں مغاں اپنے میں آ جاتا ہوں
جائے مے زہر بھی ہووے تو چڑھا جاتا ہوں

مضطرب حال چراغ سحری ہوں میں نسیم
کوئی دم صبح خموش آپ ہوا جاتا ہوں

رحم کر مجھپہ ٹک اک رحم کہ جیوں موجِ ضعیف
موج میں تیری میں اے اشک بہا جاتا ہوں

غیر کے ہاتھ میں دیکھا ترے داماں کو تئیں
چاک کیونکر نہ کروں اپنے گریباں کو تئیں

لکھوں کیا میں وصفِ دہان و کمر
مجھے غیب کی تو خبر کچھ نہیں

سایۂ نخلِ حنا میں مجھے کیجو مدفون
تا وہ جانے یہ مُوا حسرتِ پا بوسی میں

شرم آتی ہے کہیں سر کو نوا کی بیجاں
اشک ساں محو ہیں ہم اپنی قد بوسی میں

سب کے قدم کو تو نے سرِ عجز پر لیا
اس تیری خاکساری کو صد آفریں ہے میں

کثرت میں ہے عین وحدت
گر دلمیں نہ اپنے ما و من ہو

غربت کے مزے کو کون جانے
تا میری طرح نہ بے وطن ہو

مری بیماریِ دل کا سبب تک وہ ہی سمجھیگا
کہ جس نے آنکھ تجھسے بیمروت سے لڑائی ہو

کیا ہی جھگڑا تھا ہم کل اسطرف آنے پہ یار
ہو نصیب دوستاں ہر وقت ایسی جنگ راہ

کیونکہ تاراجِ متاعِ دل نہوا مردماں
ترک چشم یار ہو بیٹھے ہیں اب سرہنگ راہ

نے دل میں غم کفر نہ ایمان کا خطرہ ہے کس کے تئیں گبر و مسلمان کا خطرہ

تو بھی تو چلے ہے وہی رفتار ہمیشہ جس چال پہ چلتی ہے یاں تلوار ہمیشہ
ارے گل تجھے ہنستے دیکھوں تو پھر ہنس اسیطرح ہنسنے کی خوشی کسی کی
تغافل کے مارے سنا شب نہ تو نے حکایت ترے روبرو تھی کسی کی
سکندر سلیماں پہ کیا ہے یہ دنیا کبھو تھی کسی کی کبھو تھی کسی کی

نہ میں کہتا تھا ہر دم اُس سے شکوہ خوب نہیں اے دل غبار آپس میں ان باتوں سے آخر و یاں بیٹھے

منظور قتل عالم یار و نہیں جو اوسکو پھرتا ہے چرخ کیسر تیغ ہلال باندھے
رنگینیِ سخن سے بیجاں تلاش کر کے قطعہ تو نے ہر اک غزل میں تازہ خیال باندھے
لیکن میں یہ ڈروں ہوں ایسا نہو کہ ناداں اس فن سے کچھ تو دلمیں زعم کمال باندھے
چھاتی ابھی حاسدوں کی پھٹ جائے سینے سے مرے جو تو لپٹ جائے

خریداری سے خوباں کی اُٹھایا ہاتھ عالم نے تری فریاد ہے ہر سر بازار ایسی کی
ہر اک بیخود ہو تڑپے ہے کسی میں سدھ نہیں باقی یہ مجلس اُس نگاہ مست نے سرشار ایسی کی
کہتے ہیں کل رقیب سے اور اُس سے چل گئی کیا میری بات مُنہ سے کچھ اُسکے نکل گئی
اس اپنی بے کسی پہ کسی کا نہ جی جلا شمع مزار تک مرے بالیں سے ٹل گئی
خارا شکن نگاہ فرنگی پسر کی آج سنگین کی طرح مری چھاتی پہ چل گئی

بیخبر

بیخبر۔ مرزا محمد بیگ قوم مغل خلف مرزا حید ربیگ۔ قدیم وطن اصفہان تھا مگر یہ خود دہلی میں پیدا ہوئے اور یہیں تعلیم و تربیت پائی۔ آغاز جوانی میں عہد شاہ عالم ثانی میں عازم لکھنو ہوئے اور وہیں کے ہو رہے۔ ایک قلمی تذکرے میں کچھ انکا کلام نظر سے گذرا اسکا انتخاب درج کیا جاتا ہے۔ زبان اگرچہ پرانی اور اسمیں اکثر الفاظ متروک ہیں مگر لطف سے خالی نہیں۔

شب خواب میں جسکو رخ جاناں نظر آیا جیوں آئینہ وہ صبح پریشاں نظر آیا
اُسکے گل عارض کا جو باندھا میں تصور پھیکا سا مجھے رنگ گلستاں نظر آیا

روئے عرق آلود کا اوصاف تجھے جیسیں | وہ صفحۂ کاغذ مجھے افشاں نظر آیا
قاتل کے محلّے کی نہو شہر میں کیوں خاک | نامرد بھی وہاں رستم دستاں نظر آیا
کہ بیخبر ایسی ہی غزل تاکہ کہیں یار | بخصانہ کوئی ہمکو غزل خواں نظر آیا
آلودہ مسی سے لبِ جاناں نظر آیا | ظلمت میں ہمیں چشمۂ حیواں نظر آیا
گلگشتِ چمن کو جو گیا میں کبھی بخت بن | ہر غنچہ مجھے صورتِ پیکاں نظر آیا
بس وہ ہیں جواب آکے دیا طاقت پانے | وادیٔ محبت کا جو میداں نظر آیا
جب پڑھنے لگا کھول کے اوراقِ گلستاں | ہر غنچہ مجھے طفلِ دبستاں نظر آیا

جہاں کو چھوڑ کے کیوں تارکِ لباس نہو | وہ کیا کرے ترے ملنے کی جسکو آس نہو

بیخبر - خان بہادر ذوالقدر غلام غوث صاحب بیخبر مرحوم رئیس الہ آباد۔ روایت ہے کہ انکے مورث اعلےٰ سلطان زین العابدین شاہ کشمیر کی اولاد میں سے تھے۔ اور حکومتِ سلاطین مغلیہ میں بعض بزرگ عہدہ قضائے کشمیر پر معمور رہے۔ اور بعض اراکین خاندان ملکی خدمتوں پر سرفراز رہے۔ انجام کار بعہد مہاراجہ گلاب سنگھ اِن کے والد ماجد خواجہ حضور اللہ اور اُنکے خسر یعنی انکے نانا خواجہ فرید الدین ترک وطن کرکے لاسہ (تبت) چلے گئے وہاں بھی اُنکی مدارات ہوئی اور اہلِ اسلام کے مقدمات کے تصفیہ اُنکی ذات سے متعلق رہا وہاں کچھ ٹھہر کر دونو صاحب ریاست نیپال میں وارد ہوئے اور وہیں اقامت اختیار کرلی۔ چنانچہ بیخبر وہیں ۱۲۴۰ھ میں پیدا ہوئے انکے چار برس کی عمر تھی کہ والد اور نانا کو گردشِ زمانہ نے پھر ترک سکونت پر مجبور کیا اور اسمرتبہ بنارس میں طرح اقامت ڈالی۔ یہیں سنِ شعور کو پہونچے اور تعلیم کا سلسلہ تکمیل کو پہونچا ۱۸۴۰ء میں ملازمت کا سلسلہ شروع ہوا اور اپنے خالو خان بہادر مولوی سید محمد خاں میر منشی لفٹنٹ گورنر شمال مغرب کے نائب مقرر ہوئے۔ انہیں ایام میں جب لارڈ الن برا نے گوالیار پر چڑھائی کی تو یہ گورنر جنرل کے منشی خانے میں منسلک ہوکر شریک مہم ہوئے اور جنگ کے خاتمہ پر بہ صلہ کارگزاری خلعت پایا۔ پھر کئی سال بعد

بیخبر

اپنے خالو کے بجائے میر منشی مقرر ہوئے۔ اور ۱۸۸۵ تک برابر اس عہدۂ جلیلہ پر فائز رہے اور حکام میں اعلیٰ درجہ کا اعتبار اور وقار حاصل کیا۔ غدر ۵۷ء میں خیر خواہی کے صلہ میں سند و خلعت ہفت پارچہ جسمیں تین رقم جواہر بھی شامل تھیں مرحمت ہوا۔ ملکہ معظمہ کے خطاب شہنشاہی اختیار کرنے کے موقعہ پر جو دربار لارڈ لٹن نے کیا اوس میں آپ کو بھی تمغۂ قیصری ملا۔ ۱۸۸۵ء میں ۴۵ سال ملازمت کے بعد آپنے پنشن لی اور خطاب خان بہادر ذوالقدر سے سرفراز ہوئے۔ اسی دوران میں نواب کلب علیخاں نے کئی مرتبہ باصرار اپنا مدار المہام کرنا چاہا مگر خان بہادر نے ہمیشہ شکریہ کے ساتھ اُسے نامنظور کیا۔ اور آخری حصہ زندگی کا یادِ خدا میں بسر کرنا مناسب سمجھا۔ شاعری اور انشا پردازی میں آپ کو ایک امتیازی درجہ حاصل تھا۔ فارسی شعر ایسا اچھا اور برجستہ کہتے تھے کہ اکثر اہل زبان بھی اون کے کلام کی ستائش کیا کرتے تھے۔ غالبِ مرحوم سے خان بہادر مغفور کے تعلقات نہایت دوستانہ تھے چنانچہ اکثر خط کتابت رہتی تھی۔ تصنیفات میں سے خونابہ جگر (رقعات و نظم فارسی) اور فغان بے صبر (رقعات اُردو) ۱۹۱۸ء میں احباب میں تقسیم کے لئے شائع کئے تھے۔ خطوط کا طرز تحریر بھی نہایت شستہ و دلکش تھا۔ پیرانہ سالی میں ۱۹۰۵ء میں انتقال کیا آپ کی صرف ایک غزل فقیروں کی بول چال میں نظر سے گذری انکی ذات والاصفات ایک زمانہ دراز سے الہ آباد میں مرجع اہل کمال تھی۔ تا دم واپسین زندہ دلی اور شوخ کلامی آپکی ہمدم رہی۔ تبرکاً چند شعر درج ہیں۔

فقیرو دنسے کرتے ہو جو بولی ٹھولی تم	بہت پیاری باتیں ہیں یہ بھولی بھولی
بھکاری بنو ہم تو دیدار کے ہیں	بھلا ہوگا بھردو ہماری بھی جھولی
نہیں بند رہتا کوئی کام اپنا	گرہ دلکی ہے جبسے مرشد نے کھولی
پری آج شیشے سے واتا نکالو	یہ کالی بلا کیسی افیون گھولی
کہاں ہم فقیر اور دنیا کے جھگڑے	یہ کیچڑ تو دامن سے پہلے ہی دھولی

بیخود - منشی زاین داس دہلوی - حضرت سیرور مرحوم کے باعقیدت تلامذہ میں تھے - افسوس کہ کلام ضائع ہوگیا - اونکی خوش فکری کا یہی ایک شعر کافی ثبوت ہے -

بیخود

مے گلوں کو چشم کم سے تو مت دیکھ اعجاز ہے — بنایا ہے یہ اعجاز مغاں نے آب آتش کا

بیخود - منشی محمد نظام الدین خاں خلف وشاگرد مولوی محمد حیات خاں عذر سے پیشتر دہلی میں رہتے اور کسی سرکاری دفتر میں ملازم تھے - گاہ گاہ شعر بھی کہ لیتے تھے -

بیخود

رہگیا پیکاں جو پہلو میں ترا اچھا ہوا — دل لگی کو اور دل پیدا ہوا اچھا ہوا
تھی نہیں مدت سے اے بیخود اسیری کی ہوس — ہوگیا دل مائل زلف دوتا اچھا ہوا

بیخود لکھنوی - منشی ہادی علی بیخود باشندۂ لکھنو - خواجہ وزیر کے شاگرد رشید اور منشی ناصر علی سحر زمیندار سہری براؤں کے بیٹے تھے - آپ کچھ عرصے تک واجد علیشاہ کی سرکار میں ملازم بھی رہے - چنانچہ اکثر غزلونمیں بادشاہ کی تعریف کی ہے - آپ کا دیوان عرصہ ہوا چھپا تھا - مثنوی جلوۂ اختر آپ کی تصنیف سے ہے - شعر اچھا کہتے تھے بعد غدر انتقال کیا دیوان میں سے جسقدر صاف اشعار ہماری پسند کے نکلے اُنکا انتخاب درج ذیل ہے -

بیخود

حسن تیرا حیرت افزا ہوگیا — جسنے دیکھا اُسکو سکتا ہوگیا

کوچے زلف کے کہیں دل خیر سے پہرے — یارب بچا یوں مجھے کھٹکا ہے راہ کا
مُنھ پھیر لیا کر کے ہدف تیر نگہ سے — دیکھا نہ گیا اُس سے تڑپنا مرے دل کا
عجب حسرت سے پانی مانگتے ہیں تیغ قاتل کا — ہمارے جسم میں جو زخم ہے کاسہ ہے سائل کا
مرکے بھی ہوتے نہیں جس کے گرفتار رہا — مژدہ اے شوق اسیری وہی صیاد آیا

کچھ نہ کی تسنے دوائے درد دل — ہمتو آئے تھے مسیحا جانکر

صلح میں آنکھ لڑاتا ہے گنہگار ہے دل — دار مژگاں پہ چڑھانے کا سزاوار ہے دل
نہ تمہیں رحم کی عادت نہ اُسے صبر کی خو — تم بھی مجبور ہو بندے کا بھی ناچار ہے دل
دور ہو کاہش جاں روز کا جھگڑا چک جائے — انکے پہلو میں رہے جنکا طرفدار ہے دل

پھلے تھی صاف صبح طلب اے قمر جبیں
افشاں چھڑک کے بن گئی اختر نگر جبیں

شبِ تنہائی ہے فرقت سے بہلتا نہیں جی
کہدو اشکوں سے تمہیں کرتی ہیں ایا یا دا نکھیں

ہم اسیرانِ قفس لطفِ چمن کیا جانیں
سرِ یہ صیاد کو دیکھا جو ہوئیں وا آنکھیں

یادِ چشمِ مست میں رہتی ہے از خود رفتگی
طرفہ بیخود ہوں کبھی میں آپ میں آتا نہیں

بوقتِ نغمہ آرائی حضور ایسا بتاتے ہیں کہ
پرِ یرو غمزۂ و ناز و ادا کو بھول جاتے ہیں کہ

تو ہے ایسا کہنیا دیکھتے ہیں جب حسیں تجکو
درِ دولت سرا پر آکے سب دعوی رہاتے ہیں

جدا ہو نہ پہلو سے اے دردِ عشق
بہلتی ہے مجھسے طبیعت مری

جام کے لب پر یہی گفتار ہے
پی مئے گلگوں خدا غفار ہے

فصلِ گل میں ٹوٹتی ہے بار بار
دل شکستہ توبہ میخوار ہے

دیدۂ باطن کو وا کر دیدۂ گر منظور ہے
پردۂ غفلت حجابِ شاہدِ مستور ہے

فرقت میں تن سے روح مری کوچ کر گئی
آخر کو جو گذرنی تھی مجھپر گذر گئی

تم جو گالی لبِ جاں بخش سے دو جی اٹھوں
تم عیسی کا اثر تلخیٔ دشنام میں ہے

بیخود - مولوی عبدالحی خلف الرشید مولوی غلام رسول مرحوم بدایونی۔ آپ کی ولادت ۲۷ محرم ۱۲۷۲ ہجری مطابق ۱ ستمبر ۱۸۵۵ء کو ہوئی۔ آپ کا بیان ہے کہ آپ کا نسبی سلسلہ حضرت ابوبکرؓ تک پہنچتا ہے۔ اپنے والدِ ماجد کی توجہ خاص سے مختلف اُستادوں کے زیرِ تعلیم رہے اور عربی فارسی دونوں زبانوں میں کافی استعداد بہم پہونچائی۔ ابتدائے زمانہ شباب سے رندانہ مزاجی و حسن پرستی کی طرف میلان طبع رہا۔ اساتذۂ ماسبق کے دیوان دیکھ دیکھ اور بھی طبیعت میں جوش آنے لگا۔ یہانتک کہ خود بھی فکرِ سخن میں منہمک ہو گئے۔ یہ پندرہ سولہ برس کے سن کا ذکر ہے۔ رفتہ رفتہ کسی پختہ کار اُستاد سخن کی تلاش ہوئی۔ اُسی زمانے میں شمس العلماء مولانا سید الطاف حسین حالی کا کلام سُنا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ مولانا حالی نیچرل شاعری کی طرف متوجہ نہ ہوے تھے۔ جناب بیخود کو اُس وقت اُن کی طرز

پسند آئی اور شاگرد ہو گئے۔ کچھ دنوں تک مولانا حالی سے فیض سخن پاتے رہے۔ ۱۲۹۰ کے بعد سلسلہ معاش کی فکر ہوئی اور الہ آباد میں درجہ اوسط وکالت کی سند حاصل کی وکالت کے بہانہ کئی شہروں کی ہوا کھائی مگر طبیعت کی بے چینی اور شاعری کے شوق نے کہیں دل جما کر کام نہ کرنے دیا۔ ۱۲۹۲ھ ہجری کے بعد وکالت شروع کی۔ اُسی زمانے میں گلزار داغ شائع ہوا تھا۔ چونکہ یہ رنگ اپنی طبیعت کے موافق پایا۔ رام پور جا کر حضرت داغ مرحوم کے حلقۂ تلامذہ میں داخل ہو گئے۔

سنبھل کی وکالت کے بعد ریاست سروہی میں بعہدہ جوڈیشیل آفیسر ممتاز رہے۔ وہاں بھی جی نہ لگا تو ۱۳۰۹ھ ہجری میں ریاست جودھپور کی طرف رخ کیا اور وہاں تھوڑے دنوں کی کوشش کے بعد ایک معقول عہدے پر ممتاز ہوئے۔ اب عرصے سے اُسی ریاست میں فوجدار ہیں۔ طبیعت میں برجستگی۔ شوخی صفائی اور مضمون آفرینی بلا کی پائی ہے۔ اپنے اُستاد کے رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ پچیس تیس برس کی مشق اور فکر کی رسائی نے فن سخن میں ایک عمدہ اور اعزازی رتبہ ان کے کلام کو بخشا ہے۔ عاشقانہ مضامین نہایت خوب کہتے ہیں۔ دنیائے شاعری میں آپ کا نام بہت کچھ شہرت پا چکا ہے۔ اور اپنے مرحوم اُستاد کے ارشد تلامذہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔ کلام میں روانی اور صفائی بلا کی ہے۔ ہر شعر میں کوئی نہ کوئی بات ضرور ایسی نکلتی ہے جو بے ساختہ دل میں چٹکی لے لیتی ہے۔ عرصہ ہوا کچھ کلام عنایت کیا تھا اُسکا انتخاب یہ ہے۔

سُن لیا تو نے کہ جینا ہی اسی کا مرجانا
سبب ترکِ ستم ہے نے ستمگر جانا

ساتھ ساتھ اہلِ تمنا کا وہ مضطر جانا
اللہ اللہ رے ترا بزم سے اُٹھکر جانا

جب کہا اوسنے کہ مرتے ہیں تو ہنسکر بولے
زندگانی کا تو انجام ہی ہے مرجانا

مجھے تو جانا ہے، رہ دیکھ نہ آؤ تم تو نہ آؤ
پتہ اجل ہی کو دیدو غریب خانہ کا

ہاں سچ ہے میرے سینے میں کیا ہی دھرا ہوا
اک داغِ ہجر وہ بھی تمہارا دیا ہوا

دل بھی عزیز ہے مجھے غم بھی عزیز ہے
یہ نعمت خدا وہ تو نکا دیا ہوا

ہو گیا سنگِ دریا بھی پامال عدو
مل گیا خاکمیں ارمان حبیب سائی کا

آنکی حسرت بھی نہیں میں بھی نہیں دل بھی نہیں
اب تو بیخود ہے یہ عالم مری تنہائی کا

یہ کوئی وقت ہے توبہ کا تو بہ کر بیخود
خدا سے ڈر یہ جوانی میں پارسائی کا

وعدہ ہے قیامت کا اور اُسپر یہ قیامت
کہتے ہیں خدا چاہے تو محشر ہی نہ ہوگا

الٰہی ہمکو دلِ درد آشنا دینا
ہزار درد کا ہر درد میں مزا دینا

تم اپنے ہاتھ سے تعزیر دو ہے تمت
جواب خط انکریں تو ہمیں سزا دینا

پردہ والے ہیں تو دلمیں بھی نہ آئیں
آنکھ سے پردہ کیا تو کیا کیا

سُنکے میری موت غیروں نے کہا بیرحم نے
ضعف کے ہاتھوں عدم تک ان سے جایا جائیگا

رگِ گردن سے صدا آئی کہ اب نہ کر
چلتے چلتے جو ذرا خنجرِ قاتل ٹھہرا

پردے سے پوچھتے ہو تا دل کہاں ہے اب
پہلو میں میرے آؤ تو کہدوں یہاں ہے اب

منعموں شاد نہو دولتِ دنیا پا کر
ہمتو کمو بیٹھے ہیں کیا جانیئے کیا کیا پا کر

ہدفِ تیرِ جفا تم مرا سینہ نہ بناؤ
حسرتیں دل کی نکل جائیں نہ رستہ پا کر

چار دن میں یہی کانٹے کی طرح کھٹکے گی
شاد ہے کیا دلِ ناشاد بنتا پا کر

ابتو لوگوں کی ادائیں بھی ادا فہم ہوئیں
شرم رخصت ہوئی چتون کا اشارا پا کر

دیتے ہو بیخود سے شوق کے طعنے کسکو
آپ میں کون ہے اب آپ کو تنہا پا کر

اس درجہ ہے وارفتۂ رفتارِ قیامت
جاتی ہی نہیں کوچۂ جاناں سے نکل کر

قبر میں بھی کیا نہ لینے دوگے چین
جاؤ کیوں بیٹھے ہو اب مدفن کے پاس

زندگی کو موت پر سو رشک آئے
کوئی جب آیا مرے مدفن کے پاس

اللہ رے سوزِ غم کے بدولت بہارِ داغ
دل ہے فدائے داغِ جگر ہے نثارِ داغ

کیا ہو اگر ستانے پہ باندھے ہے کمر وہی
جس کی ستمگری نے کیا بیقرار دل

شیوۂ مہر و محبت تمہیں آتا ہی نہیں
کسی ناشاد کا دل شاد کروگے کیا تم

اِسکے ہاتھوں نہ لاچین مجھی کو دم بھر
مجھسے لے کر دلِ ناشاد کروگے کیا تم

وہ کہتے ہیں نہیں یہ نام کچھ خدا کا نام
ہمارے سامنے کیوں لے کوئی وفا کا نام

کہا جب اُس سے کسی نے کہ مر گیا بیخود
ملا جواب ہمیشہ رہے خدا کا نام

کوئی نظیر نہیں اپنا بے کمالی میں
مگر جہانمیں یکتا ہیں اس کمال میں ہم

مجمع یاس کچھ ایسا دلِ ناشاد میں ہے
آج پامال سب ارمان ہوئے جاتے ہیں

کہدیا اوسنے مرے دلمیں تمہارا گھر ہے
اب وہ آباد رکھیں یا اسے برباد کریں

حاصل اُس مہ لقا کی دید نہیں
عید ہے اور ہمکو عید نہیں

چھیڑ دیکھو کہ خط تو لکھا ہے
میرے خط کی مگر رسید نہیں

مجھسے قاصد نے کہا سُنکے یہ قاتل کا پتا
آپ خط یا مجھے پیغام قضا دیتے ہیں

دردِ دل داغِ جگر مٹنے کو مٹتے ہیں مگر
مٹتے مٹتے جگر و دل کو مٹا دیتے ہیں

خواہاں تھے حور کے نہ شرابِ طہور کے
ہم توبہ کرکے پھنس گئے ناحق عذاب میں

مدعی کے سامنے کہتے ہیں کہئے مدعا
مُدعا یہ ہے یہ کہدوں مدعا کچھ بھی نہیں

نصیحت کی بھی حد ہوتی ہے کوئی حضرت ناصح
بس اب سمجھا چکو تم ورنہ تمکو ہم سمجھتے ہیں

جہاں یہ لب تک آیا کھل گئے چودہ طبق زاہد
ہم اپنے ساغرِ مے کو بھی جامِ جم سمجھتے ہیں

تمہارے مرنے والونکی سمجھ ہی کچھ نرالی ہے
قضا آنکو شفا ہے زخم کو مرہم سمجھتے ہیں

کسی کا دل دُکھے یا جان جائے انکو کیا پروا
وہ دل کو دل سمجھتے ہیں نہ دم کو دم سمجھتے ہیں

وہ سرشارِ شرابِ حُسن ہم مستِ مے الفت
ہماری وہ سمجھتے ہیں نہ اُنکی وہ سمجھتے ہیں

کیا کہوں ہمدم دلِ پر آرزو کی آرزو
آرزو اور اُس بتِ بیگانہ خو کی آرزو

آرزومندو نہ تمکو آج حضرت ہے مگر
کل تمہیں کو ہوگی یارل آرزو کی آرزو

تم مخاطب ہو کہیں کیسی ہی لفظوں سے سہی
آپ کی ہمکو تمنا ہے نہ تو کی آرزو

زاہد وہ گناہوں سے بھی بیزار ہے لیکن
نفرت ہے اُسے زُہد ریائی سے زیادہ
ہر فرد و بشر خلق میں طالب ہے انہیں کا
کیا بات ہو تمہیں ہے خدائی سے زیادہ

اب تو مل جاؤ کہ سارے شہر میں
شہرتِ نا آشنائی ہو چکی

میکشوں کا خُم سے توڑ دیا زاہد نے
یا خدا بُوند نہ اب چشمۂ زمزم میں رہے
راہ پر ناصح مشفق کو لگا لو رند و
یہ بھی کچھ لطف ہے ہمسا ہو اور ہم میں رہے

دعا کو نہیں راہ ملتی فلک کی
کچھ ایسا ہجوم بلا ہو رہا ہے

ہماری خاک بھی برباد ہو گئی لیکن
کسی کے دل میں ابھی تک غبار باقی ہے
اجل نے آ کے وہ قصّہ ہی کر دیا فیصل
نہ منتظر شبِ انتظار باقی ہے
غیروں کے جلانے کو ملا مجھ سے وہ بیخود
خالی نہیں بیدرد سے ظالم کی وفا بھی
ہجوم شوق میں کچھ سوجھتا ہو تو قسم لیجے
یہ ناحق شرم کیسی کیوں یہ پردہ ہمسے ہوتا ہے
یہ شوخی دیکھنا دل کے تقاضے پر وہ کہتے ہیں
ملا یا خاک میں خود اور تقاضا ہمسے ہوتا ہے
ادا دیکھو کہ پردے میں نگاہیں سب سے لڑتی ہیں
حیا دیکھو بھری محفل میں پردا ہمسے ہوتا ہے
اُلجھ کے حضرتِ دل بھی اگر مچل جائے
کسی کے گیسوئے خوش خم کے بل نکلجاتے
دیکھتے ہیں مجھکو کس حسرت سے وہ
دید کے قابل ہے حیرانی مری
اب جگہ دلمیں کہاں آپ کے پیکاں کیلئے
ہو گیا وقف یہ گھر حسرت و ارماں کے لئے
وہی جنّت ہے جہاں چین ملے دل بہلے
جس پہ دل آئے وہی حور ہے انساں کیلئے

بیخود ـ منشی سید وحید الدین وحلوی ۔ اِن کے اجداد امجاد ہمیشہ مناصب جلیلہ پر سرفراز رہے ۔ چنانچہ سید شاہ نظام الدین احمد صاحب جن کا چھتا اور تالاب دہلی میں "شاہ جی" کی نسبت سے مشہور ہے ۔ مہاراجہ مادھوجی سیندیا فرمان فرمائے گوالیار کی طرف سے خاص دہلی کے صوبہ دار تھے ۔ اُن کے خلفِ اکبر نواب محمد میر خاں اعظم الدولہ معین الملک اور خلفِ اصغر شرف الدولہ نصیر الملک نصرتِ جنگ کے خطابات سے

بیخود

اقران و اماثل میں ممتاز اور صاحبِ جاہ و مناصب تھے۔ نواب محمد میر خاں بہادر کو سرکار انگلشیہ سے بھی دو ہزار روپے ماہانہ کی پنشن خیر خواہی کے صلہ میں ملتی تھی جو اُن کی وفات کے بعد اُن کے فرزند رشید نواب سید محی الدین خاں عرف بڈھن صاحب علار الدولہ یمین الملک استقامت جنگ بھی غدر ۱۸۵۷ء تک پاتے رہے۔ غدر کے بعد اگرچہ عزت کے ساتھ الزام بغاوت سے وہ بری کر دیئے گئے مگر پنشن اور جاگیر ضبط ہوگئی۔ صرف چاوڑی بازار کی حویلی اور ایک موضع محمد گنج انہیں ملا۔ حضرتِ بیخود کے حقیقی پردادا نواب امتیاز الدولہ افتخار الملک سید احمد میر خاں منظور جنگ بہادر دربار شاہی میں منصب وزارت پر مامور تھے۔ اُن کے چھوٹے بیٹے یعنی بیخود کے دادا صاحب اپنے بڑے بھائی کی رحلت کے غم میں دہلی کی بود و باش ترک کر کے گوالیار تشریف لے گئے ایک سال بعد وہاں سے آکر سری مہاراجہ بلونت سنگھ بہادر والیِ تجارہ کی مصاحبت میں داخل ہوئے۔ اور اُن کے مزاج میں اس قدر دخیل پیدا کیا کہ مہاراجہ نے مرتے دم تک جدا نہ ہونے دیا۔ اُن کے مُرگ باش ہونے پر مہاراجہ بلونت سنگھ بہادر فرمانروائے بھرت پور کی سرکار میں ان کا نصیب لڑا۔ مہاراجہ موصوف اور اُن کے جانشینوں نے بڑی قدر دانی فرمائی اور اُن کو کہیں جانے کی ضرورت باقی نہ رکھی۔ دو گانوں سالم جاگیر میں ملے ہوئے ہیں۔

جناب بیخود کی عمر کا ابتدائی زمانہ بھی آپنے والد شمس الدین احمد کے ساتھ (قصبہ کالپی کے انسپکٹر ہیں) ریاست بھرتپور ہی میں گذرا اور وہیں فارسی و عربی کی ابتدائی تعلیم پائی پھر دہلی آکر اپنے شوق سے اچھی علمی استعداد پیدا کی اور وجاہت خاندانی و میلانِ طبع سے اچھے بزرگوں کی صحبت اُٹھائی۔ ابتدائی عمر سے آپکو شعر و شاعری کا شوق ہے۔ اس فن میں جہاں اُستاد نواب فصیح الملک مرزا داغ مرحوم کے شاگرد رشید ہیں۔ طبع سلیم و ذہن رسا کی مدد سے جلد اس میدان کے پورے شہسوار بن گئے۔ اور اپنے

نامی گرامی استاد کی نظرِ توجہ سے اس وقت اپنے ہم چشموں میں عزت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ حضرتِ داغ انکی زباندانی اور مہارت فن کا خود اپنے سرٹیفکٹ میں اعتراف فرماتے ہیں۔ فصاحتِ روزمرہ کے ساتھ خیال بندی کی طرف زیادہ میلان ہے۔ داغ صاحب فرماتے ہیں کہ انکی شاعری اور زباندانی میرے قابلِ اطمینان ہے۔ اصناف کلام پر بفضلہ تعالیٰ قدرت رکھتے ہیں داغ کی زبان انکی زبان ہے یہ مجھے استاد کہکر نازکرتے ہیں میں انکو اپنا بچہ سعید جانکر دعائے عمر دراز نظم کے علاوہ نثر کا بھی آپ کو شوق ہے۔ ناول موسوم بہ "نام ونگ" آپ ہی کی تصنیف ہے۔ اب چھ سات سال سے وطن میں اقامت گزیں اور مقامی پادریوں کو اردو فارسی پڑھاتے ہیں۔ راقم تذکرہ کے عنایت فرما ہیں اور ترتیب تذکرہ میں بھی گاہ گاہ اپنے مشورہ سے امداد دیتے رہتے ہیں۔ بڑے خلیق۔ ملنسار۔ زندہ دل۔ پابند وضع شخص ہیں۔ یہ آپ کا کلام ہے۔

نگاہ غیر کی جانب خطاب ہے مجھسے
ترے قسم کا یقیں اب ضرور مینے کیا

متناسی شاطرہ دیکھی نہ دیکھیں
تصور میں نقشے جماتی ہے کیا کیا

نہ دیکھا تھا جو بزم دشمن میں دیکھا
محبت تماشے دکھاتی ہے کیا کیا

ٹوٹنے سے اور پیالوں میں جوہر ہو گیا
قیمتی شیشہ ہمارا بال پڑکر ہو گیا

کیا اسی کا نام الفت ہے کہ جیٹ دیکھا اسے
خود بخود ڈاک جوش پیالوں کے اندر ہو گیا

ناپ لیجے اپنے گیسو کی درازی قدسے آپ
امتیو یہ فتنہ قیامت کے برابر ہو گیا

آنکھ کہتی ہے کہ اب برباد کرتے ہیں تجھے
منہ سے یہ ارشاد ہے دل میں ترا گھر ہو گیا

جب آنکھ پڑی اپنی اک بات نئی دیکھی
ان دیکھنے والوں نے تجھکو ابھی کیا دیکھا

بات سننے میں کیا قباحت ہے
ہر سخن مدعا نہیں ہوتا

بات کرنے میں گذرتی ہے ملاقات کی رات
بات ہی کیا ہے جو رہجاؤ یہیں رات کی رات

تکیہ خشت خم مے فرش زمیں بستر خواب
چین سے کٹتی ہے رندان خرابات کی رات

تھی شبِ ہجر بلا جان بچی لاکھوں پائے
خیر سے کٹ گئی صد شکر یہ آفات کی رات

اور مہمان ہے دو چار گھڑی کا بیخود
آپ آرام کریں آج یہیں رات کی رات

مری محرومیِ قسمت سے تو واقف تو ہے یارب
وہیں پامال کر دے دلمیں جو ارمان پیدا کر

حیا غماز ہے رازِ محبت کھول دیتی ہے
نگاہِ شرم میں شوخی ترے قربان پیدا کر

الٰہی فصلِ گل پر بھی خزاں کا حکم جاری ہے
چمن میں پھول پیدا کر تو نا فرمان پیدا کر

کھٹکتی ہے مرے سینے میں یارب آرزو مل کی
نکل جائے یہ دل کی پھانس وہ سامان پیدا کر

لگی میں دل کی لو میں شمع کی بیحد تفاوت ہے
تمیزِ عشق پروانے سے اے نادان پیدا کر

غضب ہے اس تمنا سے وہ خواہش دل کی کرتی ہیں
زمانہ جانتا ہے انکے دشمن مجھ پہ مرتے ہیں

وہیں بیٹھے رہو بس دور ہی سے بات کرتی ہیں
ستم کیسا تمہارے لطف سے بھی ہم تو ڈرتے ہیں

یہ کوئی بھید ہے اسمیں بھی کوئی راز مخفی ہے
مرا دل دیکھکر وہ اپنے دلپر ہاتھ دھرتے ہیں

ہماری جان ہو کر جب جدا رہتے ہو تم ہم سے
تو پھر کیا جھوٹ کہتے ہیں جو ہم کہتے ہیں مرتے ہیں

بجھائیں شمع سے دل کی لگی پروانے جب جانیں
یہ اپنی آگ میں جلتے ہیں تو کیا گل کترتے ہیں

جھجک کیسی یہ خنجر پھیرنے سے ہچکچانا کیا
نہ تڑپیں گے قسم لے لیجئے کیوں آپ ڈرتے ہیں

سنبھل جائینگے بیخود آگیا ہے غش نہ گھبراؤ
بھلی تشویش کی تم نے کہیں ایسے بھی مرتے ہیں

ہاتھ میں طاقت اگر اے مہ جبیں اتنی نہیں
پھیر دے دل پر چھری چینِ جبیں اتنی نہیں

جانتا ہوں نے ثباتی سے تری ہر بات میں
چار دن قائم رہے تیری نہیں اتنی نہیں

اُسکے قدموں میں ہمارے دلکو لیکر ڈالدے
کیا رسائی تیری زلفِ عنبریں اتنی نہیں

آپ کہتے ہیں کہ رہتا ہے ترا اکثر خیال
آپکے دلمیں تو گنجایش کہیں اتنی نہیں

یار بد خو آسماں دشمن زمانہ برخلاف
یہ مصیبت سہ سکے جانِ حزیں اتنی نہیں

اُسکو سمجھے اسکو دیکھے عقل و چشم اتنی کہاں
یہ رسا اتنی نہیں یہ دور بیں اتنی نہیں

سارباں ناقہ کی شوخی اور دینی ہے بتا
شوخ طینت لیلیٰ محمل نشیں اتنی نہیں

یہ جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں بغیر اجازت ناشر کسی صورت میں اس کتاب کا کوئی حصہ نقل نہیں کیا جا سکتا

ہمنے دیکھا ہے زمانہ ہمنے دیکھے ہیں حسیں
بندہ پرور ظلم کی کثرت کہیں اتنی نہیں

آپ جاتے ہیں تو اسکو ساتھ لیتے جائیے
پھر پلٹ آئے نگاہِ واپسیں اتنی نہیں

بنکدہ میں دل ٹٹولو دل جنابِ شیخ کا
بت چُرا کر جس میں رکھ لیں آستیں اتنی نہیں

پہلے دیکھی غور سے تصویرِ یوسف پھر کہا
جتنی دیکھیت میں ہے اچھی دلنشیں اتنی نہیں

سانس کچھ باقی ہیں اب وہ بھی فقط گنتی کی ہیں
آپ پر صدقے کروں جانِ حزیں اتنی نہیں

یہ اور وقتِ رخصت اندھیر کر گئے ہیں
وہ اپنے ساتھ لیکر میری نظر گئے ہیں

دل کا سودا تو نگاہوں میں پتا کرتا ہے
کسکو معلوم ہے کیا لیتے ہیں کیا دیتے ہیں

غمِ الفت سے دل لاکھوں پریشاں ہوتے جاتے ہیں
یہ گھر آباد ہو جانے سے ویراں ہوتے جاتے ہیں

ملا کر خاک میں مجکو بنے ہیں قدرداں میرے
بیاں کن حسرتوں سے میرے ارماں ہوتے جاتے ہیں

جوانی میں سمجھ آتی ہے ہم قائل نہیں اسکے
کہ جتنی عمر بڑھتی ہے وہ ناداں ہوتے جاتے ہیں

وہی ہم ہیں وہی دل ہے وہی دل کی تمنا ہے
نئے سر سے اونہیں باتوں کے ارماں ہوتے جاتے ہیں

نگاہیں جب لڑیں آپسمیں یہ بھی دیکھتے جاؤ
عیاں کس کی نظر سے رازِ پنہاں ہوتے جاتے ہیں

نہ دیکھے ہونگے رندِ لاابالی تمنے بیخود سے
کہ ایسے لوگ اب آنکھوں سے پنہاں ہوتے جاتے ہیں

تمہارا تو یہ شیوہ ہے جسے تاکا اُسے مارا
نگاہِ لطف کہتی ہے ستم میں میں بھی داخل ہوں

اس طرح سے برباد نکر اہلِ وفا کو
ڈھونڈے سے بھی ملتے نہیں لوگ وہ اکو

مدفن سے نکل کر کوئی دامن نہ پکڑ لے
ٹھکرا کے چلا کر نہ مزارِ شہدا کو

گریباں چاک ہے میرے ہی ماتم میں سحر دیکھو
مجھی کو شمع بھی روتی رہی ہے رات بھر دیکھو

عدو کی بزم میں رازِ محبت کھل گیا دیکھا
کہا تھا تم سے کسنے تم کن انکھیوں سے ادھر دیکھو

اسیرانِ قفس لو پر نکل آئے قیامت کے
مرے صیاد لے چھوڑیں ہیں لفیروش پر دیکھو

لڑائی سے یوں جبھی تو روکتے رہتے ہیں ہم تمکو
کہ دل کا بھید کہدیتی ہے لڑ نہیں نظر دیکھو

نہ حسرت ہی نکلتی ہے نہ خنجر ہی نکلتا ہے
نزاکت نے ہمارے قتل پر باندھی کمر دیکھو

سوالِ وصل پر کچھ سچ کہا اس نے کہا مجھ سے
ابھی وعدہ تو کر سکتے نہیں ہیں ہم مگر دیکھو

لگاؤ آگ خاطر سے ہماری غیر کے غم کو
اٹھا کر جھونک دو دوزخ میں اس نارِ جہنم کو

مثل ہے یہ تو قسمت سبکی بسکے ساتھ ہوتی ہے
عدو کو گالیاں دی ہیں تو بوسہ دیجئے ہم کو

رقیبوں کے لئے اچھا ٹھکانا ہو گیا پیدا
خدا آباد رکھے میں تو کہتا ہوں جہنم کو

قیامت ڈھا رہی ہیں گرمیاں خورشیدِ محشر کی
یہی موقع تو ہے اے وا اعنہائے دل ذرا چمکو

نہ آنسو آنکھ میں آئے نہ دل میں داغ ہو پیدا
وہ کہتے ہیں چھپاؤ راز دار و دل نے مرے غم کو

سپہرِ کینہ پرور کی سخاوت میں ظرافت ہے
دیئے موتی مگر جھوٹے دیئے ظالم نے شبنم کو

نہ دیکھا انسا نکو اے آسماں چشمِ حقارت سے
ارے تیرے فرشتوں نے کیا ہے سجدہ آدم کو

سدھارو گھر کو جاؤ ہاتھ دھو لو تیغ کو پوچھو
قیامت اب ہماری نعش پر آئے گی ماتم کو

سینہ سے دل نکل آیا ترے پیکان کے ساتھ
صاحبِ خانہ بھی رخصت ہوا مہمان کے ساتھ

کیوں الجھتے ہو ہر اک بات پہ بیخود اُن سے
تم بھی نادان بنے جاتے ہو نادان کے ساتھ

جو دم ہے ہجرِ یار میں خنجر کی دھار ہے
میری ہی آہ میرے کلیجے کے پار ہے

چھوٹا نہ بعدِ مرگ بھی شادی و غم کا ساتھ
ہنسنے کو پھول رونے کو شمع مزار ہے

بے سبب وہمِ قیامت کی مچا رکھی ہے
تیرے قامت نے کوئی بات اٹھا رکھی ہے

طرزِ رنجش کی زمانے سے جدا رکھی ہے
بات کی تو نے گرہ دل میں لگا رکھی ہے

اور خلوت میں شب و روز عدو سے ملئے
سن بھی لی آپ نے جو اس نے اڑا رکھی ہے

دیکھ لیں تجھ کو تو پھر کافر و دیندار ہیں ایک
تیرے پردے نے قیامت یہ اٹھا رکھی ہے

رہ جو مے خانے کے رندوں میں نہ کر اے واعظ
سو جھتا بھی ہے تجھے دیکھ وہ کیا رکھی ہے

کہا نکا غم ہے کس سے لڑے ہو کیا جی میں ٹھانی ہے
شکن ماتھے پہ آنکھیں سرخ چہرہ ارغوانی ہے

خدا رکھے دلِ مرحوم کی اب قدر جانی ہے
یہ داغِ آرزو اس مرنے والے کی نشانی ہے

تم اپنی سی کئے جاؤ ہم اپنی سی کئے جائیں
جفا کا حسن موجب ہے وفا کا عشق بانی ہے

نہ ہم نکلیں کہیں شب کو نہ دن کو تم کہیں جاؤ
تمہاری تو خدا جانے ہمیں تو بدگمانی ہے

مجھے سمجھا رہے ہیں قسم کے معنی جان سے جانا
لبِ عیسیٰ پر انکو خون کی تہمت لگانی ہے

جگر پر ہاتھ دل پر تکیہ آنکھوں پر رہیں دامن
یہ افسانہ نہیں مجنوں کا یہ میری کہانی ہے

دعائیں مانگتی گذری ہے اون کو
شبِ غم جان بچ جائے کسیکی بڑ

جوانی کا وہ عالم جسپہ دل بے اختیار آئے
وہ صورت پیاری پیاری دیکھتے ہی جسکو پیار آئے

قیامت ہے جو ایسے پر دلِ اُمیدوار آئے
جسے وعدے سے نفرت ہو جسے ملنے سے عار آئے

ہمارا فرض تھا سر کو تہِ شمشیر رکھ دینا بڑ
قضا کو کیا کریں ہم بوجھ گردن کا اُتار آئے

خدا جانے کہ کیا گذری خدا جانے کہ کیا بیتی
جنابِ شیخ کعبے سے نہایت شرمسار آئے

قیامت کا تو وعدہ اُسپہ یہ مضموں قیامت کا
یہ ممکن ہی نہیں کمبخت تجکو اعتبار آئے

سمجھکر ہی کچھ دلمیں خاموش ہونہیں نہ مے نوش ہوں میں نہ بے ہوش ہونہیں
یہ قصہ یہ جھگڑا نہ چھیڑو تو بہتر نہ میں کہ سکوں گا نہ تم سُن سکوگے

اشارے بھی آپس میں کچھ ہوتے جائیں کہانی جدائی کی ہے روتے جائیں
سُنوگے اسی طرح گر نیکے پتھر نہ میں کہ سکوں گا نہ تم سُن سکوگے

بل بھی چینوں پر ہنسی کے ساتھ ہے
بانکپن کس کی سادگی کے ساتھ ہے

مر گیا بیخود تو اسکا کیا ملال
موت تو آخر سبھی کے ساتھ ہے

حصر کعبہ پہ کیا ہے دیر سہی بڑ
حج کا موسم نہیں تو سیر سہی

جو نکرنی تھیں التجائیں کیں
اب بھی آزردہ ہیں تو خیر سہی

دل اٹھاتا ہوں دل سے اس بُت کے
ایک کعبہ تو ایک دیر سہی

آنکھ ملتے ہی دل کی طلب بارہا ہوئی
چکر چلے فریب دیا التجا ہوئی

ایسی تو ہے وصل کی شب بارہا ہوئی
غصے سے جب نہ کام چلا التجا ہوئی

یہ بُت پتھر کے ہیں ترشے ہوئے فولاد کے ٹکڑے
کہے اس نازکی پر عاشقِ ناشاد کے ٹکڑے

نکلنے دی دمِ کشتن نہ منہ سے آہ بھی پوری
کئے ہیں میرے قاتل نے مری فریاد کے ٹکڑے

گزر جاتے ہیں دو دو دن ہمیں بے آب و دانہ کے
قفس میں کون کھائے بیٹھکر صیاد کے ٹکڑے

دکھا دینگے تمہیں بھی جو قیامت اُس پہ گذرے گی
اُڑینگے ایک دن چرخِ ستم ایجاد کے ٹکڑے

زمانے سے جدا ہوتی ہے کچھ خلقت حسینوں کی
دہن موہوم ہوتا ہے کمر معدوم ہوتی ہے

دونوں کی صبحِ وصل کو حالت بدل گئی
انکی نظر پھری میری قسمت بدل گئی

محفل وہی مکان وہی آدمی وہی
یا ہم نئے ہیں یا تری عادت بدل گئی

پروانہ شمع بنکے جلا شمع گل بنی
آتے ہی انکے بزم کی رنگت بدل گئی

دلِ بیتاب میں شوخی کا پتا ملتا ہے
ملنے والے میں کچھ انداز ترا ملتا ہے

حور کے ذکر پہ وہ کہتے ہیں معلوم ہوا
تو کسی اور سے بھی میرے سوا ملتا ہے

پیے کے زاہد نے مے ناب یہ ارشاد کیا
اسکا انگور کے شربت میں مزا ملتا ہے

عالمِ کیف میں ہستی سے گزر جاتا ہوں
چشمِ ساقی سے مجھے جامِ فنا ملتا ہے

بتکدہ میں ہے خدائی کا تماشا موجود
اور کعبہ میں فقط ایک خدا ملتا ہے

سختیاں ہجر کی مٹجاتی ہیں سب بعد وصال
قطرہ انجام کو دریا ہی میں جا ملتا ہے

ابتو خاموش ہو بیخود کہ وہ پھر روٹھ گئے
تجھکو کمبخت سنا کر انہیں کیا ملتا ہے

ہر ایک بات تری بے ثبات کتنی ہے
پلٹنا بات کو دم بھر میں بات کتنی ہے

ترے شہید کو دولہا بنا ہوا دیکھا
رواں جنازے کے پیچھے برات کتنی ہے

جو تسکو کھلتے ہیں غنچے وہ دنکو جھڑ جاتے ہیں
بہار باغِ جہاں بے ثبات کتنی ہے

ہائے وہ نیچی نظر سے مسکرا کر دیکھنا
ایک برچھی تھی کہ دلکے پار ہو کر رہ گئی

مہربان وہ بت کافر اگر اک آن رہے
ہے تو یوں پھر کوئی کافر ہی مسلمان رہے

اُس گنہگار کو زاہد نہ گنہگار سمجھ
عمر بھر اپنے کئے سے جو پشیمان رہے

بیخود - حکیم احمد علی خان - رامپور کے باشندے اور موزوں طبع شاعر ہیں - وہاں کے

رسالوں میں کلام شایع کراتے رہتے ہیں۔ چند اشعار انتخاباً درج ہوئے ملاحظہ ہوں۔

پس مُردن مرے کام آگیا یہ سوزِ دل میرا
کہ دودِ آہ کا ہے شامیانہ میرے مدفن پر

مٹائے سے مٹے گا کیا یہ میرا خونِ ناحق ہے
جو دھوؤ الوگے دامن سے تو رہجائیگا گردن پر

دامنِ دل سے کیسکے کبھی دھویا نہ غبار
کیا کیا دیدۂ غمناک سے گریاں ہوکر

دیر سے کعبے میں کیا لطف سوا ہے واعظ
دل نشیں کونسا گھر ہوتا ہے ویراں ہوکر

بیخود ۔ حکیم سید شاہ محمد فاخر۔ الہ آباد کے رہنے والے اور آجکل کے نومشق شعرا میں ہیں اور یہ کلام ہے۔

لوگ پھر جیتے ہیں مرنے کی تمنا میں وہاں
عرصۂ حشر ہوا کوچۂ قاتل نہوا

دل لیا کرتے ہیں تو فتنے اُٹھا کرتے ہیں
آپ چلتے ہیں کہ اک حشر بپا کرتے ہیں

چھپے پر اب نقاب ذرا ڈال لیجئے
بس ماند آپ مہر کی تنویر کرچکے

اب کعبے چلئے کیجئے بیخود خدا خدا
نالے بتوں پر آپ کے تاثیر کرچکے

جب ادائے شکر رحمت میں ہوا ہے قصور
وقت کلفت شکوۂ جور و ستم کیا کیجئے

اک نفس کا فرق ہے ملجا بنگے سب روزِ حشر
دم زدن کی بات ہے پھر اس کا غم کیا کیجئے

بیخود ۔ منشی احمد صاحب باشندۂ موہان۔ مولانا فضل الحسن حسرت موہانی کے عزیز اور غالباً انھیں کے شاگرد ہیں۔ علمی استعداد معقول اور ابھی نومشقی کا عالم ہے چند شعر درج ذیل ہیں۔

کرم اے خود فراموشی کہ کوئی جلوہ آرا ہے
قیامت ہے کہ میں محوِ تماشا ہو نہیں سکتا

مری ایذا رسانی مجھکو یوں تسکین دیتی ہے
کہ تیرا ہوکے وہ ظالم کسیکا ہو نہیں سکتا

جو خود بینی وہاں ہے یاں وہی ہے خود فراموشی
یہاں کچھ امتیازِ قیس و لیلیٰ ہو نہیں سکتا

تری حسنِ خرد دشمن سے جب اک حال ہو سکا
بحشرِ محشر میں پھر کوئی رسوا ہو نہیں سکتا

عبث شوقِ تماشا شکوۂ سنگِ بے نیازی ہے
وہ مستِ ناز اے بیخود کسی کا ہو نہیں سکتا

بیخود ۔ محمد اکرام اللہ خاں بیخود ملازم کوتوالی میرٹھ۔ بجز اسکے کہ آپکو مولانا شوکت میرٹھی سے تلمذ ہے

اور کچھ حال معلوم نہوا۔ کلام بہم رسیدہ کا انتخاب حاضر ہے۔

ہماری سخت جانیکا نہو گا بال بھی بیکا ۔۔۔ وہ ہونگے اور جو خنجر کا لوہا مانجاتے ہیں
عاشق کی جسکے ہجر میں حالت خراب ہے ۔۔۔ مذہب میں اُسکے ظلم ہی کرنا ثواب ہے
ہم رند مشربوں سے ملائیگا کون آنکھ ۔۔۔ قسمت میں زاہدوں ہی کی روزِ حساب ہے
لگ جائے گی نظر نہیں اچھی یہ تاک جھانک ۔۔۔ نامِ خدا بہار پہ جوشِ شباب ہے
قدم جمنے دیا ہرگز نہ جانبازانِ الفت کا ۔۔۔ فلک سے بڑھکے قاتل تیرے کوچے کی زمیں نکلی
تصور نے تو پکڑا تھا تمہارا جانکر دامن ۔۔۔ مگر جب غور سے دیکھا تو اپنی آستیں نکلی

بیدار

بیدار - میر محمدی دہلوی۔ شاگرد میر درد و شاہ حاتم و مرید مولانا فخر الدین قدس سرہٗ۔ دہلی چھوڑ کر اکبر آباد جا رہے تھے میر اور مرزا کے ہمعصر تھے۔ کچھ دنوں مرتضیٰ علی فراق سے بھی اصلاح لی تھی۔ دہلی میں قیام کے وقت عرب سرا میں سکونت پذیر رہتے تھے۔ کلام صاف دلپذیر اور معرفت سے بھرا ہوا ہے یہ بھی شاہ حاتم کے اُن شاگردوں میں تھے جنھوں نے اُردو زبان کی درستی میں سعی موفور کی تھی۔ نہ شاہ حاتم کے وقت تک اُردو شاعری صرف رعایت لفظی تک محدود تھی۔ جب سودا نے اس رنگِ نامحمود کو ترک کیا تو بیدار نے بھی اسمیں کوشش کی۔ بلکہ سودا کی صفائی کے ساتھ اپنا تصوف کا رنگ بقدر مناسب شامل کر کے اپنے طرز کلام کو علیحدہ کر لیا۔ انکے بعض اشعار اپنی دلاویزی کے باعث ابتک لوگوں کی زبانوں پر بیساختہ جاری ہیں مقبول خاطر و لطف سخن خداداد است میر محمدی بیدار نے بمقام آگرہ ۱۹۴۷ء میں انتقال فرمایا دو دیوان مرتب کر لئے تھے جو تلاش سے اب بھی ملجاتے ہیں اب کلام کا انتخاب ملاحظہ ہو۔

بھرا نہ مثلِ نگیں زخم یہ مرے دل کا ۔۔۔ کہ تا ہمیشہ رہے نام میرے قاتل کا
ترے رخسار و قد و چشم کے ہیں عاشق زار ۔۔۔ گل جدا سرو جدا نرگس بیمار جدا
عکس اُسکا پڑا جو دریا میں ۔۔۔ آب حیوان زدہ ہو بہ نسکا نہ
واہ واہ اے دلبر کج فہم یوں ہی چاہئے ۔۔۔ ہمسے ہوتا آشنا غیروں سے ہونا آشنا

مئے و ساقی ہیں سب یکجا آہا آہا آہا
عجب عالم ہے مستی کا آہا آہا آہا آہا
کیا بیدار سے عاشق کو تو نے قتل اے ظالم
کوئی کرتا ہے کام ایسا آہا آہا آہا

عمر وعدوں ہی میں گنوائیے گا
آیئے گا بھی یا نہ آیئے گا
یہی قامت ہے گر یہی رفتار
حشر برپا ہی کر دکھایئے گا

نہیں کچھ ابر ہی شاگرد میری اشکباری کا
سبق لیتی ہے مجھ سے برق بھی آہ بیقراری کا
صبح کو بے نور بن تیرے چراغ لالہ تھا
جائے بانگ گل چمن لبریز آہ و نالہ تھا
کس کس کا دل نہ شاد کیا تو نے اے فلک
اک میں ہی غمزدہ ہوں کہ ناشاد رہ گیا
جو کچھ کہ تھا وظائف اوراد رہ گیا
تیرا ہی ایک نام ہمیں یاد رہ گیا
بیدار راہ عشق کسی سے نہ طے ہوئی
صحرا میں قیس کوہ میں فرہاد رہ گیا

کروں ہوں شاد دل اپنا ترے تصور سے
اگر یہ شغل نہ ہوتا تو کیا کیا ہوتا
ہو گیا گرتے ہی تیری چشم سے دامن کے پار
اشک تھا بیدار یا اک آگ کا پرکالہ تھا
بہے بیدار کی آنکھوں نے ساقی اشکلل ایسے
مئے گلگوں کا کوچے میں ترے گویا سبو ٹوٹا
آنکھوں میں چھا رہا ہے از بس کہ نور تیرا
ہر گل میں دیکھتا ہوں رنگ ظہور تیرا
عجز و نیاز میرا حد سے زیادہ گذرا
ویسا ہی اب تلک ہے ناز و غرور تیرا
بیدار وہ تو ہر دم سو سو کرے ہے جلوے
اس پر بھی گر نہ دیکھے تو ہے قصور تیرا
جلوہ دکھا کے گذرا وہ نور دیدگاں کا
تاریک کر گیا گھر حسرت کشیدگاں کا
یہ مار زلف ہے وہ جسکا بچے نہ کاٹا جو
اُترے ہے زہر کس سے افعی گزیدگاں کا
یوں میرے سُنا ہے وہ مست ناز بیدار
یہ کر گیا مصلے عزلت گزیدگاں کا
پھونکدی یہ آگ کسکے حسن بزم افروز نے
اور ہی کچھ سوختن ہے شمع و پروانہیں آج
تھا یہی زور تری زلف دل آویز کا بس
خم ہوئی لا نہ سکی تاب گرفتاری دل
بھڑکا ہے آہ سرد سے جوں شعلہ داغ دل
روشن دم صبا سے ہوا ہے چراغ دل

دامنِ کوہ تیرے پہونچے ابتک — ہر چند غبار ہو گئے ہم
نے پر پروانہ ہے بیدار نے فصلِ بہار — کس توقع پہ قفس سے ہو دلِ آزاد ہم
خرقہ رہن شراب کرتا ہوں — دلِ زاہد کباب کرتا ہوں
جانیں مشتاقوں کی لب پر آئیاں — بلبلے ظالم تیری بے پروائیاں
لیلے چھاتی پر میرے لیتا تھا وہ — آہ کس کس آن سے انگڑائیاں
صبح ہونے آئی رات آخر ہوئی — بس کھانک شوخیاں چلائیاں
دیکھنے ہی اسکو ناداں ہو گیا — کیا ہوئیں بیدار وہ دانائیاں

رفتگاں کے تئیں کیا رو دیں کہ کوئی دم میں — ہم بھی اس بزم سے جیوں شمع سحر جاتے ہیں
کہاں گنجائش حرف اُس دہن میں — نہیں جائے سخن میرے سخن میں
ہم تری خاطرِ نازک سے حذر کرتے ہیں — ورنہ یہ نالے تو پتھر میں اثر کرتے ہیں
یہاں تو جی آنکے ٹھہرا ہے لبونپر اپنا — آہ کیا جانے وہاں اسکو خبر ہے کہ نہیں
جو ہم کلام اُس لبِ جاں بخش سے ہوئے — کس سے اونہیں دماغ کہ پھر گفتگو کریں

اپنے زمانہ سے جدا روز و شبِ سوختگاں — شام کہتے ہو جسے ہے سحرِ پروانہ
کہاں ہے طالع بیدار یہ کہ ایسا ہو۔ — کہ سر دھرے مرے زانو پہ یار سوتا ہو
دیکھ اس گیسوئے مشکیں کی ادائیں شانہ — دونوں ہاتھوں سے یہ لیتا ہے بلائیں شانہ
محشرِ فتنہ ہے اُس شوخ کی رفتار کے ساتھ — جی چلا جائے ہے پازیب کی جھنکار کیساتھ
شکوہ کم نگہی آنکھ سونے اوس کی نکرو — گفتگو خوب نہیں مردم بیمار کے ساتھ
جو ہوئی سو ہوئی اب جانیدوا اے بندہ نواز — آکے ملجاؤ گلے پیار سے بیدار کے ساتھ
خواب میں ایک بھی شب یار نہ آیا بیدار — اس تمنا میں کئی دن ہوئے سوتے سوتے
جام و مینا و مے و مطرب و ساقی ہمراہ — اس سرانجام سے بیدار کہاں جاتا ہے

نہ گئی تیری سرکشی ظالم — ہمنے ہر چند جبہ سائی کی

یہ غزل سے بازیافت ہوا ہے جو ہمارے پاس موجود نہیں ہے

بیدار کیونکہ آتشِ دل اشک سے بجھے
ظاہر کی آگ ہووے تو پانی بجھا سکے

زاہد اس راہ نہ آمست ہیں میخوار کئی
ابھی یاں چھین لے جُبہ و دستار کئی

ربط جو چاہیے بیدار ہو اُس سے معلوم
مگر اتنا کہ ملاقات چلی جاتی ہے

اب تک مرے احوال سے واں بیخبری ہے
اے نالۂ جانسوز یہ کیا تجھ میں اثر ہی ہے

جی میں ہے دکھا دیجے اک روز تری قد کو
جو شخص کہ منکر ہیں اے یار قیامت کے

مقدور کیا مجھے کہ کہوں واں کہ یاں رہے
ہیں چشم و دل گھر اُسکے جہاں چاہے واں رہے

نے میکدہ سے کام نہ مطلب حرم سے تھا
محوِ خیالِ یار رہے ہم جہاں رہے

ہستی ہی میں ہے سیرِ عدم آگہی یاں جسے
فکرِ میانِ یار و خیالِ دہاں رہے

بیدار زلف کھینچئے اُدھر چشمِ یار اِدھر
حیران ہے دل کہاں نہ رہے کسکے ہاں رہے

تیرے مژگاں ہی نہ پہلو مارتے ہیں تیر سے
ہمسری رکھتے ہیں ابرو بھی ترے شمشیر سے

بیدار

بیدار۔ رئیس الدولہ علی حسن بہادر بیدار لکھنوی مقرب بارگاہ واجد علیشاہ بادشاہ مقیم کلکتہ سلطانی مطبع کے مہتمم تھے۔ کچہری و ساطت و افسری خوشنویسان کے محکمے بھی انہیں کے متعلق تھے۔ اور کتب خانہ شاہی بھی انہیں کی تفویض میں تھا۔ ۱۲۹۴ھ تک مٹیا برج میں باعزاز و آبرو بسر کرتے تھے۔ شعر اچھا کہتے تھے۔ انکا کلام یہ ہے۔

تیرے ملنے سے اے بلقیسِ عالم
سلیماں ہو گیا بیدار تیدا

اے قاتلِ عالم تجھے منظور ہے اب کیا
چھٹتی نہیں قبضہ سے جو شمشیر کسی وقت

اُٹھا جہاں سے ہمارا شیدا نہ سمجھو غفلت نہ غش سمجھنا
یہ خواب تو خواب ہے اجل کا نہو جو بادر جگا کے دیکھو

کیا ہے حق نے تمہیں مسیحا پڑا ہے بیجاں تمہارا شیدا
ابھی تو ہوتا ہے زندہ مُردہ لبوں کو اپنے ہلا کے دیکھو

ابھی تو ہو جائے حشر برپا ابھی تو بدلے جہاں کا نقشہ
ابھی دگرگوں ہو حالِ دنیا تم اپنی چتون پھرا کر دیکھو

پڑی ہیں اب زندگی کو لالے یہی تو ہیں آخری سنبھالے
خدا ہی بیدار کو بچالے جو دیکھنا ہے تو آکے دیکھو

بیدار

بیدار عالیجناب بیر بر راجہ ہرکشن سنگھ بہادر جاگیردار کشن کوٹ (ضلع گورداسپور) و رئیس امرتسر

نبیرۂ محسن الدولہ آنریبل راجہ سر صاحبدیال۔ کے سی۔ ایس۔ آئی۔ ممبر کونسل واضع آئین وقوانین ہند۔ راجہ صاحب موصوف الحاق پنجاب سے پیشتر سرکار شیر پنجاب مہاراجہ رنجیت سنگھ و مہاراجہ دلیپ سنگھ میں ناظم سائرات و کانِ نمک کا عہدۂ جلیلہ رکھتے تھے۔ عنفوانِ شباب (۱۸۸۴ء) سے آپ کو شاعری کا شوق ہوا۔ پہلے کچھ دن مقامی شعرا سے استفادہ کرتے رہے پھر حضرت داغ مرحوم سے مشورہ لینا شروع کیا۔ چنانچہ آپ کے حسب الطلب ایکمرتبہ حضرتِ داغ رامپور سے امرتسر اور کشن کوٹ کی سیر کے لئے بھی آئے تھے اور کئی مہینے آپ کے ہاں مہمان رہے آپ کے کلام میں روزمرّہ اہلِ زبان کا لطف موجود ہے عاشقانہ مضامین بھی اچھے سلیقہ سے باندھ جاتے ہیں۔ راقم تذکرہ کے احباب میں ہیں۔ نہایت منکسر مزاج۔ خلیق اور زندہ دل شخص ہیں۔ آپ کے چھوٹے بھائی آنریبل ٹھاکر مہان چند صاحب آجکل پنجاب کونسل کے ممبر اور ہندو رئیسوں میں بڑے راسخ الاعتقاد۔ روشن خیال۔ نیک نفس نوجوان ہیں۔ بیدار صاحب کی عمر اب ۴۵ سال کے قریب ہے عرصہ ہوا آپ کا دیوان شائع ہوا تھا۔ چند شعر درج ذیل ہیں۔

عاشق کا حال پوچھ نہ بازارِ حسن میں
کیا سُنائیں کہ ہمپہ کیا گذرا

دل بیکرار بھی تیرا فریدار ہی رہا
قصہ جانے بھی دو کیا گذرا

اُٹھائے رنج کیا کیا زندگی میں
اجل آجان بچتی ہے اسی میں

جو ہوتے تم بھی خوش میری خوشی میں
تو حسرت رہ نجاتی جی کی جی میں

ہزاروں مرگئے قاروں سے بڑھکر
خدا ازردے تو دل دی آدمی میں

خُدا بخشے تو بخشے دولتِ عشق
مجھے لاکھوں کروڑوں ہیں اُسی میں

بن نہیں پڑتی آؤ مرد یکھیں
کچھ تو بخت آزمائی کر دیکھیں

تماشہ ہے دل لیا آپ نے
یہ کھلکر کچھ اسکی ضرورت نہیں

جاں بلب ہوگئے اب کوں سنبھالو دلکو
چیر کے پھینکتے ہیں ناز کے پالو دل کو

قطعہ

رات خلوت میں کیا اُنسے جو شکوہ دل کا
اور کہا ہنسنے کیا تیرے حوالے دل کو

اور کہا رنج والم کون اُٹھائے ہر روز
آدمی تھا نہ جبے کلیجہ کہ سنبھالے دلکو

سنکے کہنے لگے بیدار خبر ہے اسکی
چاہیے دشمن جاں جسکو وہ پالے دلکو

لگا دل اک بت نا آشنا سے
کروں فریاد اب کیا میں خدا سے

ملو ہاتھو نہیں تم اغیار کا خوں
یہ کچھ پھبکا نہیں رنگ حنا سے

لیا دل اُس ستمگر نے ہمارا
کرشمہ سے شرارت سے ادا سے

دیا بیدار جب دل جب آپ اُسکو
تو پھر مطلب ہے کیا چون وچرا سے

دل کو وہ خوگر آزار بنا رکھا ہے
درد کا نام محبت نے مزا رکھا ہے

لو ہوا اور ستم کا یہ طریقہ ایجاد
نام کافر نے تغافل کا حیا رکھا ہے

حسرت ویاس وتمنا کی نہ پوچھو بیدار
سب نے دل میں مرے کہرام مچا رکھا ہے

آپ بیدار کو کہیں کچھ بھی ہم اُسے پارسا نہیں کہتے

زمانہ جانتا ہے تم بھی جانتے ہو ہمیں
مزا تو جب ہے کہ غیروں کا امتحاں کرتے

نالہ کچھ نغمہ نہ تھا جسکو سمجھتے معیوب
عشق کچھ عیب نہ تھا ہم جسے پنہاں کرتے

میری یہ عمر بھر کی پونجی ہے
رنج وغم سارے گھر کی پونجی ہے

تم تو منہ پھیر کر خفا بیٹھے
گر یوہیں کوئی دوسرا بیٹھے

بزم سے دشمنوں کو اُٹھوا دو
کیا یہ کرتے ہیں بے حیا بیٹھے

بات بیدار سے نہ کی ظالم
تیری محفل میں کوئی کیا بیٹھے

کہنا تمہارا میرے سر آنکھوں پہ ناصحو
پر یہ کہو کہ دل پہ مرے اختیار ہے

آئے ہیں ساتھ غیر کے وہ میری قبر پر
ٹھکرا کے پوچھتے ہیں یہ کس کا مزار ہے

عشق کیا چیز ہے خدا جانے
دل میں سوزش کباب کی سی ہے

بیدار

بیدار۔ خواجہ محمد بیدار بخت ولد خواجہ محمد اکبر نقشبندی۔ رئیس دُھاکہ۔ اِن کی ولادت، ۱۸۴۴ء کو ہوئی۔ جو حالات انھوں نے بھیجے اُس کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔

بچپن میں مولوی محمد لطیف صاحب جو کابل کے ایک بڑے عالم تھے ان کے عربی معلم مقرر ہوئے پھر تیرہ سال کی عمر سے انگریزی و فارسی تعلیم شروع ہوئی۔ انگریزی میں انٹرنس کلاس تک پڑھا ہے۔ آغا محمود علی شیرازی سے فارسی پڑھی اور درسیہ کتابوں کی تکمیل کی۔

سنہ ۱۹۰۲ء میں اپنے دوست میرزا فقیر محمد کے اصرار سے ایک مشاعرے میں انکو بھی طبع آزمائی کا موقع ملا۔ یہی غزل گوئی کی ابتدا ہوئی۔ اُس غزل کا یہ مطلع تھا۔

جو اُس بت پر آئی تو کیا ہے کسی کا		طبیعت پہ بھی بس چلا ہے کسی کا	

مشاعرے میں اس غزل کی بہت تعریف ہوئی۔ جب کچھ غزلیں جمع ہوگئیں تو اُستاد کی تلاش ہوئی چنانچہ اپنا کلام حضرتِ داغ دہلوی مرحوم کے پاس اصلاح کے لئے بھیجا۔ اور اُنہوں نے اپنے فیضِ عام سے اِن کو بہرہ اندوز ہونے کا موقع دیا۔ جناب بیدار اگرچہ ابھی نوسشق نوجوان ہیں مگر طبیعت رسا اور سلجھی ہوئی پائی ہے اگر توجہ سے کچھ دنوں محنت کی تو اِس فن میں اچھی مہارت ہوجائیگی طبیعت چلبلی اور معنی یاب زبان کی شوخی اور بیان کی سلاست قابلِ تعریف ہے۔ اب اُنکا تھوڑا سا کلام انتخاباً درج کیا جاتا ہے۔

آتی خود پردۂ محمل سے نکلکر لیلےٰ		جذبۂ شوق اگر قیس کا کامل ہوتا	
تم جفا کار و ستمگار ہو تم کیا جانو		مہر کیا چیز ہے کرتے ہیں وفائیں کیونکر	
تازہ انداز ادا غمزہ کرشمہ شوخی		دل کو ہم اتنے اُچکوں سے بچائیں کیونکر	
داغِ دل داغِ جگر دونوں ہیں پتھر کی لکیر		مٹنے والے نہیں یہ انکو مٹائیں کیونکر	
کہتے ہیں دیکھکر وہ مرا داغدار دل		کھوٹا ہے مال کوئی خریدار ہو تو کیوں	

بجا ہے تم تو وعدے کے بڑے سچے ہو کیا کہنا		ہمیں جھوٹے ہیں دم دیتے رہے تم کو ہمیں سوں	
ہمارے گھر بھی وہ آئے گئے غیر و نکے بھی گھر میں		مگر تھا فرق یہ ٹھہرے کہیں دم بھر کہیں برسوں	
ستم ہے سُنکے وہ رشکِ عدو کا ذکر کرتے ہیں		ہوا کیا ہے ابھی تجکو جلائیں گے یونہیں برسوں	
دلِ بیتاب کہتا ہے رہیں مجھ میں ہمیشہ وہ		تقاضا ہے یہ چشمِ شوق کا ٹھہریں یہیں برسوں	

نہیں پہچانتے تم کون وہ محفل میں بیٹھا ہے — وہی بیدار ہے جو رہ چکا ہے دلنشیں برسوں

اُلٹی گنگا وہ بہاتے ہیں یہ کیا کرتے ہیں — وعدہ تو مجھسے ہے دشمن سے وفا کرتے ہیں
ناز انداز میں شوخی میں حیا کرتے ہیں — ہر ادا کو وہ اداؤں میں ادا کرتے ہیں
عرضِ مطلب کیلئے انکو مخاطب پاکر — دیئے جاتے ہیں ٹھوکے مرے ارماں مجکو
سُن لیا سُن لیا کمبخت خدا کا مارا" — آپنے مجکو کہا ہے ابھی ہاں ہاں مجکو

نہ مانیں گے نہ مانیں گے یہ اصلا ہم نہ مانیں گے — بندوگے جور کا جبتک مچلکہ ہم نہ مانیں گے
سوالِ وصل پر یہ ضد یہ ہٹ کیا لطف دیتی ہے — قسم ہے تمکو پھر اکبار کہنا ہم نہ مانیں گے
تمہیں ہے ناز نکتہ چینی ذرا آئینہ تو دیکھو تم — یہ بے بنیاد یہ بے اصل دعوی ہم نہ مانیں گے
خوشامد وہ مری آنچل پکڑکر اُنکا وہ کہنا — زبردستی ہے کیا چھوڑ و ڈوپٹہ ہم نہ مانیں گے
یہ چشم شوق آفت ہے غضب ہے تاک جھانک اسکی — ارے او چھپنے والے تیرا پردہ ہم نہ مانیں گے

کہتے ہیں وہ محشر میں گلہ کس سے کروگے — ہوجائے طرفدار ہمارا جو خدا بھی

جو تم پر جان دیں اُنسے ملو تم یوں رکھائی سے — بڑے بیرحم ہو باز آؤ ایسی کج ادائی سے
جواب اپنی طرف سے دیں سوال وصل پر کیونکر — وہ پہلے مشورہ کرلیں حیا سے پارسائی سے
جسے دیکھا اُسے سمجھا کہ یہ بھی اُنکا عاشق ہے — عجب شکی ہوں مجکو وہم ہے ساری خدائی سے

بیدل - مولانا مرزا عبدالقادر بیدل - قوم چغتائی اصلی وطن توران تھا مگر یہ بخارا میں پیدا ہوئے اور صغرسنی میں ہی ہندوستان آئے اور یہیں نشو ونما پائی - کمال عالی وحوصلہ وسیر چشم تھے - ابتدائے شباب میں شاہزادہ محمد اعظم شاہ خلف عالمگیر کی رفاقت میں رہے اور ہمیشہ مورد عنایات شاہزادہ رہے - قوتِ جسمانی اور طاقتِ بدنی اسقدر تھی کہ ایک دفعہ شیر کو بلا ہتھیار زیر کیا - اپنے آقا کی وفات کے بعد تعلقات دنیوی سے کنارہ کرکے گوشہ نشین ہوگئے تھے - نواب نظام الملک آصف جاہ نے مکرر باصرار دکن طلب کیا اگر اُنہوں نے نقل حرکت اصلا قبول نہ کیا - اور دہلی میں صبر وقناعت پر تکیہ کئے بیٹھے رہے - فارسی کلام آپ کا بڑے اعلےٰ پایہ کا ہے - فارسی کے

بیدل

کے بڑے مشہور جلیل القدر شاعر اور اپنے معاصرین میں سب سے زیادہ نازک خیال تھے۔ اپنی ذہانت طبع اور نازک خیالی سے اختراع و ایجاد کے گل بوٹے لگاتے تھے۔ کلیات ضخیم اپنا (کا) یادگار چھوڑا ہے جسمیں ایک لاکھ بیت کے قریب ہیں۔ اُس زمانے کی حالت اور مذاق کے موافق کبھی ریختہ کی طرف بھی توجہ ہو جاتی تھی۔ ۱۱۳۳ھ میں شاہجہان آباد میں انتقال کیا۔ اُردو شعر تذکرہ منشی قدرت اللہ شوق مرتبہ ۱۱۸۸ میں اسکے نام سے درج ہیں تبرکاً پیش کش ناظرین کئے جاتے ہیں۔

مت پوچھ دلکی بابتیں وہ دل کہاں ہی ہم میں
اُس تخم بے نشاں کا حاصل کہاں ہی ہم میں
جب دلکی آستاں پر عشق آن کر پکارا
پردے سے یار بولا بیدل کہاں ہم میں

بیدل

بیدل - خواجہ غلام حسین خلف خواجہ محمدی خاں نبیرۂ خواجہ رحمت اللہ خاں باطن۔ حافظ عبدالرحمن خاں احسان کے شاگرد تھے۔ عذر کے بعد چند سال تک دہلی میں طبابت کرتے تھے عرصہ ہوا کہ دنیاے فانی سے سفرِ آخرت اختیار کیا۔ یہ چند اشعار اُن کے کلام سے انتخاباً لکھے جاتے ہیں۔ کلام کے دیکھنے سے طبیعت کی پختگی اور مشاقی کا پتا چلتا ہے۔ اور پڑھنے والے کے دل پر اثر ہوتا ہے۔

جان تو ہو کے خفا جب مرے گھر سے نکلا
ٹکڑے ہو ہو کے جگر دیدۂ تر سے نکلا
آہ او سس کو دمِ ناوک فگنی
گاہ دل گاہ جگر یاد آیا
ماہ سے نسبت کا دنیا تجکو ہے انصاف
مہروش تجمیں اور اوسمیں فرق ہے ذرات کا
دل کر چکے پہلے ہی نیازِ غم فرقت
اب کیا ہے کیا قصد جو ہے نازو ادا کا
پاؤں رکتا ہے کوئی کوچۂ جانا نہ مرا
دلکے ہاتھوں نہ گیا آج تو کل جاؤنگا

دلِ پُرغم کے رہنے کے یہی دو ٹھکانے ہیں
کبھی چاہِ زنخداں میں کبھی زلفِ پریشانمیں
نگہ کی چشم کی زلفِ دوتا کی
سہے اک دل جفا کس کس بلا کی
تجھے ملتے ہوا توں کو بیدل
تمہیں بھی دن لگے قدرت خدا کی

	کب اس گل کی گلی تک جا سکے ہے		ہوا باندھی ہے یاروں نے ہوا کی

بیدل

بیدل - مولوی حبیب الرحمان خلف حاجی احمد علی محدث۔ ارشد تلامذۂ حسین علی خاں شاداں مرحوم دہلوی۔ معمر آدمی ہیں اور اب اپنے آپ کو مرزا غالب کا شاگرد لکھتے ہیں۔ سہارنپور کے رہنے والے ہیں۔ عرصے سے حیدرآباد دکن میں وارد اور سرکار راجہ سرکشن پرشاد صاحب بہادر کے دامن دولت سے وابستہ رہکر دعاگو و وظیفہ خوار ہیں۔ فی الحال مدرسہ عالیہ نظام میں معلم فارسی ہیں۔ پرانی روش میں شعر اچھا کہتے ہیں۔ مضمون آفرینی کا زیادہ خیال رہتا ہے۔ بندش و ادائے مطالب میں خاصے مشاق ہیں۔ اپنے استاد شاداں کی طرز خاص کے مقلد اور باوجود جید عالم ہونے کے نہایت شوخ طبع زندہ دل ہیں۔ اب کلام ہمہ رسیدہ کا انتخاب ملاحظہ ہو۔

	گر ملاحت سے وہ قاتل نمک افشاں ہوتا		حشر تک زخم نہ منت کش درماں ہوتا
	تنگی زخم سے ارمانوں کے عقدے نہ کھلے		کاش دل بھی مرا ہمرنگ گریباں ہوتا
	بجھپہ مرنیکو سمجھتا جو حیات جاوید		بوالہوس ہجر میں کیوں مرگ کا خواہاں ہوتا
	مر بھی جاتا تو جلائے کوہ آتا نہ مسیح		مفت میں موت کا شرمندۂ احساں ہوتا
	دل کی بیتابی سے آخر نکل آیا آنسو		سات پردوں میں جو رہتا تھا وہ باہر نکلا
	صیاد صید ہو تو تماشائے جذب ہو		پھندا بنانا چاہیے تار نگاہ کا
	عیش دنیا ہیچ ہے اور پوچ ہے اُسپر غرور		آج ہم غمناک ہیں اور کل عدو غمناک تھا
	رہتا ہے سیہ پوش سدا خانۂ کعبہ		اس غم میں کہ تھا پہلے جلو خانہ کسی کا
	دلمیں وہی ہے جسنے کیا دلکو پاش پاش		کعبہ میں پہلے تیغ چلی پھر حرم ہوا
	مژگاں کی آڑ میں وہ نگہ کام کر گئی		مارا کسی نے تیر کسی پر بھرم ہوا
	پاس رسوائی نے انجان بنایا اسکو		پھر وہ بیگانگی کا پردہ بیکار نہ تھا
	دوست کے گھر کو کہوں خانۂ دشمن افسوس		ربط اغیار سے اتنا بھی سزاوار نہ تھا
	خندگ سینے میں بیٹھا ہے آرزو ہوکر		رُکے ہے سانس گلے میں رگ گلو ہوکر

ستایا ضعف نے لپٹی ہے ناتوانی یوں
کہ ڈھونڈھتی ہے قضا مجھکو جستجو ہو کر

لگی ہے چپ اُسے کیا جانے کہدیا ہی کیا
نقاہتِ دلِ مضطر نے گفتگو ہو کر

کسی کی زود پشیمانی میرے مرنے پر
دلِ عدو میں کھٹکتی ہے آرزو ہو کر

حریمِ کبریائے غیرت سے مت نکال قدم
جیا تو خاک جیا ننگِ آبرو ہو کر

گر یہی جوششِ گریہ ہے تو اے وحشتِ دل
بھر ہو جائے گا جو گھر ہے بیاباں ابتک

رہینِ جاں نثاری جانِ مضطر
اسیرِ یاس ناموسِ دنیا دل

کہاں ہے ساحلِ بحرِ تمنا
سفینہ جسم لا غر ناخدا دل

وہ آنکھیں ہیں چہ بابل کے چشمے
نگاہِ ناز کے ساتھ ہو لیا دل

بچتی نہیں کشتی حیا و صل میں اے جاں
اس بحر میں ارمانوں کے طوفان بہت ہیں

رخنہ اندازِ راز ہیں دیکھو
نگہِ شرمسار کی باتیں

کرتی ہے تیغِ ناز بیدل سے
گلے مل مل کے پیار کی باتیں

قطرہ میں ہے بحر کا تماشہ
نقشہ ہے خدائی کا بشر میں

دلِ فسردہ کو ڈھونڈو تم اپنے بالوں میں
شکستِ حال ملیگا شکستہ حالوں میں

وفا رعد کا شاہد وعدہ ہے
مسیحائی قضا کے روبرو ہو

کروں جینے کو اُس مرنے پہ قرباں
تہِ خنجر گلو سینہ پہ تو ہو

کام آئی گرہ کی رخنہ گری
کوئی شے مانعِ نظر نہ ہوئی

قصہ وہ کیا جو دل گداز نہ ہو
بات وہ کیا جو مختصر نہ ہوئی

تمنائے نمکپاشی دہانِ زخم سے پوچھو
کہ مجروحوں کو حرصِ لذتِ آزار کیسی ہے

شگر کے رخ پہ نقابِ حیا سے
جفا سے جو باز آیا شرم جفا سے

کس توقع پر اٹھائیں کوفت گریہ بھی نہ ہو
حسرتِ حاصل تو اپنی سعیِ لاحاصل میں ہے

آتی ہے جانا یہ کیسا آئی تھی تو کوئی دم
کھاتے۔ پیتے۔ کرتے کچھ آرام اُٹھتے بیٹھتے

کچھ ہاتھ تیرے ٹوٹ نہ جاتے نسیم صبح
کب سے تھا قیس پردۂ محمل کے سامنے

مجکو شکوہ کی قسم تمکو وفا کی سوگند
کیا کہوں کس سے کہوں سخت پریشانی ہے

ایک مدت سے جو بیدل ہے وہ بیدرد سہی
سر بیدل کی قسم کھائیے گر کھانی ہے

تیرا وہ حسن کہ ہنگامہ طلب عالم سے
میرا وہ دم کہ چلا میری نظر سے پہلے

عشق آسان نہیں ہے دل خود رفتہ حسن
چشم مشتاق سے کہئے ابھی تر سے پہلے

بیدل ۔ عالیجناب مولانا مولوی محمد عبد الرحیم خانصاحب بیدل دہلوی سابق ڈپٹی اکونٹنٹ جنرل ریاست حیدرآباد دکن و رئیس دہلی ۔ مولوی محمد تقی خانصاحب مغفور کے خلف اصغر اور سید امراؤ مرزا صاحب انور مرحوم کی ارشد تلامذہ میں ہیں سالک مرحوم سے بھی اصلاح لی ہے ۳۰ برس تک ریاست حیدرآباد دکن میں عہدہ ہائے جلیلہ پر ممتاز رہے اب پنشن لیکر وطن میں خانہ نشین ہیں اپنے دلی دوست ملک الشعرا خواجہ الطاف حسین صاحب حالی کی طرز کے اسیر اور نئی روش کی شاعری کے دلدادہ ہیں اور حق یہ ہے کہ اس طرز خاص میں رتبہ استادی رکھتے ہیں ۔ کلام میں سوز و گداز بہت ہے ۔ اور متانت ۔ اخلاق تہذیب اور نصائح کی چاشنی بھی نہایت دلکش پیرایہ میں موجود ہے ۔ آپ کی ذات ستودہ صفات اساتذہ سلف کی یاد دلاتی ہے ۔ خلق شرافت ۔ متانت ۔ اخلاق نے ہر دلعزیز بنا رکھا ہے ۔ اب ۶۵ برس کے قریب عمر اور دہلی کے باوقار رؤسا میں آپ کا شمار ہے ۔ ذیل کے اشعار آپکے فکر رسا کی رسائی کا نتیجہ ہیں ۔

تھا جرعۂ حقیقت عقل و خرد کا دشمن
جب سے خبر ملی ہے رہتا ہوں بیخبر سا

مذہب میں شاخسانے جو اب ہیں پہلے کب تھے
آپس میں آپ ہمنے پھیلا دیا ہے شر سا

یاروں کی بیوفائی اپنوں کی کج ادائی
دنیا سے جو بابا لگنے لگا ہے ڈر سا

سچ پوچھئے تو ملنا ممکن نہیں جہاں میں
دانا بھی آدمی سا ناداں بھی بشر سا

چھٹ گئے دنیا و مافیہا سے ہم
بیخودی میں بھی عجب عالم رہا

ہو رہا وہ کچھ نہ کچھ انجام کار
موت کا کھٹکا جسے ہر دم رہا
کام ہیں بیدل پڑے سارے یونہیں
اور موت آنے میں وقفہ کم رہا

حسنِ رخِ زیبا کو نہ مشاطہ کی پروا
حالِ دلِ بیتاب نہ محتاجِ بیاں کا
کچھ ایسے دل و جان سے دنیا کے ہیں جیا
دنیا کو کبھی چھوڑ کے جانا نہیں گویا
ہے اسکا گلہ کیا کہ جو سو کر نہیں جاگا
رونا ہمیں اسکا ہے جو ہے جاگ کے سویا
کہتا ہے زمانہ مجھے کچھ کر کے دکھاؤ
عزت کے جو طالب ہو حکومت کے ہو جویا
ہنسی آتی ہے اب لوگو نکو سنکر نامِ الفت کا
گئے وہ دن پھنسا کرتے تھے دل جب دام میں
بسانِ آبِ نیساں قطرہ قطرہ ہو دُرِ یکتا
اثر کا دینے والا گر اثر دے مرے آنسو میں
حوادث نے دلونکی ولولے ایسے مٹا ڈالے
مزا آتا نہیں اب ہمکو خجستہ شہائے آبرو میں
ہماری طرح تم بھی بے ہنر رہجاؤ گے بابا
جوانو کچھ نہ کچھ کر لو ابھی قوت ہے بازو میں
نصیحت کو مری مانو مرے کہنے کو سچ جانو
میرے اقوال تو لو عقل و دانش کی ترازو میں
بھلا میں اُنکے چکمہ میں کہیں آنے کے قابل ہوں
اگر اغیار بیڈھب ہیں تو یارو میں بھی بیحد ہوں
نہ شادی میں اُترتا ہے نہ غم میں نشۂ غفلت
اجل ہشیار اگر کر دے تو کر دے میں تو غافل ہوں
مرے دم تک ہیں عشق و ہوس کی تفرقہ سازی
کہ یہاں ایک میں ہی معیارِ حق و باطل ہوں
مزہ آتا نہیں مطرب تری رنگیں نوائی میں
کہ میں اک عمر سے خوگر دہ شورِ سلاسل ہوں
کبھی ہوں تنگدیس اور کبھی کعبے میں ہوں بیدل
اسی اک اپنی دُھن میں سالکِ ہر راہ و منزل ہوں

تھا جواب آپ کی شکایت کا
ورنہ شکوہ ہمارا کام نہیں
گھاؤ تھا گھاؤ سے ہوا ناسور
اب کچھ اُمیدِ التیام نہیں
مغفرت کا یقین اور بخشش
کیا ہے یہ گر خیالِ خام نہیں
خوب صلہ ملا مقدر کا
ہمکو کچھ فکرِ صبح و شام نہیں
کچھ نہ کچھ ہو رہے گا آخر کار
شوق جسکا کہ نا تمام نہیں

مرگِ بیدل کا یار ہے خواہاں	اُسکی الفت میں کچھ کلام نہیں
سب طرحکی قدرتیں ہیں اور پھر مجبور ہے	واہ کیا آزادیٔ انسانِ بے مقدور ہے
منزلِ مقصود تک پہنچو گے یارو کس طرح	تم نہیں جاتے ہو پہنچے اور جانا دور ہے
ایک کے مرنے سے دنیا میں کمی ہوتی نہیں	بھید جسپر کھل گیا حق کا وہ ہی منصور ہے
جو تجلی تھی گری اُسپر وہ یہاں ہر آن ہے	عاشقوں کا دل ہے یہ کیا مال کوہِ طور ہے
اسکی سیدھی سیدھی باتیں دلمیں جھبتی ہیں بہت	ایسا ویسا تم نہ سمجھو اسکو بیدل دور ہے
آخر کو تیرے کارن آفت پڑی اٹھانی	اے عمر قدر رہنے پہلے تری نشانی
مُنہ سے تو سچ مچ بیدل کیا تو نے جبیں نہانی	تیرا اداس رہنا آفت کی ہے نشانی
وہ قہقہے کہاں ہیں وہ ولولے کدھر ہیں	روتا ہوں یاد کرکے گذری ہوئی جوانی
اِس سال خوردگی پر چل غضب ہے اُسکی	دنیا سے کوئی سیکھے اندازِ دلستانی
خود اپنی جان ہی کے یہاں پڑ رہے ہیں لالے	اِس مُنہ پہ ہمنے کی بس گلے کی پاسبانی
وہ کون سی آفت جو یہاں نہیں ہے آئی	اِک تو ہی رہگئی ہے اے مرگِ ناگہانی
مالِ متاعِ دنیا ہے بے ثبات کتنا	اِسپر نہ کر بھروسا دولت ہے آنی جانی
دنیا کے کارخانے دھوکے کی ٹٹیاں ہیں	نکلا سراب آخر سمجھے تھے جسکو پانی
دل میں تیر کرنا انفاسِ واپسیں کو	آساں نہیں ہے بیدل یہ آرزو بر آنی
کیا اب ہیں انسان کے پہچاننے والے	یاں ہر کس و ناکس سے خدا کام نہ ڈالے
گر میرا کہا مانے تو بیدل کو منالے	ملتے نہیں دنیا میں کہیں چاہنے والے
دل دیکے اونہیں لطف بہت ہمنے اُٹھائے	کرتے ہیں بس اب جان بھی ہم اُسکے حوالے
اُٹھنے کی بھی طاقت نہیں بیمار میں تیرے	کیونکر تری الفت سے بھلا ہاتھ اُٹھالے
کچھ کھو ہی کے انسان کو ملتا ہے مرے جاں	پائے وہی اُسکو جو اپنے کو مٹالے
مجھکو بھی دکھائی ہے دمِ سرد کی تاثیر	جتنا ترے امکان میں ہو مجھکو جلالے

ہے موت کا کچھ خوف نہ کچھ جان کی پروا
آنی ہے تو آئے کہیں جانی ہے تو جائے

جو مجھ پہ بلا آئی ہے فرقت میں تمہارے
ٹلتی نظر آتی نہیں اللہ ہی ٹالے

شہرت سے مجھے کام نہیں اپنے سخن کے
وہ جانتے ہیں مجکو جو ہیں جاننے والے

اب سانس کے لینے کی بھی طاقت نہیں باقی
بیدل کا بُرا حال ہے اللہ بچالے

بیدل دہلوی - منشی مرزا بیگ خان بیدل دہلوی - نبیرۂ نواب فاضل بیگ خاں بیدل
جنت جنگ وکیل سلطانی - سررشتہ تعلیم لاہور کے رجسٹرار کے دفتر میں پچیس تیس برس سے
منسلک ہیں اور اکثر اردو درسی کتب کی ترتیب میں بھی حصہ لیتے رہے ہیں - اس وقت ۵۵
۵۶ برس کی عمر ہے اب عرصے سے فکر سخن چھوٹی ہوئی ہے - سابقہ کلام کا انتخاب حاظر ہے -

رفو ممکن نہو یارب جو ٹکڑے ہو تو اتنا ہو
دل و سینہ جگر جیب و گریباں آستیں دامن

سنبھل کر قتل کر خوں بیگنہ کا چھپنا مشکل ہے
لہو میں ہوں نہ ترجیب و گریباں آستیں دامن

ہوا جاتا ہے یہ ایک ایک مضمون بلبل کا
نہ گل چن چن کے بھر جیب و گریباں آستیں دامن

پسِ محشر بھی ہے کوئی اور فردا
کہ یہ دن بھی پورا ہوا چاہتا ہے

سچ ہے چھری غریب پہ ہوتی ہے سب کی تیز
چھیڑا صبا نے زلف کو مجھ پر عتاب ہے

کب تک یہ ضبط نالۂ آتش فشاں رہے
کہدو کہ ہوشیار بس اب آسمان رہے

عیش و نشاط صحبتِ یاراں کہاں رہے
مانا جہاں میں آبِ خضر جاوداں رہے

عنقا سے نکتہ ہا تھ لگا ہے ہمیں یہ خوب
شہرت جو چاہے کوئی یہاں بے نشاں رہے

حالِ دل کی کچھ پریشانی نہ پوچھ
مو بمو صورت ہے زلفِ یار کی ہو

دے گئی موت بھی آخر کو جواب
رہ گئی مرنے کی حسرت کیسی

چارہ کر کے دوا ہوں گے خجل
تیرے بیمار کو صحت کیسی

بیدل - حاجی واحد نور خاں باشندہ بانڈہ آخر آخر میں آپنے منشی امیر بینائی سے بیدل
تلمذ اختیار کیا تھا آجکل جاورہ میں ملازم ہیں - اور وہاں سے ایک رسالہ بھی نکالا ہے

ہجر میں جینا تو کیا مرنا بھی مشکل ہو گیا
آہ تو غارت نہ کیوں پہلے ہی ایدل ہو گیا

مار ڈالا آپکی لطفِ عیادت نے مجھے
جو مسیحا بن کے آیا تھا وہ قاتل ہو گیا

صیاد قفس میں نہیں ہم آپ سے آئے
کچھ پانی تھا تقدیر سے کچھ دانہ ہمارا

دورافتادہ یارانِ گلستانِ وطن
بھیجو پیغام یہ اے بادِ صبا دیتے ہیں

ہمصفیروں سے یہ کہنا کہ گرفتارِ قفس
یاد کرتے ہیں تمہیں اور دعا دیتے ہیں

تم ہمیں بھول گئے یہ تو نہ تھی شرطِ وفا
دیکھنا تو کہ جواب اسکا وہ کیا دیتے ہیں

بیمار ہوں میں نرگسِ بیمارِ یار کا
بیمار سے مریض کو حاجت دوا کی ہے

بیدل لالہ گنگل سین۔ جھنجھیانہ ضلع مظفر نگر کے رہنے والے اور آجکل علیگڈھ میں رہتے ہیں مولانا شوکت سے فن سخن میں استفادہ کیا ہے۔ ۳۵ برس کی عمر اور یہ نتائج افکار کا خلاصہ ہے۔

اے خوشا جلوۂ نیرنگیِ سبزانِ چمن
اے خوشا شیوۂ بدمستیِ مستانِ بہار

صبح پرواز نسیمِ سحری بیچ میں ہے
گل و بلبل ہیں نئے رنگ سے مہمانِ بہار

ساغر و لالہ و گل بہتے ہوئے پھرتے ہیں
آگیا بھر کے ناب میں طوفانِ بہار

آؤ اور آ کے مسیحائیِ قدرت دیکھو
آگئی قالبِ نظارہ میں پھر جانِ بہار

رنگ کے پردے میں اب بکتی ہے صہبائے رنگ
کھولدی جلوۂ بدمستیِ دکانِ بہار

کیمیائے صنم سے دوئی دو بدو ہو تو
تو ہو بسا ہوا تو تری آرزو ہو تو

کہتی ہیں رشکِ حسن سے دل کی صفائیاں
اے کاش آئینہ بھی ترے روبرو ہو تو

ابرِ بہار ہو ترے رخِ گل ہزار بار
تیری سی آب و تاب ہو رنگ و بو ہو تو

پھیکی ہے روشنی مرے شمعِ مزار کی
وہ شعلۂ رنگ گرمیِ بزمِ عدو ہو تو

بیدل کا خوں اگر ہو اتیغِ ناز سے
پھر یہ شہید روزِ جزا سرخرو ہو تو

جگر ٹکڑے ہوا تیرے بیاں سے
خبر لایا ہے اے قاصد کہاں سے

مرنے آتے ہیں انکو امتحاں سے | نیا دل لاؤں میں ہر دم کہاں سے
دعائے مرگ سے بھی ہاتھ اٹھایا | کہ آخر کام ہے اک بدگمانی سے

بیدم — مولوی غلام جیلانی۔ ایک قدیم تذکرہ میں انکا بہت سا کلام نظر سے گذرا مگر حالات مطلق معلوم نہ ہوئی۔ زبان بہت صاف۔ شیریں اور طرز بیان بے تکلف اور صاف ہے۔ اور نزاکت معنی کے پہلو بھی جا بجا اپنی جھلک دکھاتے ہیں۔ آپنے شاہ عالم ثانی کے عہد میں نشو و نما پائی تھی۔ مگر افسوس ہے کہ کمال نے جلا نہ پائی اور قبول عام کے دربار سے محروم رہے۔ معاملہ بندی بھی اچھی ہے اور اُس زمانے کے لحاظ سے نشست قافیہ و بندش الفاظ بھی قابل تعریف۔ کلام بہم رسیدہ کا انتخاب ملاحظہ ہو۔

بیدم

خیال ماہ منی جسنے دل سے دور کیا | خدا کے نور نے اُس دل میں آ ظہور کیا
سلوک سنگدلوں کا نہ پوچھ اے ہمدم | مرا یہ شیشۂ دل لے کے چور چور کیا

جس ادا سے ہے اُس جواں کی ادا | کون رکھتا ہے ایسی بانکی ادا
کہئے کیا اپنے بے ادب کی ادا | گرد ہے جسکے آگے سب کی ادا
کج نگاہی سے دیکھنا اُسکا | ہائے رے شوخ پر غضب کی ادا
زخم کرتی ہے دل پہ جیوں شمشیر | مسکرانے میں اُسکے لب کی ادا

گیا ہے گھوڑ کیدو خیر کرتا اُو مرے وہ شہسوار میرا | ہوا کیوں نہ آنکھو میں دوستو نکی ہر یک سر رہ غبار میرا
تھی شہر سے سخت مجکو الفت رہا نہ مجنوں صفت میں ہمیں | پھپھولے پڑتے تھے پاؤں کھینچے تھا گرچہ دامان خار میرا
میں خاک غربت میں رُل گیا ہوں ہر یک سگ رہ ہوں بیدم | کسیکی آنکھو نکے شوق میں آہ جیسے چھوٹا دیار میرا
کس کی تو جستجو میں آہ پھرتا ہی بیدم ابر ساں | نعرہ زناں و گریہ ناک خاک بسر برہنہ پا
اُس چشم سرمہ سا نے جی سے جہانے مارا | ہندوستاں سے لیکر تا اصفہان مارا
سمجھے جو کوئی محرم اسرار غیب ہو | تیرے دہان تنگ کی ہمنے نہ پائی بات
عالم نے دیکھ سوز دل اور چشم تر مری | سو سو طرح کی اُس سے لگائی بجھائی بات

سنگِ گراں کسی نے اُٹھایا تو کیا ہوا
زور آور اُسکا نام ہے جتنے اُٹھائی بات

رہتے ہیں شور کناں نالہ و افغاں باہم
جیوں سبق پڑھتے ہیں اطفالِ دبستاں باہم

بہتی ہے زور شور سے اپنی مدام چشم
اک بحر ہے عظیم کہ جس کا ہے نام چشم

کس گل کی اس چمن میں ہے دیکھی بہار چشم
جوں شبنم اب جو روتی ہے تو بار بار چشم

خوباں ہمیں بھی آن کے دیکھا کرو کبھی
پر آب ہم بھی رکھتے ہیں آئینہ وار چشم

بیدم میں آج ہند میں ہوں فخرِ شاعراں
طاقت ہے کس کی ہو دے جو اسبد مجھسے چل چشم

ہیں ظالم اتنی اُس کافر بے پیر کی آنکھیں
کہ جسکو دیکھ پتھر اگئیں جوان و پیر کی آنکھیں

تری ابرو کو گر میں دیکھکر رؤں عجب مت کر
کہ اکثر دیکھتی ہے خلق ماہِ نو کو پانی میں

سواد چشم ہوا یوں بیاض رونے سے
سپید ہوتی ہے جیسے کتاب دریا میں

یہ کس کے لشکرِ سیلاب اشک کی خاطر
خیم حباب ہیں موجیں طناب دریا میں

ہے شیخ خامۂ بیدم غزل کے بحر میں یوں
کہ جیسے برسے اُٹھ کر سحاب دریا میں

اودے اے شعلہ خو کیا شب ترا ملنا میسر ہو
برنگ شمع تیری بزم میں جو خاک آکر ہو

گر چڑھے ناز کے تو سن پہ کمر باندھ کے تو
لا دے فتراک سے اک خلق کا سر باندھ کے تو

قید اس دل کو کیا ہے کمرِ نازک نے
ہے بجا مجھکو رکھے موئے اگر باندھ کے تو

اے وفی کھب لکے کیسہ تو اُڑا اُل کی طرح
مت رکھے غنچہ صفا گانٹھ میں زر باندھ کے تو

دل میں رہجائے نہ تا حسرتِ دیدار کہیں
قتل مت کیجو مرے دیدۂ تر باندھ کے تو

آبرو سے ہے دلا قیمت و قدرِ عالم
یہ سخن گانٹھ میں رکھ مثل گہر باندھ کے تو

ایک شب بخت سے پائی تھی ملاقات کی راہ
پھر کسی دن ملے اللہ اُسی رات کی راہ

شیخ کل وا نے تو بیدم کو تو لایا تھا اُٹھا
آج اُس رند نے پھر لی ہے خرابات کی راہ

خاک سے جیوں نقشِ پا ہو کیوں نہ مایوسی مجھے
خوش لگی ہے خوبرویوں کی قد و بسی مجھے

جس سنگدل پہ اپنی یہاں اندوں نظر ہے
تصویر اُسکی دلپر اُب نقشِ کالحجر ہے

کب منفعت کسیکو خوش قامتوں نے پہنچے
گلشن میں سرو کیا دیکھو تو نے تم رہے

گلستاں ترک کر اے باغباں ہم نہیں جائینگے
تمہارا جیسے جی چاہے کرو جور و جفا بیٹھے

یہ طفلِ سرشک اپنا اُستاد ہے
محیط اسکو یا رو رواں یاد ہے

خیال زلف و خ میں نت مری اوقات کٹتی ہے
اسی میں دن گذرتا ہے اسی میں رات کٹتی ہے

جفا تو نے وفا اور دہ پہ یکبیار ایسی کی
کرے اب تک سنی ہے نے کسینے یار ایسی کی

جفا کر کر وفا کیا چاہتا ہے بے نیاز و نے
جو تو نے ہمسے وسی کی تو ہمنے یار ایسی کی

خط ترا غیرتِ ناموس نظر آتا ہے
مالکِ زنگ و شہِ روس نظر آتا ہے

اب دیکھ ترے عقیقِ لب کو
انگاروں پہ لعل لوٹتا ہے

نشاں کچھ اور بنایا چمن میں بلبل کا
پڑے تھے مشتِ پر اک جا پہ آشیاں کر تلے

ہوں شاہِ کشورِ دیوانگی کہ ہے اپنی
ہزار فوجِ غم اس آہ کے نشاں کے تلے

بلند مرتبہ عرش آشیاں ملا ہے انھیں
مکان حضرتِ بیدم ہے لامکاں کر تلے

کیا کہیئے کہ عشق سے اپنا بدن جلے
کیونکر کوئی بجھائے جو آتش سے بن جلے

جب آیا کھینچکر مجھپر وہ تیغِ ابرواں اپنی
گئے صبر و قرار آگے چلی پیچھے سے جان اپنی

ٹالتا ہے وصل کے وعدو پہ وہ برسوں مجھے
روز بتلاتا ہے ظالم آج کل پرسوں مجھے

رکھیں کب داغ سے اپنا دلِ پُر درد ہم خالی
جہاں سمجھے ہی کھوٹا ہو جو سکہ سے درم خالی

یہ بختی سخن سنجو نکو لازم ہے سمجھ دیکھو
نہیں چلتا ہے جب ہو ویسا ہی سر قلم خالی

پوچھ اے ہمنشیں باعث تو بیدم کے نہ ملنے کا
نہیں رہتا ہے وہ آہ و فغاں سے ایکدم خالی

بسکہ دل میرا وصالِ یار سے مایوس ہے
جو سخن ہے لب پہ یہاں سو حسرت و افسوس ہے

ہائے کیا کیجے کہ مائل ہے یہ دل تیری طرف
اور خاطر آپ کی اغیار سے مانوس ہے

گرچہ اب ہو رنگ سی مثلِ حناؤں کیجئے
کس کو دنیا میں ہے یاں تر پا بوس ہے

بزم میں اُس شمع رو کی یار بیدم کب ملے
سر پر اپنے سایہ افگن طالعِ منحوس ہے

ہے وبالِ سرِ کمال اپنا کہ ہم اس باغ میں
زیرِ جورِ سنگِ تمثالِ صنوبر دیکھا کئے

کب نظر میں اُنکی آوے جلوۂ گل عندلیب
جو مدام آنکھوں نے یاں لختِ جگر دیکھا کئے

کچھ نہ ہمسے سادہ لوحوں نے ہوا جوں آئینہ
غیر کی بیدم مگر عیب و ہنر دیکھا کئے

کوچے کی راہ تیری اے شوخ کم چلی ہے
شمشیر ہی وہاں پر اک دم بدم چلی ہے

سیمیں تنوں کی شہرت ہے نامِ عشق سے یہاں
نے سکہ کبھی جہان میں کوئی درم چلی ہے

بیمارِ چشم کو تو آ دیکھ اپنے ورنہ
مثلِ حباب ورنہ چھاتی میں دم چلے ہے

مانندِ خامہ بیدم ہوں کیا سیاہ بخت آہ
زنجیر پا میں میرے میرا ہنر ہوا ہے

اشک میں کھتا ہے ڈوبا چرخِ دولابی مجھے
مردمک آسا کیا ہے مردم آبی مجھے

گرم دیکھا ہے سمندِ ناز کو کس شوخ کے
برق کی مانند رہتی ہے جو بیتابی مجھے

ہوں مریضِ عشق دیجو اے طبیبِ حسن تو
جائے شربت بوسۂ لبہائے عنابی مجھے

بیرنگ - دلاور خان دہلوی شعرائے قدیم میں مرد سپاہی پیشہ اور مصطفےٰ خاں یکرنگ سے مستفیض تھے طبع سلیم و ذہن مستقیم رکھتے تھے۔ احمد شاہ بادشاہ کے زمانے میں نشو و نما پائی تھی۔ یہ انکا کلام ہے۔

خط مرا اُس نگار نے نہ پڑھا
کیا لکھا تھا کہ یار نے نہ پڑھا

میں تو لکھتا تھا اُسکو خط بیرنگ
اُس تغافل شعار نے نہ پڑھا

نہیں مطلب مجھے کچھ باغباں اور
دوانا ہوں میں گل کی رنگ و بو کا

سدا بیدار رہ غفلت سے ہوتر ہش
مثل مشہور ہے سویا سو چُکو کا

دلکو تجھ عشق سیں قرار نہیں
اب تلک تجکو اعتبار نہیں

مفلس کی جب بری ہے اے سیم بدن تجکو
افشاں سے تر اما تھا رہتا ہے زر آلودہ

فرہاد کو محنت کی تلخی نہ کبھی ہوتی
شیریں کا جو اک بوسہ ملتا شکر آلودہ

بیصبر - لالہ بالمکند بے صبر متوطن سکندر آباد ضلع بلند شہر خلف لالہ کالکی مل کائستھ

بھٹناگر و شاگرد مرزا غالب و منشی ہرگوپال تفتہ - پندرہ برس کے سن سے شعر گوئی کا شوق ہوا - فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں صاحبِ دیوان تھے - ایک مثنوی بھی لکھی تھی ۱۸۵۷ء میں سترہ برس کی عمر سے سینتیس برس تک مناصب دارو غگی و منشی گری پر سرکار انگریزی میں مامور رہے مدت تک دہلی میں رہنے کا اتفاق ہوا جب تک مرزا زندہ رہے ہمیشہ دوسرے تیسرے مہینے آتے رہتے تھے ۱۳۰۳ھ میں ستر برس کا سن تھا - مشاق اور موزوں طبع شاعر تھے - یہ انکا کلام ہے -

بے ہوئے میرے نہ آیا تو موا ہیموت میں	تجھکو آساں مشکل اور مشکل مجھے آساں ہوا
گھر ہوا ویران جب اپنا گھر ہوا ویرانہ میں	میں رہا صحرا میں صحرا میرے گھر مہماں ہوا
تنگ ہوں یہ اپنی وحشت سے کہ صبح سے مری	تنگ یہانتک آگیا صحرا کہ حوض زنداں ہوا
شعر سنکر جس کو دیوانہ کہا کرتے تھے آپ	اب وہی بیصبر دیکھو صاحبِ دیواں ہوا
مدعا گر ہے تو یہ ہے عاشقِ دلگیر کا	اشک میں ہونا اثر کا آہ میں تاثیر کا
بیخودانِ عشق کو کیا حاجتِ ترکِ لباس	تن سے پیراہن جدا ہوتا نہیں تصویر کا
عیاں جب اپنا فروغِ کمال تو نے کیا	تمام کر دیا مہ کو کمال تو نے کیا
خودی کی دور جب علت ہوئی خود بیگمی باقی	جسے ہم ڈھونڈھتے تھے ہو گئے گم جب سمجھا یا
دل اپنا قابو لے زلفِ دوتا میں ڈالدیا	الٰہی تو نے مجھے کس بلا میں ڈالدیا
صبا نے کیا یہ خطا کی کہ زلف اسکی ہلا	ختن میں زلزلہ لرزہ خطا میں ڈالدیا
سمجھے کیا اُسکا گلہ کیا تیرا احساں مجھپر	غیر پر تیر چلایا تھا ہمارے آن لگا
کچھ میں کہتا ہوں تو کہتے ہیں کہ کیا چاہتے ہو	چپکے بیٹھے نہیں رہتے ہو اُٹھا چاہتے ہو
رخصت وہ ہوا اشک ہمارے نکل آئے	خورشید کے چھپتے ہی ستارے نکل آئے
بوٹا سا قد چھریرا بدن چمپئی سا رنگ	بھولی سی صورت آنکھ لجائی ہوئی سی ہے

بیتکر - منشی ہرپرشاد بیتکر لکھنوی - آجکل کے نومشق کہنے والوں میں ہیں

یہ کلام ہے ؎

زندگی میں جب شریکِ دردِ دل کوئی نہیں	بعد مُردن کون ہوگا نوحہ خوانِ اہلِ درد
دھواں جو آہ کا میری بلند ہوتا ہے	فلک پہ سب اُسے کالی گھٹا سمجھتے ہیں
خدا نے جنکو عطا کی ہے عقل و دانائی	بتوں کو دل کہیں بے آزمائے دیتے ہیں
ایسا استغنا انہیں اپنی مسیحائی کا ہے	دیکھکر بیمار کو کہتے ہیں مرجائے بھی وہ
اِس زمانہ میں وہ خوش ہے جو مروت نکرے	رات دن رنج اُٹھاتے ہیں مروت والے

بیقرار

بیقرار ۔ میر کاظم حسین بیقرار ہمشیرزادہ نواب سید رضا خاں مختار شاہ عالم ثانی۔ شاہ نصیر کے شاگرد اور اُستاد ذوق کے ہم مشق تھے۔ دیوان ذوق مرتبہ مولانا آزاد میں آپ کا مفصل حال درج ہے۔ بڑے موزوں طبع اور ذہین نوجوان تھے مگر افسوس کہ باوجود تلاش صرف یہی دو شعر ملے۔

جس طرف پھر نارِ یار رو وہ رشکِ آفتاب	جوں دلِ خورشید دل اپنا مقابل رہگیا
رخ سے گر زلفیں اُٹھیں تو چھوڑ دی اُسنے نقاب	اِک نہ اِک پردہ ہمارے اُسکے حائل رہگیا

بیکل

بیکل سید عبدالوہاب۔ دولت آباد دکن کے باشندے اور سید مرتضیٰ خاں قلعہ دار دولت آباد کے عزیز تھے۔ سید عبدالولی عزلت سے اصلاح لیتے تھے۔ فارسی میں افتخار اور ریختہ میں بیکل تخلص کرتے تھے۔ مکرمی منشی سید علی اصغر صاحب کی بیاض میں انکا کلام نظر سے گذرا اُسکا انتخاب درج ذیل ہے۔

کوہ بھی ہنگامِ بارش میں عروسِ وقت ہے	سر پر اُسکے سہرا مروارید کا ہے آبشار
عشق میں بھی تابتی ہے مجھ دلِ بیتاب کو	برقِ رفتار آتش پہ دیکھا بس اسی سیماب کو
تری آنکھوں کی کیفیت نے کھویا ہوش عالم کا	دوانوں کو کہے کیا کوئی سنوالے ہیں سنوالے
آج دل پھر تڑپ میں آیا ہے	کس پری کی جھپٹ میں آیا ہے

بیمار

بیمار ۔ شیخ علی بخش بیمار ولد شیخ غلام علی ساکن شہر بانس بریلی۔ شاگرد رشید بیا

مصحفی و احمد خاں غفلت ۔ فارسی عربی میں استعداد کامل رکھتے تھے طبیعت مضمون خیز اور زبان نہایت صاف و شیریں پائی تھی ۔ نواب محمد سعید خاں والی رامپور کی فرمائش سے بوستانِ خیال کے کچھ حصّوں کا اُردو نظم میں ترجمہ کیا تھا کئی دیوان بھی مرتب کئے تھے مگر سب کے سب پریشان ہو گئے ۲۴ ربیع الاوّل ۱۲۷۱ھ میں ستّر ستّھ برس کی عمر میں انتقال فرمایا رامپور مراد آباد میں ان کے شاگرد بکثرت تھے جنمیں منشی انوار حسین تسلیم سہسوانی نے درجۂ امتیاز پایا ۔ سوز و درد کے مضامین بالخصوص نہایت موثر و دلکش پیرایہ میں نظم کیا کرتے تھے ۔

کوں پرساں ہے حالِ سنبل کا
خلق مُنہ دیکھتی ہے قاتل کا

لبِ جو کون سیر کو آیا
موج مُنہ چومتی ہے ساحل کا

سانس آہستہ لیجئے بیمار
ٹوٹ جائے نہ آبلہ دل کا

نہ بنا تا جو دن جدائی کا
کیا بگڑتا تری خدائی کا

شک ہمیں اپنے صنم کی نے نیازی میں نہیں
دل کے لینے کا خدا جانے سبب کیا ہو گیا

ہائے رے شوخی کہ آپہونچا جو وہ گھر تک مرے
پھر گیا دربان سے یہ کہکر کہ دُھو کا ہو گیا

جس کسی سے دل دیا آنکھ چھپے چوری دیا
ایک میں کم بخت ناداں تھا کہ رسوا ہو گیا

دل چاک چاک ابروے خمدار نے کیا
کعبہ کو کربلا ترے تلوار نے کیا

بیمار لے چکے ہیں ابھی تو وہ امتحان
کمبخت پھر وفا کا تجھے حوصلہ ہوا

مسجد میں پی شراب پڑھی دیر میں نماز
بیمار کو شعور کسی بات کا نہیں

موت سے بھاگنے لگے بیمار
کیا اُسے تم شکستہ پا سمجھے

اور مطلب آہِ سوزاں سے نہیں
خاک ہونے کی تمنا ہے مجھے

بیمار کو غفلت سے بہت خیر نہ آج
ہر چند کہ تھی حالتِ غش کل مگر ایسی

ہر روز وہ پھر جاتے ہیں در تک مرے آکر
کچھ جذبِ محبت کو لگی ہے نظر ایسی

کمندِ عشق میں جس پر کیا اسیر مجھے
عدم میں کیا وہ خدایا ہوئی خطا مجھ سے

گیا نہ بزمِ بتاں میں نہ آپ میں آیا
کہیں نہوں گے زمانے میں نارسا مجھ سے

کیا سفر کا ارادہ جو بزمِ جاناں سے
کوئی گلے نہ ملا موت کے سوا مجھ سے

کہیں سُنی ہیں یہ نازک مزاجیاں بیمار
کہ اُٹھ سکی نہ حسینوں کی التجا مجھ سے

جنت میں حیاتِ ابدی خاک ملے گی
دنیا میں تو مانگی نہ ملی موت خدا سے

اَب اور آرزو نہ رہی اے خدا مجھے
کیا ور دل دبا کہ سبھی کچھ دیا مجھے

یا تو دُنیا سے الٰہی دلِ شیدا اوٹھ جائے
وصلِ معشوق کی یاد دل سے تمنا اُٹھ جائے

نہ رہنے دے گی وحشت تکدے میں
اُٹھو بیمار جو مرضی خدا کی

حالِ دلِ بیمار نہیں ضبط کے قابل
لیکن وہ زباں مجھکو ہلانے نہیں دیتے

بیمار

بیمار۔ حکیم محمد مراد علی بیمار خلف مولوی سید کرم علی عرف میاں کریم جی زمیندار موضع دولت پورہ معروف رائے سنگھ پورہ پرگنہ ٹونک علاقہ بیکانیر مطبع راجستان کے مالک راجپوتانہ گزٹ اجمیر کے ایڈیٹر تھے اِن کے بزرگ حضرت پیران پیر کی اولاد امجاد اور خاندان سیادت قصبۂ شاہ ڈھوڑہ واقع پنجاب سے ہیں انکے دادا سید احسان علی صاحب کو مہاراجہ صورت سنگھ مرحوم سابق والیِ بیکانیر نے بعوض معالجہ مہارانی صاحبہ جاگیر عنایت کی تھی۔ چنانچہ اُسی زمانہ سے علاقہ بیکانیر میں بود و باش رہی پیری مریدی اور جاگیر پر معاش ہے۔ سولہ برس کی عمر میں نواب محمد قطب الدین خان دہلوی کی خدمت میں حاضر ہو کر تین برس تک علم عربی و فارسی حاصل کیا انہیں دنوں مرزا غالب دہلوی مرحوم کی خدمت میں بھی کچھ دن حاضر رہے پھر سیاحی کا خیال آیا تو کشمیر کا شغر۔ جبش تک دیکھ آئے ہندوستان واپس آکر چند سال محکمہ پولیس میں سررشتہ دار و انسپکٹر رہے اب عرصے سے شعر کہنا چھوڑ دیا ہے۔ جنگ نامہ روم و روس۔ مسائل خمسہ وغیرہ انکی تصنیف سے ہیں طبیعت حاضر جواب ہے۔ اور زود نویس بھی ہیں۔

اکثر اودھ پنچ و دہلی پنچ وغیرہ میں آپکے مضمون شائع ہوئے ہیں بروقت ترتیب تذکرہ چند غزلیں ملاحظہ ہوئیں ان میں سے چند شعر انتخاباً لکھتے جاتے ہیں۔

چڑھ گئے رندوں کے ڈھب پر آج حضرت شیخ جی
کھل گیا پٹھا میاں کے زہد نے بنیا دکا

عاشق زار کو ہرگز نہ ستا ظالم
خوف کچھ بھی جو تجھے ہائے خدا کا ہوتا

ہم مر گئے پر بھی خطا وار ہی ٹھیرے
اندھیر یہ ہمنے تیری سرکار میں دیکھا

اس ہستی موہوم پہ نازاں نہ واں
اک دم کا بھروسا نہیں بیمار یہاں کا

نام والوں کے مٹائے ہیں سب نام و نشاں
اے فلک بیمہر تجھکو حاصل کیا ہوا

بیمار بیمار۔ حکیم جعفر علی خلف حکیم سکندر علی مرحوم متوطن ضلع میرٹھ علم عروض کی تحصیل مولانا محمد حسین آزاد دہلوی سے کی تھی علوم مشرقی سے اچھی طرح ماہر ہیں تاریخ گوئی کا شوق زیادہ ہے ۱۳۰۳ھ میں ۳۰ سال کی عمر تھی اور مہاراجہ کپورتھلہ کے ہاں بزمرۂ اطبا ملازم تھے یہ انکے اشعار ہیں۔

صیاد کی آنکھوں سے بھی آنسو نکل آئے
کل دیکھا تڑپنا جو تہ دام ہمارا

دامن کو میرے خون سے قاتل بچائیو
کہتے ہیں چھوٹتا نہیں دھبا لگا ہوا

اک زمانہ تھا کہ پابند تعلق میں بھی تھا
اب تو میں آزاد ہوں شاگرد ہوں آزاد کا

بینوا بینوا۔ مقبول شاہ نام۔ عنفوان شباب میں ظاہری تعلقات دنیاوی ترک کر کے مولوی محمد رفیع الدین کے مرید ہو گئے۔ علاوہ عاشقانہ شاعری کے مرثیہ گوئی کا بھی شوق تھا۔ اور اس فن میں حافظ محمد حفیظ المتخلص بہ حفیظ سے اصلاح لیا کرتے تھے واقفیت فن شاعری میر عزت اللہ عشق سے حاصل کی تھی۔ میر و سودا کے ہمعصر اور ۱۲۱۷ھ تک زندہ دہلی میں موجود تھے یہ کلام ان کا ہے۔

پڑے وہ ست جنوں کر ہاتھ ہم جسدن سے اے ہمدم
گریباں ٹکڑے ٹکڑے دھجیاں دامان کترے ہیں

نہ رتبہ ہمنے یا عشق میں اس شاہ خوباں کے
بندے ہیں سر بسیلے اور فقیری شان رکھتے ہیں

کہیں اُس زلف کی لٹ کھلگئی ہے		چلی آتی ہے بو مشکِ ختن کی
شہید تیغ ابروئے بتاں ہوں		مجھے حاجت نہیں تیغ و کفن کی
جبکہ مضمونِ کمر پیش نظر آتا ہے		بسکہ نازک ہے مجھے باندھتے ڈر آتا ہے

بینوا

بے نوا - انکا اصلی نام تحقیق نہیں ہوا - فرووس آرام گاہ محمد شاہ کے زمانے میں ہولی کے موقعہ پر کچھ لڑائی دنگا ہوا اور ایک جنت فروش مسکین جوہری کے ہاتھ سے مارا گیا - اسپر شہر کے جنت فروشوں نے بلوہ کر دیا اور جامع مسجد میں ہجوم کر کے امام کو خطبہ پڑھنے سے روکدیا - نواب ظفر خاں روشن الدولہ ملقب بہ طرہ باز خاں نے اُس جوہری کو اپنے مکان میں پناہ دی اور نواب وزیر الممالک قمر الدین خاں اعتماد الدولہ جنت فروشوں کے حامی و مددگار بنے آخر ان دونوں امرائے ذی اقتدار کے مابین سخت ہنگامہ ہوا اور جیسیوں آدمی طرفین سے کام آئے - نواب ظفر خاں کے اُس فتنہ و فساد میں کسی جوتے والے نے جوتا مارا - چنانچہ شاعر کہتا ہے ؎

آنچہ بر فرقِ ظفر خاں از خدا افتادہ است		من چہ گویم معنی آن پیش پا افتادہ است

حضرت بینوا نے اس سمر کی کیفیت ایک مخمس میں رقم کر ڈالی جو مدتوں تک عوام کے زبانتر رہی - اُسکا ایک بند نقل کیا جاتا ہے -

یہ کیا ستم ہے اے فلک ہرزہ نا بکار		مریخ بھر کے تیز کیا ہے خنجر کی دھار؟
جوتی فروش مرد مسلمان دیندار		مردود جوہری نے لیا ہے ستم سے مار
سنگِ جفا سے چور کیا لعلِ آبدار		
کتنوں کو مار جیسے قضا نے گرا دیا		کتنوں کا جی بچا کے بہت ہڑبڑا دیا
کاغذ پہ بینوا نے یہ سنکر چڑھا دیا		لکھتا ہے مار جوتیوں طرہ اڑا دیا
تا حشر ہر زبان پہ رہے گا یہ یادگار		

بیہوش

بیہوش - ایک قدیم سخنور کا تخلص ہے جنکا نام معلوم نہو سکا - قلمی مسودات

محررہ ۱۲۶۸ھ میں ان کی چند غزلیں ملیں اونمیں سے چند شعر منتخب ہوکر درج ہوئے شاہ حاتم اور میرزا رفیع السودا کے ہم عصر تھے۔

رواں گھر اپنے سے جسدم وہ کافر شوخ چنچل ہو
تو پھر اوسدم ہی جا ہو قیامت ہو اور اجل ہو

زری کی اوڑھنی سر پر سراپا اور جھلا جھل ہو
جھلک سے شمس تاباں کی جھلک کچھ سکی نفضل ہو

گندھی ہو مانگ میں موتی کھنچے ہوں بال نگہی سے
جڑی مسی ہو دانتوں میں لگا آنکھوں میں کاجل ہو

شکر آلودہ لب ہو دیں دہن ہو میم کی صورت
صراحی کیسی گردن ہو شکم مانند مخمل ہو

جب اس سیج و جیح سیمیں ٹھنکر دکھاوے وہ غضب عالم
تو ممکن کیا کہ جو دیکھے سو وہ اسپر نہ بیکل ہو

عجائب شعر یہ مضموں کہا بیہوش جو تو نے
غزل اک اور لکھ اسپر کہ اس سے بھی مسلسل ہو

بیہوش - لالہ گردیال صاحب وکیل عدالت لکھنو ۱۸۸۰ء تک حیات تھے۔ زیادہ حال معلوم نہیں۔ بیہوش

دیتے ہیں بے تصور جو یوں گالیاں مجھے
سمجھے ہوئے ہیں آپ مگر بیزباں مجھے

اک دار اور جس میں کہ قصہ ہو مختصر
قاتل پچھوڑ بھر خدا نیم جاں مجھے

ہر چند کی ہے دیر و حرم میں بہت تلاش
ملتا نہیں ہے یار کے گھر کا نشاں مجھے

بیہوش حد سے بادہ پرستی گذر گئی
ہر دم یہ طعنے دیتے ہیں پیر و جواں مجھے

تبالخ تمہ تلیر

صحت نامۂ تذکرۂ ہزار داستان معروف بہ خمخانۂ جاوید

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۴	۳	بسطیح میں	۱۴	۳۶	نوک جھوک	نوک جھونک
۲	۱۰	۷	ڈیوڑی	۱۸	۳۸	یہ	یہ
۳	۱۵	۱۰	گفتشت میں	۱۹	-	دیار	یار
۴	۱۲	۷	سیہ باغ	۲۰	۴۰	ساقی کا	ساقی کی
۵	۱۰	۴	دانوں شہر	۲۱	-	سخن	سخن سنج
۶	~	۲۰	مس	۲۲	-	سنو	سنبو
۷	۲۳	۲	بوچہار	۲۳	۵۰	خود مقصورات	خود مقصودات
۸	۲۶	۸	ضعین	۲۴	-	جمعہ	یہی جمعہ
۹	-	۱۶	سجۃ الم جان	۲۵	۵۲	بادشاہ	اور بادشاہ
۱۰	-	۲۰	ماثر الکلام	۲۶	۵۳	-	—
۱۱			فی تاریخ بلگرام	۲۷	۵۴	تاریخ بلگرام	خوش طبع
۱۲	۲۷	۸	توہے	۲۸	۵۵	ہے	تناخر
۱۳	-	۱۵	روبر	۲۹	۵۶	رُوبرو	روتا
۱۴	۳۱	۱۲	سلوک ہوتے ہے	۳۰	~	سلوک کرتے	کی نقاب
۱۵	۳۳	۶	یادگا	۳۱	۵۸	یادگار	دہلو
۱۶	~	۱۵	ظہورا	۳۲	۶۷	ظہور	مراۃ الاصطلاحات

آخر پر حاشیہ

دہلوی پر حاشیہ

مراۃ اصطلاحات

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۳	۷۰	۱۵	کھُلنا	کھِلنا	۵۳	۱۳۵	۱۱	نکمت	نگہت
۳۴	۷۱	۳	نیو	بتو	۵۴	۱۳۶	۱۳	آبسے	آسہے
۳۵	۸۰	۱۳	کسری	کہتری	۵۵	۱۴۰	۴	زلف	زلف و
۳۶	۸۴	۱۳	پر	پہ	۵۶	۱۴۱	۵	سن وہ	سن کے وہ
۳۷	″	۱۴	مکیدے	بت کدے	۵۷	۱۴۳	۱۳	مری	میری
۳۸	۸۴	نوٹ	چو	جو	۵۸	۱۴۵	۶	اٹھاہے	اٹھالیئے
۳۹	۸۶	۱۳	کہیو	کیجیو	۵۹	۱۴۷	۹	سوائے	رسوائے
۴۰	۸۹	۲	اصرالدولہ	ناصرالدولہ	۶۰	۱۵۳	۴	ناز	ناز
۴۱	″	۷	وہاںسالیو	وہاںسالیو	۶۱	۱۶۳	۷	کا	گا
۴۲	۹۱	۱۹	رئیس	بادشاہ	۶۲	۱۶۵	۱۴	سو	ہو
۴۳	۹۳	۳	سینے	سُنے	۶۳	۱۶۹	۱۷	د	دوجگر
۴۴	″	۱۱	کو	کی	۶۴	۱۷۷	۵	لاہور	لاہور
۴۵	۹۵	۱۱	چھوٹے	جھوٹے	۶۵	″	۱۸	کو	لو
۴۶	۹۶	۷	مکہتے ہیں	کہنے میں	۶۶	۱۷۸	۷	پھیرلے	پھیرسکے
۴۷	۱۱۰	۳	کی د	کی×	۶۷	۱۹۱	۶	نوجوان	نوجوانی میں
۴۸	۱۱۴	۲	غین	میں	۶۸	۱۹۲	۲	ملاکر	جلاکر
						۱۹۳	۱۱	ہاں	ہا
۴۹	۱۲۰	۱۰	کوکیا	کیا	۶۹	۱۹۵	۱۱	سیزا	سبزا
۵۰	″	۱۰	ہیں	ہے	۷۰	۱۹۹	۵	جرُت	جرأت
	۱۲۰	۱۹	فعیلن	فعیلن					
۵۱	۱۲۴	۱۱	ساعی	مساعی	۷۱	″	۱۳	لکے	لگے
۵۲	۱۲۸	۱۰	توتعجبات	تعجبات	۷۲	۲۰۱	۸	لے	کے

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۷۳	۲۰۵	۷	لاڈ بالا	لاڈلا	۹۴	۲۶۳	۱۳	شعری تھے	کی کہتے
۷۴	۲۰۰	۷	انتزاع	انتزاع	۹۵	۲۶۴	۱۲	شاداں	شاداں
۷۵	۷	۴	چاہیے	جائے	۹۶	۲۶۵	۱۱	لئے تھے	لئے گئے تھے
۷۶	۲۱۰	۱۰	پچھل	اچھل	۹۷	"	۲۱	رہ	رہے
۷۷	۳۱۶	۴	چلا ہے	جائے	۹۸	۲۶۶	۱۵	۔ لیا	پڑھا
۷۹	۲۱۱	۱۶	گئی	کئی	۹۹	۲۶۷	۲۱	ہوا	ہو
۸۰	۲۲۴	۷	بیچ	بیچ	۱۰۰	۲۷۲	۵	۔صورت	سورت
۸۱	۲۲۶	۳	ہوتی ہوتی	ہوتی	۱۰۱	۲۷۴	۱۴	۔سے دور	دور
۸۲	۲۳۱	۹	اب	تم اب	۱۰۳	۲۸۰	۱	پھر	پر
						۲۹۰	۸	۔ے	مزے
۸۳	۲۳۳	۱۹	اور میدان	اور یہ میدان	۱۰۳	۲۹۱	۹	دو	دو
۸۴	۲۳۶	۱۰	رلاتا ہے	رلاتے ہیں	۱۰۴	۲۹۲	۱۶	دو	دو
						۲۹۳	۳	دُکھا دُکھا	دُکھا دُکھا
۸۵	۲۳۸	۱۵	کو	لو	۱۰۵	۲۹۶	۱۳	تن تن کے کہنا	تن تن کے کہنا
۸۶	۲۴۱	۳	تڑپ کو	تڑپ کر	۱۰۶	۲۹۷	۷	من مضاف	من مضافات
۸۸	۲۴۳	۱۰	یہی ہے	یہی	۱۰۷	"	۱۰	موٹی	موسے
						۲۹۸	۱۸	بنسری	بنسی
۸۹	۲۵۰	۱۴	آتے	اتے	۱۰۸	۲۹۹	۲	نواح کے	نواح لکھنؤ کے
۸۹	۲۵۰	۲۰	معبو	جو	۱۰۹	"	۶	طسیح	طبع کی
	۲۵۹	۱۳	لب با-	لب یار					
۹۰	۲۵۹	۱۵	انلیں	آنکھیں	۱۱۰	۳۰۱	۷	دنیا	دنیا
۹۱	"	۲۰	تیری	میری	۱۱۱	۳۰۲	۶	یادہ	یادہ
۹۲	۲۶۲	۱	—	ارشاد جاشیہ	۱۱۲	"	۱۷	کوکبوچہ	کوچہ بکوچہ
۹۳	"	۷	لایق	طریق	۱۱۳	۳۰۷	۱۳	احمد حسین	احمد حسن

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۱۴	۳۰۹	۶	تفنا	تفنا	۱۳۴	۳۶۱	۱۶	بستیوتین	بستیونیس
۱۱۵	۳۱۲	۱۵	آتا	آتی	۱۳۵	۳۶۹	۷	مرسے حق	میرے حق
۱۱۶	۳۱۳	۱۴	روندھ	روند	۱۳۶				
۱۱۷	۳۱۵	۱۹	ہے	سے	۱۳۷	۳۷۰	۱۶	دیکھے	دیکھتے
۱۱۸	۳۲۰	۱۶	فی زمانہ	فی زماننا	۱۳۸	۳۷۸	۲	ڈھونڈا	ڈھونڈتا
۱۱۹	۳۲۵	۱	غلام یحیے	غلام یحییٰ	۱۳۹	۳۸۲	۱۱	نغزہ	نغز
۱۲۰	۳۲۶	۱۷	میں بہت	بہت	۱۴۰	۴۰۲	۱۰	تمام کلام دیوان	کلام
۱۲۱	۳۳۵	۱۳	ہے	ہے	۱۴۱	۴۰۹	۸	کر	گر
۱۲۲	۳۳۹	۱۰	نہ کرتا	کرتا	۱۴۲	۴۱۰	۱۳	چوگے	چوکے
۱۲۳	۳۴۰	۹	پیدا ہونا	پیدا ہو	۱۴۳	۴۱۱	۱۱	بار یہ	بارہ
۱۲۴	۳۴۳	۹	نزکت	نزاکت	۱۴۴	"	۱۵	مزید عنایت	یہ مزید عنایت
۱۲۵	۳۴۴	۱۹	گناہ	گنہ	۱۴۵	۴۱۳	۲۱	سرا	سر
۱۲۶	۳۴۵	۱۱	ہوئی	ہوئی	۱۴۶	۴۱۶	۹	ہستی	مستی
۱۲۷	۳۴۶	۱	برسے	برسے	۱۴۷	"	۱۱	کھینچے	کھینچ
۱۲۸	۳۴۹	۹	ہوگا	ہوگا	۱۴۸	۴۱۷	۱۱	عادت مجھے	عادت پہ مجھے
۱۲۹	۳۵۱	۸	ینے	آپ ینے	۱۴۹	۴۱۹	۱۷	مثل آج	مثل باد
۱۳۰	۳۵۳	۱۰	پچنے	بچپنے	۱۵۰	۴۲۴	۲۰	جسے	جیسے
۱۳۱	۰	۱۳	طلمانہ	عالمانہ	۱۵۱	۴۲۶	۱۳	رگھڑائے	رگھڑائے
۱۳۲	۰	۱۴	ان والد	ان کے والد	۱۵۲	۴۳۵	۱	کدو	کہدو
۱۳۳	۳۶۰	۷	گر	اگر	۱۵۳	۰	۹	کر	کبھی

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	حاشیہ	نمبر شمار	سطر	غلط	صحیح	حاشیہ
۱۵۴	۴۳۵	۱۷	دردوں	دردول		۱۰۴	۵	کچھاپنے	کچھواپنے	
۱۵۵	۴۳۶	۹	کیا	کہا		۱۷۵	۱۱	حص	حصّہ	
۱۵۶	۴۳۸	۹	بھڑ	ثمر		۱۷۶	۳	تہت ہے	تہمت ہے	
۱۵۷	۴۳۹	۱	سنا	سا		۱۷۷	۹	جاتی جنت	جاتی ہیں جنت	
۱۵۸	۴۴۲	۱۸	زرانگا	زرانگاہ		۱۷۸	۱۱	کوبچپ	بچا	
۱۵۹	۴۴۳	۱۸	اٹھلے	اُٹھکے		۱۷۹	۴	آپ یہ	یہ	
۱۶۰	۴۴۴	۱۴	سرپنا	سراپنا		۱۸۰	۱۸	عرض	غرض	
۱۶۱	۴۴۵	۹	ایسا	رسا		۱۸۱	۱۹	خوب چھپاتی	چھپاتے	
۱۶۱	۰	۱۴	یکی	نکیلی		۱۸۲	۱۶	سی	اُسی	
۱۶۲	۰	۰	دست	دشت		۱۸۳	۱۴	کیت	کبت	
۱۶۴	۰	۱۸	نار	نالے		۱۸۴	۱	تیلا	نیلا	
۱۶۵	۴۴۸	۲۰	منبچہ	منبھے		۱۸۵	۹	عالم	عالم بنجا	
۱۶۶	۴۵۲	۱۱	ہمعصرمیں	ہمعصرنمیں		۱۸۶	۱۹	ماہروی	ماہروی	
۱۶۷	۴۶۴	۱۴	نکلتی جبکے	نکلتی ہیں جبکے		۱۸۷	۱۴	پراُسکا	پھراُسکا	
۱۶۸	۴۶۵	۹	خارپا	خارپا		۱۸۸	۶	ستدآ	ستارآیا	
۱۶۹	۴۶۶	۱۰	جھسکا	بجھکا	یعنی جھگبنا پیر چلو	۱۸۹	۰	۔	پہ نہ	
۱۷۰	۴۷۱	۳	لے	کے		۱۹۰	۱۳	سے	اُسے	
۱۷۱	۴۷۷	۹	یاس	پاس		۱۹۱	۲۱	اٹھتائے	اُٹھائے	
۱۷۲	۴۸۰	۷	آئے	آنے		۱۹۲	۴	ہتوں	بتوں	
		۰				۱۹۳	۵	بڑوا	پُڑوا	

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	کیفیت
۱۹۴	۵۴۴	۹	طلسہ	طمعہ	
۱۹۵	۵۴۵	۸	رہبے	رکھے	
۱۹۶	۵۵۱	۶	شمشیر باہر	شمشیر سے باہر	
۱۹۷	۵۵۵	۷	مجھے کرتا	مجھ سے کرتا	
۱۹۸	۰	۷	دد	وہ	
۱۹۹	〃	۸	غیر	عنبر	
۲۰۰	〃	۱۱	جس سے	جس میں سے	
۲۰۱	〃	۱۵	اُڑی	اُٹھی	
۲۰۲	۰	〃	اِسی	ایسی	
۲۰۳	۵۷۷	۱۸	ایڑا	ایذا	
۲۰۴	۰	۲۱	راحت ہیں	راحت میں	
۲۰۵	۵۸۲	۱۹	اسنن	انہیں	
۲۰۶	۵۸۴	۴	لا یکے	لائے	
۲۰۷	۵۸۷	۱۸	دل کے	دل نے کے	
۲۰۸	۵۸۹	۱۰	یہ	پہ	
۲۰۹	۵۹۲	۶	تھیا	تھیبا	
۲۱۰	۵۹۳	۲۱	اکھکر	اکھکر	
۲۱۱	۵۹۵	۱	بار	بار بار	
۲۱۲	۵۹۵	۱	دیا حل	یا درد	
۲۱۳	۵۹۵	۱۲	آلتی	الی	

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	کیفیت
	صفحہ کے اوپر	۶۹۶ / ۶۹۸		۵۹۶ / ۵۹۸	
۲۱۴	۵۹۶	۲۱	ترک	تزک	
۲۱۵	۵۹۹	۶	انکار	نگرانکار	
۲۱۶	۶۱۶	۸	وولدہی	داری	
۲۱۷	〃	۱۶	چل دیا	چل ڈٹے	
۲۱۸	۶۱۸	۲	کاگڑے	گریے	
۲۱۹	۶۲۰	۱۵	ہوئی	ہوتی	
۲۲۰	۶۲۷	۱۰	حسکی	جسکی	
۲۲۱	۶۳۲	۱	پھوڑا	پھوڑا	
۲۲۲	۶۷۱	۲	اپنا کا	اپنا	
۲۲۳	۶۷۳	۱۷	گرز	گداز	
۲۲۴	۶۷۶	۶	جھتی	چبھتی	
	〃	۱۵	تیر	ٹیر	
	〃	۲۱	دکھاتی	دکھلنی	
	۶۸۱	۱	تر	ثمر	
	۶۸۲	۲۱	کاستھ	کالیستھ	

یائے مجہول و معروف اور ہائے دوچشمی اور اعراب و اضافت وغیرہ کی غلطیاں نظر انداز ہو گئی ہیں۔

فہرست اسمائے شعرا مندرجۂ تذکرۂ خمخانۂ جاوید

جلد اوّل

صفحہ	تخلص	نام	صفحہ	تخلص	نام
۱	آباد	مرزا مہدی حسن خاں لکھنوی	۲۰	آرزو	مرزا علاء الدین دہلوی
۴	〃	شیخ علی باقر	۲۱	〃	منشی سید بندہ رضا
۵	〃	یعقوب علی دہلوی	۲۲	〃	نواب جعفر علیخاں
〃	〃	سید تہذیب حسین	۲۳	〃	منشی ممتاز احمد لکھنوی
۶	آبرو	شاہ نجم الدین دہلوی	〃	〃	صاحبزادہ محمد یوسف خاں
۹	〃	سید اصغر علی	۲۴	〃	منشی سید انوار حسین لکھنوی
〃	آتش	خواجہ حیدر علی لکھنوی	۲۵	آزر	حافظ محمد احمد
۱۵	آخم	شاہ عنایت اللہ	۲۶	آزاد	میر فقیر اللہ
〃	〃	مرزا والا بخت دہلوی	〃	〃	منشی رام سنگھ دہلوی
۱۶	〃	حافظ حضور احمد خاں	〃	〃	سید غلام علی
〃	آرام	منشی لکھن لال دہلوی	۲۷	〃	کپتان الگزندر ہدرلی دہلوی
۱۷	〃	راے پریم ناتھ دہلوی	۳۱	〃	مرزا اعظم شاہ دہلوی
〃	〃	راے بہادر منشی شونرائن	۳۲	〃	شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد دہلوی۔
۱۸	〃	حکیم آرام الدین			
〃	آرزو	سراج الدین علیخان	۴۲	〃	سید محمد امیر الدین لکھنوی

صفحہ	تخلص	نام
۴۳	آزاد	منشی امجد علی
〃	〃	خواجہ ضیاء الدین دہلوی
۴۴	〃	حکیم غلام حسین خان
〃	〃	مولوی ابو الحمید
۴۶	〃	مولوی سید محمود
۴۷	〃	حافظ سید فضل حق
۴۹	〃	منشی صدیق حسن
〃	〃	بابو کالی چرن
〃	〃	منشی الطاف احمد
〃	〃	منشی افتخار عالم
〃	〃	مولوی احمد ابو محمد
۵۱	〃	سید محمد نذیر احمد
〃	〃	مولوی نعیم الحق
〃	〃	گمنام
۵۲	آزر	نواب ذوالفقار علیخان دہلوی
〃	〃	پنڈت جوالا پرشاد
۵۳	〃	منشی لچھمن پرشاد
〃	آزردہ	مفتی صدر الدین خان دہلوی
۶۱	اسیر	منشی للن میاں

صفحہ	تخلص	نام
۶۳	آسان	منشی سید محمد جعفر
۶۴	آسی	مولانا شاہ عبد العلیم (ص)
۶۷	آشفتہ	منشی عنبر شاہ خاں
〃	〃	حکیم مرزا رضا علی بیگ
〃	〃	عظیم الدین خاں دہلوی
〃	〃	منشی گلاب سنگھ دہلوی
۷۲	〃	حکیم منور علی خاں دہلوی
۷۳	〃	جمال الدولہ ہادی علیخاں لکھنوی
۷۴	〃	پنڈت امرناتھ دہلوی
۷۶	〃	حاجی عبد اللہ
۷۷	〃	شیخ نصیر الدین
〃	〃	خواجہ محی الدین
۷۸	آشنا	مرزا محمد اکرام
〃	〃	میر زین العابدین
〃	〃	منشی رتا سنگھ دہلوی
〃	〃	حکیم میر علی
〃	〃	مرزا جگن
۷۹	〃	میر امیر علی
〃	〃	سید محمد لکھنوی

صفحہ	تخلص	نام
۷۹	آشنا	مولوی عبدالکریم خاں
〃	آشوب	میر امداد علیخاں دہلوی
۸۰	〃	رائے بہادر ماسٹر پیارے لال صاحب دہلوی۔
۸۴	آصف	نواب آصف الدولہ لکھنوی
۸۷	〃	حضور نظام شاہِ دکن
۹۸	〃	حکیم سید محمد آصف
〃	آصفی	مرزا عبدالرحمٰن بیگ
〃	آغا	مرزا آغا جان دہلوی
۹۹	〃	مرزا آغا حسین
۱۰۱	〃	مرزا آغا حسن لکھنوی
۱۰۱	〃	مرزا عبدالقادر خان
۱۰۲	〃	منشی عبدالاحد خان
〃	آغاز	منشی امداد حسین
۱۰۳	آفاق	میر فریدالدین دہلوی
〃	〃	منشی غلام حسین
〃	آفت	مرزا منیر بیگ
۱۰۵	آفتاب	شاہ عالم ثانی
۱۰۸	آفریں	شیخ قلندر بخش

صفحہ	تخلص	نام
۱۰۸	آگاہ	میر حسن علی دہلوی
۱۰۹	〃	نور جہان
〃	〃	پنڈت جوالا ناتھ
〃	〃	نواب سید محمد رضا دہلوی
۱۱۱	آہ	نامعلوم
〃	〃	شیخ فریدالزماں
〃	〃	میر اکبر علیخان لکھنوی
۱۱۲	〃	مولوی عبدالعزیز
〃	〃	منشی ممتاز علی
۱۱۴	〃	منشی غلام یٰسین دہلوی
۱۱۵	〃	لالہ رام کشن لکھنوی
〃	〃	منشی یعقوب علی لکھنوی
۱۱۶	آہی	میر عبدالرحمٰن دہلوی
۱۱۷	〃	سر سید احمد خان دہلوی
۱۱۹	〃	مرزا داؤد خان دہلوی (۱۰۰)
۱۲۰	ابجدی	گمنام
۱۲۱	ابد	نواب فیض اللہ خان
〃	ابر	سید تفضل حسین
〃	〃	حکیم سید علی محسن لکھنوی

صفحہ	تخلص	نام
۱۳۲	〃	منشی واحد علی
۱۳۳	〃	منشی غلام دستگیر
۱۳۴	〃	منشی بلدیو پرشاد
〃	〃	پنڈت بشن نرائن درلکھنوی
۱۳۵	اہل	شیخ عبد الجلیل
۱۳۶	اثر	سید محمد میر دہلوی
۱۳۱	〃	نواب حسین علیخاں لکھنوی
۱۳۲	〃	منشی عبد الرزاق دہلوی
〃	〃	قاضی حب حسن
۱۳۳	〃	شمس العلماء سید امداد امام
۱۳۵	〃	خواجہ امام الدین
۱۳۷	〃	منشی بجے نرائن لکھنوی
۱۳۸	〃	سید مخدوم عالم
۱۳۹	〃	سید حسین الدین احمد
۱۴۰	〃	مولوی افتخار علی
〃	〃	حکیم محمد مہدی لکھنوی
〃	〃	منشی الٰہی بخش
۱۴۱	〃	شیخ فیض الدین
〃	〃	مولوی جلال الدین

صفحہ	تخلص	نام
۱۴۱	اثر	منشی حبیب الحق
۱۴۲	〃	مرزا احمد اللہ بیگ
〃	〃	منشی اصطفےٰ خان لکھنوی
〃	〃	منشی ظفر حسنخاں بی۔اے
〃	〃	نواب عبد الجلیل خان
۱۴۳	〃	مرزا احمد شاہ
〃	〃	منشی راد ھے لال
۱۴۴	〃	خواجہ حسین خان
〃	اثیم	منشی محمد علے
〃	〃	خواجہ عبد الرحیم خان
۱۴۵	〃	حافظ شیخ محمد ابراہیم
۱۴۶	احد	مولوی عبد الاحد
۱۴۸	احسان	حافظ عبد الرحمٰن خان دہلوی
۱۵۶	〃	گمنام
۱۵۷	〃	منشی احسان علیخان رامپوری
۱۶۰	〃	حاجی احسان اللہ
〃	〃	منشی احسان علیخان
۱۶۵	〃	شیخ احسان الٰہی دہلوی
۱۶۶	〃	صاحبزادہ احسان اللہ خاں

صفحہ	تخلص	نام
۱۶۷	احسان	منشی عبدالرحیم خان دہلوی
〃	〃	میر احسان علی
۱۶۸	〃	مولوی احسان حسن
〃	〃	گمنام رامپوری
〃	احسن	محمد احسن
۱۶۹	〃	مرزا احسن علی
۱۷۰	〃	احسن خان
〃	〃	مرزا احسن بخت دہلوی (۱۵۰)
۱۷۱	〃	حسین علی خان
۱۷۲	〃	حکیم مظہر حسن خان
۱۷۳	〃	حکیم محمد احسن خان دہلوی
〃	〃	مولوی محمد احسن
۱۷۴	〃	سید مہدی حسن لکھنوی
۱۷۶	〃	مولوی محمد احسن
〃	〃	سید علی احسن
۱۷۸	〃	حافظ آغا جان دہلوی
۱۷۹	〃	مرزا احسن بخت دہلوی
〃	〃	میر باقر حسن دہلوی
〃	〃	مولوی نظیر الحسن
۱۹۰	احسن	میر گوہر علی
〃	احقر	مرزا جواد علی
〃	〃	منشی محمد ملوک
۱۸۱	〃	منشی سید غلام نبی دہلوی
〃	〃	راجہ سری پرشاد
۱۸۲	〃	منشی احمد جان دہلوی
〃	〃	سید محمد حسن
〃	〃	نواب غوث محی الدین
۱۸۳	〃	حافظ شاہ رحمت اللہ
۱۸۴	〃	میرزا امیر الملک دہلوی
۱۸۵	〃	سید یعقوب علی دہلوی
〃	احمد	گمنام بمبرانی
۱۸۶	〃	مولوی احمد خان
〃	〃	احمد خان
〃	〃	منشی صمصام الدین دہلوی
۱۸۷	〃	مرزا احمد شاہ دہلوی
〃	〃	مرزا احمد بیگ دہلوی
〃	〃	احمد بیگ دہلوی
۱۸۸	〃	سید احمد علی

صفحہ	تخلص	نام
۱۸۸	احمد	حافظ میر احمد علی
〃	〃	سید عین الدین احمد
۱۸۹	〃	منشی سید احمد حسین
〃	〃	منشی سید محمد
〃	〃	منشی علی الدین احمد
۱۹۰	〃	منشی احمد علی
〃	〃	مولوی شیخ محمد احمد خاں
〃	〃	شیخ احمد علی
〃	〃	مرزا احمد اللہ خاں
۱۹۱	〃	منشی سید احمد دہلوی
۱۹۳	〃	منشی احمد حسین خان بی۔اے
۱۹۵	〃	حاجی سید احمد
〃	احمدی	خواجہ احمد علی دہلوی
۱۹۶	〃	شیخ احمد
۱۹۷	〃	گمنام
〃	〃	نواب غلام احمد خان بہادر
۱۹۹	اختر	میر اکبر علی
۲۰۰	〃	قاضی محمد صادق خان
۲۰۴	〃	مرزا وجیہ الدین دہلوی
۲۰۴	اختر	سلطان العالم واجد علی شاہ (۲۰۰)
۲۲۱	〃	مرزا احمد اختر دہلوی
۲۲۲	〃	خواجہ عبد الغفار
〃	〃	شیخ محمد رفیع دہلوی
۲۲۴	〃	راجہ بین پرتاب سنگھ
۲۲۵	〃	منشی لطیف احمد لکھنوی
۲۲۹	〃	منشی سید محمد اختر نگینہ
۲۳۱	〃	سید امراؤ علی
〃	〃	منشی نذیر علی
〃	〃	منشی رمضان علی
۲۳۳	〃	منشی محمود اختر
۲۳۴	〃	منشی ظہور احمد بدایونی
۲۳۵	〃	منشی عبد الغفور
۲۳۶	〃	نواب عبد القادر خان
〃	〃	منشی موسیٰ حسین
۲۳۷	〃	منشی عبد الغفار خان بی۔اے
۲۳۸	〃	منشی ذاکر حسین
۲۳۹	〃	منشی علی اختر
〃	اخگر	دیوان ٹیک چند دہلوی

صفحہ	تخلص	نام	صفحہ	تخلص	نام
۲۳۹	اخگر	فتح یاب خان	۲۵۰	ادیب	منشی تفضل حسین
۰	۰	صاحبزادہ ہادی یار خان	۰	۰	مولوی رستم علیخان
۰	۰	حکیم اصغر حسین	۲۵۲	۰	مولانا سیف الحق دہلوی
۲۴۰	اخگر	منشی امداد حسین	۲۵۲	۰	منشی محمد کرم احمد خان
۲۴۱	۰	نواب شمشیر بہادر	۰	ارشاد	شیخ ارشاد نبی
۲۴۲	۰	منشی عبد المجید خان	۲۶۲	۰	محمد قاسم علی
۰	۰	منشی شہاب الدین دہلوی	۰	۰	چودہری ارشاد حسین
۲۴۳	۰	مولوی عبد الحمید	۰	ارشد	مرزا عبد الغنی دہلوی
۲۴۴	۰	منشی عبد القادر	۲۸۱	۰	منشی غلام حسین
۰	اخلاص	قاضی شمس الضحیٰ بی۔ اے	۰	ارم	مرزا مرتضیٰ حسین لکھنوی
۲۴۵	۰	حافظ عبد الشکور	۰	ارمان	شاہ علی ارمان
۰	اخلاق	شیخ نور الحسن	۲۸۲	۰	راجہ جنم جی
۲۴۶	۰	سید اخلاق حسین دہلوی	۲۸۳	۰	منشی عبد العزیز خان (۲۵۰)
۰	۰	منشی سید نذیر احمد	۰	۰	منشی سید باقر حسین
۲۴۷	۰	منشی ہاشم علیخان	۰	۰	مولوی سید محمد حسن
۰	انجی	گمنام	۰	۰	پنڈت راج نرائن دہلوی
۲۴۷	ادب	سید حیدر مرزا لکھنوی	۲۸۵	۰	میر سرفراز حسین خان
۲۴۸	۰	نواب فیاض الملک	۰	ازل	حکیم مرزا آغا حسین لکھنوی
۰	اذہم	شیخ الاسلام	۲۸۷	۰	حکیم شیخ حسن مہدی

صفحہ	تخلص	نام
۲۸۷	ازل	منشی نعمت علیخان
۲۸۸	ازہر	سید علی احمد شاہ
〃	اسحاق	اسحاق علیخان لکھنوی
〃	〃	منشی محمد اسحق
۲۸۹	اسد	میر امانی دہلوی
۲۹۰	〃	نواب سلیمان خاں لکھنوی
۲۹۴	〃	اسد یار الدولہ
〃	〃	سید شیر علی
۲۹۵	اسرار	مرزا سپہر شکوہ گورگانی دہلوی
〃	〃	بابو نادر مرزا
〃	〃	منشی فدا علی لکھنوی
۲۹۶	اسلم	حافظ محمد اسلم
〃	〃	منشی سلامت اللہ
۲۹۷	اسیر	منشی ہدایت علی
〃	〃	تلبز ار نصرانی
〃	〃	سید نہال بنی دہلوی
۲۹۸	〃	خلیفہ میر گلزار علی
۲۹۹	〃	تدبیر الدولہ سید مظفر علیخان دہلوی
۲۹۹	〃	مولوی علی احمد خان
۳۰۷	اسیر	منشی محمد سمیع اللہ
〃	〃	منشی سید سجاد مرزا دہلوی
۳۰۸	اشتیاق	شاہ ولی اللہ دہلوی
۳۰۹	اشرف	حافظ غلام اشرف دہلوی
۳۱۰	〃	شیخ اشرف علی لکھنوی
۳۱۳	〃	نواب مظفر یار جنگ
〃	اشک	حاجی مولوی ہادی علی لکھنوی
۳۱۴	〃	مولوی محمود رضا
〃	〃	میر قطب الدین دہلوی
۳۱۸	〃	منشی ضیاء الدین دہلوی
〃	〃	مولوی سید علی لکھنوی
۳۱۹	〃	ابو المنیر شیخ ضمیر الدین
〃	〃	مولوی محمد صادق
〃	اشکی	مرزا غلام محی الدین گورگانی دہلوی
۳۲۰	اشہری	مولانا سید امجد علی اشہری
۳۲۴	اصغر	صاحبزادہ اصغر علیخان
〃	〃	ظفر الدولہ علی اصغر خان
۳۲۵	〃	میر اصغر علی لکھنوی
۳۲۶	〃	شیخ اصغر علی

صفحہ	تخلص	نام
۳۲۶	اصغر	منشی اصغر علی خان
۳۲۸	〃	منشی اصغر حسین
〃	〃	کنور اصغر علی خان
〃	اصفر	منشی فیاض احمد
۳۲۹	اطہر	سید احمد علی
〃	〃	منشی غلام مصطفےٰ (۳۰۰)
۳۳۰	〃	سید معشوق حسین
۳۳۱	〃	سید اعظم اللہ
〃	اظفری	مرزا ظہیر الدین علی بخش گورگانی دہلوی
۳۳۲	اظہر	مولوی کرامت علی
〃	〃	مولوی میر اظہر علی
〃	اعجاز	شیخ عبد العزیز
۳۳۳	〃	منشی آلہی بخش لکھنوی
۳۳۴	〃	منشی عبد الحی
〃	〃	منشی عبد القادر
۳۳۵	〃	مرزا اعجاز حسین
۳۳۶	〃	ٹھاکر رامیشر بخش سنگھ
۳۳۸	اعظم	منشی اعظم خان دہلوی

صفحہ	تخلص	نام
۳۳۸	اعظم	شیخ اعظم حسین
〃	〃	مرزا اعظم علی
۳۴۱	〃	مولوی عبد الصمد
〃	افروز	مولوی عبد الرزاق
〃	افسر	نواب احمد یار خاں
۳۴۳	〃	شیخ غلام اشرف
〃	〃	مرزا محمد عثمان گورگانی دہلوی
۳۴۴	〃	نواب غلام ربانی
۳۴۵	〃	راجہ پدا نند سنگھ بہادر
〃	〃	منشی اعظم علی
۳۴۶	〃	منشی سید احمد
〃	〃	منشی میر معشوق حسین
〃	〃	حکیم حافظ محمود حسین
۳۴۷	〃	منشی بشیر الدین
۳۴۸	〃	مولوی سید عزیز الدین حیدر
۳۵۰	〃	منشی عزاد حسین
۳۵۱	〃	منشی احمد حسین
۳۵۲	افسردہ	قاضی فضل حسین دہلوی
۳۵۳	افسوس	منشی شیر علی دہلوی

صفحہ	تخلص	نام
۳۵۶	افسوس	منشی سید محمد علی
۳۵۷	افسوں	منشی آغا حیدر لکھنوی
۳۵۹	〃	منشی اکبر علیخان
۳۶۰	افضل	شاہ غلام اعظم
〃	〃	منشی حسن یار خاں لکھنوی سعد اللہ
۳۶۱	〃	میر افضل علیخان لکھنوی
〃	〃	منشی افضل حسین
۳۶۲	〃	منشی افضل خان میرٹھی
۳۶۳	〃	افضل الدولہ سید افضل علیخان لکھنوی
۳۶۵	〃	منشی افضل حسین بیگ
〃	〃	منشی عبد الرحمن
۳۶۶	افغان	منشی محتشم خاں
〃	افق	منشی دوارکا پرشاد لکھنوی
۳۶۸	افکار	صاحبزادہ اصغر علی خان
〃	اقبال	نواب اقبال یار جنگ
۳۶۹	〃	شیخ محمد اقبال ایم اے
۳۷۴	اکبر	شاہ اکبر دہلوی
۳۷۵	〃	مکرم الدولہ سید اکبر علیخان دہلوی
۳۷۵	اکبر	نواب محمد اکبر علی خان دہلوی (۳۵۵)
۳۷۶	〃	حاجی شاہ محمد اکبر ابو العلائی
۳۸۱	〃	خان بہادر سید اکبر حسین
۳۸۸	〃	خواجہ اکبر حسین
۳۸۹	〃	منشی محمد اکبر
〃	〃	منشی محمد اکبر جان
۳۹۰	اکبری	دیوان پنڈت امرناتھ مدن دہلوی
۳۹۱	اکرام	حکیم اکرام اللہ خان دہلوی
〃	اکرم	مرزا محمد اکرم دہلوی
〃	〃	محمد اکرم
۳۹۲	〃	گمنام
〃	اکمل	محمد میر ان جان
〃	〃	حکیم محمد اکمل خان
۳۹۳	〃	مولانا قاضی ظہور الدین
〃	〃	منشی اکمل علی
〃	الحمد	مولوی الحمد
۳۹۴	الطاف	منشی الطاف حسین
〃	〃	منشی محمد الطاف حسین لکھنوی
۳۹۵	الفت	منشی منگل سین

صفحہ	تخلص	نام
۳۹۵	الفت	منشی انند رام
۳۹۶	〃	منشی شونرائن
〃	الفتی	راجہ پیارے لال دہلوی
〃	الم	خواجہ صاحب میر دہلوی
۳۹۷	〃	صاحبزادہ محمد سعید خاں
〃	〃	مولوی سید احمد شاہ
۳۹۸	〃	حکیم میر مہدی حسین
۳۹۹	〃	سید محمد زکی لکھنوی
〃	الہام	شیخ شرف الدین لکھنوی
۴۰۰	الہی	منشی الہی بخش
〃	الیاس	سید مہر علی
۴۰۱	امامی	سید محمد خورشید بلگرامی
〃	امانت	میر امانت علی
〃	〃	سید آغا حسن لکھنوی
۴۰۴	امانی	خواجہ امامی دہلوی
۴۰۵	امجد	مولوی علے احمد حسین
〃	〃	مولوی سجاد علی
〃	〃	شیخ امجد علی
۴۰۷	امداد	نواب ناصر جنگ
۴۰۷	امداد	حاجی امداد علیخان
〃	〃	مرزا امداد علی لکھنوی
〃	〃	منشی سید امداد علی
۴۰۸	〃	شیخ امداد علی
〃	〃	مولوی سید عنایت حسین
۴۰۹	امراؤ علی	امراؤ علیخاں
〃	امن	میر امان دہلوی
۴۱۰	امی	مرزا روشن بیگ دہلوی
۴۱۱	اُمید	مرزا محمد رضا
۴۱۲	〃	مرزا اعظم علی
۴۱۳	〃	منشی فرحت علے
۴۱۵	〃	مولوی سید محمد جعفر لکھنوی
۴۱۶	〃	منشی سید محمد علی (۴۰۰)
۴۱۷	〃	منشی سید رشید الزماں
۴۱۸	امیر	نواب محمد یار خان رامپوری
۴۲۱	〃	حافظ امیر الدین
۴۲۲	〃	مرزا امیر بیگ دہلوی
〃	〃	امیر مینائی
۴۴۵	〃	صاحبزادہ امیر اللہ خان رامپوری

صفحہ	تخلص	نام
۴۴۵	امیر	نواب جعفر علیخان لکھنوی
۴۴۶	〃	نواب میر حسن علیخان
۴۴۷	امین	میر علی دہلوی
〃	〃	مرزا محمد اسمٰعیل
〃	〃	میر محمد امین
۴۴۸	〃	خواجہ قاضی امین الدین خان دہلوی
〃	〃	نواب امین الدولہ مرزا سنیڈ بہادر لکھنوی
۴۴۹	〃	خواجہ امین الدین
۴۵۱	〃	حافظ محمد امین
۴۵۲	انتخاب	گمنام دہلوی
〃	انتظار	علی نقی خان دہلوی
〃	〃	حکیم عطاء اللہ
۴۵۴	انجام	عمدۃ الملک نواب میر خان دہلوی
۴۵۵	انجم	نواب ہمایوں قدر سید محمد علی مرزا
۴۵۶	〃	صاحب عالم مرزا آسمانجاہ لکھنوی
۴۶۱	〃	مرزا بہادر حسین خان لکھنوی
۴۶۴	〃	مرزا ذاکر حسین
〃	انداز	میر غلام حسین دہلوی
۴۶۵	〃	حافظ نظام احمد

صفحہ	تخلص	نام
۴۶۵	اندوہ	نواب علی حسین خان دہلوی
〃	انس	میر مہر علی لکھنوی
۴۶۶	انسان	اسد اللہ نواب اسد یار خان
〃	انسب	انسب لکھنوی
〃	انسخ	مولوی عصمت اللہ
۴۶۷	انشا	سید انشاء اللہ خان دہلوی
۴۷۵	انعام	حافظ انعام اللہ دہلوی
〃	〃	منشی انعام اللہ دہلوی
〃	〃	منشی انعام اللہ بیگ دہلوی
۴۷۶	〃	گمنام لکھنوی
〃	〃	سید انعام اللہ
〃	انور	شیخ حافظ انور الدین
۴۷۷	〃	مولوی امام الدین خان رامپوری
۴۷۸	〃	شیخ ولی محمد خان دہلوی
〃	〃	میر انور علی
〃	〃	منشی سید محمد کاظم لکھنوی
۴۸۰	〃	نواب سید محمد سید علیخان بہادر
۴۸۱	〃	سیدا مرائو مرزا دہلوی
۴۸۹	〃	حافظ سید انور احمد دہلوی

صفحہ	تخلص	نام
۴۹۰	انور	سید انور علی
〃	〃	منشی محمد انور لکھنوی
۴۹۱	〃	منشی گل محمد
〃	〃	مولوی نور محمد
〃	انیس	امیر الدولہ نوازش خان (۴۵۰)
۴۹۲	〃	میر ہدایت علی لکھنوی
۵۰۶	〃	منشی امین الدین احمد
〃	انیق	حافظ محمد یعقوب
۵۰۷	اوباش	شیخ امیر الزمان
〃	اوج	منشی عبداللہ خان
۵۰۹	〃	آغا اشرف علیخان لکھنوی
〃	〃	مرزا جعفر بیگ
〃	〃	مرزا محمد حسین
۵۱۰	〃	مولوی سید عابد حسین رامپوری
۵۱۳	〃	منشی میر محمود جان
۵۱۵	〃	مرزا محمد جعفر لکھنوی
۵۱۶	〃	منشی محمد یعقوب
۵۱۸	اوحد	مولانا عبدالودود
〃	اوستاد	میر یار علی
۵۱۹	اوگھٹ	اوگھٹ شاہ

صفحہ	تخلص	نام
۵۲۰	اویس	میر ناصر علی
۵۲۱	اویسی	منشی غلام محی الدین
۵۲۲	ایاز	منشی عبدالعلی
〃	ایجاد	مرزا رحیم الدین دہلوی
۵۲۳	〃	شیخ آلہی بخش
۵۲۴	〃	منشی سرفراز علی
۵۲۵	〃	مولوی قمر الدین
〃	ایرن	مسٹر ایرن جبکب
〃	ایما	میر عاشق علی خان
۵۲۶	〃	میر حسین علیخان
〃	〃	حکیم سید حسین دہلوی
۵۲۷	ایمان	شیر محمد خان
〃	〃	منشی محمد علیخان
۵۲۸	〃	نواب تجمل حسین خان
〃	امین	حکیم حافظ محمد احمد
〃	**ب**	
۵۲۹	بادشاہ	میر بادشاہ علی دہلوی
〃	باران	منشی ولایت علی
〃	بارق	مرزا مظفر حسین بیگ

صفحہ	تخلص	نام
۵۳۱	بارق	میر عنایت حسین لکھنوی
〃	بازغ	محمد عبدالحی
〃	باسط	سید باسط علی
۵۳۲	باطن	حکیم میر قطب الدین
۵۳۳	باقر	میر باقر علی
〃	〃	اعتقاد الدولہ سید باقر علی خان لکھنوی
〃	〃	نواب باقر خان لکھنوی
〃	〃	باقر خان
۵۳۴	〃	باقر علیخان
〃	〃	گمنام
〃	باقی	راجہ گردھاری پرشاد
۵۳۷	بالا	سید رحم رسول
۵۴۱	بحر	شیخ امداد علی لکھنوی
۵۴۶	بخت	حکیم قیام الدین
〃	〃	سید امیر حیدر
۵۴۷	بخشی	میر محمد علی
〃	〃	منشی خاکسار حسین (۵۰۰)
۵۴۸	بدر	مرزا بلاقی دہلوی
۵۴۸	بدر	نواب مرزا ہدایت علیخان لکھنوی
۵۴۹	〃	میر امیر حسین
〃	〃	سید مصطفےٰ حسین
۵۵۰	〃	حسن افضل
〃	برتر	نواب حامد الدولہ سید محمود علیخان
۵۵۱	〃	مولوی نادر علی
۵۵۲	〃	مولوی امین الدین
〃	برجیس	صاحبعالم مرزا برجیس قدر لکھنوی
۵۵۵	برشتہ	آغا حسین علی
〃	برق	میان شاہجی
〃	〃	فتح الدولہ محمد رضا لکھنوی
۵۶۳	〃	قاضی نجم الدین دہلوی
۵۶۸	〃	منشی منظور احمد
〃	〃	منشی ہری شنکر سہائے لکھنوی
۵۶۹	〃	منشی محمد اسحٰق
۵۷۰	〃	منشی محمد باقر
〃	〃	منشی محمد الیاس
〃	〃	منشی مہاراج بہادر دہلوی
۵۷۱	〃	نواب سید عبدالحسین خان

صفحہ	تخلص	نام
۵۷۱	برق	منشی محمد یعقوب
۰	برکت	منشی برکت علیخان
۵۷۲	برہم	حکیم عبدالکریم
۵۷۴	برہمن	پنڈت چندر بھان
۵۷۵	〃	گمنام
〃	بریاں	گمنام
〃	بزم	مرزا عاشق حسین
۵۷۷	〃	میر عباس حسین خان
۵۷۸	〃	شیخ خورشید حسین قدوائی
〃	〃	سید محمد یعقوب علی دہلوی
〃	بزمی	مرزا محمد اشرف دہلوی
۵۷۹	بسمل	مولوی محمد مظہر دہلوی
۵۸۰	〃	منشی سید جبار علی
۵۸۱	〃	مرزا عنایت علی
〃	〃	پنڈت سندر لعل
۵۸۲	〃	حافظ محمد حسین دہلوی
〃	〃	مولوی عبدالحکیم دہلوی
۵۸۵	〃	پنڈت موتی لال دہلوی
۵۸۶	〃	خواجہ فضل الرحمن دہلوی
۵۸۶	بسمل	شیخ محمد زماں
۵۸۹	〃	مولوی رضی الدین
〃	〃	حافظ محمد حسین خیرآبادی
۵۹۰	〃	منشی غلام اللہ
۵۹۱	〃	منشی واحد علی
〃	〃	مولوی فتح الدین
۵۹۲	〃	صاحبزادہ محمد مرتضیٰ خان رامپوری
۵۹۳	〃	منشی سید احمد شاہ الہ آبادی
〃	〃	سید بنے میاں رامپوری
۵۹۴	〃	منشی عبدالرحیم
۵۹۵	〃	منشی عبدالرحمن (۵۵۰)
۵۹۶	〃	منشی اشرفی لال رامپوری
〃	بشاش	آغا کلب عابد خاں بہادر
〃	〃	منشی دیبی پرشاد
۵۹۷	بشیر	شیخ بشیر احمد سرہندی
〃	〃	میر بشارت علی دہلوی
۵۹۸	〃	محمد بشیر خان رامپوری
۵۹۹	〃	شاہ بہاء الدین دہلوی
۶۰۲	〃	منشی بشیر احمد خاں ملیح آبادی

صفحہ	تخلص	نام
۶۰۳	بشیر	منشی محمد بشیر
"	بقا	بقاء اللہ خان اکبرآبادی
۶۰۵	"	خواجہ محمد مرتضیٰ خان دہلوی
۶۰۶	"	میر بادشاہ علی لکھنوی
"	"	مولوی عبد الرحمن
۶۰۷	"	شاہ عبد الغفور فریدی مانک پوری
۶۰۸	بلاغت	منشی علی احمد حیدرآبادی
"	بلند	مرزا صفدر علی بیگ دہلوی
۶۰۹	بلیغ	منشی قدرت اللہ بلیغ
"	"	منشی سید عسکری لکھنوی
۶۱۰	بہا	حکیم بہاء الدین خان باشندہ جاورہ
۶۱۱	بہادر	راجہ بینی بہادر صوبہ بہار
"	"	راجہ بہادر سنگھ
"	"	بابو بہادر سنگھ
"	"	منشی راج بہادر مرزاپوری
۶۱۲	بہار	لالہ نیک چند کھتری دہلوی
۶۱۴	"	سوامی پرمانند سرستی
"	"	حاجی مرزا علی لکھنوی

صفحہ	تخلص	نام
۶۱۵	بہار	منشی سید علی مدراسی
"	"	نواب سید جعفر حسین لکھنوی
"	بہجت	منشی عبد المجید
"	"	منشی خیر اللہ پنجابی
۶۱۶	"	منشی نہتن لال
۶۱۸	بہرام	نواب خسرو قدر بہادر
"	بیان	خواجہ احسن اللہ دہلوی
۶۲۴	"	سید محمد مرتضیٰ
۶۲۷	بیباک	حکیم میر نجف علی
۶۲۸	"	مولوی سید حسین احمد
۶۳۰	بیتاب	مولوی محمد اسمعیل
"	"	گمنام
"	"	لالہ سیوک رائے
"	"	افضل الدولہ نواب احمد بخش خاں
۶۳۱	"	مرزا خدا وردی خاں دہلوی
"	"	لالہ کشن نرائن
۶۳۴	"	صاحبزادہ عباس علیخاں
۶۳۷	"	منشی دوست محمد خاں دہلوی
"	"	میر سید حسین لکھنوی

صفحہ	تخلص	نام
۶۳۹	بتیاب	محمد بشارت اللہ
۶۴۱	〃	سید علی جان
〃	〃	پنڈت نرائن پرشاد
۶۴۳	بیجان	عزیز خاں
۶۴۶	بیخبر	مرزا محمد بیگ
۶۴۷	〃	ذوالقدر غلام غوث
۶۴۹	بیخود	منشی نرائن داس
〃	〃	منشی انتظام الدین خاں
〃	〃	منشی ہادی علی
۶۵۰	〃	مولوی عبدالحی
۶۵۴	〃	منشی وحید الدین دہلوی
۶۶۱	〃	حکیم احمد علی خاں
۶۶۲	〃	سید شاہ محمد فاخر
〃	〃	منشی احمد
〃	〃	اکرام اللہ خاں
۶۶۳	بیدار	میر محمدی دہلوی
۶۶۶	〃	رئیس الدولہ علی حسن
〃	〃	بیر مہاراجہ ہرکشن سنگھ
۶۶۸	〃	خواجہ بیدار بخت
۶۷۰	بیدل	مولانا عبدالقادر

صفحہ	تخلص	نام
۶۷۱	بیدل	خواجہ غلام حسین
۶۷۲	〃	مولوی حبیب الرحمن
۶۷۴	〃	مولانا عبدالرحیم خان دہلوی
〃	〃	منشی مرزا بیگ خاں
۶۷۷	〃	حاجی واحد نور خاں
۶۷۸	〃	لالہ منگل سین
۶۷۹	بیدم	مولوی غلام حیلانی
۶۸۲	بیرنگ	دلاور خاں دہلوی
〃	بیصبر	منشی بالمکند
۶۸۳	بیفکر	منشی ہرپرشاد
۶۸۴	بیقرار	میر کاظم حسین
〃	بیکل	سید عبدالوہاب
〃	بیمار	شیخ علی بخش
۶۸۶	〃	حکیم مراد علی
۶۸۷	〃	حکیم جعفر علی
〃	بینوا	مقبول شاہ
۶۸۸	〃	گمنام
〃	〃	گمنام
۶۸۹	بیہوش	لالہ گردیال
		تمام شد

تقاریظ و قطعات تاریخ تذکرہ خمخانۂ جاوید

تقریظ و قطعۂ دلپذیر از نتیجۂ فکر ارجمند آسمان پیوند مہر سپہر نازکخیالی ماہ منیر آسمان شیرین مقالی سلطان قلمرو فصاحت فرمانروائے اقلیم بلاغت فخر طالب و اسیر نظیری نظیر اقسم الدولہ مولانا سید ظہیر الدین حسین صاحب ظہیر دہلوی یادگار حضرت خاقانی ہند ذوق مرحوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بنامے خدائے کہ جان آفرید
سخن آفرید و زبان آفرید

حمد و ثنائے بے منتہا اُس نشاء بے ہمتا کو سزاوار ہے کہ جسکی تصانیف شریف بر کشب ارابعہ مطل و مذاہب مختلفۂ افراد عالم دال ہیں۔ زبان مقررین و متکلمین بلاغت اعلےٰ توصیف فصاحت و بلاغت میں لال۔ ناطقۂ انسان خاکی نہیان کو کیا حوصلہ نطق و یارائے دم زدن ہے کہ زبان چون و چرا وا کرے۔ اُسکے اوصاف لاتعد و لاتحصےٰ سے ایک حرف حمد و ثنا ادا کرے

بالغ کلامان مدرسۂ سخندانی و شہسواران عرصۂ نکتہ رانی بزمزمہ ماذا کلام البشر طب اللسان میں و فصحا و بلغاء عرب و عجم بکلمۂ طیبہ لا الہ الا ھو معرف و عذب البیان الحمد لواجب الوجود ہے۔ مستوجب وطاعت و سجود ہے۔ یکتا و یگانہ زمانہ۔ بیگانہ و یاہمہ بیگانہ آگاہ درونی و بیرونی پیچون و چگونگی و چونی، الواحد لا شریک ثانی دانائے حقیقت نہانی ذرود نامحدود اُسکے رسول مقبول احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پر کہ عالم ناخواندگی میں دولتِ علم لدنی حاصل کر کے تمام علوم دینی و دنیوی سیجدہ ہزار افراد عالم کو دریا بردکر دیا۔

بیتیے کہ ناکردہ قرآں درست	کتب خانۂ چند ملت بشست

یہ سچمدان فقیر حقیر سید ظہیر الدین حسین ظہیر خوشہ چین ارباب سخن خدمت بابرکت زباندانان فصیح البیان میں گذارش پرداز ہے کہ زبانِ اُردو کا آغاز سلاطین افاغنہ کے زمانہ سے ہوا ہے یعنے جس وقت شہاب الدین غوری نے راجہ پرتھی راج پر فتحیاب ہوکر ملک ہندوستان پر قبضہ کیا و شہر دہلی کو دارالخلافہ ٹھیرایا اور لشکریان سلطان نے سکونت ہند اختیار کی اور فریق ہنود و مسلمان میں باہم اختلاط و آمیزش پیدا ہوئی تو ہر دو زبان مروج تھیں مگر باعث ناواقفیت لسانین بہت بہت دقتیں پیدا ہوتی تہیں۔ مگر بعد چند نوبت بانجا رسید کہ ہر دو فریق نواقف لسانین سے ہمراندوز ہونے لگے اور کچھ سمجھنے لگے اور بولنے لگے اب آمیزش شروع ہوئی اور یونا فیونا دقتا فوقتا ترقی ہوتی چلی گئی مگر چونکہ لشکر سلاطین پیشین میں ہر ملک و دیار و ہر اقوام و ہر زبان کے اشخاص شامل تھے تو الفاظ مختلفۃ اللسانین اسمیں شامل ہوتے چلے گئے۔ حتیٰ کہ نوبت سلطنت مغلیہ کی پہونچی اور بادشاہِ شاہجہاں نے حصار کھینچکر شاہجہان آباد کو آباد فرمایا اور جامع مسجد اور لال قلعہ تعمیر کر کے قلعہ معلیٰ میں جلوس فرما کر دارالخلافہ ٹھیرایا اور بیرون قلعہ اہل لشکر کی سکونت کے لئے حکم دیا اور بازار آباد کیا وہ بازار اُردو بازار کے نام سے موسوم ہوا چنانچہ تا زمانِ غدر شکرانان وہ بازار موجود تھا اور بعد زمانۂ غدر وہ منہدم و مسمار کیا گیا تا الی الاعلان کچھ کچھ نشانات اوسکے موجود ہیں ۵

از نقش و نگار در و دیوار شکسته		آثار پدید است صنادید عجم را	

خیر اس فضول سے کیا حصول - باز آمدم بر سر مطلب - اب سنئے اُس بازار کے باشندے چونکہ اہل لشکر تھے اور مختلف النسان اور اب اگر باہم اتفاق زبان ہوا تو اسکا نام اُردو سے معلی قرار دیا اور روز بروز اسکی ترقی اور تراش خراش چھانٹ چنت ہوتی چلی گئی اور الفاظ ثقیل اور کریح اور بعید الفہم کے عوض محاورات اور الفاظ شستہ و رفتہ قریب الفہم مستعمل ہوتے چلے گئے - ہر زمانے میں رنگ دگر پیدا ہوتا رہا حتیٰ کہ نوبت شعرا تک پہونچی اور قدما نے زبان اُردو میں سخنگوئی اختیار کی اور شعرا نے اس خوان الوان نعماے ابدی اور دولت سرمدی کو لوث و آلایش خار و خس ستم اور دُرد اغلاط و سخت و درشت الفاظ غیر مربوط و ناملایم سے پاک و صاف کر کے مثل زر بیغش و قند نبات شیرین و خوشگوار کر دکھایا - اب بجاے خود یہ ایک چیز ہر دلعزیز ایسی ہو گئی کہ بلبلان شیراز کو رشک آیا اور طوطیان شکر خاے عرب و عجم نے زہر کھایا - سبحان اللہ اُردوے معلے کی فصاحت بلاغت شستگی الفاظ رنگینی بیان شیرینی زبان کثرت محاورات تراکیب ارتباط لطافت ظرافت اسکی اسی کو سزاوار ہے کہ منصف مزاجان ممالک غیر کو بھی اقرار ہے آفرین صد آفرین ہمت والا ہمت اُن برگزیدگان پیشین پر کہ جو موجد اور بانی و بانی اور شاطر اس شاہد طناز کے ہوئے اور کلام بلاغت نظام اُن ذوی احترام کا صفحۂ روزگار پر تا روز شمار باقی و یادگار رہے - ہزار ہزار تحسین اُن والا نظران پاک گوہر پر کہ جن ارباب فہم و ذکا نے از راہ قدر دانی و ہمدردی اُس کلام معجز نظام کو فراہم کر کے انتخاب کیا اور پس ماندگان کے واسطے سرمایۂ دولت بے زوال چھوڑ کر اپنا راستہ لیا تا کہ متاخرین اُسکو سند گردانکر رہبر و دانی و کافی اُٹھاویں دعاے خیر سے یاد فرمائیں ۵

نام نیکو رفتگاں ضایع مکن		تا بماند نام نیکت برقرار	

تذکرہ شعراے قدما را کثر میری نظر سے گذرے ہیں اُنکی حلاوت دل ہی جانتا ہے زبان سے بیان نہیں ہو سکتی مگر فی زمانا محقق والا نظر معدن علم و ہنر مدقق باریک بیں سخن فہم نکتہ چیں

واقفِ رموزِ نکتہ دانی کاشف غوامضِ معانی عالم علوم متکاثرہ ماہر فنون متباحرہ نثار بیمثال جامع الکمال چاشنی گرِ مذاقِ سخن نثر نگار کمالِ فن ماہر زبان انگریزی و فارسی لالہ سریرام صاحب ایم۔اے منصف عدالت خفیفۂ دہلی خلف الصدق جناب کمالاتِ اکتساب عالمِ بیبدل زبان انگریزی و فارسی آنریبل راؤ بہادر لالہ مدن گوپال صاحب بیرسٹرایٹ لا ایم۔اے۔ ہائی کورٹ لاہور نے بکمال عرقریزی و جانفشانی و بہزار محنت و مشقت عرصۂ گیارہ سال میں ایک تذکرۂ کلام شعراء ماضی و حال منظم فرمایا ہے تذکرہ کیا اپنا جوہرِ فطری دکھایا ہے واقعی عجب کارِ نمایاں کیا ہے کہ احاطۂ طاقت و قدرتِ بشری سے باہر ہے اس محل پر یہی کہا جا سکتا ہے۔ ع

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

فی الحقیقت دریا کو کوزے میں بند کیا ہے دو ہزار شعرا نامدار کا کلام مع حالات تمام نام بنام قلمبند کیا ہے اگر بنظرِ سیر دیکھا جائے تو ایک تاریخ معتبر ہے اگر بطور مشاہدہ حسنِ کلام نظر ڈالی جائے تو نقشِ ارژنگ و نگارخانۂ چین و فرنگ ہے۔ کہ قسم قسم کے شاہدانِ طنّاز سرگرمِ عشوہ و ناز ہیں جنکے مشاہدے سے نظر کو نور دل کو سرور حاصل ہوتا ہے خود بخود دل مائل ہوتا ہے اگر انشاپردازی و عبارت طرازی پر غور کیجاتی ہے تو ویسی ہی بے نظیر ہے اگر انتخابِ اشعار کو دیکھا جاتا ہے تو وہ لاجواب ہے غرضکہ بہر منہج انتخاب ہی اپنا آپ جواب ہے زیادہ لکھنا فضول ہے طول کلام سے کیا حصول ہے۔ میں بلا تصنع یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ اگر تمام ہندوستان کے شعرا محققین یکجا ہو کر انتخاب فرماتے تو ہرگز ہرگز گوئے سبقت نہ لیجا سکتے حق تو یوں ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے انواع انواع طرح کے کمالات صوری و معنوی ذات ستودہ صفات بابو صاحب مسبوق الذکر میں عطا فرمائے ہیں خیاط ازل نے جامۂ اہلیت و خلعت قابلیت اسی قامتِ راست استقامت پر قطع فرمایا ہے اور قطع نظر

۵ یہ تقریظ حضرتِ ظہیر نے ۱۹۰۰ء میں تحریر فرمائی تھی۔ صرف قطعات اب لکھے۔

علوم و فنون کے فی نفسہ بھی لالہ صاحب موصوف ایک شخص ہر دلعزیز ہیں کہ جن کے لطف ملاقات سے ہرگز ہرگز انسان کا دل سیر نہیں ہوتا ہے۔ خوش صورت خوش سیرت خوشرو خوشخو خوش تقریر خوش گفتار خوش کردار جوانِ رعنا سراپا فہم و ذکا سلیم الطبع حلیم المزاج بامروت باحیا سراپا خلق وسیع الاخلاق عمیم الاشفاق یار باش مہماں نواز دوستِ صادق یار موافق غرضکہ بہمہ صفت موصوف یگانۂ آفاق ہر علم و ہنر میں طاق ہیں اور کیوں نہ لالہ صاحب کے آباؤ اجداد کیسے لایق و فایق اولوالعزم ذی حوصلہ عالی پایگاہ ہوتے چلے آئے ہیں۔ چنانچہ زمانۂ سلطنت جلال الدین اکبر شاہ بادشاہ دہلی میں جد امجد لالہ صاحب ممدوح راجہ ٹوڈرمل بہادر ٹنڈن کھتری امرا عظام اراکین بادشاہی سے تھے کہ جن کا ذکر خیر کتب تواریخ میں مرقوم ہے اور فی زمانہ عموی بزرگوار جناب رائے بہادر ماسٹر پیارے لال صاحب کیسے نامی نامدار یگانۂ روزگار مشاہیر آفاق ہیں کہ بجلدوی خدمات تعلیم مدارس و فن ترجمہ نگاری پیشگاہ دولت انگلشیہ سے خطاب رائے بہادری حاصل کیا ہے علی ہذا القیاس والد بزرگوار لالہ صاحب عالی جناب آنریبل رائے بہادر لالہ مدن گوپال صاحب ایم اے بیرسٹرایٹ لاہور کہ جن کا شہرۂ لیاقت انگریزی ہندوستان سے لیکر انگلستان تک اظہر من الشمس و ابیض من القمس سے موجود ہے حق تو یوں ہے کہ مصرعہ ہذا اسی خاندانِ والاشان کی شان میں صادق آتا ہے

این خانہ تمام آفتابست

جناب لالہ صاحب ممدوح از بسکہ حال فقیر پر غایت درجے کی عنایت فرماتے رہتے ہیں بارہا تقاضی اسکے تھے کہ تو چند سطرین اس حدیقہ نوبہار سخن کے لکھدے ہر چند بہ تقصیر و عذرات بیمدانی میں پیش کرتا رہا مگر وہ مقبول نہ ہوئے ناچار فقیر ظہیر نے یہ چند سطریں بمقتضائے الامر فوق الادب بطور تقریظ تحریر کرکے ارسال خدمت کردیں اللہ تعالےٰ اس ریاض پربہار لالہ صاحب موصوف کو سرسبز و شاداب فرمائے۔ وَاللّٰہُ وَلِیُّ التوفیق۔

ہیں ظہیرؔ پرے کے اک مہربان — شہرۂ آفاق و یکتائے جہان
بحرِ علم و منبعِ فضل و ہنر — عالم و منشی ہیں وہ والا گہر
نکتہ داں و ناظم و نثار ہیں — ماہرِ فن واقفِ ہر کار ہیں
علم انگریزی پہ قدرت خوب ہے — الغرض جو کچھ ہے خوش اسلوب ہے
عالم و فاضل ہیں اور قانون داں — فرد ہیں بیشک وہ عالی خاندان
ہر ہنر میں لایق و فایق ہیں وہ — جان و دل سے شعر کے شایق ہیں وہ
نام نامی ہے سرِ رام آپ کا — جانتا ہے اک جہاں نام آپ کا
ہیں نسب میں بھی وہ عالی خاندان — شہرۂ آفاق والا دودمان
آپ پر فہم و فراست ختم ہے — اس گھرانے پر لیاقت ختم ہے
باپ دادا نامور سب ہوئے — اہلِ دولت صاحبِ منصب ہوئے
آپ کو شعر و سخن کا شوق ہے — نثر لکھنے کا نہایت ذوق ہے
تذکرہ لکھا ہے خود اک لاجواب — منتخب اشعار کا لبِ لباب
صفحۂ اوراقِ گلشن کر دیا — شاعروں کا نام روشن کر دیا
ہے عبارت خاص دہلی کی زباں — جانِ اردو صاف و شیریں ہے بیان
خوش بیانی پر ہے تحسین آپ کی — جانفشانی پر ہے تحسین آپ کی
امتدادِ سالہائے سال میں — ختم کو پہونچا ہے سالِ حال میں
اس برس چھپکر ہوا تیار ہے — تذکرہ کیا ہے کہ اک گلزار ہے
دیکھنے سے جسکے ہوتی ہے نظر — شاعروں کا خاص ہے تعلیم گر
تذکرہ کیا شاعروں کی جان ہے — شایقوں کا دین ہے ایمان ہے
تذکرہ کیا ہے کہ ہے آبِ حیات — روح افزائی کی ہیں جس میں صفات
دیکھکر ہوتا ہے جسکو غم غلط — پنج ہو جاتا ہے سب یکدم غلط

اسکی لذت جانتے ہیں خوش مذاق — جسقدر دیکھو بڑھیگا اشتیاق
واقعی یہ تذکرہ ہے بے مثال — صاحبِ تالیف ہے نازکخیال
جمع ہیں اشعار کل ہر رنگ کے — ہیں شگفتہ پھول گل ہر رنگ کے
دیکھکر اسکو کہیں گے حق پرست — ہر گلی را رنگ و بوئے دیگر است
کم نظر آئے گا ایسا تذکرہ — ہے یہ اسم با مسمّیٰ تذکرہ
تذکروں سے ہے الگ اسکا جو رنگ — ہو جدا تاریخ کا بھی رنگ ڈھنگ
کیجئے شامل سرِ طوطی اگر — سنہ فصلی ہوں برآمد بے کسر

نام سے روشن ہے حالِ تذکرہ
تذکرہ - تاریخ وسالِ - تذکرہ
سنہ ۱۳۱۰ھ ۱۳۲۵ھ

ط

ثانی

مرے مخدوم ہیں لالہ سریرام — اُنہیں اشعار پر کامل نظر ہے
مذاق شعر ہے کچھ حد سے بڑھکر — اسی کا مشغلہ شام و سحر ہے
کئے ہیں جمع وہ اشعار چُنکر — بجائے خود ہر اک لعل و گہر ہے
وہ گلزار ارم اب چھپ رہا ہے — کہ مُشتاق اُسکا ہر فرد بشر ہے
ظہیر اس گلکدہ کا سال تاریخ — بسا دلچسپ غایت مختصر ہے

سرِ اعجاز سے نکلی ہے تاریخ
نہیں یہ تذکرہ بحرِ گہر ہے

تقریظ بر نخبۂ کلک جواہر سلک نخلبند گلزار معانی طوطی شکرستان شیوابیانی نظیری نظیر عرفی ثانی مولانا نجم الدین احمد ثاقب

بدایونی المخاطب بہ پہلوان سخن از ارشد تلامذہ حضرت مولانا ظہیر دہلوی

یا خدا آمد ہے کس مستِ شرابِ ناز کی
مچ رہی ہے آج کیوں صحنِ چمن میں کھلبلی

کون مہمانِ عزیز آتا ہے جس کی راہ میں
چشمِ نرگس صورتِ چشمِ زلیخا ہو گئی

شور ہے کس کی سواری کا یہ کیسی دھوم ہے
سرو قد استادہ ہیں گلشن میں شمشاد و سہی

نامیہ نے سبزۂ خوابیدہ کو چونکا دیا
ہر چمن کی ہر روش انگڑائیاں لینے لگی

گھاس لہرانے لگی موجِ نسیمِ صبح سے
بنگلی سخت رواں ایک ایک کیاری بانکی

چھانوں میں بیٹھی ہیں مالنی کی موجیں خال خال
آ رہی ہے ناز سے رکتی ہوئی نیلم پری

سبع سیارہ نے کیں ہر ہفت کی تیاریاں
ہو گیا ترکِ فلک آمادۂ شاطگی

موتی شبنم کے بنفشے نے پروئے بال بال
چولی سنبل کی بھی موافِ زرگل سے سجی

ہو گئی بزمِ شہانہ سربسر آراستہ
باب گلشن پر صلائے عام کی نوبت بجی

لولیانِ بانکی وہ پیشوازیں سبز سبز
ہر گلی میں جنکی چمپک زیرہ گل کی ٹکی

ساز غنچے تار پھولوں کی رگیں مضراب خار
چھیڑ کر سننے سنانے کی صبا کو دھن بندھی

کھولدی غنچوں کی گٹھری باندھ لی اپنی کمر
ہر خیالِ تازہ کو سوجھا تماشا دل لگی

خشک پتوں پر جھما جھم بوندیوں کے گھونگرو
کوئے کوئے وہ مجیروں کی کھرج وہ گنگری

بولنے گل کھنے لگی تازہ شگوفہ دیکھکر
خیر سے اب تک کہاں تھے آئیے استاد جی

تالیاں دو ہاتھ سے بجتی ہیں سنتے تھے مگر
پتے پتے نے ہوا میں بھر دستک آج دی

خود بخود دو لکی مشکوں سے جوانانِ چمن
جوشِ مستی میں ہوئے آمادۂ خمیازگری

حسرکنار حوض پر وہ دور دونکے دادرے
جنکی لے میں دلفریبی چڑھ اثر میں دلکشی

کوئلوں کی وہ ملہاریں جھولکا زوشوں کے ساتھ
جنکی سب تانیں رسیلی اور چپل پھرہرہ بھری

وہ غضب قمری کے پلٹے سرو کی ہر شاخ پر
اونچے سر میں وہ الاپیں سمدم طاؤس کی

بلبلوں کے وہ ترانے وہ ترنم خیزیاں
باغ کو سر پر اٹھا رکھا ہے اللہ دے غنی

چھیڑ کہا ہے مہوشوں نے کیسی جنگجو
اک طرف میرا ننو نکو دوسری ہیلو کی بندھی

شام سے دیپک کی لو ہے کرکب شب تاب کی
جس طرف دیکھو اودھر ہے آگ پانی میں لگی

آشیانو نہیں بھی غافل کب ہیں غان چمن
چھیڑ دینے کیلئے کافی ہیں تامیں دیس کی

صبح گلشن میں نمایاں ہے بہار صبح عید
خندۂ گل کی ہے نوبت شاہنائی ہر کلی

کون طوطی کی صدا نقار خانے میں سنے
کر چکی ہے مست سب کو اپنی اپنی راگنی

رکھتے ہی سر پر شمو فوں نے بھی تاج زرنگار
بلبلوں نے نوبہی لیکے گشت گلرو کی بھری

جوڑے ارباب طرب کے خود بنانے آئی ہے
طبلۂ عطار بنکر مشکدانی کی کلی

نور کا تڑکا سہانا وقت وہ ٹھنڈی ہوا
بھیرویں کی دھن میں گلچیں نے غزل چھیڑ دی

غزل

میکشو مژدہ کہ پھر آئی گلستاں میں بہار
لائی پھر رحمت کی کلیاں چن کے دامانمیں بہار

اے زلیخا کیا مزہ دیگی شبستاں میں بہار
پہلے کچھ دن لوٹتی تھی یوسف کے زنداں میں بہار

لے اوری توبہ کو رند و موسم گل کی ہوا تو
آئے گی ساقی سے اب کچھ عہد و پیماں میں بہار

جا پہونچ اے وحشت دل بنکے مہمان عزیز
سنتے ہیں آئی ہوئی ہے کوئے جاناں میں بہار

پانو نکلے چھالے وہاں بھی گل کھلا ئینگے نئے
ساتھ چھوڑے گی نہ دم بھر گنج زنداں میں بہار

جاتے ہیں بھی پہ پانکے ہاتھ میں دامن لئے
آئی ہے اب کی برس فصل زمستاں میں بہار

پھر مئے انگور پر ہے محتسب کی قاتحہ
پھر نمک بھرتی ہے میرے زخم پنہاں میں بہار

کوچۂ دشمن میں شب باشی مبارک ہو اسے
گھر مرا کیوں گھیرتی ہے روز ہجراں میں بہار

پھر وہی منہ لیکے آئی میرے دلکے سامنے
سر توڑ لے اک ذرا اپنے گریباں میں بہار

ایک چٹکی میں کھلا ہر غنچۂ زخم کہن
کس قیامت کی ہے قاتل کے نمکداں میں بہار

نام لے لیکر بس اب خالی ورق الٹا کرو
لیلی و مجنوں کے دم سے تھی دبستاں میں بہار

آسمیاں سے کہکر وہ اِدِقفس لانا جواب
بات اتنی ہے اگر ہو تیرے امکاں میں بہار

ہر اوا پر غنچۂ آسا دل پریشاں ہو گئے
کس نے بھر دی کوٹ کر قاتل کی پیکانیں بہار

عیش کا کیا ذکر غم سے بھی طبیعت بھر چکی
اب کہاں صبح وطن شام غریباں میں بہار

پھر ہوائے میکدہ کہتی ہے تاآب کوئی دم
پھر سمائی ہے نئی طبع غزلخواں میں بہار

مطلع ثانی

او سخی دانا فقیروں سے کہا نہ ٹک لگی
کوئی چلو ڈیڑھ چلو ہے ہمارے نام کی

ساقیا ہر دم تری بھٹی سلگتی ہی رہے
اور بھی ہو رات دو نی دن سوائی بکری

بھولے بسرے تو وہ علاے دقاقہ مسکو بھی
بہتی گنگا میں اے کمظرف ہو گی کیا کمی

کب سے دستک دے رہا ہے دل درمیخانہ پر
کب کے کنڈی کھڑکھڑاتی ہے پریشاں خاطری

چھینتے ہی چھینتے آخر سویرا ہو گیا
منعبچے جاگے نہ چشم مست ساقی کی کھلی

جاگنا کس کا علی الروٹ ذرا نیکی طرح
رات گذری اور دن بھی چڑھنے آیا دو گھڑی

یا خدا اب ہم صبوحی نوش آخر کیا کریں
حلق میں پھندے زباں بھی سوکھکر کانٹا ہوئی

بے سبب اتنا سکوت بیمحل ممکن نہیں
یا وہی بدمست ہیں یا کچھ عطا ہونے کی

منعبچے ساقی رہے بدمست یہ ناممکن
وہ جو شب بیداری پیر مغاں کی دوستی

لو رضا اسکو بھی حفظ مراتب کا تھا پاس
اہل حلقہ کو ہوا کیا کر گئے کیوں اَن سنی

کیا قیامت ہے کسی کے کان پر رنگی نہ جوں
کیا مصیبت ہے کہ سب نے آنکھ ہمسے پھیر لی

آؤ اک آواز دیکر آزمائیں پھر نصیب
پھر بلائیں میکدے کا باب کہکر یا علی

کھولڈالیں کہہ کے یا فتاح قفل ہر بھر
پڑھکے بسم اللہ بے پر کی اڑائیں دو گھڑی

اب کھلی رہے آنکھ اور چہ کنی نظر
ہو کسی کونے میں شاید اور بوتل بھی بھری

پھر تم کہکے وہ بھی صاف کر دیں خیر سے
دور میں آئے نظر کے جو چھنی اور بے چھنی

پی پلا کر دیں دعائیں خمخانۂ جاوید کو
جسکی خاطر یہ مے و معشوق کی شادی رچی

اپنی حالت سے گزر کر ایک مطلع وہ پڑھیں | نقطہ نقطہ جس کا وے ارباب معنی کوڑی

مطلع ثالث

شرط ہے اچھا جو اپنا سننے کو منصفی | یونہ ہونے کو زمانہ ہے سخن کا مدعی
کیا ستم ہے کوئی تنہا پوچھنے والا نہیں | کسکا دعویٰ ہے مدلل کسکی حجت ہے قوی
صاف ہو کر کسکا بیاں گنجلک ہو کسکی ڈھلا | کسکے اظہار و نہیں لغزش کسکے لکھے میں کمی
کیجئے کسکی وکالت ہو جئے کسکے گواہ | مدعی سست اور شاہد چست کا ہے پاس ہی
چھیڑیئے اپنی صفائی پھر بھی کہکر یا نصیب | فیصلے کی ہاں مگر امید باقی ہی نہ تھی
حق بجانب ہے کسی عادل کو جابر کیوں کہیں | اپنے ہاتھوں اپنے پیر نہیں کلہاڑی ماری
مدعی سے کیا شکایت آسمانسے کیا گلہ | آپ اپنی قدر کرنی تھی جو کچھ ابتک نہ کی
جب دکھائے اپنے جوہر عیب کی تھوڑ دکھائے | عمر بھر بے ڈنگی گایا سکے ہم راگنی
راستی پر ہو لکر آیا نہ اکدم بھی مزاج | بڑ گئی دو ہاتھ قسمت سے طبیعت کی کجی
واہ واشان تبختر مرحبا شان غرور | اپنے آگے بات ناصح کی کبھی جمنے نہ دی
اپنے منہ سے خود میاں مٹھو بنے ہر شاخسر | ہانک سیدھی سی بنی جی جھیجو کی کیا آگئی
گانٹھ ہلدی کی جو ہاتھ آئی پساری بنگئے | ہمپہ یہ پھبتی کہی اچھی کسینے واقعی
جان کیا آنکھیں چرائیں جانفشانی کی جگہ | کی تن آسانی جہاں کرنی تھی پوری تنہی
گلیوں گلیوں خوب بھٹکے صدر سے چھوٹکر | رہبری کا ذکر کیا آئی نہ سیدھی رہروی
بنگئے رہبر راہبر کے حق میں قطاع الطریق | جو ذرا آگے چلا کی بڑھکے اسکی رہزنی
الغرض اعمال ہیں افعال ملفوظات ہیں | ہے وہی ابتک خرابی یا کمی یا کو تھی
داد دینی بھی نہ آئی داد لینی تو کجا | یہ طبیعت ہے ہماری یہ ہماری شاعری
اہل فن کو اہل فن سے رشک ہو یہ بھی تو ہو | عشق کی دنیا میں ہے یہ شیوہ مردانگی
داد و داد اے گردش گردوں گرداں داد داد | اٹھگئی کیا دور میں تیرے دلوں سے منصفی

فرق بس اتنا رہا ہے آج دشمن دوست میں
ہے کہیں احسان فراموشی کہیں محسن کشی

اب کوئی ممنون ہو اپنا یہ ممکن ہی نہیں
خواہ کیسی ہے برتئے بیغرض کی دوستی

لاکھ خاطر سے کسیکی کھویئے وقتِ عزیز
صرف بھی کر دیجئے بیفرقہ گھڑیاں عمر کی

قدردانی کی مگر امید ہے بالائے طاق
ہاں نظر آئینگی کچھ پھولی انگلیاں اٹھتی ہوئی

خیر حالت پر زمانے کی کہانتک روئیے
سینہ کوبی تا کجا تا چند یہ سینہ زنی

جیسی کرنی ویسی بھرنی یہ تو ہوتی آئی ہے
قدردانو تمیں بھی ناقدرونکی ناقدری ہی

چھوڑ جگ بیتی کہانی پہلے اب بیتی نبیڑ
ایدل وحشت زدہ تجھکو پرائی کیا پڑی

ڈال اب گہری نظر خمخانۂ جاوید پر
کیفئے جسکے بدنمیں جان دونی ڈالدی

کونسا خمخانۂ جاوید پیارا تذکرہ
جسکے ہر ساغر میں روح میر و سودا ہے بھری

کونسا خمخانۂ جاوید جسکے دور میں
جا بجا کیفیتیں پنہاں ہیں سوز و درد کی

کونسا خمخانۂ جاوید جسکی بزم میں
ہمنوا ہیں جرأت و انشا نواؔ و مصحفی

کونسا خمخانۂ جاوید جسکے باغ میں
راس و چپ بیٹھے ہیں ممنونؔ و نصیرؔ و ہاوی

کونسا خمخانۂ جاوید جسکے بام پر
ذوق و مومن ناسخ و آتش کی ہر دم کڑی جمی

کونسا خمخانۂ جاوید جسکے ارد گرد
پرو ے پر و پر ہے صورت میر الو شاہ کی

کونسا خمخانۂ جاوید جسکی راہ میں
رند و مفتی سالک و مجذوب کی نوبت بجی

کونسا خمخانۂ جاوید جسکی سقف پر
ہر فقیہ و عارف و کامل کی آنکھیں ہیں جڑی

کونسا خمخانۂ جاوید جسکے شیفتہ
ہیں اسیر و فیر و آشفتہ برق و بحر بھی

کونسا خمخانۂ جاوید منبر پر جہاں
ہیں انیس و دبیر و مونس کی صدائیں گونجتی

کونسا خمخانۂ جاوید کرسی پر جہاں
عرش پروازی کی دھومیں ہیں ہیرو ڈوبھی

کونسا خمخانۂ جاوید جسکے طاق پر
قدِ آدم ہے شبیہ النور و مجروح بھی

کونسا خمخانۂ جاوید جسکے منصرم
ہیں وزیر و رشک کجانب نسیم لکھنوی

کونسا خمخانۂ جاوید جسپر ہے لکھا — موحد باب فصاحت ہیں نسیم دہلوی
کونسا خمخانۂ جاوید جسکے اہلکار — شاغل وصابر کہیں معروف تابان ڈفکی
کونسا خمخانۂ جاوید جسکے بادہ نوش — ارشد وکامل کسی جاتے تھے نفیس لکھنوی
کونسا خمخانۂ جاوید جسمیں حکمراں — ناظم ونواب آتے تھے نظر کیجا ابھی
کونسا خمخانۂ جاوید جس میں رات بھر — ہولیاں گائیں گئیں اختر پیا کے نام کی
کونسا خمخانۂ جاوید جسکے فاقدست — بوظفر تھے خاتم شاہنشہی وشاعری
کونسا خمخانۂ جاوید جسکے صحن میں — ہے امیر ودا غ کی تصویر جیتی جاگتی
کونسا خمخانۂ جاوید جسمیں نوبتیں — گونجتی ہیں جابجا بانک اُنہیں کے نام کی
کونسا خمخانۂ جاوید جسمیں حشر تک — پھوٹ پڑتی کسطرح دونوں کی مٹی ایک تھی
کونسا خمخانۂ جاوید جسکے چوک میں — ہے سپہر ومہر ومہ کی جابجا جلوہ گری
کونسا خمخانۂ جاوید جسکے راہبر — ہیں ظہیر دہلوی یا حالی پانی پتی
کونسا خمخانۂ جاوید جسکے پیشرو — اب جلال لکھنوی ہیں سید ضامن علی
کونسا خمخانہ جس کے راز سے آگاہ ہیں — راقم وتسلیم وشاداں ماہر ومشتاق بھی
کونسا خمخانہ جسکے ابر رحمت کی گھٹا — چھٹتے دیکر سوختوں کو جگانے آگئی
کونسا خمخانہ جسکی موج نے دیکر تھپیڑ — ڈوبنے والونکی کشتی پھیر کر کنارے لاوہری
کونسا خمخانۂ جسکے میہمانوں کے حضور — شمع کافوری کہیں بجلی کی تازہ روشنی
کونسا خمخانہ جسکے بام ودر پر نقش ہیں — مردوں زندونکی شبیہیں صاف لفظی معنوی
کون ساقی ہے یہانکا جسکے ہر ہر جام میں — ہو بہو کیفیتیں ہیں ساغر جمشید کی
کون مطرب ہے یہانکا جسکی ہر ہر تان میں — دست تہ سامنے ہے راگ ہویا راگنی
کون ہے نقاش اسکا جسکے ہر ہر نقش نے — مانی وبہزاد کی بھی میٹ دی صورتگری
کون اسکا میزباں ہے جسکے دسترخوان پر — میہمانونکے لئے نعمت ہے دنیا کی جنی

کون اسکا میر منشی ہے کہ جسکی ہر پرورش
فقروں فقرو نمیں ہے، رنگ آمیز محسن شاعری

مہتمم ہے کون اس دفتر کا حاکم کون ہے
جسکی ہر ہر شان میں پیدا ہے شان منصفی

منصفِ دہلی ہیں وہ لالہ سرب رام ایم اے
جنکی نصفت سے خفیفہ کی گراں قیمت ہوئی

ذی ہنر ذی علم ذی فن ذی خرد ذی حوصلہ
ذی دول ذی مرتبت ذی تمکنت زیرک کی

نکتہ داں و نکتہ بیں و نکتہ فہم و نکتہ رس
ختم جنپر نکتہ سنجی اور نکتہ پروری

پاک باطن پاک ظاہر پاک طینت پاکدل
کینہ و بغض و حسد حرص و تعصب سے بری

صاحبِ طبع فہیم و صاحبِ ذہن سلیم
جنمیں فطرت نے بھری ہے کوٹکر معنی رسی

خوش بیانی خوش لہجہ خوش اخلاق خوشخو خوشنوا
اور پھر سولاکھ خوشیونکی خوشی خوش قسمتی

ہاتھ ڈالا آجتک جس کام میں پورا کیا
حق تو یہ ہے قول ہاری انسی عالی ہمتی

کیوں نہ میزانِ عدالت میں گہر تولا کریں
قدر گوہر شاہ داند یا بداند جوہری

شعر گوئی کیطرف رغبت نہیں اچھا ہو
شعر فہمی کس بلا کی انکی گھٹی میں پڑی

سیکڑوں دیوان اردو اور گلدستے ہزار
دیکھنے میں چھانٹنے میں عمر اپنی صرف کی

چھان مارا قریہ قریہ قصبہ قصبہ شہر شہر
جستجو نے اہلِ فن کی وہ ہوا سر میں بھری

خود ملے ہر ایک شاعر سے جہانتک ہو سکی
حال کی تحقیق کامل کی جہانتک ہو سکی

منتخب ایسے کئے اشعار ہر ہر رنگ کے
روح گویا صاف اردو شاعری کی کھینچ لی

پتی پتی ڈالی ڈالی غنچہ غنچہ پھول پھول
چنکے ہر ہر باغ سے طبع رسا لاتی رہی

پہلے ہر شاعر کا لکھا حال پھر اسکا کلام
اور پھر ہر ایک طبیعت کے مناسب رائے دی

گنج معنی ہار گوندا ہر طبع نکتہ رس
یوں پروئیں نثر کے رشتے میں کلیاں نظم کی

داد دلوا کے شہسوارانِ معانی داد داد
آکے میدانمیں دکھاؤ کچھ تو کرتب بیدہری

داد دیکر داد لینی ہو تو آؤ شوق سے
جمع ہیں سب مرد میدان پھر بھی وسعت ہے بڑی

تذکرہ کیا ہے یہ جولانگاہ خاص و عام ہے
سخت کم ہمت ہے جسنے باگ اس سے موڑ لی

اپنے اپنے بس خیال اور اپنی اپنی دوڑ ہے
چھوڑ دو ہر ایک کی مرضی پہ جسکی جو خوشی

باب خلاقِ سخن پر دل سی ہوئیں ترزباں
اے مرے گویائی دینے والے قادر یا قوی

تذکرے کو بخشدی خلعت قبول عام کا
تا قیامت ہو نہ اسکے قدر دانوں کی کمی

اور کرا اسکے مولف کی بھی پوری ہر مراد
عام اس سے اب ہو یا جب ہو خفی ہو یا جلی

اب تو ثاقب سننے والے بھی پریشاں ہو گئے
اور لکھتے لکھتے اپنی بھی طبیعت بھر گئی

اک فقط تاریخ باقی ہے تو قصہ مختصر
تذکرہ ہیمثیل میں ہے سال ہجری عیسوی

تقریظ از نتایج افکار گہربار ارسطوے دوراں جالینوس زماں فخر اطبائے ہندوستان حاذق الملک حکیم محمد اجمل خانصاحب دہلوی سلمہ اللہ تعالے

خمخانۂ جاوید

اس زمانے میں جبکہ پرانے آثار مٹتے جاتے ہیں اور ہوائے مخالف کے جھونکے ہمارے اسلاف کے نشانوں کو روز بروز پامال کرتے جاتے ہیں میرے دوست جناب لالہ سری رام صاحب رئیس دہلی خلف الصدق جناب رائے بہادر لالہ مدن گوپال صاحب سرگیاشی نے جو کام شروع کیا ہے وہ ہندوستان کی اردو داں پبلک کے لئے علی العموم اور اہل دہلی کے لئے علی الخصوص باعث شکر گذاری ہے۔ بے شک انہوں نے اردو پر احسان کیا ہے۔ اور اسکے اگلے پچھلے کارفرماؤں (شاعروں) کو پبلک سے روشناس کرنے میں روپیہ اور وقت کے صرف کا کچھ لحاظ نہیں کیا۔ جو اردو کے سرمایۂ ناز اس وقت خواب

عدم میں ہیں۔ اور جو اسکے اہل کمال آجکل ہندوستان کے مختلف شہروں میں خاموش زندگی بسر کر رہے ہیں اُنکے ہنر و کمال کے ظاہر کرنے میں "مخزنۂ جاوید" نے کوئی کمی نہیں کی ہے۔

وہ خاندان جن کے اسلاف کو "مخزنۂ جاوید" نے زندہ کرنے کی کوشش کی ہے اور جو اپنی کوشش میں کامیابی کا تمغہ حاصل کر چکا ہے خصوصیت کے ساتھ میرے دوست لالہ سریرام صاحب کے شکر گزار ہوں گے کیونکہ انکے فرض کو اُنھوں نے ادا کیا ہے اور ان کے بار دوش کو اُنھوں نے اپنے کندھوں پر لیا ہے۔ یہ ایک ایسی جوانمردی اور عالی ہمتی کا کام ہے کہ جسکا معاوضہ صرف احسنت نہیں ہونا چاہئے بلکہ اس کی قدردانی دلی شکر گزاری کے ساتھ کرنی چاہئے۔

مخزنۂ جاوید کی پہلی جلد کو جسکے صفحات کی تعداد ۷۰۰ کے قریب ہے میں نے حبتہ حبتہ دیکھا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مولف نے انتخاب کے کام کو جو درحقیقت ایک مشکل کام ہے بہت قابلیت کے ساتھ انجام دے کر اپنی سخن فہمی کی وقعت کو ناظرین کی نگاہوں میں بلند کر دکھایا ہے۔

مختلف شعراء کے کلام کا انتخاب کبھی تو صرف اس غرض سے کیا جاتا ہے کہ گو شاعر فن شعر کا ماہر نہیں ہے لیکن علم و فضل یا دوسری حیثیت سے اسے خاص امتیاز حاصل ہے۔ اور کبھی اس مدعا سے اُسکے کلام کا انتخاب کیا جاتا ہے کہ اُسکے خیالات اور افکار اُسکے اشعار سے معلوم ہو سکیں۔ ان دونوں باتوں کے علاوہ کبھی اسکے فن ادب کی مہارت کا اظہار انتخاب کرنے والے کو مدنظر ہوتا ہے اور کبھی اُسکے طرز ادا کا اظہار مرکوز خاطر ہوتا ہے۔ مگر سب سے بڑی بات انتخام شعر پر شاعر کی قدرت اور دستگاہ دکھانی ایک تذکرہ نویس کا میرے خیال میں سب سے بڑا اور اہم فرض ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ "مخزنۂ جاوید" ان تمام باتوں کو سخن فہم ناظرین کے سامنے پیش کرنے میں کوتاہی نہیں کرتا۔

چونکہ یہ تذکرہ معنوی لحاظ سے ایک قیمتی گلدستہ ہے۔ اس لئے اگر کاغذ چھپائی اور خط کے اعتبار سے وہ اپنے معنوی حسن کی مشاطہ گری کرے تو کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے۔ آخر میں میں اپنے مہربان لالہ سر یرام صاحب کا اُنکی اس خدمت پر جو اُنھوں نے اُردو کے کے علم ادب کی کی ہے۔ خاص طور پر شکریہ ادا کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ اُردو بولنے والے اُردو لٹریچر کے اس قیمتی اضافہ کو عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے۔

حکیم محمد اجمل

۲۴ نومبر ۱۹۰۶ء

تقریظ رقمزدۂ فاضل عصر یگانۂ دہر خانصاحب پیرزادہ محمد حسین ایم۔ اے۔ المتخلص بہ عارف چیف جج عدالت عالیہ ہائیکورٹ قلمرو جموں و کشمیر

تذکرہ خمخانۂ جاوید

اُردو شاعری کا دور اول فی الواقعہ بیسویں صدی کے شروع ہوتے ہی ختم ہو گیا ہے یعنی طرز قدیم کو روز بروز اہل سخن چھوڑتے جاتے ہیں اور اُسکے قدردان بھی کم ہوتے جاتے ہیں۔ ایسے وقت میں اُسکا جائزہ لینا اور چٹھہ طیار کرنا بہت ضروری تھا تاکہ دکھایا جاوے کہ ان گزشتہ دو صدیوں میں اُسنے کس قدر اور کس رتبہ کا ذخیرہ جمع کیا ہے۔ اس کام کے لئے اُسی لیاقت اور دماغ کے آدمی کی ضرورت تھی جسکے تین سو سال پہلے شہنشاہ اکبر کو اپنے دیوانی دفتر کے تدوین کروانے کے لئے ضرورت پڑی تھی خوشی کا مقام ہے کہ اس کام کو بھی اب ایک لایق ہونہار نوجوان نے جسکو اکبری دیوان کے اولاد میں ہونے کا فخر حاصل

ہے اپنے ذمہ لیا اور اگر اس کام کی عظمت اور اہمیت کا صحیح اندازہ کیا جاوے تو ہمیں کہنا پڑتا ہے کہ مصنف نے اپنے کام کو بہت محنت اور خوش اسلوبی سے پورا کیا ہے۔ سترہ سال تک شب و روز ایک کام کے پیچھے پڑ جانا اور اپنی صحت اور جوانی اور دولت کو قربان کرنا سوائے محب قوم اور عاشق علم ادب کے اور کسی کا کام نہیں۔ مصنف کو جو اس مضمون سے دل بستگی ہے یا کہنا چاہیئے جو عشق ہے اسکی شہادت کتاب کے ہر صفحے سے مترشح ہوتی ہے انتخاب اشعار میں جو کمال کیا ہے وہ اس سے مصنف کی صحت مذاق اور نکتہ رسی کا پتہ ملتا ہے۔ سچ پوچھو تو مصنف نے اپنے دوست سید احمد دہلوی مصنف فرہنگ آصفیہ سے کچھ کم کام نہیں کیا ہے بلکہ اس کتاب کو اس ڈکشنری کا ایک ضروری جزو سمجھنا چاہیئے۔ خوبی قسمت سے اردو زبان کے جسقدر یہ دو بڑے کام تھے انکے کرنے والے بھی اسی قدر مناسب اور موزوں زمانے سے پیدا کئے اور ان دونوں کو سرپرست بھی اقلیم سخن کا وہ فرمانروا نصیب ہوا ہے جسکو اگر اردو زبان بولنے والوں کا بادشاہ کہیں تو کچھ بیجا نہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ جامع تذکرہ اردو زبان کے علم ادب کے لئے آیندہ زمانہ میں اسکا سرمایہ ناز سمجھے جانے کے قابل ہے اور ان تین ہزار حضرات میں سے جنکا تذکرہ میں حال بیان کیا گیا ہے دو ہزار نو سو پچاس کو مصنف کا خصوصاً ممنون ہونا چاہیئے کہ انکا نام اور کلام ساقی خمخانۂ کے فیاضی کی بدولت جریدہ جاوید پر ثبت ہو کر نسلہائے آیندہ کے گوش زد ہو جائیگا۔

راقم عارف از جموں

۲۳ جنوری ۱۹۰۸ء

تقریظ و تاریخ رشحہ خامۂ نخلبند گلزار معانی طوطی شکرستان خوش بیانی شاعر عدیم المثال قاضی غیاث الدین احمد صاحب خورشید دہلوی

شاگرد خاندان فخر الشعرا میر ممنون مغفور

تقریظ خمخانۂ جاوید

نام نیکِ دیگراں ضایع مکن
تا بماند نام نیکت برقرار

حکیم ارسطاطالیس کا قول ہے کہ اگر دنیا میں بعض لوگوں کی کمی ہو جائے تو مخلوق خدا کو اپنی احتیاجوں کے رفع ہونے سے سخت تکالیف اٹھانی پڑیں گی لیکن شعرا کا گروہ اسقدر بیکار اور زاید نظر آتا ہے کہ اگر سرے سے یہ طبقہ زمین کو خالی کر دے تو بظاہر کوئی نقصان نظام دنیوی میں عاید نہیں ہو سکتا اسی آواز کی صدائے بازگشت ہمکو ڈھائی ہزار برس کے بعد مولانا خواجہ الطاف حسین حالی پانی پتی کی مقبول انام مسدس میں قریب قریب اسی جوش کی سنائی دیتی ہے وہ فرماتے ہیں۔

جو سستے نمونے جی سے جائیں گذر سب
ہو میلا جہاں گم ہوں دھوبی اگر سب
سبے دم پہ گر شہر چھوڑیں نفر سب
جو مر جائیں بھنگی تو گندے ہوں گھر سب

یہ کر جائیں ہجرت جو شاعر ہمارے
کہیں مل کے خس کم جہاں پاک سارے

ایسی زبردست شہادتوں کے مقابلہ میں دلیلیں پیش کرنا آسان نہیں لیکن اس عالم میں خدا کے بندے ایسے بھی موجود ہیں جو اس بیکار فن کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور یہ ایک قدرتی اثر ہے جو نہ ارسطاطالیس کے حکیمانہ اقوال سے مفقود ہو سکتا ہے نہ مادی طور پر منفعت بخش ہونے سے نیست و نابود و فنا ہو جا سکتا ہے طبیعت کی موزونیت اسکا خداداد منبع اور زمانے کی دلچسپیاں خواہ وہ حسن انسانی کی شکل میں جلوہ گر ہوں خواہ گل بلبل کا رنگ و بو کریں اس کا لازوال ماخذ ہیں دنیا کے کاروبار بند نہیں ہو سکتے مخلوق خدا اپنی ضروریات

کا انصرام اور تکمیل کرتی رہتی ہے مگر بازاروں کی زیب و زینت تجارت گاہوں کا شور و شغب انجمنوں کی گہما گہمی اس کہن داؤدی پر ہرگز غالب نہیں آسکتی جو قلب انسانی سے نکلکر اور روح انسانی پر موثر ہوکر اسی وجد میں لاتی ہے اور جس کا جوش غیر منطقی انسان کی دم کے ساتھ ساتھ ہے عالی دماغ فلسفیوں کے غل غپاڑے سے ہم تو سہم گئی تھی اور سوچتی تھی کہ ہماری تو عمر ہی بیکار فن کی تحصیل میں صرف ہوئی ہے اب ہم کہاں لٹے گئے ہوئے وقت کو واپس لائیں جو دیگر کمالات کی تحصیل میں صرف کریں صرف اتنی امید کے سہارے پر جیتے تھے کہ اگر خدا تعالیٰ کی بیشمار مخلوق میں سے ایک شخص کے دل میں بھی ہماری ہزیاں سرائی گدگدی پیدا کردے گی تو ہماری ساری محنت رفتہ وصول ہوجائے گی مگر ساتھ ہی یہ بھی خیال تھا کہ زمانہ کا ہاتھ ہر وقت ایسی شے کو مٹانے کے لئے مستعد ہی جس کی حفاظت کا کافی انتظام نہ کیا گیا ہو الحمد للہ کہ خدا کی دانشمند بندوں میں سے ایک شخص لایق منشی بابو سریرام منصف لاہور ایسی تلی ہوئی اور شعراء کے نام اور انکے کلام کی حفاظت کے لئے بالکل جنچی ہوئی جہان آفرین نے پیدا کئے خمخانۂ جاوید کی ترتیب اور تالیف میں لایق مولف کو جو دقتیں اور دشواریاں پیش آئی ہونگی انکا اندازہ صرف اسی بات سے ہوسکتا ہے کہ انہوں نے بعض نادرالوجود دواوین وہ مہیا کی ہیں جو ہندوستان میں نایاب تھی اس اہم اور مشکل کام میں انہوں نے اپنی عمر عزیز صرف کی اور بڑی محنت اور عرق ریزی سے اپنی جمع کی ہوئی دولت کا کثیر حصہ اسمیں کھپایا ہے بیس برس کی متواتر محنتوں اور صرف کثیر کے بعد خدا نے آج وہ دن دکھایا کہ ہم سات سو صفحہ کی ایک جلد ضخیم شعرا ماضی و حال کی یادگار مرتب پاتے ہیں اور خداوند تعالےٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ لایق و مستعد مولف کی سعی و کوشش کو مشکور فرمائے اور اس خمخانہ کو جس کی ساقی نے حریفان سخن سنج کو بادۂ سخن سے سرمست کرنے میں کوئی کوشش اٹھا نہیں رکھی ہے خلق خدا کو بے انتہا فیوض کا منبع ثابت کرے اردو زبان میں تذکرے کے ایسی ضخامت کی مثال شاید مشکل سے دستیاب ہوگی اور ہم اپنی اہل ملک کو مژدہ دیتے ہیں کہ آج ہماری غریب زبان کے خزانہ میں بھی ایک ایسی لازوال دولت کا اضافہ

ہوتا ہے جسپر ہم بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں جسقدر شعراء کی حالات اور اُنکے کلام کے نمونہ اس بیش بہا تالیف میں جمع کئے گئے ہیں اُنکے تعداد ہزاروں تک پہونچتی ہے گویا ہزاروں کمالوں کے حق میں جنکی نام کچھ دنوں کے بعد صفحۂ ہستی سے مٹجاتے مؤلف نے مسیحائی کا کام کرکے اُردو زبان پر اک ایسا احسان کیا ہے جس کی شکر گزاری سے دنیا اور اہل دنیا کبھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ ہم قابل مؤلف کو اس بڑی کامیابی پر تہ دل سے مبارکباد دیتے ہیں اور دست بدعا ہیں کہ اُن کی تالیف مقبول انام ہو جس سے اُنکی تمنائے دلی اور ملک و قوم کی تمنائیں بر آئیں۔

دعا دے رہا ہے یہ مستانہ ساقی	سلامت رہے تیرا میخانہ ساقی

اب ہم اس اظہار سپاس کو ایک قطعہ تاریخ پر ختم کرتے ہیں جو ہمارے قلب مشتاق سے نکلا پڑتا ہے

قطعہ تاریخ

میرے محب مصدر لطف و کرم نے اک	شعرائے رختہ کی لکھی ہے کتاب آج
برسوں کی کاہشوں میں کیا تذکرہ رقم	بدلا ہے عہد پیری سے عہد شباب آج
اک عمر دور دور سخنداں کے تلاش	ہیں مدت مدید میں وہ کامیاب آج
خورشید فکر ختم میں کل سے جو محو تھا	تاریخ سال ایسی لکھی لاجواب آج

آیا زبان پہ مصرع سالم یہ غیب سے
عالم کے شاعروں کا کیا انتخاب آج
۱۹۰۸ء

تقریظ رختہ کلک گوہر سلک شاعر بے نظیر ناثر پر تاثیر منشاق طرز قدیم و نوی مشفقی پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی دہلوی۔

پرائیویٹ سکرٹری آنریبل کنور پرتاب سنگھ بہادر آف کپورتھلہ۔

مصنف مسدس بھارت درپن وغیرہ

جس طرح ایک شخص اپنے یا اپنے پیارے دوست کے بچے کا نشوونما دیکھتا ہے اسکی ہر چیز کو مُنہ میں لیجانے کی بالطبع کوشش۔ اسکا گھٹنیوں چلنا۔ پھر لڑکھڑاتی ٹانگوں سے گر گر اُٹھنا۔ اور پھر سرو کی طرح رواں ہونا۔ اول اسکا اَغ اَغ کرنا۔ بیوجہ ہنسنا اور رونا۔ پھر کچھ مدت بعد تتلاہٹ سے میٹھی میٹھی باتیں کرنا اور پھر سن تمیز کو پہنچکر مسلسل اور سلسلہ وار گفتگو کرنا غرضکہ جس طرح ہم ایک دوست کے بچے میں دیکھ رہا ہوں جو آج خمخانۂ جاوید کے نام سے آپ کی ملاقات کو آیا ہے۔ اسکے نوٹوں کے پرچے۔ اسکے اوراق پریشاں۔ اسکے مختلف جز۔ اسکے مسودوں کے مشقے۔ کٹے پھٹے جز اور صاف شدہ مسودہ اور اب استراش خراش اور آب و تاب کے ساتھ اسکی جائہ طبع سے آراستہ شکل دیکھی۔ اسوجہ سے مجھے حق ہے کہ میں اس تذکرے کی نسبت وضاحت سے لکھ سکوں خواہ وہ تقریظ کہلانے کی مستحق ہو یا تنقید کہلانے کی اُردو کا ایک محاورہ ہے "اپنے بچھڑے کے دانت کون نہیں جانتا" یعنی اپنے بچے کے دانت کون نہیں جانتا۔ یعنے اپنے بچے کے حسن و قبح سے اسکے والدین یا بزرگ ضرور واقف ہوتے ہیں۔ ممکن ہے کہ میرے دوست مؤلف تذکرہ ہذا تو اپنے اس اللہ آمین سے پالے پوسے مولود کی فرط محبت کی وجہ سے اسپر نقادانہ نظر نہ ڈال سکیں۔ لیکن میں اس جذباتی نقص سے بری ہوں کہ میں ہمیشہ بچپن اور لڑکپن میں بھی اس بچہ کو ڈانٹتا ڈپٹتا رہا ہوں۔

لیجئے سب سے پہلے میں اس تذکرے کے نقائص آپ کو گنائے دیتا ہوں۔

(۱) اگلے کہہ گئے ہیں۔

کارِ دنیا کسے تمام نہ کرد	ہر چہ گیرید مختصر گیرید

برعکس اسکے کیوں یہ تذکرہ جامع اور "آج کی تاریخ تک" مکمل ہے۔ کیوں اس میں خسرو اور ولی سے لیکر آغا شاعر دہلوی۔ اور اقبال کشمیری تک درج ہیں۔

(۲) معروف مثل "کل امر مرہوں باوقاتہ" کے خلاف کیوں اسمیں ہر دور اور طبقہ کے شاعر اور پھر انکا ہر رنگ کا کلام درج ہے۔ کیوں اس فونوگراف میں بین اور سرود کے ساتھ ہارمونیم اور پیانو کی آوازیں بند ہیں۔ کیوں اسمیں دُھرپد کے ساتھ ٹھمری اور غزل کے ساتھ مسدس اور ترکیب بند موجود ہیں۔ کیوں اسمیں غزل اور واسوخت کی پرانی شاعری کے پہلو بہ پہلو نئی نیچرل شاعری (جیسی کہ وہ اسوقت ہے) کے نمونے ملتے ہیں۔

(۳) کیوں اسمیں کسی مذہب یا تبدیل مذہب یا حسب نسب کے متعلق غلط یا دلخراش مندرجات نہیں پائے جاتے۔

(۴) کیوں اس میں شعرا کے حالات اس شرح وبسط کے ساتھ لکھے ہیں کہ اور جگہ ایک مجموعی صورت میں فراہم نہیں کئے گئے۔

(۵) کیوں یہ تذکرہ مقامی تعصب اور ذاتی پسند کی جنبہ داری سے پاک وصاف ہے چونکہ یہ نفسانیت سے مبرا ہے لہذا کوئی شخصیت نہیں رکھتا ہیچ وپوچ ہے۔

(۶) کیوں تذکرہ ہزار داستان نہ صرف تواریخی و شاعرانہ اہمیت بلکہ ضخامت میں آجتک کے تذکروں کو منزلوں پیچھے چھوڑ جاتا ہے۔

اور (۷) کیوں مؤلف کی اپنی زبان جس میں اسنے شعرا کے حالات لکھے ہیں زوردار پرتاثیر۔ فصیح۔ دہلی کی ٹکسالی زبان۔ رنگین اور پرشکوہ ہے۔

اب تصویر کے دوسرے پہلو پر نظر ڈالئے۔

لارڈ میکالے کا یہ مقولہ خواجہ حالی بھی اقتباس کر چکے ہیں کہ اصلی شاعری جاوا کی لالیئیں (رسیک لینٹرن) کی مثال تاریکی میں اپنا رنگ جما سکتی ہے۔ یعنی شاعری اور شاعرانہ انشاپردازی تاریکی کے زمانے میں یعنی جب محض تخیل اور زبان کا ہی سکہ جاری

ہو پبلک مذاق پر حاوی رہتی ہے۔ سائنس یا علوم۔ فلسفہ اور سیاسات کے عہد میں اسکی دال نہیں گلتی اگر ہم میکالے کے اسی قول کو لیں تو گویا برؤننگ اور ٹنی سن۔ مسٹل ملٹن۔ اور بائرن کے شاعر کہلانے کی شان نہیں رکھتے۔ لیکن تاج فلاسفہ ہربرٹ سپنسر نے واقعات اور دلائل سے میکالے کے اس قول کو کاٹ دیا ہے۔ اور واقعہ میں ملٹن اور بائرن کیا شیکسپیر۔ لانگ فیلو۔ بلکہ ایڈمنڈ سپنسر کا تخیل اور شاعرانہ بلند پروازیاں اگر انے بڑھکر نہیں ابرؤننگ اور ٹنی سن میں موجود ہیں کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ غالب کا تخیل اور آتش و انیس کی نغز گفتاری کا چسکا میرے محبان ذیشان محمد اقبال اور پنڈت برجنرائن چکبست کی نظموں میں نہیں پایا جاتا۔

میں مانتا ہوں کہ تغزل کا وہ چٹخارا جو میرے ہمعصر شاعروں کے کلام میں پایا جاتا ہے جو طرز جدید میں لکھتے ہیں۔ آنے والے تین قرنوں کے شاعروں میں شاید نہ ملے۔ جن لوگوں نے غزل گوئی سے شعر گوئی کی ابتدا کی تھی۔ حالی۔ امیر۔ داغ اور آزاد کی آنکھیں دیکھیں تھیں انکے متقدمین کے ساتھ ہم صحبت ہو جانے پر اردو کی شاعری خوف ہے کہ کپلنگ کی شاعری کی طرح ؎

دندانِ تو جملہ در دھان اند
چشمانِ تو زیر ابروان اند

کا چربہ رہجائے۔ اگر یہ خوف معرض امکان میں جا رکھتا ہے تو میرے خیال میں یہی ایک وجہ کافی و وافی ہے کہ ہم خمخانۂ جاوید کی قدر کریں۔ اسے اردو شاعری کا ایک جامع انسائیکلوپیڈیا اور شاعروں کے حالات کا مکمل تواریخی دفتر تسلیم کریں۔

مولانا آزاد نے آبِ حیات کو اسطرح ختم کیا ہے۔

اے بااقبال بزرگو۔ افسوس کہ تمہاری شاعری نے بہت کم عمر پائی۔ قسمت نے تمہیں اچھے سامان دیئے .... اب نہ وہ سامان ہونگے نہ ویسے قدردان

ہونگے نہ کوئی اُس شاخ کو ہرا کر سکیگا۔ نہ تمسے بڑھکر پھل پھول لگا سکے گا۔ ہاں تمہاری لکیروں کے فقیر تمہارے ہی ہجر و وصل اور خط و خال کے مضمون لینگے۔ انہیں لفظوں کو اُلٹیں پلٹیں گے اور تمہارے چبائے ہوئے نوالوں کو منہ میں پھراتے رہینگے۔

اگرچہ زیادہ تر عمارتیں تمہارے حسن و عشق کے جلوس کے لئے ہیں مگر انہیں بھی تمنے ایسے سامان اور مصالح لگا دیئے ہیں کہ آیندہ نسلیں جس غرض سے چاہیں گی عمارتیں بنائیں گی۔ اور تمہاری صنعتوں سے بہت کچھ مدد پائیں گی۔ جن پتھروں کو تمنے منبت اور گلکاری سے تراش کر فقط خوشنمائی کے لئے لگایا تھا ہم اُسے وہاں سے نکال لیں گے شکریہ کے ساتھ آنکھوں سے لگائیں گے۔ اور اس سے کسی ایسی محراب کو زینت دینگے جو اپنی مضبوطی سے ایک ایک ملکی ایوان کو استحکام دے۔ اور دلوں کو خوشنمائی سے تسکین کرے۔"

مولانا آزاد کی یہ پیشین گوئی یا ہدایت یا کہنا یہ کس قدر راست ثابت ہوئی یا عمل میں آئی۔ اقبال۔ چکبست۔ چودھری خوشی محمد ناظر۔ میر نیرنگ۔ سرور جہان آبادی۔ افق اور برق لکھنوی۔ تمنا۔ اور مولانا شبلی۔ مرزا رشد مرحوم اور سب سے اخیر بلکہ سب سے زیادہ خواجہ حالی کے کلام کے ملاحظہ سے ثبوت کو پہنچتی ہے۔ ان سب اصحاب اور اس قسم کے دوسرے سخنگویوں کے کلام و حالات بھی اس تذکرے میں غالب و ذوق۔ ناسخ و آتش۔ نسیم و سالک۔ مجروح و داغ۔ امیر و اسیر کے حالات اور کلام کے ساتھ ساتھ ملتے ہیں۔ اسکے ساتھ ہی ان کا کلام بھی ملتا ہے۔ جنھیں مولانا آزاد نے افسوس مگر صحت کے ساتھ چبائے ہوئے نوالوں کو منہ میں پھرانے والے کا خطاب دیا ہے۔

اسمیں کوئی شک نہیں ہے کہ اس تذکرہ کا ملاحظہ ایک زباندان کو خوشنوایان چمن کے

گوناگوں ترانوں اور بوقلموں نغموں کا لطف دیتا ہے تو ایک ژرف نگاہ فلسفی کے سامنے تہذیب معشرت اور وضع روزگار کی تغیر و انقلاب کے فوبر نو دفتر کھولتا ہے۔ جسکے معرض اس وقت نہ صرف اردو زبان و شاعری بلکہ کل ہندوستان ہے۔ اسکے پرغور مطالعہ سے واضح ہوگا کہ غزل گوئی اگرچہ رفتار زمانہ موجودہ کی لتاڑ میں ہے اور حسن و عشق کی داستانیں اگرچہ داستانِ پاریں کا حکم رکھتی ہیں لیکن اردو زبان کے جدید تدوین کے کارکن کس قدر لغزیت زبان اور نیچرل کلام میں تغزل معتدل کے والہ و شیدا ہیں۔

میرے دوست منصف دہلوی نے نہ صرف یہ رنگارنگ مرقع شاہدان کلام کا پیش کرکے زبان کی بے بہا خدمت کی ہے بلکہ اُن کی خاص اپنی جادو نگاری اور فسوں کاری جو اُنہوں نے شعرا کے حالات لکھنے میں دکھلائی ہے نہ صرف صاد بلکہ داد کے قابل ہے۔ آپ کے قلم کا زور۔ بیان کی سلاست۔ کلام کی فصاحت۔ روزمرہ کی صفائی۔ بالمقابلہ امتحان کی عمیق نگاہی بصیر نقادی اور کامل مبصری ایسے اوصاف ہیں کہ انکی عالمگیر واقفیت اور اردو شاعری کے تواریخی تبحر کے ساتھ ملکر آجکل کے اردو نویسوں میں انہیں بہت اونچے پایہ پر جگہ دیتے ہیں۔

اب میں اس الزام سے بچنے کے لئے کہ:۔

بہر کجا کہ روم وصف دوستاں گویم
برائے یار فروشی دکاں نمی یابد

اس تحریر کو ختم کرتا ہوں اور مولف اور تالیف کے لئے دعائے خیر کے ساتھ ناظرین سے رخصت ہوتا ہوں۔

برجموہن دتاتریہ کیفی

از رشحۂ خامۂ جادو طراز شاہد باز رعنائی خیال ہم آغوش عروس کمال منشی سید علی اصغر صاحب بلگرامی بی اے

حریفاں بادہ ہا خوردند و رفتند		تہی خمخانہ ہا کردند و رفتند	
ہنوز آں ابرِ رحمت دُر فشانست		خم و خمخانہ با مہر و نشانست	

اُن مایۂ ناز کارناموں میں جو ہمارے اسلاف کی یادگار ہیں فلسفہ کے بعد تاریخ کو بہت بلند مرتبہ حاصل ہے اگر موئے کا قلم اپنی روانی طبع سے صفحۂ عالم کو بوقلموں نکرتا تو آج مشاہیر عالم کے کارنامے ہمارے لئے خیالی تصویریں ہوتیں اُنکی ہستی جاوید پر گمنامی کا تاریک پردہ پڑا ہوتا اور دستبرد زمانہ ان جواہر کو خاک میں چھپائے رکھتا۔

خوش نصیبی سے "بلبل ہزار داستاں" کی شیرا بیانیوں اور نغمہ سنجیوں سے لطف اُٹھانے میں اپنے وقت کا کچھ حصہ مینے بھی صرف کیا واقعاً جس "توجہ" "دلچسپی" اور "خوش اسلوبی" سے اس تذکرہ کی تدوین و ترتیب ہوئی ہے اُس سے جناب لالہ سریرام صاحب کے "دلی شوق" "عمدہ واقفیت" اور "ذاتی تجربہ" کا پتہ لگتا ہے۔ علاوہ اور خصوصیتوں کے اس تذکرے میں "سلاست بیان" اور "لطف زبان" کا خاص طور پر لحاظ رکھا گیا ہے۔ جی تو یہ ہے کہ تحقیق کی اودی ہے اور اپنے قلم جادو رقم سے جام جہاں نما کے مرقع میں خوب خوب گلکاریاں کی ہیں۔

خدایا اس "خمخانہ" پر قبولیت عام کا سہرا لڑے! رندان قدح نوش اسکے کیف سے سرشار رہیں۔ پرستاران عروض اسکے فیض صحبت سے طرب اندوز ہوں اور اپنے لئے دستور قرار دیکر اس سے بصیرت حاصل کریں! قدردانان عروس سخن اسے ہاتھوں ہاتھ لیں! یہ قابل قدر تذکرہ ملک و قوم کی طرف سے دلی مبارکباد کا مستحق ہے اسلئے کہ جناب لالہ صاحب کی "مستعدی" "عرق ریزی" اور "جانفشانی" کی کوئی نظیر ہمکو نہیں مل سکتی۔

راقم آثم
سید علی اصغر بلگرامی

۱۵ جولائی سنہ ۱۹۰۷ء

قطعہ تاریخ از نتیجہ افکار پربہار صاحبعالم مرزا مجاہد الدین بہادر شاہی خلف الرشید

میرزا مغل بہادر خلف حضرت ابوظفر بہادر شاہ ثانی - از تلامذہ مرزا قادر بخش صابر گورگانی مرحوم

لکھا ہے تذکرہ جو سریرام آپ نے
کیا پرفزا ہے یہ گل اشعار کا چمن

مصرع ہر اک سرو ہر بیت باغ ہے
ہر نقطہ یاسمیں ہے تو ہر لفظ یاسمن

شاعر کی شان کھلتی ہے اشعار دیکھکر
معنی کی نثر ہوتی ہے مضمون سے موزن

اہل سخن کے حال کی تحقیق خوب کی
تصویریں آئینہ میں ہوئیں شعشہ فگن

اک شان نظم میں ہے تو اک آن نثر میں
دیتا ہوں داد آپ کو اے مہربان من

جانکاہیونہ آپ کی ڈالیں اگر نظر
ممکن نہیں کہ شاد نہوں ماہران فن

شاہی کو اسکے چھپنے کا جب آگیا خیال
خامہ نے سال طبع لکھا۔ منظر سخن
سنہ ۱۹۰۰ء

سریرام ایم۔ اے۔ جو مخلص ہیں میرے
نہ مخلص کہ ہیں مدرکان محبت

انہوں نے لکھا تذکرہ شاعروں کا یہ
ہر اک لفظ ہے جس کا جان محبت

محبت سے حالات وہ سب کے لکھے
نمایاں ہوئی جس سے شان محبت

فصاحت بلاغت کی نہریں معانی
مضامین بحر روان محبت

اسے دیکھکر میرے دل میں یہ آئی
کہ تم بھی دکھا دو نشان محبت

الٰہی مجھے مالف نے تاریخ شاہی لکھو چشمہ بوستان محبت
سنہ ۱۳۱۶ھ

قطعۂ تاریخ از نتیجۂ فکر صاحبعالم مرزا سکندر شاہ بہادر جودت خلف ارشد

لہ سنہ ۱۹۰۰ء میں تذکرہ کی اشاعت کا ارادہ تھا اسی زمانہ میں یہ قطعہ صاحبعالم نے ارسال کیا تھا لیکن مکروہات نے مہلت نہ دی اور سات برس گذر گئے

صاحبعالم مرزا شاہرخ بہادر خلف حضرت بہادر شاہ ثانی از تلامذہ میرزا قادر بخش صابر گورگانی

اے مشفق صمیمی اے ایم اے سریرام
کیا خوب تم نے وصف اہل کمال لکھا

کیا ریختہ پہ ڈالی بنیاد نظم اردو
تحقیق سے نہایت ہر اک کا حال لکھا

دعوے پہ جو دلائل لائے وہ خوب محکم
جو لکھدیا مثالاً وہ بے مثال لکھا

وہ آپ کی عبارت اور اسمیں نظم شاعر
پردہ میں حال کے ہے گویا کہ قال لکھا

جو لفظ تم نے لکھا بیشک بچا تلا ہے
مضمون خوبصورت اور پر جمال لکھا

تعریف نامناسب لکھی نہ شاعروں کی
اور ہجو سے بچا کر ہے بال بال لکھا

اس تذکرہ کو سنکر اس تذکرہ کو پڑھکر
گلزار[1] عشرت افزا ہو دل نے سال لکھا
۱۳۱۷ ہجری

قطعہ تاریخ ریختہ قلم جادو رقم نواب سید بہادر حسین خانصاحب انجم لکھنوی از تلامذہ حضرت اسیر مغفور

بس یہ انجم خانے کا چھپ گیا ہے تذکرہ
جسمیں لفظ تذکرہ سے سال پیدا ہو گیا

یہ اسی میں ہے صفت بتلا رہا ہے اپنا عہد
تذکرہ خود مشعر تاریخ اپنا ہو گیا
۱۳۲۵ ہجری

قطعہ تاریخ ریختہ قالب طبع فصاحت منبع بزم آرائے خوش بیانی مولوی منشی

[1] یہ قطعہ بھی اسی زمانہ کا ہے۔

سید جمیل احمد صاحب جمیل سہسوانی منشی روبکاری ریسہ معظمہ ریاست بھوپال دام اقبالہ

این تذکرہ کہ کلک سریرام زو رقم
شد از وفور شوق خریدار آن جہاں

تاریخ طبع جلد نخستین جمیل گفت
گنجینۂ کلام لطیف سخنوراں تر
۱۳۲۵ھ

قطعۂ تاریخ از خوش فکری ہائے سخنور باکیاست منشی محمد شاکر حسین صاحب سہسوانی متخلص بہ بکہت سرشتہ دار محکمہ نیابت وزارت مال ریاست موصوفہ

آن سریرام سخن گستر کہ ہست
واقف اسرار و آئین سخن
داد از ذکر جمیل شاعراں
خانۂ او دا و تزئین سخن

کلک بکہت بہر تاریخش نوشت
یادگار بزم رنگین سخن
۱۳۲۵ھ

در سلک نظم تازہ سریرام باکمال
چوں گوہر کلام سخن پروراں بہ سفت

بکہت چو فکر کرد پئے سال عیسوی
ہاتف ز چرخ تذکرہ بمثال گفت
۱۹۰۸ء

تاریخ طبع زاد منشی محمد مقبول احمد صاحب مقبول ملازم ریاست کوٹہ تلمیذ جمیل سہسوانی

نفیس تذکرہ مقبول شاعروں کا چھپا
سخنوروں کے لئے ناز کا مقام ہے یہ
زبان پیرئ مری تاریخ طبع برجستہ
حیات رنجتہ گویوں کی لاکلام ہے یہ
۱۹۰۸ء

قطعۂ تاریخ از نتائج افکار مورد مراحم صمد حافظ سید وکیل احمد صاحب وکیل فرزند حضرت جمیل سہسوانی

سخن سنجن کامل سریرام نے		عجب شاعروں کا لکھا تذکرہ	

ہوئی جب مجھے فکر تاریخ طبع
زباں پر مرے آگیا تذکرہ
۱۳۲۵ھ

تاریخ طبعزاد حافظ محمد عبد المجید صاحب مجید راجگڈھی ملازم ریاست بھوپال تلمیذ جمیل سہسوانی

موج فیضاں میں زندا یں تذکرہ		ہاں بیا اے تشنہ کام رنجتہ	

بہر سال طبع آن کلک مجید
دُر در قسم جوئے کلام رنجتہ
۱۳۲۵ھ

تقریظ بر تاریخ رنجتہ کلک جواہر سلک سرگروہ ارباب صفا معدن صدق وفا شاعر نکتہ پرور حکیم معشوق علیخان جوہر شاہجہانپوری وکیل عدالت ہائے ریاست بھوپال از تلامذہ مرزا غالب مرحوم

مذاق سخن ہندوستان سے اوٹھتا جاتا ہے اسکے ماہر اسکے قدردان جسقدر تھے وہ چل بسے جو فرقاب شباب کے عالم میں ہے وہ اس کوچے سے نابلد محض ہے طرز تعلیم کو زمانہ کی رفتار نے بدل دیا اور ملکی زبان انگریزی قرار پاگئی اس واسطے تعلیم یافتہ وہی لوگ سمجھے جاتے ہیں جو انگریزی کے ماہر ہیں۔ ضرور ہے کہ جن بزرگوں نے زبان اُردو کی

آراستگی کی اور بڑی بڑی محنتیں کرکے اسکو صاف کیا اور اسکو ایک زبان کی حد تک پہونچایا وہ لوگ نائب ہیں نہ آیندہ اُنکے اِس عالم میں آنے کی اُمید ہے پس اونکا نام اور نشان دونو مٹ جانا کچھ تعجب نہیں بلکہ یقینی ہے اور اسمیں بھی شک نہیں ہے کہ زبان اُردو کے محسن اور زبان دانوں کے مربی و منعم ضرور تھے اور زبان کی سند جانتک اِس دور میں جواب خاتمہ پر ہے شعرا سے لیجاتی ہے تو وہ لوگ اِس دور کے جسکا اختتام ہو رہا ہے ارباب سخن تھے جو ہر طرح پر زبان اُردو کو فخر و مباہات کے درجے پر پہونچا گئے ہر شعراون کا مشعل تاریکی زبان سمجھا جاتا ہے۔ کسی زبان میں اعتبار پیدا نہیں ہو سکتا ہے جب تک کہ اُسکے جاننے والے کے اقوال سند میں نہ پیش کئے جاویں۔ محاورات اُردو کی اسناد میں اشعار اُن بزرگوں کے جنکو دنیا نے شاعر مانا ہے لائے جاتے ہیں جس سے تکملہ زبان کا ہوتا ہے۔ پس ایسے فرقے رہنمائے زبان اُردو کا دُنیا سے بے نام و نشان ہو جانا کتنا قلق ناک واقعہ ہے جسکے بقا کے واسطے منشی سریرام صاحب دہلوی نے سترہ برس محنت شاقہ اختیار کرکے ایک تذکرہ تیار کیا ہے۔ جسکے جلد اول میں صرف اُن شعرا کے حالات و منتخب کلام درج ہیں جنکے تخلص کو بقید ردیف الف اور با سے شروع ہوئی اسطح پر بہ حرف تخلص کو متعدد جلدوں میں قلمبند فرماکر اُن تمام شعرا پر احسان کیا ہے۔ جو تختہ ہائے تاک پر ابر نیسان اور سو کھے دھانوں پر ابر باراں موسم میں کرتا ہے بلکہ یوں کہنا بھی نازیبا نہوگا کہ احیا اموات معنوی طور پر کیا ہے۔ اور زیادہ تعجب خیز اور حسرت انگیز یہ واقعہ ہے کہ منشی صاحب موصوف اِس زمانہ کے تعلیم یافتہ علم انگریزی کے قابل شخص ہیں جنکا مذاق بالکل اسکے خلاف ہوتا ہے اور سپر تعلقات ملازمت ایسے ہیں کہ جن سے اور اس کام سے کمال درجہ کا تخالف مگر یہ کون سا امر ہے جس نے منشی صاحب کو اِس بات پر متوجہ کیا ہے وہ دہلی کی خاک سے اُنکے نشو و نما جہاں اُردو کی شاعری پیدا ہوئی اور جہاں اُسنے اپنے لڑکائیں اور جوانی اور بوڑھاپا سب گذارا اور وہیں جام اجل نوش کرکے اوسی سرزمین میں اپنے شیدائیوں کے خاک کے ساتھ خاک

میں ملگئے اسمیں شک نہیں ہے کہ منشی صاحب موصوف نے اندازۂ ہمت سے زاید کام کیا ہے جسکے داد دینے کی قابل نہ زبان میں طاقت ہے نہ قلم کو قدرت ہے یعنی دل ہی اُسکے لطف اور ذائقہ کو جان سکتا ہے اور اپنے بے زبان ہونے سے گھٹ گھٹ کر رہجاتا ہے خمخانۂ سخن کی میگسار جلد آئیں اور اسکے دو چار جام چڑھائیں جو حشر تک خمار ہی نہو بلکہ سرمستی کے عالم میں دو دو بانیں روز حساب کے معرکہ میں داور محشر سے بھی کرلیں تذکرہ ہے کہ کارنامۂ شعرا ہے جسکو دیکھئے وہ موجود زندہ مُردہ سبھی تو اس تذکرہ کے صفحات کے میدان میں اپنا جلوہ دکھا رہے ہیں پھر کیوں نہ ایسا تذکرہ مطبوع طبع خلایق اور مقبول عالم ہو یہ تقریظ نہیں ہے بلکہ سچا واقعہ ہے تعریف نہیں بلکہ اصل معاملہ ہے دیدہ ور جنس کا سدو بے غش میں امتیاز کرسکتے ہیں تذکرہ جنکی نظر سے گذرے گا وہ اس تقریظ کا مصداق پائیں گے۔ جو جو خوبیاں اُس تذکرہ میں ہیں اُسنے خط اُٹھائیں گے۔ اہل مذاق دونوں کی قدر کرینگے حاسد دونوں کو دیکھ دیکھ کر جل جل مرینگے میں تو اس تقریظ کو صرف ایک قطعہ تاریخ پر ختم کرتا ہوں اور دعا مقبولیت میں مصروف ہوتا ہوں کہ اے سخن آفرین اس تذکرہ کو ارباب بصیرت کی پتلی کا نور بنا آمین ثم آمین۔

خوب تالیف کیا تذکرہ اصل سخن	قطعہ
ہے مؤلف بھی تو یکتائے زمانہ اسکا	جس کا ثانی نہیں عالم میں نظر آتا ہے
دہلوی مولد و مسکن ہے مولف اسکا	آج سحباں کو فصاحت میں جو شرماتا ہے
آج اُس خاک میں پنہاں ہیں وہ ارباب ہنر	جس جگہ سے کہ سخن اپنی سند لاتا ہے
میر و مرزا و ولی قائم و مضمون معروف	جنکا ہر شعر تبہ نظر بھی تو نہیں آتا ہے
مصحفی حسرت و جرأت سے ہوئے نامی یاں سے	نام اب لینے سے دل سینہ میں ہلجاتا ہے
درد و تاباں حسن و سوز و شہنشاہ نصیر	جنکا ہر شعر سند ہی میں پڑھا جاتا ہے
آزرد و اختر و آزردہ و مومن غالب	کوئی انسا بھی زمانے میں نظر آتا ہے
ذوق و صہبائی نہ تھا جنکا زمانہ میں عدیل	ان کا غم پہلو میں دل تک کو ہلا جاتا ہے
	یاد سے جنکی کلیجہ تو پہٹا جاتا ہے

سبعہ سیارہ گردون سخن تھے یہ لوگ
انمیں سے ایک کو بھی کوئی کہیں پاتا ہے

تھی وہ دہلی کہ ہوئی سبکی یہیں نشو و نما
ہے وہ دہلی کہ نہیں کوئی نظر آتا ہے

سب کے سب آہ وہیں خاک کے پیوند ہوئے
ذکر انکا جو زباں پر کبھی آجاتا ہے

دل پہ قابو نہیں رہتا ہے جگر جلتا ہے
آنکھوں میں آنسوؤں سے بھی نہ تھما جاتا ہے

بے تحاشی ہی نکل پڑتے ہیں اس صدمے سے
رخ پہ ہر قطرۂ اشک آپ ڈھلا جاتا ہے

جوشش گریہ ذرا تھم تو کہ لکھوں کچھ اور
ذکر اوروں کا بھی کمبخت رلا جاتا ہے

شیفتہ آہی و تسکین سے سخن سنج کہاں
قول کی جنکے ہر اک شخص سند لاتا ہے

سالک و عارف و ثاقب سے کہاں اہل سخن
آنکھیں رو دیتی ہیں جسدم کہ خیال آتا ہے

نیر و بسمل و مجروح و طلب اور ویراں
وصیاں ایک ایک کا ہمدم مجھے رلواتا ہے

سیکش و تشنہ و آزاد و طرب نغمۂ نسیم
یاد کر کے انہیں دل ہائے تڑپ جاتا ہے

تھی انہیں لوگوں سے دہلی کی جہاں میں شہرت
اب کوئی وہاں پہ نظر ایسا نہیں آتا ہے

خاک دہلی کو شرف حق نے عطا ہے یہ کیا
کہ وہاں اب بھی کوئی ایسا نکل آتا ہے

جسکا ثانی نہ ہو عالم میں نہ مثل و نظیر
خطۂ دہلی انہیں لوگوں سے کہلاتا ہے

کیوں نہ سمجھے کہ اس وقت مولف اسکا
یادگار انگلوں کی اک ہمکو نظر آتا ہے

تذکرہ ایسا لکھا ہے کہ لکھے گا کوئی کیا
لطف تاریخ کا ہر ذکر میں آجاتا ہے

وہ عبارت ہے کہ دیکھی نہ سنی آجتلک
طبع کا سال لکھوں دل مرا للچاتا ہے

فکر تاریخ ہوئی اسلیے جوہر مجھکو
اک نئے ڈھنگ سے ہاتف مجھے سمجھاتا ہے

تذکرہ خود ہی سن طبع ہے دیکھو تو ذرا
عدد تذکرہ سے سال نکل آتا ہے

۱۳۲۵ھ

تقریظ پارسی از حکیم معشوق علی خان جوہر شاہجہانپوری

بحمد للہ کہ انعقاد کان دہلی گوہر یکتائے قابلیت مہر منیر سماے الہیت جلوہ وجود بظہور آورد کہ عدیش در عالم مثال پیدا نمیشود۔ اعنی گوہر گرانمایہ سخندانی و سخن سنجی منشی سریرام صاحب مصنف تذکرہ خمخانۂ جاوید کہ بہزار کشایش انجام کار عمدہ منصفی و ضروریات دنیوی و علایق زمانہ کتابے عجیب تالیف نمود شعراے ماضی و حال را جام حیات جاوید بخشید طبعش بہ طبایع عالم جہاں مقبول کہ ہر دیدہ مشتاق جلوہ اوست۔ جذابیت شعرا گذشتہ و موجودہ کہ در صفحات خمخانۂ جاوید جا یافت گویا کہ آب بقا یافت۔ خداوند عالم تذکرہ خمخانۂ جاوید را توتیاے چشم قبول گرداناد آمین۔

احقر
جوہر شاہجہاں پوری

قطعہ تاریخ از نتایج طبع وقاد ذہن نقاد سرآمد شعرا ذی کمال طلسم ارا بزم خیال منشی سید جلیل حسن صاحب جلیل جانشین حضرت امیر مینائی مغفور

دے جزاے خیر اس قابل مصنف کو خدا — خوب لکھا تذکرہ نام آوران دہر کا

مصرع تاریخ لکھکر داد دیتا ہے جلیل
یہ کھنچا زیبا مرقع شاعران دہر کا
۱۳۲۶ھ

کم نہیں جام جہاں بیں سے یہ کامل تذکرہ — ولہ — درج جسمیں اہل فن کا پورا پورا حال ہے

فکر سال طبع کرتا ہوں تو کہتا ہے جلیل
فکر ہے کیوں سال کے یہ تذکرہ خود سال ہے
۱۳۲۵ھ

تقریظ و تاریخ طبعزاد مجموعہ فصاحت و بلاغت گلدستہ ذہانت و ذکاوت منشی وجاہت حسین وجاہت جھنجھانوی ایڈیٹر رسالہ اصلاح سخن لاہور

شاگرد فصیح الملک داغ دہلوی مرحوم

خمخانۂ جاوید کا ہے نشہ نرالا
پہنچا ہے کہیں سے کہیں ہر جھومنے والا

ہے اسکی مے ناب میں تاثیر کچھ ایسی
وہ مست ہوا جس نے پیا ایک پیالا

ہو جاتے ہیں چودہ طبق اک آن میں روشن
کھُل جاتی ہیں آنکھیں نظر آتا ہے اُجالا

جو رند ہیں اسکے وہ نہ رکھتے ہیں شرب
کر دیتے ہیں مذہب کو تو بالکل تہ و بالا

پینے سے انہیں کام ہے تا پھٹ ہو کہ خالص
ساغر کو انہوں نے کبھی دھویا نہ کھنگالا

رکھتے نہیں دونوں سے سروکار یہ کچھ بھی
مسجد ہے مسلمان کی ہندو کا شوالا

ہے اور ہی کچھ ان پہ چپا کرتے ہیں جسکو
تسبیح کی حاجت ہے نہ درکار ہے مالا

سچ ہے کوئی مذہب نہیں ہوتا شعرا کا
کعبے میں بھی پڑتا ہے بتوں سے انہیں پالا

اک وقت بتوں کو بھی سمجھ لیتے ہیں پتھر
ہے مذہب و دیں انکا زمانے سے نرالا

خمخانۂ جاوید سے ساقی ازل نے
مدہوش بنا کر انہیں دنیا میں نکالا

ان لوگوں کے حالات بھی دلکش ہیں سخن بھی
دیکھے مری آنکھوں سے کوئی دیکھنے والا

لکھ سکتا ہے مشکل سے کوئی تذکرہ ان کا
کس طرح فراہم ہو بھلا اتنا مسالا

اسکے لئے ہے کوشش و محنت کی ضرورت
دشوار ہے یہ کام نہیں سہل کا نوالا

لائے گا کہاں سے کوئی مال و زر و دولت
قارون کا بھی اسمیں تو نکل جائے دوالا

ہو مال تو پھر خرچ کی بھی چاہیے ہمت
سب اپنے خزانے کو لگا دیتے ہیں تالا

اس کام میں جو چیز ضروری ہے خصوصاً
وہ شوق طبیعت کا ہے اے حضرت والا

اب دیکھو یہ سب باتیں ہیں پوری بھی کسی میں
ہیں سینکڑوں ہزاروں تو یہاں لاکھوں ہیں لالا

نفرت ہے انہیں مشغلۂ شعر و سخن سے
وہ روگ سمجھکر اسے پالیں گے نہ پالا

کیا خاک ترقی ہو اب اس فن کی جہاں میں
کوئی بھی سخنور کا نہیں پوچھنے والا

لیکن ابھی بالکل ہی نہ مایوس ہوں شاعر
اب بھی اس اندھیرے میں ہے تھوڑا سا اجالا

اس وقت بھی موجود ہے اک بندہ خدا کا
ہے مرتبہ جس کا مری تعریف سے بالا

میں نام تو اُس کا ابھی ظاہر نہ کروں گا
ہاں کام کا اُس کے تمہیں دیدوں گا حوالا

یہ تذکرہ اس وقت جو تم دیکھ رہے ہو
ہمت سے اُسی شخص نے چھپوا کے نکالا

مصروف تھا برسوں سے وہ ترتیب میں اسکی
اس بات سے واقف ہے ہر اک جاننے والا

شاعر کبھی ہو سکتے نہیں جس سے سبکدوش
احسان کا وہ بارِ گراں سر پہ ہے ڈالا

ہے اسکی شب و روز کی محنت کا نتیجہ
ہر رات سفید اس میں ہوئی دن ہوا کالا

اس کے لئے اردو کا ہر اک پرچہ خریدا
باقی نہیں چھوڑا کوئی گلدستہ رسالا

اس کام کا بیڑا جو اُٹھاتا کوئی شاعر
گھر بار کا لکھ دیتا مہاجن کو بتالا

خمخانۂ جاوید وہ ہے سیر سے جس کی
ہو جاتا ہے رنج و الم و غم کا ازالا

اس شخص نے احسان کیا بے غرضی سے
خالص یہ عنایت ہے نہیں دال میں کالا

اب جان پڑی قالبِ بے جاں میں سخن کے
بروقت خبر لی بجا خوب سنبھالا

زندہ تو ابھی زندہ ہیں ان کا نہیں کچھ ذکر
مُردوں کو بھی زندہ کیا مٹی سے نکالا

تحریر کیا حال گذشتہ شعرا کا
یوں اُنکا وجود امر و نسانچے میں ڈھالا

یہ تذکرہ وہ تذکرہ ہے جس کا تعلق
اس عالمِ خاکی سے ہے تا عالمِ بالا

زندوں کے دل اور مردوں کی روحیں ہوئیں شاداں
اس تذکرہ نے سب کا غرض کام نکالا

کاغذ بھی لکھائی بھی چھپائی بھی ہے نادر
ہر ایک طرح جیت لیا علم کا پالا

نایاب ہے بے مثل ہے کاغذ کی سفیدی
دیکھا نہ سفید ایسا کبھی روئی کا گالا

پھر اُس کی چمک میں ہے کچھ اس قسم کی تیزی
کٹ جائیگا بدبیں کی بھی اب آنکھ کا جالا

کیا لالہ سریرام سے واقف نہیں شاعر
محسن کوئی ایسا تو کبھی دیکھا نہ بھالا

احسان کیا آپنے یہ تذکرہ لکھ کر
سب مل کے کہو سلمہ اللہ تعالا

تاریخ نکالی ہے وجاہت نے نرالی | یہ تذکرہ چھپا پا گیا لاریب نرالی

تقریظ ریختہ کلک گہر سلک شمع انجمن صاحبقرانی فروغ دودۂ گورگانی صاحبعالم مرزا محمد خورشید عالم بہادر یادگار مرزا فتح الملک بہادر ولی عہد حضرت ظل سبحانی بہادر شاہ ثانی

کیا خدا کی شان ہے معشوق عاشق بن گئے | ہر حسین کہتا ہے میں اسکے خریدار نہیں ہوں

زمزمہ سنجیِ حمد و نغمہ سرائیِ نعت کے بعد میخانۂ سخن کے متوالوں کو مژدہ اور ساغر کشانِ عشق و محبت کو نوید کہ یہ جام مے ارغوانیِ سہ آتشہ یعنی شعرا کے تینوں دوروں کا لبِ لباب پھر وہ بھی چھنا۔ نتھرا۔ صاف شفاف۔ تذکرہ کی صورت میں جلوہ گر ہو یوسفِ کنعاں کی طرح زمانے کا دل لبھا رہا ہے جو ایک نگاہ دیکھتا ہے ہزار جان سے اسکا خریدار اور شیدا بنجاتا ہے۔

شاہ و وزیر۔ امیر و فقیر سب اسکے جلوہ دلکش کے تماشائی۔ اُف رے اس معشوق خیالی کی دلستانی و دلربائی۔ حیف نظر اس شاہد رعنا کی تجلی اور زیبائی جس نے ایک بار آنکھیں کھول کر اسکا تماشا دیکھا۔ اُس نے جان بیچکر یہ سودا مول لیا۔ کلام ہے جادو ہے۔ کرامت ہے اعجاز ہے۔ ہر مضمون کا نیا پہلو۔ ہر شعر کا نیا انداز ہے۔ تذکرہ نہیں سرتاپا جیتی جاگتی تصویروں کا مرقع۔ معشوقان طناز۔ یعنی شاہدانِ خیالی کا گلدستۂ ناز ہے۔ ہر نقطہ آنکھ کا تارا۔ ہر لفظ دیدۂ بینا۔ ہر سطر سرمۂ دنبالہ دار۔ ہر صفحہ بیاض۔ ہر ورق دل کا ورق ہے۔ بیان میں نہ گنجلک۔ نہ روزمرہ میں غلطی۔ نہ کوئی مضمون ادق ہے۔ کیوں نہو آخر ان پھولوں کا گلچیں۔ اس چمن کا بانی۔ اس باغ کا رکھوالا۔ کون ہے۔ رونق افزائے گلزار معانی۔ زینت بخش گلستان سخندانی علامۂ روزگار و زبان زدِ کالان ہر شہر و دیار خمخانۂ جاوید کا ساقیِ مے آشام۔ رائے سریرام ایم اے ہی نہیں بلکہ خاندانی امیرزادہ۔ راجہ ٹوڈرمل کا بنیرہ۔ شہنشاہِ اکبر کے نورتن کا قیمتی سچا

نگینہ۔ جسنے اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ اس سرمایہ کی جمع کرنے میں صرف کیا ہے ہزار ہا روپیہ اٹھا کر کتابوں کا انبار لگایا ہے دو کون تذکرہ دیوان نہیں ہے جو یہاں نہیں ہے اوصاف جامع تذکرہ کا شہرہ کہاں کہاں نہیں۔ برسوں کلام غیر مطبوع کی تلاش میں سرگرم جستجو رہا۔ کون سا شہر۔ کون سا قصبہ۔ ہندوستان میں ایسا ہے جہاں یہ خریدار سخن نقاد معانی نہ گیا۔ سالہا سال کی محنت۔ اُسپر صرف ہمت و دولت۔ اب کہیں خدا خدا کر کے یہ دن دیکھنا نصیب ہوا کہ ایک حصہ اس جواہر گراں بہا کا چھپ کر طیار ہوا ہے۔ چار ابھی ایسے ہی اور باقی ہیں۔ دیکھئے اُنکو خدا کب دکھاتا ہے۔ گراں اب اسکی سرپرستی حضرت بندگان عالی۔ اعلیٰ حضرت۔ قدر قدرت۔ وارا حشم۔ نوشیرواں معدلت۔ حضور نظام سریر آرائے ملک دکن خلد اللہ ملکہ و اقبالہ نے منظور فرمالی ہے۔ مولف کو ہر طرح آسانی ہو جائے گی۔ اللہ تعالےٰ اس کارنامہ کو قبولیت اور زمانے کو اسکی دید کی مہلت۔ مؤلف کو عیش کامرانی۔ اور اس ذرہ بمقدار خورشید کو گردش روزگار سے امن و امان عطا فرمائے۔ ایں دعا از من و از جملہ جہان آمین باد۔

محمد خورشید عالم مرزا گورگانی

۱۶ فروری ۱۹۰۸ء

تقریظ طبعزاد جامع کمالات صوری و معنوی منبع لیاقت و ذکا صاحب فکر رسا نواب مرزا اکبر علیخانصاحب خرد رئیس دہلی

	ہمہ در گفتگو نے آید آب چو در سبو نے آید

ہر چند دنیا خوشنگا خانہ طلسم و جادو ہے اُسمیں بقا کسکو ہے ہزاروں باکمال دیکھتے دیکھتے پریشان ہو گئے لاکھوں نام آور بے نشان ہو گئے دگرگوں ہر دم رنگ زمانہ ہے سچ ہے دنیا طلسمات کا کارخانہ ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

دل نے غم بے حساب کیا کیا دیکھے	آنکھوں نے جہاں میں خواب کیا کیا دیکھے

طفلی و شباب عیش و برخورداحت	اس عمر میں انقلاب کیا کیا دیکھے

غرضکہ ہر بہار کے لئے خزاں اور ہر بقا کے لئے فنا ہے۔ اے ایک روز ہم بھی خواب و خیال ہو جائینگے گل کی طرح بادصرصر سے فنا ہو جاوینگے۔ بعد کو کہانی ہوگی۔ اور وہ زبانی ہوگی۔ البتہ جو کچھ قلمبند ہو گیا وہ حال ہمیشہ تازہ ہے۔ اُسکا حرف حرف دیکھنے والوں کو نیا انداز ہے۔ یہ کام میرے معزز دوست لالہ سریرام صاحب ایم۔ اے۔ متصف ورئیس دہلی خلف الرشید آنریبل لالہ مدن گوپال صاحب ایم۔ اے بیرسٹرایٹ لا رئیس دہلی سے ہوا ہے۔ کہ نسخۂ لاجواب تذکرۃ الشعرا موسوم بہ مخزنِ جاوید اسم با مسمی تذکرہ کا نام رکھکر ملک پر احسان کیا ہے۔ میدان سخن میں نام کیا ہے۔ کتاب تالیف کیا کی ہے۔ داد سخنوری دی ہے۔ نسخہ کیا ہے حرز دل تعویذ سینہ ہے۔ شعرا کی جان سخنور و نکا ایمان ہے۔ تمام شعرائے جہاں ماضی و حال کا سچا فوٹو کھینچکر تذکرہ کو نگار خانہ کو چین و فرنگ بنا دیا ہے۔ مردہ شعرا کو زندہ۔ زندہ کو نام کیا ہے۔ آجکل نقش اُمید ہے بعد کو آثار صنادید ہے۔ عجیب دلپسند کام کیا ہے۔ دریا کو کوزہ میں بند کیا ہے۔ باوجود اختصار .. ۵۳ صفحہ پر کتاب کو ختم کیا ہے۔ میں نے صرف الف بے کی ردیف کو اکثر جگہ سے دیکھا نظم و نثر قابل تعریف۔ زبان بامحاورہ۔ باوجود اختصار حرف حرف و لفظ و لفظ سے فصاحت و بلاغت ٹپکتی ہے کیوں نہ ہو بابو صاحب دہلی کے نامی لوگوں سے ہیں زبان اُردو اُنکے گھر کی لونڈی۔ شاعری انکی جاگیر۔ المختصر علاوہ ناظم و ناثر ہونیکے خدا تعالےٰ نے صورت ظاہری و سیرت باطنی ایسی دی ہے جسکی نظیر بمصداق اس شعر کے خود ہی ہیں۔ **بیت**

اُسکی تعریف یہی ہے کہ جہان میں یکتا	اُسکی توصیف یہی ہے کہ نہیں ہے ہمسر

ہرچند میں نہ ناظم ہوں نہ ناثر الا اس تذکرہ کی خوبی اور بابو صاحب کے اصرار سے یہ چند سطریں لکھکر اپنا نام بھی پانچوں سواروں میں لکھواتا ہوں اور دعائے خیر پر اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔

قطعات تاریخ طبع تذکرۂ شعرا از نتائج افکار گہربار سخنور ہمقبال شاعر نازک خیال جناب حکیم سید محمد مہدی صاحب کمال لکھنوی خلف الصدق سرآمد سخنورانِ باکمال فخر شعرائے ماضی و حال جناب حکیم سید ضامن علی صاحب جلال لکھنوی ادام فیضہم المتعال

علم کا دریا ہیں جولالہ سریرام ایم۔ اے
موج کیسی آگئی برسادیئے دُرِ خوش آب

تذکرہ لکھا ہے یا آئینۂ حالات ہے
بے نظیر و بے مثال و یادگار و لاجواب

کیا دکھائی ہے ترقی معانی و بیان
آشکارا ہے بہارِ فکر سے رنگِ شباب

یہ تعلّی و تغزلی مضامیں دیکھئے
آسمانِ فکر سے اُترا ہیں پر آفتاب

ایک مصرع سے عیاں ہوں تین رنگ اب اے کمال
تذکرہ - خمخانۂ زیبا - گرامی انتخاب
۱۳۰۶ھ ۱۳۱۶ فصلی ۱۳۲۵ ہجری

ایضاً

حاکم و منصف ہیں جولالہ سریرام ایم اے
عادل و منصف مزاج و ذی مراتب ذی وقار

صرف کی عالی دماغی خوب لکھا تذکرہ
اہل دانش پر کیا زورِ قلم کو آشکار

روئے روشن کی طرح ہیں صاف کیا با آب و تاب
صورتِ گیسو مضامیں کچھ نہیں ہیں پیچدار

ہر جگہ رنگِ عبارت میں بہری انشاگری
لوٹ اس تحریر پر کیونکر نہ ہوں جادو نگار

مژدہ اے اہلِ سخن یہ حسن کی تصویر ہے
ہے یہی زیبا کہ دل اسپر کئے جائیں نثار

کیا بیاں میں لطف ہے کیسا زبا نمیں ہے مزہ
آپ ہے گفتار صدقے نطق خود کرتا ہے پیار

یہ مضامینِ سخن کا ایک دلکش باغ ہے
لاکھ دل سے ہے فدا اس رنگ پر رنگ بہار

جو سخنور ہیں سوانح اونکے ہیں اسمیں رقم
پھر نہ کیوں شانِ سخن ہو وہی شرف ذی اعتبار

خوب اک مصرع میں تاریخیں ہوئیں دو لے کمال
"بے بہا خمخانہ" ہے یہ "انتخاب لاجواب"
۱۳۲۵ھ ۱۹۰۷ء

ایضاً

سحر ہے افسوں ہے یا تسخیر ہے
دیکھیں اس تحریر کو جادو مقال

حسن سے حالات اُنکے لکھے ہیں
جو سخنور ہیں بہت نازک خیال

صفحۂ قرطاس پر نقاش نے
نقش کھینچے ہیں عجیب و بیمثال

سال ہجری سے ملا دے عیسوی
ایک مصرع میں ہوں دو رنگ اے کمال

کاملینِ فن کو یوں مسرور کر
تذکرہ ۔ تصویرِ حیرت بے مثال
۱۳۲۵ھ ۱۹۰۷ء

ایضاً

ہے یہ خیالات کا ایک عجیب آئینہ
دیکھکے ہوں کیوں نہ دنگ جتنے ہیں نازکخیال

کھینچی ہے دلکش شبیہ خوب کمالات کی
شوق سے رکھیں نہ کیوں آنکھ پہ اہلِ کمال

اہلِ سخن کا ہے ایک تذکرۂ لاجواب
یا ہے نئے رنگ کا قصۂ ماضی و حال

دلمیں اگر ہے خیال طبع کا لکھوں میں سال
کیوں نہیں کہتے کمال "تذکرۂ بیمثال"
۱۳۲۵ھ ۱۹۰۷ء

قطعات تاریخ طبع "خمخانۂ جاوید" از نتائج طبع سید رشید الزماں امید ردولوی شاگرد جناب حکیم سید محمد مہدی صاحب کمال لکھنوی طبیب ریاست تروا ضلع فرخ آباد

چوں رقم خمخانۂ جاوید شد
خامۂ حیراں در بیان وصفِ او
بے عدیل و بے نظیر و لاجواب
حرف حرف و نقطہ نقطہ انتخاب

از پئے تاریخ طبعش گفت اُمید
گشت مطبوع جہاں بآب و تاب
۱۳۲۶ھ

ایضاً

لکھے شاعر نے نکے یہ حالات خوب
دکھاتی ہے تحریر حسن شباب
عجب تذکرہ یہ ہوا دلپذیر
نہ کیونکر ہوں مشتاق برنا و پیر

رقم کردہ اُمید یوں سال طبع
کہ اچھا چھپا نسخۂ بے نظیر
۱۹۰۸ء

قطعات تاریخ طبع خمخانۂ جاوید از نتائج افکار محمد نور الحسن فروغ خلف جناب شیخ محمد علیم الدین صاحب علیم پیشکار ریاست تروا ضلع فرخ آباد شاگرد جناب حکیم سید محمد مہدی صاحب کمال لکھنوی طبیب ریاست تروا ضلع فرخ آباد

واہ کیا بیمثل لکھا تذکرہ
ہر طرف برپا ہے اسکی دھوم دھام
بن سنورے ہیں عروسانِ سخن
سامع و قاری کو کر دیتا ہے مست

شاعر و نکا دلکش افسانہ ہے یہ
کیا مثالِ جشن شاہانہ ہے یہ
خوب اُنکی زلف کا شانہ ہے یہ
کچھ عجب تاثیر میخانہ ہے یہ

طبع کے دو ماد ے لکھو فروغ
ساغرِ دلخواہ۔ خمخانہ ہے یہ
۱۹۰۷ء ۱۳۲۵ھ

ہیں جو اک منصف سریرام ایم اے
تذکرہ لکھنا نہایت خوب ہے

ایک تحفہ ہے عجیب و یادگار
طالبوں کے واسطے مطلوب ہے

کیا زباں مطبوع طبع دلپسند
کیا بیان دلکش و محبوب ہے

یوں سنینِ طبع لکھوائے فروغ
تذکرہ ۔ یہ بے بدل مرغوب ہے
۱۳۲۵ھ ۱۳۲۶ھ

ایضاً

کیا ہوا ہے تذکرہ یہ بے مثال
جو ہیں منصف داد وہ کیونکر نہ دیں

کس جگہ ہیں جوہری و قدر داں
گوہر نایاب کو آنکھوں سے لیں

دو ہوئیں تاریخیں یکجا اے فروغ
تذکرہ ۔ بے مثل ہے تاریخ میں
۱۳۲۵ھ ۱۹۰۸ء

تقریظ رنگینۂ کلک جادو رقم سخنور فہیم صاحب طبع سلیم قاضی محمد علیم الدین صاحب علیم سررشتہ دار محکمہ پنچایت رزیڈنسی جیپور

در خمخانۂ جاوید ساقی کشادا اینجا
صلای الصبوح از بہر خاص و عام دادا اینجا

نہ ہے میخانہ پر از بادہ مستی فزا باشد
کسی ناشاد اگر آمد بدم گردیدہ شادا اینجا

دریں میخانہ ہر کس بادۂ پُر زور را خورد
چو اشکِ نامرادان بر زمیں زود افتادا اینجا

چہ میخانہ کہ باشد استوار بہر جاویدان
ہمانا زوار در بر زمیں سجع شدادا اینجا

چہ میخانہ کہ وقفِ اہلِ ذوق و شوق می باشد
بجز احباب اصلا نیست بر غیر اعتمادا اینجا

چہ میخانہ کہ ما من از برائے اہلِ عشرت ہست
نباشد ہیچ باک از فتنۂ و شر و فسادا اینجا

بنازم بے نہایت ہمت فیاض نبارا
کہ کسبِ فیض ہا سازند جمشید و قبادا اینجا

زہے نتاے دانشور سخن را حامی و یاور
سرر ام آنکہ بود مثل او والا نژاد اینجا

چہ خوش خمخانہ یا بزم جہان آرا کہ می بینم
سخن سنجان والا گوہر اندر ہر سواد اینجا

چہ بزم بوستان عندلیبان نوا سنجاں
بیا بنگر کہ ہرگز نیست دخل بوم و غاد اینجا

تعال اللہ چہ بزم دلکشا کز دشمناں خالی
بہر سو پر طرب بنشستہ اند اہل وداد اینجا

حسودان گر نمی سازند تحسیں نیست پروائے
برآمد از سخن سنجان عالم شور داد اینجا

زر و مال جہاں ہرگز وفا با کس نمی سازد
سخن باشد متاع نغز بنمود بر کساد اینجا

بہ نقاشان اول گو کہ نقش خویش را شویند
نشستہ وہ چہا اے دوستان نقش مراد اینجا

بوقت نیک چوں گردید چاپ این نادر نگیر
علیما از پئے تاریخ طبعم رونما داد اینجا

کہ گفتہ زود تر در صنعت ہجری بگویش من
سخن خمخانۂ جاوید با آب اوستاد اینجا

پس تاریخ ہجری ہر سال عیسوی اکنوں
کتاب عمر و اطرف طلسم آمد بیا داد اینجا

سن فصلی قلم ذکر محبان فرید آورد
بحال ما مت ہر دم منت کلک دمد اد اینجا

کتاب تذکرہ آئینۂ عالم بسمت گفت
سروش ایزدی در وقت فکرم باد لوا اینجا

بالطاف الٰہی یافتہ انجام نظم من
کمیت فکرم از جولاں نودم ایستاد اینجا

بدنیا تا بود نام حرم و خمخانہ ہا باقی
خدایا بانی خمخانہ دائم شاد با داینجا

ریویو رقمزدۂ جامع کمالات صوری و معنوی فضیلت مآب کمالات انتساب شمس العلما خان بہادر پروفیسر مولوی محمد ذکاء اللہ صاحب رئیس دہلی۔ ریویو تذکرۂ ہزار داستان خمخانۂ جاوید

میں شاعر نہیں ہوں کہ شاعروں کے تذکرہ کی پوری داد دے سکوں۔ مگر اردو کے شاعروں

کے تذکروں کی میری جتنی واقفیت ہے وہ عرض کرتا ہوں کہ سب سے اول اُردو کے شاعروں کا تذکرہ قاسم نے لکھا اگرچہ وہ چھپا نہیں لیکن اُسکے قلمی نسخے بہت دور دور شایع ہوئے پھر اِس تذکرے کو نواب مصطفےٰ خان شیفتہ و حسرتی نے زیرِ نظر رکھکر تذکرہ گلشنِ بے خار لکھا جو چھپا اور بہت مقبولِ انام ہوا۔ اِسکے بعد صہبائی نے تذکرۂ گلستانِ سخن لکھا جو مرزا صابر کی تصنیف سے مشہور ہوا اور چھپا اِن تذکروں کے علاوہ اور پانچ چھ تذکرے چھپے مگر اِن سب تذکروں پر شمس العلما مولوی محمد حسین آزاد کے تذکرہ آبِ حیات نے پانی پھیر دیا۔ اب اس تذکرہ کے آگے اور کوئی تذکرہ نہیں پوچھا جاتا اِسکے بعد تذکرہ ہزار داستان معروف بہ خمخانۂ جاوید کے ۴۰۰ صفحے میرے مطالعہ میں آئے جسمیں اُن شاعروں کا کلام اور حال لکھا ہے۔ جنکے تخلص کے اول الف ممدودہ و الف مقصورہ آتا ہے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس تذکرے کا حجم اور سب تذکروں کے مجموعی حجم کے برابر ہوگا۔ اسکے مصنف رائے سریرام ایم۔ اے۔ فرزند نجبتہ خصال آنریبل رائے بہادر مدن گوپال۔ ایم۔ اے بیرسٹرایٹ لا ہیں بظاہر اسپر تعجب ہوتا ہے کہ اس لایق بیٹے نے اپنے لایق باپ کی طرح قانون میں فرد کامل ہونے میں سعی نہ کی فقط سرکاری قانونی امتحان میں پاس ہونے پر بس کی۔ لیکن انگریزی میں ضرب المثل ہے

(شاعر بنانے سے نہیں بنتا وہ اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے) اُنکی طبیعت قدرت ہی نے شاعری کے لئے وضع کی تھی۔ وہ دوسری طرف متوجہ نہیں ہوسکتی تھی۔ اس خداداد فہم مستقیم اور مذاق سلیم کے سبب سے انہوں نے ادنیٰ اور متوسط شاعروں کے کلام میں سے ایسے تھوڑے تھوڑے اشعار منتخب کئے کہ اُستادوں کے کہے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ اور اعلیٰ شاعروں کے کلام میں سے بہت بہت سے اشعار ایسے منتخب کئے کہ انسے بہتر اور اشعار اُن کے کل کلام میں نہیں پائے جاتے۔ قاعدہ ہے کہ جب تک کوئی اچھا شاعر نہیں ہوتا کہ اساتذہ سابقہ کے کلام پر اُسکی نظر نہ ہو اور وہ اُسکے ذہن میں محفوظ نہ ہوں پس یہ مطلب فقط اِس تذکرے کے مطالعہ سے حاصل ہوسکتا ہے کہ اچھا شاعر بننے کے لئے

شعرا کے دواوین اور کلیات کے پڑھنے سے مستغنی کرتا ہے۔ اسکو پڑھکر کہنا پڑیگا کہ گویا کل شاعروں کے کلام کا لبِّ لباب نظر سے گذر گیا۔ شاعروں کے اکثر حالات مصنف نے نثر میں ایسی فصاحت و بلاغت و سلاست سے لکھے ہیں کہ اونمیں بھی عمدہ نظم کا لطف آتا ہے۔ غرض یہ مصنف کا بڑا احسان اہلِ زبان پر ہے کہ اردو لٹریچر پر اپنے اس تذکرے کی تصنیف سے ایسا بیبہا اضافہ کیا ہے کہ پہلے کبھی نہیں ہوا۔ اسکی یہ ہزار داستان سخن کے بوستان جاوید میں ہمیشہ چہچہاتی اور اُسکے نام کی مدح سرائی کرتی رہے گی۔ ذکارالله

تقریظ منظوم طبعزاد بلبل گلزار سخن طوطی شکرستان علم وفن سخنور نکتہ سنج سید وحید الدین احمد صاحب بیخود دہلوی از ارشد تلامذہ فصیح الملک نواب مرزا خان داغ دہلوی

بہار آئی مے گلفام دینا — بلالب بھر کے ساقی جام دینا
پیاسے ہیں بت دنکے مے آشام — شرابِ روح پرور کا پلا جام
پڑے ہیں دیکھ کانٹے زباں پر — گھٹا گھنگور چھائی آسمان پر
وہ مے دے جو نشہ میں چور کردے — وہ مے جو بے پئے مسرور کردے
چمن پر آج رنگت آرہی ہے — کچھ آنکھوں میں تراوٹ آرہی ہے
کہیں بلبل کے لب پر ہے ترانا — کہیں گلچیں کے ڈر سے سہم جانا
سخن رنگیں کوئی ایسا سنادے — کہ جو رنج والم دل سے بھلادے
برس کر ابر جب سے کچھ کھلا ہے — چمن کا رنگ ہی بدلا ہوا ہے
قیامت ڈھائی غنچے نے چٹک کر — گری ہے دل پہ بجلی سی کڑک کر
وہ شوخی سے صبا کا گدگدانا — وہ پھولوں کا ادا سے مسکرانا

ہوا سے سبزہ کا وہ لہلہانا — طیور خوش نوا کا چہچہانا
وہ مشتاقِ ستم سرو لبِ جو — تڑپ کر دور سے قمری کی کو کو
وہ ہر سو جلوہ فرما اسکی قدرت — تماشا دیکھکر نرگس کو حیرت
وہ نہر و نیں رواں آبِ مصفا — خراماں ہر طرف طاؤس زیبا
وہ زیبائی وہ رعنائی گلوں کی — پھر اُس پر خوشنوائی بلبلوں کی
ہوا سے ہر طرف بادل کا چھٹنا — شبِ مہتاب سونے پر سہاگا
یہ گذری سیر جب میری نظر سے — لہو جاری ہوا زخمِ جگر سے
اُبھر آئیں وہ دلکی ساری چوٹیں — کبھی کھائیں تھیں جنکی کاری چوٹیں
کسی کی وہ جفائیں یاد آئیں — مجھے اپنی وفائیں یاد آئیں
وہ اپنی اشک باری یاد آئی — وہ دلکی بیقراری یاد آئی
کسیکا مسکرانا یاد آیا — وہ ہنس ہنس کر رُلانا یاد آیا
وہ یاد آئی کبھی کی اپنی حالت — نظر میں پھر گئی اُس بت کی صورت
وہ شوقِ وصل نے پھر گدگدایا — وہ یادِ یار نے پہلو دبایا
کھلا سینے میں پھر باغِ تمنا — ہرے پھر ہو گئے داغِ تمنا
جدائی سے کلیجہ شق ہوا پھر — بنا سینہ مرا ماتم سرا پھر
لہو پھر ہو گیا آنکھوں سے جاری — تڑپ کر پھر گذاری رات ساری
گریباں کو کیا پھر چاک میں نے — اُڑائی سر پہ اپنے خاک میں نے
نگاہوں نے اودھر صحرا کو تاکا — اُدھر تلووں نے خاروں کو ٹٹولا
بن آئی پھر سپہرِ فتنہ زا کی — سر شوریدہ نے دیوار تاکی
جب اس درجہ کو نوبت اپنی پہنچی — تو پھر عقلِ مآل اندیش چونکی
تسلی دی مجھے دلکو دلاسا — پلائی کچھ دوا صدقہ اُتارا

بیاں کی میرے آگے اک کہانی
سنائی شعر بھی کچھ منہ زبانی

مجھے تو عشق ہے شعر و سخن کا
ہوا وہ زور کم دیوانہ پن کا

مرے دل کو کیا قابو میں کیسا
دکھایا معجزہ جادو میں کیسا

مجھے سنبھلا ہوا جب اُس نے پایا
خیر اک معانی کا دکھایا

سنا کر ذکر کچھ اک تذکرے کا
کیا تقریظ لکھنے کا اشارا

کتاب اک ایسی رکھدی لاکر آگے
کہ وحشت جس سے کوسوں دور بھاگے

اگر ہر موئے تن میرا زباں ہو
تو ہاں کچھ اُسکی خوبی کا بیاں ہو

کہیں سادہ کہیں ہے طرز رنگیں
چُنے پھٹکے ہوئے سارے مضامیں

جہاں تعریف ہے زلفِ دوتا کی
وہاں پیچیدگی ہے کس بلا کی

کسی نے شوخیاں بھر دیں زبانیں
کسی نے گرمیاں کی ہیں بیانیں

کسی کی سادگی ہے قابلِ داد
کسی نے طرز نو کرلی ہے ایجاد

کسی کو ہے ادا بندیکا لپکا
کوئی تشبیہ کی جانب ہے لپکا

کسی کو استعارہ بھا گیا ہے
کوئی ڈھل کر زبان پر آگیا ہے

معانی پر نگاہیں ہیں کسی کی
جگر کے پار آہیں ہیں کسی کی

کہیں شوخی کا ہے عالم نرالا
کہیں ہے سادگی کا بول بالا

تصوف میں کسی نے نام پایا
کسی نے مدح میں انعام پایا

کوئی الفاظ کی شوکت کا عادی
کسی کی بندشیں ہیں سیدھی سادی

کوئی نازک خیالی پر مٹا ہے
تو کوئی روز مرہ پر فدا ہے

کہیں ہے فارسی ترکیب ساری
کہیں اردو زباں ہے پیاری پیاری

نئی ترکیب کا ہے کوئی موجد
پرانی طرز کا کوئی مقلد ہو

کہیں الفاظ کی جادوگری ہے
کسی نے گود پھولوں سے بھری ہے

کسی نے تیر کر جیتا ہے پالا
کسی نے ڈوب کر موتی نکالا

کسی نے چوٹ کھا کر آہ کی ہے
کسی نے دل کے اندر راہ کی ہے

کسی نے چٹکیاں لیں ہیں جگر میں
سمایا ہے کوئی ظاہر نظر میں

ستم کے ٹکڑے روئے ہیں کسی نے
کہیں موتی پروئے ہیں کسی نے

کسی نے پھول توڑے ہیں چمن سے
کسی نے لعل اگلے ہیں دہن سے

غرض ہر شعر چوٹی کا چنا ہے
سنا جس نے اُسی نے سر دُھنا ہے

کسی نے تذکرہ لکھا ہے ایسا
کبھی تم نے سُنا دیکھا ہے ایسا

کسی سے ہو سکے کب ایسی محنت
پھرا سپر صرف دولت صرف ہمت

مؤلف اِسکے ہیں لالہ سری رام
خلایق کے زبانوں پر ہے انکا نیک نام

بھرے ہیں اُنمیں اوصاف حمیدہ
لکھے ہیں شعر سارے چیدہ چیدہ

ہزاروں پر پھرا ہے اِنکے پانی
کبھی ہے جب یہ تصویر معانی

کوئی شاعر نہیں چھوڑا ہے باقی
ہوئے جس سے نہ جا کر یہ ملاقی

مہینوں بلکہ برسوں خاک چھانی
گئوادی عشق میں اِسکے جوانی

کیا ہے کام یہ اِک عمر بھر میں
سفر برسوں کیا ہے بحر و بر میں

جہاں قلمی کوئی دیوان دیکھا
ہزاروں دیکے ظالم نے خریدا

کتابوں کی یہاں تعداد کیا ہے
زمیں سے چھت تلک اِک کمرہ بھرا ہے

ہزاروں ہیں کہیں دیوان اسمیں
کہیں ہے تذکرے کی کان اسمیں

کتاب اِسنے بچی ہے کب جہانمیں
نہیں اصلا غلو میرے بیاں میں

خریدی جو جہاں سے ہاتھ آئی
یہ ہی دولت یہ ہے انکی کمائی

لکھا ہے تذکرہ جادو کیا ہے
زمانے سے نرالا ہے نیا ہے

زمانہ ہے خریداروں میں اِسکے
جسے دیکھو طلبگاروں میں اِسکے

کہاں تقدیر نے پہونچا دیا ہے
معنوں نام نامی سے ہوا ہے

نظر تک حضرتِ آصف کی پہونچا
بہت دنمیں تصیبا اسکا جاگا

قلم نے کی ہے برسوں جیہ سائی
جب اس در تک ہوئی حاصل رسائی

یوہیں مشکل ہے شہ کی مدح خوانی
پھر اُسپر خسروِ ملکِ معانی

فریدوں فر بھی ہے معجز رقم بھی
ملا ہے اُسکو نیزہ بھی قلم بھی

اُسی کی سلطنت ملک وکن میں
اُسی کی کارِ اقلیم سخن میں

اُسکی کام ٹھہرا حکمرانی
اُسی کا شغل ہے شیریں بیانی

دعاگو بالعالی کے ہزاروں
ثناخواں خوش مقالی کے ہزاروں

قلمداں اُسکا دُکانِ جواہر
غزل ہے اُسکی یا کانِ جواہر

اُٹھاکر ہاتھ میخواب دعا کر
اثر بخشے خدا سے التجا کر

الٰہی شاہ کو دل شاد رکھنا
دکن کی سلطنت آباد رکھنا

اُسے حاصل ہو عیش کامرانی
عطا کر اُسکو عمرِ جاودانی

مؤلف کا ہے نام اس سے قائم
مزہ لیں پڑھ کے اسکو شاہ دائم

تقریظ از نتیجۂ افکار گہربار ناشر نگارخانۂ بدیع نگار شیریں گفتار منشی سید احمد صاحب دہلوی مؤلف فرہنگ آصفیہ و دیگر کتب متعدد وظیفہ خوار سرکار نظام

اس تذکرے کی کیفیت جیسی ہمیں بالتفصیل معلوم ہے۔ شاید دوسرے کو نہو گی کیونکہ زمانۂ تدوین سے اسپر ہماری نظر پڑتی رہی ہے۔ اور جو جو دل چھڑا دینے والے موقعہ اُس زمانہ میں اسکے مدوں کو پیش آئے ہیں وہ بھی ہماری آنکھوں کے سامنے گذرے ہیں۔

ہمارے دوست لالہ سریرام صاحب نے ہوش سنبھالنے سے پہلے اس بارِ دوش کو

اُٹھایا تھا۔ یعنی ایام طالبعلمی سے ہی اسکا ذوق چڑھا ہوا تھا۔ اور اپنے آپ کو اجتماعِ سخن وانِ سخن کا مستوالابنایا تھا۔ ادھر انٹرنس کے امتحان کی تیاری تھی اُدھر یہ بیماری تھی۔ کہ اس تیاری کے تمام اوقات وقفِ تذکرہ تھے۔ دیکھنے میں بی۔ اے کی امتحانی کتابوں کا مطالعہ تھا۔ مگر درحقیقت وہ اساتذۂ ماضی وحال کے تذکروں اُنکے دیوانوں اور چیدہ کلام کا انتخاب تھا۔ گو ایم۔ اے کا امتحان سر پر تھا۔ مگر تذکرہ کا پشتارہ بغل میں۔ غرض علمی امتحانوں سے لیکر قانونی امتحان تک یہی حالت رہی۔ کھانے کی سُدھ نہ پینے کی بُدھ اسکے علاوہ اور بھی سیکڑوں مکروہاتِ زمانہ سدِ راہ ہوئے۔ مگر اس دُھن کے پکے نے اپنی دُھن نہ چھوڑی۔ اے بہادر اس شوق سے ناراض رہے۔ تمام بزرگ مانع ہوئے۔ مگر لالہ سریرام صاحب نے ہی یہ کام نہ چھوڑا۔ سب سے بگاڑی مگر یارانِ تذکرے سے بنائے رکھی۔ اور اُسے انجام پر پہونچا کر چھوڑا۔

خمخانۂ جاوید کی تدوین میں جیسی جیسی دقتیں پیش آئیں اور جو جو مزاحمتیں دامنگیر ہوئیں انہیں کوئی مدون کے دلسے پوچھے۔ یہ استقلال بے زوال ہی کا تصدق تھا۔ کہ اس خمخانۂ جاوید میں آج نوید کے شادیانے بج رہے ہیں۔ جس انہماک کو غفلت سمجھ رکھا تھا۔ وہ عین ہوشیاری اور کامل بصرت نکلی۔ بھلا لالہ سریرام سے زیادہ کون ستا ہوسکتا ہے جنھوں نے اجتماعِ ضدین کو غایت کر دکھایا۔ انٹرنس سے ایم۔ اے تک پاس کرتے چلے گئے۔ یاس کو پاس نہ آنے دیا۔ یہانتک کہ قانون پر بھی ہاتھ مار ہی دیا۔ یہ خداداد ملکہ تھا جس نے تمام ہمچشموں میں تہلکہ ڈالدیا تھا۔ اِسکی بدولت منصفی پھٹکاری۔ اور علمی کامیابیوں کے طفیل خاندانی ناموری کو سنبھالا۔

اگلے تذکرہ نگاروں نے صرف گزشتہ تذکروں۔ بیاضوں اپنے وقت کے روشناس شاعروں کے حالات گھر بیٹھے لکھکر تذکرہ نویسوں میں اپنا نام شمار کرالیا۔ لالہ سریرام نے نامی شعرا کے خاندانوں کا پتا لگایا۔ اُنکی ذریات سے ملے۔ اور وہ حالات حاصل کئے۔ جو اہل خاندان کو سینہ بسینہ پہنچے تھے۔ موجودہ مشہور شاعروں کے گھروں پر پہنچے۔ اُنکا کلام اُنکے بزرگوں کا کلام

اور قابل تذکرہ احوال بہم پہونچا کر لائے۔ کبھی کلکتہ کا سفر کیا۔ کبھی بنارس اور لکھنو کا دہاوا مارا۔ کبھی آگرہ پہنچے۔ کبھی بمبئی۔ کبھی اجمیر کبھی جے پور۔ کبھی بریلی پنجاب کا چپہ چپہ دیکھ ڈالا۔ ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں کو چھان مارا جن نازک خیالوں کا کلام اُنکے خاندانی افلاس نے طاق نسیاں پر رکھ دیا تھا۔ اُن سے لیا۔ اور چھپوا کر اُن ازہاں رفتہ کو زندۂ جاوید بنا دیا۔ گویا اپنے آپ کو مسیحا ٹھہرا دیا۔

اس تذکرے میں جب کسی نامی شاعر کے حال پر نظر پڑے گی تو خاص خاص خاندانوں کا حال دیکھکر اُس خاندان کے لوگ خود چونک پڑیں گے۔

یہ لالہ سریرام ہی کے حصے کا کام تھا۔ اور انہیں کے ہاتھوں انجام کو پہنچا۔ بھلا دوسرا آدمی اِنکا سا حوصلہ اِنکی سی ذہانت۔ اِنکی سی سخن فہمی۔ اِنکی سی سخن شناسی۔ اِنکی سی نکتہ رسی۔ تا وقتیکہ ایسی ہی امداد غیبی اور خداداد لیاقت نہو۔ کبھی حاصل نہیں کر سکتا۔ یہ حافظہ اور ذہانت اِنکا خاندانی ورثہ ہے۔ راجہ ٹوڈرمل اکبری نورتن کے گوہر شب چراغ کو کون نہیں جانتا۔ آپ بھی اُسی خاندان کے نام لیوا ہیں مگر روشن چراغ ہیں۔ آپکے خاندان نے ایام غدر تک شاہانِ دہلی سے توسل رکھا۔ اور اخیر وقت تک خاندانی اعزاز کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ آپ کے والد بزرگوار آنریبل لالہ مدن گوپال صاحب ایم۔اے ایم۔اے۔ اے بیرسٹرایٹ لا بھی کچھ کم ذکی و فہیم نہ تھے۔ اُنکا تبحر علمی پنجاب میں ضرب المثل اور قانونی قابلیت مسلم تھی۔ پنجاب یونیورسٹی کے رکن اعظم اور علوم مشرقی و مغربی کے زبردست ماہر تھے۔ آپ متواتر ۶ سال تک پنجاب لیجسلیٹو کونسل کے ممبر رہے اور اپنی حسن کارگذاری سے رعایا اور حکام دونوں کو رضامند رکھا۔ افسوس کہ زندگی نے وفا نہ کی ورنہ چیف کورٹ کی ججی کے علاوہ عنقریب امپریل کونسل کے ممبر نامزد ہوتے۔ آپ کی قانونی کتابیں پنجاب کی عدالتوں میں رائج اور وقعت کی نظر سے دیکھی جاتی ہیں۔ آپ ہی کے ہونہار فرزند نے تذکرہ لکھکر مُردوں کو زندہ کیا۔ اور زندوں کو عمر جاوید کا پٹہ لکھدیا۔ یعنی وہ اس خمخانۂ جاوید میں آئے۔ اور مست ازل کے لقب سے ملقب ہوئے۔

آپ کے عموی نامدار راے بہادر ماسٹر پیارے لال صاحب نے جو اپنی لیاقت کے آپ ہی نظیر ہیں۔ اپنی غیر معمولی لیاقت اور علمی سرپرستی سے عموماً ہندوستان اور خصوصاً پنجاب کو بہت بڑا فیض پہنچایا۔ سینکڑوں کتابیں سررشتہ تعلیم میں اپنی کی تجویز اور راے پر تصنیف و تالیف ہوکر مروج کی گئیں۔ خود بھی لکھیں۔ اور اس سررشتہ کے اراکین کو بھی رشتہ بتایا۔ غرض اس خاندان سے جو کچھ ہوا کوئی نئی یا عجیب بات نہیں ہے۔ جیکا جس طرف شوق ہوا۔ اُس نے اُسی میں اونی توجہ سے وہ کمال کر دکھایا۔ کہ ابناے زمانہ عش عش کرتے رہ گئے۔

بھلا جو تذکرہ اتنی مدت میں اسقدر تحقیقات اور اخراجات سے لکھا جاے کہ ایک ذات کا روپیہ اُسکی اغراض بہم پہنچانے میں ٹھیکری کر دیا جاے۔ وہ کیوں نہ سب تذکروں سے بہتر اور افضل ہو۔ یہ تذکرہ تجارت کی غرض سے نہیں لکھا گیا۔ صرف شوقِ زبان۔ شوقِ سخن فہمی و ابقاے نام شعراے ہند بلکہ قیام زبان کی وجہ سے تدوین ہوا۔ اور اُسکا منافع کسی مفید عامہ امور کے واسطے وقف کر دینے کا ارادہ کر لیا

یہانتک تو ہمنے اپنی ذاتی واقفیت کا خلاصہ لکھا تھا۔ اب ہم تذکرہ پر سرسری نظر ڈالتے ہیں یہ تذکرہ بارہا نظر افروز مطالعہ ہو چکا ہے۔ مگر جب دیکھا ہے جب ہی ایک نہ ایک جدت پائی۔ پس اس لحاظ سے یہ نظر اور ہے اور وہ نظر اور تھی

اس تذکرے کے اول حصے میں الف سے لیکر بے تک کے بلبلانِ ہزار داستان جمع ہوکر اپنی اپنی روش نغمہ سنجی اور خاص خاص بولیوں سے دل لبھا رہے ہیں۔ ہر ایک کا انداز جدا نرالا مگر بظاہر ایک ہی باغ کے فدائی ہیں۔ مگر دراصل عجیب عجیب نیرنگیوں کے شیدائی ہیں۔ کوئی حسن پرستی پر لوٹ ہے۔ تو کوئی خدا پرستی پر غش۔ کوئی کارخانۂ قدرت کی حکمتوں کا دلدادہ تو کوئی روزمرہ دہلی کی سخن سنجی پر دل و جان سے آمادہ۔ کوئی اپنے وقت کی ابتدائی زبان کو فخریہ کلام میں ظاہر کر رہا ہے۔ تو کوئی اُسی زبان کو اصلاح دے کر دوسرے پیرایہ میں نیا رنگ اور نیا انداز دکھا رہا ہے۔ کسی کا کلام دلمیں بیٹھا جاتا ہے۔ تو کسی کا عرشِ بریں تک پہنچا دینے کا بیڑا اٹھاتا ہے۔

کوئی فصاحت پر مٹا ہوا ہے۔ تو کوئی بلاغت پر فریفتہ۔ کسی نے سیدھی سیدھی بول چال اپنا وتیرہ ٹھہرالیا ہے۔ تو کسی نے خاص خاص اصطلاحات و محاورات کا نقشہ جمایا ہے۔ کوئی فلسفیانہ مسائل پر جھکا ہے۔ تو کوئی منطقیانہ دلائل پر مائل۔ گو شکلیں مختلف ہیں۔ مگر نتیجہ کلام ایک ہی ہے یعنی ہر ایک شخص اپنے ملک کی زبان کے قیام پر بطیب خاطر مائل اور اُسکی ترقی کا اپنے ہر ایک ہمعصر سے سائل ہے۔ چنانچہ ہم بھی اس امر کے ثبوت میں چند شعرا کے کلام کا انتخاب کر کے اُنکے رجحان طبع کو دکھاتے اور کچھ کچھ حالات سُناتے ہیں۔

پہلے خواجہ حیدر علی آتش کے حال کو لیجئے اور حضرت ناسخ سے جس قسم کا برتاؤ تھا۔ اُسے دیکھئے تو صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ خواجہ صاحب آتش بیان ہی نہ تھے۔ بلکہ آتش مزاج اور نازک طبع بھی تھے۔ باوجود یکہ دونوں صاحبوں کی باہمی نوک جھونک رہتی تھی۔ لیکن حضرت ناسخ کا دنیا سے گزرنا اور آتش کا ترک سخن گوئی کرنا ایک عجیب پاس وضع اور انصاف قلبی ظاہر کرتا ہے۔ آتش کا کلام صاف ہے پاکیزہ ہے۔ مگر وہ بات کہاں جو ناسخ کو حاصل تھی۔ وہ تشبیہ و استعارہ کا بادشاہ تھا یہ میدان فصاحت کے دلدادہ ہیں۔ اُن کا ایک ہی شعر ایسا ہے۔ جو آتشیں طبیعت کا نمونہ اور صاف گوئی کا چربہ ہے ؎

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا	جو چیرا تو اک قطرۂ خون نہ نکلا

علی ہذا شمس العلما مولوی محمد حسین آزاد کے حال پر نظر ڈالئے۔ تخلص کے ساتھ کلام اور طبع میں بھی وہ آزادی ہے۔ کہ اچھے اچھے وارستہ مزاجوں کو پرے بٹھاتی ہے۔ جس بات کی ابتدا کی انتہا پر پہنچایا۔ اُستاد ذوق کی محبت۔ ایام غدر کی مصیبت سُن سُنکر سنگدلوں کے پتھر دلوں کو موم بنائے دیتی ہے۔ نثر میں وہ کمال ہے کہ صوفی صافی تک سر دُھنتے ہیں۔ موسم زمستاں کا بیان۔ ابر کرم۔ شب قدر کی مثنوی پڑھو اور بے اختیار اس جدت کی داد دو۔ کلام سنو اور فصاحت پر میر مٹو ؎

ہاتھ چومیں گے مرے گبر و مسلماں دو	ایک میں دست صنم ایک میں قرآں ہوگا۔

مثنوی زمستاں میں کہتے ہیں ؎

ساون کے گیت اُٹھا رہے طوفاں دلوں میں ہیں
پردیسیوں کی یاد سے ارماں دلوں میں ہیں

ہر تان میں ملہار کی مستی کا شور ہے
بادل گرج کے پردے میں دیتا ٹکور ہے

غرض یہی حال شب قدر کے بیان میں ہے۔

اسی طرح مولوی مفتی صدر الدین خانصاحب آزردہ کے حال میں جو خاص خاص واقعات درج ہیں۔ وہ الگ ہی اپنا پر لطف سماں باندھ رہے ہیں جس عاشقانہ مناسبت سے آزردہ تخلص کیا ہے۔ اُسی شیدایانہ رعایت سے اکثر کلام بھی موزوں فرمایا ہے ؎

اس دردِ جدائی سے کہیں جان نکل جائے
آزردہ مرے حق میں ذرا تو بھی دعا کر

ہو نہ دامنگیر کوئی جا نکر قاتل تجھے
تو بھی روتا چل جنازے کو ہمارے دیکھکر

یہ کہکے رخنہ ڈالئے اُنکے حجاب میں
اچھے بُرے کا حال کھلے کیا نقاب میں

عشق بازی کا مئہ چڑھانا ہے
اب وہ موسم نہیں شباب نہیں

مختصر حال چشم و دل یہ ہے
اِس کو آرام اُس کو خواب نہیں

ہے روزِ عید رنجش خاطر کو دو سلام
آؤ گلے لگو مرے کیسی نہیں نہیں

اس تذکرے کے آصفوں میں قابلِ ذکر دو آصف ہیں ایک نواب آصف الدولہ والئے اودھ جنکے ہاں دہلی کے اہل زبانوں نے جاکر پناہ لی۔ اور اُنھوں نے اِس زبان میں شعر گوئی احیاء کرکے روز افزوں رفعت سے گرنے نہ دیا۔ دوسرے حضور پر نور میر محبوب علیخان بہادر نظام بالقابہ سلطانِ دکن جنھوں نے اِس زبان کی ڈوبتی ہوئی ناؤ کو سہارا دیکر اُبھارا اور اپنے اُس کلام سے جو کلام الملوک ملوک الکلام کا مصداق ہے۔ چار چاند لگا دیئے۔ زبان کی فصاحت دونوں حضرات کے کلام سے ٹپکتی ہے۔ مگر حضور نظام نے میر تقی کی روش پر بے تکلفانہ اشعار کہکر اُستاد ذوق اور حضرت داغ کو زندہ کر دیا ہے۔ چنانچہ تیمناً و تبرکاً دونوں حضرات کے دو دو چار چار اشعار زیب ریویو کئے جاتے ہیں۔ آصف الدولہ آصف ؎

بڑے شکوہ سے جاتا ہے قافلہ دل کا	ق	چُپکے گا روبرو کس کے معاملہ دل کا
اکیدن یار سے یہ میں نے کہا		ابتو ہم طاقت و تواں سے گئے
ہنس کے کہنے لگے کہ اے آصف		یہی کہہ کہہ کے لاکھوں جان سے گئے

حضور نظام آصف ۵

آصف سے یہ چھٹا ہے نہ ہرگز کبھی چھٹے		لپکا ہے اُسکو دیکھا ہے جسکا ہے چاہ کا
میں سنبھلتا نہ رہِ عشق میں کیا اے ناصح		تو نہ ہوتا مرا اللہ نگہباں ہو تا ؤ
مار رکھنے کے یہ انداز نکالے تم نے		آن سے تیغ کبھی ناز سے خنجر نکلا ؤ
میخانے میں کیا لطف ہے کیا مانگے ساقی		آواز چلی آتی ہے لا اور پلا اور
ان حسینوں سے کوئی خون کا دعویٰ نکرے		خونبہا دیتے نہیں خون بہا دیتے ہیں
بے وفا ایک تیری خاطر سے		سن رہا ہوں ہزار کی باتیں
ادھر میں ہوں اُدھر محشر میں تو ہو		جو ہونی ہو خدا کے روبرو ہو
پیو بھی پلاؤ بھی اس کا مزہ ہے		یہ شیشہ بھرا ہے یہ ساغر دھرا ہے
کریں بُتکدے سے عبث قصدِ کعبہ		یہاں بھی خدا ہے وہاں بھی خدا ہے
بتکدے میں جو دیکھی ہے صورت		وہ بھلے کو خدا کے گھر نہ ہوئی

آفتاب۔ یعنی فردوس منزل ابوالمظفر عالی گوہر شاہ عالم ثانی کے اُردو اشعار اور اُنکی تصنیف پر بھی نظر نہ ڈالئے۔ بلکہ اُنکی مختصر ہسٹری کو ملاحظہ فرمایئے۔ تو ثابت ہو جائے گا کہ یہ تذکرہ تاریخی حالات کا بھی ذخیرہ ہے۔ بادشاہ موصوف نے جو اپنی ایک فارسی غزل میں اسوقت کی مصیبت۔ نمکحرامونکی کیفیت نابینا کئے جانے کی کیفیت بیان کی ہے۔ قابلِ عبرت ہے۔ یونتو آفتاب کی روشنی ایک عالم پر پڑتی ہے مگر حضرت کے اُردو اشعار۔ زبان کے روزمرے اور متوکلانہ طبیعت سے ایک اور جھلک دکھاتے ہیں جس سے عیش پرستی امن پسندی اور ذاتی آرام کیطرف زیادہ میلان پایا جاتا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں ۵

صبح تو جام سے گزرتی ہے	غلغلہ	شب دل آرام سے گذرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے		ابتو آرام سے گذرتی ہے
چھیڑنے کا تو مزہ یہ ہے کہو اور سنو		بات میں تم تو خفا ہو گئے لو اور سنو
خوب ہی۔ سیدھا بنے گا دیکھ اے سروِ چمن		اُسکی رعنائی سے مت تو اپنی رعنائی ملا
اِسقدر افسردہ دل کیوں اندنوں ہے آفتاب		دیکھکر ہوتا ہے تجکو تنگدل گلزار کا

ادیب۔ سیف الحق ادیب دہلوی کے حالات اِس شرح وبسط سے لکھے ہیں۔ کہ اُن کے کسی ہمصفیا و رگھرے دوست کیا رشتہ دار کو بھی لکھنے نصیب نہوتے۔ ادیب کی چلبلی طبیعت صحتِ الفاظ کی حد سے زیادہ مزاولت۔ جودت طبع اور رنگینی مزاج کو اُنکے برتاؤ اور کلام سے بخوبی ثابت کر دکھایا ہے۔ ادیب ہمارے لنگوٹیے یار تھے۔ ایسے آدمی کہاں پیدا ہوتے ہیں۔ خداداد ذہانت نے اُنکا پرکالہ بنا دیا تھا۔ تاریخ گوئی میں وہ ملکہ تھا۔ کہ یاروں سے گفتگو کرنے میں چاہتے تو تاریخی جملوں میں باتیں کئے چلے جاتے۔ کلام کی ندرت اشعارِ ذیل سے ظاہر ہے ۵

چشمِ آسیہ سے بچنا کہ مجھ سے بچ جاؤ		آجکل شوق تو ہے تم کو خود آرائی کا
موت آتی نہیں مجھ تک کہ جفا سے چھوٹوں		کاش ہو نامِ قضا تیری مسیحائی کا
موت آگئی مجھے شامِ فراق ہی		دشمن نے آج کام کیا دوستدار کا
کر چشم و دل کی خیر خدا سے طلب ادیب		لپکا بڑا پڑا ہے تجھے انتظار کا
جس کو مارا وہ اُف نہیں کرتا		ہاتھ ہلکا ہے میرے قاتل کا
منہ چھپا لیتا ہے عصیاں سے کفن میں اپنا		مر کے بھی ہوتی ہے انساں کو ندامت کیسی

اختر۔ کوئے اختر حضرت سلطان العالم واجد علیشاہ رنگیلے والے اودھ۔ آپکے تاریخی حالات شاید اِس تذکرہ سے زیادہ دوسری جگہ دیکھنے میں نہ آئیں۔ کیونکہ اِس کے مدون نے کوشش بلیغ سے اُس زمانے کے پرچہ نویسوں سے اصلی پرچے حاصل کئے اور اُن سے یہ حالات اخذ فرمائے۔ علےٰ ہذا اسی طرح کلام کے بہم پہنچانے میں بھی کسر نہ رکھی۔ ہمارے

ریو یوں میں اتنی گنجایش کہاں کہ اُنکا شمہ بھی درج ہو سکے ہاں شاعرانہ طبیعت کا کسی قدر ذکر کر دیتے ہیں آپ پُر گو شاعر اور ہر ایک فن سے کچھ نہ کچھ ماہر تھے۔ مرثیہ گوئی میں بھی کچھ کم نہ تھے۔ سلام بھی خوب کہتے تھے۔ مثنویاں بھی اچھی لکھتے تھے ناول بھی بنائے۔ فسانے بھی تیار کرائے۔ رقص و سرود کا بھی شوق رکھا اور خود بھی اس فن میں طاق بلکہ یگانۂ آفاق ہوئے۔ یہ اُنکے کوتہ اندیش ندیموں و بدخواہ مقربوں کی صحبت کا نتیجہ تھا۔ جنہوں نے اپنی خود غرضی کو مدِ نظر رکھکر اس بادشاہِ وقت کو ایسے رنگ میں رنگا کہ رنگ رلیوں کے سوا اُسے کسی کام کا نہ رکھا اس شوق نے کلام میں سوز و گداز پیدا کر دیا تھا۔ مختلف تصانیف کی تعداد چالیس سے کم نہ تھی۔ کلام ملاحظہ ہو ؎

ہاتھوں سے دل نکلکر بالنوں اچھل پڑا ہے	ڈھونڈیں فلک پہ قدسی کچھ کھو گیا ہے میرا
تم پوچھ لینا ہر جا سب جانتی ہے دنیا	مظلوم و مضطر اختر تیرے پتہ ہے میرا
مرے داغ دل کا لگے داغ اُسکو	مُہِ ماہ پر ہو نشانی ہماری
رندانہ بسر کرتا ہوں دنیائے دنی میں	پابند رہا میں نہ کبھی دیر و حرم کا
بولتا ہے بادشاہ اُردو ہے بازارِ خاص	اختر خوش لہجہ واہ ہے یہ زبانِ ہمتیاں

ہمارے یار مرزا عبدالغنی گورگانی بھی اس تذکرے میں موجود ہیں۔ اور کیوں نہ ہوں۔ اپنے فن میں لاثانی تھے۔ جنکے آگے خوش بیانی نے ہار مانی تھی۔ انہیں دو ہری بادشاہی نصیب تھی۔ ایک خاندانی دوسری شاعری سخن پناہی۔ ایک وہ زمانہ تھا۔ کہ مرزا ارشد ایک طفلانہ مشاعرے میں جو اُن کے گھر سے چھ سات کوس دور بندے کے غریب خانہ پر کبھی کبھی ہوا کرتا تھا۔ تشریف لاکر دادِ سخن لیتے تھے پھر وہ زمانہ ہوا۔ کہ اُستادِ سخن مانے جانے لگے۔ طبیعت میں تیزی۔ جدت پسندی۔ خداداد بلکہ پروازی ابتدا سے تھی۔ ذکاوت۔ رسائی فکر انتہا کی تھی۔ آمد کا یہ حال تھا کہ سو سو دو دو سو شعر کی غزل لکھ ڈالنی کچھ بات ہی نہ تھی۔ مجھے اُس زمانہ کا ایک شعر ابتک یاد ہے ؎

قیامِ جسمِ خاکی ہے نفس پر	ہوا پر ہے بنا اپنے مکاں کی

تم جان سکتے ہو جسکی ابتدا میں یہ طبیعت ہو۔ اُسکی انتہا میں کس درد کی فصاحت و بلاغت ہوگی اُستاد کو ان پر ناز تھا۔ اور اس شاگرد کو بدستور اُنکی خدمت میں سرنیاز۔ پڑھنے کا وہ انداز تھا کہ شعر کی صورت بندھ جاتی تھی۔ جس بات کا ذکر ہوتا۔ اُسکی تصویر آنکھوں کے آگے پھر جاتی تھی۔

مزاج میں وارفتگی۔ استغنا اور پریشانی اول سے کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ ظرافت اور بذلہ سنجی اُنکے گھر کی لونڈی تھی۔ مرزا ارشد سا آدمی پیدا ہونا مشکل ہے۔ میرے ساتھ جو خصوصیت تھی۔ وہ فرہنگ آصفیہ کی چسبتہ تقریظوں سے ظاہر ہے۔ ہرچند اس تذکرے میں سے اُنکا حال لکھنا چاہتا ہوں۔ مگر کیا کروں۔ دل قابو سے نکلا جاتا ہے اور قلم ہاتھ سے چھوٹا جاتا ہے پس ان چند اشعار پر اُنکی طبیعت کی کیفیت قوف رکھتا ہوں ۵

نیسند آپ کی اُڑے مرے اوسان کیا علاج	افسانۂ گرسنوے مرے حال تباہ کا
کچھ وہ کھنچے کھنچے رہے کچھ ہم تنے تنے	اِس کشمکش میں ٹوٹ گیا رشتہ چاہ کا
بتوں کا ستم رہ نما ہو گیا	کہ رخ اپنا سوئے خدا ہو گیا
اجی شیخ جی زر سے ہے میکشی	جو مفلس ہوا پارسا ہو گیا
نہیں کھلتا نہیں کھلتا کہ مجھ سے کیا کا وٹے ہے	کہ کچھ رُک رُک کے چلتی ہے تری تلوار گردن پر
میکش ہوں وہ گردوں میں بھولے مجھے ساقی	آپڑتی ہے مُنہ میں مرے ساغر سے نکلکر
مانا نہ حشر غیر نے تیرے حرام کو	دھبا لگایا تو نے قیامت کے نام کو
وہ بن سنور کے میرے جنازے پہ آئے ہیں	کرنا پڑے گا سو کا سجدہ امام کو
کعبے میں بھی دیکھ لو ارشد کو تجنانے میں بھی	پوچھتے ہو کیا حقیقت اُس خدائی خوار کی

اگر خان بہادر مولوی سید اکبر حسین صاحب الہ آبادی کے حال اور اُن کے کلام کو ملاحظہ فرمایئے تو اللہ اکبر عجیب چلبلی طبیعت اور خوبی خیالات کی بطور جدت و چاشنی پائیگا۔ نتیجہ خیز ظرافت کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ دلچسپی ہاتھ باندھے کھڑی ہے۔ مضمون آفرینی گھر کی لونڈی ہے۔ اور

شوخ چشمی ایک ادنیٰ باندی بات میں سے بات پیدا کرنی آپ ہی کا حصہ ہے۔ باقی سب قصہ ہے۔ نمونۂ کلام خود شاہد واجب الاحترام ہے۔ کلام اکبر ملاحظہ ہو ؎

دل مرا جس سے بہلتا کوئی ایسا نہ ملا	بت کے بندے ملے اللہ کا بندہ نہ ملا
گل کے خواہاں تو نظر آئے بہت عطر فروش	طالبِ زمزمۂ بلبلِ شیدا نہ ملا
یہ ارشاد آپ کا بالکل بجا ہے حضرت واعظ	مگر میں کیا کہوں کچھ بن نہیں پڑتی جو اں ہو کر
لاکھ نعمت ہے اتنی آزادی	سانس لیتا ہوں بات کرتا ہوں

بیڈ سب ہے جھوٹ سچ کی چھپڑی بحث ہند میں	قطعہ	سچ کہتے ہیں جو جھوٹ کہیں ہمنو روسیاہ
جھوٹے سہی پر آپ تو ہمسر ہیں جم کہاں		جھوٹے ہیں ہم تو آپ ہیں جھوٹوں کے بادشاہ

غرض اس گلستانِ نہار داستان میں جسقدر نامی شعرا ہیں۔ اُن کے حالات اس انداز سے درج تذکرہ فرمائے ہیں۔ گویا سوانح عمری لکھکر دکھادی ہے۔ ہم کہاں تک انتخاب کرکے لکھیں خود تذکرہ ہی ہمارے بیان کا شاہد ہے۔ آباد۔ آشفتہ۔ محمد میر اثر۔ احسان دہلوی۔ انشاء اللہ خاں انسر قطب الدین رشک۔ شاہ محمد اکبر ابو العلائی۔ اکبر حسین خان اکبر۔ امیر مینائی۔ نجم الدین برق۔ لکھنوی برق۔ انیس۔ الوز دہلوی۔ بحر لکھنوی۔ وغیرہ وغیرہ جسکے حال پر نظر ڈالتے ہیں۔ بن دیکھے چھوڑ دینے کو جی نہیں چاہتا۔ یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک مجلسِ شعرا ہے جس میں صرف مشاعرہ ہی نہیں ہو رہا۔ بلکہ اُن کے جوہروں اور قابلیتوں کا بھی سین دکھایا جا رہا ہے اب دعا ہے کہ خدا تعالیٰ اس تذکرے کو مقبولِ خاص و عام فرمائے۔ اور اُسکے مدون کو عمر طبعی تک پہنچائے فقط

سید احمد دہلوی مؤلفِ فرہنگ آصفیہ و رسوم دہلی وغیرہ وغیرہ

۳ مارچ ۱۹۰۸ء روز دوشنبہ

قطعہ تاریخ مع التقریظ طبع تذکرۂ شعرا موسوم بہ "خمخانۂ جاوید" از خامہ عنبریں

شمامۂ سرآمد سخنورانِ باکمال فخر شعرائے ماضی وحال حضرت حکیم سید ضامن علیصاحب جلال لکھنوی ادام فیضہم اللہ المتعال

خمخانۂ جاوید مطبوع — شد فیضرسانِ بزمِ سخن
حقا کہ عجائب تذکرہ ایست — در ذکر و بیانِ بزمِ سخن
ہر کس ز سروشِ نغمہ زناں — مستانہ میانِ بزمِ سخن
سرگرمِ سخن در تحسینش — ہر پیر و جوانِ بزمِ سخن
از کیفِ معانی دے سرخوش — پیمانہ کشانِ بزمِ سخن
وز لطف مذاقش وجد کناں — لبہا و زبانِ بزمِ سخن
بر خوبی و حسنِ مضامینش — قربان دل و جانِ بزمِ سخن
القصہ چو نقشے گشت عیاں — از نام و نشانِ بزمِ سخن
تاریخِ طبعش گفت جلال — یادستانِ بزمِ سخن

۱۳۲۵ھ

ایضاً

خمخانہ نام تذکرہ فی الحال طبع شد — از مدتے کہ داشت جہاں آرزوے دید
پرسید سالِ طبع چو از طبعِ خود جلال — گفت ایں سخن بگوکہ "چہ خمخانۂ جدید"

۱۳۲۵ھ

تقریظ از افکار دربارِ جانِ بلاغت کانِ فصاحت نادرِ عدیم المثال ناظمِ نظامی خیال مولانا سید امجد علی صاحب اشہری متوطن اٹاوہ۔

ناظرین۔ راقم کو چالیس برس فنِ ادب کے مشغلہ میں گذری ہیں۔ ع
عمر گذری ہے اسی دشت کی سیاحی میں۔

میری ابتدائی عمر میں قلعہ دہلی کا چراغ گل ہو چکا تھا۔ اردوئے معلیٰ کا نشان گر گیا تھا۔ دلی کے آخری تاجدار ابوظفر رنگون کو اور لکھنؤ کے آخری نواب واجد علی شاہ کلکتہ کو جا چکے تھے۔ ہاں اُن کے دربار والوں کے بازاری حسن پرستیوں کے گرے ہوئے نشان دلی کے چاندنی چوک اور لکھنؤ کے امین آباد وغیرہ میں باقی تھے۔ اُنہیں کی پرواز پر میری مشقِ سخن شروع ہوئی۔

اسوقت میرزا غالب کی اردوئے معلےٰ کو قبولیت عام حاصل تھی۔ اور لکھنؤ میں مرزا جب علی بیگ سرور کے فسانۂ عجائب اور امانت کی اندر سبھا کا زور شور تھا۔ دلی کے آخری بادشاہ اور لکھنؤ کے آخری تاجدار کی حسرتناک غزلیں۔ ٹھمریاں۔ ہولیاں جلسوں میں گائی جاتیں تھیں۔

اسکے بعد دوسرا دور شروع ہوا۔ سادہ مسلسل نے زرتار کی جگہ حاصل کی۔ جرأت کے کام نے سادہ کاری کے ہاتھوں مات کھائی۔ یہ دور دو حصوں میں منقسم رہا۔ ایک حصہ نیچرل نگاری سے مخصوص رہا۔ اس وادی میں آنریبل سرسید احمد خان بہادر۔ سید محمود۔ مولانا نذیر احمد۔ نواب محسن الملک۔ علامہ شبلی۔ مولانا حالی۔ مولوی ذکاء اللہ نے شہرت حاصل کی۔ دوسرے حصے میں پنڈت رتن ناتھ سرشار۔ منشی سجاد حسین مالک اودھ پنچ۔ مولوی عبدالحلیم شرر۔ حکیم محمد علی ناولسٹ ہردوئی۔ حضرت ریاض خیرآبادی۔ خان بہادر منشی ناصر علی دہلوی سخن کی بگڑی بات بناتے رہے۔ شاعروں میں۔ داغ و امیر مرثیہ گوؤں میں میر انیس و دبیر کے ڈنکے بجتے رہے اور آسمانِ سخن پر شاعری کے بادل گرجتے رہے۔ نیوفیشن والوں کے لئے مولانا حالی نے نظمِ جدید کی نئی بنیاد قائم کی۔

مجکو زمانہ کی ضرورتوں نے دونو گروہوں سے وابستہ رکھا۔ کبھی ایک غزل لکھکر اولڈ فیشن والوں کا شریک ہو گیا۔ کبھی ایک نظم لکھکر نیوفیشن والوں کے ساتھ ہو لیا۔ یہ تو عامیانہ حالت تھی۔ آگے بڑھکر کلام الملوک ملوک الکلام کے ساتھ سابقہ پڑا۔ بائیس برس نواب سکندر بیگم صاحبہ

خلد نشین والیہ بھوپال اور نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ جنت آرام کے قریب حضوری میں گذرے نواب شاہ جہاں بیگم صاحبہ اور نواب صدیق حسن خان صاحب کے شعر و سخن سے روز کا سروکار رہا۔

ابو ظفر بادشاہِ دہلی اور نواب یوسف علی خان فرمانفرمائے رامپور کے دواوین کا مطالعہ کیا۔ جانعالم محمد واجد علیشاہ بادشاہِ اودھ کا دیوان منشی امیر علی خانصاحب وزیر السلطان نے عنایت فرمایا۔ نواب کلب علیخاں بہادر خلد آشیان فرمانفرمائے ریاستِ رامپور نے اپنے چار دیوان مرحمت کئے۔ اعلیحضرت نظام الملک آصفجاہ نواب میر محبوب علیخان بہادر کے کلام معجز نظام سے وقتاً فوقتاً آگاہ ہوتا رہا۔ زرم و بزم میں میر انیس اور مرزا دبیر کی معجز بیانیوں نے اردو میں شاہنامہ کی تصویریں سامنے دکھائیں۔

بیگمات اور خواتین میں نواب شاہ جہاں بیگم صاحبہ کے علاوہ ایران کی فرخندہ بیگم۔ جاورہ کی ضیا۔ لکھنؤ کی خاص محل ولی کی چھوٹی بیگم اور بڑی بیگم (زینل بھوپال) کے دیوان دیکھے۔

طبقہ شعراء میں میرزا غالب۔ میر انیس۔ میرزا دبیر۔ نواب میرزا داغ۔ منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی۔ منشی اسمٰعیل حسین منیر۔ جیسے لاثانی سخن طرازوں کے دیکھنے اور اُنکی زبان سے اُنکے کلام سننے کا فخر حاصل ہوا۔ اور یہ دور ان کی معجز بیانیوں پر تمام ہوگیا۔

زاں بعد اردو کا تیسرا دور شروع ہوا جس کی ابتدا اعلیحضرت اڈورڈ ہفتم دربار تاجپوشی دہلی ۱۹۰۳ء سے قرار دیتا ہوں یہ دور تصنیف کی حیثیت سے نگاہ میں نہیں جچتا۔ لیکن تالیف اور ترجمہ کی حیثیت سے اردو میں جان ڈال رہا اور زبان میں وسعت پیدا کر رہا ہے۔ شیخ عبد القادر صاحب بیرسٹر و اڈیٹر رسالہ مخزن۔ خواجہ غلام الثقلین صاحب بی۔ اے اڈیٹر رسالہ عصر جدید مسٹر ظفر علیخانصاحب بی۔ اے اڈیٹر رسالہ دکن ریویو۔ مسٹر محمد اقبال صاحب وغیرہ وغیرہ کی سخن آرائیوں سے اس دور کی جھولی دامن گلچیں بن رہی ہے۔ ۶

اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

اس کہنے سے میری مراد اپنی معلومات کا اظہار کرنا نہیں بلکہ اس سے اس بات کا ظاہر کرنا مقصود ہے۔ کہ میں نے چالیس برس میں تین دور دیکھے۔ اور ہر صنف سخن کے دیکھنے کا موقع پایا۔ اسلئے اگر میں فنِ سخن کے متعلق کوئی راے قائم کروں تو وہ میرا نا دیدہ خیال نہ ہوگا۔

تذکرہ

فارسی اور اردو میں تذکرہ اُس جامع کتاب کو کہتے ہیں جسمیں گذشتہ یا موجودہ یا دونو زمانے کے قابلِ قدر اور نامور لوگوں کا ذکر کیا جائے۔ جو کسی ایک صنف سے متعلق ہو۔ جیسے صنف علما یا صنف شعرا یا صنفِ امرا وغیرہ فارسی میں میر غلام علی آزاد نے امرا اور شعرا کے تذکرے نہایت عمدہ لکھے ہیں۔ نواب صدیق حسن خانصاحب مرحوم نے علما کا تذکرہ موسوم بہ اتحاف النبلار بڑی جامعیت سے تحریر فرمایا ہے۔ اور شعرا فارسی کا ایک تذکرہ شمع انجمن۔ نام لکھا ہے۔ قاضی محمد صادق نشاط نے تذکرہ آفتاب عالمتاب اتنا بڑا تذکرہ ہے جسمیں ہزاروں شعراے فارسی کو جگہ دیگئے ہے اور بھوپال میں اس سے شمع انجمن صبح گلشن۔ روز روشن نام کے تین بڑے بڑے ضخیم تذکرے لکھے گئے اور چھپ گئے ہیں۔ لیکن اردو میں کوئی مبسوط تذکرہ شایع نہیں ہوا بعض تذکرے جو ہیں وہ نہایت محدود ہیں۔ مولانا آزاد نے آبِ حیات میں صرف چند شاعروں کو آبِ حیوان پلایا باقی کو پیاسا چھوڑا ہے اور یہ کام آسانی سے پورا ہو بھی نہیں سکتا۔ اسکے لئے ہر طرح کی لیاقت۔ فرصت دولت اور معلومات وسیعہ کی ضرورت ہے۔ یہ سب بھی جمع ہو جائیں تو سالہا سال تک ایک کام کو استقلال سے کرتے رہنا ہماری موجودہ طبایع کے حسب حال نہیں۔ لیکن جب کوئی کام ہونے والا ہوتا ہے۔ تو اُسکے لئے غیر متوقع اسباب اور غیر معمولی سامان بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ اس تذکرے کی تالیف اور اشاعت سے ظاہر ہے۔

تالیف و اشاعت

سترہ سال اودھر دلّی کے مشہور اور نامور رئیس آنریبل رائے بہادر مدن گوپال صاحب ممبر کونسل واضع آئین لاہور آنجہانی کے لایق فرزند جناب رائے سریرام صاحب ایم۔ اے منصف دہلوی کے دل میں خیال آیا کہ اُردو کا ایک مبسوط تذکرہ قلم بند کرنا چاہیئے۔ اُسکے لئے اونہوں نے مواد جمع کرنا شروع کیا۔ دلی کا کونہ کونہ چھانکر سیکڑوں دیوان! اور مثنویاں اور ہزاروں غزلیں اور بیاضیں اور متفرق اوراق معقول قیمت دیکر خرید کئے۔ اونمیں کتنے دیوان ایسے ہیں جنکا دوسرا نسخہ موجود نہیں اور کسی کے دیکھنے میں نہیں آئے۔ بعض ایسے ہیں جن سے بازاری اور درباری بول چال کا فرق علاحدہ ممیز ہوتا ہے۔ پھر دلّی کے علاوہ لاہور۔ آگرہ۔ لکھنو۔ الہ آباد۔ پٹنہ۔ کلکتہ۔ حیدرآباد وغیرہ وغیرہ میں جہاں کہیں ایسے ذخیرۂ سخن کے ملنے کی اُمید تھی سینکڑوں بلکہ ہزاروں شعرا رگذشتہ و موجودہ کے کلام حاصل کئے اور اٹھائیس حرفوں کے حساب سے کاغذ سادہ کے اٹھائیس مجلد بنوا کر ایک ایک جلد کو ایک ایک ردیف سے متعلق کیا۔ اور ہر ردیف کے شاعر کا کلام معہ اُسکے حالات کے اُس ردیف کے مجلد میں ٹانکتے گئے۔ اور سالہا سال اس دیدہ ریزی کو جاری رکھا۔ جب اسطور پر ایک وسیع ذخیرہ جمع ہوگیا تو اُسکو تالیف کی صورت میں لانے اور مسلسل قلمبند کئے جانے اور ہر ایک کے مناسب حال و قال رائے دیئے جانے پر توجہ مبذول کی۔ اور خدا کے فضل سے یہ مشکل کام ایک بڑی حد تک آسان ہوا۔ اُسکا ابتدائی حصہ یہ مجموعہ ہے جو تذکرۂ یخمخانۂ جاوید کی پہلی جلد کے نام سے سات سو صفحوں پر چھپوا کر شایع کیا جاتا ہے۔ میرے نزدیک اگر یہ تذکرہ اُمید کے موافق تمام ہوجاے تو اسکو اُردو شاعروں کی انسائی کلوپیڈیا کہنا چاہیئے۔ اب میں اُردو شاعری کے متعلق ایک اجمالی اور مختصر کیفیت پیش کرتا ہوں۔ اُس سے آگے چلکر نتیجہ نکالونگا۔

شاعری کے موجودہ مناظر

اردو کے ابتدائی زمانہ میں رزم و بزم کے جو مناظر تھے وہ خواب و خیال ہو رہے ہیں محلات شاہی کا نام و نشان نہیں جو اُردو کی تراش و خراش کا معدن تھے۔ امرا کے جلسہ بھی بھولا ہوا افسانہ ہیں۔ اب تو لے دے کر سالانہ میلوں پر اوپیٹ جلسوں بازاری حسن فروشوں کے بالاخانوں کے مناظر ہماری شاعری کے معراج سمجھے جاتے ہیں۔ ان مقامات کا پہونچا ہوا ایک رعنا نگار ہر منظر کی تصویر یوں کھینچتا ہے۔

میلہ کا منظر

ساون کا مہینہ ہے۔ سہ پہر کا وقت ہے۔ پانی برس کے کھل گیا ہے۔ بلند دیواروں پر جا بجا دھوپ ہے۔ ابر کے ٹکڑے آسمان پر ادھر اُدھر جاتے نظر آرہے ہیں سیکے۔ گاڑیاں۔ ٹمٹمیں۔ ڈولیاں۔ پالکیاں۔ چلی آتی ہیں۔ رنڈیوں کی ساری بہار ہے گوری رنگت ململ کے دھانی ڈوپٹے سے پھوٹی نکلتی ہے۔ اودے گرنٹ کا پائجامہ پڑے بڑے پائنچوں کا سمبھالے سے نہیں سنبھلتا۔ ہاتھ گلے میں ہلکا ہلکا زیور ہے۔ ناک میں ہیرے کی کیل کانوں میں سونے کی انتیاں۔ ہاتھوں میں کڑے۔ گلے میں موتیوں کا کنٹھا۔ ایک ایک پر نظر ڈالنا چاہتی ہیں۔ مگر جب وہ دیکھنے لگتا ہے تو منہ پھیر لیتی ہیں۔

جا بجا کھلونے والوں مٹھائی والوں کی دوکانیں۔ خوانچے والے میوہ فروش۔ ہار والی تمبولی ساقنیں نظر آتی ہیں تماشا بینوں میں مخلص۔ ہلدر بیوقوف عقلمند۔ شریف۔ رذیل۔ سخی۔ بخیل سب اپنے عادات اور خصائل سے پہچانے جاتے ہیں۔ ایک صاحب ہیں کہ وہ اپنے متشرع کے انگرکھے۔ اور اودی صدری۔ نکہ دار ٹوپی۔ چست گھٹنے اور مخملی چڑھیوں جوتے پر اترائے ہوئے چلتے ہیں۔ کوئی صاحب صندلی رنگا ہوا ڈوپٹہ سر سے آڑا باندھے ہوئے رنڈیوں کو گھورتے پھرتے ہیں۔ کوئی صاحب اپنے چھوٹے سے لڑکے کی انگلی پکڑے اُس سے باتیں کرتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ اب بازاری منظر کا حال سنئے۔

بازاری منظر

چوک کے بالاخانے آباد۔ زمین پر دری کا فرش اوسپر چاندنی بچھی ہے۔ نوار کا پلنگ ڈورپوشے کسا ہوا ہے بڑے بڑے نقشی پاندان۔ مقابے۔ حسن دان۔ اوگالدان۔ اپنے اپنے قرینے سے رکھے ہوئے ہیں دیوار و پر تصویریں اور آئینے لگے۔ چھت پر چھت گیری بندھی ہے۔ اوسمیں چند ہانڈیاں لگی ہیں۔ سامنے دیوار میں ولایتی لیمپ روشنی دے رہا ہے نوجوان رئیس زادے دل بہلانے کو حاضر ہیں۔ سامنے پاندان کھلا ہوا ہے۔ ایک ایک کو پان لگا کے دئے جاتے ہیں۔ جو ہے انکے حکم کا تابع ہے۔ بن مانگے لوگ کلیجہ نکالکے دے دیں تو بیجا نہیں کوئی ہتیلی پر سرسوں جمانے کہے ہے۔ کوئی جان قربان کر رہا ہے۔ یہاں کسی کی نذر ہی قبول نہیں ہوتی۔ کوئی بات نظر میں نہیں سماتی بے پروائی یہ کہ کوئی جان بھی دے تو انکے نزدیک کوئی مال نہیں محفل بھر میں سب کی نگاہ انکی طرف ہے یہ آنکھ اٹھا کے بھی نہیں دیکھتیں۔ اور جسکو دیکھ لیا اُس پر سیکڑوں نگاہیں پڑنے لگتی ہیں۔

جس کو تاکا بچ گیا چوکے جسے مارا اُسے	تمکو تیر اندازی آتی ہے نئے انداز کی

یہ منظر کم و بیش دلّی کے چاندنی چوک۔ لکھنؤ کے امین آباد۔ اگرے کے کناری بازار لاہور کی انارکلی۔ حیدرآباد کے چارمینارے میں سب جگہ یکساں پایا جاوے گا۔ قدم قدم پر آپ کو دل پامال ہوتے ہوئے ملیں گے۔ اور آپ کہتے نکلیں گے۔

مرا بکوئے تو رفتن چہ مشکل افتاد است	بہر طرف کہ نظر میکنم دل افتاد است

عام مناظر کے بعد کسی خوش نصیب کو یہ منظر نظر آویگا۔

خاص منظر

ایک پائیں باغ ہے باغ میں محل محل کے اندر کمرہ سجا ہوا ہے۔ اُس کے صدر میں ایک

زرنگار مسند بچھی اور مخملی گاؤ تکیہ لگا ہے۔ اُس سے لگی ہوئی ایک ماہ لقا بیگم جلوہ فروز ہے مانگ نکلی ہوئی۔ چوٹی کمر تک پڑی ہوئی۔ سرخ و سفید رنگت۔ اونچا ماتھا کھنچی ہوئی بھویں۔ بڑی بڑی آنکھیں۔ گال جیسے گلاب کی پتیاں۔ لمچھوئی ناک۔ چھوٹا سا دہانہ۔ پتلے پتلے نازک ہونٹ نقشے بھر میں کوئی چیز ایسی نہیں جس سے بہتر خیال میں آسکتی ہو۔ اُسپر امیرانہ رعب۔ بات کرنے میں منہ سے پھول جھڑتے معلوم ہوتے ہیں۔ لباس اور زیور بھی اس صورت کے لایق ہے۔ مہین دوپٹہ کندھوں سے ڈھلا ہوا۔ کچلی کا شلوکہ پھنسا پھنسا سرخ گرنٹ کا پائجامہ کانوں میں صرف یاقوت کے آویزے۔ ناک میں ہیرے کی کیل۔ گلے میں سونے کا طوق۔ ہاتھوں میں موتیوں کی سمرتیں۔ بازوؤں پر نورتن۔ پانو نمیں سونے کی بیڑیاں۔ چہرہ کی خوبصورتی لباس کی سادگی اور زیور کی مناسبت ہر چیز دلفریب۔

برس پندرہ یا کہ سولہ کا سن جوانی کی راتیں مرادوں کے دن	

ان محدود مناظر کو دیکھکر عام نگاہیں خیال کرسکتی ہیں کہ ہمارے مشرقی شاعران مناظر کو دیکھکر کیا بات پیدا کرسکتے ہیں لیکن جب آپ گہری نگاہ ڈالیں گے تو معلوم ہوگا کہ جیسے ایک فلسفی کو خوردبین کے ذریعہ سے ایک کائی کے ٹکڑے یا ریت کے ذرے اور پانی کے قطرے میں ایک نئی دنیا آباد نظر آتی ہے اور وہ اپنی معلومات سے دوسروں کو مستفید کرتا ہے ایسے ہی ان حقیر اور معمولی مناظر میں شاعر کی نگاہِ خوردبیں کو وہ پوشیدہ رموز و لطایف دریافت ہوتے ہیں جو اُسکا حصہ ہوتے ہیں۔ اور وہ اُنکو طرح طرح کے معنی آفرینیوں سے عام میں جلوہ گر کرتا ہے جسکو دیکھکر سخن شناس طبیعتیں اُسکے حسن بیان کی داد دیتیں اور اُسکی معنی آفرینی پر عشعش کرتی ہیں۔

چنانچہ آپ اسی تذکرے میں دیکھینگے کہ اِن مشرقی شعرا نے اس بے بضاعتی پر کیا کمال دکھایا ہے اور معمولی مناظر سے کیا کیا باتیں پیدا کی ہیں۔

گل سے بلبل کی خوش بیانی پوچھو		ذی فہم سے لطف نکتہ دانی پوچھو
توفیر کلام حق سمجھتا ہے کلیم		موسیٰ سے رموز لن ترانی پوچھو

یہ بات خاص مسرت کی ہے کہ اس تذکرے کو اعلیٰ حضرت نظام الملک آصفجاہ نواب میر محبوب علیخاں بہادر فرمانروائے حیدرآباد نے اپنے نام نامی سے معنون ہونے کا افتخار بخشا ہے۔ اور مہاراجہ کشن پرشاد صاحب بہادر شاد مدار المہام سلطنت آصفیہ حیدرآباد نے اسکی نسبت خاص قدردانی کا اظہار کیا ہے۔ امید کہ گورنمنٹ پنجاب اور ہندوستان کی سب گورنمنٹیں اور لائبریریاں اسکو خاص قدردانی کا مستحق تصور فرماوینگی اور مغربی لائبریریوں میں بھی عزت سے دیکھا جاویگا۔

میں آخر میں جناب رائے سریرام صاحب ایم۔ اے منصف چیف کورٹ لاہور کو مبارکباد دیتا ہوں۔ کہ اون کی ساقی گری سے یہ خمخانہ وقف عام ہوا۔ اور جرعہ نوشان سخن کو بادۂ سرجوش کی کیفیتیں حاصل ہوئیں اسکے بعد دعا کرتا ہوں کہ اس خمخانہ کے جو خم باقی ہیں وہ بھی جلد لنڈھائے جائیں۔

ساقی باقی جو کچھ ہے دیدے		باقی ساقی جو کچھ ہے لے لے

تاکہ جو لوگ پی چکے ہیں وہ اور تشنہ تیز کرلیں اور جنکو ابھی ایک بوند نہیں ملی وہ پورے طور پر چھک جائیں اور اسیر مرحوم کا یہ شعر پڑھتے اٹھیں۔

خالی خالی تھے جو یوں میکدہ و جام و سبو		ساقیا ایک نظر میں تری سب بھر پائے

سید امجد علی اشہری

قطعہ تاریخ چکیدۂ خامۂ عنبر شمامہ معدن صدق و صفا منبع فہم و ذکا مشفقی و مکرمی مسٹر حامد علیخاں صاحب حامد بیرسٹر لکھنؤ دامت افاضاتہ

پلا دے ساقیِ مہوش شراب تاب دو تاں		کہ اسکے نشے سے ہو طبع زار میری رواں

رہے ہمیشہ ترا دور دورہ اے ساقی
وہ مے پلا کہ ارژ سے ہو جسکے پیر جواں

یہ آرزو ہے کہ اُسکا کروں میں ذکرِ جمیل
ہوئے ہیں جسکے معرف تمام اہلِ جہاں

بلند مرتبہ عالی ہمم ستودہ صفات
رئیس اعظم و ذی قدر و افتخارِ زماں

سحابِ جود و کرم صاحبِ شکوہ و حشم
سپہرِ عظمت و اجلال کے مہِ تاباں

نہیں کسی پہ ہے پوشیدہ وہ نہاں ایدل
کہ نام اُسکا سری رام ہے جہانمیں عیاں

عجیب ذات خجستہ صفات ہے اُنکی
ثنا و مدح میں قاصر ہوئی ہے میری زباں

کمال رکھتے ہیں ہر علم و فن میں وہ ایسا
کہ خود کمال یہ کہتا ہے مثل اُنکا کہاں

حصول انکو ہے اِس درجہ علم انگریزی
نکات جتنے ہیں اُسکے وہ سب ہیں اُنپہ عیاں

خلیق ایسے کہ ملتے ہیں خندہ پیشانی
عزیز جانِ جہاں کی یہ خوبیاں ہیں عیاں

ہوا ہے تیر محبت کا اِسکے دل کے پار
بخلق جس سے ملے ہیں وہ جھک کے مثلِ کماں

مبالغت جو کرے اُنکی دل کی جمعیت
ہوا کرے نہ پریشان زلفِ محبوباں

جو دل کہ مردہ ہیں کرتا ہے اُنکو یہ زندہ
دمِ مسیح کا ہے رشک اُسکا حسن بیاں

گرہ میں نقدِ وفا جسکے ہو وہ لے آکر
متاعِ حسنِ محبت کی کھول دی ہے دُکاں

کتاب عمدہ و نادر جو اُن کی ہے تصنیف
جواب اسکا نہ ممکن ہوا کسی عنوان

کتاب تذکرہ نو ہے نسخۂ نایاب
کہ سیر معنی ہے اسکی مفرح دل و جاں

عجب نہیں ہے کہ رنگینیٔ عبارت پر
ہزار ہا گلِ باغِ جہانی ہوں قرباں

ہزار طرح کی رنگینیٔ عبارت ہے
کریں جو سیر تو سیری نہو کسی عنواں

لکھی ہے اسکی عبارت بہت فصیح و بلیغ
فریفتہ ہوئے ہیں دلسے اُسپہ اہل جہاں

کتاب کے ہیں جو ہین السطور روشن تر
بیاضِ صبح دل و جاں سے اُسپہ ہو قرباں

دلوں کو اُسکے مضامیں نہ کیوں کریں تسخیر
کتاب اُنکی ہے تصنیف جو ہیں سحر بیاں

مجھے سمی فکر لکھوں اُسکی معنوی تاریخ
اگرچہ شاعر ناقص ہوں اور ہیچمداں

ندائے غیب ہوئی سال عیسوی یہ لکھ
کتاب نو میں مضامین ہیں سراج جہاں
سنہ ۱۹۰۸ء

قطعات از فکر محقق فن تاریخ ماہر عروض مشاق قدیم منشی رام پرشاد صاحب ظاہر دہلوی از تلامذہ مرزا قادر بخش صابر

بطبع جلیلہ بسال مسیح
بزبر دمین سنش خواستم

طبع تذکرہ شد بحسب مراد
بحالت مسرت بدل شاد شاد

بظاہر ندا شد بپائے ادب
کریما پسند خلایق بباد
سنہ ۱۹۰۸ء

تذکرہ نادر مصنفانہ نظیر

دیگر

در سن ہجری طبع شد بیگماں

سال او گفتم تصویری معنوی
سیزدہ صدیست و شش زیب جہاں
سنہ ۱۳۲۶ ہجری

بماہ فروری در سال فصلی

دیگر

بطبع ایں کتاب شاد گشتم

بنا در صنعت سال طبع او
چہ عمدہ نادر سالش بگفتم
۱۳۱۶ھ

ہوا شوق تحریر تاریخ کا

دیگر

کتاب مسجل ہے جسدم چھپی

لکھی میں نے تاریخ یہ بر ملا
مصنفانہ ہے گلدستۂ شاعری
۱۳۲۶ھ

تقریظ بر اوراق خامہ جادو طراز سحر پرداز بلبل گلزار شیوا بیانی و طوطی چمنستان شیرین زبانی مخلصی و محبی نواب میرزا سراج الدین احمد خانصاحب سائل دہلوی نبیرہ نواب ضیاء الدین احمد خاں بہادر نیر رخشاں جاگیردار لوہارو و داماد نواب فصیح الملک مرزا داغ دہلوی

ایک مرے دوست نے یہ مجھ سے کہا — نظر آتا ہے تیرا رنگ نیا
آج کچھ انبساط کی حد ہے — جانتا ہوں میں تجھکو تو بد ہے
وعدہ وصل دلربا ہے آج — بہجت اس سے بھی کچھ سوا ہے آج
مفت کا تو نے مال مارا ہے — کوئی جادو جمال[1] مارا ہے
کوئی ہتے چڑھا ہے کشمیر — چال کا چل گیا کسی پر تیر
زعفراں زار ہو کے آیا ہے — بے تردد خزانہ پایا ہے
کوئی منت تری بر آئی ہے — ایسی کیا چیز تو نے پائی ہے
کیا زینہ ہوا کوئی فرزند — بے طرح ہو رہا ہے تو خورسند
مے انگور مفت ہاتھ لگی — آج کچھ روز سے سوا پی لی
کسی دشمن پہ ہاتھ صاف کیا — منہ سے کچھ پھوٹ تو ہوا تجھے کیا
خیر مقدم ہے یار جانی کا — کیا سبب اتنی شادمانی کا
یار کو گھر میں[2] ڈال کر آیا — اپنے دشمن پر چال کر آیا
زاہد خشک کو پلائی ہے — بول کیا تجھ پہ آفت آئی ہے
در جاناں سے اٹھ گئے دربان — پھوٹ کمبخت کچھ نہیں یا ہاں

[1] جادو جمال مارا ہے۔ زبان کے اعتبار سے اسکے یہ معنی ہیں کہ کسی جادو جمال پر قبضہ کر لیا ہے۔
[2] گھر میں ڈالنا مراد حبالۂ نکاح میں لانا۔

محفل یار کا بلاوا ہے — پاسخ خط شوق آیا ہے
خواب دیکھا ہے کوئی خوش تعبیر — کوئی سوجھی فلاح کی تدبیر
تجکو ڈگری ملی عدالت سے — کہ رہائی ہوئی ندامت سے
حوروش کوئی تجھپہ ریجھا ہے — کسی ظالم کا دل پسیجا ہے
رنج غربتی سے ملگئی ہے نجات — چیز کیا آگئی ہے تیرے ہاتھ
جلوۂ برق طور دیکھ لیا — کچھ نہ کچھ تو ضرور دیکھ لیا
خواب میں شکل مصطفےٰ دیکھی — سچ بتا چیز ایسی کیا دیکھی
کسی خدمت پہ ہو گیا مامور — رنج و کلفت کے دن ہوئے کافور
کوئی پرزہ ٹھکانا ہاتھ آیا — آب وجد کا خزانہ ہاتھ آیا
کوئی بدظن ہوا ترا منقاد — کوئی حاصل ہوئی ہے تری مراد
رہ میں دیکھی ہے میت دشمن — کیا ہوا تجکو آج او پُرفن
یار و اغیار میں فساد ہوا — تیرا دل اس سے اتنا شاد ہوا
خط روانہ کیا کوئی سوئے دوست — تکیہ سر بنا ہے زانوے دوست
یار نے کچھ تسلیاں دی ہیں — دل نوازی سے چٹکیاں لیں ہیں
نسخہ اکسیر کا ملا ہے کوئی — اس خوشی کا سبب بتا کوئی

دو شعر کا قطعہ

بیعت پیر مے فروش ہوئی — کہ فراموش فکر دوش ہوئی
غم فردا نہ پاس پھٹکے گا — ابتوسائی نہ ہاتھ جھٹکے گا
ڈاربی[۱] کا سٹار[۲] نکلا — یہ ٹکٹ دس[۳] کا کارگر نکلا

[۱] ولایت میں ایک گھوڑ دوڑ کا نام ہے۔ [۲] سٹار ڈاس گھوڑے کا نام ہے جو ڈاربی میں شریک ہوتا ہے۔
[۳] اس شرط کا ٹکٹ دس روپے کو فروخت ہوتا ہے جس خریدار کے ٹکٹ کے ساتھ کسی سٹار گھوڑے کا نام نکل آتا ہے وہ لاکھوں روپیہ کا آدمی ہو جاتا ہے

شوہنبم[1] پتر سی[2] میں تارا ہے — یا کوئی تو نے شیر مارا ہے
تیرا مقبول کچھ کلام ہوا — داغ کی طرح تیرا نام ہوا
قید خانے سے چھوٹ کر آیا — خندہ کیوں لب پہ ٹوٹ کر آیا
نو جوانی نے کیا اعادہ کیا — روز سے شغل مے زیادہ کیا
پرورش کچھ نظام نے کر دی — یا مدار المہام نے کر دی
کوئی منصب ہوا ترا جاری — عامرہ[3] سے کوئی رقم ماری
ہوئی صادر عطائے سلطانی — بعنایات و فضل ربانی
جنگ دولہ کا مل گیا ہے خطاب — ہو گیا تو بھی شہ کا رکن رکاب
شاہ آصف نے دی کوئی جاگیر — کی دعائے سحر نے کچھ تاثیر
ہفت سالہ امید بر آئی — داغ کی طرح آبرو پائی
سرفرازی شہ دکن نے کی — سحر سازی ترے سخن نے کی
آصفی بذل کا نزول ہوا — اجرا امید کا حصول ہوا
تیرے منہ سے سنے ترے اشعار — بندگان حضور نے دو چار
یا سفارش تری کسینے کی — بولی تجھپر خدا کی ہو نیکی
قصد بیت الحرام تو نے کیا — ایسا کیا نیک کام تو نے کیا
شادمانی کے ہیں یہی اسباب — سب سے انکار تجکو خانہ خراب
پھر سبب کو نسا وہ ایسا ہے — جس سے تو بے ہنسای ہنستا ہے
چیستاں بنگیا ہے تیرا سرور — تجکو کہنا پڑیگا حال ضرور
عرض کی اُسنے مینے مشفق من — عاجز آئے تمہاری عقل و فطن
کھا گئے بکتے بکتے سب بیجا — یہ تو دیکھا کہ سامنے ہے کیا

[1] سنسکرت میں نیک اور سعید کو کہتے ہیں [2] مراد زائچہ سے ہے۔ [3] عامرہ نام خزانۂ نظام دکن۔

یہ سرِ رام کا ہے مخزنِ تذکرہ با ہزار افسانہ

تم سرِ رام کو بھی کچھ سمجھے خاندانی رئیس دلی کے

انکے گھر کے ہیں جتنے چھوٹے بڑے کوئی بی۔ اے ہے کوئی ہے ایم۔ اے

قدردانِ کمال و فضل و ہنر صاحبِ عزت و فضیلت و زر

ذات کے کھتری ہیں نیک صفات دوست سب دوستی میں انکے ہیں مات

خوبصورت جوان خوش تقریر نیک رائی میں اپنی آپ نظیر

نیکیاں کرکے بھول جاتے ہیں منتیں کرکے بھول جاتے ہیں

لوگ کہتے ہیں انکو دوست نواز دل میں بے انتہا ہے سوز و گداز

بات کرنے میں سحر کا ہے اثر ملکے۔ پڑتا ہے جانا انکے گھر

گھر گئے اور گھر گئے بالکل یاد ہیں انکو مہر و لطف کے جُل

شہر و ملی کی جان ہیں تو یہ ہیں آدمیت کی شان ہیں تو یہ ہیں

آنکھ سے دل کا حال پہچانیں یہ قیافے کی انکے ہیں شانیں

سرمۂ چشمِ دلربا تحریر رنج و اندوہ و غم زدا تقریر

دوست انکے شمار سے زائد کوئی دشمن نہیں بجز حاسد

ملنے والے شناگر انکے ہیں خوبیاں انمیں یہ ہیں ایسی ہیں

بھول پن وہ مزاج میں ہے خیل رحم ہوتا ہے وقتِ قہر و کیل

دو شعر کا قطعہ

ایسی دیتے ہیں یہ سخن کی داد کہ مصنف کا دل ہوا زبس شاد

شکر دیکھا زبان پر ان کا بارِ احسان کان پر ان کا

پانچ شعر کا قطعہ

انکے شکوہ مجھے ہے اپنے سوا ان کا شاکی کوئی نہیں دیکھا

آمنا سامنا جہاں ہوگا — دوپہر وقت رائگاں ہوگا

ہے تقاضا کہ کچھ سناؤ کلام — عوض شعر ہوں اگر دشنام

وہ بھی سن سنکے دل سے ہیں خورسند — دوست اور دوست کے ارادتمند

بس چلے تو مجھے رکھیں دل میں — میں رہوں تو ہیں محفل میں

شاعروں کے تو قدرداں یہ ہیں — اہل دہلی یہ نکتہ داں یہ ہیں

شمع اہل سخن یہ پروانہ — بے عدیل زمانہ فرزانہ

عمر پینتیس کے اندر — صاحب علم و فضل و فن و ہنر

دیکھئے گر نصاب کی تعلیم — ہے ام اے کی سند بفضل کریم

عہدۂ منصفی کے کارگذار — جس کا قانون پر ہے وارد مار

قابل رشک ہے دماغ رسا — تذکرہ وہ ضخیم لکھڈالا

جسکے دیکھے سے عقل حیراں ہے — بس یہ حد کمال انساں ہے

صاحب فن شعر ماضی و حال — اسمیں موجود ہیں تمام و کمال

تذکرے پہلے اسنے گروکئے — گرم بازار سب کے سروکئے

رشحۂ گوہیں جتنے اہل سخن — یہ پھلا پھولا انکا ہے گلشن

اسمیں ہے وصف حمد رب علا — اسمیں نعت حبیب پاک خدا

اسمیں شامل مناقب شہدا — اسمیں داخل صفات آل عبا

رہروان طریق عشق کے ذکر — عاشقان خدا کے رنج و فکر

میگساران معرفت کا حال — جنکی تصریح وجہ طول مقال

برق ایمن کی کارپردازی — خودنمائی و عاشق اندازی

چاہ کنعان کا قصہ دردانگیز — تیر و نشتر سے بھی زیادہ تیز

مصر کی داستان پرعبرت — منتہا عیش مبتدا حسرت

قیس و لیلےٰ کے مندرج احوال — از الف تا بہ یا تمام و کمال
کوہکن کا تمام ہو جانا — عشق شیریں میں نام ہو جانا
خسرو پرویز غرض کی مکاری — آبنک ہے زبان چرب اری
پیرزن کا پیام مرگ انجام — کر دیا جس نے کوہکن کو تمام
وامق بدنصیب کا احوال — عشق عذرا نے کیلے کیا کیا چال
فصل گل کی بہار سامانی — خوش نصیبو نمی گل بدامانی
دستبرد خزاں کے افسانے — جنکی تفصیل کو خدا جانے
داغ لالے کے دلمیں پنہاں ہیں — یعنی گل چند روزہ مہماں ہیں
ایک دل میں ہزار ہا باتیں — سینکڑوں خوبیاں کراماتیں
دل کا نور صفا ہے برق طور — مشکل سے آدمی کی جسکا ظہور
دل میں ہے جان مہر و الفت کی — کینہ و بغض کی عنایت کی
وہم ہیں اسمیں لاکھ صورت کے — سامنے ہیں ہزار آفت کے
بدگمانی کا ہے گزر اس میں — خوش یقینی کا ہے ہنر اسمیں
اسمیں تشویش بھی ہے لاحق حال — مطمئن بھی ہے یہ بحد کمال
شادمانی کا ہے قیام اسمیں — رنج و غم کا ہے ازدحام اسمیں
اسمیں پنہاں شقاوتی شامیں — اس سے پیدا سخاوتی آئیں
حسرت قتل و آرزوے قید — نا امیدی اسے امید
منبع کینہ و حسد یہ ہے — نیک تر یہ ہے سب سے بد یہ ہے
اسکے بسمیں تباہ کر دینا — سب سپید و سیاہ کر دینا
ساری دنیا سے بڑھکے راحت جو — بیشتر از قیاس محنت خو
ضبط و تمکیں میں بہاری تہ ہے — بیقراری میں برق مضطر ہے

جھیل جانا ہے ایسی دشواری — جس سے وہم و قیاس ہیں عاری
تیغ کے منہ پہ چڑھکے رہتا ہے — ایسی ایسی کڑی یہ سہتا ہے
عشق کے اسمیں داغ ہوتے ہیں — جیسے روشن چراغ ہوتے ہیں
زخم و ناسور اسمیں پڑ جائیں — عشق و الفت کے خیمے گڑ جائیں
ابتلا کے مواد اسمیں سب — الغرض ہے یہ دل بڑا بیڈھب
کھیل اسکا ہے جان و دینا — اپنے اوپر عذاب لے لینا
اسمیں رنگینیاں قیامت کی — سادگی ہے تو وہ بھی آفت کی
خارِ غم کی کھٹک ہے اسمیں — دخشتونکی لٹک ہے اسمیں
نالہ و آہ کا یہی گھر ہے — اسکا منقاد دیدۂ تر ہے
اسکے کہنے میں عاشقِ ناکام — دلربا ہیں اسی کے بسمیں تمام
وصل کا شوق و ابتہاج اسے — بات کا پاس اسے ہے لاج اسے
دشمنی پر اگر یہ آجائے — حشم کی بوٹیاں چبا جائے
دوستی پر اگر کمر کس لے — بات کی بیچ میں جانتک دیدے
چشم رحم رقیب کا مسکن — ہے تصور میں یار کا مامن
نرمیاں اسمیں موم سے بھی زیاد — سختیوں میں ہے آہن و فولاد
اسکی گرمی کا نام سوزِ دروں — گر اُلٹ جائے تو ہو جوشِ جنوں
یہ نہیں آدمی کے قابو کا — آدمی بلکہ اس کا کٹ پتلا
عشق و الفت کے سارے راز و نیاز — پائیگا رقم بسود و گداز
مختصر یہ کہ وہ کتاب لکھی — دل یہ کہتا ہے لاجواب لکھی
مجھسے اصرار ہے کہ لکھو تقریض — ایسی خدمت مجھے ہوئی تفویض
اولیں تھا زبان سے ایما — پھر یہ تحریر میں پیام آیا

تار برقی کی آگئی نوبت — ایک ہفتے کی مینے لی مہلت
دوست کا امتثالِ امر کیا — مجھے جو کچھ ہوا برا اچھا
ہرزہ گوئی قبول ہو جائے — تو یہ محنت وصول ہو جائے
لکھتے لکھتے مرا قلم جو تھما — ہمنشیں دوست نے یہ فرمایا
اسم تاریخ طبع ہے درکار — کیوں خموشی ہے یہ خدا کی سنوار

سائل اب وقت کو نہ ہاتھ سے دو
باغ مینو طراز تم لکھ دو
۱۳۲۶ھ

تقریظ از رشحات قلم جناب جاذق الزمان حکیم رضی الدین احمد خاں صاحب رئیس و آنریری مجسٹریٹ دہلی آنریری فیلو پنجاب یونیورسٹی

میرے دلی دوست و کرمفرما لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے۔ رئیس دہلی منصف پنجاب نے اپنا مولفہ تذکرہ میرے پاس اس غرض سے بھیجا ہے کہ میں اسکے متعلق اپنی ناچیز رائے ظاہر کروں یا بہ تبدیل الفاظ اسپر تقریظ لکھوں۔

تقریظ لکھنے اور لکھوانے سے میرا یا انکا ہرگز یہ منشا نہیں ہے کہ طلائی حرفوں سے انواع نثر کی کسی قسم میں رنگین عبارت لکھکر غیر واقعی تعریف کے ساتھ اصل کتاب میں ایک ضمیمہ اسکی ضخامت کے لئے بڑھایا جاوے جیسا کہ ہمیشہ ریویو کرنے والے اکثر تصانیف پر تکلف کی مینا کاری کرکے خوبصورت ڈائل چڑھا دیتے ہیں تاکہ عام مبصرین کی نظروں میں خاص قبولیت و دل پسندی کا محرک ہوا اور اس پیرایہ میں اس کتاب کی اشاعت بڑھے۔

مولف کا مقصد اور میرا ارادہ یہ ہے کہ اس جدید تالیف کی نسبت جو رائے میں رکھتا ہوں

اُسکو اُس آزادی سے ظاہر کروں جس میں غیر واقعیت کا شائبہ نہو اور اُن تقریظ نویسوں کے مقصد و طرز سے علیحدہ ہو جن کا ابھی ذکر ہوا تاکہ اصلیت کا انکشاف ہو جائے میرے اس خیال کے مُصدق چند دلائل ہیں اولاً یہ تذکرہ بہ سبب اپنی اجماعی خوبیوں کے جو علاوہ امعان وغور کے نظر سے دیکھنے کے بادی النظر میں نمایاں ہوتی ہیں اپنی توصیف میں مبالغہ کا محتاج نہیں ثانیاً میرے معزز دوست مؤلف تذکرہ خود صاحب شہرت و دولت ہیں انکو اس کے ذریعے نہ عرصہ نام آوری میں آنے کی ضرورت ہے نہ جلب منفعت کی احتیاج ہے سوا اس کی عرق ریز مساعی میں جس کی محنت کا حال اُنہیں کے دل و دماغ سے پوچھا جائے ہزار ہا روپیہ صرف کر کے ایک ایسی بے نظیر تالیف کی ہے جس میں ہماے ملکی زبان کی عہد بعہد تبدیلیوں۔ اہل ملک کی اختلاف مذاق طبایع۔ فطرتی جذبات۔ اکتسابی قوت مشق۔ قادر الکلامی۔ وغیرہ وغیرہ کا روشن اور صاف آئینہ پیش کیا ہے اور جس سے اہل نگاہ کو وہ خط و خال نظر آتے ہیں جنکے دیکھنے کی اسوقت ضرورت ہے۔ تذکرہ اپنی معنوی زبان سے کہہ رہا ہے لیس کمثلی۔ ثالثاً میں خود کسی کی بجا ستایش یا خودستائی پسند نہیں کرتا اُسکو ممدوح و مداح دونوں کے لئے مستلزم منقصت خیال کرتا ہوں اس لئے جن لفظوں میں اپنا خیال اس مجلد کی نسبت ظاہر کرونگا وہ واقعیت کے محیط ہونگے اور بالکل غیر دل خوش کن۔ سادے اور حتی الامکان سچے۔

میں اس امر کے متعلق کچھ نہیں لکھنا چاہتا کہ تذکرہ نویسی کس قدر مشکل کام ہے یا اُس کے لئے کیسی مخصص قابلیت کی ضرورت ہے جو ہر شخص کا حصہ نہیں انتخاب کلام کے لئے کیسے بالغ نگاہی غائر نظری درکار ہے اور سلامتی طبع کے ساتھ کیا سامان فراہم ہونا چاہئے مگر اس قدر ظاہر کرتا ہوں کہ ان صفتوں میں مؤلف نے ایسا امتیازی پایہ حاصل کیا کہ اُنہوں نے خمخانۂ جاوید جیسے تذکرہ کی تدوین کا بار اہتمام اپنے فرط لیاقت سے اُٹھایا۔

مؤلف اعلے مغربی تعلیم یافتہ ہیں اور یہ مسلم ہے کہ اونہیں ایم۔ اے کی ڈگری کے ساتھ

قانون دانی کے فضائل مزید برآں ہیں لیکن یہ بات غیر معمولی ہے کہ ایشیائی علوم کا خاص وسلیم مذاق اُنکو طبیعتاً ہے اور باوجود علوم جدیدہ کے مزاولت کے علوم قدیمہ کے قدر وشوق مطالعہ اُنکا ایسا بڑھا ہوا ہے کہ بہت کم مثالیں اسکی ملک میں میسر آسکتی ہیں یہ تذکرہ ہی اس امر کی حجت ہے کہ ملکی زبان اور اہل زبان اور زبان داں ارکان کے کلام کا جمع کرنا اُنکی قدامت دوست وشوار پسند طبیعت کے علوم قدیمہ کی قدر پر حاوی ہونے کا مظہر ہے میرے واجب المحبت وعزت دوست (مؤلف) جس طرح علوم جدیدہ کے عالم ہیں قدیمہ علوم میں بھی ماہر ہیں۔ علم اُنکے خاندان میں متوارث ہے اُنکے والد ماجد ہندوستان کے نامور فاضل تھے اُنکے چچا اپنی ذی علمی سے پنجاب کے اہل علم کے سربرآوردہ جماعت کے اعلیٰ ممبر سمجھے جاتے ہیں ہر شخص آنریبل رائے بہادر سر بدن گوپال صاحب ایم اے بیرسٹرایٹ لا اور رائے بہادر لالہ پیارے لال صاحب کو جانتا ہی نہیں بلکہ اُنکی مستند لیاقت کو مانتا ہے یہ ہی روحانی ومورونی اثرات تھے جنہوں نے مؤلف کو جدید وقدیم علوم کی شاہراہ کا سالک بنایا اور اس تذکرہ جلیسی ضخیم کتاب کی تالیف کے لئے متوجہ کیا جسکی نسبت یہ کہنا بیمحل نہیں۔ کہ

بت خانۂ ہند را دراست ایں	ناموس ہزار پیکر است ایں
ہر نکتہ بہ شعلہ ایست ہمدوش	ہر لفظہ بہ اخگرے ہم آغوش
حرفش ز خراش دل نشانے	معنی ز گداز ترجمانے
از ہر چہ گدشت رو بر تاب	ویں نادرہ سر گذشت دریاب

اس میں شک نہیں کہ فی زمانہ ایشائے شاعری کی وقعت ورواج کا آفتاب مرزبوم ہندوستان میں قریب الغروب ہے اور علوم جدیدہ کے خزائن کی مالک پارٹی ایسے نقد کلام کو سخت حقارت سے کم نہیں سمجھتے الا مؤلف نے چونکہ اس مسئلہ پر سرسری نظر نہیں ڈالی اور بعد غور کلام کے فلسفہ کو سمجھکر اُسکا مہتم بالشان اور عظیم فائدہ پبلک کے لئے

محسوس کیا اس واسطے تذکرے کے مدون کرنے کے لئے اُن عمومی اور سرسری خیالات کے علی الرغم قلم اوٹھایا۔

مجکو اس امر کا اعتراف ہے اور معزز مولف کے خیال سے اتفاق کہ مطلقاً کلام انسانی طبائع پر موثر ہے۔ لہذا جس قدر اُس میں موزونیت وخوبی ہوگی زیادہ موجب تاثیر ہوگا کیونکہ کائنات دو چیزیں ہیں جو طبایع پر اثر کرتی ہیں اُستاد الکل شیخ الرئیس ابو علی ابن سینا فاضل کے دوست وہمعصر ابو الحسن پر وصی نے اپنے بے مثل تصنیف میں فیصلہ کر دیا ہے کہ اشیاء واسمار دونوں طبایع انسانی میں موثر ہیں اور اُن سے ہم بعض فوق العادت اور عظیم تغیرات کا مشاہدہ کرتے ہیں صاحب تاریخ الحکمائے متقدمین کے حالات ذکر کرتے ہوئے ایک دلچسپ حکایت لکھی ہے جسکی نقل یہاں خالی از لطف نہیں کیونکہ وہ بدیہی برہان کلام کی تاثیر کی ہے۔ مورخ مذکور نے لکھا ہے کہ دو حکیموں میں جو معاصر تھے مباحثہ ہوا ایک کا دعوے تھا کہ صرف اشیا کا تاثر ہوتا ہے۔ دوسرا مدعی تھا کہ اسما بھی خالی از اثر نہیں دونوں دعاوی کے ثبوت میں دلائل بیان کرتے تھے اور ایک دوسرے کے دلیل کی تردید کرتا تھا۔ اس مناظرہ نے طویل وقت لیا اور دن ختم ہونے لگا اُس وقت اُس مدعی نے جو اسمار کے تاثیر کا مثبت تھا اپنے مخاطب سے کہا کہ اے حمار تو نے فضول ولاطائل بحث میں اپنا اور میرا عزیز وقت ضایع کیا جو میرے اور تیرے زندگی کے لایق قدر ساعتوں کے برباد ہونے کی افسوسناک یادداشت رہنے والی ہے۔ یہ غیر مہذب فقرہ سنکر مخاطب کو غیظ وجوش آیا اور اپنے ہمراہیوں سے گویا ہوا کہ اس ناشایستہ بدزبان حریف کو جواب دیا جائے اُسکے حاضر الوقت معین گروہ نے اوپر حملہ کیا قریب تھا کہ اُس بیچارہ فاضل کی زندگی کا چراغ اس بحث کے خاتمہ سے قبل گل ہو جاوے کہ اُسنے حملہ آوروں سے اپنے پاس آنے کے پہلے اپنے قریب سے کہا کہ افسوس تم کلام کی تاثیر کے منکر ہو اور میرے محض ایک لفظ حمار کے اپنے مقابل استعمال سے جو چار مہملہ حرفوں سے ترکیب دیکر معرض نطق میں لایا گیا ہے اور وہ بجائے

خود میرے دعوے کے ثبوت کی محکم حجت ہے ایسے مشتعل ہوئے کہ مناظرہ کو مجادلہ بنا دیتے ہو اس مقولہ کو سنکر اُسکے مخاطب کو انفعال ہوا اور اُسنے تسلیم کر لیا کہ اسمار فی الحقیقت موثر ہیں یہ ایک حکایت تھی جو بسبیل ذکر تمثیلاً زبانِ قلم سے نکلی ورنہ شب و روز کے واقعات ہی اِس امر کی بین دلیل ہیں کہ دوستی ۔ دشمنی ۔ قرب ۔ بُعد ۔ مغارت ۔ مقارنت ۔ وغیرہ جملہ نسبتوں اور تعلقات میں کلام کے تاثیر کو بڑا دخل ہے ۔

ماوٹلا اسکے سبز و زار تاریخ کے اوراق ان تذکروں سے گلزار بنے ہوئے ہیں کہ ہر دور و عہد میں کلام کی آبیاری سے رنگا رنگ کے انقلاب ۔ قوموں ۔ دولتوں ۔ میں پیدا ہوئے ۔ ایک ایک لکچر و خطبہ نے ممالک ہلا دیئے ایک ایک نظم و مرثیہ نے غافلوں کو بیدار بزدلوں کو شجاع بنا دیا ۔ کہیں مذہبی مصالح پورا کرنے میں کلام نے دخل پایا اور اپنے قوی تاثیر سے عالم روحانیت میں انفعال پیدا کرنے کے لئے مندروں میں بھجن اور گیت بنکر اور مجالس سماع میں غزل وغیرہ وغیرہ کا لباس پہنکر انسانی ہستی میں غیر متوقع اور قابلِ حیرت تغیر پیدا کرنیوالا ثابت ہوا جس سے روحانی کمالات میں نمایاں ترقی ہوئی ۔

جب دور اندیش اور مصلح دماغوں نے اوسکی تاثیر کی بالبداہت ثبوت دیکھے تو اُسکی فصیح بلیغ کرنے میں ساعی ہوئے حتیٰ کہ اوسکو ایسی موزونیت کا خلعت پہنایا جو آجتک نظم کے نام سے موسوم چلا آرہا ہے ۔

اس بات کا تحقیق نہایت مشکل ہے کہ سب سے پہلے کس صواب اندیش دماغ نے کلام کے اس اصلی مفہوم کو سمجھا اور اُسکی موزونیت کی داغ بیل دنیا میں ڈالی اگرچہ مورخوں نے قلم تحقیق اُٹھائے ہیں اور لکھا ہے مگر اختلاف کی جزئیات نے تحقیق میں اہمیت پیدا کر دی ہے جس سے صاف معلوم نہیں ہوتا کہ اس ایجاد کا فخر کسکو ہے ابن اثیر اور بعض اُن کے متبع مورخ حضرت آدم علیہ السلام کی طرف اس اختراع کو منسوب کرتے ہیں قاسم ابن سلام بغدادی شعر عربی کا یعرب بن قحطان کو موجد بتاتے ہیں ۔ بعض اہلِ تاریخ اشعر بن سبائے یمنی سے

نسبت دیتے ہیں اور بعض مہلہل سے فارسی زبان کا پہلا شاعر بہرام گور بتایا جاتا ہے جو وسیع سلطنت کا حکمراں تھا۔ اُسکے بعد یعقوب بن لیث یا ابوحفص سغدی کو اسکا مالک بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سلاطین سامانیہ کے دور حکومت میں رودکی نے زبان فارسی کی شاعری کو کمالیت کے مرتبہ پر فائز کیا بعدازاں وقتاً فوقتاً مختلف اساتذہ کی مختلف موشگافیوں سے کمال کو پہونچی انگریزی زبان کی نظم گوئی میں چاسر کی اقدمیت کی فضیلت بیان کی جاتی ہے۔ ہندی زبان میں والمیک اور کالیداس کو خالق نظم کہا جاتا ہے اُردو زبان میں ولی نظم کلام کی درگاہ کے پہلے سجادہ نشین مانے جاتے ہیں۔ اِن تمام بزرگواروں کی فلسفیانہ فکر اور دوربین نگاہ نے اصل مقصد کلام کے حاصل کرنے میں کامیابی پائی اور دنیا کو دکھایا کہ کلام کی زبردست تاثیر زہر و تریاق کے اثر سے زیادہ فوری قوت رکھنے والی ہے اور جس سے قوی ارواح میں تحریک۔ قدرتی واردات کے اظہار سے کیفیت۔ مشاہد و مناظر پر قوت غور۔ خیال میں استقلال پیدا ہوتا ہے۔

زمانہ کی گردش سے جب انسانی مذاق کے سالک تبدیل ہوئے تو ایشیا میں یہ عمدہ و برگزیدہ مقصد بھی محض حسن و عشق کے منحوس و خیالی تصویروں کے دائرہ میں محدود ہو گیا اور فرقت کے صدمۂ وصل کی لذت کا مفسرہ رہ گیا لیکن باینہمہ علوم کے خزانوں پر کسی قدر اسکو قبضہ باقی یا زبان کی دارالسلطنت پر پورا اقتدار قایم رہا اور نیز ہر زمانہ کے مذاق طبیعت اور اہل زمانہ کے خاص حالات زندگی کے مُشعر ہونے کا وصف رہگیا۔

فرضی حسن و عشق کے جھگڑوں نے اگرچہ اسکو اپنا مرکز بنا لیا مگر پھر بھی دلی جذبہ۔ فطرتی میلان طبعی جوش کے اظہار کے آلہ ہونے کی صفت اسمیں ایسی قائم رہے جو گزشتہ سلسلوں کو توضیح حال و خیال کے لئے ایک بہترین نمائشگاہ ہے۔

انہیں اصلی باتوں کو ملحوظ رکھکر لائق مؤلف نے ایسے تذکرے کی ضرورت کا ادراک کیا اور اپنے بلند خیالی سے اُسکے پورا کرنے کی کوشش کی۔

ہمارے ملکی زبان کی نظم کی بہت سے قابلِ قدر تذکرے لکھے گئے اور اہلِ ملک نے انکو عزت کے ہاتھوں میں لیا۔ شوق کی آنکھوں سے دیکھا لیکن یہ تذکرہ اپنی مخصوص خوبیوں کیوجہ سے اپنے طرز اور ایفائے ضرورت میں ایسی قیمتی اور قابل پسند چیز ہے جسکو ہماری زبان کی تصنیفات میں ایک مفید اضافہ کہنا ہرگز مبالغہ نہیں۔

اِس تذکرے میں مؤلف نے اصل مقصد نظم کی رعایت سے جسکو ظاہر کیا گیا ہے منتخب شعرا کے کلام کے انتخاب ہی پر اقتصار نہیں کیا بلکہ نہایت فیاضی سے ملک کے اُن تمام شاعروں کے کلام کو درج کیا جنکے کلام تک اُنکی آگاہی کا ہاتھ پہونچا اس کے انصرام میں اُسکو بلیغ سعی کرنی پڑی یا کثیر صرفے سے کام لینا پڑا مگر وہ مدعا ضرور حاصل ہوا جو اِس تذکرہ کا موضوع ہے اِس تذکرے نے ایسی سہولت پیدا کردی کہ ہر شخص مختلف اقطاع و امصار کے باشندونکی زبان اور خیالات سے بآسانی واقف ہوسکے گا اور اُسکو زمانۂ ماضی و حال کے تبادلہ خیالات و زبان کی واقفیت کا موقع ملیگا۔

ہجو و مواصلت کے شرمناک قصونکو چھوڑکر خدا صفدع صاکدر کی رعایت سے اہل ملک کے طبعی حالات۔ خصائل۔ عادات۔ روحانیت۔ زبان کی روئداد معلوم کرنے کا فائدہ مند کارنامہ ہے۔

سخن فہمی کے قدرتی انصاف سے انتخاب کلام میں کیا بہ حیثیت کوائف ذاتیہ شاعر کیا بہ اعتبار زبان کیا بہ صورت ادائے مقاصد ایسے شائستگی و تسلسل سے مولف نے کام لیا ہے کہ اُسکا عدیل آیندہ کبھی ایسے اور انتخاب کیلئے ملنا سہل نہیں معلوم ہوتا اہل کمال کے اندراج حالات میں جہانتک مؤلف کو علم ہوا ہے کمی نہیں کی اور نہایت صداقت سے بغیر رنگ آمیزی مدح و ذم اونکو قلم بند کیا گیا ہے جس سے ایک تذکرہ نویس کے پورے فرض کا ادا ہونا تسلیم ہوتا ہے۔

حسن ترتیب خوبی التقاط۔ مؤلف کے بے انتہا تہذیب۔ سلیقہ مندی۔ سخن شناسی پر دال

سے جو اس تذکرے کے خصوصیت سے لایق ذکر صفت ہے۔

مجموعۂ یہ تذکرۂ تالیفی عالم میں بے مثل کہے جانے کا مستحق اور اُسکے مؤلف اُردو زبان کے مربی سمجھے جانیکے اہل ہیں جنکا پبلک کو شکر گذار ہونا چاہیئے کہ کیسے خوش اسلوب تالیف اُسکی کتب خانۂ زبان میں بڑھی جو اپنے محاسن سے نہ اہل سخن یا مشتاقان فن شعر کو ہی فائدہ پہونچانیوالی ہے بلکہ اُردو زبان کے مفید ترکتاب ہے۔

میں خمخانۂ جاوید کے مؤلف اپنے معزز دوست لالہ سریرام صاحب کو مبارکباد دیتا ہوں کہ اُنکی کوشش مشکور ہوئی اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ جس شاقہ محنت اور سخت تردد سے مؤلف نے اپنے تذکرے کو لکھا ہے ایسے ہی مفرط شوق سے ملک اسکی منزلت کرے اور یہ عمدہ تالیف اُردو زبان کی ذخیرہ کتب میں ایسا ہی مکمل و دلفریب اُنکا اور کلام کا جاودانی تذکرہ و یادگار سمجھا جاوے جیسا کہ میں سمجھتا ہوں۔

وکم للہ من لطف خفی	یدق خفاہ عن فہم الذکی
وکم ہم تعانیہ صباحا	فتعقبہ المسرۃ یا لعشی

خاکسار

رضی الدین احمد عفی عنہ

از دہلی

۲۸۔ مارچ ۱۹۰۸ء



اعلان

حضرات شعرا اور دیگر ناظرین تذکرہ کی خدمت میں التماس ہے کہ تذکرہ خمخانۂ جاوید کے بقیہ چار دفتر جو زیر ترتیب ہیں حتی الوسع جلد شائع ہونگے۔ جلد ثانی کی نظر ثانی ہو رہی ہے اور اس کی کاپی عنقریب شروع ہو جائیگی۔ جو حضرات اپنا یا اپنے بزرگوں کا غیر مطبوعہ کلام اور حالات درج تذکرہ کرانا چاہیں وہ مندرجہ ذیل پتہ پر خط و کتابت کریں۔

تذکرہ کی خریداری کے لئے بھی اسی پتے سے درخواستیں آنی چاہئیں چونکہ درخواستیں کثرت سے آ رہی ہیں۔ تھوڑی جلدیں باقی رہ گئی ہیں شائقین جلد درخواستیں بھیجیں ورنہ طبع ثانی کا انتظار کرنا پڑیگا۔ قیمت فی جلد صہ

تذکرہ کی رجسٹری موافق قانون کرا دی گئی ہے۔ کوئی صاحب قصد طبع نہ کریں

دفتر خمخانۂ جاوید۔ کوٹھی آنریبل رائے بہادر لالہ من گوپال صاحب رئیس

لاہور